
قص
درویش
اسلم راہی
ایم اے

فطرت کی بزم ارتقاء میں سورج جذبوں کی بکھری داستانوں کی طرح دھوپ کے پر جفا دشت کو سمیٹتا ہوا' برفانی سمندروں کے زرد چہروں کی طرف غروب ہو رہا تھا۔ کابل کے نواحی کوہستانی سلسلوں کے اندر بارہ تیرہ سال کا ایک لڑکا وادی کے اندر بکھری ہوئی بھیڑوں کو ہانکتے ہوئے ایک جگہ اکٹھا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ شاید وہ اپنے ریوڑ کو گھر لے جانا چاہتا تھا۔ اس لڑکے کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس سے وہ بھیڑوں کو ہانک رہا تھا۔ اس کے کندھے پر کمان پشت پر چھوٹے چھوٹے تیروں سے بھرا ہوا ترکش اور اس کی کمر سے ایک چھوٹی سی تلوار لٹک رہی تھی۔ ان سب اشیاء کے علاوہ حیرت انگیز چیز یہ تھی کہ لڑکے کی گردن میں لوہے کا ایک موٹا کڑا نما طوق تھا اور ایسے ہی لوہے کے مضبوط کڑے اس کی ٹانگوں پر بھی تھے۔ جب لڑکا ادھر ادھر بھاگتے ہوئے بھیڑوں کو سمیٹنے کی کوشش کرتا تو گردن کا طوق اور پنڈلیوں کے وہ کڑے بری طرح ہلتے جس کے باعث اس لڑکے کی گردن کا ایک حصہ اور دونوں ٹانگیں ٹخنوں کے قریب اس طوق اور کڑوں کی وجہ سے سیاہی مائل ہو چکی تھی۔

اپنے ریوڑ کی بھیڑوں کو ایک جگہ جمع کرنے کے بعد وہ لڑکا انہیں ہانکنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ وہ چونک سا پڑا۔ اس لئے کہ کوہستانی سلسلے میں اسے بھاگتے گھوڑوں کی تیز ٹاپوں کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ لڑکا اپنے ہاتھ میں چھڑی تھامے چونک کر ایک جگہ کھڑا ہو گیا تھا۔ پتھریلے کوہستانوں کے اندر گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز کچھ ایسا سماں باندھ گئی تھی جیسے دشت امکان کے کوبہ کو قریہ بہ قریہ اور جوبہ جو میں اشتیاق اور اضطراب کا کوئی انقلاب رونما ہونے لگا ہو۔ یا یہ کہ خواب لمحوں میں پنہاں آرزوؤں میں تنہائیوں کی رازداری کی کوئی تبدیلی کروٹ لینے لگی ہو۔ اچانک کوہستانی سلسلے کے

اندر سے کچھ گھڑ سوار نمودار ہوئے اور اس لڑکے کے ریوڑ کے قریب آ رکے تھے۔
ان سواروں کو دیکھتے ہوئے دھواں دھواں فضاؤں میں لڑکے کی دہکتی شعلہ بار آنکھیں ایسا منظر پیش کرنے لگی تھیں جیسے کوئی ان لکھا لفظ قرطاس پر رقص کرنے کو ہو۔ یا بند صحیفے کھل کر کرنوں کے الہام میں ان دیکھے خوابوں کی تعبیر پیش کرنے لگے ہوں۔

بے خزاں پھولوں کی اس وادی میں رکنے کے بعد ان سواروں میں سے ایک نے آواز دے کر اس لڑکے کو اپنی طرف بلایا۔ لڑکا تھوڑی دیر تک اپنی جگہ جم کر بغور انہیں دیکھتا رہا۔ لمحہ بھر کے لئے اس کا ننھا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر چلا گیا تھا پھر شاید اس نے کچھ سوچا پھر اس کے بعد اپنی چھڑی ہلاتا ہوا جب ان کے قریب جا کر کھڑا ہوا۔ تو جس سوار نے اسے بلایا تھا وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اترا اور اس لڑکے کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ تیرا نام کیا ہے۔ لڑکے نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا میرا نام عبداللہ ہے۔

اس سوار نے لمحہ بھر کے لئے سوچا پھر وہ دوبارہ اس لڑکے کو مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ لڑکے تو نے احمد شاہ ابدالی کا نام سن رکھا ہو گا۔ ہمارا تعلق اسی احمد شاہ کے لشکر سے ہے۔ احمد شاہ نے کابل کے نواح میں اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر رکھا ہے اور ہم اپنے لشکر کی خوراک کے لئے جانور خریدنے کے لئے نکلے ہیں۔ دیکھو تیرے ریوڑ میں سے ہم بیس بھیڑیں حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو ان کی کیا رقم لے گا۔

اس لڑکے نے لمحہ بھر کے لئے اس سوار کو بڑے غور اور انہماک سے دیکھا۔ پھر وہ پہلی بار بولا اور بڑے تند اور فیصلہ کن اندازہ میں وہ کہنے لگا۔

میں نہ کسی احمد شاہ کو جانتا ہوں اور نہ تم لوگوں سے واقف ہوں۔ میں اپنی بھیڑیں فروخت نہیں کروں گا۔

اس سوار نے اس بار خفگی ناراضگی اور کسی قدر غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے کہا اگر تو بھیڑیں فروخت نہیں کرے گا تو پھر ہم زبردستی تیرے ریوڑ سے اپنی ضرورت کے مطابق بھیڑیں لے لیں گے۔ تجھے رقم بھی ادا نہیں کریں گے اور تیرے پاس پچھتاوے کے علاوہ کچھ بھی نہیں رہے گا۔ لہٰذا تیرے لئے بہتر یہی ہے کہ تو چاندی کے ایک مہرے کے عوض ہمیں بیس بھیڑیں دیدے۔

اس سوار کی یہ گفتگو سن کر لڑکا بپھر گیا اور اس کے اداس چہرے کی اذیت میں ہجر لمحوں کا عذاب اور عداوتوں کی گھٹائیں جوش مارنے لگی تھیں۔ اس کی گہری اور بڑی بڑی آنکھوں کے اندر نفرت سے بھرا ہوا کچھ ایسا سماں بندھ گیا تھا جیسے سمندر کے ابلتے سینے پر سیل آتش و طوفان میں برہنہ اور گرم آگ کے شعلے لمحوں کی یورش کی طرح وقت کی طنابیں توڑنے کی کوشش کرنے لگے ہوں جب کہ صدیوں پرانے کھنڈر جیسے اس کے ماتھے کی شکنوں میں دہر کے انقلاب زیست کے دریائے تند موت کے گہرے سمندر اور رات کے تالاب میں کرب کی ژالہ باری کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

تھوڑی دیر تک وہ لڑکا اپنی اس کیفیت اپنی اس حالت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر وہ انتہائی تند آواز اور فیصلہ کن لہجے میں بولا اور کہنے لگا۔

تم لوگ زبردستی میری بھیڑیں حاصل نہیں کر سکتے۔ اگر تم میں سے کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو نقصان اٹھائے گا۔

لڑکے کی اس گفتگو پر سوار نے جو اس سے گفتگو کر رہا تھا ایک مکروہ اور زہر بھرا قہقہ لگایا۔ پھر وہ عجیب سے تضحیک آمیز انداز میں کہنے لگا۔

تو گویا تم ہمیں نقصان پہونچاؤ گے۔ اچھا میں اپنی ضرورت کے مطابق تمہاری بھیڑوں کو ہانکتا ہوں پھر دیکھتا ہوں کہ تو ہمیں کیا نقصان پہونچاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ سوار آگے بڑھا ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے لڑکے سے اس کی چھڑی چھین لی پھر ریوڑ میں داخل ہوا اور اپنی ضرورت کے مطابق کچھ بھیڑیں اس نے ایک طرف ہانکنا شروع کی تھیں۔

اس سوار کی اس حرکت پر لڑکا بے چارہ لمحہ بھر کے لئے بوندوں میں کھوئے راستے اور کوہستانوں میں بھٹکنے والی بے آب گھٹاؤں کی طرح اداس اور افسردہ ہو گیا تھا۔ پھر اچانک اس کے اندر انقلاب رونما ہوا۔ کچھ اس طرح گویا اس کی سانسوں کی دھاریں قاتل بننے لگیں ہوں اور وہ ہر ساعت اذیت اور ہر لمحہ قیامت کا روپ

دھارتے ہوئے زمین کی ساری تہیں کھنگال دینے کا عزم کر چکا ہو۔ پھر لڑکے کو نہ جانے کیا ہوا بجلی کے ایک کوندے کی طرح وہ حرکت میں آیا اور ایک قریبی پتھر کی اوٹ میں ہو کر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد اس نے کندھے پر لٹکتی ہوئی۔ کمان درست کی۔ ترکش سے تیر نکال کر اس نے چلے پر چڑھایا اور کچھ اس طرح تاک کر اسی بھیڑیں ہانکنے والے سوار کو مارا کہ اس کا تیر عین اس سوار کے اس ہاتھ میں جا کر پیوست ہوا تھا جس ہاتھ وہ سوار اس لڑکے کی چھڑی پکڑے اس کی بھیڑیں ہانک لے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

تیر جو اس سوار کے ہاتھ کو چھیدتا ہوا نکل گیا تو وہ بری طرح زخمی ہو گیا تھا۔ اس کے ہاتھ سے چھڑی چھوٹ کر گر گئی تھی اور وہ درد کی شدت کے باعث شور شرابا کرنے لگا تھا جب کہ اس نے بھیڑوں کو ہانکنا بند کر دیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے اس کے ساتھی سوار حرکت میں آئے انہوں نے اپنی تلواریں سونپ لیں اور اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا کر وہ لڑکے کی طرف بڑھے شائد لڑکے پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ اس پر لڑکے کی غضبناک آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔

سنو۔ اجنبی سوارو میرے نزدیک آنے کی کوشش مت کرنا۔ تم نے مجھے نقصان پہونچانے کی کوشش کی تو یاد رکھو۔ میرے پاس ابھی ان گنت تیر ہیں۔ میرا نشانہ بڑا بے خطا ہے۔ جس طرح میں نے تیر مار کر تمہارے ساتھی کو زخمی کیا ہے اسی طرح میں تمہیں بھی زخمی کر دوں گا۔ بعد میں یہ مت کہنا کہ میں نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے۔

اس لڑکے کے منع کرنے کے باوجود بھی جب وہ سوار آگے بڑھے تو لڑکا پھر حرکت میں آیا۔ بڑی تیزی سے اپنے ترکش سے تیر نکال کر وہ اپنی کمان کے چلے پر چڑھاتے ہوئے تاک کر انہیں مارتا رہا۔

لڑکے کی تیر اندازی حیرت انگیز طور پر بے خطا تھی۔ اس لئے کہ اس نے تیر چلاتے ہوئے اپنی طرف بڑھنے والے سارے سواروں کو زخمی کر دیا تھا اور سب سے

بڑھ کر تعجب اور حیرانگی کی بات یہ تھی کہ اس کے تیر ہر سوار کے دائیں بازو کے کندھے کے قریب پیوست ہوئے تھے۔

اس صورت حال پر وہ سوار اور زیادہ سیخ پا ہو گئے تھے پھر انہیں سے ایک چلا کر کہنے لگا۔ آگے بڑھو اور اس لڑکے پر حملہ آور ہو کر اسے موت کے گھاٹ اتار دو۔

سوار اپنے زخموں کی اذیت پر للکارتے ہوئے آگے بڑھ کر اس لڑکے پر حملہ آور ہونا ہی چاہتے تھے کہ اچانک اس وادی میں ایک سوار نمودار ہوا اور چلا کر کہنے لگا۔

خبردار اس لڑکے پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہ کرنا۔ آنے والا نیا سوار شائد پہلے سے آنے والے سواروں کا کوئی کماندار تھا لہٰذا اس کا یہ حکم سنتے ہی وہ اپنی جگہ رک گئے تھے۔ نیا آنے والا سوار قریب آیا اس نے دیکھا ان سب کے شانے زخمی تھے ان سے خون بہہ رہا تھا جبکہ ایک سوار کا ہاتھ زخمی تھا اور وہ اپنے زخمی ہاتھ پر اپنا لباس پھاڑ کر پٹی باندھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ نئے آنے والے سوار نے تھوڑی دیر کے لئے اپنے ان زخمی ساتھیوں کو حیرت اور تعجب سے دیکھا پھر اس نے پوچھا۔

یہ تم لوگوں کو کیا ہوا۔

اس پر ایک سوار بولا۔ دکھ اور پریشانی میں کہنے لگا۔

ہم لشکر کے لئے اس لڑکے کے ریوڑ سے بھیڑیں حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جواب میں یہ ہم پر حملہ آور ہوا اور تیر چلا کر ہم سب کو اس نے زخمی کر دیا ہے۔ اب ہم اس لڑکے کو قتل کئے بغیر یہاں سے ٹلیں گے نہیں۔ اس پر نیا آنے والا سوار کہنے لگا۔ نہیں تم ہرگز اس پر حملہ آور نہیں ہو گے۔ اس سے معاملہ بگڑ سکتا ہے۔ نازک صورتحال کا فیصلہ صرف احمد شاہ ہی کرے گا۔ تم بھیڑوں کے سارے ریوڑ کو ہانک کر لشکر کی طرف لے چلو۔ میں اس لڑکے کو اپنے ساتھ لیکر آتا ہوں۔ اپنے اس کماندار کا حکم سن کر وہ سب سوار حرکت میں آئے اور ریوڑ کو ہانک کر اپنے پڑاؤ کی طرف لے جانے لگے تھے۔ نیا سوار اپنے گھوڑے سے اترا تھوڑا سا آگے بڑھ کر لڑکے کے قریب آیا اور کہنے لگا۔

دیکھو بیٹے۔ میرا نام برخوردار خان ہے۔ میں احمد شاہ ابدالی کے کمانداروں میں

سے ایک ہوں۔ بیٹے میں تجھے کوئی نقصان نہیں پہونچاؤں گا۔ تو میرے ساتھ میرے لشکر میں چل۔ چونکہ تو نے کچھ سواروں کو زخمی کیا ہے لہٰذا اس معاملے کا فیصلہ ہمارا حکمران احمد شاہ ہی کرے گا اور سن وہ انصاف کرے گا۔ ظلم نہیں کرے گا۔ تو میرے ساتھ چل۔ کوئی تجھے نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ عبداللہ نام کے اس لڑکے نے لمحہ بھر کے لئے برخوردار کی طرف بڑے غور اور گہرے انداز میں دیکھا۔ پھر وہ دھیمی سی آواز میں کہنے لگا۔

میں نہیں جانتا تمہاری باتوں میں کس قدر سچائی ہے لیکن تم نے چونکہ مجھے بیٹا کہہ کر پکارا ہے۔ لہٰذا میں تم پر اعتبار کرتا ہوں بشرطیکہ میرا انصاف کیا جائے۔

برخوردار کہنے لگا۔

تو اٹھ تو سہی بیٹے۔ دیکھ تیرے ساتھ انصاف ہی ہو گا۔ ظلم نہیں ہو گا۔

لڑکے کو شائد کسی قدر اطمینان ہو گیا تھا۔ وہ تیر جو اس نے اپنی کمان کے چلے پر چڑھایا ہوا تھا۔ واپس اس نے اپنے ترکش میں ڈال لیا کمان کندھے سے لٹکائی پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا آگے بڑھا اور برخوردار کے قریب آ کر کسی قدر نرم آواز میں کہنے لگا۔ میں تمہارے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہوں۔ برخوردار آگے بڑھا لڑکے کو سہارا دے کر اس نے گھوڑے پر بٹھایا خود بھی وہ اپنے گھوڑے پر بیٹھا پھر اسے ایڑ لگا کر کوہستانی سلسلوں میں ایک طرف ہانک دیا تھا۔

برخوردار کے پہنچنے سے پہلے ہی پہلے شائد ان سواروں نے سارا معاملہ احمد شا ابدالی تک پہونچا دیا تھا۔ اس لئے جب برخوردار عبداللہ کو لیکر اپنے لشکر کے پڑاؤ میر داخل ہوا تو اس نے دیکھا کھلے میدان میں نیم دائرے کی صورت میں لشکری بیٹھے ہوئے تھے جب کہ اس نیم دائرے کے سامنے والے حصے میں کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ایک چٹائی پر احمد شاہ خود بیٹھا ہوا تھا۔

چٹائی پر احمد شاہ ابدالی کے دائیں طرف قاضی القضاۃ فیض اللہ خاں اور لشکر کے قاضی ادریس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی کا وزیر شاہ ولی خان سپہ سالار جہان خان پوپلزئی احمد شاہ کا بڑا بھائی ذوالفقار۔ احمد شاہ کا چچا سربلند خاں بیٹھے ہوئے تھے جب کہ احمد شاہ کے بائیں طرف چٹائی پر احمد شاہ کے بیٹے سلیمان، تیمور، پرویز، سکندر کے علاوہ احمد شاہ کا بھتیجا عبدالخالق اور احمد شاہ کا دوسرا بھتیجا لقمان خان بیٹھے ہوئے تھے۔

برخوردار نے عبداللہ کو لے جا کر چٹائی پر بیٹھے ہوئے احمد شاہ کے سامنے کھڑا کر دیا اور وہ خود احمد شاہ کے ایک طرف جا کر بیٹھ گیا تھا۔

احمد شاہ نے تھوڑی دیر تک عبداللہ کا بغور جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا عبداللہ کے گلے میں لوہے کا موٹا کڑا نما طوق تھا اور ایسے ہی کڑے اس کی دونوں ٹانگوں میں بھی تھے۔ احمد شاہ نے یہ بھی دیکھا کہ اس لڑکے کا لباس بوریئے کے اندر اون بھر کر بنایا گیا تھا لڑکے کے سر پر جو گھسی ہوئی بوسیدہ ٹوپی تھی وہ بھی بوریئے اور بھیڑوں کی اون سے ہی بنی ہوئی تھی۔ لڑکے نے جو پاؤں میں جوتا پہن رکھا تھا وہ جا بہ جا سے پھٹا ہوا ور پیوند لگا ہوا تھا۔ احمد شاہ بڑی گہری نگاہوں سے کچھ دیر اس لڑکے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر اس نے اس لڑکے کو مخاطب کیا۔

کیا تمہارا نام عبداللہ ہے۔

لڑکا منہ سے کچھ نہ بولا تاہم اس نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا تھا۔

احمد شاہ نے پھر پوچھا۔

تم نے میرے سپاہیوں کو تیر مار کر زخمی کیوں کر دیا۔

اس بار لڑکے نے اپنی جھکی ہوئی گردن سیدھی کی بغور احمد شاہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

انہوں نے میرے ریوڑ کی بھیڑوں پر زبردستی قبضہ کرنا چاہا۔ میں چونکہ ریوڑ کا ذریعہ اس کا چوپان۔ محافظ اور پاسبان ہوں لہٰذا میں نے ان پر تیر چلائے اور انہیں زخمی کیا۔

احمد شاہ نے پھر کسی قدر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

جب میرے سپاہیوں نے تمہیں معقول رقم دیکر تم سے بھیڑیں خریدنا چاہیں تو تم

نے کیوں انکار کیا۔

اس پر لڑکے نے گھور کر احمد شاہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا۔

اول یہ کہ انہوں نے بیس بھیڑوں کی قیمت مجھے صرف ایک مہرہ دینے کی پیش کش کی تھی۔ جو صرف ایک بھیڑ کی قیمت بنتی ہے۔

دوئم یہ کہ میں جس ریوڑ کی پاسبانی کرتا ہوں اس کا مالک نہیں ہوں۔ ایک غلام ہوں اپنے آقا کی بھیڑوں کو ان کوہستانی وادیوں کے اندر چراتا ہوں۔ لہٰذا میں اپنے آقا کے ریوڑ میں سے کوئی بھیڑ بیچنے کا مجاز نہیں ہوں۔ اگر میں ایسا کروں تو میں خیانت اور بددیانتی کا مرتکب ہوں گا اور میں ایسا ہرگز پسند نہیں کرتا۔ بددیانتی اور خیانت کرنے کے بجائے میں موت کو ترجیح دینا پسند کرتا ہوں۔

لڑکے کا جواب سن کر احمد شاہ ابدالی دنگ رہ گیا تھا۔ پھر وہ اپنے پہلو میں بیٹھے قاضی القضاء فیض اللہ خان کو مخاطب کرتے ہوئے تعجب اور حیرت میں کہنے لگا۔

بیس بھیڑوں کی قیمت صرف ایک مہرہ۔ اتنی بڑی زیادتی پھر اچانک احمد شاہ کے ماتھے پر شکنیں اور بل پڑ گئے تھے۔ پھر اس نے اپنے قریب کھڑے ایک مسلح جوان ک مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

جن جوانوں کو اس لڑکے نے زخمی کیا ہے۔ ان سب کو بھی مجرم کی حیثیت سے عبداللہ نام کے لڑکے کے پہلو میں لا کر کھڑا کر دو۔

وہ پہریدار فوراً حرکت میں آیا اور تھوڑی ہی دیر بعد عبداللہ کے ہاتھوں زخ ہونے والے سارے سپاہی عبداللہ کے قریب احمد شاہ کے سامنے آن کھڑے ہو۔ تھے اور ان کے زخموں پر پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

احمد شاہ چند لمحوں تک اپنے سپاہیوں کو دیکھتا رہا پھر دوبارہ اس کی نگاہیں عبدا پر جم گئیں اور اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

تمہاری گردن میں یہ لوہے کا طوق کیسا ہے اور تمہاری ٹانگوں میں یہ طوق کڑے کیسے ہیں۔ کس نے تمہیں یہ پہنائے ہیں اور اس کا کیا مقصد اور مدعا ہے

یہ کہ تمہارے جوتے اس قدر پھٹے بوسیدہ اور مرمت شدہ کیوں ہیں۔ تمہارا لباس ٹاٹ اور بوریئے کا بنا ہوا کیوں ہے۔ کیا تمہارا آقا تمہارے ساتھ سخت گیری کا کام لیتا ہے۔ کیا وہ تم پر ظلم اور ستم کرتا ہے۔ بتا تیری یہ قابل رحم حالت کس نے بنا رکھی ہے۔

عبداللہ احمد شاہ کے ان سوالات کا جواب دینے ہی والا تھا کہ احمد شاہ کے سامنے جو اس کے لشکری نیم دائرے کی صورت میں بیٹھے ہوئے تھے اس دائرے کے اندر دو درویش داخل ہوئے۔ ایک درویش کا نام صابر تھا جسے احمد شاہ ابدالی جانتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی درویش صابر کو اپنا رہبر اور رہنما تسلیم کرتا تھا اور اس درویش صابر کی احمد شاہ ابدالی بڑی عزت و توقیر کرتا تھا۔ تاہم دوسرا درویش نا آشنا اور اجنبی تھا۔ احمد شاہ نے تھوڑی دیر دونوں درویشوں کو بڑے غور سے دیکھا پھر وہ اپنے پہلو بیٹھے اپنے وزیر شاہ ولی خان کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

شاہ ولی خان یہ جو دو درویش سامنے نمودار ہوئے ہیں ایک تو ان میں ہمارا اپنا صابر درویش ہے پر یہ دوسرا درویش کون ہے۔

جواب میں شاہ ولی بولا اور کہنے لگا۔

آقا میں تو صرف اپنے درویش صابر ہی کو جانتا ہوں دوسرا درویش کون ہے میں نہیں جانتا۔

احمد شاہ ابدالی شائد کچھ اور بھی پوچھتا کہ وہ اجنبی درویش ذرا آگے آیا اپنے تھ میں پکڑا ہوا نیزہ زمین کے اندر پیوست کیا۔ تھوڑی دیر تک کمال جرات اور لیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے اپنی آنکھیں احمد شاہ کی آنکھوں میں ڈال کر بڑے ہر بھرے انداز میں اس کی طرف دیکھا پھر ایسی ہی نگاہ اس نے دوسرے درویش پر الی۔ جس کے جواب میں دوسرے درویش نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ڈفلی پر رب لگائی اور ایک عجیب سی دھن میں اس نے ڈفلی بجانی شروع کر دی تھی۔ جس کے جواب میں وہ اجنبی اور نا آشنا درویش اس نیزے کے گرد جو اس نے زمین میں

گاڑا تھا ترکوں کا رقص درویش کرنے لگا تھا۔

احمد شاہ ابدالی بڑی حیرت اور تعجب سے اس درویش کو ترکوں کا رقص درویش کرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس درویش کے رقص میں زندگی کا انجذاب اور باطن کا عکس ماوراء نہاں تھا۔ ایسا لگتا تھا وہ درویش رات کے گوشوں کو مدار عمل بنا کر موت کے اندھے کنویں کا رقص کرنے لگا ہو۔ یا یہ کہ وہ صدیوں کے بھولے خوابوں کے ناطوں کی تلاش میں سرگرداں ہو۔ ڈفلی بجتی رہی اور اس کی لے پر وہ اجنبی درویش اس طرح رقص کرتا رہا جس طرح پر منہ زور بادلوں کی گھٹائیں پانی کی تلاش میں نکلتی ہیں۔

احمد شاہ ابدالی کے سامنے معصوم اور خوبصورت چہرے والا عبداللہ اپنی ننھی اور گہری آنکھوں سے اس رقص کرتے درویش کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس موقعہ پر اس کی حالت ابلتے سوالوں کی ننھی خواہشوں کی طرح ہو کر رہ گئی تھی۔

ڈفلی بجتی رہی۔ لوگ سوالیہ انداز میں دیکھتے رہے۔ درویش رقص کرتا رہا۔ جیسے وہ تپتے سایوں میں انسانیت کے ضمیر کو جھنجھوڑ رہا ہو اور تڑپتی خلاؤں میں ایک جزبہ نہاں بن کر صداؤں کے سایوں کی جھنکار اور بیکراں اندھیروں میں برسوں، صدیوں اور قرنوں کے احساس میں قرب کو تلاش کرتا پھر رہا ہو۔

ڈفلی بجتی رہی۔ وہ اجنبی درویش رقص کرتا رہا اور رقص کرتے کرتے اس کے سر پر بندھے ہوئے عمامے کے پیچ آہستہ آہستہ ڈھیلے ہوتے رہے یہاں تک کہ اس کے سر پر بندھا ہوا عمامہ پورے پیچ ڈھیلے ہو جانے کے بعد زمین پر گر گیا تھا۔ عمامے کے زمین پر گرنے کے ساتھ ہی اس درویش نے رقص بند کر دیا۔ زمین پر گڑا ہوا نیزہ کھینچ کر اس نے سنبھالا پھر اس نے نیزے سے وہ احمد شاہ ابدالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی کھولتی اور گرجتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

سن احمد شاہ جس طرح میرے اس عمامے کے پیچ لمحہ بہ لمحہ ڈھیلے ہو کر میرا عمامہ زمین پر گر گیا ہے۔ اس طرح اے احمد شاہ زندگی کے ماہ و سال بھی عمامے کے پیچ کی

طرح ڈھیلے ہوتے چلے جاتے ہیں اور ایک روز انسان یہاں سے رخصت ہو جاتا ہے۔

احمد شاہ کتاب حیات اٹھا کر دیکھ۔ پلٹ کر کبھی اپنے ماضی کی طرف دھیان کر کہاں گئے گزری رتوں کے تیرے آباؤ اجداد؟

سن احمد شاہ روز شب کے ان ہنگاموں میں لیل و نہار کی اس گردش میں ہر شے عارضی۔ ہر چیز قافلے کی گرد ہے۔

احمد شاہ یہ حرف صوت کے سائے یہ حسن و شوق کی گرمی سب خوابناک کھنڈر ہیں۔ یہ وفاؤں کے شہر یہ اجالوں کی جستجو یہ سرد موسموں کے برہنہ دن سنگ و خشت کے گرنے والے مکان جیسے ہیں۔

احمد شاہ یہ بینائی کے محدب عدسے یہ جسموں کے منشور سے گزرتی شعاعیں زیست کی ست رنگی اور روشنی کی قوسیں بس خوابوں کے پاتال کی مانند ہیں۔

یہ عمردن کی سیال سیاہی بے معنی لفظوں کی بہتی رال ہیں۔ کاغذ کے کورے پنڈے پر لکھی تحریریں ان دیکھی تصویریں۔ ان ہونی تعبیروں کی طرح عارضی ہیں۔

سن احمد شاہ اس کائنات کے سارے رنگ زوال آمادہ ہیں۔ سیل وقت میں موسموں کے خمار زیست کے ریگ رواں۔ گلوں کی سہاگ پتیاں۔ روز شب کے ہنگامے میں یہ نشاط کی ساعتیں اور ہر خوش رنگ منظر عارضی ہی عارضی ہیں۔ یہ وداع اور وصل کی لذتیں۔ فنا کے لمحوں جیسی ہیں۔ سن احمد شاہ اس عارضی اور مستعار زندگی میں صداقت کا محافظ اور دیانت کا امین بن کر اس لڑکے کا فیصلہ کرنا جس کا نام عبداللہ ہے اور جو اس وقت تیرے سامنے کھڑا ہے۔ احمد شاہ جرم و عصیاں کے اناگیر اور ظلمتوں کی بکھری چادر میں مہیب مار سیاہ بن کر اس بچے کا فیصلہ مت کرنا۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ اجنبی درویش کچھ دیر کے لئے رکا پھر وہ دوبارہ احمد شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سن احمد شاہ یہ لڑکا یتیم بھی ہے۔ غلام بھی۔ مسکیں بھی۔ تو میری زبان سے یتیم، مسکین، غلام سے متعلق میرے رسولؐ کے ارشادت سن۔ پھر اس لڑکے عبداللہ کا کوئی

فیصلہ کرتا۔

سن احمد شاہ یتیم سے متعلق میرے رسولؐ نے فرمایا کہ جو کسی رشتہ دار یا غیر رشتہ دار یتیم کی کفالت کرے جنت میں اس طرح ہوں گے یہ فرما کر آپ نے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی کو اٹھا کر دکھایا اور دونوں انگلیوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔

یتیم کے متعلق حضور کا دوسرا فرمان یہ ہے کہ مسلمان کے گھر میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے نیک سلوک ہو رہا ہو۔ بدترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے برا سلوک ہو رہا ہو۔

یتیم سے متعلق میرے رسول کا تیسرا فرمان یہ ہے کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا اور خاص اللہ کی خاطر پھیرا اس بچے کے ہر بال کے بدلے جس پر اس شخص کا ہاتھ گزرا اس کی اتنی نیکیاں لکھی جائیں گی اور جس نے کسی یتیم لڑکے یا لڑکی کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا تو وہ اور میں جنت میں اس طرح ہوں گے یہ کہہ کر آپ نے اپنی دونوں انگلیاں ملا کر دکھائیں۔

احمد شاہ مسکین کے متعلق میرے رسولؐ کا پہلا فرمان یہ ہے کہ بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا۔

مسکین کے بارے میں میرے رسولؐ کا دوسرا فرمان یہ ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے شکایت کی کہ یا رسول اللہؐ میرا دل سخت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا یتیم کے سر پر ہاتھ پھیر اور مسکین کو کھانا کھلا۔

سن احمد شاہ یہ بچہ یتیم بھی ہے اور جو یتیم کا حق مار کھاتا ہے اس کے باپ کی چھوڑی ہوئی میراث سے اسے دھکے دے کر بیدخل کر دیتا ہے یا یہ کہ یتیم اس سے مدد مانگے تو وہ اس پر رحم کھانے کی بجائے اسے دھتکار دیتا ہے اور اگر یتیم اس کے سامنے رحم کی امید لئے کھڑا رہے اور وہ اسے دھکا دیکر دفع کر دے۔ سن بادشاہ ایسے

لوگ سخت گناہ گار ہیں۔ احمد شاہ میں تیرے سامنے یتیم کے بارے میں اپنے رسولؐ کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں۔ پھر تو اس غلام یتیم اور مسکین بچے کے متعلق اپنا فیصلہ صادر کرنا۔

سن بادشاہ رسولؐ کا دشمن ابوجہل ایک یتیم بچے کا وصی تھا۔ وہ بچہ ایک روز اس حالت میں اس کے پاس آیا کہ اس کے بدن پر کپڑے تھے نہ پاؤں میں جوتا۔ اس نے ابوجہل سے التجا کی کہ اس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے اسے کچھ دے۔

مگر ظالم ابوجہل نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور وہ کھڑے کھڑے آخر مایوس ہو کر ہٹ گیا۔

قریش کے سردار جو یہ سارا معاملہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ازراہ شرارت اس یتیم بچے سے کہا کہ دیکھ محمدؐ بن عبداللہ کے پاس جا کر شکایت کر۔ وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تجھے تیرا مال دلا دیں گے۔

بچہ بیچارہ ناواقف تھا کہ ابوجہل سے حضورؐ کا کیا تعلق ہے۔ یہ بدبخت اسے کس غرض کے لئے یہ مشورہ دے رہے ہیں۔

بہرحال وہ بچہ سیدھا حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا حال آپؐ سے بیان کیا آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے اور اسے ساتھ لیکر اپنے بدترین دشمن ابوجہل کے یہاں تشریف لے گئے۔

آپ کو دیکھ کر ابوجہل نے آپ کا استقبال کیا۔ جب آپ نے فرمایا کہ اس بچے کا حق اسے دیدو تو وہ فوراً مان گیا اور اس بچے کا مال لا کر اسے دیدیا۔

قریش کے سردار تاک میں لگے ہوئے تھے کہ دیکھیں دونوں کے درمیان کیا معاملہ پیش آتا ہے وہ کسی مزیدار جھڑپ کی امید کر رہے تھے مگر جب انہوں نے یہ معاملہ دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگے۔

آخر تو نے بھی اپنا آبائی دین چھوڑ دیا۔ اس پر ابوجہل کہنے لگا۔ خدا کی قسم میں

نے اپنا دین نہیں چھوڑا مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ محمدؐ بن عبداللہ کے دائیں اور بائیں ایک ایک حربہ ہے جو میرے اندر گھس جائے گا لہٰذا میں نے چپ چاپ یتیم کا مال اس کے حوالے کر دیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ درویش لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوا۔ دوبارہ بولا اور احمد شاہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

احمد شاہ میں نے جو کچھ کہنا تھا وہ تجھ سے کہہ چکا۔ اب تو عبداللہ نام کے اس بچے کا فیصلہ کر۔ جو غلام بھی ہے۔ مسکین بھی اور یتیم بھی۔ میں دیکھتا ہوں تو کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ درویش آگے بڑھا زمین پر بکھرا ہوا عمامہ اس نے اٹھا کر اپنے سر پر باندھ لیا پھر اپنا نیزہ سنبھال کر چپ چاپ کھڑا ہو گیا تھا۔ دوسرا درویش صابر بھی اپنے ہاتھ میں ڈفلی پکڑے اس درویش کے پہلو میں کھڑا ہو گیا تھا۔

احمد شاہ بولا اور ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تم دونوں آگے بڑھو اور میرے پہلو میں آ کر بیٹھ جاؤ۔ جواب میں وہ اجنبی درویش کہنے لگا۔

جب تک اس بچے کا فیصلہ تم نہیں کرتے اس وقت تک احمد شاہ ہم دونوں یہیں کھڑے رہیں گے۔

جواب میں احمد شاہ ابدالی نے کچھ سوچا پھر دوبارہ بولا اور درویش کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

سن اے اجنبی درویش تیرا نام کیا ہے یہ جو لڑکا میرے سامنے کھڑا ہے اور جس کا نام مجھے عبداللہ بتایا گیا ہے اس سے تیرا کیا تعلق کیا واسطہ ہے۔ اگر تو اس لڑکے کو جانتا اور پہچانتا ہے پھر بتا اس کے گلے اور اس کی ٹانگوں میں لوہے کے موٹے طوق کس نے پہنائے ہیں۔ اس معصوم بچے کو ٹاٹ کا لباس اور ٹاٹ ہی کی ٹوپی کیوں پہنائی گئی ہے۔ کیوں اسے پیوند لگے جوتے پہننے کو دیئے گئے ہیں۔ یہ لڑکا کس کے ریوڑ چراتا ہے کس کا غلام ہے اور کیوں اس کے آقا نے اس کی یہ حالت بنا رکھی ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے ان سوالوں کا جواب دیتے ہوئے وہ درویش کہنے لگا۔ سن احمد شاہ میرا نام عبید اللہ ہے۔ میں ذات کا ترک ہوں اور یہ صابر درویش جو تمہارا جاننے والا ہے یہ میرا پیر بھائی ہے۔ یہ لڑکا جو اس وقت تمہارے سامنے کھڑا ہے جس کا نام عبداللہ ہے میں اس کے باپ کا نمک خوار اور قدر دان رہا ہوں۔

اس لڑکے کے باپ کا نام بیرم خان تھا جو ایک ترک تھا۔ اس لڑکے کی ماں کا تعلق سیستان کے عربوں سے تھا۔

بدقسمتی سے اس لڑکے کی ماں ایسی خوبصورت اور پُرکشش تھی کہ ان علاقوں میں کوئی بھی لڑکی اس جیسی حسین اور پرجمال نہ تھی۔ اس لڑکے کا باپ ایک دراز دست انسان کاخازن تھا جو اس کی ماں سے شادی کا خواہشمند تھا لیکن اس کی ماں نے اس کے ساتھ شادی کرنے سے انکار کر دیا۔ شادی کے بعد اس لڑکے کے باپ بیرم خان کو جب خبر ہوئی کہ جس کے ہاں وہ خازن ہے وہ بھی اس کی بیوی کو پسند کرتا ہے تو وہ بیوی کو لیکر وہاں سے بھاگ گیا اور ایک دوسرے والی اور حکمران کے پاس چلا گیا۔ کچھ عرصہ اس کے باپ بیرم خان نے اس شخص کے ہاں ملازمت کی۔

اسی ملازمت کے دوران یہ بچہ پیدا ہوا۔ پہلے دراز دست انسان نے دوسرے دراز دست انسان سے جس کے یہاں بیرم خان نے ملازمت کی تھی۔ درخواست کی کہ وہ بیرم خان۔ اس کی بیوی کو اس کے پاس واپس بھیج دے۔ اس کے لئے اس نے دوسرے دراز دست کو اچھی خاصی رقم بھی مہیا کی تھی۔

ان حالات میں دوسرے دراز دست انساں نے دونوں میاں بیوی کو اپنے کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ پہلے دراز دست کی طرف روانہ کیا لیکن راستے میں ان دونوں میاں بیوی کو اس کا علم ہو گیا اور دونوں بھاگ کھڑے ہوئے لیکن ان مسلح جوانوں نے ان کا تعاقب کیا اس تعاقب میں اس لڑکے کی ماں ماری گئی اور اس کے باپ کو گرفتار کر لیا گیا۔

اس کے باپ بیرم خان کو گرفتار کرنے کے بعد پہلے دراز دست کے سامنے پیش

کیا گیا۔ جس نے اس کے گلے میں طوق ڈال کر زنجیروں سے باندھا اور بیرم خان کو اپنا قیدی بنا کر رکھا۔

پر وہ بیرم خان انتہا درجے کا دلیر' شجاع اور طاقت ور تھا۔ ایک رات وہ اس طوق کو توڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ جو اس کے گلے میں ڈالا گیا تھا۔ طوق کو توڑ کر وہ بھاگا پر اس دراز دست انسان کے پہریداروں نے اس کا تعاقب کیا بیرم خان اور تعاقب کرنے والوں میں جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں بیرم خان ان کے ہاتھوں مارا گیا۔

اس ساری کارروائی کے دوران میں بیرم خان کے ساتھ تھا اور یہ بچہ میری حفاظت اور کفالت میں تھا۔ بیرم خان اور اس کی بیوی کے مارے جانے کے بعد عبداللہ نام کے اس بچے کو اس کے دادا کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کے دادا نے پورے حالات سننے کے بعد اس کے گلے اور پاؤں میں لوہے کے وزنی طوق ڈال دیئے اور فیصلہ دیا کہ لڑکے کو غلام بنا دیا جائے۔ جب یہ بالغ ہو تو گلے والا طوق اپنے باپ کی طرح توڑنے کی کوشش کرے اگر یہ اس طوق کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے تو اس وقت یہ ایک آزاد انسان کہلائے گا اور اگر یہ اس طوق کو توڑنے میں کامیاب نہ ہو تو پوری زندگی ایک غلام کی حیثیت سے بسر کرے۔

اور اگر یہ اس طوق کو توڑنے میں کامیاب ہو تو ان دونوں دراز دست انسانوں سے اپنی ماں اور باپ کے قتل کا انتقام لے۔ جب یہ ایک دراز دست کو قتل کرے تو ٹانگ کے ایک طوق کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے اور جب یہ دوسرے دراز دست انسان کو قتل کرنے میں کامیاب ہو تو اس کے ٹانگوں میں پڑے ہوئے دوسرے طوق کو بھی نکال دیا جائے تب یہ حقیقی معنوں میں آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتا ہے اور اگر یہ ایسا نہ کرے تو اس کے دادا کا حکم ہے کہ پوری زندگی یہ ایک بے بس غلام کی حیثیت سے گذار دے کیونکہ یہ اپنی ماں اور اپنے باپ کا انتقام لینے کی جرات نہیں رکھتا۔

احمد شاہ اس کے دادا کے حکم کے مطابق اس بچے کو میں نے غلام بنا دیا اسے یہ جو ٹاٹ کا لباس اور ٹوٹے ہوئے جوتے پہنائے جاتے ہیں یہ بھی اس کے دادا کے ہی احکامات کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اس کے دادا کا حکم تھا کہ اس وقت تک یہ سوت کا لباس نہ پہنے جب تک اپنے ماں' باپ کا انتقام نہ لے لے اور یہ کہ اسے ٹاٹ کا لباس پہنایا جائے۔

سوائے احمد شاہ دیکھ اس کے دادا کے حکم کے مطابق اس کے گلے اور ٹانگوں میں طوق ویسے کے ویسے ہیں۔ اسے ٹاٹ کا لباس پہنایا جاتا ہے اور پیروں میں ٹوٹے ہوئے جوتے فراہم کئے جاتے ہیں اور یہ ساری کیفیت اس وقت تک رہے گی جب یہ اپنے گلے کا طوق توڑ دینے میں کامیاب نہیں ہو سکتا اور ایسا اسے بالغ ہونے کے بعد کرنا ہو گا اس وقت تک یہ اسی حالت اور کیفیت میں زندگی بسر کرتا رہے گا۔

جب وہ درویش عبداللہ اپنی بات ختم کر چکا تو احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا۔ پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

سن عبداللہ کیا تم مجھے بتا سکتے ہو کہ وہ دونوں دراز دست انسان کون ہیں۔ جو اس کے باپ اور اس کی ماں کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ میں خود ان سے انتقام لیکر اس لڑکے کی آزادی اور اس کی بہتری کا باعث بنوں گا۔

جواب میں عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

احمد شاہ ایسا ممکن نہیں اس لئے کہ اس کے دادا کا حکم ہے کہ یہ اپنے دشمنوں سے انتقام خود ہی لے گا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو میں خود یا اس کا چچا زاد بھائی ابھی تک ان دونوں دراز دستوں سے انتقام لے چکے ہوتے۔

احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور پوچھنے لگا۔

سن عبداللہ کیا تم بتا سکتے ہو کہ وہ دونوں دراز دست انسان کون ہیں۔

درویش عبداللہ فوراً بولا اور کہنے لگا۔

احمد شاہ اس بچے کی طرف غور سے دیکھ۔ اس بچے کے گلے میں لوہے کے طوق

کے علاوہ لوہے میں منڈھا ہوا ایک تعویذ بھی لٹک رہا ہے۔ اسی تعویذ کے کاغذ پر ان دونوں دراز دستوں کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ جو اس کے ماں باپ کے قتل کے ذمہ دار ہیں۔ اس کے دادا کا حکم ہے کہ جب یہ بالغ ہونے کے بعد گلے کے طوق کو توڑنے میں کامیاب ہو جائے تب یہ خود اپنے ہاتھوں سے لوہے میں منڈھے ہوئے اس تعویذ کو کھولے اس کے اندر جو کاغذ محفوظ ہے اس میں اس کے باپ اور ماں کے قاتلوں کے نام محفوظ ہیں۔ انہیں پڑھے پھر ان قاتلوں سے خود اپنے ماں باپ کا انتقام لے۔

سو احمد شاہ اس کے دادا کے حکم کے مطابق جب تک یہ جوان نہیں ہوتا اس وقت تک نہ اس تعویذ کو کھولا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان دونوں دراز دست انسانوں کے نام کسی پر ظاہر کیئے جا سکتے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں اس لڑکے کے بالغ ہونے کا انتظار کرنا ہو گا۔

تھوڑی دیر کے توقف کے بعد احمد شاہ پھر بولا اور پوچھنے لگا۔

سن عبیداللہ اس وقت اس کا دادا کہاں ہے۔ اپنی گفتگو میں تم نے اس لڑکے کے چچا زاد بھائی کا بھی ذکر کیا ہے اس کا کیا نام ہے اور ان دنوں وہ کہاں ہے۔

درویش عبیداللہ جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔

احمد شاہ اس لڑکے کا دادا اب فوت ہو چکا ہے۔ اس لڑکے کے چچا زاد بھائی کا نام قاسم ہے۔ جو تمہارے لشکر میں شامل ہے۔ احمد شاہ تمہارے محافظ دستے کا جو نائب سالار قاسم ہے وہ اس لڑکے کا چچا زاد بھائی ہے۔

جواب میں احمد شاہ ابدالی نے اپنے قریب بیٹھے ہوئے اپنے بیٹے تیمور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تیمور میرے بیٹے! میرے بچے! یہ قاسم کو تو بلاؤ۔ اس پر تیمور اپنی جگہ سے اٹھا پھر وہ اس نشست گاہ کے پشتی حصے کی طرف چلا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد تیمور ایک جوان کے ساتھ لوٹا وہ اس لڑکے عبداللہ کا چچا زاد بھائی قاسم تھا۔ جس کی شکل کچھ کچھ اور کسی حد تک عبداللہ سے ملتی جلتی تھی لیکن قاسم اس سے عمر میں کافی بڑا تھا۔ لہٰذا ان دونوں کے درمیان بظاہر کوئی رشتہ کوئی تعلق عیاں نہ ہوتا تھا۔

قاسم جب احمد شاہ ابدالی کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو اس نے دیکھا اس سے قاسم کی آنکھوں میں آنسو تھے اور اس کے گال اس بات کی غمازی کر رہے تھے جیسے وہ روتا رہا ہو بار بار اپنے گالوں پر بہہ نکلنے والے آنسو پونچھتا رہا ہو تھوڑی دیر تک احمد شاہ ابدالی عبداللہ کے چچا زاد بھائی قاسم کو دیکھتا رہا پھر احمد شاہ ابدالی نے پوچھا۔

قاسم کیا یہ سامنے عبداللہ نام کا لڑکا جس کے گلے اور ٹانگوں میں لوہے کے طوق اور جو ٹاٹ کا لباس پہنے ہوا ہے۔ تمہارا چچا زاد بھائی ہے۔ اس پر قاسم نے ایک بار گہری نگاہ اپنے قریب کھڑے عبداللہ پر ڈالی اس کی آنکھیں چھلک گئیں پھر وہ کسی قدر روندھی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

آپ کا کہنا درست ہے پاشا یہ لڑکا جس کا نام عبداللہ ہے۔ میرا عم زاد ہے۔ اس بار احمد شاہ ابدالی نے استفہامیہ سے انداز میں پوچھا۔ اگر یہ تمہارا عم زاد ہے تو کب سے یہ یہاں کھڑا ہے تم اس سے ملنے کیوں نہیں آئے اس پر قاسم انتہائی بے بسی اور لاچارگی کی آواز میں کہنے لگا۔

پاشا کاش میں اس سے گلے مل سکتا اپنے بھائی کو پیار کر سکتا۔ اسے گلے لگا کر اس کے سارے دکھ چھین سکتا پر میں ایسا نہیں کر سکتا میں باہر بیٹھ کر اس کی حالت پر آنسو تو بہاتا رہا ہوں پر اے پاشا میں آگے بڑھ کر اپنے اس چھوٹے عم زاد کو گلے نہیں مل سکتا۔ اس لئے کہ دادا کی ہدایت کے مطابق جب تک یہ غلام ہے اس وقت تک کوئی رشتے دار اسے گلے نہیں لگا سکتا۔ اب جب کہ سارے ہی رشتے دار دادا سمیت کوچ کر چکے ہوں میں ہی ایک اس کا رشتے دار باقی ہوں اور دادا کی ہدایت کے مطابق جب تک یہ جوان ہو کر گلے کے اس طوق کو توڑتا نہیں اس وقت تک میں اسے گلے نہیں لگا سکتا۔

قاسم کا یہ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی نے تھوڑی دیر تک گہری سوچوں میں غرق رہا پھر وہ دوبارہ بولا اور کہنے گا۔

تم آگے بڑھ کر اس سے گلے ملنے کی کوشش تو کرو میں دیکھتا ہوں یہ کیا کہتا ہے۔
جواب میں قاسم نے ایک بار گہری نگاہ احمد شاہ ابدالی پر ڈالی پھر وہ ذرا فاصلے پر کھڑے عبداللہ کی طرف بڑھا تھا۔ جونہی عبداللہ کے سامنے آکر قاسم نے اسے گلے ملنا چاہا عبداللہ نے منہ پھیر لیا اور قاسم کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا تھا۔ اس موقع پر عبداللہ کی حالت دیکھتے ہوئے احمد شاہ پس کر رہ گیا تھا۔

اس نے دیکھا قاسم کی طرف سے پیٹھ کرتے وقت ننھے عبداللہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کے کئی موٹے موٹے قطرے اس کے جوتوں پر گر کر جذب ہو گئے تھے۔ دوسری طرف یہ صورت حال دیکھتے ہوئے خود قاسم کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے تھے۔ قبل اس کے احمد شاہ کچھ کہتا درویش عبیداللہ ایک بار پھر گونجتی ہوئی آواز میں بولا اور کہنے لگا۔

احمد شاہ یہ بچہ اس وقت تک اپنے عم زاد سے گلے نہیں ملے گا جب تک یہ اپنے دادا کی شرائط کو پورا نہیں کر دیتا۔ احمد شاہ اس بچے کے حق میں تو نے جو فیصلہ کرنا ہے کر کہ سورج غروب ہونے والا ہے۔ جواب میں احمد شاہ نے کچھ سوچا پھر وہ درویش عبیداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

درویش عبیداللہ! عبداللہ نام کا یہ لڑکا کیا اب تک اپنے آقا کے ریوڑ کی پاسبانی کرتا رہا ہے یا یہ کوئی فنون حرب و ضرب سے بھی آگاہی رکھتا ہے۔ اس پر درویش عبیداللہ فوراً بولا اور کہنے لگا۔

سن احمد شاہ اس لڑکے جیسا بے خطا نشانہ میں سمجھتا ہوں کسی کا نہیں ہو گا اور پھر یہ اب تک تیغ زنی کے فن میں بھی کافی مہارت حاصل کر چکا ہے تاہم تیر اندازی میں اس کی مشق تیغ زنی کی نسبت زیادہ ہے۔ اس کی تیر اندازی لاجواب ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ ایک نہ ایک روز یہ تیر اندازی کی طرح تیغ زنی میں بھی لاجواب ہو کر نکلے گا۔

اس پر احمد شاہ ابدالی نے تھوڑی دیر تک غور و فکر اور سوچ و بچار سے کام لیا

پھر وہ فیصلہ کن انداز میں بولتے ہوئے کہنے لگا۔ اس لڑکے کا تیر اندازی میں کمال دیکھنے کے بعد ہی میں اس کے اس مقدمے کا فیصلہ کروں گا اس پر درویش عبیداللہ حرکت میں آیا اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا نیزہ لہراتے ہوئے وہ مزید آگے بڑھا نیزہ اس نے زمین کے اندر گاڑا نیزے کی چھڑی کے اوپر اس نے اپنے گلے کے اندر لٹکی ہوئی زنبیل کے اندر سے چربی نکال کر اس چھڑی کے اوپر رکھی پھر وہ مڑا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

اے احمد شاہ اگر یہ لڑکا تیر مار کر میرے نیزے کی چھڑی پر رکھی اس تھوڑی سی چربی کو گرا دے تو مانو گے کہ یہ ایک بہترین تیز انداز ہے۔ اس پر احمد شاہ ابدالی کسی قدر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سن درویش عبیداللہ اگر یہ لڑکا ایسا کر گزرے تو پھر میں جانوں گا کہ عبداللہ واقعی بے مثل بلکہ لاجواب تیر انداز ہے۔ اس پر درویش عبیداللہ اپنے قریب کھڑے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن بیرم خان کے بیٹے دیکھ تیری مہارت تیرے نشانے کا امتحان ہے۔ اپنی کمان سنبھال چلے پر تیر چڑھا پھر اس چربی کو مار گرا کہ یہ تیرا روزمرہ کا کام ہے۔
درویش عبیداللہ کے کہنے پر عبداللہ حرکت میں آیا اپنے گلے سے لٹکتی ہوئی کمان اس نے اتاری پھر جب وہ نشانہ لینے لگا تو احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔
یہاں سے نہیں عبداللہ پیچھے ہٹ جاؤ عبداللہ پیچھے ہٹا تو احمد شاہ کہنے لگا اور پیچھے زمین کے اندر گڑے ہوئے نیزے کے اوپر جو چربی رکھی ہے اس سے کافی فاصلے پر جاؤ۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تمہارا نشانہ کس قدر بے خطا ہے۔ جواب میں جب اللہ کافی فاصلے پر جا رکا تو احمد شاہ بولا او پھر کہنے لگا۔
ہاں اب یہاں سے چھڑی پر رکھی ہوئی چربی کا نشانہ لو اس پر عبداللہ نے اپنی ن سیدھی کی چلے پر اس نے تیر چڑھایا کمان کو اس نے تھوڑا سا اوپر اٹھایا ایک بند کی اور اپنی سانس کو روکا پھر جب اس نے تیر چلایا تو احمد شاہ ابدالی ہی نہیں

اردگرد کھڑے سارے لشکری دنگ رہ گئے تھے اس لئے کہ اپنے پہلے ہی تیر سے عبداللہ نے چربی کو گرا دیا تھا۔

عبداللہ کی یہ کارگزاری دیکھتے ہوئے احمد شاہ کے چہرے پر خوش کن مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی پھر وہ درویش کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

درویش عبیداللہ میں سمجھتا ہوں کہ جس کمان سے اس بچے نے تیر مارا ہے ، کمان اس کی اپنی ہے گذشتہ کئی برس سے یہ اس کمان پر مشق کرتا رہا ہو گا لہٰذا اس کمان سے اس چربی کو مار گرانا آسان ہے کیا یہ بڑی کمان استعمال کرنے کی بھ مہارت رکھتا ہے۔ اس پر عبیداللہ کمال جرات مندی سے چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

احمد شاہ چھوٹی کمان کیا اور بڑی کیا اگر تمہیں یہ شک ہے کہ یہ کمان اس کی ا ہے اور اس پر اس نے مشق کی ہے جس کی بنا پر اس نے چھڑی پر رکھی ہوئی چربی گرا دیا ہے تو اسے بڑی کمان مہیا کر دی جائے میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ عبدا بڑی کمان سے بھی ایسا ہی بے خطا نشانے کا مظاہرہ کرے گا اس پر احمد شاہ ابدالی۔ اپنے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جہان خان ایک بڑی کمان اور چند تیر فوراً مہیا کرو جواب میں جہان خان اپنی سے اٹھ گیا تھوڑی ہی دیر بعد ایک کمان اور چند تیر وہ لے آیا اور عبداللہ کو دیئے تھے۔ وہ کمان کافی بڑی اور تیر بھی اس سے نسبت رکھتے ہوئے کافی بڑے تھے

اپنی چھوٹی کمان عبداللہ نے ایک طرف زمین پر رکھ دی تھی تاہم تیروں سے ہوا ترکش اس نے اپنی پیٹھ پر ہی رہنے دیا پھر اس نے بڑی کمان کو تھوڑی دیر الٹ پلٹ کر دیکھا پھر وہ جہاں کھڑا تھا وہیں زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

اپنے دائیں گھٹنے کو عبداللہ نے زمین پر ٹیک دیا تھا۔ پھر اس بڑی کمان کا حصہ اس نے اپنے بائیں گھٹنے کے ساتھ جمایا پھر اس نے تیر پکڑ کر چلے پر جمایا نشست لینے لگا اس موقع پر احمد شاہ ابدالی اور پورے لشکریوں نے دیکھا عبدا حالت بنجر پڑے ارمانوں پر کرب طوفان میں نہاں موجوں دل میں خیر و شر کے مع

لفظوں کے دھندلائے مفہوم اور حریم شوق پر قیامت رات کے پجاری اندھیروں کے نزول جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

اس کی آنکھوں میں اداسی تھکن نارسائی کی جگہ مہ و سال کی آشنائی اور اس کے چہرے پر جذبوں اور خواہشوں کے آشنا فطرت رقص کرنے لگی تھی۔ عبداللہ کی حالت سے یوں لگتا تھا جیسے اس کے جسم و جان میں کسمساتے حوصلے اس کی رگوں میں گویا لہو کی طرح گردش کرنے لگے ہوں۔

اس بڑی کمان کو سنبھالے تھوڑی دیر تک عبداللہ بے حس چٹان نور کی لکیر جیسا ساکت عذابوں کے قصے سزاؤں کی داستان جیسا رہا پھر شاید اس نے شست لے لی تھی تیر اس نے کھینچا ایک آنکھ اس نے بند کر لی سانس اس نے روک لی پھر جو تاک کر اس نے نشانہ مارا تھا تو نیزے کے اوپر رکھی ہوئی چربی زمین پر آ گری تھی۔

چربی کے زمین پر گرتے ہوئے احمد شاہ ابدالی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اس کے چہرے پر دور دور تک اطمینان اور خوشیاں برس گئی تھیں۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر وہ عبداللہ کے پاس آیا اسے گلے لگایا اور اس کی پیشانی چومی پھر وہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن بیرم خان کے بیٹے اپنے دل اپنے ذہن میں تیری ذات کے لئے جو معیار میں نے مقرر کیا تھا۔ قسم خداوند کی تم اس معیار پر پورے اترے ہو اب میں تمہاری تیغ زنی کا امتحان نہیں لوں گا۔ اب مجھے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ واقعی تم اکیلے نے میرے سپاہیوں کو زخمی کیا ہے اور تمہاری تیراندازی دیکھتے ہوئے میں کہہ سکتا ہوں کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔

یہاں تک کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی چند لمحوں تک خاموش رہا اس کے بعد وہ قریب ہی کھڑے درویش عبیداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے بولا اور کہنے لگا۔

سنو عبیداللہ اس عبداللہ نے میرے کئی سپاہیوں کو زخمی کیا ہے۔ اس کے مقدمے کا فیصلہ کرنے سے قبل اس شخص کو بلاؤ جس کا یہ ریوڑ چراتا ہے اس پر

درویش عبیداللہ جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔ احمد شاہ میں خود جاتا ہوں اور اس شخ کو لیکر آتا ہوں جس کا یہ ریوڑ چراتا ہے اور اس کے ساتھ ہی درویش عبیداللہ پیچ ہٹا قریب کھڑے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد درویش عبیداللہ لوٹا اپنے گھوڑے پر وہ اپنے پیچھے کسی کو بیٹھا لایا تھا۔ شاید وہ اس ریوڑ کا مالک تھا جسے عبداللہ چراتا تھا۔ احمد شاہ سے ذرا فاصلے عبیداللہ نے اپنے گھوڑے کو روکا پہلے وہ خود نیچے اترا۔ ریوڑ کے مالک کو بھی اتا آگے بڑھا اور احمد شاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

احمد شاہ یہ شخص اس ریوڑ کا مالک ہے۔ جسے عبداللہ دن بھر کابل کی نواح وادیوں کے اندر چراتا ہے۔ اس شخص کا نام عزیز الدین ہے۔

احمد شاہ ابدالی نے تھوڑی دیر تک اس شخص عزیز الدین کو بڑے غور سے دیک پھر اس نے پوچھا اے عزیز الدین کیا یہ لڑکا جو تمہارے قریب ہی کھڑا ہے اور جس نام عبداللہ ہے۔ تمہارا غلام ہے اور تمہارا ریوڑ چراتا ہے اس پر عزیز الدین کہنے لگا آغا! آپ کا کہنا درست ہے۔ عبداللہ نام کا یہ لڑکا میرا ریوڑ چراتا ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا کیا میں جان سکتا ہوں اس سے کیا غلطی، کیا زیادتی سرزد ہوئی ہے۔ اس پر احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور کہنے لگا۔

کیا تم بتا سکتے ہو کہ غلام کی حیثیت سے تم نے اسے کتنے میں خریدا۔ اس پر عز الدین ریوڑ کا مالک بولا اور کہنے لگا۔ آغا میں نے اسے خریدا نہیں نہ ہی میں نے اس کی قیمت ادا کی بلکہ یوں جانیں کہ اسے میرا غلام بنا دیا گیا اور یہ سب کچھ اس کے دادا کی وصیت کے مطابق کیا گیا تھا۔

اس پر احمد شاہ نے پھر پوچھا اگر کوئی تمہارے اس غلام کو خریدنا چاہے تو تم اس کی کیا قیمت لگاؤ گے جواب میں عزیز الدین کہنے لگا۔

آغا میں اس غلام کو بیچوں گا نہیں۔ اس جیسا دیانتدار، پرخلوص، صاحب جرا و شجاعت غلام میرے خیال میں مجھے کہیں مل ہی نہیں سکتا۔ اس پر احمد شاہ کسی قد

تیز لہجے میں بولا اور کہنے لگا۔

سنو عزیز الدین بخل سے کام مت لو جب اس غلام کو یوں ہی تمہارے حوالے کر دیا گیا اس کی تم سے کوئی قیمت نہ لی گئی تو پھر اسے آزاد کرنے میں تمہیں کوئی بہانہ تراشی نہیں کرنی چاہیے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ اگر یہ غلام میں تم سے خریدنا چاہوں تو تم مجھ سے کیا وصول کرنا چاہو گے۔ عزیز الدین بولا اور کہنے لگا۔

آغا اگر آپ خود ہی اس غلام کو خریدنے کا ارادہ کر چکے ہیں تو پھر میں کچھ نہیں لوں گا۔ یہ غلام میں نے آپ کو ہبہ کیا ساتھ ہی میں آپ سے یہ بھی کہوں کہ ایسا دیانتدار مخلص غلام آپ کو کہیں ملے گا نہیں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی نے اپنے قریب ہی بیٹھے ہوئے اپنے بیٹے تیمور سے کچھ کہا جس کے جواب میں وہ اٹھ کر پشتی حصے میں احمد شاہ کے خیمے کی طرف چلا گیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اور چمڑے کی ایک تھیلی اس نے لا کر احمد شاہ ابدالی کے سامنے رکھ دی تھی۔

احمد شاہ پھر بولا اور کہنے لگا عزیز الدین آگے آؤ ریوڑ کا مالک عزیز الدین جب احمد شاہ کے قریب گیا تو احمد شاہ نے چمڑے کی وہ تھیلی جو اس کا بیٹا تیمور لایا تھا اسے تھماتے ہوئے کہا۔

عزیز الدین چمڑے کی اس تھیلی میں سونے کے مہرے بھرے ہوئے ہیں۔ سونے کے ان مہروں کی قیمت تمہارے ریوڑ سے کہیں زیادہ ہے۔ مہروں سے بھری ہوئی یہ تھیلی سنبھالو اور اپنے ریوڑ اور عبداللہ نام کے اس غلام کو ہمیشہ کے لئے میرے حوالے کر دو۔

عزیز الدین نے ایک بار تھیلی کا منہ کھول کر ان سونے کے چمکتے سکوں کا جائزہ لیا اور کہا مجھے یہ سودا منظور ہے۔

اس پر احمد شاہ ابدالی نے فیصلہ کن انداز میں کہا اگر تمہیں یہ سودا منظور ہے تو پھر تم جا سکتے ہو تمہارا ریوڑ اب میرے لشکر کی ملکیت ہے۔ جسے یہ خوراک کے طور پر اپنے استعمال میں لاتا رہے گا۔ رہا سوال عبداللہ نام کے اس لڑکے کا تو یہ میرے لشکر

ہی میں رہے گا- کل یا پرسوں میں اسے نادر آباد کے اس مدرسے میں داخل کرانے ک بھیج دوں گا جہاں دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ حرب و ضرب کی تعلیم بھی دی جاتی ہے-

احمد شاہ ابدالی کا یہ فیصلہ سن کر درویش عبیداللہ درویش صابر کے چہروں پر مسکراہٹ کھیل گئی تھی- ساتھ ہی ریوڑ کا مالک عزیز الدین وہاں سے چلا گیا- پھر احمد شاہ ابدالی اس لڑکے کو مخاطب کر کے کہنے لگا-

سنو بیرم خان کے بیٹے میں نے تمہیں اپنے لشکر میں شامل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے- جب تک تم نابالغ ہو اس وقت تک تمہیں اپنے لشکر کا اعزازی امیر لشکر مقرر کرتا ہوں- آج کی رات تم میرے لشکر میں آرام کرو گے کل صبح میرے چند آدمی تمہیں لیکر نادر آباد کی طرف روانہ ہو جائیں گے- جہاں ایک عالیشان مدرسہ ہے جس میں دینی تعلیم کے علاوہ انسان کو دوسری تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ کیا جاتا ہے- بیرم خان کے بیٹے میرے لشکر سے کل بڑے بڑے سرداروں کے کچھ لڑکے نادر آباد کے اس مدرسے میں داخلہ لینے کے لئے روانہ ہوں گے- میں چاہتا ہوں تم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو اس مدرسے میں باقاعدہ تیغ زنی اور دوسرے حربی فنون میں مہارت حاصل کرو- جب تم ایسا کر چکو تو پھر میں تمہیں اپنے لشکر میں امیر عساکر کی حیثیت سے متعین کروں گا کہو تم نادر آباد جا کر حرب و ضرب کی تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ ہو-

احمد شاہ ابدالی کی اس پیش کش کے جواب میں عبداللہ نے ایک بار نگاہ بھر کر درویش عبیداللہ کی طرف دیکھا- جواب میں عبیداللہ کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس نے اثبات میں اپنا سر ہلا دیا تھا- اس کے بعد عبداللہ نے احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھا اور مدھم دھیمی سی آواز میں کہنے لگا میں نادر آباد جا کر اپنی ادھوری اور نامکمل ذات کی تکمیل ضرور کروں گا-

احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر خوشگوار تاثرات نمودار ہوئے تھے- تھوڑی دیر تک وہ بڑی نرمی' بڑی شفقت' بڑے پیار سے عبداللہ کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا بیرم

ن کے بیٹے تمہارا جواب میرے اطمینان اور خوشی کا باعث ہے کل یہاں سے ایک رواں نادر آباد کی طرف روانہ ہو گا اس کارواں میں تمہارے علاوہ چار اشخاص اور وں گے ان چار میں سے تین تمہاری طرح وہاں تربیت حاصل کرنے کے لئے جائیں ے اور چوتھا وہاں تربیت حاصل کرنے والوں کی نگرانی کرے گا-

سنو بیرم خان کے بیٹے جو دوسرے لڑکے نادر آباد میں تربیت حاصل کرنے کے لئے جائیں گے وہ بھی تمہارے ہم عمر ہیں ان میں سے ایک کا نام جمال خان ہے یہ ہرے پسندیدہ سردار کا بیٹا ہے جو مر چکا ہے- دوسرا میرا اپنا بھتیجا عبدالخالق ہے اور سرا میرے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کا بھتیجا زال بیگ پوپلزئی ہے- یہ تینوں لڑکے ل تمہارے ساتھ نادر آباد تربیت حال کرنے کے لئے روانہ ہوں گے اور تم چاروں ی نگرانی اور دیکھ بھال کے لئے میرا ایک سردار تمہارے ساتھ جائے گا اور وہ سردار اور خان ہے- جس کا تعلق کمال زئی قبیلے سے ہے- یہ دلاور خان خود بھی فنون حرب ضرب میں کمال درجے کی مہارت رکھتا ہے- دلاور خان وہاں تمہارے ساتھ اس قت تک قیام کرے گا جب تک تم چاروں اپنی تربیت مکمل نہیں کر لیتے اور یہ وہاں ہ کر تم چاروں کی تربیت پر نگاہ بھی رکھے گا اور تم چاروں کی دیکھ بھال بھی کرے گا-

اتنا کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر اس نے اپنے خادم اص یاقوت خان کو آواز دی- جواب میں یاقوت خان نشست گاہ کے پیچھے سے نکل کر احمد شاہ ابدالی کے سامنے آیا تو احمد شاہ ابدالی نے اسے مخاطب کر کے کہا دلاور ان' عبدالخالق' جمال خان' اور زال بیگ پوپلزئی کو بلا کر میرے پاس لاؤ- احمد شاہ بدالی کا یہ جواب سنتے ہی یاقوت خان تقریباً بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا-

تھوڑی ہی دیر میں تین لڑکوں اور ایک بڑی عمر کے شخص کو احمد شاہ ابدالی کے سامنے لا کھڑا کیا گیا تھا- احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا-

بیرم خان کے بیٹے ان چاروں کی طرف غور سے دیکھو تمہارے قریب کمال زئی

قبیلے سے تعلق رکھنے والا دلاور خان کھڑا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ جائے گا اور تمہاری تربیت کی دیکھ بھال اور نگرانی کرے گا۔ جو لڑکا دلاور خان کے ساتھ کھڑا ہے اس کا نام عبدالخالق ہے یہ میرا بھتیجا ہے۔ دوسرا لڑکا جمال خان ہے اور تیسرا لڑکا زال بیگ پوپلزئی ہے۔ یہ چاروں کل تمہارے ساتھ نادر آباد روانہ ہوں گے۔

سنو جب تم چاروں نادر آباد میں تربیت حاصل کرنے کے بعد لوٹو گے تو تم چاروں کا میں امتحان لوں گا۔ تم چاروں میں سے جس نے بھی بہترین فنون حرب کا مظاہرہ کیا لشکر کے ایک حصے کا کمانڈر مقرر کئے جانے کے ساتھ اسے شاہ پسند کا لقب عنایت کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ بھی اسے بہت سی مراعات دی جائیں گی۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ اس کے ساتھ ہی دلاور خان' عبدالخالق' جمال خان اور زال بیگ پوپلزئی وہاں سے چلے گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی بولا اور عبداللہ کے چچا زاد بھائی قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

قاسم اپنے چچا زاد بھائی عبداللہ کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ آج کی رات یہ تمہارے ہاں رہے گا۔ کل صبح یہ یہاں سے نادر آباد کی طرف کوچ کرے گا۔ احمد شاہ ابدالی کا فیصلہ سن کر قاسم آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہ عبداللہ کے قریب آیا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسے بڑے غور سے دیکھتا رہا پھر وہ عبداللہ کی پشت کی طرف آیا گلے میں جو لوہے کا طوق تھا اس کی وجہ سے عبداللہ کی گردن جو پشت کی طرف سے سیاہ ہو گئی تھی۔ لوہے کا طوق اٹھا کر قاسم نے اس سیاہ جگہ پر ایک طویل بوسہ دیا پھر وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور عبداللہ کی ٹانگوں پر جو طوق تھے ان کی وجہ سے جو اس کی ٹانگوں پر سیاہی تھی وہاں بھی اس نے بھاری بھاری دو بوسے دیئے۔ اس موقع پر قاسم کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے تھے یہ سارا منظر احمد شاہ ابدالی بڑے رقت آمیز انداز میں دیکھ رہا تھا۔ پھر قاسم نے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میرے عم زاد میرے ساتھ آ میں سمجھتا ہوں تیری زندگی تیرے زیست کے تالے کھلنے والے ہیں۔ میں تیرے لئے اپنے خداوند قدوس سے دعا کرتا ہوں کہ تجھے آنے

والے دنوں میں کامیابی عطا کرے کہ تو دادا کی عائد کردہ شرائط کے مطابق پورا اتر سکے میرے ساتھ کہ کل تجھے نادر آباد روانہ ہونا ہے۔ عبداللہ نے منہ سے کچھ بھی نہ کہا بس بیچارہ چپ چاپ قاسم کے ساتھ چلا گیا تھا۔

قاسم اور عبداللہ کے جانے کے بعد درویش عبیداللہ احمد شاہ کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ احمد شاہ یہ لڑکا عبداللہ انتہائی کم گو ہے۔ اکثر ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ اپنے منہ میں زبان تک نہ رکھتا ہو۔ لہٰذا اگر یہ کبھی تمہاری گفتگو تمہاری باتوں کا جواب نہ دے تو اے احمد شاہ برا مت ماننا اس لئے کہ حالات نے اس بچے کو توڑ موڑ کر رکھ دیا ہے۔ درویش عبیداللہ جب خاموش ہوا تو احمد شاہ ابدالی مسکراتے ہوئے بولا اور کہنے لگا۔

سن درویش عبیداللہ کیا میں نے اس لڑکے عبداللہ کے معاملے میں انصاف نہیں کیا۔ اس پر درویش عبیداللہ تھوڑی دیر تک بڑی خاموشی سے احمد شاہ ابدالی کی طرف غور سے دیکھتا رہا۔ پھر وہ خوش کن آواز میں کہنے لگا۔ احمد شاہ اس یتیم عبداللہ کو اس کی مسکین کی مسکینیت اور اس کے غلام ہونے کی غلامی کو سامنے رکھتے ہوئے تو نے بہترین اور عمدہ فیصلہ کیا ہے۔ خداوند قدوس تمہیں تمہارے اس بہترین فیصلے اور انصاف کی جزا دے گا۔ جواب میں احمد شاہ کہنے لگا۔

درویش عبیداللہ اب میں تمہارے متعلق بھی ایک فیصلہ کرتا ہوں۔ تمہارا پیر بھائی درویش صابر پہلے ہی میرے لشکر میں شامل ہے۔ وہ میرا پرانا جاننے والا ہے۔ اب تم بھی میرے لشکر میں رہو گے۔ تمہاری باتوں سے میں لطف اندوز ہوا کروں گا۔ تمہاری باتیں تمہاری نصیحتیں یقیناً مجھے دین کے اصولوں سے آگاہ کرتی رہیں گی پھر احمد شاہ ابدالی نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے اپنے وزیر شاہ ولی خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا شاہ ولی خان درویش صابر کے خیمے ہی میں درویش عبیداللہ کی رہائش کا انتظام کیا جائے اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اس کے اٹھنے کے ساتھ ہی لوگ بھی اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر اپنے اپنے خیموں کی طرف جا رہے

تھے۔

سورج غروب ہوتے ہی لشکر گاہ کے اندر آگ کے الاؤ روشن ہو گئے فضاؤں میں چاروں طرف خیمہ شب کی تنصیب ہو گئی تھی۔ گہری تاریکیاں برف گہرے سانسوں اور خواہشوں کے ان گنت رت جگوں کی طرح پھیل بکھر گئے برف میں لپٹے تند ہوا کے تھپیڑے ہر شے پر برفانی شب خون مارنے لگے تھے۔ ہر کا بدن یخ بستہ مینا جیسا شل اور رگیں منجمد ہونے لگی تھیں۔ سرما کی تندی دل سونی وادیوں رات کی نشیلی ساعتوں اور ہوش و خرد کی پاسبانیوں پر عجیب انجماد طا کرنے لگی تھیں۔ خشک پتے اور خس و خاشاک سرد ہواؤں کے جھکڑوں کے سا ورق ورق بکھرے خوابوں اور گلی در گلی خواب لمحوں کی طرح بے آسرا اور بے با ہو کر دھکے کھانے لگے تھے۔ برفانی سردی اور تیز ہواؤں کے باعث ہر شے لفظوں دھندلائے ہوئے مفہوم کی طرح ہو کر رہ گئی تھی۔

ایسے میں عبداللہ اور قاسم خان دونوں بھائی شام کا کھانا کھانے کے بعد کئی کمبل اوڑھے اپنے خیمے میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے جبکہ ا کے سامنے مٹی کی چھوٹی سی انگیٹھی کے اندر آگ جل رہی تھی۔ اس موقع پر عبدا کو کوئی خیال گزرا اور وہ اپنے چچا زاد بھائی قاسم کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے عم زاد کیا ایسا ممکن نہیں کہ آپ مجھے احمد شاہ ابدالی کے حالات تفصیل کے ساتھ سنائیں کہ یہ اب تک کہاں رہا، کہاں پیدا ہوا، کیسے حکمران بنا اور اب تک اس نے کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ اس پر قاسم خان بولا اور کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بھائی میں یہ سب کچھ تمہیں تفصیل سے بتاتا ہوں اس کے بعد قاسم ذرا سنبھل کر بیٹھا اپنے اوپر کمبل درست کیے اپنے سامنے جلتی ہوئی انگیٹھی کے اوپر اپنے ہاتھ پھیلائے پھر وہ کہہ رہا تھا۔

عبداللہ میرے بھائی سن احمد شاہ درانی کا اصل نام احمد خان ہے۔ اس کا تعلق سید وزئی قبیلے سے ہے اس کا باپ زمان خان سید وزئی قبیلے کا سردار تھا۔ احمد شاہ ملتان میں پیدا ہوا اس وقت زمان خان ہرات کا گورنر تھا جبکہ اس کی ماں نے ملتان میں قیام کر رکھا تھا۔

احمد شاہ کی پیدائش کے چند ماہ بعد ہی اس کا باپ فوت ہو گیا۔ اس خاندان کے لئے یہ زمانہ سازگار نہیں تھا۔ احمد شاہ کی ماں زرغونہ علی کوزئی تھی اور یہ اپنے نومولود بیٹے کی سلامتی کے بارے میں اپنے شوہر کی وفات کے بعد بے حد فکر مند رہنے لگی تھی۔ چنانچہ شوہر کی وفات کے بعد یہ ملتان سے ہرات آئی اور ہرات کے نئے گورنر اسمٰعیل کی پناہ حاصل کر لی اور اپنی بیٹی یعنی احمد شاہ کی بہن کی شادی ہرات کے گورنر اسمٰعیل کے ساتھ کر دی تھی۔ یہاں میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ان دنوں افغانستان کے اکثر حصے اور ایران پر نادر شاہ کی حکومت تھی۔

نادر شاہ کے دور حکومت میں احمد شاہ کا قبیلہ ابدال نادر شاہ کا آلہ کار بنا ہوا تھا اور نادر شاہ کی ملک گیری اور توسیع مملکت کی ہوس میں ابدالیوں نے خوب جوش و خروش اور وفاداری کے ساتھ بڑا ہی سرگرم حصہ لیا تھا۔

رفتہ رفتہ نادر شاہ ابدالیوں کی اس وفاداری اور جانثاری سے متاثر ہوتا رہا اور پھر ایسا وقت بھی آیا کہ نادر شاہ ابدالیوں کی وفاداری کی قدر کرتے ہوئے انہیں اپنی حکومت کی ریڑھ کی ہڈی سمجھنے لگا۔ پھر ایک مہم کے دوران جب نادر شاہ نے داغستان پر حملہ کیا تو اس حملے میں سب سے بڑھ کر ابدالیوں نے ہی جوش و خروش اور سرگرمی کا اظہار کیا ان کی اس کارگزاری کو دیکھتے ہوئے نادر شاہ بے حد خوش ہوا اور وہ اپنے پہلے سے کہیں بڑھ کر ابدالیوں کی قدر اور عزت کرنے لگا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ابدالی سردار حرکت میں آئے۔ وہ نادر شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس سے استدعا کی کہ سید وزئی قبیلے یعنی ابدالیوں کو ان کا وطن افغانستان واپس کر دیا جائے۔ اس لئے کہ افغانستان کی زمین ان کے لئے وجہ جذب و کشش ہے۔ انہوں نے نادر شاہ سے یہ بھی التجا کی کہ وہ تمام ابدالی جنہیں

ماضی میں غلزئی قبائل نے حملہ آور ہو کر جلا وطنی اختیار کر کے خراسان بھاگ پر مجبور کیا تھا انہیں اجازت دی جائے کہ اب وہ واپس وطن آ کر اپنے اپنے میں آباد ہو جائیں۔ ابدالی سرداروں نے نادر شاہ سے یہ بھی کہا کہ قندھار پر اس غلزئی قبیلے کا اقتدار ہے لہٰذا قندھار ان سے لیکر سید وزئی یعنی ابدالی قبیلے کے ح کر دیا جائے۔

نادر شاہ نے ابدالی سرداروں کی ساری باتوں کو تسلیم کر لیا۔ اس نے اجازت کہ خراسان کی طرف بھاگ جانے والے ابدالی واپس آ کر افغانستان میں آباد ہو اور یہ کہ وہ افغانستان کو ابدالیوں کے حوالے کر دے گا۔ نیز نادر شاہ نے یہ بھی کیا کہ وہ قندھار کے حکمران میر حسین غلزئی پر حملہ آور ہو گا اور قندھار کو ابدا کے لئے فتح کرے گا۔

داغستان کی مہم سے فارغ ہونے کے بعد نادر شاہ نے قندھار شہر کا محاصرہ کر قندھار شہر کے غلزئی حکمران نے دیکھا کہ کسی طرح بھی نادر شاہ سے گلو خلاصی ہوتی تو اس نے نادر شاہ سے صلح کر لی اور اس طرح قندھار پر نادر شاہ کا قبضہ ہو اپنے وعدے کے مطابق قندھار شہر نادر شاہ نے ابدالیوں کے حوالے کر دیا۔

قندھار شہر کے بعد ابدالیوں ہی کے کہنے پر نادر شاہ نے ہرات شہر کی طرف ا کی۔ ہرات شہر کو ابدالیوں کا قبیلہ سدوزئی اپنا شہر تسلیم کرتا تھا۔ احمد شاہ تعلق سیدوزئی قبیلے سے ہے۔ لہٰذا ابدالیوں کے کہنے کے مطابق نادر شاہ ہرات پر حملہ ہوا۔ ہرات کو بھی اس نے فتح کیا اور اس شہر کو بھی اس نے ابدالیوں کے ہی حوا کر دیا تھا۔

ہرات کی اور قندھار کی مہم کے دوران ایران کا حکمران نادر شاہ احمد شاہ سے حد متاثر ہوا اور احمد شاہ کو ایران کے حکمران نادر شاہ نے اپنے محافظ دستے کا کما مقرر کر لیا۔ نادر شاہ کے لشکر میں اس وقت تقریباً چار ہزار کے قریب ابدالی جنگجو احمد شاہ ابدالی جب نادر شاہ کے محافظ دستے کا کماندار بنا تو یہ چار ہزار ابدالی پ

جانثاری اور خلوص کے ساتھ احمد شاہ کے ساتھ ہو لئے تھے۔

پھر کچھ ہی عرصے بعد یوں ہوا کہ نادر شاہ اصفہان سے سفر کرتا ہوا کرمان آیا۔ کرمان میں اس نے پڑاؤ کیا۔ پھر وہ مشہد آیا یہاں اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ یہاں پڑاؤ کے دوران اس کے چند ساتھی سرداروں نے ملکر نادر شاہ کے خلاف سازش کی اور نادر شاہ کو قتل کر دیا۔ احمد شاہ کو پہلے تو یقین نہ آیا کہ نادر شاہ کو واقعی اس کے سازشی سرداروں نے اندر ہی اندر کام کرتے ہوئے اسے قتل کر دیا ہے۔ تاہم احمد شاہ کی ابدالیوں پر مشتمل چار ہزار کی فوج اس کے ساتھ بالکل چوکس تھی۔ یہ لوگ ہر طرح سے مسلح تھے اور ہنگامی صورت حال کا مقابلہ کرنے کی سکت رکھتے تھے۔

جس رات ایران کے سازشی سرداروں نے نادر شاہ کو قتل کیا تو اسی صبح احمد شاہ اپنے قبیلے کے سپاہیوں کا ایک ریلہ لیکر نادر شاہ کے خیمے کی طرف پہونچا تاکہ اپنے مرنے والے آقا کی لاش کو دیکھ سکے اور اگر ہو سکے تو اس کے بے رحمانہ اور سفاکانہ قتل کا انتقام لے سکے۔

دوسری طرف ایرانی اپنی دھن میں لگے ہوئے تھے۔ وہ نادر شاہ کے قتل پر خوشیاں منا رہے تھے۔ اس لئے کہ نادر شاہ نے اپنے دور حکومت میں مظالم کی انتہاء کر رکھی تھی۔ ان خوشیاں منانے والے ایرانیوں نے جب احمد شاہ کو اپنے لشکر کے ساتھ آتا دیکھا تو انہوں نے احمد شاہ پر حملہ کر دیا لیکن احمد شاہ ابدالی ایرانیوں کی صفوں کو چیرتا ہوا آگے بڑھا اور مرنے والے بادشاہ نادر شاہ کے خیمے میں پہونچ گیا۔ پھر ایسا ہوا کہ احمد شاہ نے نادر شاہ کی انگلی سے شاہی انگشتری اتار لی نیز اس نے اس کوہ نور ہیرے پر بھی قبضہ کر لیا تھا جو نادر شاہ نے ہندوستان سے حاصل کیا تھا۔ اس کے علاوہ احمد شاہ نے اپنے آقا کی تمام دوسری قیمتی اشیاء بھی اپنے قبضے میں کر لی تھیں۔

نادر شاہ کی وفات کی وجہ سے افغانستان کی تاریخ کا ایک نیا باب شروع ہوا تھا۔ اس تماشے کا سب سے بڑا اور ممتاز کردار احمد شاہ ابدالی تھا جسے بجا طور پر افغانستان کا

معمار اور بانی کہا جا سکتا ہے۔ یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے پہلی مرتبہ افغانستا جداگانہ سیاسی وجود قائم کیا اسی نے اپنی قوم کو غلامی اور پستی سے نکالا اور آزادی تخت پر لا بیٹھایا۔

نادر شاہ کی وفات کے وقت افغان ہر طرف سے ایرانیوں کے حصار میں تھے ایرانیوں کا برتاؤ ان کے ساتھ انتہائی برا تھا۔ جس وقت احمد شاہ اپنے ساتھیوں ساتھ نادر شاہ کے خیمے میں داخل ہوا تو ایرانیوں نے تابڑ توڑ حملے کئے کہ کسی افغانوں کو شاہی خیمے میں داخل نہ ہونے دیا جائے لیکن احمد شاہ اپنے ساتھیوں ساتھ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اب ابدالی ضرورت محسوس کرنے لگے تھے کہ جلد از جلد اپنا کوئی سردار منتخب لیں۔ جوں جوں دن گذرتے گئے اس ضرورت کو شدت کے ساتھ محسوس کیا جا اور پھر نادر شاہ کی وفات کے بعد ایرانیوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کرنے ساتھ ساتھ اپنی جان کی سلامتی کے لئے ابدالی اور غلزئی قبائل دونوں متحد ہو گ سرداروں نے مل کر دونوں کی دوئی کو ختم کرتے ہوئے انہیں یکجا کر دیا اور یہ ایک واحد کی طرح ایرانیوں کے خلاف کام کرنے کے لئے متحد ہو گئے تھے۔

ابدالی اور غلزئی دونوں اس وقت چونکہ غیر کے ملک میں تھے۔ وہاں ان کا ک دوست نہیں تھا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر انہوں نے اپنا ایک جرگہ منعقد جس میں قبیلے کے تمام سردار شریک ہوئے۔ مقصد یہ تھا کہ سب لوگ مل کر اپنا ا قائد اور راہنما منتخب کر لیں۔

سارے سرداروں نے بحث اور گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا غیروں کی سرزمین سے نکل کر اپنی سرزمینوں کو جانے کے دور دراز کے سفر کرنے کے لئے اپنا کوئی ایسا سردار مقرر کیا جائے جو آنے والے دور میں ان کی رہنمائی کر سکے اور وہ سردار بھی ایسا ہو جس کی سب قبائلی بے چون و چرا فرمانبردار کریں۔ اس سلسلے میں جب بحث و تمحیص ہوئی تو کوئی بھی کسی نام پر متفق نہ ہوا

اس جرگے میں کسی ایک کو سردار منتخب کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ ہر قبیلہ آرزو مند تھا کہ اس کا امیدوار اس منصب بلند پر فائز ہو۔ ہر قبیلہ بضد تھا کہ سرداری کا اعزاز اسی کو حاصل ہو۔ اس کشمکش میں پورے آٹھ دن گذر گئے اور مسلسل آٹھ روز تک جرگے کے اجتماعات منعقد ہوتے رہے۔ نویں دن جرگے کے کچھ لوگ محمد زئی قبیلے کے سردار جمال خان کو اپنا سردار منتخب کرنے پر رضامند ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی کا تعلق سید وزئی ابدالی قبیلے سے تھا۔ یہ قبیلہ نسب اور خاندان کے اعتبار سے ان سب قبائل میں بالا اور برتر خیال کیا جاتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے بھی جرگہ کی تمام کارروئی اور نشستوں میں شرکت کی اور پورے ضبط و تحمل سکون اور اطمینان کے ساتھ گفتگو' تکرار اور جھگڑا کرنے والوں کی باتیں سنتا رہا۔

عین اس وقت جب کہ سردار کے چناؤ کے لئے صلاح و مشورے اپنے زوروں پر تھے اور قبیلے کے سردار کسی ایک کو اپنا راہنما منتخب کرنے پر متحد نہیں ہو رہے تھے۔ اس موقع پر اندیشہ تھا کہ سردار اپنی اپنی بات منوانے کے لئے تلواریں بے نیام کر لیں گے اور ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جائیں گے لیکن اس موقعہ پر شائد قدرت نے افغان سرداروں کی رہنمائی کی اور درویش صابر ان کے اندر نمودار ہوا۔ اس درویش صابر نے احمد شاہ کا نام سرداری کے لئے پیش کر دیا۔ جرگے کے افراد کو صابر شاہ نے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ان لایعنی باتوں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا۔ خدا نے احمد خان کو تم سب سے بڑا اور باعظمت آدمی پیدا کیا ہے۔ افغان خاندانوں میں یہ سب سے بالا اور برتر ہے۔ خدا کی مرضی کے سامنے سر جھکا دو۔ ورنہ یاد رکھو اس کی مشیت سے سرتابی تمہیں کہیں کا نہ رکھے گی۔"

درویش صابر کی یہ گفتگو اور تقریر سارے قبائلی سرداروں کے دل میں اتر گئی اور متفقہ طور پر انہوں نے احمد شاہ کو اپنا راہنما منتخب اور مقرر کر لیا۔ سردار منتخب ہونے کے بعد درویش صابر نے احمد شاہ کو مشورہ دیا کہ اس وقت جب کہ نادر شاہ مر

چکا ہے اور اس کی جگہ ایرانیوں نے کسی کو اپنا بادشاہ نہیں چنا اور وہ فی الفور اپنی بادشاہت کا اعلان کر دے۔

احمد شاہ کو یہ منصب بلند قبول کر لینے میں تامل تھا کیونکہ موجودہ بے سروسامانی کے حالات میں وہ شاہی لوازمات اور جلال و عظمت سے محروم تھا۔ اپنے آپ کو نا اہل خیال کرتا تھا لیکن درویش صابر ایسا آدمی نہیں تھا جس کو آسانی کے ساتھ اس کے طے شدہ فیصلے سے منحرف کیا جا سکتا۔

جب اس نے دیکھا کہ احمد شاہ کا نام افغان سرداروں اور اہل قبائل کے لئے ناقابل قبول نہیں ہے بلکہ انہوں نے اپنا سردار اعلیٰ منتخب کر لیا ہے تو اس نے اس عظیم اور نفسیاتی لمحے سے فائدہ اٹھایا اور اس نے فوراً اسی زمین پر ایک چھوٹا سا چبوترہ بنایا اور احمد خاں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

احمد خاں اس پر بیٹھ جاؤ یہ تمہاری مملکت کا تخت شاہی ہے۔ درویش صابر کے ان الفاظ نے نہ جانے احمد شاہ پر کیا اثر کیا کہ اسے حوصلہ ہوا اور اس نے درویش صابر کے کہنے پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ احمد شاہ کے یوں مان جانے پر درویش صابر نے احمد شاہ کو مخاطب کر کے کہا اب تم بادشاہ در دوراں ہو۔ احمد شاہ نے اس القاب اور خطاب میں تھوڑی سی ترمیم کی اور در دوران کی بجائے در دران کر دیا۔ یہی لفظ بگڑ کر درانی بنا اور اس کے بعد ابدالی سے احمد شاہ درانی بن گیا۔

اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کے بعد احمد شاہ نے عملی قدم اٹھایا اس وقت اس کے ماتحت تقریباً چار ہزار افغانوں پر مشتمل لشکر تھا جسے لیکر وہ قندھار کی طرف روانہ ہوا۔ حالانکہ ابدالیوں کا اصل وطن ہرات شہر تھا لیکن ہرات پر اس وقت نادر شاہ کا ایک نامزد گورنر تھا۔ جس کے پاس خاصا بڑا لشکر تھا۔ احمد شاہ کی چونکہ اس وقت عسکری قوت کچھ زیادہ نہ تھی۔ لہٰذا اس نے ارادہ کیا پہلے قندھار کو فتح کر لے اور وہاں اپنی طاقت اور قوت کو مستحکم کرنے کے بعد پھر ہرات پر حملہ آور ہو۔

اپنے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے چار ہزار مسلح جوانوں کے ساتھ

احمد شاہ بڑی تیزی سے قندھار کی طرف بڑھا۔ قندھار کی طرف جاتے ہوئے راستے میں ایک ایرانی لشکر احمد شاہ کا راستہ روک کھڑا ہوا لیکن احمد شاہ کی سرکردگی میں اس کے لشکر نے اس جاں نثاری سے حملہ کیا کہ اس ایرانی لشکر کو شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کامیابی سے احمد شاہ اور اس کے ساتھیوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے اور انہوں نے مزید تیزی کے ساتھ قندھار کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کی خوش قسمتی کہ اس کے قندھار پہونچنے سے صرف ایک دن پہلے نادر شاہ کی طرف سے سندھ اور پنجاب کا والی تقی خاں شیرازی لاہور سے قندھار پہونچا۔ تقی شیرازی اپنے ساتھ دو کروڑ روپے کا خزانہ زر نقد لایا تھا اور بے شمار ہیرے جواہرات اور شالوں پر مشتمل سامان لیکر قندھار آیا تھا۔ اس کے علاوہ تین سو اونٹوں پر مشتمل ایک کارواں بھی تھا۔ جو مختلف ضرورت کے سامان سے لدا ہوا تھا اور یہ سامان تقی شیرازی لاہور سے لیکر براستہ قندھار مشہد میں نادر شاہ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا۔ اسے ابھی تک نادر شاہ کے مرنے کی خبر نہ ہوئی تھی۔

احمد شاہ کو بھی اس مال و اسباب کے قندھار آنے کی خبر ہوئی تھی لہٰذا وہ بڑی تیزی سے آگے بڑھا حملہ آور ہوا اور اس سارے سامان پر اس نے قبضہ کر لیا۔

اس کارواں میں اونٹوں کے علاوہ کچھ ہاتھی بھی تھے۔ وہ بھی احمد شاہ کے قبضے میں آ گئے اور جو بھی مال و متاع قندھار سے اس کے ہاتھ لگا اسے احمد شاہ نے اپنے لشکر کے سرداروں۔ سپاہیوں نیز حکومت کے عہدیداروں اور ملازموں میں تقسیم کر دیا۔

قندھار پر قبضہ کرنے اور سارا مال تقسیم کرنے کے باعث احمد شاہ کو ایک خاطر خواہ فائدہ ہوا اس کی حوصلہ مندی' اعلیٰ ظرفی اور دریا دلی نے مستقبل کی تعمیر میں بہت مدد کی۔ ابھی تک متعدد قبائل ایسے تھے جنہوں نے واضح اور غیر مبہم طور پر اس کے انتخاب کو تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اس کی یہ فیاضی اور دریا دلی دیکھ کر مختلف قبائل کے سردار مستقل احمد شاہ کے دامن دولت سے وابستہ ہو گئے۔ احمد شاہ نے ان لوگوں کی

وابستگی سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اپنے لشکر میں اس نے مزید اضافہ کیا۔ اب وہ قندھار پر قبضہ کرنے کے بعد کابل پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کرنے لگا۔

قندھار فتح کرنے کے بعد قندھار کی جامعہ مسجد میں احمد شاہ نے اپنی تاج پوشی کی باقاعدہ مگر سادگی اور وقار کے ساتھ رسم ادا کی۔ اس رسم کے ادا کرنے میں شہر کے علماء اور سرداروں کو جمع کیا گیا اور شہر کے سب سے بڑے عالم نے اس موقعہ پر ایک مٹھی بھر گیہوں احمد شاہ کے سر پر سے نچھاور کئے اور جس قدر لوگ وہاں جمع تھے ان کے سامنے اعلان کر دیا کہ بادشاہت کے لئے احمد شاہ کو خدا نے اور قوم نے منتخب کیا ہے۔

قندھار میں باقاعدہ تاجپوشی کی رسم ادا کرنے کے بعد احمد شاہ نے شاہ کا خطاب اپنے لئے اختیار کیا۔ درہ پہلے ہی سے وہ استعمال کر رہا تھا اور اب وہ اس نسبت سے احمد شاہ درانی کہلانے لگا۔ اپنی رسم تاجپوشی کے بعد اس نے یہ اعلان بھی منادی کے ساتھ کرایا کہ آئندہ سے اس کے قبیلے کو ابدالی نہ کہا جائے بلکہ درانی کہا جائے اور آئندہ سے کوئی بھی اس قبیلے کا پرانا نام ابدالی استعمال نہ کرے۔

اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کے بعد احمد شاہ نے نیا سکہ ڈھالا اور اپنی مہر تیار کروائی۔ اس نے اپنی مہر پر لکھوایا۔

الحکم للہ۔ یافتاح۔ احمد شاہ۔ دردراں

اس مہر کے دوسری طرف ایک طاؤس کی تصویر نقش تھی۔ اس کی مہر انگشتری نما ایک کرہ کی طرح تھی۔ اب احمد شاہ کے سامنے دو اہم ترین مسائل تھے۔ جنہیں اس نے حل کرنا تھا۔ ایک تو افغان قبائل کی تنظیم۔ دوسرے اپنی نئی حکومت اور تحفظ اور سلامتی کا بندوبست۔

قندھار کو فتح کرنے کے بعد احمد شاہ نے اپنی حکومت، شخصیت اور وجاہت کے تحفظ اور استحکام کے لئے اپنے سارے وسائل اور ذرائع استعمال کئے۔ اس نے افغان قبائل کو یکسر اپنا ساتھی اور منقار بنا لیا۔ لشکر کے لئے بھرتی زور و شور سے شروع کی۔

ہر طرف سے بھرتی ہونے والے مسلح جوانوں کا تانتا لگ گیا تھا اور بہت ہی قلیل عرصے میں اس کی فوج جو پہلے صرف چار ہزار لشکریوں پر مشتمل تھی اب چالیس ہزار تک جا پہونچی تھی۔ اس کے لشکر کے سپاہی زیادہ تر ابدالی اور غلزئی قبائل کے خاندانوں اور کنبوں پر مشتمل تھے۔ اب اس کے لشکر میں بڑی تیزی سے قزلباش بھی شامل ہونے شروع ہو چکے تھے۔

بہرحال قندھار میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد احمد شاہ نے اپنی طاقت اور قوت کو خوب استحکام بخشا۔ اس وقت تک افغانستان نام کا کوئی ملک موجود نہ تھا۔ احمد شاہ کے سامنے جو پہلا کام تھا وہ یہ تھا کہ ان مختلف اضلاع کو جو افغان آبادی پر مشتمل ہیں ایک سیاسی وحدت میں تبدیل کر دیے۔ ہرات کو کسی آئندہ وقت کے لئے اس نے چھوڑ دیا جبکہ فی الوقت اس نے غزنی اور کابل کو فتح کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

کابل کا حکمران ان دنوں نصیر خان تھا۔ احمد شاہ نے جب قندھار کو فتح کیا تو یہ نصیر خان احمد شاہ کے خلاف فوجی تیاریاں کرنے لگا۔ شروع شروع میں یہ نصیر خان مغل شہنشاہ محمد شاہ رنگیلے کی طرف سے کابل کا گورنر تھا لیکن جب یہ صوبہ نادر شاہ کی عملداری میں منتقل ہو گیا تب بھی نصیر خاں کو اس کے منصب پر بحال رکھا گیا۔

اب یہ نصیر خان احمد شاہ کو نادر شاہ کا جانشین ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔ نہ کابل پر احمد شاہ کی سطوت اور اقتدار کو تسلیم کرنے پر رضا مند تھا بلکہ اس نے یہ اعلان کر دیا کہ نادر شاہ کی موت کے بعد اب وہ ہندوستان کی مغل حکومت کا مال گذار اور تابع ہے اور یہ کہ احمد شاہ اور اس کی حکومت سے اسے کوئی سروکار اور واسطہ نہیں ہے۔

جس وقت ایرانی علاقوں میں احمد شاہ نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا تھا۔ اس وقت نصیر خان بھی اس کے پاس تھا۔ نصیر خان نے اس موقعہ پر احمد شاہ سے التماس کی تھی کہ اسے کابل کی گورنری پر بحال رہنے دیا جائے۔ احمد شاہ نے اسے کابل کی گورنری پر فائز رکھتے ہوئے اس کی بیٹی کو اپنے حرم میں داخل کر لیا تھا اور یہ کہ نصیر

خان نے وعدہ کیا تھا کہ وہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ احمد شاہ کہ ادا کیا کرے گا لیکن بعد میں یہ نصیر خان اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا۔ اس کے علاوہ کابل کے افغانوں نے اس لئے یہ رقم ادا کرنے سے اپنی معذوری کا اظہار کیا اور نصیر خان کو مجبور کیا کہ وہ احمد شاہ درانی کے خلاف جنگ چھیڑ دے۔

نصیر خان والئ کابل کے اس رویے کو نظر میں رکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ قندھار سے کابل کی طرف کوچ کیا۔ غزنی کا والی جسے نادر شاہ نے متعین کیا تھا۔ اسے جب خبر ہوئی کہ احمد شاہ قوت پکڑ چکا ہے اور وہ قندھار فتح کرنے کے بعد کابل پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو اس نے احمد شاہ کو اپنے لئے بہت بڑا خطرہ محسوس کیا لشکر لیکر وہ غزنی سے نکلا اور احمد شاہ کی راہ روک کھڑا ہوا۔ غزنی کے نواح میں ہولناک جنگ ہوئی جس میں احمد شاہ نے غزنی کے والی کو بد ترین شکست دی اور آگے بڑھ کر احمد شاہ نے غزنی پر قبضہ کر لیا۔

کابل کے حکمران نصیر خان کو جب غزنی کے حکمران کی شکست کا علم ہوا تو وہ کابل سے پشاور کی طرف بھاگا۔ پشاور میں بیٹھ کر اس نے ہندوستان کے مغل شہنشاہ سے اپنی وفاداری کا اعلان کرتے ہوئے احمد شاہ کے خلاف اس سے مدد طلب کی۔ ساتھ ہی ساتھ نصیر خان نے ازبک اور ہرش قبائل کو اپنے لشکر میں بھرتی کرتے ہوئے اپنی قوت میں اضافہ کرنا شروع کر دیا۔

احمد شاہ کو جب خبر ہوئی کہ کابل کا حکمران نصیر خان کابل سے نکل کر پشاور میں جا بیٹھا ہے تو اس نے اندر ہی اندر کابل کے افغان سرداروں کو خط لکھ لکھ کر اپنی تائید و حمایت۔ نصرت اور اعانت کی وحدت ملی کے نام دعوت دینا شروع کی۔ اس دعوت کے لئے احمد شاہ نے کابل کے اکثر سرداروں کو اپنا ہم نوا اور مددگار بنا لیا اور ان سب سرداروں نے احمد شاہ کو واضح اور غیر مشتبہ انداز میں اپنے پورے پورے تعاون کا یقین دلایا۔

دوسری طرف احمد شاہ نے کابل کے افغان سرداروں سے یہ بھی وعدہ کیا کہ ان کی سرداری پر حرف نہیں آنے دیا جائے گا اور یہ کہ داخلی طور پر وہ پہلے کی طرح پوری آزادی کے ساتھ رہیں گے اور جو بھی کام کیا جائے گا ان سے پوری طرح صلاح و مشورہ کیا جائے گا۔

یہ سب کچھ کرنے کے بعد احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ کابل پر حملہ آور ہوا چونکہ کابل کے سردار اندر ہی اندر احمد شاہ سے مل چکے تھے لہٰذا کسی بڑی جنگ کی نوبت ہی نہیں آئی اور احمد شاہ کا کابل پر قبضہ ہو گیا یہاں تک کہنے کے بعد قاسم تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بھائی جس وقت تمہیں تمہارے ریوڑ سمیت احمد شاہ کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔ اس سے کئی روز پہلے احمد شاہ کابل پر قبضہ کر چکا تھا اور شہر کے نواح میں اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے ان سے تم واقف ہی ہو۔ اب دیکھتے ہیں کابل کو فتح کرنے کے بعد احمد شاہ کدھر کا رخ کرتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد قاسم جب خاموش ہوا تو عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ میرے عم زاد بھائی اب رات کافی جا چکی ہے۔ اب ہمیں آرام کرنا چاہیے۔ مجھے کل نادر آباد کی طرف جانے والے کاررواں کے ساتھ بھی روانہ ہونا ہے۔ قاسم نے عبداللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا دونوں بھائی اپنے اپنے بستروں میں گھس کر سونے کی کوشش کرنے لگے تھے۔



دوسرے روز احمد شاہ ابدالی اپنے بھتیجے عبدالخالق۔ اپنے سپہ سالار جہان خان کے بھتیجے زال بیگ پوپلزئی اپنے ایک سردار کے بیٹے جمال خان، عبداللہ اور ان چاروں کے نگران دلاور خان کو نادر آباد جانے کے لئے الوداع کہہ رہا تھا۔ الوداع کرنے کے اس موقعہ پر احمد شاہ کے ساتھ اس کا وزیر شاہ ولی خان سپہ سالار جہان خان امیر سرنگ برخوردار خان۔ قاضی القضاء فیض اللہ خان اور لشکر کے قاضی ادریس بھی

شامل تھے۔ اس موقعہ پر عبداللہ کا چچا زاد بھائی قاسم احمد کے قریب آیا اور ا
مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

پاشا اس موقعہ پر کیا میں اپنے عم زاد عبداللہ سے کچھ کہہ سکتا ہوں۔ احمد نے بڑی شفقت اور بڑی نرمی سے کہا ہاں تم اپنے بھائی سے الوداعی گفتگو کر سکتے
اس پر قاسم خان عبداللہ کے نزدیک آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بھائی نادر آباد جا کر اس کا خیال اور دھیان رکھنا کہ تم نے ت
کے دامن' غم افزا مناظر میں امیدوں کی کرن بن کر نمودار ہونا ہے۔ اداسی کی تھکا
نارسائی کے دکھ' یادوں کی بھٹکتی چاندنی اور مہہ و سال کی آشنائی سے تم نے گلابوں
تازہ مہک۔ نئے رتوں کی حکایت۔ پرتو نصرت و فوز مندی بن کر نمودار ہونا ہے۔

سن میرے عم زاد نادر آباد میں رہتے ہوئے اپنی تمازت جسم و جاں کو عکس
حق سے آشنا کرنا۔ اپنی مشعل نظر کو اہتاب نگاہ بنا کے رکھنا۔ وہاں رہتے ہوئے م
بہار کی آہٹوں میں رمز خودگہری۔ دل کی دھڑکنوں میں رنگ و نور کی بارش۔ زیـ
کے گھنے اندھیروں میں موج موج رقصاں کرن کی طرح بن کر نکلنا۔

عبداللہ میرے بھائی میری دعا ہے کہ تو کاسہ وقت میں زمین کے خشک چہرے
کے عالم اور سکوت کی مہروں میں دھرتی کی زینت' عزم جواں' عروس زندگی کا رو
دھار کے نکلے۔ عبداللہ میرے بھائی میری دعا ہے تو خرد کی وادی اور جنوں کے
سے اجالوں کی شمع۔ موذن کی صدا بن کر رہے۔

اپنے چچا زاد بھائی قاسم کے ان الفاظ پر عبداللہ بے چارہ یادوں کے فانوس
لکھی بانجھ تحریروں جیسا نڈھال' صحرا کی کوکھ میں رکھے کرم خوردہ عہد نامے کی ط
پژمردہ۔ رات کے غار میں رائیگاں ہوتی تحریروں جیسا افسردہ' حماں اور یاس نصیـ
بیوہ کی آنکھ کے آنسوؤں جیسا ویران ہو کر رہ گیا تھا پھر وہ بولا اور اپنے عم زاد ق
خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سن میرے عم زاد۔ وہاں تربیت کے دوران میں اپنی خودی صرف اپنی ذات

پانبردار بنا کر نہیں رکھوں گا بلکہ اسے خداوند قدوس کے احکامات کے تابع بھی کھینچ
کر رکھوں گا۔ سن میرے بھائی مجھے امید ہے کہ یہ عسکری تربیت مجھے مٹی سے کندن
کر نکالے گی اور اس تربیت کے بعد وہ وقت جلد آئے گا کہ میں اپنے دادا کی
امیدوں اور خواہشوں پر پورا اتر سکوں گا۔ دیکھ میرے بھائی۔ مجھے مسکرا کر رخصت کر
کہ وہاں تربیت کے دوران تیرا مسکراتا چہرہ میرے لئے عزم کے ایک ستارہ کی طرح
ہمیشہ چمکتا ہوا میرے سامنے رہے۔ جواب میں قاسم خان بے چارہ مسکرانے لگا تھا۔
اس کے بعد عبداللہ اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ احمد شاہ کے پڑاؤ سے نادر آباد شہر کی
طرف کوچ کر رہا تھا۔



ایک روز صبح ہی صبح دلاور خان' عبداللہ' جمال خاں' عبدالخالق اور زال بیگ
پلٹی پر مشتمل چھوٹا سا کارواں نادر آباد شہر میں داخل ہوا۔ انہوں نے دیکھا شہر
ہوتا ہی تھا۔ صاف ستھرا اور خوبصورت تھا۔ شہر کے ایک طرف فنون حرب کی وہ
درسگاہ تھی جس میں ان چاروں نے تربیت حاصل کرنی تھی۔ دلاور خان کی رہنمائی میں
وہ چاروں اس درسگاہ میں داخل ہوئے۔

درسگاہ بہت بڑے اور چوکور احاطے میں تھی۔ اس کے چاروں کناروں پر تربیت
حاصل کرنے والے طالب علموں کے لئے کمرے بنے ہوئے تھے اور وسط میں درسگاہ
کی انتظامیہ اور اساتذہ کے لئے ایک بہت بڑی اور دو منزلہ عمارت بنائی گئی تھی۔
دلاور خاں اسی عمارت کی طرف چاروں کو لے کر بڑھا اور منتظم کے کمرے میں داخل
ہوا۔

منتظم اسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ دلاور کو مخاطب کرتے ہوئے
کہنے لگا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تمہارا نام دلاور ہے اور یہ چار لڑکے تمہارے ساتھ
ہیں۔ یہ احمد شاہ ابدالی کی طرف سے اس درسگاہ میں تربیت کے لئے منتخب کئے گئے
ہیں۔ احمد شاہ کی طرف سے تمہارے یہاں آنے کی اطلاع ہمیں پہلے ہی پہونچ چکی

ہے اور ہم نے تم سب کی رہائش کا انتظام کر رکھا ہے۔ تم سب میرے ساتھ آؤ۔ کمرے سے نکلتے ہوئے اس منتظم کو شائد پھر کوئی خیال گزرا اور وہ مڑا اور دلاور خان کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔

پہلے تم مجھے ان چاروں تربیت کے متمنی لڑکوں کے نام بتاؤ۔ اس پر دلاور خان نے پہلے زال بیگ کی طرف اشارہ کیا کہنے لگا۔ یہ زال بیگ پوپلزئی ہے اور احمد شاہ ابدالی کے سپہ سالار جہان خاں پوپلزئی کا بھتیجہ ہے۔ دوسرا عبدالخالق ہے۔ یہ خود احمد شاہ کا بھتیجہ ہے۔ تیسرا جمال خان ہے۔ یہ احمد شاہ کے ایک مرحوم سردار کا بیٹا ہے اور چوتھا جس کے گلے میں تم لوہے کا طوق اور ٹانگوں میں کڑے دیکھتے ہو یہ بنیادی اور اثاثی طور پر ایک غلام ہے جسے آزاد کر کے احمد شاہ نے تربیت حاصل کرنے کے لئے یہاں روانہ کیا ہے۔ اس کے گلے میں طوق اور ٹانگوں میں لوہے کے کڑے کیوں ہیں یہ ساری داستان یہ لڑکا مدرسہ کی انتظامیہ اور اساتذہ کو خود ہی بتاتا پھرے گا۔

دلاور خان جب خاموش ہوا تو وہ منتظم تھوڑی دیر تک بڑے غور، ہمدردی شفقت سے عبداللہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔ میرا نام حسام الدین ہے۔ میں اس درسگاہ کا منتظم اعلیٰ ہوں۔ یہاں قیام کے دوران تم لوگوں کو کوئی تکلیف یا شکایت ہو تو براہ راست مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ تمہاری ہر تکلیف کا ازالہ کیا جائے گا۔ اب تم لوگ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں تمہارے کمرے دکھاتا ہوں۔

حسام الدین جب درسگاہ کے کمروں کے نزدیک گیا تو دلاور خان بولا اور حسام الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ کمرں کا تعین کرنے سے پہلے آپ ذرا میری بات سنیں۔

حسام الدین جب دلاور خان کے قریب ہوا تو دلاور خان اسے ذرا فاصلے پر لے گیا۔ پھر بڑی راز داری میں کہنے لگا۔ میں چاہتا ہوں کہ زال پوپلزئی، عبدالخالق اور جمال خان کے کمرے اکٹھے ہوں۔ میرا کمرہ بھی ان کے ساتھ ہی ہو کہ میں ان کے نگران اعلیٰ کی حیثیت سے یہیں قیام کروں گا۔ جبکہ عبداللہ کا کمرہ کہیں علیحدہ اور ا

بچوں سے دور رکھیں۔ دلاور خان کی اس گفتگو پر حسام الدین نے ذرا چونک کر اس کی طرف دیکھا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہنے لگا۔ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہو گا۔

دونوں پھر لڑکوں کے پاس آئے اور اس موقعہ پر حسام الدین پھر بولا اور کہنے لگا۔ سنو بچوں کل سے تم چاروں کی تربیت کا کام شروع ہو گا۔ یہاں تقریباً چھ سال تک زیر تربیت رہنا ہو گا۔ حرب و ضرب کے ہر فنون کی تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی مشق کرنا ہو گی۔ اس کے علاوہ اس درسگاہ میں بہترین دینی تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام کیا جاتا ہے۔ گویا چھ سال کے اس عرصے میں تم اس درسگاہ سے دین و دنیا دونوں ہی سنوار کر نکلو گے۔

اس درسگاہ کی روایت یہ ہے کہ طالب علم اپنی جوڑیاں بنا لیتے ہیں۔ ہر سال بعد ان جوڑیوں کے مقابلے کرائے جاتے ہیں اور جو ہارتا ہے اس کی پنڈلی کو لوہے کی مہر گرم کر کے داغا جاتا ہے تاکہ اسے یہ احساس رہے کہ آنے والے سال کے لئے اس نے کسی کو زیر کرنے کے لئے اپنی تیاریوں کو پہلے سے زیادہ تیز اور تند کرنا ہے۔ تاہم کچھ لڑکے ایسے بھی ہوتے ہیں جو جوڑیاں بنانا پسند نہیں کرتے اور داغے جانے کے بغیر ہی وہ سال بعد مقابلے کرتے ہیں۔ تم بھی سوچ لینا تم میں سے کسی کی کوئی جوڑی بنا پسند کرے گا یا نہیں۔ اس پر زال بیگ پوپلزئی فوراً بولا اور کہنے لگا۔ محترم حسام الدین جب ہم یہاں سے اپنی تربیت مکمل کرنے کے بعد لوٹیں گے تو احمد شاہ ابدالی مقابلوں کا اہتمام کرتے ہوئے ہماری حربی صلاحیتوں کو جانچے گا جو ہم میں اول رہے گا اسے وہ شاہ پسند کا لقب دے گا۔ امیر لشکر بنانے کے ساتھ ساتھ بہترین انداز میں نوازے گا بھی۔ احمد شاہ ابدالی یہ غلام لڑکے عبداللہ سے شائد ہماری نسبت زیادہ امیدیں وابستہ رکھے ہوئے ہے۔ میں اسی عبداللہ کو اپنی جوڑی بناتا ہوں۔ ہر سال بعد تیغ زنی میں ہمارا مقابلہ کرایا جائے اور جو ہارے اسے داغا جائے۔ اس لئے کہ ہم دونوں ثابت کر سکیں کہ شاہ پسند اور امیر لشکر بننے کے قابل کون ہے۔

زال بیگ پوپلزئی جب خاموش ہوا تو احمد شاہ ابدالی کا بھتیجہ عبدالخالق اور جمال خان باری باری بولے اور کہنے لگے ہم کسی کی جوڑی بنا پسند نہیں کریں گے اور داغے بغیر ہی تربیت کے ماہ و سال سے گذرنا پسند کریں گے۔

ان لڑکوں کی گفتگو سن کر حسام الدین نے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ عبداللہ کیا تم اس زال بیگ پوپلزئی کی جوڑی بنا پسند کرو گے۔ جواب میں عبداللہ نے منہ سے کچھ کہنے کے بجائے اثبات میں سرہلا دیا تھا۔ اس کے بعد حسام الدین حرکت میں آیا۔ بائیں طرف آ کر اس نے چار کمرے دلاور خان، جمال خان، عبدالخالق خان اور زال بیگ پوپلزئی کے لئے مختص کر دیئے اس کے بعد عبداللہ کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگا۔ عبداللہ تم میرے ساتھ آؤ۔

عبداللہ گلے میں لٹکتے لوہے کے طوق کو پیچھے کرتا ہوا چپ چاپ حسام الدین کے ساتھ ہو لیا تھا۔

حسام الدین عبداللہ کو کمروں کی اسی قطار کے آخری کمرے میں لے گیا۔ کمرہ کا دروازہ کھولا۔ کمرہ عبداللہ کو دکھاتے ہوئے کہنے لگا۔ عبداللہ یہ کمرہ تمہارا ہے۔ اندر جا کر عبداللہ نے کمرے کا جائزہ لیا۔ کمرے میں ایک طرف مسہری پر بستر لگا ہوا تھا۔ مخالف سمت کتابیں وغیرہ رکھنے کے لئے دیوار کے اندر پتھروں سے بنی ہوئی ایک الماری بھی تھی۔ جس کے نیچے کپڑے وغیرہ رکھنے کے لئے موٹی لکڑی کا ایک صندوق بھی مہیا کیا گیا تھا۔ کمرے کا جائزہ لینے کے بعد ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں عبداللہ کہنے لگا۔ محترم حسام الدین یہ ایک بہترین کمرہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں مجھے آج تک ایسا کمرہ کہیں میسر نہیں ہوا۔ میری خوش نصیبی ہے کہ میری رہائش کا ایسا انتظام کیا جا رہا ہے۔ اس پر حسام الدین کمرے میں داخل ہوا کمرے کا دروازہ اس نے بند کر دیا۔ مسہری پر بیٹھا پھر حسام الدین نے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہا۔

عبداللہ میرے بیٹے یہاں میرے پاس آ کر بیٹھو۔ تمہارے گلے میں لٹکتے ہوئے اس طوق اور پیروں میں پڑے ہوئے ان کڑوں نے ایک جستجو ایک کرید میں ڈال کر

رکھ دیا ہے۔ بیٹھو بیٹے مجھے اپنے حالات تفصیل کے ساتھ سناؤ۔ اس پر عبداللہ حسام الدین کے ساتھ بیٹھ گیا پھر اپنے سارے حالات اس نے حسام الدین کو تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔

عبداللہ سے اس کے حالات سننے کے بعد حسام الدین کچھ دیر تک سر جھکائے مغموم سا بیٹھا رہا۔ لگتا تھا عبداللہ کے حالات سن کر وہ بے حد متاثر ہوا ہو۔ اس نے نگاہ اٹھا کر ایسے انداز میں عبداللہ کی طرف دیکھا جس میں باپ کی شفقت، نرمی، چاہت اور محبت تھی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ بڑے پیارے انداز میں اپنا ہاتھ عبداللہ کے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

سنو بیرم خان کے بیٹے۔ تمہارے ساتھیوں کی گفتگو سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ وہ تمہیں اچھا نہیں سمجھتے۔ اسی لئے انہوں نے تمہارا کمرہ اپنے کمروں سے علیحدہ رکھا ہے۔ مگر تم فکر مند نہ ہونا۔ یہاں درسگاہ میں تمہیں اگر کوئی تکلیف یا دکھ ہو تو سیدھے میرے پاس آؤ۔ آج سے تم میرے بیٹے کی طرح ہو۔ یہاں تمہیں کوئی دکھ یا تکلیف نہیں ہو گی۔ میرے خیال میں اب تم آرام کرو۔ کل سے تمہاری تربیت کا کام شروع ہو جائے گا۔ حسام الدین جب اپنی جگہ سے اٹھا تو عبداللہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد ہم نے اپنے گھوڑے درسگاہ کے اصطبل میں باندھ دیئے تھے۔ زین کے ساتھ میرا کچھ سامان بھی ہے۔ وہ میں سامان لے آؤں۔ کیا گھوڑے کی زین اصطبل میں ہی پڑی رہنے دینی چاہیے یا کمرے میں لے آؤں اور یہ کہ کیا گھوڑے کے دانے اور چارے کا بندوبست مجھے خود کرنا ہو گا۔ حسام الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا نہیں بیٹے۔ تم گھوڑے کی زین اور اس سے بندھا ہوا سامان اپنے کمرے میں جا کر لے آؤ۔ گھوڑے کے چارے اور اس کی دیگر ضروریات کا خیال درسگاہ کے ملازمین کے ذمہ ہے۔ اس کے ساتھ ہی حسام الدین وہاں سے چلا گیا تھا۔ عبداللہ اصطبل میں گیا اور اپنے گھوڑے سے زین اور اس سے بندھا ہوا اپنا سامان وہ

اپنے کمرے میں لے آیا تھا۔ یوں دوسرے روز ان چاروں بچوں کی تربیت کا شروع ہو گیا تھا۔



کابل پر قبضہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے چند یوم تک کابل کے نواح اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے رکھا۔ کابل کو ایک علیحدہ صوبہ قرار دے کر وہ اس نظم و نسق میں لگ گیا تھا۔

فتح کابل کے بعد احمد شاہ اس نئے صوبے کے نظم و نسق اور احوال و مسائل درست کرنے میں بڑی کوشش اور سرگرمی کے ساتھ مصروف رہا۔ اس لئے کہ صو کے حالات اس کی فوری توجہ کے طالب تھے لیکن اس مصروفیت کے باوجود اس اپنے دشمن یعنی کابل کے سابق حکمران نصیر الدین کی سرگرمیوں کو فراموش نہیں ک جو پشاور میں جا کر اپنی طاقت اور قوت میں اضافہ کر رہا تھا کہ احمد شاہ سے فیصلہ جنگ کر سکے۔ احمد شاہ نے جب دیکھا کہ وہ کابل کے نظم و نسق کو درست کر چکا اس نے اپنے سپہ سالار جہان خان کو لشکر کا ایک حصہ دیکر پشاور کی طرف روانہ تاکہ کابل کے سابق حکمران نصیر خان کی سرکوبی کی جائے اور جہان خان کے پیچھے احمد شاہ خود بھی اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے پشاور کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

دوسری طرف نصیر خان کا حال پشاور میں بڑا ابتر تھا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اگر شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ کابل سے پشاور کوچ کیا اور راستے میں افغان قبائل اس کے ساتھ مل گئے تو نصیر خان کے لئے بڑے مسائل اٹھ کھڑے ہوں۔ قبائلیوں کے اس خطرے کو دور کرنے کے لئے نصیر خان نے ایک تدبیر سوچی۔

اس نے فیصلہ کیا کہ ان کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کی صورت صرف ہے کہ ان قبائل کے سب سے بڑے سردار عبدالصمد خان محمد زئی عرف مہمند زئی شب خون مارا جائے اور اسے گرفتار کر کے اپنے حق میں استعمال کیا جائے۔ عبدا خان محمد زئی اس وقت ہشت نگر کے ایک مقام زوبہ میں قیام کئے ہوئے تھا۔

نصیر خان خیال کرتا تھا کہ اگر وہ عبدالصمد پر شب خون مار کر اور اسے گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر اسے احمد خاں کی طرف سے کوئی خطرہ نہیں رہے گا۔ اس لئے نصیر خان کا خیال تھا احمد شاہ حملہ آور ہوا تو وہ قبائیلوں کو کہے گا کہ وہ اس کا ساتھ دیں اور اگر قبائیلوں نے ساتھ نہ دیا تو وہ انہیں دھمکی دے گا کہ وہ عبدالصمد محمد زئی کو قتل کر دے گا۔ لہٰذا قبائلی اپنے سردار کو زندہ رکھنے کے لئے مجبوراً اس کا ساتھ دیں گے اور اگر وہ اس کا ساتھ دیں گے تو احمد شاہ کو وہ ان قبائیلوں کی مدد سے شکست دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی نصیر خان یہ بھی امید لگائے ہوئے تھا کہ قبائلی اس کا ساتھ دیں گے تو وہ درہ خیبر کا راستہ روک دے گا۔ احمد شاہ کابل سے پشاور میں داخل نہ ہو سکے گا اس طرح پشاور پر احمد شاہ کی یلغار ناممکن ہو کر رہ جائے گی۔

لیکن دوسری طرف قبائلی سردار عبدالصمد خاں محمد زئی بھی کچی گولیاں کھیلے ہوئے نہیں تھا۔ اس نے بھی اپنے جاسوس اطراف میں پھیلا رکھے تھے جنھوں نے نصیر خان کی نیت سے عبدالصمد کو آگاہ کر دیا تھا۔ لہٰذا عبدالصمد اپنے قلعے سے نکلا۔ پہلے وہ جلال آباد گیا۔ پھر وہاں سے کوچ کر کے احمد شاہ کے سپہ سالار جہان خان کے لشکر میں شامل ہو گیا اور پورے حالات اس نے جہان خان سے کہہ دیئے۔

عبدالصمد خان کے ہاتھ سے نکل جانے پر نصیر خان دانت پیس کر رہ گیا تھا۔ اس نے غصے میں آ کر عبدالصمد کے شہر ہشت نگر پر حملہ کیا اور ہشت نگر کے قلعے کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ عبدالصمد کے بہت سے عزیزوں' رشتے داروں اور متوسلین کو اس نے تلوار کے گھاٹ اتار دیا اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ پشاور واپس آ گیا تھا۔

دوسری طرف عبدالصمد خان جہان خان کی رہنمائی کرتا ہوا بڑی تیزی اور سرعت کے ساتھ پشاور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ نصیر خان چاہتا تھا کہ جہان خان کی آمد سے پہلے ہی وہ درہ خیبر کو بند کر دے تاکہ جہان خان اس میں سے گذر نہ سکے لیکن نصیر خان

کے درہ بند کرنے سے پہلے ہی جہان خان وہاں پہنچ گیا اور درہ سے گذر کر وہ تیزی سے پشاور کی طرف بڑھا تھا۔ حیرت انگیز کام یہ ہوا کہ جہان خان کے پیچھے پیچھے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ احمد شاہ بذات خود بھی درہ سے گذرا اور جہان خان ساتھ شامل ہو گیا۔ قبائلیوں کے سردار عبدالصمد نے احمد شاہ سے ملکر اسے اپنی فرمانبرداری اور اطاعت کا یقین دلا دیا تھا۔

نصیر خان اس افراتفری کے عالم میں اتنی بھی فوج فراہم نہ کر سکا جو احمد مقابلہ کرتی یا اس کے سامنے کوئی رکاوٹ ثابت ہوتی۔ بغیر کسی مزاحمت اور مـ کے احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ پشاور پہونچا۔ اس کی آمد سے پہلے ہی نصیر خان اور دلبرداشتگی کے عالم میں پشاور سے نکلا اور دریا سندھ کے مشرق میں چچھ ہزارہ مقام پر جا کر پناہ گزیں ہو گیا تھا۔

بغیر لڑے اور جنگ کئے پشاور پر احمد شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ احمد شاہ اپنے لشکر ساتھ پشاور میں ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے داخل ہوا اور متعدد علاقوں کے نے پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کی پذیرائی کی اور خیر مقدم میں مصروف گئے۔

یوسف زئی اور خٹک قبائل کے سردار بغیر کسی استثنائے کے خراج عقیدت اطاعت کرنے کے لئے احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عبدالصمد جو صمد خان مہمندزئی کے نام سے بھی معروف تھا پہلے ہی احمد شا حلقہ اطاعت میں شامل ہو چکا تھا اور وہ لشکر میں جہان خان کے ساتھ شامل عبدالصمد خان کی یہ مثال دوسروں کے لئے قابل تقلید ثابت ہوئی اور احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اظہار اطاعت کرنے لگے۔ مندر کا سردار فتح خان اور مادرزئی کے علاقوں کا فرمانروا تھا اور پشاور اور اس کے گردو نواح میں سب سے بڑا اور طاقتور سردار خیال کیا جاتا تھا۔ وہ بھی احمد شاہ کی خدمت میں حاضر فرمانبرداری کا اظہار کر چکا تھا۔

احمد شاہ نے اظہار اطاعت کرنیوالے سرداروں کو اعزاز و اکرام کے ساتھ باریاب کیا اور انہیں مناسب اعزازات سے نوازا۔ اس نے مندر کے سرداروں کو حکم دیا کہ وہ اس کے لشکر میں ہندوستان کی مہم کے لئے شریک ہو جائیں اور اپنے پانچ سو سرداروں کا الگ دستہ بنا لیں۔ اس نے انہیں تحائف دیکر رخصت کر دیا۔ اس کے بعد پشاور میں قیام کے دوران احمد شاہ نے اپنے کئی چھوٹے چھوٹے لشکر ترتیب دیئے اور آس پاس کے چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کو مغلوب کر لیا۔ اس طرح اس نے اپنی سلطنت کو دریائے سندھ تک وسعت دیدی تھی۔

دوسری طرف احمد شاہ نصیر خان کو چین سے بیٹھنے دینے والا نہیں تھا۔ پشاور میں قیام کے دوران اس نے جہان خان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ نصیر خان کی تلاش اور تعاقب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھے۔ احمد شاہ کا حکم پاتے ہی جہان خان نصیر خان کے خلاف حرکت میں آیا۔

لشکر کے ایک حصے کے ساتھ وہ دریائے سندھ کے کنارے آیا اور سندھ کو عبور کرنے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ نصیر خان نے جہاں قیام کر رکھا ہے وہاں سے وہ لاہور کی طرف بھاگ گیا ہے۔

کابل کا سابق حکمران نصیر خان لاہور میں داخل ہوا اس کی بدقسمتی کہ اس کی آمد سے پہلے ہی لاہور کا حکمران شاہ نواز خان جو دہلی کے مغل حکمرانوں سے پہلے ہی تنگ اور بیزار تھا اندر ہی اندر خفیہ طور پر احمد شاہ سے پیام رسائی کئے ہوئے تھا اور وہ احمد شاہ کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے چکا تھا۔ ان ہی دنوں نصیر خان لاہور میں داخل ہوا لہٰذا لاہور کے گورنر شاہ نواز نے اس کا شایان شان استقبال نہیں کیا۔ نصیر خان شاہ نواز سے ملاقات تک نہ کر سکا۔

اس دوران نصیر خان نے اندازہ لگا لیا تھا کہ لاہور میں چونکہ اس کی خاص پذیرائی نہیں کی گئی لہٰذا لاہور میں حالات اس کے حق میں اچھے نہیں ہیں۔ دوسرے لاہور میں قیام کے دوران اسے خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ یہاں قیام کے دوران وہ احمد

شاہ کی گرفت میں آ سکتا تھا۔ لہٰذا چند روز تک لاہور میں قیام کے بعد نصیر خان سے دہلی کی طرف چلا گیا تھا۔

دہلی میں وارد ہونے کے بعد نصیر خان مغل شہنشاہ محمد شاہ کی خدمت میں ہوا۔ محمد شاہ نے اس کی پذیرائی کی اسے چھ پارچہ کا خلعت عطا کیا نیز ایک شمشیر مرصع اور ایک لاکھ روپیہ نقد نصیر خان کو عطا کیا اور نصیر خان مغل شہنشاہ کا وفادار کر دہلی میں رہنے لگا تھا۔

نصیر خان کے فرار ہو جانے کے بعد جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ واپس پ چلا گیا۔ اس کے بعد احمد شاہ اور جہان خان دونوں ملکر ہندوستان پر حملہ آور ہونے لئے اپنی تیاریاں کرنے لگے تھے۔



پشاور میں قیام کے دوران ایک روز احمد شاہ ابدالی نے عبداللہ کے چچا زاد قاسم خان کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ یہ قاسم خان احمد شاہ ابدالی کے محافظ دستے نائب سالار بھی تھا۔ اس وقت شام ہو چکی تھی۔ چاروں طرف تاریکیاں اپنے پھیلائے ہوئے تھیں۔ سرما کی تیز ہوائیں ہر شے سے گویا لپٹ کر رہ گئی تھیں۔

قاسم خان جب احمد شاہ ابدالی کے محل نما خیمے کے اس کمرے میں داخل جس میں احمد شاہ عام لوگوں سے ملتا تھا تو قاسم خان نے دیکھا کہ خیمے کے اس کمر میں اس وقت احمد شاہ اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس کے سامنے مٹی کی ا انگیٹھی میں لکڑی کے کوئلے دھک رہے تھے اور اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لئے ا شاہ نے کوئلوں کے اوپر اپنے ہاتھ پھیلا رکھے تھے۔ خیمے کے اس کمرے میں موٹا قالین بچھا ہوا تھا جس جگہ احمد شاہ بیٹھا ہوا تھا اس جگہ قالین پر ایک دوسرا قالین بچھا دیا گیا تھا۔ جس نے اس کے نیچے منڈھی ہوئی لکڑی کا ایک تختہ رکھا گیا تھا تا انگیٹھی سے اگر کوئی کوئلہ نیچے گرے تو نہ ہی آگ لگنے کا خطرہ ہو نہ ہی قالین کو کو نقصان پہونچے۔

قاسم خان جب احمد شاہ کے سامنے آیا تو ہاتھ کے اشارے سے احمد شاہ نے اسے اپنے سامنے انگیٹھی کے قریب بیٹھنے کو کہا۔ قاسم خان چپ چاپ بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر خیمے میں سکوت رہا اس کے بعد احمد شاہ پھر بولا اور کہنے لگا۔

سنو قاسم خان ماضی میں میرے لئے تم بہترین خدمات انجام دیتے رہے ہو۔ جب سے مجھے یہ خبر ہوئی ہے کہ تم عبداللہ کے بھائی ہو تو تمہاری قدر و قیمت اور تمہاری عزت و شرف میں میرے یہاں اور اضافہ ہو چکا ہے۔ اب میرا تم پر اعتماد اور بھروسہ پہلے سے بھی کہیں بڑھ چکا ہے اسی اعتماد اور بھروسے کو سامنے رکھتے ہوئے میں تمہارے سپرد ایک انتہائی اہم مہم کرنا چاہتا ہوں۔

جواب میں قاسم خان بولا اور کہنے لگا۔ پاشا آپ جس مہم پر بھی مجھے روانہ کریں گے میں اسے پورے خلوص اور پوری تندہی سے مکمل کرنے کی کوشش کروں گا۔

احمد شاہ کہنے لگا مجھے تم سے ایسی ہی امید اور توقع تھی۔ دیکھو شائد تمہیں خبر ہو گی کہ ہمارے وزیر شاہ ولی خان کے اہل خانہ اس وقت ہرات میں ہیں اس بات کو یوں کہا جا سکتا ہے کہ شاہ ولی خاں کی بیوی اور بیٹیاں ہرات میں قیام کئے ہوئے ہیں۔ شائد تم اس بات سے بھی آگاہ ہو گے کہ شاہ ولی خان کی ایک بیٹی سے میرے بیٹے سلیمان کی منگنی ہو چکی ہے اور عنقریب ہم دونوں کی شادی کر دینا چاہتے ہیں۔

قندھار فتح کرنے کے بعد میں نے اپنے کچھ آدمی شاہ ولی خان کے کہنے پر ہرات روانہ کئے تھے تاکہ وہ شاہ ولی خان کے اہل خانہ کو وہاں سے قندھار لے آئیں لیکن میرے ان آدمیوں نے واپس آ کر خبر دی کہ ہرات کے حاکم امیر خان نے شاہ ولی خان کے اہل خانہ کو ہرات کے قلعہ میں محصور کر دیا ہے۔ شاید وہ ایسا کر کے ہم سے مراعات حاصل کرنا چاہتا ہے۔

سنو قاسم ہرات کا یہ حاکم امیر خان بنیادی طور پر سیستان کا رہنے والا ایک عرب ہے۔ کہتے ہیں یہ بڑا جنگجو اور بڑا خونخوار ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے کچھ مسلح جوانوں کے ساتھ یہاں سے ہرات کی طرف کوچ کر جاؤ اور کسی نہ کسی طریقے سے

شاہ ولی خان کے اہل خانہ کو وہاں سے نکال کر پشاور لیکر آؤ۔ تمہاری واپسی ت یہیں پشاور میں ہی قیام کرتا رہے گا۔

سنو قاسم خان۔ شاہ ولی خان کے اہل خانہ میں ایک بیوی اور دو بیٹیاں بیوی کا نام عادلیہ۔ بڑی بیٹی کا نام ہمامہ ہے۔ جو میرے بیٹے سلیمان مرزا سے ہے۔ چھوٹی بیٹی کا نام ارزون ہے۔ جس کی کہیں ابھی نسبت طے نہیں کی گ چاہتا ہوں تم آج رات ہی اپنے مسلح جوانوں کے ساتھ ہرات شہر کی طرف کوچ اور کسی نہ کسی حیلے سے شاہ ولی خان کی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو وہاں سے ن لاؤ۔ مجھے امید ہے کہ تم اس مہم میں کامیابی حاصل کرلو گے۔

احمد شاہ کے خاموش ہونے پر قاسم خاں پھر بولا اور کہنے لگا۔ پاشا آپ مجھ اور بھروسہ رکھیں۔ اگر ہرات کے حاکم امیر خاں نے شاہ ولی خان کے اہل زمین کی کوکھ میں بھی اتار دیا تو میں انہیں امیر خان کی قید و بند سے نکال کر لانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔

قاسم خان کا یہ جواب سن کر احمد شاہ کے چہرے پر گہری مسکراہٹ نمودار تھی۔ پھر وہ بڑی نرم آواز میں کہنے لگا۔ قاسم مجھے تم سے ایسی ہی توقع تھی۔ اس ساتھ ہی احمد شاہ زور زور سے پکارنے لگا۔

یاقوت یاقوت تم کہاں ہو جلدی آؤ۔ احمد شاہ کی اس پکار کے جواب میں خادم خاص یاقوت خیمے کے دوسرے حصے سے احمد شاہ کے کمرے میں داخل ہوا۔ دیکھتے ہی احمد شاہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا یاقوت بھاگ کر جاؤ اور شاہ ولی خ میرے پاس بلا کر لاؤ۔ اسے کہو کہ اپنے ساتھ اپنے پرانے خدمت گار کوبک ساتھ لیتا آئے۔ احمد شاہ کا یہ حکم سن کر یاقوت بڑی تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔

یاقوت خاں کے جانے کے بعد قاسم خان پھر بولا اور احمد شاہ کو مخاطب ک پوچھنے لگا۔ پاشا میرے لئے ایک دشواری ضرور پیش آئے گی اور وہ یہ کہ میں ش خان کی بیوی اور دونوں بیٹیوں کو شکل سے نہیں پہچانتا۔ لہٰذا ہرات کے قلع

ہیں تلاش کرنے میں مجھے دقت اور تکلیف ضرور ہو گی۔ گو میں ہرات شہر چپے چپے ر اس کے قلعے کے ہر کونے سے واقف ہوں لیکن افسوس میں شاہ ولی خان کی بیوی ر بچوں کو نہیں جانتا لہٰذا ---- احمد شاہ قاسم خان کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو قاسم خان اس سلسلے میں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ گو اس قت لشکر میں شاہ ولی خان کا بھتیجا کریم داد بھی شامل ہے۔ وہ شاہ ولی خان کے اہل انہ کو خوب جانتا اور پہچانتا ہے لیکن شاہ ولی خان اس پر کچھ زیادہ بھروسہ نہیں کرتا۔ اسے تمہارے ساتھ روانہ نہیں کر رہا۔ لہٰذا تمہارے ساتھ شاہ ولی خان کا پرانا خادم وبک جائے گا۔ شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیاں کوبک کو جانتی ہیں اور کوبک ان سب و اچھی طرح جانتا اور پہچانتا ہے۔ اس لئے کہ یہ شخص ایک عرصے سے ان کے ہاں ملازم ہے۔ میں نے ابھی شاہ ولی خان اور کوبک ہی کو بلایا ہے۔ ان کے آنے کے بعد پھر آخری فیصلہ کرتے ہیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد احمد شاہ کے خیمے میں اس کا وزیر شاہ ولی خان اور اس کا خدمت گار کوبک داخل ہوئے۔ ہاتھ کے اشارے سے احمد شاہ نے ان دونوں کو لکڑی کے دہکتے ہوئے کوئلوں کی انگیٹھی کے پاس بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ دونوں بیٹھ گئے تب احمد شاہ بولا اور اپنے وزیر شاہ ولی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ ولی خان تمہارے اہل خانہ کو لانے کے لئے قاسم خان روانہ ہو گا اور تمہارا یہ ملازم کوبک قاسم خان کا ساتھ دے گا کہ قاسم خان تمہارے اہل خانہ کو جانتا اور پہچانتا نہیں ہے۔ ان تک پہونچنے کے لئے کوبک اس کی مدد کرے گا۔ کہو اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے۔

جواب میں شاہ ولی خان بڑی خوشی اور اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

میں سمجھتا ہوں آپ نے بہترین جوان کا انتخاب کیا ہے۔ قاسم پر ہر طرح سے بھروسہ اور اعتماد کیا جا سکتا ہے اور میں یہ بھی سمجھتا ہوں کہ قاسم خان ہی وہ جوان ہے جو ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میرے اہل خانہ کو ہرات کے قلعے سے

نکال سکتا ہے۔ پھر احمد شاہ نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

شاہ ولی خان اگر یہ بات ہے تو پھر قاسم خان کے کوچ کی تیاری کرو۔ دس جوان اس کے ساتھ جائیں گے جن کی مدد سے یہ تمہارے اہل خانہ کو وہاں نکالنے کی کوشش کرے گا۔ اس پر شاہ ولی خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہ پاشا میں ابھی دس مسلح جوانوں کو تیار کرتا ہوں جو قاسم خاں کے ساتھ جائیں قاسم خان بھی کھڑا ہو گیا اور احمد شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا پاشا مجھے اجازت دیجئے تاکہ میں کوچ کی تیاری کر سکوں۔ احمد شاہ نے دونوں کو اجازت د اور کہنے لگا جلدی لوٹ کر آنا۔ میں ابھی اسی کمرے میں بیٹھ کر تم لوگوں کا انتظار ہوں۔ اس کے ساتھ ہی شاہ ولی خان' قاسم خان اور کوبک احمد شاہ کے کمرے نکل گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد شاہ ولی خان احمد شاہ کے کمرے میں پھر داخل ہوا اور کم کے دروازے کے قریب ہی وہ کھڑے ہو کر کہنے لگا پاشا قاسم خان کے کوچ کی تیار میں مکمل کر چکا ہوں۔ جو دس مسلح جوان اس کے ساتھ جائیں گے وہ اس وقت کے خیمے کے باہر کھڑے ہیں۔ ان میں کوبک بھی شامل ہے جبکہ قاسم خان خود بھی ہو کر آپ کے خیمے کے باہر آپ کا انتظار کر رہا ہے۔

اس پر احمد شاہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ خیمے کے اس کمرے سے باہر آ اس نے دیکھا خیمے سے باہر دس مسلح جوانوں کے ساتھ کوبک اور قاسم خان بھی ا گھوڑوں پر سوار تھے۔ اس کے علاوہ اس مختصر کارواں میں تین خچریں بھی سامان لدی ہوئی تھیں۔ ان سامان میں کھانے پینے کی اشیاء تھیں جو قاسم خان کے سا جانے والے جوانوں کے کھانے میں کام آ سکتی تھیں۔

خیمے سے باہر نکل کر احمد شاہ نے پہلے خچروں پر لدے ہوئے سامان کا جائزہ لیا ان مسلح جوانوں کو دیکھا جو قاسم کی سرکردگی میں روانہ ہونے والے تھے۔ پھر وہ قا خان کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ قاسم خان اب تم اپنے ساتھیو

ساتھ یہاں سے رات کی تاریکی میں کوچ کر جاؤ۔ میں دعا کرتا ہوں کہ خداوند وس تمہیں اپنے اس مقصد اور مہم میں کامیابی اور کامرانی عطا کرے۔ احمد شاہ کا یہ م پاتے ہی قاسم خان حرکت میں آیا اور اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ لشکر گاہ سے وچ کر گیا تھا۔

پشاور سے نکل کر قاسم خان درہ خیبر کے ذریعے اس شاہراہ پر سفر کرتا رہا جو کابل ل طرف جاتی تھی۔ پھر راستے میں بائیں طرف اس شاہراہ پر مڑ گیا جو جلال آباد اور زنی سے ہوتی ہوئی سیدھی قندھار کی طرف جاتی تھی۔ اس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے پنے ساتھیوں کے ساتھ قاسم خان پہلے غزنی آیا۔ یہاں اس نے ایک روز رک کر یام کیا۔ اپنے ساتھیوں کو آرام کرنے کا موقع بھی فراہم کیا۔ پھر اس نے غزنی سے ندھار کی طرف جانے والی شاہراہ چھوڑ دی اور شمال کی طرف جانے والی شاہراہ کا رخ لیا۔ دریائے ہلمند کے کنارے اس نے دوسرا قیام کیا۔ وہاں سے کوچ کرنے کے بعد ہ فرح شہر آیا۔ فرح سے سبزوار اور سبزوار سے وہ برق رفتاری کے ساتھ اس شاہراہ پر سفر کر رہا تھا جو سبزوار سے سیدھی ہرات شہر کی طرف جاتی تھی۔



شام کے وقت ایک روز قاسم خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہرات شہر کے نواح یں پہونچ گیا۔ ایک سرائے میں اس نے قیام کیا۔ اپنے ساتھیوں اور اپنے لئے اس نے سرائے میں چند کمرے حاصل کئے۔ ایک روز سب نے آرام کیا۔ دوسرے روز سارے ساتھیوں کو قاسم خان نے اپنے کمرے میں جمع کیا۔ جب سارے ساتھی جمع ہو گئے تو کمرے کا دروازہ قاسم خان نے بند کر دیا۔ پھر وہ اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے ساتھیو! میرے دوستو! میرے بھائیو! مجھے غور سے سنو۔ کل سے ہم اپنی مہم کی ابتداء کریں گے۔ سبزی فروشوں کے بھیس میں ہم ہرات شہر میں داخل ہوں گے۔ ہم سب کے گھوڑے اسی سرائے کے اصطبل میں رہیں گے۔ ہمارے پاس جو

تین خچریں ہیں ان کے وہ بورے جن میں سامان لے کر ہم آئے ہیں ان کو خالی کر
خچروں پر رکھ دیا جائے گا اور ان خچروں پر کل دن کے کسی وقت اس راہ کے گر
نواح میں کسانوں سے سبزی خرید کر بوروں کے اندر بھرلی جائے گی۔ پھر ہم سب شہ
سے تھوڑی دیر قبل سبزی لدی خچروں کو ہانکتے ہوئے ہرات شہر میں داخل ہوں گے۔

تم زیادہ فکر مند نہ ہونا۔ میں ہرات شہر اور اس کے قلعے کے چپے چپے س
واقف ہوں۔ اس لئے کہ میں نے ایک عرصہ اس شہر میں گذارا ہے۔ باہر سے آ
والے سبزی فروش جہاں شہر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہاں انہیں قلعے کے اندر بھ
داخل ہو کر سبزی فروخت کرنے کی اجازت ہے۔ لہٰذا سبزی لدی خچروں کے ساتھ ہ
قلعے کی حدود میں داخل ہوں گے۔ اس کے بعد اپنے کام کی ابتداء کریں گئے۔ سن
میرے ساتھیو جہاں یہ کام پر خطر ہے وہاں کسی قدر جان لیوا بھی ہے۔ لہٰذا اس کام ک
ادائیگی کے لئے ہمیں بڑی ہوشیاری۔ دانش مندی اور کمال راز داری سے کام لینا ہ
گا۔ میں تم لوگوں کو کسی بھی وقت خطرے میں ڈالنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ تم می
سے ہر ایک کی جان میرے لئے بہت قیمتی ہے اور بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ لہٰذا می
تم سب کی حفاظت ایسے ہی کروں گا جس طرح اپنی جان کی حفاظت کروں گا۔ یہ کا
ہمیں بہرحال کرنا ہے اور شاہ پسند کے اہل خانہ کو یہاں سے نکال کر ہم نے پشاور ک
طرف لے جانا ہے۔ اب تم سب لوگ اپنے کمروں میں جا کر آرام کرو۔ کل شام سے
پہلے سبزی کا انتظام ہو جائے گا۔ سبزی خچروں کے اوپر بوروں میں لاد دی جائے تو مجھے
اطلاع کر دینا۔ پھر یہاں سے کوچ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی قاسم خان کے ساتھی
اٹھ کر اس کے کمرے سے چلے گئے تھے۔



دوسرے روز شام سے تھوڑی دیر پہلے قاسم خان کے ساتھیوں نے جب اسے
اپنی تیاریاں مکمل کر لینے کی اطلاع کی تو قاسم خان اپنے کمرے سے باہر آیا۔ اس نے
دیکھا اس کے آٹھ ساتھی سرائے کے اصطبل کے قریب کھڑے ہوئے تھے۔ قاسم خان

ن کے پاس آ کر کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ اس کا ایک ساتھی بولا اور اسے مخاطب کر
ے کہنے لگا۔

ہم نے سبزی سے لدی ہوئی خچریں سرائے کے باہر کھڑی کر دی ہیں۔ کوبک اور
ارے دو ساتھی ان خچروں کے پاس کھڑے ہیں۔ میرے خیال میں سورج چونکہ غروب
ہونے والا ہے لہٰذا ہمیں ہرات شہر کی طرف کوچ کر جانا چاہیے۔ قاسم خان نے اپنے
س ساتھی کی تجویز سے اتفاق کیا۔ سب سرائے سے باہر نکلے۔ سرائے سے باہر تینوں
ہریں سبزی سے لدی ہوئی کھڑی تھیں۔ ان کے قریب ہی کوبک اور ان کے دو ساتھی
کھڑے تھے۔ ان سب کو لیکر قاسم خان ہرات کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

ہرات شہر تک پہنچتے پہنچتے سورج غروب ہو گیا تھا۔ فضاؤں کے اندر تاریکیاں
پھیلنے لگی تھیں۔ اپنی سبزی لدی خچروں کو وہ ہانکتے ہوئے ہرات شہر میں داخل ہوئے۔
ہر کی مختلف سڑکوں سے ہوتے ہوئے وہ شہر کے قلعے کے دروازے کے قریب آئے
ور خچروں کو ہانکتے ہوئے وہ بغیر کسی رکاوٹ کے قلعے میں بھی داخل ہو گئے تھے۔

قلعے میں داخل ہونے کے بعد قاسم خان نے خچروں پر لدی ساری سبزی ایک
ال کے ہاتھ فروخت کر دی اس کے بعد قلعہ کے بازار سے اس نے تین مردانہ
اس خریدے۔ اپنے پانچ ساتھیوں کو اس نے حکم دیا کہ وہ خالی خچریں لیکر قلعے سے
ل جائیں اور شہر کے مشرقی دروازے سے ذرا پہلے سڑک کے کنارے رک کر اس کا
تظار کریں۔ قاسم کا یہ حکم سن کر اس کے پانچ ساتھی تینوں خچروں کو لیکر قلعے سے
ل گئے تھے۔

باقی پانچ ساتھی اور کوبک کو لیکر قاسم خان آگے بڑھا ایک جگہ اچانک اس نے
پنے ساتھیوں کو رک جانے کا اشارہ کیا۔ اب فضاؤں میں تاریکی گہری ہو چکی تھی اور
بلکہ جگہ مکانوں کے اندر مشعلیں اور چربی سے جلنے والے دیئے روشن ہو گئے تھے۔
ات کی تاریکی میں اچانک قاسم خان نے ایک شخص پر چیتے کی طرح جست لگائی تھی
ور اسے اپنے نیچے دبوچ لیا تھا۔ وہ قلعے کا کوئی محافظ تھا۔ جس پر رات کی تاریکی میں

قاسم خان ٹوٹ پڑا تھا۔

اس محافظ کو دبوچتے ہی قاسم خان نے اپنا خنجر نکال کر اس کی گردن پر رکھ پھر خنجر پر دباؤ بڑھاتے ہوئے وہ پوچھنے لگا۔ بتاؤ احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خا بیوی اور دونوں بیٹیوں کو قلعہ کے کس کمرے میں قید کیا گیا ہے۔ اس پر وہ محافظ ہوئے ہچکچایا اس پر قاسم خان نے جب اپنے خنجر کی نوک اس کی شہ رگ پر رکھ دباؤ ڈالنا شروع کیا تو وہ محافظ کانپتی اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔

مجھے جان سے مت مارو۔ میں سب کچھ صحیح بتا دیتا ہوں۔ دیکھو احمد شاہ ابدالی وزیر شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو قلعہ کے کسی زندان میں قید نہیں کیا گیا انہیں قلعے کے مہمان خانے کے ایک کمرے میں رکھا گیا ہے۔ دراصل ہرات حکمران امیر خان خوفزدہ ہے کہ طاقت اور قوت حاصل کرنے کے بعد احمد شاہ اب ہرات پر حملہ آور ہو گا۔

امیر خان نے شاہ ولی خان کی بیوی اور بچوں کو اس لئے قید کر رکھا ہے کہ ا شاہ ہرات پر حملہ آور ہو گا تو وہ شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو شہر کی فصیل اوپر کھڑا کر دے گا اور احمد شاہ سے کہے گا کہ وہ شہر پر حملہ آور نہ ہو۔ رک جائے یہ دھمکی دے گا کہ اگر احمد شاہ نے ایسا نہ کیا تو وہ شاہ ولی خان کی بیوی اور اس دونوں بیٹیوں کے سر کاٹ کر فصیل سے نیچے پھینک دے گا۔ امیر خان کو امید ہے ایسی دھمکی پر احمد شاہ ہرات پر حملہ آور ہونے کی کوشش نہیں کرے گا۔ اس لئے اس کے اپنے وزیر شاہ ولی خان کے ساتھ بہت اچھے اور برادرانہ تعلقات ہیں اور کبھی بھی اس کی بیوی اور بچیوں کو مرتے ہوئے نہ دیکھ سکے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ محافظ جب خاموش ہوا تو قاسم خاں نے اسے مخاط کر کے پوچھا کیا شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو قلعہ کے اندر یا قلعہ کے باہر آ جانے کی اجازت ہے۔ اس پر وہ محافظ کہنے لگا گو انہوں نے مہمان خانے میں قیام رکھا ہے لیکن ان پر ہر وقت دو محافظ رہتے ہیں تاکہ وہ کہیں بھاگ نہ جائیں۔ بہرحا

ا پر کوئی زیادہ پابندیاں نہیں ہیں۔ انہیں قلعہ کے اندر گھومنے یا قلعہ سے نکل کر شہر ے اندر خرید و فروخت کرنے کی اجازت ہے لیکن جہاں کہیں بھی جاتی ہیں ان کے تھ دو محافظ ضرور ہوتے ہیں تاکہ وہ یہاں سے نکل کر بھاگ جانے کی کوشش نہ کر ں۔ محافظ سے یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد قاسم خان نے اپنے قریب کھڑے تھی کو مخاطب کر کے کہا اس کی ٹانگیں اور ہاتھ پشت پر باندھ دو اور اس کے منہ پر ا بھی کس کر باندھ دو تاکہ ہمارے حرکت میں آنے تک یہ کسی پر کوئی انکشاف نہ سکے۔ میں اسے جان سے نہیں مارنا چاہتا۔ اس پر قاسم خان کے ساتھی حرکت میں ے اور اس شخص کی ٹانگیں اور ہاتھ پشت پر باندھنے کے بعد اس کے منہ پر کپڑا بھی ں کر باندھ دیا تھا۔ اس کے بعد قاسم خان اپنے ساتھیوں کو لیکر دائیں طرف ذرا لے پر دکھائی دیتی ہوئی ایک عمارت کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ یہ عمارت ہرات کے قلعہ ہمان خانہ تھا۔

عمارت کے قریب جانے کے بعد قاسم خان نے اپنے پہلو میں چلتے ہوئے کوبک کو ب کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو کوبک ہم میں سے تم واحد شخص ہو جو شاہ ولی خان کی ا اور بیٹیوں کو پہچانتے ہو۔ تھوڑی دیر تک ہم مہمان خانے کی عمارت میں داخل ا گے۔ مختلف کمروں کا جائزہ لیتے ہوئے جب میں آگے بڑھوں تو دھیان رکھنا کہ لی خان کی بیوی اور بیٹیاں کس کمرے میں ہیں۔ جواب میں کوبک کہنے لگا۔ قاسم آپ فکر نہ کیجئے۔ میں پوری طرح چوکس ہوں اور اپنے ذہن کو بیدار رکھ کر آپ ساتھ مہمان خانے میں آگے بڑھوں گا۔

قاسم خان نے کوبک کی اس گفتگو کا کوئی جواب نہ دیا۔ اس لئے کہ وہ مہمان کی عمارت میں داخل ہو گئے تھے۔ تین چار کمروں کے سامنے سے گذرنے کے چانک ایک کمرے کے سامنے جس کے اندر سے چھوٹی سی ایک مشعل کی روشنی چھن کر باہر آ رہی تھی کوبک ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ قاسم خان کے قریب آیا سے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ یہ بائیں طرف جو کمرہ ہے اس کے اندر ہی شاہ ولی

خان کی بیوی اور بیٹیاں ہیں۔ میں نے کھڑکی میں سے خود روشنی میں ان کی
دیکھی ہے۔ اس پر قاسم خان کہنے لگا۔

اگر یہ بات ہے تو تم اس کمرے میں اندر جاؤ اور جائزہ لو کہ کیا وہ واقعی ش
خان کی بیوی اور بیٹیاں ہیں۔ اگر ایسا ہے تو وہ تمہیں پہچان لیں گی اور تمہیں د
خوش اور مطمئن ہوں گی۔ اگر وہ وہی ہوں تو پھر تم مجھے اطلاع کرنا۔ میں بھی
ساتھیوں کے ساتھ کمرے میں داخل ہو جاؤں گا اور سنو ---- یہاں تک کہتے
قاسم خان خاموش ہو گیا کیونکہ ایک پہریدار ان کے قریب آیا اور کڑکتی ہوئی آوا
پوچھا۔

تم لوگ کون ہو اور کس سے ملنا چاہتے ہو۔

اس پر قاسم خان اس پہریدار کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے
شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیاں یہ بائیں طرف والے کمرے میں ٹھہری ہوئی ہیں۔

ہم ایک انتہائی ضروری کام سے ان سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس پر وہ پہریدار
گا۔ وہ تینوں اسی کمرے میں ٹھہری ہوئی ہیں لیکن تمہیں ان سے ملنے کی قطعاً" ا
نہیں دی جا سکتی۔ اس کے ساتھ ہی اس پہریدار کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اس ل
قاسم خان نے کسی خونخوار تیندوے کی طرح اس پر جست لگا دی تھی اور اس کو
ہوا وہ کمرے کے اندر لے گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی قاسم خان کے پیچھے پیچھے ا
ساتھی بھی اس کمرے میں داخل ہو گئے تھے اور کمرے میں داخل ہونے ک
کوبک نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور کمرے کا دروازہ فوراً بند کر لیا۔ کھڑکیا
اس نے بند کر دی تھیں۔

اتنی دیر تک شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیاں بھی ان کے گرد جمع ہو گئیں
انہوں نے جب کوبک کو دیکھا تو شاہ ولی خان کی بیوی بے پناہ خوشی کا اظہار
ہوئے کہنے لگی کوبک تم یہاں۔ تم کب آئے ہو۔ میں سمجھتی ہوں تمہارا آنا
مصیبتوں کے چھٹکارے کا باعث بن سکتا ہے۔ اس پر کوبک بولا اور کہنے لگا۔

خانم فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہ سب کچھ آپ تینوں کی رہائی کے
لئے کیا جا رہا ہے۔ اس کے بعد قاسم خاں حرکت میں آیا جس پہریدار کو اس نے دبوچا
تھا اسے اس نے اپنے ساتھیوں کے حوالے کرتے ہوئے کہا اس پر نگاہ رکھو اور اس
کا منہ بند رکھنا۔ جس محافظ کو میں نے راستے میں پکڑا تھا اس نے کہا تھا کہ ان تینوں
ماں بیٹیوں پر ہر وقت دو پہریدار رہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے دوسرا پہریدار دوسری
طرف کھڑا رہ کر اپنے فرائض انجام دیتا ہو گا لہٰذا میں اس کی طرف جاتا ہوں اور اسے
بھی قابو کر کے لانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی قاسم خان مہمان خانے
کے اس کمرے کے دوسری طرف دروازے کی اوٹ میں جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔

دروازے کی اوٹ میں سے اس نے دیکھا اس سمت بھی ایک پہریدار کھڑا تھا
لیکن اس کا رخ کمرے کے دروازے کی طرف تھا۔ قاسم خان دروازے کے پیچھے
چھپ کر کھڑا رہا۔ اسے زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا اس لئے کہ پہریدار کمرے کے
سامنے ٹہلنے لگا تھا۔ جوں ہی ٹہلتے ٹہلتے اس پہریدار کی پشت دروازے کی طرف ہوئی
قاسم خان باہر نکلا اور دبے پاؤں آگے بڑھتے ہوئے اس نے بایاں بازو اس پہریدار کی
گردن کے گرد لپیٹ لیا۔ دایاں ہاتھ اس کے منہ پر رکھتے ہوئے اس کی آواز کو بند
کیا۔ پھر اسے گھسیٹتا ہوا کمرے کے اندر لے گیا اور دروازے کو اس نے بند کر دیا
تھا۔

دوسرے محافظ کو دبوچ ہی دبوچ قاسم خان شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں
کے پاس آیا اور شاہ ولی خان کی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا اگر میں غلطی پر
نہیں تو آپ شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کی دونوں بیٹیاں
ہامہ اور ارزون ہیں۔ دیکھئے میرا نام قاسم خان ہے۔ میں اپنے ساتھ آنے والے ان
ساتھیوں کا سربراہ ہوں اور مجھے احمد شاہ ابدالی نے تم تینوں کو اس اسیری اور قید سے
نجات دلانے کے لئے روانہ کیا۔ آپ مجھے یہ بتائیں کہ کیا آپ کی اس رہائش گاہ میں
کوئی طہارت خانہ بھی ہے۔

شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ بولی اور کہنے لگی۔ دیکھ بیٹے سب سے پہلے میں شکریہ ادا کرتی ہوں کہ تو اس خطرناک مہم پر آیا۔ میں سمجھتی ہوں کہ اب تک طرح تو نے اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کیا ہے مجھے یقین ہے کہ تو ہمیں یہاں سے نکالنے میں بھی کامیاب ہو جائے گا۔ دیکھ تو میرے ساتھ آ میں تجھے طہارت خانہ بتاتی ہوں عادلیہ ایک طرف چلدی اس کے پیچھے پیچھے پہریدار کو دبوچ کر قاسم خان بھی ہو اپنے ساتھیوں کو اس نے دوسرے پہریداروں کو بھی ادھر ہی لانے کو کہا۔

دونوں پہریداروں کو طہارت خانے میں بند کر دیا گیا۔ پھر قاسم خان نے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا تم لوگ طہارت خانے میں داخل ہو جاؤ۔ پہریدارو جو مخصوص لباس پہن رکھا ہے وہ اتار کر تم میں سے دو ساتھی پہن لیں اور ان کے سے چادریں لیکر پہریداروں پر ڈال دیں اور طہارت خانے میں ان کے ہاتھ پ باندھ کر ان کے منہ پر کپڑے بھی ڈال دیں۔ اگر ہو سکے تو ان پر کمبل ڈال دیں رات کے وقت وہ سردی میں مرنے نہ پائیں اور ہاں اس کمرے سے نکلتے وقت چار کمبل اپنے ساتھ لے لیں۔ راستے میں جس پہریدار کو ہم باندھ کر آئے ہیں ا بھی کمبل ڈال دیں گے تاکہ وہ بھی رات کی سردی سے بچا رہے۔ اس لئے کہ لوگوں کا کوئی قصور نہیں۔ میں انہیں قتل نہیں کرنا چاہتا جو کچھ میں ان سے حاصل چاہتا تھا وہ کر چکا ہوں۔

اس پر شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ بولی اور کہنے لگی۔ دیکھ بیٹے یہ فیصلہ بہت فیصلہ ہے اور میں اس کی تعریف کرتی ہوں لیکن ان پہریداروں کو زندہ چھوڑنا خود موت کے پروانے پر مہر لگانے کے مترادف ہے۔ جب ان پہریداروں کو طہارت خا سے نکالا جائے گا تو یہ بتا دیں گے کہ تم لوگ ہم تینوں کو یہاں سے نکالنے میں کامیا ہو گئے ہو۔ میری مانو تو ان محافظوں کو قتل کر دو تاکہ ہمارے بعد یہ کسی سے ہمارا ا نہ کہہ سکیں اور جس محافظ کو تم راستے میں باندھ آئے ہو اس کا بھی کام تمام کر چاہیے۔ قاسم خان کے ساتھیوں نے بھی شاہ ولی خان کی بیوی کی اس تجویز سے اتف

کیا لہٰذا قاسم خان اس تجویز کو مان گیا۔

اس کے بعد قاسم خان کے ساتھی حرکت میں آئے۔ ان دونوں محافظوں کا مخصوص لباس اتار کر قاسم خان کے دو ساتھیوں نے پہن لیا اور ان محافظوں کو قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد قاسم خان شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنے کندھے کے ساتھ لٹکے ہوئے چرمی زنبیل کے اندر سے اس نے تین مردانہ لباس نکالے اور عادلیہ کو تھماتے ہوئے کہا خانم یہ تینوں لباس سنبھال کر رکھ لیں قلعہ سے نکلنے کے بعد آپ ماں بیٹیاں اپنے موجودہ لباسوں کے اوپر یہ مردانہ لباس پہن لیں گی تاکہ شہر کے دروازے سے نکلتے وقت آپ تینوں کو کوئی پہچان نہ سکے۔ اب آپ تینوں ماں بیٹیاں حرکت میں آئیں اور جو کچھ آپ کے پاس نقدی اور زیور کی صورت ہے وہ لیکر ہمارے ساتھ ہو لیں اس کے علاوہ کوئی بھی چیز یہاں سے اٹھانے کی کوشش نہ کریں۔ قاسم خان کی یہ باتیں سننے کے بعد عادلیہ کہنے لگی۔

آپ لوگ یہیں رک کر انتظار کریں میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ ابھی تیار ہو کر آتی ہوں اس کے ساتھ ہی عادلیہ' ہامہ اور ارزون تینوں ماں بیٹیاں ساتھ والے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

تھوڑی ہی دیر بعد تینوں ماں بیٹیاں اس کمرے سے نکلیں۔ عادلیہ نے اپنے ہاتھ میں ریشمی کپڑے کی ایک پوٹلی پکڑ رکھی تھی۔ وہ پوٹلی اس نے قاسم خان کو تھماتے ہوئے کہا۔ قاسم خان میرے بیٹے یہ پوٹلی تم خود سنبھال کر رکھو۔ اس میں نقدی کے علاوہ ہم تینوں ماں بیٹی کا زیور بھی ہے۔ میرے خیال میں ہماری نسبت تم اس کی بہتر حفاظت کر سکتے ہو۔ کہو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ قاسم خان اپنے ان دو ساتھیوں سے مخاطب ہوا جنہوں نے مرنے والے دونوں محافظوں کا مخصوص لباس پہن لیا تھا۔

سنو! میرے ساتھیو! اب ہم یہاں سے نکلیں گے۔ ہمارے تین ساتھی ہم سے پہلے نکل جائیں گے اور ہمارے آگے قلعہ کے دروازے کی طرف جائیں گے۔ اس

کے بعد خانم اپنی دونوں بیٹیوں کے ساتھ یہاں سے روانہ ہوں گی اس حالت میں تم دونوں میں سے پہریدار کی حیثیت سے تلوار سونتے ایک ان کے آگے اور پیچھے ہو گا اور پھر تمہارے نکلنے کے بعد ذرا فاصلہ رکھ کر میں اور کوبک بھی تمہا پیچھے پیچھے ہو لیں گے۔ اس طرح ہم پر کوئی شک بھی نہیں کرے گا اور ہم قلعے نکل کر شہر میں داخل ہو سکیں گے۔ شہر کے اندر جا کر ہم نے کیا کرنا ہے یہ میں کے اندر چل کر تم کو بتاؤں گا۔ اب تم لوگ حرکت میں آؤ تاکہ یہاں سے کوچ سکے۔

قاسم خاں کی تجویز کے مطابق پہلے تین ساتھی اس کمرے سے نکل کر قلعے دروازے کی طرف چل پڑے۔ اس کے بعد عادلیہ۔ ہمامہ اور ارزون نکلیں۔ خان کے دو مسلح ساتھیوں میں سے ایک ان کے آگے اور دوسرا ان کے پیچھے تھا۔ طرح وہ بھی وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس کے تھوڑی دیر بعد فاصلہ رکھ کر قاسم اور کوبک بھی قلعے کے دروازے کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

قلعے کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے راستے میں قاسم خان نے اس محا بھی خاتمہ کر دیا تھا جسے دبوچ کر اس نے معلومات حاصل کی تھیں۔

قلعے کے دروازے کے محافظوں نے عادلیہ اور اس کی دونوں بیٹیوں کو قلعہ نکل کر شہر میں داخل ہونے پر کوئی اعتراض نہ کیا اس لئے کہ معمول کے مطابق ا محافظ ان کے پیچھے اور ایک محافظ ان کے آگے تھا۔ اس طرح وہ سب بغیر کسی حاد کے قلعے سے نکل کر شہر میں داخل ہو گئے تھے۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ اسی طرح اپنے درمیان کچھ فاصلہ رکھ کر آ بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ قاسم کے ساتھی اس جگہ آن رکے جہاں ان کے ساتھی اپنی تینوں خچروں کو لئے کھڑے تھے۔ ان ساتھیوں کے رکنے کی وجہ سے عاد ہمامہ اور ارزون بھی وہاں آ رکی تھیں۔ تھوڑی دیر میں قاسم اور کوبک بھی وہاں آ رک گئے تھے۔ پھر قاسم خان شاہ ولی خاں کی بیوی عادلیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

خانم میں ان خچروں کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتا ہوں۔ ان کی اوٹ میں آپ تینوں ماں بیٹیاں وہ مردانہ لباس پہن لیں جو میں نے آپ لوگوں کو مہیا کئے ہیں اور جلدی کریں تاکہ ہم فوراً شہر سے نکل کر پشاور کی طرف کوچ کر سکیں۔ جہاں احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے ہے اور بڑی بے چینی سے میری واپسی کا انتظار کر رہا ہو گا۔

سنو خانم۔ یہاں ہرات شہر میں اب ایک لمحہ کی تاخیر بھی ہمارے لئے خطرے اور اندیشے کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا آپ تینوں ماں بیٹیاں خچروں کی اوٹ میں ہو جائیں اور رات کی تاریکی میں لباس پہن کر شہر سے نکلنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ ساتھ ہی قاسم خاں کے کہنے پر اس کے ساتھیوں نے تینوں خچروں کو ایک لائن میں کھڑا کر دیا اور ان کی اوٹ میں ان تینوں ماں بیٹیوں نے پہلے سے پہنے ہوئے اپنے لباس پر مردانہ لباس پہن لئے تھے اور اس کے بعد وہ سب اکٹھے ہو کر تینوں خچروں کے ساتھ شہر کے مشرقی دروازے کی طرف بڑھے تھے۔

شہر کے دروازے کے قریب جا کر قاسم خان پھر بولا۔ شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ خانم آپ اور آپ کی دونوں بیٹیاں میرے ساتھیوں کے درمیان رہیں۔ کوشش کریں کہ آپ کے چہرے چھپے ہی رہیں تاکہ کوئی آپ کو پہچان نہ سکے۔ تاہم قلعے کے محافظ تو سب ہمیں اچھی طرح جانتے ہیں۔ شہر کے دروازوں کے محافظ ہم سے واقف نہیں اس لئے کہ ہمارا واسطہ اور تعلق ان سے نہیں پڑتا رہا۔ بہرحال ہم تینوں ماں بیٹیاں احتیاط کرتی ہیں اور تمہارے ساتھیوں کے درمیان میں رہتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عادلیہ' ہمامہ اور ارزوں تینوں ماں بیٹیاں قاسم خاں کے ساتھیوں کے بیچ میں رہ کر آگے بڑھنے لگی تھیں۔

ہرات شہر کے مشرقی دروازے کے محافظ چونکہ قاسم خاں اور اس کے ساتھیوں کو تھوڑی دیر پہلے سبزی لیکر شہر میں داخل ہوتے ہوئے دیکھ چکے تھے لہٰذا جب وہ خچروں پر رکھے ہوئے خالی بورے لیکر دروازے سے باہر نکلنے لگے تو انھوں نے کوئی شک اور

شبہ نہیں کیا بلکہ انہیں شہر سے نکل جانے دیا۔ اس طرح قاسم خان اور اس کے سا شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ اور دونوں بیٹیوں ہمامہ اور ارزون کو لیکر ہرات شہر۔ نکل گئے تھے۔

سرائے کے قریب آ کر قاسم خان نے اپنے ساتھیوں کو رک جانے کا حکم دیا جب اس کے ساتھی رک گئے تو قاسم خان اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا سنو میرے بھائیو میں خانم ان کی دونوں بیٹیوں، کوبک اور خچروں کو لیکر یہیں کھڑا ہو ہوں۔ تم میں سے تین ساتھی بھی یہیں میرے ساتھ کھڑے رہیں۔ باقی سرائے کی طرف جاؤ اور سارے گھوڑوں کو وہاں سے نکال لاؤ۔ کھانے پینے کا وہ سامان جو خچروں پر لاد کر ہم لیکر آئے تھے اس میں سے جو حصہ بچ گیا ہے وہ تم گھوڑوں پر لاد کے لے آؤ۔ یہاں لا کر اسے خچروں پر لاد دیں گے۔ بڑی جلدی یہ کام کرو اس لئے کہ ہمیں وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ جوں جوں رات گذرے گی توں توں خطرات ہمارے اوپر منڈلاتے رہیں گے اور ہاں تم میں سے جو دو ساتھیوں نے ہرات کے محافظوں کا لباس پہن رکھا ہے یہ بھی اتار پھینکو اور یہاں کہیں گڑھا کھود کر اسے دفن کر دو۔

قاسم خان کی اس گفتگو کے جواب میں اس کے ساتھی حرکت میں آئے۔ جن دو نے محافظوں کا لباس پہنا تھا وہ انہوں نے اتارا اور گڑھا کھود کر دفن کر دیا۔ پھر اس کے ساتھی بڑی تیزی سے سرائے کی طرف چلے گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد وہ گھوڑوں کو لے آئے ان پر کھانے پینے کی وہ اشیاء بھی لدی ہوئی تھی جو وہ خچروں پر لاد کر لائے تھے۔ پھر وہ اشیاء خچروں پر رکھے ہوئے بوروں میں بھر دی گئیں تھیں۔ قاسم خان پھر بولا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تم میں سے تین ساتھی اپنے تین دیگر ساتھیوں کے پیچھے سوار ہو جائیں اور تین گھوڑے خالی کر دیں۔ ان تینوں گھوڑوں پر خانم اور ان کی دونوں بیٹیاں سوار ہو جائیں اور فوراً یہاں سے کوچ کرنے والی بات کریں۔ قاسم خان کا یہ حکم پاتے ہی اس کے ساتھی فوراً گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ تین گھوڑے خالی کر دیئے گئے اور تین

گھوڑوں پر دو دو ساتھی سوار ہو گئے تھے۔ خالی ہونے والے تین گھوڑوں پر ان ماں بیٹیوں کو سوار کر دیا گیا۔ پھر قاسم خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرکت میں آیا اور تینوں خچروں کو بڑی تیزی کے ساتھ اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے وہ اس شاہراہ پر بڑی تیزی سے سفر کرنے لگے تھے جو ہرات سے سبز شہر کی طرف جاتی تھی۔

اپنے ساتھیوں کے ساتھ قاسم خان برق رفتاری سے شاہراہ پر سفر کرتا رہا۔ سبز شہر میں رکے بغیر وہ آگے نکل گئے اور دوسرے روز سورج غروب ہونے سے کافی پہلے وہ دریائے ہلمند کے کنارے آن پہونچے تھے۔ دریا کے کنارے آ کر شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ نے اپنے گھوڑے کی باگیں کھینچتے ہوئے اسے روکا پھر وہ قاسم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

قاسم خان! میرے بیٹے اب ہم نے کافی فاصلہ طے کر لیا ہے۔ میں سمجھتی ہوں اب ہم خطرات سے باہر ہیں۔ میری بیٹیاں گھوڑوں پر لگا تار سفر کرتے ہوئے تھک چکی ہیں وہ کئی بار مجھ سے شکائیت بھی کر چکی ہیں کہ انہیں اب کہیں آرام کرنا چاہیے۔ میری تجویز ہے کہ دریا کے کنارے کچھ ستا کر آرام کر لینا چاہیے اسی دوران ہمیں کچھ کھا پی کر تازہ دم بھی ہو لینا چاہیے۔ اس پر قاسم خان اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

میرے ساتھیو! میرے بھائیوں! دریائے ہلمند کے کنارے پڑاؤ کر لو۔ خانم اور ان کی بیٹیاں لگا تار سفر کرتے ہوئے تھک چکی ہیں۔ یہاں دریا کے کنارے آگ کا الاؤ روشن کرو۔ کھانے پینے کی اشیاء گرم کرو۔ کھانا کھاؤ۔ تازہ دم ہو اور اس کے بعد یہاں سے پھر کوچ کرتے ہیں۔

قاسم خان کا حکم پاتے ہی اس کے سارے ساتھی گھوڑوں سے اتر گئے۔ خچروں پر لدا ہوا سامان بھی اتار لیا گیا اور اس کے بعد قاسم خاں کے ساتھیوں نے دریا کے کنارے کنارے خشک لکڑیاں جمع کر کے ایک جگہ رکھ دیں اور آگ کا الاؤ بھی روشن کر دیا۔ پھر وہ سب ملکر آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھ گئے۔ کھانے کی جو اشیاء خچروں پر

لدی ہوئی تھیں وہ ضرورت کے مطابق گرم کی گئیں۔ پہلے سب نے پیٹ بھر کر کھا کھایا پھر آپس میں خوش گپی میں لگ گئے تھے تاکہ راستے کی تھکن اور اذیت کو دور کر سکیں۔

کچھ دیر تک دریا کے کنارے بیٹھ کر ستاتے رہے۔ اچانک قاسم چونک سا پڑا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ میرے ساتھیو میرے بھائیو اٹھ کھڑے ہو۔ فوراً یہاں سے کوچ کرنے کی تیاری کرو۔ اپنا سامان باندھو ساری اشیاء خچروں پر لادو۔ جس طرح تم سفر کرتے رہے ہو اسی طرح گھوڑوں پر بیٹھو اور فوراً دریائے ہلمند کو پار کر کے فرات شہر کو روانہ ہونے والی شاہراہ پر کوچ کر چلو۔

قاسم خان کا حکم پاتے ہی اس کے ساتھی خطرے کی بو محسوس کرنے لگے تھے۔ فوراً اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے سارا سامان انہوں نے لپیٹ کر خچروں پر لاد دیا اور پھر وہ آناً فاناً اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے تھے اس موقعہ پر شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ۔ قاسم کے قریب آئی اور بدحواسی میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔

قاسم! میرے بیٹے کیا بات ہے۔ تم نے اس قدر بدحواسی میں کوچ کا حکم کیوں دیا ہے۔ اس پر قاسم نے ہاتھ کے اشارے سے سبز شہر کی طرف آنے والی شاہ راہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ خانم اس شاہراہ کی طرف دیکھو۔ میرا دل کہتا ہے کہ کچھ لوگ ہمارے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے ہیں۔ عادلیہ نے جب اس شاہراہ کی طرف دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی۔ اس لئے کہ شاہراہ پر دور دھول کے بادل اڑتے دکھائی دے رہے تھے۔ اس پر عادلیہ فکر مند ہو گئی اور قاسم خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔ بیٹے اب کیا ہو گا۔ قاسم خان عادلیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

خانم گھبرانے یا فکر مند ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ تم تینوں کے محافظ کا فرض ادا کروں گا۔ جب تک ہم سب کے جسموں کے اندر خون کا آخری قطرہ بھی باقی ہے اس وقت تک ہم سب ملکر تعاقب کرنے والوں سے تم لوگوں کی حفاظت کریں گے۔ خانم میری آپ سے استدعا ہے کہ آپ اپنی بیٹوں کے

ساتھ فوراً اپنے اپنے گھوڑوں پر بیٹھ جائیں تاکہ فوراً یہاں سے کوچ کیا جائے۔ اس پر عادلیہ، ہامہ اور ارزون تینوں حرکت میں آئیں اور گھوڑوں پر بیٹھ گئیں۔ قاسم خان بھی لمبی چھلانگ لگاتے ہوئے اپنے گھوڑے پر بیٹھا پھر وہ دریائے ہلمند پر بنے ہوئے کشتیوں کے پل کے ذریعے سے دریا پار کر گئے تھے۔

دریا کے پار جا کر قاسم خان نے مڑ کر دیکھا ان کے پیچھے شاہراہ پر اڑتی ہوئی دھول پہلے کی نسبت قریب تر آ گئی تھی۔ اس کے اندر کے سوار ابھی دکھائی دینا شروع نہ ہوئے تھے۔ اس پر قاسم خان فوراً حرکت میں آیا اور اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے وہ ساتھیو۔ جو گھوڑوں پر دو دو کر کے بیٹھے ہوئے ہو۔ میری بات غور سے سنو۔ تم اپنے تینوں گھوڑوں کو اس شاہراہ پر سرپٹ دوڑا دو۔ دیکھتے ہو تین میل آگے جا کر کوہستانی سنگان کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے چھوٹے چھوٹے ٹیلے اور چٹانیں آتی ہیں پھر بلند کوہستانی سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ وہاں جا کر تم اپنے گھوڑوں کو روکنا شاہراہ کے کنارے دو ساتھی شاہراہ کے دائیں طرف دو بائیں طرف چٹانوں اور پتھروں کی اوٹ میں بیٹھ جانا۔ اس کے بعد ہم اسی رفتار سے آگے بڑھیں گے کہ جب تعاقب کرنے والے ہم تک پہنچیں تو ہم بھی سفر کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ جائیں۔ جہاں شاہراہ کے دونوں چار ساتھی گھات میں بیٹھ چکے ہوں گے۔

جب تعاقب کرنے والے ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کریں گے تو میں اپنی تلوار کو مخصوص انداز میں فضا کے اندر بلند کروں گا اس کے ساتھ ہی گھات میں بیٹھے ہوئے ساتھی تعاقب کرنے والوں پر تیر اندازی کر دیں اس طرح بڑی آسانی کے ساتھ تعاقب کرنے والے لوگوں پر ہم قابو پا لیں گے خواہ ان کی تعداد ہم سے کئی گناہ زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔

قاسم خان کی اس تجویز پر عادلیہ۔ ان کی بیٹیوں ہامہ اور ارزون کے چہروں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی انہوں نے اس تجویز کو پسند کیا۔ پھر آس کے وہ ساتھی جو تین

گھوڑوں پر دو دو ہو کر بیٹھے تھے وہ اپنے گھوڑے بھگاتے ہوئے آگے نکل گئے۔ تھوڑی دیر تک چار ساتھیوں کو دائیں بائیں کنارے چٹانوں کے پیچھے گھات بٹھانے کے بعد باقی دو ساتھی گھوڑوں کو لے کر واپس قاسم خان کے ساتھ آملے تھے۔

اتنی دیر تک تعاقب کرنے والے بھی دریائے ہلمند کو عبور کرنے کے بعد ان کے قریب آگئے تھے اور اب وہ ان کے تعاقب میں گھوڑے بھگاتے ہوئے صاف دیکھے جا سکتے تھے۔ قاسم خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ کچھ اور اس رفتار سے آگے بڑھتا رہا کہ جب تعاقب کرنے والوں نے انہیں آلیا تو وہ وہاں تک پہنچ گئے تھے جہاں شاہراہ کے دونوں طرف ان کے دو دو ساتھی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے۔

اب تعاقب کرنے والے ان کے سروں پر پہنچ گئے۔ پھر تعاقب کرنے والوں میں سے ایک بولا اور کہنے لگا سنو - ہرات شہر سے شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو لے کر بھاگنے والو۔ تمہاری کوشش۔ تمہاری سعی۔ تمہاری جدوجہد کی انتہا ہوئی اب اس شاہراہ کے کنارے تمہاری قبریں بنانے کے بعد ہم شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو ہرات شہر واپس لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

قاسم خان نے مڑ کر دیکھا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ تعاقب کرنے والے کسی طور بیس سے کم نہیں ہوں گے۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے فوراً اپنے گھوڑوں کو موڑ لیا اتنی دیر تک تعاقب کرنے والے بھی ان کے قریب آکر رک گئے۔ تعاقب کرنے والوں کا سربراہ پھر بولا اور کہنے لگا۔

تم لوگ کیا سمجھے ہوئے تھے کہ تم اس قدر آسانی سے شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو ہرات شہر سے نکال کر بھگا لے جانے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ ہرگز نہیں۔ ہم تمہیں کسی بھی صورت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس لیے کہ ہرات شہر کا والی امیر خان ان تینوں خواتین سے ایک بہت بڑا کام لینے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا امیر خان کا حکم ہے کہ ان سب کی گردنیں کاٹ دی جائیں جو تینوں خواتین کو ہرات شہر سے لے کر بھاگے ہیں۔ لہٰذا سنو۔ تمہارے حق میں بہتر یہی ہے کہ تم

ہتھیار پھینک دو اور اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دو۔ بصورت دیگر ہم ایک عذاب اور اذیت کی صورت میں تم پر حملہ آور ہوں گے اور تم لوگوں کو کتے کی موت مار کر رکھ دیں گے۔

تعاقب کرنے والوں کے سرخیل کی اس دھمکی کے جواب میں تھوڑی دیر تک فضاؤں میں ایک سکوت ہیبت زدہ اور کاٹتی خاموشیوں کے ویران حلقے طاری رہے۔ کچھ اس طرح جیسے افسانوں کے جملوں کے الفاظ مدھم ہو کر خاموش ہو گئے ہوں یا یہ کہ ان گنت جرائم بے پناہ کے مظالم تلے ہر صدا تمناؤں کے ویرانوں اور ہر ہوا جھل کے سایوں میں ڈوب کر رہ گئی ہو۔

تعاقب کرنے والوں کے سرخیل کے الفاظ سن کر قاسم خان کی ہیبت اس طرح ہو گئی تھی جیسے غاروں کے اندھے دھانوں پر آگ برس گئی ہو اور یا کسی سوختہ جان کے لبوں پر حیات کے جذبے گنجلک ہو کر رہ گئے ہوں۔ اس کی آنکھیں اس طرح قہرمانی کی چمک دینے لگی تھیں جس طرح آفتاب کی خیرہ کن شعاعیں زمین کے گوشہ گوشہ کنج کنج میں گھس کر اس کے اسرار کھولنے لگتی ہیں۔ اس کے چہرے پر ایسے تاثرات بکھر گئے تھے جیسے اپنے آدرش کی تلاش میں زندگی کی ویرانیاں جوش مارتی ہیں یا دنیا کے سیاہ خانوں میں جرم کی قوتیں ہر گلی، ہر کوچے میں قضا بن کر رقصاں ہونے لگتی ہیں۔

قاسم خان کی آواز کچھ اس طرح سنائی دی جیسے بے نام خواہشوں کی سرگوشی کی بے ثباتی کے قصے میں اداس خنک رات کا نوحہ بن کر سنائی دیتی ہے۔ وہ تعاقب کرنے والوں کے سرخیل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو تعاقب کرنے والو۔ جس راستے سے آئے ہو اسی راستے پر لوٹ جاؤ اور اگر تم نے ان ویرانوں کے اندر ہم سے ٹکرانے کی کوشش کی تو میں تمہیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ تمہاری حالت نقش بر آب۔ وہموں کی سیاہی، دوریوں کے خواب اور وقت کی اندھی آہٹوں کی طرح کر کے رکھ دی جائے گی۔ اب بھی وقت ہے لوٹ جاؤ۔ اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تمہارے پاس جانی ان جانی بے چارگی۔ ہزیمت کی کہر اور سفر

کے اس دشت میں نگاہ حزیں اور گھٹن کے خوف کے سوا کچھ نہیں رہے گا۔

سنو۔ تعاقب کرنے والو۔ اپنے حسد کے الاؤ اور تاریکیوں جیسے شیطانی جذبو
سمیٹو اور ہم پر حملہ آور ہونے کے بجائے اپنی زندگیوں کی امان لے کر لوٹ جاؤ
اگر تم نے ان ویرانوں کے اندر ہم سے ٹکرانے کی کوشش کی تو میں پھر تمہیں
کرتا ہوں کہ تمہارے شعور کی سرحدوں پر ہم گران باری آلام کی وہ ضرب لگ
گے کہ صدیوں کے اس سکوت اور بیکراں وسعت افلاک میں تمہارے پاس نہ
رہے گا اور نہ گہرائی اور گیرائی۔ اب فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے چاہے زندگ
تیلسان کو سمیٹ کر لوٹ جاؤ۔ چاہے ہم سب سے ٹکرا کر موت سے بغل گیر ہو ج

قاسم خان کے یہ دھمکی آمیز الفاظ سن کر تعاقب کرنے والوں کے سرخیل
حالت نمود کی راہ میں حائل انجانے سرکش جذبوں اور حدت لمس کے ساتھ خو
آلود اور برف سے ٹکراتے ہوئے خودسر جھونکوں جیسی ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک
طنزیہ سے انداز میں مسکراتا رہا۔ پھر قاسم خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا تیرا اور ہمار
مقابلہ۔ مجھے اور میرے ساتھیوں کی طرف غور سے دیکھو۔ میرے ساتھ اس و
بیس بہترین جنگجو اور مسلح جوان ہیں۔ جبکہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے ساتھ شاہ و
بیوی اور اس کی دونوں بیٹیوں کے علاوہ صرف چھ مسلح جوان ہیں۔

سن شاہ ولی خان کی بیوی اور بیٹیوں کو لے بھاگنے والے۔ میں تمہیں یقین
ہوں کہ ان ویرانوں کے اندر اپنے پہلے ہی حملے میں تم سب کی حالت پیاسی کلیو
تشنگی میں سمٹی امیدوں جیسی بنا کر رکھ دوں گا۔ ہم پر تمہارا حملہ ایسا ہی ثابت
جیسے خواہشوں کے منہ زور سمندر میں لہو کی شبنم کھو کر رہ جائے۔ یا خوف و وحش
طوفان و غم کی آرزوؤں کے صنم خانے میں رات کے آنچل اور صبح کے دامن سمٹ
رہ جائیں۔

قاسم خان قہر بھرے انداز میں بولا اور کہنے لگا۔ گھمنڈ نہ کر۔ اپنی تعداد کی زیا
پر مت اترا۔ تعاقب کرنے والوں کا سرخیل کہنے لگا اگر تجھے کوئی شک ہو یا کسی ط

کی غلط فہمی میں مبتلا ہو تو ہم پر حملہ آور ہو کر دیکھو۔ میں نے لمحوں کے اندر تیرے ساتھیوں کا خاتمہ نہ کرا دیا تو انسان نہیں، غلیظ کتا کہنا۔

قاسم خان نے ان کے الفاظ کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ ایک دم وہ حرکت میں آیا۔ اپنے بائیں ہاتھ کی گرفت اس نے اپنی ڈھال پر مضبوط کر لی تھی۔ پھر داہنا ہاتھ جس میں اس نے تلوار تھام رکھی تھی۔ اس نے فضا کے اندر بلند کر دیا تھا۔

قاسم خان کا تلوار والا ہاتھ کھڑا کرنا ہی تھا کہ ایک تبدیلی، ایک طوفان، ایک نیا انقلاب اٹھ کھڑا ہوا۔ شاہراہ کے دائیں اور بائیں طرف گھات میں جو قاسم خان نے اپنے ساتھی بٹھا رکھے تھے انہوں نے ایسی تیز اور بے خطا تیراندازی کی کہ تعاقب کرنے والوں میں سے اکثر کو انہوں نے چھید کر رکھ دیا۔ اس تیراندازی سے تعاقب کرنے والوں میں افراتفری اور بے یقینی کی سی حالت پھیل گئی تھی۔

اسی افراتفری کے عالم سے فائدہ اٹھاتے ہوئے قاسم خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ تیرگی کے صحرائے بے کراں پھیلی زاویے بدلتی دھوپ، سنگریزوں کے طوفان کی طرح حرکت میں آیا اور غم کی آزمائش، دکھ کا استعارہ اور درد کا طوفان بن کر تعاقب کرنے والوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے قاسم خان لمحوں کی آواز، جذبوں کی چاپ، بے رحم گھنے سناٹوں کی طرح تعاقب کرنے والوں کو اپنے سامنے زیر کرتا چلا گیا تھا۔ تعاقب کرنے والے کچھ قاسم خان کے تیراندازوں کے ہاتھوں مارے گئے اور باقی قاسم خان اور اس کے ساتھیوں کی تلواروں کا نشانہ بن گئے تھے۔ اس طرح قاسم خان نے سب تعاقب کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

تعاقب کرنے والوں کا صفایا کرنے کے بعد قاسم خان اپنے گھوڑے سے اترا ہی تھا کہ شاہ ولی خان کی چھوٹی بیٹی ارزون بھاگتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ آپ اتنی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ تعاقب کرنے والوں کا صفایا کرتے ہوئے ایک ناممکن کام کو ممکن کر دکھائیں گے۔ جس وقت یہ تعاقب کرنے والے یہاں ہمارے سامنے آن کھڑے ہوئے

تھے میں موت کو اپنے سامنے رقص کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اب میں آپ کی ش
گزار اور ممنون ہوں کہ آپ نے ان تعاقب کرنے والوں سے ہماری جان' ہمار
عزت کی حفاظت کی۔

قاسم خان نے پہلی بار نظر بھر کے ارزون کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا وہ خیالو
کے گلاب' سلگتی سانسوں کی خوشبو' گنگناتی شوخ' دشکوں میں براق' چنبیلی جیس
پرکشش انجانی نویلی دوشیزہ نکہت' فطرت کے تقاضوں میں شیرینی نزہت' مہکتا سراپا ا
اسلوب رواں جیسی خوبصورت تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے یوں لگا جیسے قاسم خان کہیں ک
گیا ہو۔ تھوڑی دیر تک ایسی کیفیت طاری رہی۔ پھر ارزون نے اپنی نشے کی گھلاو
اور ریشمی نغمات برساتی آواز میں قاسم خان کو مخاطب کرتے ہوئے پھر کہا۔

کہاں کھو گئے ہیں۔ آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ ارزون کے دوبا
بولنے پر قاسم خان چونک سا پڑا اور سر کو جھٹکتے ہوئے بدحواسی میں کہنے لگا کچھ ب
نہیں۔ بس میں نے آپ لوگوں پر کوئی احسان نہیں کیا بلکہ میں نے تو اپنا فرض ہی ا
کیا ہے۔ کچھ مزید کہتے ہوئے قاسم خان رک گیا اس لئے کہ شاہ ولی خان کی بیو
عادلیہ اور بڑی بیٹی ہامہ بھی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھیں۔ عادلیہ بولی اور قا
خان کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

قاسم بیٹے تم نے وہ کام سرانجام دیا ہے جس کی میں امید اور توقع بھی نہیں ک
سکتی تھی۔ تعاقب کرنے والوں کا صفایا کر کے تم نے ہم تینوں ماں بیٹیوں کو ایک ن
زندگی بخشی ہے۔ میرے بیٹے تمہارا یہ احسان عمر بھر کے لئے ہمارے لیے ممنونیت
باعث بنے گا۔ خدا گواہ ہے میرے پاس الفاظ نہیں جنہیں ادا کر کے میں تمہارے اس
کام کا شکریہ ادا کر سکوں۔ اس پر قاسم خان کہنے لگا۔

خانم۔ آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔ احمد شاہ اور شاہ ولی خا
نے مجھ پر ایک طرح کا اعتماد اور بھروسہ کیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ آپ تینوں ما
بیٹیوں کو میں ہی ہرات سے نکال کر پشاور کی طرف لے جا سکتا ہوں۔ میں اپ

خداوند قدوس کا شکرگزار ہوں کہ اس نے مجھے ہمت دی کہ میں اس کام کو سرانجام دے سکا۔

ہمیں یہاں زیادہ دیر رک کر وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ابھی ہم خطرات سے مکمل طور پر نہیں نکلے۔ لہٰذا ہمیں فی الفور یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ اس پر عادلیہ بولی اور کہنے لگی اور یہ جو تعاقب کرنے والوں کی لاشیں شاہراہ پر بکھری پڑی ہیں اور ان کے یہ گھوڑے جو بے بس ہو کر رہ گئے ہیں ان کا کیا بنے گا۔ اس پر قاسم خان کہنے لگا ہمارے پاس اتنا وقت نہیں کہ ان لاشوں کو یہاں دفن کر کے وقت ضائع کریں۔ اگر کوئی اور تعاقب کرنے والا گروہ آ گیا تو ہمارے لئے مشکلات اٹھ کھڑی ہوں گی۔ لہٰذا ہمیں فی الفور یہاں سے کوچ کر جانا چاہیے۔ مرنے والوں کے گھوڑوں کو ہم اپنے ساتھ ہانک کر لے جائیں گے۔ یہ ہمارے کام آئیں گے۔ پھر قاسم خان کے حکم پر گھات میں بیٹھے ہوئے اس کے چاروں ساتھی بھی باہر آ گئے۔ قاسم خود اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا تین گھوڑوں پر جو قاسم خان کے دو دو ساتھی بیٹھے تھے انہوں نے بھی دشمن کے تین گھوڑوں پر قبضہ کر لیا۔ ہر کوئی اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا تھا اس کے بعد اپنے تینوں خچروں اور دشمن کے باقی بچنے والے گھوڑوں کو اپنے آگے ہانکتے ہوئے تیزی کے ساتھ اس شاہراہ پر آگے بڑھنے لگے تھے جو دریائے ہلمند سے غزنی کی طرف جاتی ہوئی پھر بائیں طرف مڑ کر کابل اور پشاور کی طرف چلی گئی تھی۔

○

ایک روز سورج غروب ہونے سے تھوڑی دیر پہلے قاسم خان اپنے کارواں کے ساتھ پشاور کے نواح میں اپنے لشکر کے پڑاؤ میں داخل ہوا۔ وہ سیدھا احمد شاہ ابدالی کے خیمے کی طرف گیا تھا۔ لشکر میں داخل ہوتے ہی اس کی آمد کی افواہ پورے لشکر میں پھیل گئی لہٰذا جب قاسم خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ احمد شاہ کے خیمے کے قریب گیا اس نے دیکھا کہ خیمے سے باہر اس وقت احمد شاہ کے علاوہ وزیر شاہ ولی خان۔ سپہ

سالار جہان خان۔ امیر سرنگ برخوردار خان اور دونوں درویش عبیداللہ اور صابر کھ
ہوئے تھے۔

خیمہ کے سامنے آ کر قاسم خان جب اپنے گھوڑے سے اترا تو احمد شاہ نے
بڑھ کر اسے اپنے گلے سے لپٹا لیا۔ اس کے بعد شاہ ولی خان۔ جہان خان' برخور
خان 'درویش عبیداللہ اور صابر اسے گلے ملے۔ اس کے بعد احمد شاہ نے قاسم خا
مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

قاسم خان میں نے تم پر جو بھروسہ اور اعتماد کیا تھا اس پر تم حرف بحرف پور
اترے ہو۔ جواب میں قاسم خان کچھ کہنے ہی والا تھا کہ رک گیا۔ اس لئے کہ شاہ
خان کی دونوں بیٹیاں ہمامہ اور ارزون دونوں بھاگ کر اپنے باپ سے لپٹ گئی تھیں
تھوڑی دیر خاموشی رہنے کے بعد قاسم خان بولا اور کہنے لگا۔

پاشا۔ میں خداوند کا شکر گزار ہوں کہ میں آپ کے اعتماد اور بھروسے پر پورا ا
ہوں۔ اس موقعہ پر شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ بولی اور احمد شاہ کو مخاطب کر کے ک
لگی۔

پاشا۔ یہ شخص کمال جرات مندی اور دلیری رکھنے والا انسان ہے۔ اس
بہترین حربے استعمال کرتے ہوئے ہمیں ہرات کے قلعے اور پھر شہر سے نکالا اور پھر
پر بدبختی یہ ہوئی کہ جس وقت ہم دریائے ہلمند کے کنارے ستا رہے تھے بیس
جوان ہمارے تعاقب میں نکل کھڑے ہوئے۔ انہوں نے دریائے ہلمند سے آگے ہمیں
آ لیا۔ لیکن اس قاسم خان نے ان کا اس طرح مقابلہ کیا کہ ان کو شاہراہ پر ڈھیر کر
کے رکھ دیا اور ہماری عزت اور ہماری جان کی حفاظت کرتا ہوا یہاں پہنچانے میں
کامیاب ہو گیا۔

اس موقع پر شاہ ولی خان قاسم کے قریب آیا اور کہنے لگا۔ قاسم میرے بیٹے تم
نے میری خاطر ایک عظیم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ میری بیوی اور بیٹیوں کو ہرات کے
قلعے اور پھر شہر سے نکالنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ میں تیرا شکر گزار اور ممنون ہوں

کہ تو نے انہیں بحفاظت اور سلامتی کے ساتھ یہاں پہنچایا۔ اس موقع پر شاہ ولی خان کی چھوٹی بیٹی ارزون شاہ ولی خان کے قریب آئی اور بڑی راز داری اور سرگوشی میں پوچھنے لگی۔

اے میرے باپ یہ قاسم خان جس کا آپ شکریہ ادا کر رہے ہیں اور جس سے آپ ممنونیت کا اظہار کر رہے ہیں۔ یہ آپ لوگوں کے لشکر میں کیا حیثیت رکھتا ہے۔ ارزون کے اس سوال پر شاہ ولی خان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ اس صورت حال کو شاید احمد شاہ نے بھی دیکھ لیا تھا وہ بھی قریب آیا اور شاہ ولی خان کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ یہ ہماری بیٹی ارزون کیا پوچھتی ہے۔ اس پر شاہ ولی خان کھل کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

یہ پوچھ رہی ہے کہ قاسم خان کی اس لشکر میں کیا حیثیت ہے۔ اس انکشاف پر احمد شاہ کے چہرے پر بھی ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ آگے بڑھا اور ارزون کے سر پر بڑی شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ ارزون میری بیٹی یہ قاسم خان میرے محافظ دستوں کا نائب سالار ہے۔ بڑا دلیر۔ شجاع اور شریف النفس انسان ہے اور ہر مشکل اور بدترین حالات میں اس پر بھروسہ اور اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس پر ارزون کہنے لگی:

پاشا آپ کو یہ الفاظ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ان کی شجاعت ان کی دلیری کو ہم تینوں ماں بیٹیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ انہوں نے جس طرح ہمیں ہرات کے قلعے سے نکالا پھر شہر سے گزار کر ان کا شہر سے باہر لانا اور پھر راستے میں ہماری حفاظت کرنا ایک عام اور معمولی جوان کا کام نہیں ہے۔ گو راستے میں ان کا شکریہ ادا کر چکی ہوں لیکن اب پھر آپ لوگوں کی موجودگی میں جس طرح انہوں نے ہمارے لئے قربانی دی میں ان کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔

ارزون کے خاموش ہونے پر احمد شاہ نے اپنے لباس کے اندر سے نقدی کی ایک تھیلی نکالی اور قاسم خان کو تھماتے ہوئے کہا۔ قاسم میرے بیٹے یہ رکھو۔ تمہارے کام

آئے گی۔ رقم خوب جمع کرتے رہو۔ ابھی تو تم نے شادی بھی کرنی ہے۔ احمد ش
ان الفاظ پر ارزون' ہمامہ اور عادلیہ کے چہروں پر گہری مسکراہٹ پھیل گئی تھی
شاہ ولی خان بھی حرکت میں آیا۔ اس نے بھی نقدی کی ایک تھیلی نکال کر قاسم ؛
تھمائی اور کہنے لگا قاسم میرے بیٹے میری طرف سے یہ تمہاری جرات مندی اور
کا انعام ہے۔ اس پر احمد شاہ پھر بولا اور کہنے لگا اب تم جاؤ اور جا کر آرام کرو۔
خان نے دونوں تھیلیاں سنبھالیں اپنے گھوڑے کی باگ پکڑی اور وہاں سے چلا گیا
اس کے بعد احمد شاہ اور شاہ ولی خان نے اس کے ساتھ جانے والے دو،
ساتھیوں کو بھی انعام و اکرام سے نوازا۔ وہ بھی وہاں سے چلے گئے پھر احمد شاہ
خیمے میں چلا گیا۔ جبکہ شاہ ولی خان اپنی بیوی اور بیٹیوں اور اپنے خدمتگار کو بک کو
کر اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔



دوپہر کے قریب ایک روز عبداللہ اپنی تربیت ختم کر کے دوسرے طالب علموں
طرح اپنے کمرے کی طرف جانے لگا تو تربیت گاہ کے ناظم حسام الدین نے اسے آ
دے کر اپنی طرف بلایا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے عبداللہ مڑا اور حسام الد
کے قریب آن کھڑا ہوا۔ تربیت گاہ کے طالب علم اب اپنے اپنے کمروں کو د
اساتذہ اپنے گھروں کو چل دیئے تھے۔ عبداللہ جب حسام الدین کے قریب آ کر ک
ہوا تو حسام الدین بولا اور کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے۔ آج دوپہر کا کھانا تم میرے ساتھ کھاؤ۔ اس پر عبداللہ
چونک کر حسام الدین کی طرف دیکھا اور پوچھا کہاں؟ جواب میں حسام الدین مسکرا
ہوئے کہنے لگا۔ اس مکتب سے نکلنے کے بعد بائیں ہاتھ جو بازار آتا ہے وہیں میرا او
میرے بھائی کا مکان ہے۔ مکان کی پہچان یہ ہے کہ مکان کے سامنے ایک لوہار خا
ہے۔ جہاں بیٹھ کر میرا چھوٹا بھائی مجیر الدین آہن گری کا کام کرتا ہے۔ اگر تم میر
ساتھ چلو اور میرے ساتھ کھانا کھاؤ تو یہ میری خوشی کا باعث ہوگا۔ عبداللہ نے جواب

میں کچھ بھی نہ کہا اور چپ چاپ حسام الدین کے ساتھ ہو لیا تھا۔

راستے میں عبداللہ نے حسام الدین کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ محترم حسام الدین ایک سوال کئی دن سے میرے ذہن میں جوش مار رہا تھا مگر آپ سے پوچھنے کا موقعہ ہی نہ ملا۔ اس پر حسام الدین نے مڑ کر اور مسکراتے ہوئے عبداللہ کی طرف دیکھا اور اس کی حوصلہ افزائی کرنے کے انداز میں کہا۔ کیسا سوال بیٹے۔ جواب میں عبداللہ پوچھنے لگا۔

میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا تھا کہ یہ جو تربیت گاہ ہے جس میں میں تربیت حاصل کر رہا ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ اس کے بے شمار اخراجات ہوں گے۔ اساتذہ پر کافی اخراجات اٹھتے ہوں گے۔ اس کے علاوہ تربیت کے لئے جو سامان استعمال ہوتا ہے اس کے بھی کافی اخراجات ہوں گے۔ اس کے علاوہ تربیت حاصل کرنے والوں کی رہائش اور خوراک پر بھی بہت کچھ اٹھتا ہوگا۔ آخر یہ سب اخراجات کہاں سے پورے ہوتے ہیں۔ اس پر حسام الدین بولا اور کہنے لگا۔

بیٹے۔ نادر آباد نام کا یہ شہر ایران کے بادشاہ نادر شاہ نے آباد کیا تھا۔ یہ تربیت گاہ' یہ مکتب اور مدرسے بھی اس کے ہی قائم کردہ ہیں۔ پہلے وہ اس مدرسے کے سارے اخراجات پورے کرتا تھا اب احمد شاہ ابدالی اس تربیت گاہ کے سارے اخراجات پورے کرتا ہے۔ اس کے علاوہ اس تربیت گاہ کے نام کافی بڑی جائیداد بھی ہے۔ اگر کوئی اس مدرسے' اس تربیت گاہ کی مدد نہ بھی کرے تب بھی یہ اپنی جائیداد کی آمدنی سے ہی چل سکتی ہے۔ تھوڑی دیر توقف کے بعد عبداللہ پھر بولا اور پوچھنے لگا۔

محترم حسام الدین۔ یہاں آپ کا اپنا مکان ہے یا آپ کسی کے ساتھ رہتے ہیں۔ اس پر حسام الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا نہیں بیٹے۔ میرا اپنا مکان ہے ہم دو بھائی ہیں اور دونوں ایک ہی جگہ رہتے ہیں۔ ذات کے تو ترک ہیں۔ لیکن ایک عرصے سے یہاں آباد ہیں۔ میرے چھوٹے بھائی کا نام مجیر الدین ہے اور وہ آہن گری کا کام کرتا

ہے۔ یوں جانو کہ وہ اس شہر کا مانا ہوا آہن گر ہے۔ میں اپنے چھوٹے بھائی سے بار تمہارا ذکر کر چکا ہوں اور وہ تمہیں دیکھنے کے لیے بڑا بے چین اور بیتاب ہے۔ لئے میں آج تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں۔

عبداللہ شاید کچھ اور بھی حسام الدین سے پوچھتا کہ اتنی دیر تک حسام الدین ب میں آگے جانے کے بعد ایک لوہار خانہ میں گھس گیا تھا۔ کافی بڑی دوکان تھی جس اندر ایک شخص ایک بڑی سنی سے گرم سرخ لوہے کو پکڑے ہتھوڑے سے ضرب رہا تھا۔ شاید وہ کوئی چیز بنا رہا تھا۔ حسام الدین اور عبداللہ کو اپنی طرف آتے دیکھ اس نے ہتھوڑے برسانے بند کر دیئے تھے۔ ہاتھ میں پکڑی ہوئی سنی بھی اس ایک طرف رکھ دی تھی۔ شاید وہ حسام الدین کا چھوٹا بھائی مجیر الدین تھا۔ حسام ال اس کے قریب گیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مجیرالدین میرے بھائی یہ عبداللہ ہے۔ جس کا میں نے تم سے ذکر کیا تھا اور ؟ سے تم ملنے کے لئے بے چین تھے۔ مجیر الدین نے اپنی جگہ سے اٹھ کر اور ہا صاف کر کے عبداللہ سے مصافحہ کیا۔ تھوڑی دیر تک مجیر الدین باری باری عبدا کے گلے میں لٹکتے ہوئے لوہے کے طوق اور ٹانگوں میں پہنائے ہوئے آہنی کڑوں بڑے غور اور رحم آمیز انداز میں دیکھتا رہا۔ پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے۔ تمہارے حالات حسام الدین بڑی تفصیل کے ساتھ مجھ چکا ہے۔ میری دعا ہے کہ اس درسگاہ سے فارغ ہونے اور بالغ ہونے کے بعد تم لو کے اس طوق اور کڑوں سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور تم اپنے وا کی خواہشوں اور امیدوں پر پورا اتر سکو۔ پھر مجیر الدین نے اپنے بھائی حسام الدین طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ بھائی تم اس کو بٹھاؤ۔ میں کھانے کے لئے کہتا ہوں پھر اک بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مجیر الدین اپنے لوہار خانے کے پچھ دروازے سے اپنے سکونتی مکان کی طرف چلا گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد مجیر الدین لوٹا اس کے ساتھ ایک خادم تھا جو کھانا اٹھا

ئے تھا۔ کھانا اس خادم نے حسام الدین اور عبداللہ کے سامنے لا رکھا۔ مجیر الدین بھی ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ تینوں نے مل کر کھانا کھایا پھر وہی خادم خالی برتن اٹھا کر لے گیا۔ تھوڑی دیر تک لوہار خانے میں خاموشی رہی پھر عبداللہ مجیر الدین کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

آپ اس لوہار خانے میں کیا چیزیں بناتے ہیں۔ اس پر مجیر الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا سبھی کچھ بناتا ہوں بیٹے۔ تلواریں بناتا ہوں۔ ڈھالیں بناتا ہوں۔ نیزے بناتا ہوں۔ جنگ میں کام آنے والا دوسرا سامان تیار کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ تمہاری تربیت گاہ میں تربیت کا جس قدر سامان بنتا ہے وہ بھی میرے یہاں سے ہی بن کر جاتا ہے۔ اس کے علاوہ لوگوں کی فرمائش پر زراعت میں کام آنے والے اوزار بھی تیار کر لیتا ہوں۔ اس پر عبداللہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر دوبارہ بولا۔

لیکن آپ اکیلے ہی لگے رہتے ہیں۔ لوہے کو بھی خود پکڑتے ہیں اور اس پر ضرب بھی خود ہی لگاتے ہیں۔ اس پر مجیر الدین عجیب بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ تمہارا کہنا درست ہے میرے بیٹے۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرے کوئی نرینہ اولاد نہیں۔ صرف دو بیٹیاں ہیں۔ جہاں تک میرے بھائی حسام الدین کا تعلق ہے تو اسے خداوند نے اولاد تو دی ہے لیکن بڑے عرصے بعد۔ اس کا بیٹا ہے لیکن ابھی بہت چھوٹا ہے۔ وہ یہاں لوہار خانے میں کام نہیں کر سکتا۔ گرم سرخ لوہے پر ضربیں لگانے کے لئے میں نے ایک جوان لڑکے کو ملازم رکھا ہوا تھا پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ وہ چھوڑ کر کہیں چلا گیا۔ اس پر عبداللہ کچھ سوچتے ہوئے کہنے لگا۔

اگر میں اپنی تربیت ختم کرنے کے بعد یہاں آپ کے لوہار خانے میں آ کر کام کیا کروں تو کیا آپ کو کوئی اعتراض ہوگا۔ لیکن میری شرط یہ ہے کہ اس کے لئے میں آپ سے کوئی معاوضہ نہیں لونگا۔ میں اس کام کو اپنی تربیت کا ایک حصہ سمجھ کر ہی کروں گا۔ اس طرح میری ورزش ہوتی رہے گی اور میرے بازوؤں اور پٹھوں میں ایک طرح کی مضبوطی اور قوت آئے گی۔ یہ کام کوئی اتنا مشکل بھی نہیں ہے۔ میں دیکھتا

ہوں کہ ضرب لگانے والے کو صرف ایک ہی جگہ ضرب لگانی چاہیے۔ گر
لوہے کو سنی سے آگے پیچھے کرنا یہ آپ کا کام ہے۔ گرم سرخ لوہے کو جہاں
لگوانا ہو اس حصے کو جہاں ضرب پڑتی ہے وہاں لے کر آنا ہے۔ اس لئے میں
ہوں کہ یہ کام ہر کوئی کر سکتا ہے۔ اس پر مجیر الدین خوشی کا اظہار کرتے ہو
لگا۔

بیٹے اگر تم میرے لوہار خانے میں کام کرو تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔ لیکن
کے لئے میری ایک شرط ہے کہ جو کچھ میں تم کو دوں وہ تم قبول کر لیا کرو
معاوضہ سمجھ کر نہیں بلکہ انعام اور چاہت سمجھ کر قبول کر لیا کرنا۔ اس پر عبداللہ
لگا اگر آپ ایسا کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔ پر یہ کام میں آج سے شروع کروں گا۔ ا
مجیر الدین خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا اگر یہ بات ہے تو آؤ بیٹا دونوں
شروع کرتے ہیں۔ حسام الدین مسکراتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ مجیر الدین
عبداللہ دونوں بھٹی کے قریب آئے۔ مجیر الدین جب بھٹی کو ہوا دینے والے چ
گھمانے لگا تو عبداللہ اس سے پہلے ہی آگے بڑھا اور کہنے لگا آپ بھٹی کے قریب
جائیے چکر میں خود گھما کر ہوا دیتا ہوں تا کہ بھٹی کے اندر رکھے ہوئے لوہے سر
جائیں۔ جواب میں مجیر الدین مسکراتے ہوئے بھٹی کے قریب بیٹھ گیا۔ عبداللہ تم
دیر تک بھٹی کو ہوا دینے والے چکر کو گھماتا رہا پھر مجیر الدین کہنے لگا بس کرو
لوہے کافی سرخ ہو گئے ہیں اب آؤ کام کریں۔ اس کے ساتھ ہی مجیر الدین نے
سنی سے بھٹی کے اندر سے ایک سرخ لوہا نکال کر آئرن پر رکھا اور پھر عبداللہ
کہنے لگا۔ لگاؤ بیٹے ضربیں۔ اس پر عبداللہ نے قریب ہی پڑا ہوا بڑا ہتھوڑا اٹھایا
اس گرم سرخ لوہے پر خوب طاقت اور قوت سے ضربیں لگانے لگا تھا۔ یوں عبد
اب ہر روز مجیر الدین کے لوہار خانے میں تربیت کے بعد کام کرنے لگا تھا۔



پشاور سے باہر چند روز تک اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کرنے کے بعد احمد

پنجاب پر حملہ آور ہونے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ پنجاب میں ایک انقلاب رونما ہوا اور وہ اس طرح کہ ہندوستان میں مغل شہنشاہ کی طرف سے پنجاب کے گورنر شاہ نواز خاں نے احمد شاہ کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی دعوت دے دی۔

پنجاب کا گورنر شاہ نواز خان خود ایک غاصب اور غدار انسان تھا۔ یہ ذکریا خان کا دوسرا بیٹا تھا جو 1726ء سے 1745ء تک پنجاب کا گورنر رہا۔ ہندوستان میں گذشتہ کچھ عرصے سے مختلف صوبوں کی گورنری کا منصب چند مخصوص خاندانوں تک مستقل طور پر موروثی چلا آ رہا تھا۔ یہ لوگ تمام معاملات اور مسائل میں صرف اپنے ذاتی مفاد کو ہی پیش نظر رکھتے تھے۔ نادر شاہ کے حملہ آور ہونے اور اس کے جواب میں مرکزی حکومت کے کمزور ہو جانے کی وجہ سے یہ خود مختاری مزید بڑھ گئی تھی حتیٰ کہ صوبے اپنے خارجی امور تک میں بسا اوقات اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق فیصلے کرنے لگے تھے۔

دکن اور بنگال کے گورنر مغل شہنشاہ کے زیرکمان ہونے کے باوجود فرانسیسیوں اور انگریزوں کے ساتھ سلسلہ نام و پیام جاری رکھے ہوئے تھے۔ ان کی مثال پر عمل کرتے ہوئے پنجاب کے غدار گورنر شاہ نواز خاں نے بھی اپنی نصرت اور طاقت، اقتدار اور اختیار کو مستحکم کرنے کے لیے وطن کی آزادی تک کو داؤ پر لگا دیا۔

1745ء کو لاہور کا گورنر ذکریا خان جب انتقال کر گیا تو اس وقت اس کے دو بیٹے شاہ نواز خان اور بڑا بھائی یحیٰ خان جس کی شادی مغل شہنشاہ کے وزیر قمرالدین خاں کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ دونوں دہلی میں موجود تھے۔ اپنے باپ ذکریا خان کے انتقال کی خبر ملتے ہی ہفتہ بھر کے اندر اندر دونوں بھائی پنجاب کے مرکزی شہر لاہور روانہ ہو گئے۔ وہ دونوں لاہور اور ملتان کی گورنری کے خواہشمند تھے۔

دوسری طرف مغل شہنشاہ محمد شاہ کا ہرگز یہ ارادہ نہیں تھا کہ ذکریا خاں کے بیٹوں کو لاہور اور ملتان کی گورنری پر فائز کیا جائے۔ کچھ عرصہ تک شہنشاہ شش و پنج میں رہا۔ اس نے اپنے وزیر قمرالدین کو دونوں صوبوں کی گورنری تفویض کر دی اور

اسے اختیار دے دیا کہ وہ اگر چاہے تو اپنی طرف سے یحییٰ خان کو لاہور میں ا نواز خاں کو ملتان میں نائب یانائب بااختیار بنا کر بھیج دے اس کے علاوہ شہنشاہ نے ازراہ عنایت خسروانہ دونوں بھائیوں کو خلعت سے بھی سرفراز فرمایا۔ اس شہنشاہ کے وزیر قمرالدین خان نے اپنی طرف سے یحییٰ خاں کو لاہور کا اور شاہ ملتان کا گورنر مقرر کر دیا۔

اس واقعہ کے کچھ عرصے کے بعد یحیی خاں جو لاہور کا گورنر تھا دہلی روانہ اس کے اس سفر کا مقصد یہ تھا کہ مغل شہنشاہ محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو عرض کرے کہ اس کے باپ کی ذاتی جائیداد اور املاک جو اس کی موت کے بعد کر لی گئی تھی وہ واپس کر دی جائے۔ مغل قوانین کے مطابق دستور یہ تھا کہ جب منصب دار فوت ہو جائے تو اس کی املاک اور جائیداد بحق سرکار ضبط کر لی جاتی تھی یحییٰ خان کو اپنے باپ کی جائیداد اور املاک کی واپسی کے سلسلے میں دہلی میں مہینے لگ گئے۔ آخر یکم جولائی 1746ء کو وہ لاہور واپس ہوا اور کامیاب و کامران آیا۔ اس لئے کہ شہنشاہ محمد شاہ نے اس کے باپ کی ساری املاک اور جائیداد بخش دی تھی۔ دوسری طرف چھوٹا بھائی شاہ نواز خان جو ان دنوں ملتان کا گورنر اسے رشک و حسد ہوا لہٰذا وہ اپنا لشکر لے کر ملتان سے لاہور روانہ ہوا تاکہ ا بھائی یحییٰ خان سے اپنے باپ کی املاک اور جائیداد میں سے اپنا حصہ حاصل کرے۔

شاہ نواز خان ایک آتش مزاج اور شعلہ خو انسان تھا۔ 1747ء کو ملتان سے لا پہنچا اپنے لشکر کو اس نے شہر سے باہر پڑاؤ کرنے کا حکم دیا۔ پھر وہ اپنے بڑے بھائی خاں سے ملا اور شدت کے ساتھ مطالبہ کیا کہ باپ کی املاک اور جائیداد میں اسے بھی اس کا حق اور حصہ دیا جائے۔ جبکہ بڑے بھائی یحیی خاں نے اسے دینے سے انکار کر دیا تھا۔

اس مسئلہ پر جب گفتگو شروع ہوئی تو نوبت تلخ کلامی پر پہنچی۔ معاملہ یہاں نہیں ہوا بلکہ میان سے تلواریں باہر نکل آئیں۔ دونوں بھائیوں کے سپاہی لاہور

سڑکوں پر جنگ و جدل میں مصروف دکھائی دینے لگے۔ دونوں بھائی اپنے اپنے خیموں میں مقیم تھے اور ان کے سپاہی اپنے آقاؤں کے برعکس زبانی جنگ میں اکتفا نہیں کرتے تھے۔ تیغ و سنان کا استعمال کرنے میں بھی دریغ نہ کرتے تھے۔

روز روز کی یہ چھوٹی موٹی لڑائیاں آخر رنگ لائیں اور بہت جلد اس جنگ نے خانہ جنگی کی صورت اختیار کر لی اور باقاعدہ فریقین میں تصادم اندرون شہر بھی ہونے لگا۔ خوں ریزی اور قتل و غارت روزمرہ کے معمول بن گئے۔ یہ خانہ جنگی پورے چار ماہ تک جاری رہی آخر دونوں بھائیوں کے لشکروں میں ہولناک جنگ ہوئی جس کے نتیجے میں یحییٰ خان کو شکست ہوئی۔ شاہ نواز خان فاتح اور غالب رہا۔ شاہ نواز خان نے اپنے بڑے بھائی یحییٰ خان کو اپنی پھوپھی ارزانہ بیگم کی حویلی میں نظر بند کر دیا اور خود پورے پنجاب کا گورنر بن بیٹھا اس لئے کہ ملتان کا گورنر تو پہلے ہی تھا اور لاہور پر بھی اس نے قبضہ کر لیا تو پورے پنجاب کی گورنری کرنے لگا تھا۔

شاہ نواز خان نے اپنے بڑے بھائی یحییٰ خان کو گرفتار کر کے اپنی پھوپھی کی حویلی میں نظر بند کر دیا تھا لیکن ڈرا ہوا اور سہما ہوا بھی تھا وہ جانتا تھا کہ یحییٰ خان ہندوستان کے وزیر قمرالدین خان کا داماد ہے اور یہ کہ اسے گرفتار اور نظربند رکھنا شاہ نواز کو راس نہیں آئے گا۔ شاہ نواز یہ بھی جانتا تھا کہ یحیی خان کی گرفتاری اس کے لئے خطرناک نتائج بھی برآمد کر سکتی ہے۔

اس اندیشے میں شاہ نواز کو اپنا مستقبل تاریک نظر آنے لگا۔ غدار کی حیثیت سے وہ جانتا تھا کہ اس نے تاج شاہی سے غداری کی ہے۔ دوسری طرف وہ شہنشاہ کے وزیر قمرالدین خان سے کوئی توقع نہیں رکھتا تھا اس لئے کہ اس نے قمرالدین کے داماد اور اپنے بھائی یحییٰ خان سے زیادتی کی تھی۔

اگرچہ پانچ ماہ تک اس کے خلاف کوئی اقدام نہیں کیا گیا تھا لیکن خطرہ بہرحال سر پر مسلط تھا۔ آخر کافی سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد شاہ نواز خان نے اپنے ایک قابل اعتماد اور بھروسے کے شخص نعیم خان کو شہنشاہ ہند کی خدمت میں پیغام رساں بنا

کر بھیجا۔ اس نعیم خان کے ذریعے سے شاہ نواز خان نے گذشتہ گناہوں سے تا
ہونے کا اعلان کیا اور گذشتہ کوتاہیوں اور غلطیوں پر پشیمانی کا اظہار کرتے ہوئے شہ
محمد شاہ سے استدعا کی کہ اسے لاہور کا گورنر بنا دیا جائے۔

کچھ ہی عرصہ بعد دہلی سے وزیر قمرالدین کا ایک خط شاہنواز کو ملا اس خط میں
الدین نے شاہنواز خان کو حکم دیا تھا کہ اس کے داماد یحییٰ خان کو رہا کر دیا جائے لا
شاہنواز خان اس وقت تک اس حکم کی تعمیل پر رضامند نہ ہوا جب تک کہ پنجاب
گورنری کی رسم ادا نہ کر دی جائے۔ دوسری طرف وزیر قمرالدین کو جب شاہنواز
اس ہٹ دھرمی اور حکم عدولی کی اطلاع ملی تو اس نے لاہور کی طرف پیش قدمی کر
کے لئے تیاریاں شروع کر دی تھیں تاکہ وہ شاہنواز کو شکست دے کر اپنے داماد
خان کو رہائی دلائے اس واقعہ نے شاہ نواز کو حواس باختہ کر دیا اور وہ سخت خلفشار
مبتلا ہو گیا تھا۔

شہنشاہ محمد شاہ کے وزیر قمرالدین کی طرف سے متوقع حملے نے پنجاب کے غ
گورنر شاہنواز کو پریشان اور آشفتہ خاطر کر دیا تھا وہ سوچنے پر مجبور تھا کہ آخر مرکز
حکومت کے حملہ آور ہونے کی صورت میں وہ اپنا دفاع کیسے کرے گا آخر کافی سو
بچار کے بعد شاہنواز نے فیصلہ کیا کہ اب مدد کے لئے کسی غیر ملکی طاقت کو دعوت د
چاہیے چنانچہ کئی روز کے غور و فکر کے بعد اس کی نگاہ احمد شاہ پر جم گئی تھی۔ ا
دنوں احمد شاہ پشاور کے نواح میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیے ہوئے تھا۔

چنانچہ احمد شاہ سے رابطہ قائم کرنے سے پہلے شاہنواز نے اپنے معتمد خاص ا
انتہائی مخلص دوست آدینہ بیگ سے مشورہ کیا۔ یہ آدینہ بیگ جالندھر شہر میں شاہ
کی طرف سے فوجدار تھا شاہنواز اسے اپنا بہترین ساتھی، انتہائی مخلص کارکن خیا
کرتا تھا۔ جب اس نے آدینہ بیگ سے احمد شاہ سے رابطہ قائم کرنے کے لئے مشو
کیا تو آدینہ بیگ نے فوراً شاہنواز کی تائید کی اور اپنی طاقت اور قوت مضبوط کر
کے لئے اس نے احمد شاہ ابدالی سے رابطہ کرنے کی تائید کر دی۔

اس صلاح مشورے کے بعد شاہنواز نے احمد شاہ کے پاس اپنا ایک سفیر بھیجا اور
ے ایک نامہ لکھ کر اس سے استدعا کی کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤ اور جلد سے
د آ کر ہندوستان پر قبضہ کر لو اس کے معاوضے میں شاہنواز نے اپنے لئے جو کچھ
ب کیا تھا وہ یہ تھا کہ جب احمد شاہ اس ملک کو فتح کر لے تو اسے وزیر بنا دیا جائے۔
اتھ ہی ساتھ شاہنواز نے شیعہ مذہب بھی قبول کر لیا اور اپنی مہروں سے خلفائے
اشدہ کے نام نکلوا دیئے اور بارہ اماموں کے نام کندہ کروا دیئے۔

شاید اس اقدام کا سبب یہ تھا کہ اس طرح وہ ایران کے شیعوں سے مدد حاصل
رے گا اور ان کی مدد اور تعاون سے فتح اور کامیاب ہو جائے گا نیز اس کا یہ مقصد
ی ہو سکتا تھا کہ احمد شاہ پر یہ اثر ڈالا جائے کہ اب اس کا مغلوں سے کوئی تعلق اور
اسطہ نہیں رہا احمد شاہ پہلے ہی ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہا تھا۔
اہنواز کا نامہ بر جب احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو احمد شاہ نے اسے ہاتھوں
تھ لیا۔ شاہنواز کا نامہ پا کر احمد شاہ سجدہ شکر بجا لایا کہ یہ بات اس کے وہم و گمان
ں بھی نہ تھی کہ جس چیز کی وہ امید لگائے بیٹھا تھا خود ہندوستان کے حکمران اس کی
جازت دے دیں گے۔ اب گویا غیر متوقع طور پر اچانک حالات احمد شاہ کے لئے
سازگار ہو گئے تھے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ نے فوراً شاہ نواز کی پیش کش کو قبول کر لیا
اس نے ایک عہدنامہ تیار کرایا جس میں طے کیا گیا کہ ملک پر حکومت احمد شاہ ابدالی
کرے گا اور وزارت عظمیٰ شاہنواز کے حصے میں آئے گی اس عہدنامے پر اپنے لشکر
کے سالاروں سے اپنے تصدیقی اور تائیدی دستخط ثبت کرائے اور فوراً اپنے معتمد
خاص بغرا خان پوپلزئی کے ہاتھ لاہور بھیج دیا۔

دوسری طرف جالندھر کا فوجدار آدینہ بیگ بڑی صفائی سے دو رخی چال چل گیا
ایک طرف اس نے شاہ نواز کو مشورہ دیا کہ اپنی قوت اور طاقت میں اضافہ کرنے کے
لئے اور ہندوستان کے حالات سے فائدہ اٹھانے کے لئے وہ احمد شاہ سے رابطہ قائم

کرے دوسری طرف اس آدینہ بیگ نے ہندوستان کے شہنشاہ محمد شاہ کے وز الدین خان کو ایک خط لکھا اور اس میں شاہنواز اور احمد شاہ کی خط و کتابت کی تفصیل بھی لکھ دی۔

یہ شاہنواز اور اس کا بڑا بھائی یحیٰ خان چونکہ مغل شہنشاہ کے وزیر قمرالدی بھانجے بھی تھے لہٰذا آدینہ بیگ نے اپنے خط میں لکھا کہ آپ کا یہ بھانجا انتہائی اور ہٹیلا واقع ہو رہا ہے۔ آپ کے دیرینہ خادموں اور خدمت گزاروں کی اس ایک نہ سنی اور احمد شاہ سے آخر رابطہ قائم کر ہی لیا لیکن اب بھی وقت نہیں گ لئے صورت حال کا فوری تدارک کیا جائے اور یہ کہ شاہ نواز کو فوری گرفتار کر بے بس کر دیا جائے تاکہ وہ کوئی غدارانہ اقدام نہ کر سکے۔

شاہ نواز کا ایلچی نعیم خان جو اس نے مغل شہنشاہ کی طرف بھجوایا تھا وہ اس دہلی ہی میں تھا۔ آدینہ بیگ کے خط ملنے سے قبل وزیر قمرالدین شاہنواز کے معا میں کچھ زیادہ توجہ نہ دے رہا تھا۔ شاہ نواز خان کے ایلچی نعیم خان کی چکنی چپڑی ب کے باوجود قمرالدین شاہ نواز کا فیصلہ کرنے کے لئے تاخیر سے کام لے رہا تھا۔ لیکن خط پا کر قمرالدین چوکنا ہو گیا اور صورت حال کی سنگینی اس کی نظر کے سامنے آ اب اس کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہ گیا تھا کہ نہلے پہ دہلا لگائے نے ایک شاہی فرمان کے ذریعے شاہ نواز کی معذرت منظور کر لی اور فوراً مسودہ ہوا اور ایک قاصد کے حوالے کر دیا گیا۔

قمرالدین نے اس نفسیاتی موقعہ پر ایک اور کام بھی کیا۔ اس نے دست خاص اپنے بھانجے شاہ نواز کی دل دہی اور تسلی کا خط لکھا۔ اس خط میں لکھا تھا۔

"تمہارا خاندان ہمیشہ اور ہر موقع پر شاہان مغلیہ کا وفادار اور جاں نثار رہا ہے اس سے کبھی بھی غداری یا بے وفائی کا ارتکاب نہیں ہوا ہے۔ یہ بڑے دکھ ا افسوس کی بات ہوگی اگر وہ اب جادہ مستقیم سے ہٹے۔ اس سے بڑھ کر تو شرم کی با ہی نہیں ہو سکتی کہ نادر شاہ کے ایک معمولی افغان احمد شاہ کے سامنے سر تسلیم خم

ے نظر آئے۔ حکومت ہند اپنے تمام وسائل اور ذرائع کے ساتھ تمہاری پشت کیلئے موجود ہے۔"

شاہ نواز کے نام وزیر قمرالدین کے اس خط نے سارا نقشہ پلٹ کر رکھ دیا۔ شاہی ا پا کر شاہ نواز پھول گیا اور وزیر قمرالدین کے اس خط سے اس کی اتنی حوصلہ ی ہوئی کہ وہ اپنی حدود مملکت کی وسعت کا پروگرام بنانے لگا۔ وزیر قمرالدین نے کی اور اس کے خاندان کی وفاداری کو خوب سراہا تھا چنانچہ اس نے فوراً اپنی ے بدل دی اور احمد شاہ سے جو اب تک گفت و شنید کر چکا تھا اسے یکسر نظر ز کرنے کا فیصلہ کر لیا اور ایک بار پھر اس نے اپنی قسمت دہلی کے مغلیہ حکمران ساتھ وابستہ کرنے کا اعلان کر دیا تھا۔

دوسری طرف اس تبدیلی اور انقلاب سے بے خبر احمد شاہ ہندوستان پر حملہ آور نے کی ساری تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ افغان مہم پسندوں کی ایک بڑی جماعت جو ے قبائل کے افراد پر مشتمل تھی ہندوستان کے زروگوہر کی طمع میں اس کے ساتھ ئی تھی لہٰذا دسمبر کے وسط میں اٹھارہ ہزار کا ایک لشکر لے کر احمد شاہ پنجاب پر حملہ ر ہونے کے لئے پیش قدمی کر چکا تھا۔

احمد شاہ نے دریائے سندھ کو کشتیوں کے پل کے ذریعے پار کیا تھا۔ جب دریا پار نے کے بعد احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ اٹک کے قریب آیا تو یوسف زئی قبائل کا ہ لشکر بھی اس کے ساتھ آ ملا۔ لہٰذا اس کے لشکر میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا تھا۔ ں مقام پر احمد شاہ کا ایلچی بغرا خان بھی اس سے آ ملا جسے اس نے عہد نامہ دے کر ر شاہ نواز کے پاس بھیجا تھا۔ بغرا خان نے احمد شاہ کو تبدیل شدہ صورت حال سے ع کر دیا۔

جہاں تک بغرا خان کا تعلق تھا وہ کچھ اچھا آدمی نہیں تھا اور دوسروں کو اپنی ف مائل کرنے کا مادہ تو اس میں سرے سے نہیں تھا۔ لہٰذا احمد شاہ نے بغرا خان کی تگو کو کوئی اہمیت نہ دی تاہم وہ محتاط ضرور ہو گیا تھا اور اسے خدشہ لاحق ہو گیا تھا

کہ اس نئی صورت حال کے تحت اگر وہ لاہور پر حملہ آور ہوتا ہے تو شاہ نواز ضرور کرے گا تاہم اس بدلتی ہوئی صورت حال کی پرواہ کئے بغیر احمد شاہ نے لشکر کے ساتھ پیش قدمی جاری رکھی یہاں تک کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ پنجاب قلعے رہتاس کے پاس آکر خیمہ زن ہوا۔

رہتاس سے احمد شاہ نے درویش صابر کو لاہور بھجوایا تاکہ وہ صورت حال جائزہ لے کر اسے اس سے آگاہ کرے۔ درویش صابر کے ساتھ ایک شخص محمد یار جو احمد شاہ کے لشکر میں ضرب باشی تھا اور ٹکسال کا افسر تھا وہ بھی ہو لیا تھا۔ ا لاہور جانے کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ وہ اپنی والدہ سے ملاقات کرے جو ان دنوں ل میں مقیم تھی۔

لاہور آنے کے بعد درویش صابر نے مفتی عبداللہ کے گھر پر اقامت اختیار دوسری طرف شاہ نواز کو بھی درویش صابر کے لاہور میں داخل ہونے کی اطلاع ہو تھی لہٰذا اس نے اپنے معتمد خاص ادینہ بیگ خان اور اپنے دیوان کوڑا مل کو درو صابر کے پاس بھیجا تاکہ اس سے لاہور آنے کا مقصد دریافت کیا جائے۔

ادینہ بیگ خان اور دیوان کوڑا مل درویش صابر کے پاس آئے اور لاہور آنے وجہ پوچھی۔ صابر درویش نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میرے آنے کی غرض یہ۔ کہ اس شہر سے میرا لگاؤ ہے۔ یہاں کے باشندوں سے میرا تعلق خاطر بھی ہے یہا کے فرمانرواؤں کا ہمدرد اور بہی خواہ بھی ہوں جن کے ساتھ میں زندگی کے گذشتہ د بھی گزار چکا ہوں۔ لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ بے وفائی سے نہ آدمی خوش سکتا ہے نہ خدا اور یہ بھی کہ احمد شاہ ابدالی کی تلوار سے تمہاری تلوار مقابلہ نہیں ک سکتی۔

اس موقعہ پر کوڑا مل نے مداخلت کرتے ہوئے پوچھا۔ صابر درویش۔ تمہا کہنے کا مقصد کیا ہے۔ کیا ہماری تلوار لکڑی کی بنی ہوئی ہے اور ابدالی کی تلوار کی ہے۔ اس پر صابر درویش کہنے لگا۔

نہیں یہ بات نہیں۔ دونوں تلواریں لوہے ہی کی بنی ہوئی ہیں۔ لیکن میں دیکھتا ہوں کہ اس وقت احمد شاہ کا آفتاب نصف النہار پر ہے اور تمہارا آفتاب اقبال گہنا چکا ہے۔ جس کی بنا پر میں نے یہ کہا ہے کہ تمہاری تلواروں پر احمد شاہ کی تلوار غالب رہے گی۔

ادینہ بیگ نے یہ ساری روداد شاہ نواز تک پہنچا دی۔ یہ ساری باتیں سن کر شاہ نواز خان بہت آشفتہ خاطر ہوا اور اس نے حکم دیا کہ صابر درویش اور اس کے رفیق کار محمد یار خان کو گرفتار کر لیا جائے اور دونوں کو اس کے سامنے پیش کیا جائے اور یہ کہ ان دونوں کی کڑی نگرانی کی جائے اور کسی قیمت پر بھی انہیں احمد شاہ کے پڑاؤ میں واپس جانے کی اجازت نہ دی جائے۔

صابر درویش اور اس کے ساتھی محمد یار خان کو جب شاہ نواز خان کے سامنے پیش کیا گیا تو شاہ نواز نے پوچھا صابر درویش کہو ہمارے بھائی احمد شاہ کا کیا حال ہے۔ صابر درویش نے بڑی جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ شاہ نواز! احمد شاہ افغانستان اور خراسان کا بادشاہ ہے اور ہندوستان فتح کر لینے کا عزم رکھتا ہے۔ سن شاہ نواز تمہاری حیثیت صرف ایک صوبیدار یا گورنر کی ہے جو صرف ایک صوبے کا کارفرما ہے۔ تم آزاد نہیں ایک دوسرے شخص کے ملازم اور خادم ہو۔

اس موقع پر شاہ نواز نے درویش صابر کو ٹوکتے ہوئے کچھ کہنا چاہا تھا مگر صابر درویش بولا اور کہتا چلا گیا۔

سنو شاہ نواز۔ میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ شہنشاہ ہند محمد شاہ تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہے وہ موقع کی تاک میں ہے کہ تم سے شدید انتقام لے۔ خود تمہارے مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ میرے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پاس چلے چلو تو وہ تمہاری عزت بڑھائے گا۔ اعزاز میں اضافہ کرے گا اور پورے ملک کی وزارت تمہیں سونپ دے گا۔

یہ اور اس طرح کی بہت سے باتیں صابر درویش اور شاہ نواز کے درمیان

ہوئیں۔ اس گفتگو کے درمیان صابر درویش کو اچانک غصہ آگیا اس نے چند چبھتی ہوئی باتیں اور سخت اور نامائم الفاظ شاہ نواز سے کہہ دیئے۔ جن کا برداشت کرنا شاہ نواز کے لئے ناممکن ہو گیا چنانچہ جوش غضب سے مغلوب ہو کر شاہ نواز نے اپنے بخشی وزیر عصمت اللہ خان کو حکم دیا کہ صابر درویش کو گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ چنانچہ بخشی عصمت اللہ نے ایسا ہی کیا۔ صابر درویش کو گرفتار کر کے اس کا سر قلم کر دیا گیا (درویش صابر کا مقبرہ لاہور کی بادشاہی مسجد کے عقب میں ٹکسالی گیٹ کے پاس ایک بلند گلی میں ہے) اور اس کے ساتھ محمد یار خان کے خلاف چونکہ کوئی بات ثابت نہ ہوئی تھی لٰہذا اسے رہا کر کے واپس جانے کی اجازت دے دی گئی تھی۔

احمد شاہ جو اپنے لشکر کے ساتھ رہتاس کے قلعے کے پاس خیمہ زن تھا۔ صابر درویش کو لاہور روانہ کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کی اور اس نے بالا ناتھ جوگی کے مندر پر حملہ کیا اور مندر کو منہدم کر دیا۔ اس کے بعد احمد شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ یہاں سے بھی کوچ کیا۔ شاید وہ لاہور پہنچنے میں تاخیر سے کام نہیں لینا چاہتا تھا۔

اسی دوران احمد شاہ کو درویش صابر کے قتل کی اطلاع ملی۔ اس پر احمد شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ پہلے کی نسبت برق رفتاری سے لاہور کی طرف بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ راستے میں جب گجرات شہر آیا تو اس نے راولپنڈی کے ایک گکھڑ مقرب خان کو اس شہر کا فرمانروا بنایا تاکہ وہ یہاں ایک مستحکم حکومت کی داغ بیل ڈالے۔

گجرات شہر میں تھوڑی دیر پڑاؤ کرنے کے بعد احمد شاہ نے کوچ کیا۔ دریائے چناب کو سوہدرہ کے مقام پر اس نے عبور کیا اور پھر تیزی کے ساتھ کوچ کرتا ہوا دریائے راوی کے داہنے کنارے شاہدرہ کے قریب شاہ جہانگیر کے مقبرے کے قریب آکر پڑاؤ کیا گیا۔

دوسری طرف جب پنجاب کے گورنر شاہ نواز کو احمد شاہ کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو اس نے شدت کے ساتھ جنگی تیاریاں شروع کر دی تھیں اور اپنی ان ساری

تیاریوں سے شاہ نواز مغل شہنشاہ کے وزیر اور اپنے ماموں قمرالدین خان کو بھی باقاعدگی سے آگاہ کر رہا تھا۔ یہ ساری تیاریاں صرف دفاعی تھیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ دشمن کے حملے سے لاہور کو بچایا جائے یہ نہیں تھا کہ دشمن کی پیش قدمی کو روک کر جوابی حملہ کیا جائے۔

شاہ نواز کو جب خبر ہوئی کہ احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ جہانگیر کے مقبرے کے پاس خیمہ زن ہو گیا تو اس نے بھی اپنی تیاریوں میں اضافہ کر کے ان کو آخری شکل دے دی۔ اس نے اپنے لشکر کا پڑاؤ شہر سے باہر کیا۔ اپنا خیمہ بھی اس نے لشکر کے اندر نصب کروایا تاکہ تیاریوں کی بچشم خود نگرانی اور دیکھ بھال کر سکے۔ اس کا خیال شاید یہ تھا کہ احمد شاہ کے پاس توپ نہیں ہے اور لاہور کے توپ خانے کو کام میں لا کر احمد شاہ کو شکست دے کر بھاگ جانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔

لیکن ایک منقسم گھر کے لوگ کسی بھی دشمن کے خلاف کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ شاہ نواز خان ایک خونخوار اور منقسم المزاج انسان تھا۔ حکومت کے جتنے وفادار ملازم اور عہدیدار تھے یا تو وہ جیل خانوں میں محبوس تھے یا اس سے برگشتہ اور منحرف ہو چکے تھے جو لوگ وفاداری کا دم بھر رہے تھے وہ بھی بددل تھے ان کا ظاہر کچھ اور باطن کچھ اور تھا۔ اسی دوران قصور کے لوگوں نے شاہ نواز سے پر زور مطالبہ کیا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کو قید سے رہا کر دے۔ ان لوگوں کے مطالبے کا اثر یہ ہوا کہ شاہ نواز نے اپنے بڑے بھائی یحیٰی خان کو رہا کر دیا۔

احمد شاہ ابدالی نے دو روز تک جہانگیر کے مقبرے کے قریب اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے رکھا اور تیسرے دن احمد شاہ نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے راوی کے ایک کم گہرے حصے سے دریا عبور کیا اور شالامار باغ کے قریب محمود بوٹی نام کے ایک قصبے کے شمال مشرق میں کھلے میدانوں میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

شاہ نواز نے جب دیکھا کہ احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ دریائے راوی کو عبور کر کے شہر کے نواح میں خیمہ زن ہو گیا تو اس نے مزید احتیاطی تدابیر کیں۔ اس نے لشکر

کے تین حصے کیے، تین مختلف جگہوں پر ان لشکروں کو متعین کیا۔ ایک لشکر اس اپنی کمانداری میں رکھا تاکہ وہ بذات خود احمد شاہ کے لشکر پر نگاہ رکھ کر اسے رو کی تدبیر کر سکے۔

دوسرا لشکر اس نے ایشان کے قلعہ میں مقیم رکھا۔ اس لشکر میں دس ہزار ر اور پانچ ہزار توپچی تھے جنہیں ہر وقت تیار رہنے کا حکم دے دیا گیا تھا اور اپنے خواجہ عصمت اللہ خان کو اس لشکر کا شاہ نواز نے کماندار مقرر کیا تھا۔

ایک روز تک محمود بوٹی نام کے قصبے میں قیام کرنے کے بعد دوسرے روز شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ لاہور کی طرف پیش قدمی پھر شروع کی۔ احمد ش راستہ روکنے کے لئے ایک بہت بڑا لشکر دے کر شاہ نواز نے قصور کے فوجدار جلا کو حکم دیا کہ وہ آگے بڑھے اور احمد شاہ کی پیش قدمی کو روک دے لیکن ہوا یہ قصور کا یہ فوجدار جلا خان اپنے سپاہ اور سارے سازوسامان اور ہتھیاروں کے سا احمد شاہ سے مل گیا۔

اب احمد شاہ پیش قدمی کرتے ہوئے لاہور شہر کے نواح ملک پور کے قریب گیا۔ اب اس کے اور شہر کے درمیان معمولی سا فاصلہ رہ گیا تھا۔ شاہ نواز نے ا اپنے بخشی خواجہ عصمت اللہ خان کو ایک بہت بڑا لشکر اور توپ خانہ دے کر احمد ابدالی کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے بھیجا۔ جبکہ اپنے دوسرے سپہ سالار لچھن بیگ بھی اس کے لشکر سمیت عصمت اللہ کی مدد کو روانہ کیا۔

جوں ہی دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا۔ شاہ نواز کے لشکریوں نے اپنی توپوں ذریعے احمد شاہ کی فوجوں پر آگ پھینکنا شروع کی تھی۔ احمد شاہ کے پاس چونکہ توپ نہ تھی لہٰذا وہ کسی طور بھی شاہ نواز کے توپ خانے کو خاموش کرانے میں کامیا نہ ہو سکا۔

تاہم توپوں کی اس آتش باری سے بچنے کے لئے احمد شاہ کے لشکریوں نے گڑ کھود لئے تھے اور ان کے اندر دبک کر بیٹھ گئے تھے تاکہ توپوں کی آتش باری

محفوظ رہ سکیں۔ یوں سارا دن جنگ ہوتی رہی کسی فریق کو بھی جنگ میں غلبہ حاصل نہ ہو سکا جو جہاں تھا وہاں سے ایک قدم بھی آگے پیش قدمی نہ کر سکا۔

اس جنگ کے دوسرے روز شاہ نواز نے اپنے ایک آدمی کو لاہور کے ایک منجم کے پاس بھیجا اور استدعا کی کہ اس جنگ کا انجام بتایا جائے۔ اس منجم نے حساب لگانے کے بعد شاہ نواز کے آدمی کو کہلا بھیجا کہ آج کا دن تمہارے لئے منحوس ہے اور بہتر یہ ہے کہ آج لڑائی بند رکھو۔ کل سے فتح و ظفر تمہارے قدم چومے گی پھر تم جس طرح چاہو جس جگہ چاہو کامیابی کے ساتھ لڑ سکتے ہو۔

اس منجم کا یہ جواب پا کر شاہ نواز نے اپنے سالاروں آدینہ بیگ اور دیوان کوڑا مل کو پیغام بھیجا کہ آج احمد شاہ کے خلاف پیش قدمی نہ کی جائے اور اگر احمد شاہ کی طرف سے دباؤ پڑے تو فوج اپنی خندقوں میں رہ کر دشمن کو صرف پسپا ہونے پر مجبور کیا جائے کھل کر ان سے جنگ نہ کی جائے۔

جنگ سے اپنے سالاروں کو واپس بلانے کے بعد شاہ نواز خان جب اپنے سالاروں کے ساتھ کھانا کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھا تو اچانک توپیں داغے جانے کی آوازوں نے اسے پریشان کر دیا جب اس نے تحقیق کرائی تو پتہ چلا کہ دشمن کے ساتھ جنگ چھڑ گئی ہے۔ شاید احمد شاہ کو پتہ چل گیا تھا کہ دشمن آج کے دن جنگ سے بچنا چاہتا ہے اس لئے اس نے عام حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا اور اس کے سپاہی شاہ نواز کے لشکر کی خندقوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ اس طرح چاروں طرف جنگ چھڑ گئی تھی۔

شاہ نواز نے اپنے دست راست آدینہ بیگ کو حکم دیا کہ فوراً میدان جنگ کی طرف مدد کے لئے روانہ ہو جائے اور جنگ کے دوران عصمت اللہ اور لچھن بیگ کی ہر طرح سے مدد کرے۔ لیکن آدینہ بیگ میدان جنگ کی طرف جانے کے بجائے کسی دوسری طرف چلا گیا اور ایک تماشائی کی حیثیت سے دور رہ کر جنگ کا نظارہ کرتا رہا۔ آدینہ بیگ کو بار بار احکام پہنچے کہ وہ جنگ میں کودے لیکن وہ بالکل جنبش میں نہ آیا

اور ابھی سورج غروب ہونے میں کچھ دیر باقی تھی کہ وہ شہر میں واپس آ گیا۔

آدینہ بیگ کے شہر میں واپس آنے کے بعد ہندوستانی فوج نے یہ خیال کیا ماندہ دن کیلئے جنگ بند ہو گئی ہے۔ وہ اطمینان سے رات گزارنے کے لئے خیز واپس چلے گئے اس کے بعد دفعتاً" ایک انقلاب اور تبدیلی رونما ہو گئی اور یہ شاہ کے سواروں نے اچانک حملہ کر دیا اور انہوں نے اس تیزی سے یورش تسلسل سے حملہ کیا کہ شاہنواز کے لشکری حیران اور سراسیمہ ہو کر رہ گئے مایوسی کے عالم میں شاہ نواز کے لشکر کے اندر افراتفری اور بھگدڑ مچ گئی تھی۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے شاہ نواز خان جو اپنے ہاتھی پر سوار تھا لشکر آیا سارے لشکر کو اس نے متحد کیا خود بھی لشکر کے اندر رہ کر وہ اپنے سپاہ حوصلہ بڑھاتا رہا۔ ایک بار پھر اس نے احمد شاہ کی راہ روکنے کے لئے اپنے چھوٹے بڑے لشکروں کو متحد کر کے ان کے اندر ایک جوش اور جذبہ پیدا کر دیا ادھر شاہ نواز خان ایک بار پھر اپنے لشکر کو احمد شاہ کے خلاف جمنے پر مضبوط کر دوسری طرف احمد شاہ بھی شاہ نواز خان کے لشکر کے قریب سے قریب تر ہوتا رہا تھا۔ شاہ نواز خان کے لشکر کے قریب آنے کے بعد احمد شاہ نے بڑی تیزی ایک بہت بڑا فیصلہ کیا اس نے اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ پاس رکھا۔ دوسرا حصہ اپنے بخشی یعنی وزیر شاہ ولی خان کی کمانداری میں رکھا۔ لشکر سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کے حوالے کیا اور چوتھے لشکر کا کماندار امیر برخوردار خان کو بنایا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ نے اپنے لشکر کو شاہ نواز لشکر کے اطراف میں پھیلا دیا پھر دشمن پر حملہ آور ہونے کا اس نے حکم دیا۔

سب سے پہلے بخشی شاہ ولی خان دائیں طرف سے بے رنگ دھندلوں میں سکتے ذہن کے آکاش پر منڈلاتے اوہام کے کالے بادلوں اور لرزاں خاموشیوں وحشی یادوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ بائیں طرف سے سپہ سالار جہان خان پو بھی سکوت کے صحرا میں راتوں کی تیرگی کی آندھی' سانسوں کی سلوٹ سلوٹ

سناؤں کے پھیلتے جال اور گردش لہو میں تہہ در تہہ سرد آہوں کے ہجوم کی طرح دشمن پر ٹوٹ پڑا تھا۔ جبکہ پشت کی طرف سے امیر سرنگ برخوردار خان رگ رگ میں چھتے خوف کے اندر اعمال ناموں کی سیاہی دستک اجل کی دھنک' بیکراں صحراؤں کی ویرانیوں اور قہرشور کے آتشی سواروں کی طرح دشمن کے اندر گھس کر زندگی اور موت کا کھیل کھیلنے لگا تھا۔

جب تینوں اطراف سے حملہ ہو گیا تب احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور سامنے کی طرف سے اس نے شاہ نواز کے لشکر پر بھورے لاوے کی ابلتی ندیوں' بھاپ اور تیل کے جلتے غبار' کرم خوردہ ہنگاموں میں ہزاروں شورشوں' تند زبان انگاروں اور آسمان پر پھیلتے بھورے بادلوں کے قافلوں کی طرح آگے بڑھتے ہوئے دشمن پر ناقابل تلافی اور ناقابل برداشت ضرب لگانی شروع کر دی تھی۔

احمد شاہ کی طرف سے شاہ نواز کے لشکر پر چاروں طرف سے خونخوار حملوں کی وجہ سے جلد ہی شاہ نواز کے لشکری جی چھوڑنے لگے اور ان کی حالت احمد شاہ کے بے جگری سے لڑتے سپاہیوں کے سامنے دکھ کی پیلی کونپل' حبس کی دیوار' دکھوں کی اندھی بکل اور اپنے مفہوم سے ناآشنا۔ بے لفظ نقطوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

خود شاہ نواز یہ محسوس کر رہا تھا گویا احمد شاہ نے چاروں طرف سے یکبارگی حملہ آور ہو کر اس کی اور اس لشکریوں کی حالت عظمت ماضی کے نشانوں میں ٹوٹے کھنڈروں۔ حروف تہذیب میں شکست خوردہ غم اور جوان مرگ خواہشوں میں ادھورے خوابوں جیسی کرنی شروع کر دی ہو۔ یہ لڑائی کوئی زیادہ طول نہ پکڑ سکی۔ اس لئے کہ احمد شاہ چاروں طرف سے اولوں کی طرح ٹوٹتے ہوئے دشمن پر ناقابل برداشت ضربیں لگانے لگا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ شاہ نواز کے لشکر میں بددلی افراتفری اور شکست کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ پنجاب کے گورنر شاہ نواز کو جب اپنی کامیابی کی کوئی امید نہ رہی اور اسے یقین ہو گیا کہ تھوڑی دیر تک اس کے لشکر کو بدترین شکست ہو گی تو اس نے لشکر سے بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا۔

اس نے چونکہ احمد شاہ کے پسندیدہ درویش صابر کو قتل کیا تھا لہٰذا احمد شاہ کی طرف سے وہ کسی رحم و کرم کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ نہ ہی احمد شاہ کے سامنے ہتھیار پھینک سکتا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو احمد شاہ اس کی گردن کٹوا کر رکھ دے گا۔ اب اسے جان کی سلامتی صرف راہ فرار اختیار کرنے میں نظر آ رہی تھی لہٰذا آدھی رات کو اس نے اشرفیوں سے بھری تھیلیاں اپنے دوستوں میں تقسیم کیں اور پھر ان گنت نقدی اور جواہرات کا ایک صندوقچہ اپنے ساتھ لیا اور اپنے ایک قابل اعتماد خواجہ سرا کے ساتھ وہ لاہور سے دہلی کی طرف بھاگ گیا تھا۔

جوں ہی لشکر میں شاہ نواز کے بھاگ جانے کی خبر پھیلی اس کے لشکریوں نے ہمت چھوڑ دی کچھ نے لڑنا ترک کر کے ہتھیار پھینک دیئے۔ اس کے بعد سر پر پاؤں رکھ کر جس کا منہ جدھر اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔ تاہم سب کی منزل مقصود فصیل کے اندرونی حصے کی طرف تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ کے لشکریوں نے پہلے سے بڑھ کر زیادہ طاقت اور قوت کے ساتھ حملہ کیا اور وہ دشمن کو بری طرح شکست دیتے ان کو دھکیلتے ہوئے ان کی خیمہ گاہ میں داخل ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ لوگ پنجاب کے گورنر شاہ نواز کے خیمے میں بھی داخل ہو گئے۔ دشمن کے پڑاؤ پر پوری طرح قبضہ کرنے کے بعد احمد شاہ ایک فاتح کی حیثیت سے لاہور میں داخل ہوا۔ اس لئے کہ لاہور میں اسے روکنے کے لئے اب کوئی بھی طاقت شاہ نواز کے بعد باقی نہ بچی تھی اس طرح احمد شاہ لاہور پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

چونکہ جنگ سے پہلے شاہ نواز خان نے اپنے بڑے بھائی یحییٰ خان کو رہا کر دیا تھا لہٰذا جس وقت احمد شاہ نے لاہور پر قبضہ کر لیا تو یحییٰ خان کے وفادار افسروں کے ایک گروہ نے جس میں میر مومن خان اور میر نعمت خان۔ سید جمال الدین خان اور امین خان شامل تھے اور جو کئی ماہ تک یحییٰ خان کے ساتھ شاہ نواز کی قید میں تکلیف بھگت رہے تھے انہوں نے ایک مجلس منعقد کی اور فیصلہ کیا کہ فاتح احمد شاہ کی خدمت میں ایک وفد کی صورت میں حاضر ہوں اور اسے اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا یقین

دلائیں۔

اس فیصلہ کے مطابق میر مومن خان' دیوان لکھپت رائے اور دیوان مورت سنگھ احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استدعا کی کہ اہل شہر کی جان بخشی کی جائے اور انہیں لوٹ مار سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے بدلے ان لوگوں نے احمد شاہ ابدالی کو تیس لاکھ روپے کا نذرانہ پیش کرنے کا بھی عہد کیا۔

احمد شاہ نے یہ پیش کش پرمسرت طور پر قبول کر لی اور اپنے افسروں کو حکم دیا کہ شہر کی حفاظت کریں اور اس کی نگرانی کریں کہ کوئی سپاہی اندرون شہر میں داخل نہ ہونے پائے۔ لیکن اس کے باوجود بہت سے مقامات پر بہت سے گھر لوٹے گئے۔ خاص طور پر مغل محل سرا پورے طور پر لوٹ لیا گیا۔ لیکن جب احمد شاہ نے اس سلسلے میں سختی سے کام لینا شروع کیا تو بہت جلد امن و امان بحال ہو گیا اور شہریوں کو کوئی مزید گزند نہ پہنچا۔

لاہور شہر کو فتح کرنے کے بعد جو مال غنیمت احمد شاہ کے ہاتھ لگا اس کا کوئی شمار و حساب ہی نہیں تھا۔ اس کے علاوہ شہر کی طرف سے ان گنت نذرانے بھی اسے پیش کئے گئے۔ مفرور گورنر شاہنواز خان اور اس کے خاندان کا سارا بیش قیمت اثاثہ و گراں بہار سامان احمد شاہ کے ہاتھ لگا اس کے علاوہ لاہور شہر سے ایک بہت بڑے خزانے پر بھی احمد شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ یوں گزشتہ پینتیس سال سے جو کچھ اس شہر میں جمع کیا جا رہا تھا وہ سب احمد شاہ کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

اس کے علاوہ شہر میں جتنے بھی گھوڑے اور اونٹ تھے وہ سب قبضے میں کر لئے گئے لاہور کے آس پاس کے علاقوں سے بھی بے شمار گھوڑے اور اونٹ حاصل کئے گئے اور فوج کے استعمال کے لئے دے دیئے گئے۔ ان گھوڑے اور اونٹوں کی تعداد اس قدر تھی کہ احمد شاہ کے لشکر کے تقریباً پانچ ہزار پیادے ایک باقاعدہ سوار لشکر میں تبدیل کر دیئے گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی نے تقریباً پانچ ہفتے تک لاہور شہر میں قیام کیا اس عرصے میں جموں

کا راجہ اور دیگر شمالی ریاستوں کے حکمرانوں نے اپنے اپنے نمائندے اظہار اط
اور فرمانبرداری کے لئے احمد شاہ کی خدمت میں روانہ کئے۔ ان کے علاوہ پنجاب
سربرآموده زمینداروں اور سرداروں نے بھی خود احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حا
کر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا اظہار کیا۔

لاہور میں قیام کے دوران لاہور کی ٹکسال سے احمد شاہ نے اپنے نام کا سکہ
جاری کیا۔ اس سکے پر لکھا تھا۔

در دوراں احمد شاہ بادشاہ
ضرب دارالسلطنت لاہور

لاہور میں ان پانچ ہفتوں کے قیام کے دوران احمد شاہ نے لاہور شہر کے ا
امور کی طرف بھی دھیان دیا۔ لاہور کے گورنر شاہ نواز کے شکست کھا کر د
طرف بھاگ جانے کی وجہ سے نظم و نسق چلانے کے لئے احمد شاہ نے شہر
انتظامیہ مقرر کی۔ اس نے قصور کے فوجدار جلہ خان کو جو جنگ میں شاہ نواز کو
کر احمد شاہ کے ساتھ مل گیا تھا اپنی طرف سے شہر کا گورنر نامزد کیا۔ میر مومن خا
نائب گورنر اور لکھپت رائے کو شہر کا دیوان مقرر کیا گیا۔

احمد شاہ ابھی لاہور میں مقیم تھا کہ دہلی سے پے در پے یہ خبریں آنے لگیں
ایک بہت بڑا لشکر دہلی سے احمد شاہ سے جنگ کرنے کے لئے روانہ ہونے والا ہ
یہ بھی خبریں آنا شروع ہوئیں کہ اس لشکر کی کمانداری خود مغل شہنشاہ محمد شاہ
ہے۔ تاکہ احمد شاہ سے لاہور کی شکست کا انتقام لیا جا سکے۔

حقیقت یہ ہے کہ جس وقت کابل کا سابق حکمران نصیر خان کابل سے بھاگ
دہلی پہنچا تھا اس وقت ہی ہندوستان کی مغل حکومت کو ایک طرح سے یہ انتباہ م
ہو چکا تھا کہ اب احمد شاہ کا مرکز عمل ہندوستان ہوگا اور وہ ہر حالت میں ہندوستا
چڑھائی کر کے رہے گا۔ لیکن ہندوستان کا مغل شہنشاہ اور اس کی انتظامیہ اس
تساہل پسند ہو چکی تھی کہ نصیر خان کے کابل سے بھاگ جانے کے باوجود بھی ا

ئی تاثر نہ لیا اور جنگ کیلئے کوئی خاص تیاری نہ کی۔

مغل شہنشاہ محمد شاہ کے دربار میں جو تساہل پسندی اور سازش کا دور دورہ تھا
ن کی بات ہے کہ وہ ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے ہولناک اور تباہ کن حملے نے
جسے ابھی کچھ زیادہ مدت نہ گزری تھی محمد شاہ کے امرا اور اعیان سلطنت کو بیدار
کیا۔ سب مست خواب تھے۔ کسی کو بھی نہ فرض کا احساس تھا اور نہ آنے والے
کا اندیشہ۔ پست ہمتی۔ پیکار باہمی۔ سازش اور دراندازی نے دہلی کی حکومت کو
اور شرمناکی کی حد تک پہنچا دیا تھا۔

خود دہلی کے مغل شہنشاہ محمد شاہ کا یہ حال تھا کہ افیون کثرت سے استعمال کرتا
ہروقت نشے کی سی حالت میں رہتا تھا۔ حد یہ ہے کہ جب کابل کے سابق حکمران
خان شکست کھا کر دارالسلطنت دہلی میں داخل ہوا اسی وقت ہی یہ فیصلہ کر لیا گیا
ہندوستان کی افواج کو احمد شاہ پر حملہ کر دینا چاہیے۔ طے یہ ہوا کہ دہلی کی
احمد شاہ کے خلاف تین دسمبر کو پیش قدمی شروع کردیں گی لیکن اس تاریخ کو
شاہی نے ذرا بھی نقل و حرکت نہیں کی بلکہ تاریخ بدل کر چودہ دسمبر کر دی گئی
اس تاریخ کو بھی کسی طرح کی نقل و حرکت عمل میں نہیں آئی۔ اس لئے کہ
ل نے کہیں یہ کہہ دیا تھا کہ اس موقع پر پیش قدمی منحوس ہو گی۔ اس طرح
افواج کے حرکت میں آنے میں تین ہفتے مزید گزر گئے۔ اس کے بعد مغل شہنشاہ
اہ کے سامنے اس کے مشیروں اور چاہنے والوں نے یہ تجویز رکھی کہ جب تک وہ
بہ نفس نفیس لشکر کی سالاری کے فرائض انجام نہیں دیں گے اس وقت تک یہ
پسند آرام طلب اور سست گام ہندوستانی سپاہی برق رفتار اور تیز طرار احمد شاہ
کے لشکر کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ لیکن بادشاہ سلامت بیمار پڑ گئے اور طبیبوں
یں نقل و حرکت کرنے سے منع کر دیا۔

یرت کی بات یہ ہے کہ مغل شہنشاہ محمد شاہ اس بات پر بھی تیار نہ ہوا کہ اپنے
بیٹے احمد کو اپنا قائم مقام بنا کر افواج کی سالاری سونپ دی جائے۔ آخر بڑے

صلاح و مشورے کے بعد کہن سالہ وزیر قمرالدین کو سپہ سالار مقرر کیا گیا ایک ب
لشکر مہیا کیا گیا۔ اودھ کے والی نواب منصور علی۔ جے پور کے راجہ ایشوری سنگ
الدین کے نائب مقرر کئے گئے۔ جہاں دیدہ ور کار آزمودہ افسران فوج کی خاص
ان کی اعانت پر مقرر کی گئی۔ اس کے علاوہ مغل شہنشاہ نے تقریباً ساٹھ لاکھ
جنگ کی تیاری کیلئے فراہم کیا اور سپہ سالار قمرالدین خان کو حکم دیا گیا کہ وہ لا
طرف پیش قدمی کرے اور احمد شاہ کو اس کے لشکر سمیت لاہور سے مار بھگائے۔

آٹھ جنوری 1748ء کو سپہ سالار قمرالدین نے فوج کی پیش قدمی کے لئے ر
حاصل کی یہ وہی دن ہے جب احمد شاہ ابدالی شاہدرہ پہنچ چکا تھا اور لاہور کے در
پر دستک دے رہا تھا۔ لیکن توپ خانے کی نقل وحرکت کے سلسلے میں قمرالدین
مزید چار پانچ روز بیٹھنا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی پنجاب اور سندھ کے زمیندارا
فوجداروں کو خطوط لکھ دیئے گئے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں لشکری قمرال
فراہم کریں۔

آخر خدا خدا کر کے قمرالدین کی سپہ سالاری میں ایک لشکر نے دہلی سے کو
ابھی یہ لشکر دہلی سے صرف سولہ میل کے فاصلے پر ترنیہ کے مقام پر پہنچا ہی
چونکا دینے والی خبر آئی کہ احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر قبضہ کر لیا ہے اور اب
فوج تیار کر کے ہندوستان کی افواج کو شکست دینے کے لئے وہ خود آگے بڑھ ر
لشکر کے سپہ سالار قمرالدین نے دہلی سے سولہ میل دور ترنیہ کے مقام پر ا
کا پڑاؤ کر لیا پھر اس نے شہنشاہ دہلی محمد شاہ کی خدمت میں استدعا کی کہ یہ :
وقت ہے اس وقت بگڑے ہوئے حالات صرف اس طرح سنبھل سکتے ہیں کہ
مملکت شہزادہ احمد کو فوج کے ساتھ رکھا جائے تا کہ لشکر کے حوصلے بلند رہیں
و ثبات میں فرق نہ آئے۔ آخر بڑی مشکل اور تگ و دو سے محمد شاہ نے یہ تجو
کر لی یوں شہزادہ احمد اتوار کے دن دہلی سے روانہ ہوا اوز اسی دن سونی پت
پر لشکر سے آن ملا۔

ایک بار پھر پیش قدمی شروع ہوئی پانی پت کے مقام پر فوج کو از سر نو ترتیب دیا
لیا اور اسے ہر اعتبار سے مسلح اور کیل کانٹے سے لیس کرنے کے بعد پھر تیزی کے
ماتھ سفر شروع ہوا منزل پر منزل مارتے ہوئے شاہی لشکر جب سرہند پہنچا تب پتہ چلا
لہ مغل شہنشاہ کی طرف سے سرہند کا گورنر علی محمد خان روہیلہ احمد شاہ ابدالی کے
توقع حملے سے خوفزدہ ہو کر سرہند چھوڑ کر بھاگ گیا ہے اور انولہ کے مقام پر جا کر
ں نے پناہ لے لی ہے۔ بہرحال ہندوستانی لشکر سرہند پہنچا اور شہر سے باہر پڑاؤ کیا۔
ں روز لشکر سرہند پہنچا اسی روز لشکر کا تمام سامان اور وزیر قمرالدین خان کا ذاتی
سازوسامان سرہند شہر کے قلعے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

لیکن سستی اور حیرت کی انتہا یہ کہ سارے سامان کی حفاظت اور دفاع کا کوئی
بندوبست نہیں کیا گیا۔ صرف ایک ہزار سواروں اور پیادوں کا دستہ ایک معمولی سے
خواجہ سرا کی سرکردگی میں سرہند کے قلعے میں رکھے جانے والے اس سامان کی حفاظت
پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو بھی دہلی کے لشکر کی اس پیش قدمی کی خبر ہو چکی
تھی لہٰذا وہ اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے لاہور سے سرہند کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

ہندوستانی لشکر کو چاہیے تھا کہ سرہند شہر سے لدھیانہ کی طرف آتی ہوئی شاہراہ پر
تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے دریائے ستلج کو عبور کرتا اس لئے کہ اس جگہ دریائے
ستلج کا پانی پایاب تھا لیکن نہ جانے کیوں ہندوستانی لشکر کے سالاروں نے یہ راستہ ترک
کر کے دوسرا راستہ اختیار کیا اور ان کی بدقسمتی کہ لدھیانہ ہی کا راستہ احمد شاہ ابدالی
نے اختیار کیا اور بڑی تیزی سے وہ سرہند کی طرف بڑھ گیا۔

ہندوستانی لشکر ابھی تک یہ سمجھے ہوئے تھا کہ احمد شاہ ابھی لاہور میں قیام کئے
وئے ہے اس لئے کہ انہوں نے جو اپنے جاسوس پھیلائے تھے۔ احمد شاہ نے اپنے
آدمیوں کے ذریعے ان کا خاتمہ کر دیا تھا لہٰذا اصل اور صحیح خبریں ہندوستانی لشکر کے
کمانڈار قمرالدین خان تک نہیں پہنچ رہی تھیں۔ قمرالدین کو یہ بھی خبر نہ تھی کہ لاہور

شہر جلہ خان کے حوالے کرنے کے بعد احمد شاہ سرہند کی طرف کوچ کر چکا ہے۔

سرہند میں اپنے خزانے اور سازوسامان کی حفاظت پر جو قمرالدین نے ایک چھ سا لشکر مقرر کیا تھا اس لشکر کو جب احمد شاہ ابدالی کے حملہ آور ہونے کی خبر ہوئی اس نے شہر سے باہر نکل کر احمد شاہ کا مقابلہ کرنے کی حماقت کی۔ احمد شاہ رجز خوا ہواؤں اور رات کی حشر سامانی کی طرح سرہند کے قریب آیا اور وقت کے سکون م سرسراتی ڈراتی بلائے ناگہاں، مصلحتوں کی پگھلی برف میں پر ہول وحشت اور دہش اور کلبلاتی سانپ کی طرح بل کھاتی سرکتی سرسراتی شب کی طرح ہندوستان کے ا لشکر پر حملہ آور ہوا۔ احمد شاہ رات کے دکھ کے ستاروں میں وقت کی تیرگی کا خوف اور ہولناکی کا اسم بن کر اس ہندوستانی لشکر پر ٹوٹا اور لمحوں کے اندر اس نے اس حالت لانہایت مسافت کی اسیری خوف بھری تاریکی اور روح کی سردتہوں اور دھند لپٹی سرما کی دوپہر جیسے گہرے سناٹے جیسی بنا کر رکھ دی تھی۔

یوں احمد شاہ نے سرہند شہر پر قبضہ کر لیا۔ شہر کا سارا خزانہ اور جملہ سازوسا اور مغل شہنشاہ کے وزیر اور سپہ سالار قمرالدین خاں کی خواتین حرم بھی احمد شاہ قبضے میں آ گئی تھیں۔ اس کے علاوہ شہر کے اندر جس کسی نے بھی احمد شاہ کے لشک مقابلہ کرنے کی کوشش کی ان کی گردنیں اڑا دی گئیں تھیں اور عورتیں باندیاں ب گئیں۔ اندرون و بیرون قلعہ بہت سے مکانات نذر آتش کر دیئے گئے اور ان کا مال زر و دیگر سامان لوٹ لیا گیا۔ اس طرح احمد شاہ نے سرہند شہر پر اپنا قبضہ مکمل کر تھا۔ شہر کے حالات اپنے حق میں درست کرنے کے بعد احمد شاہ نے وہ سارا ما غنیمت جو اسے سرہند شہر سے حاصل ہوا تھا لشکر کے چند دستوں کی زیرنگرانی لاہ بھجوا دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ سب سامان بحفاظت واپسی پر اسے لاہور سے جائے گا۔

سرہند شہر فتح کرنے کے بعد اور سرہند شہر سے باہر بادشاہی باغ میں قیام دوران احمد شاہ نے اپنی خوشیوں میں مزید اضافہ کیا۔ یہاں قیام کے دوران اس

اپنے بیٹے سلیمان کی شادی شاہ ولی خان کی بیٹی ہمامہ کے ساتھ کر دی تھی۔ دوسری طرف نادر آباد میں زیر تربیت عبداللہ کو ایک سال گزر چکا تھا۔ ایک سال بعد جب اس کا مقابلہ پہلے سے طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق زال بیگ پوپلزئی سے ہوا تو اس مقابلے میں زال بیگ پوپلزئی نے تیغ زنی کے مقابلے میں عبداللہ کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر لیا تھا جس کے نتیجے میں لوہے کی گرم سرخ مہر سے عبداللہ کی پنڈلی کو داغ دیا گیا تھا۔



ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار اور کمانداروں کو جب یہ خبر ہوئی کہ احمد شاہ لاہور سے نکل کر اچانک سرہند پہنچا اور سرہند شہر پر اس نے قبضہ کر لیا ہے تو ان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ احمد شاہ اس قدر برق رفتاری کے ساتھ خفیہ ہی خفیہ سرہند شہر کی طرف بڑھ کر اس پر قبضہ کر لے گا۔ ہندوستانی لشکر کی بدقسمتی کہ خبریں حاصل کرنے کے لئے جتنے بھی جاسوس ہرکارے اور طلایہ گر دستے خبریں پہنچانے کیلئے چاروں طرف پھیلائے گئے تھے احمد شاہ ابدالی کے حکم پر اس کے آدمیوں نے ان سارے ہرکاروں اور جاسوسوں کا صفایا کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر احمد شاہ ابدالی کے لاہور سے کوچ اور پھر سرہند شہر پر حملہ اور اس کی فتح کی خبریں ہندوستانی لشکر کے کمانداروں تک نہ پہنچ پائی تھیں۔

اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار قمرالدین نے اپنے کچھ آدمی سرہند شہر کی طرف روانہ کئے تاکہ جو خبریں لشکر میں پہنچی ہیں ان کی صداقت اور اصلیت کو معلوم کیا جائے۔ ان لوگوں کے ذریعے بہت جلد ہندوستانی کمانداروں کو معلوم ہوا کہ سرہند کی فتح کی خبریں افواہ نہ تھیں بلکہ وہ ایک امر واقعہ تھیں۔ اس پر مزید ستم یہ ہوا کہ احمد شاہ سے متعلق خبریں حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے سپہ سالار قمرالدین نے جو آدمی سرہند شہر کی طرف روانہ کئے تھے انہوں نے واپس آ کر قمرالدین کو یہ بھی اطلاع دی کہ احمد شاہ ابدالی سرہند شہر پر قبضہ کرنے

کے بعد اب دہلی کی طرف یلغار کرنے کی تیاریاں کر رہا ہے۔

سرہند شہر کا ہاتھ سے نکل جانا اور پھر احمد شاہ ابدالی کا دہلی کی طرف کوچ کر تیاریاں کرنا ایک ایسا حادثہ تھا جس نے ہندوستانی لشکریوں اور سپہ سالاروں کو سرا اور حیران و پریشان کر کے رکھ دیا تھا۔ انہیں خطرہ اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ کہیں لڑے ہی انہیں شکست سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ ہندوستان کے سپہ سالار قمرالدین مشیروں اور چھوٹے سپہ سالاروں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنے لش شیرازہ بندی کو منتشر نہ ہونے دیں۔ ان چھوٹے سالاروں نے قمرالدین کو یہ بھی مشو دیا کہ لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کے بجائے واپس مڑا جائے اور احمد شاہ ابدا کے لشکر کا تعاقب کر کے اسے سرہند شہر خالی کرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ سپہ سالا قمرالدین چاہتا تھا کہ ہندوستانی لشکر لاہور کی طرف پیش قدمی کرتا رہے اور لاہور م جو احمد شاہ ابدالی نے محافظ دستے مقرر کئے ہیں ان کا صفایا کر کے لاہور پر قبضہ کر جائے۔ لیکن اس کے سالاروں نے یہ خدشہ اور خطرہ ظاہر کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ لاہور کی طرف پیش قدمی کریں اور جب ہم لاہور کا محاصرہ کریں احمد شاہ ابدالی سر شہر سے لاہور پہنچ کر ہماری پشت پر حملہ آور نہ ہو جائے اور اگر ایسا ہو گیا تو اس طرفہ حملے سے ہندوستانی لشکر مکمل طور پر تباہ و برباد ہو جائے گا۔

اپنے چھوٹے سالاروں کی تجویز اور خدشوں کے تحت قمرالدین نے چند روز تک سوچ و بچار سے کام لیا۔ اس کے بعد اپنے سارے سپہ سالاروں سے مشورہ کرنے کے بعد آخر یہ فیصلہ ہوا کہ لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کے بجائے واپس سرہند کی طرف جانا چاہیے اور سرہند کو آزاد کرانے کے بعد احمد شاہ ابدالی کے ساتھ کسی میدان میں فیصلہ کن جنگ کر کے اسے ہندوستان سے نکال باہر کرنا چاہیے۔ اس مقصد کے تحت ہندوستانی لشکر واپس سرہند شہر کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

سرہند شہر پر احمد شاہ ابدالی کے قبضے اور دہلی کی طرف اس کے کوچ کرنے کی تیاریوں کی خبریں جب دارالحکومت دہلی پہنچیں تو شہر میں سخت اضطراب، پریشانی او

تشویش کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ انہیں چند ہی سال پہلے ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے ہاتھوں دہلی میں ہونے والی خونریزی اور خونخواری اور لوٹ مار یاد آ گئی تھی۔

انہیں خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ اگر احمد شاہ ابدالی دہلی پر حملہ آور ہوا تو جس طرح ایران کے حکمران نادر شاہ نے جو شہر کے اندر قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا تھا ایسے ہی ایک بار احمد شاہ ابدالی بھی کرے گا اور شہر کو خون میں نہلا کر رکھ دے گا۔ ان خطرات اور خدشات کے پیش نظر دہلی شہر کے اکثر لوگ اپنے اہل خانہ اور اپنے مال و متاع کو لے کر شہر سے راہ فرار اختیار کرنے لگے تھے۔ ان حالات میں مغل شہنشاہ محمد شاہ کو اس فرار عام کو روکنے کے لئے سخت اقدامات کرنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔

گو شہنشاہ محمد شاہ نے اپنے مشیروں اسحاق خان، غازی الدین، راجہ بخت سنگھ، راجہ ہمت سنگھ، سعد الدین خان اور خان خاناں کے علاوہ چند دوسرے حکام کو حکم دیا کہ دہلی سے باہر نکلنے والی جتنی چوکیاں ہیں ان سب پر سخت پہرہ بٹھا دیا جائے اور جو لوگ بھی شہر سے باہر نکل کر بھاگنے کی کوشش کریں انہیں واپس اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ کر دیا جائے اور اگر کوئی شہر سے بھاگنے پر بضد ہو تو بے شک اس کا سر قلم کر دیا جائے۔ یہ اقدام کرنے کے بعد شہر سے لوگوں کا فرار عام ایک طرح سے رک گیا تھا۔

ہندوستانی لشکر اپنے سپہ سالار اعلیٰ قمرالدین خاں اور اپنے شہزادے احمد کی سرکردگی میں بڑی تیزی سے سرہند کی طرف بڑھا تھا۔ سرہند سے دس میل کے فاصلے پر قصبہ مان پور کے قریب ہندوستانی لشکر نے پڑاؤ کیا۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو بھی ہندوستانی لشکر کی آمد کی اطلاع ہو چکی تھی اس لئے کہ اس کے طلایہ گر دستے اس کے جاسوس اور ہرکارے بڑی تیزی سے اپنے اطراف میں حرکت کر رہے تھے۔ احمد شاہ نے اپنے پڑاؤ کو سرہند شہر کے باہر اسی باغ

میں رہنے دیا جس میں اس نے قیام کر رکھا تھا۔ اپنے لشکر کے ساتھ وہ پانچ میل ا
بڑھا اور خیمہ زن ہوا۔ اب احمد شاہ ابدالی اور ہندوستانی لشکر کے درمیان پانچ میل
فاصلہ حائل تھا۔

پھر آہستہ آہستہ دونوں لشکروں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا چلا گیا اور دونوں لشکر
کی طرف سے ایک دوسرے پر توپوں سے گولے پھینکے جانے لگے۔ دونوں لشکروں
اندر چند دستے ایسے بھی تھے جو توڑے دار بندوقوں سے مسلح تھے۔ ورنہ زیادہ تر
دونوں لشکروں کی تلوار' تیر کمان اور نیزوں ہی سے مسلح تھی۔

ہندوستان کی مغل فوج کی پوزیشن کچھ زیادہ محفوظ اور بہتر نہیں تھی۔ اس لئے
قصبہ مان پور کے آس پاس جہاں آکر اس لشکر نے پڑاؤ کیا تھا اس کے قرب و جوار
تمام علاقہ خشک اور بے آب و گیا تھا اور جو دور دراز اکا دکا کنویں تھے وہ لشکر
ضرورت پوری کرنے کے لئے ناکافی تھے۔

اس کے برعکس احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی پوزیشن مغلوں کے لشکر کی پوزیشن
کہیں زیادہ بہتر' کہیں مضبوط اور مستحکم تھی۔ چونکہ احمد شاہ ابدالی اس سے پہلے
سرہند شہر پر قبضہ کر چکا تھا لہٰذا اس قبضے کے باعث نہ پانی کی تکلیف تھی اور نہ ا
اناج کی فراہمی میں کوئی دشواری تھی پانی بھی باافراط تھا اور اناج کی بھی بہتات تھی
لیکن اس کے باوجود احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں جس چیز کی کمی محسوس کی جا
تھی وہ توپ خانہ تھا۔ احمد شاہ کے پاس توپ خانہ نہ ہونے کے برابر تھا۔ صرف ا
بڑی اور بھاری توپ تھی باقی چند چھوٹی چھوٹی توپیں تھیں جو لاہور فتح کرنے کے
احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگی تھیں۔

اس کے برعکس مغلوں کے پاس صدہا توپیں اور بھاری اسلحہ تھا۔ چنانچہ احمد ش
درانی اپنی اس مجبوری کے باعث بڑے اور وسیع پیمانے پر مغلوں کے خلاف حملہ کر
کی طاقت اور سکت نہیں رکھتا تھا۔ تاہم اپنی اس کمی' اپنی اس کوتاہی کو پورا کر
کے لیے احمد شاہ نے ایک بہترین طریقہ اپنایا۔

اس نے چھوٹے چھوٹے دستے ادھر ادھر چھاپہ مارنے کے لئے مقرر کیے۔ تاکہ یہ
تلف دستے ہندوستانی لشکر پر مختلف سمتوں اور جہتوں سے اچانک حملہ آور ہو کر شب
ن مار کر انہیں نقصان پہنچائیں اور ان کے اندر افراتفری پیدا کرنے کی کوشش
ریں۔ تاکہ ہندوستانی لشکر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی طرف پیش قدمی کرنے کی
ائے صرف دفاع پر ہی مجبور رہے۔

اس کے علاوہ ایک اور وجہ سے بھی احمد شاہ ابدالی کو اپنے کامیاب اور فتح مند
نے کی امید تھی۔ اس لیے کہ ہندوستانی لشکر کے پاس رسد کا کوئی بندوبست نہ تھا۔
س پاس کے علاقوں سے ایک دانہ بھی انہیں پہنچ نہ سکتا تھا۔ کیونکہ ان علاقوں میں
یادہ تر افغانی آباد تھے۔ پانی کی کمی' اناج کی نایابی اور دوسری دشواریوں نے مغل سپہ
الار کو بڑی پریشانی کی حالت میں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔

ان حالات میں ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار قمرالدین اور شہزادہ احمد نے اپنے
ارے بڑے بڑے سرداروں اور سالاروں کی ایک مجلس طلب کی اور اس بات پر
ورہ ہونے لگا کہ دشمن سے کس طرح نپٹا جائے۔ جے پور کے راجہ ایشوری سنگھ
ر دوسرے کئی سرداروں نے مشورہ دیا کہ احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں سے
ٹنے کا یہی وقت ہے۔ بے دھڑک اور بے جھجک ہو کر ایک بڑا حملہ احمد شاہ ابدالی کے
کر پر کیا جائے اور یہ حملہ اس وقت تک جاری رہے جب تک احمد شاہ کے لشکر کو
ست نہیں ہوتی اور وہ ہندوستان کی سرزمین چھوڑ کر یہاں سے بھاگ نہیں جاتا۔
ن لشکر کے سپہ سالار قمرالدین خان اور ولی عہد شہزادہ احمد نے اپنے سرداروں اور
الاروں کی اس تجویز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

دراصل سپہ سالار قمرالدین اور ولی عہد شہزادہ احمد چاہتے تھے کہ جنگ کو ڈھیل
ی جائے۔ دشمن پر بڑے پیمانے پر حملہ نہ کیا جائے بلکہ جنگ کو طول دیا جائے اور
سے اتنا لمبا کر دیا جائے کہ افغانوں کو رسد اور کمک کہیں سے میسر نہ ہو اور وہ بھوکے
رنے پر مجبور ہو جائیں۔ اس کے علاوہ اس مجلس کے فیصلے کے بعد قمرالدین اور ولی

عہد شہزادہ احمد نے پٹیالہ کے راجہ آلہا سنگھ اور رائے کوٹ کے راجہ رائے کلہا کو
رفتار قاصد بھجوائے اور انہیں حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ احمد ش
ابدالی کے لشکر کے ان حصوں پر حملہ آور ہوں جہاں سے انہیں رسد اور کمک
سامان ملتا ہے۔ تاکہ جب احمد شاہ کے لشکر کی رسد منقطع ہو گی تو وہ جنگ کو مزید طو
دینے کی بجائے واپس قندھار کی طرف جانے پر مجبور ہو جائے گا۔

اس مقصد کے تحت ایک ہفتے تک کوئی بڑی لڑائی نہیں چھڑی۔ لیکن دوسر
طرف احمد شاہ ابدالی بھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا ہوا نہیں تھا۔ اس کے جاسوس او
طلایہ گر دستے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے اور وہ دشمن کے ایک ایک لمحے کی خبر ا
شاہ ابدالی تک پہنچا رہے تھے۔ اس کے علاوہ احمد شاہ کے طلایہ گر دستے اور قاصد
خبریں لے کر آتے وہ ان چھاپہ مار دستوں کے حوالے کر دیں جاتیں۔ ان ہی خبرو
اور اطلاعات کی روشنی میں یہ چھاپہ مار دستے مغلوں کے لشکر پر شب خون مارتے ا
ان کی رسد اور کمک کے سارے سامان لوٹ کر اپنے لشکر میں لے آتے جس کا نتی
یہ نکلا کہ احمد شاہ نے مغلوں کو اسی جال میں پھانس لیا جو مغل اس کے لیے تیار کر
چاہتے تھے۔

یہ درست ہے کہ پٹیالہ کے راجہ آلہا سنگھ اور رائے کوٹ کے راجہ رائے کلہ
نے قمرالدین خان اور مغلیہ شہزادہ احمد کا حکم ملنے کے بعد احمد شاہ کے چھاپہ مار دستو
پر شب خون مارنے شروع کر دیئے تھے چند مواقع پر دونوں راجاؤں نے احمد شاہ کے
رسد کے اونٹوں اور سامان پر قبضہ بھی کر لیا اور انہیں ہندوستانی لشکر کی چھاؤنی میں
پہنچا دیا۔ لیکن ان چھاپوں اور چھوٹے موٹے سامان سے نہ احمد شاہ کو کچھ زیادہ نقصان
برداشت کرنا پڑا اور دوسری طرف مغلوں کی فوج گران کیلئے یہ رسد کا سامان کوئی
زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے کہ اتنے بڑے لشکر کو بہت زیادہ سامان رسد کی
ضرورت تھی۔

احمد شاہ جنگ کو طول نہیں دینا چاہتا تھا اس لئے کہ اس کے پاس نہ توپ خانہ تھا

ں کے علاوہ ہندوستانی لشکر کی بہ نسبت اس کے لشکر کی تعداد بھی بہت تھوڑی تھی۔
ذا ان حالات میں اس نے فیصلہ کن جنگ کرنے کا عہد کر لیا۔ فیصلہ کن جنگ کی
بتدا کرنے سے پہلے احمد شاہ نے دو بڑے اقدام کئے۔

پہلا قدم یہ کہ احمد شاہ کے حکم پر اس کے لشکر کے دو آدمی ہندوستانی لشکر میں
اخل ہوئے اور سپہ سالار قمرالدین خان سے باریاب ہونے کی درخواست کی۔ جب
نہیں قمرالدین کے سامنے پیش کیا گیا تو انہوں نے قمرالدین کو یقین دلایا کہ وہ لاہور
ے پرانے گورنر ذکریا خان کے پرانے جانثاروں اور وفاداروں میں ہیں اور انہیں جبراً
حمد شاہ ابدالی نے اپنی فوج میں بھرتی کر لیا ہے۔

احمد شاہ کے ان دونوں جاسوسوں نے ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار قمرالدین کو یقین
لایا کہ ان کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں اور بے شمار ساتھی بھی ہیں اور یہ کہ
ہ اپنے سارے ساتھیوں کے ساتھ ہندوستانی لشکر میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ قمرالدین
لی حماقت کہ اس نے ان دونوں جاسوسوں کی اس داستان پر اعتماد کر لیا۔ ان دونوں
اسوسوں کے ساتھ اس نے مہربانی کا برتاؤ اور سلوک کیا اور داروغہ کو حکم دیا کہ لشکر
ی فہرست میں ان دونوں کے نام درج کر لئے جائیں اور دونوں کو سو سو روپیہ بطور
عام دیا جائے۔ اس طرح احمد شاہ ابدالی کے ان دونوں جاسوسوں نے چند یوم تک
دوستانی لشکر کے اندر قیام کیا۔ ضروری معلومات اور اطلاعات حاصل کیں اور پھر یہ
یک رات چوری چھپے ہندوستانی لشکر سے واپس احمد شاہ ابدالی کے پاس چلے گئے اور
صل کردہ معلومات اور اطلاعات احمد شاہ ابدالی کو فراہم کر دیں۔

دوسرا قدم جنگ شروع کرنے سے پہلے احمد شاہ نے یہ کیا کہ اس نے اپنے چند
دمی ایک اونٹ پھلوں سے لاد کر شہزادہ احمد کی طرف بھیجا ساتھ ہی ایک خط بھی احمد
اہ نے ہندوستان کے ولی عہد شہزادہ احمد کی طرف روانہ کیا تھا اور اس خط میں اس
نا کا اظہار کیا تھا کہ اگر کابل اور ٹھٹھہ نادر شاہ کی طرح احمد شاہ کے حوالے کر دیئے
ئیں تو وہ ہندوستان کی سرزمین سے نکل کر واپس قندھار کی طرف کوچ کر جائے گا۔

جب یہ پھلوں سے لدا ہوا اونٹ اور اس کے ساتھ جانے والے احمد شاہ کے جاسوس ولی عہد شہزادہ احمد کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان جاسوسوں اور سے لدے ہوئے اونٹ کو ولی عہد نے سپہ سالار اور وزیر قمرالدین کی طرف روا دیا۔

یہ جاسوس پھلوں سے لدے ہوئے اونٹ کے ساتھ قمرالدین کی خدمت میں ہوئے۔ پھلوں کے اونٹ کے ساتھ آنے والے احمد شاہ ابدالی کے جو جاسوس تھے کا سربراہ مہندی قلی خان تھا جو عہدے کے لحاظ سے توپچی باشی تھا اور احمد شا توپ خانے کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس مہندی قلی خان نے تفصیل کے ساتھ قمرالدین سے ملاقات اور گفتگو کی۔ قمرالدین خان کے خیمے سے واپس جاتے ہوئے اس م قلی خان توپچی باشی نے قدموں سے شمار کرتے ہوئے قمرالدین کے خیمے اور اپنے تک کے فاصلے کو ناپ لیا تاکہ اسی فاصلے کے مطابق ہندوستانی لشکر پر توپ سے باری کی جا سکے۔

ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار قمرالدین خان کو جب خبر ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی ف کن جنگ کرنے کے لئے تیاری کر رہا ہے تو وہ بھی پوری قوت کے ساتھ یکبارگی آور ہونے پر آمادہ ہو گیا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے قمرالدین نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم پہلے حصے کا کمانڈار قمرالدین نے اپنے بیٹے میر معین الدین خان کو بنایا۔ جو تار میر منوں کے نام سے مشہور ہے۔ دوسرے حصے کا کمانڈار منصور خان کو رکھا گیا۔ حصہ ولی عہد شہزادہ احمد کی سرکردگی میں دیا گیا چوتھا حصہ جے پور کے راجہ ایشو سنگھ کے ماتحت کیا گیا تھا اور پانچویں حصے کا کمانڈار کابل کے سابق گورنر نصیر خان بنایا گیا تھا۔

جمعہ کے روز صبح آٹھ بجے کے قریب احمد شاہ نے عام حملے کا حکم دیا۔ حملے ابتدا اس اکلوتی اور بڑی توپ سے گولہ داغنے سے کی گئی تھی جو احمد شاہ کے پا

تھی۔ چونکہ احمد شاہ کے جاسوس اپنے لشکر اور ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار قمرالدین خان کے خیمے کے درمیان فاصلہ پہلے ہی ناپ چکے تھے لہٰذا اس توپ سے داغہ جانے والا پہلا ہی گولہ وزیر قمرالدین کے خیمے میں جا کر گرا، گولہ پہلے زمین پر گرا پھر اچھلا اور قمرالدین کو زخمی کرتا ہوا چلا گیا۔ جس سے قمرالدین جان بحق ہو گیا۔ قمرالدین کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے میر منوں کو لشکر کی سپہ سالاری سونپ دی گئی تھی۔

باپ کی موت کا حادثہ میر منوں کے لئے ایک بہت بڑا اور دلگداز سانحہ تھا۔ لیکن میر منوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اپنے حواس پر قابو رکھا۔ بڑی ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میر منوں نے اپنے باپ قمرالدین کو ان ہی خون آلود کپڑوں میں اس کے خیمے کے اندر دفن کر دیا اور زمین اس طرح ہموار کر دی کہ اس کی قبر کا نشان تک نہ رہا۔

اس کے بعد میر منوں اپنے باپ قمرالدین خان کے ہاتھی پر سوار ہوا اور بڑے نظم اور بڑے ضبط اور بڑے صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نے لشکر کے اندر جنگ کے طبل اور نقارے بجا دینے کا حکم دے دیا تھا۔ میر منوں کے باپ قمرالدین کے غم انگیز سانحہ موت کی خبر ولی عہد شہزادہ احمد، منصور خان، سعادت خان اور سابق والی کابل نصیر خان کے علاوہ اور کسی کو نہ ہونے دی گئی تھی۔ مشہور یہ کر دیا گیا تھا کہ سپہ سالار قمرالدین کی طبیعت ناساز ہے لہٰذا انہوں نے اپنی طرف سے اپنے بیٹے اور فرزند میر منوں کو لشکر کی سپہ سالاری کرنے اور جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا ہے۔

اپنے باپ کی تدفین کے بعد اور اپنے جنگی ہاتھی پر سوار ہونے کے بعد میر منوں نے اپنے لشکر کے سارے چھوٹے بڑے سالاروں کو ایک جگہ جمع کیا پھر وہ انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

"جو میرے ساتھ جنگ میں شریک ہونا چاہتا ہے میں اسے خوش آمدید کہتا ہوں اور جو جنگ میں حصہ نہیں لینا چاہتا وہ اپنے خیمے میں بصد شوق واپس جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ میرے خیال کے مطابق جنگ کے دوران پیٹھ پھیرنا ہمارے لئے انتہائی تباہ

کن اور دشوار کن ثابت ہو سکتا ہے۔ جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے تو جب تک میرے تن میں جان ہے میں انشاء اللہ میدان جنگ سے قدم نہیں ہٹاؤں گا۔"

اپنی اس تقریر کے بعد میر منوں نے اپنے لشکر کو احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دے دیا تھا۔ حملہ آور ہوتے وقت اپنے لشکر کے میمنہ کی کمانداری میر منوں نے منصور خان کے سپرد کر دی تھی۔ لشکر کے میسرہ میں جے پور کا راجہ ایشوری سنگھ کمانداری کر رہا تھا اور جو حصہ نصیر خان سابق گورنر کابل کے حصہ میں آیا تھا اسے لشکر کے عقب کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ جبکہ لشکر کا وہ حصہ جو ولی عہد شہزادہ احمد کی کمانداری میں تھا اسے قلب کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ خود میر منوں اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ چاروں طرف نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ تاکہ جس طرف بھی اس کے لشکر میں کمزوری پیدا ہو وہ وہاں بروقت پہنچ کر ضرب لگا سکے۔

حملے کی ابتدا خود میر منوں نے شجاعت کا پیکر بن کر کی تھی۔ دونوں لشکر جب آپس میں ٹکرائے تو ایسا سماں اٹھ کھڑا ہوا جیسے تہذیب کے گونگے اجسام میں دھوپ کی منڈیروں پر ایک قرض مسلسل کی دھن گونج اٹھی ہو یا یہ کہ روز و شب کے زخموں میں بے حسی کا مرہم جوش مارنے لگا ہو اور گردش کے مقیاس میں ویران شاہراہوں کی سانسوں کی سلوٹ سلوٹ میں آتے جاتے لمحوں کو رگیدتی لمحہ بہ لمحہ تھکتی آوازوں کا ایک کہرام کھڑا کر دیا گیا ہو۔

میر منوں احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر کچھ اس طرح حملہ آور ہوا جیسے بے حال بستی میں اندھیروں کے دیوزاد ٹوٹے آبگینوں میں پرپیچ تخیلات کو سرنگوں کرتی درد کی نئی سوغاتیں داخل ہوتی ہیں۔ میر منوں کو ایک تو سپہ سالار بننے کی ذمہ داریوں کا احساس تھا دوسرے اس کے باپ کی موت نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے خلاف اور زیادہ خونخوار بنا دیا تھا۔ لہٰذا وہ سر پر کفن باندھ کر ایسی بے جگری سے حملہ آور ہوا جیسے وقت کی راہ سکے پراذیت سفر میں ساعتیں موت کا زاد سفر لے کر اٹھی ہوں۔ یا یہ کہ ٹوٹے بکھرے اجڑے لوگوں میں بارودی ہواؤں کی سانسیں گھٹنے لگی ہوں۔ میر منوں

ے اس حملے سے میدان جنگ یتیمی کی اندھیری وادیوں، موت کی بیکراں گھاٹیوں کا نظر پیش کرنے لگا تھا۔

میر منون نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ وہ احمد شاہ کے لشکر میں دور ل گھس کر اس کے لشکریوں کا قتل عام کر سکے لیکن ایسا ممکن نہ ہوا اس لئے کہ میر نون کا حملہ روکنے کے لئے اس کے سامنے خود احمد شاہ ابدالی تھا۔ میر منون جب احمد ناہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو جواب میں احمد شاہ ابدالی نے بھی کمال جرات و رفروشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جوابی حملہ کیا تھا۔ میر منون کے لشکر پر وہ کچھ اس طرح ٹا تھا جیسے نفس پرستی کے طوفان میں ظلمت کی گھٹائیں اور کاسہ بحر میں وقت کے زین طوفان امڈ آتے ہیں یا یہ کہ صفحہ قرطاس پر چلتا قلم نغمہ پرسوز کی ادھوری یروں کی تکمیل کرتا ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے کمانداری اور سرکردگی میں اس کے لشکری اپنی رگوں میں مرت گھولتے ہوئے ہندوستان کے لشکر پر حملہ آور ہوتے ہوئے راز صداقت کو عیاں ر خزاں میں دفن سپنوں کو نازک ترین احساسات سے مرصع کرنے لگے تھے۔ احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں کے جوابی حملے سے میدان جنگ بری طرح گونج اٹھا تھا۔ کچھ اس انداز میں جیسے سہمے کے زرد صحرا کی کوکھ میں اجنبی قدموں کی چاپوں کا لوفان اور مقصد کی لکیروں کا جوش اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کی سرکردگی، کمانداری اور رہبری اور رہنمائی میں اس کے لشکری ہذیب کے حروف، علامات کمال، بے صد افغان بھک سے اڑا دینے والے بارود، اور حشی خوابوں میں راکھ کے انبار اڑانے والے طیور کی طرح گھسنے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدان جنگ کچھ اس طرح شکل و صورت اختیار رگیا تھا جیسے تشنگی کے نام سے نا آشنا صحراؤں میں ابد کے سائے ایک زندہ حقیقت ا کر نمودار ہونے لگے ہوں۔ دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے انسانی جانیں یوں ضائع

ہونے لگی تھیں جیسے خوفناک خوشبو کی تحریر دن کی طرح وقت کی سنہری جھیل
اڑنے والے اور فردوس ساعت نغمات بکھیرنے والے رنگین پرندے گفتنی ناگفتنی
تیروں پچھلے برسوں کی یادوں' دندناتی ہواؤں اور اولوں کی بوچھاڑ کا شکار ہو کر زمین
اپنے مردہ جسموں کا جال پھیلانے لگ گئے ہوں۔

دونوں لشکر اس جوش' اس غضبناکی کے ساتھ ایک دوسرے پر حملہ آور ہو
تھے کہ کوئی بھی مخالف سمت میں گھس کر آگے بڑھنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ م
منوں نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ وہ دشمن کے اندر گھس کر قتل عا
کرے لیکن احمد شاہ ابدالی نے کمال جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میر منون
حملوں کو روکتے ہوئے جوابی حملے کئے تھے۔ دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے بھی ا
طرف سے پوری کوشش کی تھی کہ میر منون کے لشکر میں گھس جائے لیکن میر منو
نے بھی اسے ایسا کرنے کی اجازت نہ دی تھی اور نیز منون نے بھی بڑی جرات مند
کا مظاہرہ کرتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے جارحانہ حملوں کو روک دیا تھا۔ اس طر
دونوں لشکر بڑی دلیری سرفروشی اور جاں نثاری کے ساتھ ایک دوسرے کو زیر و مغلو
کرنے کی کوششوں میں لگ گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی کے میسرہ کی کمانداری اس کا وزیر شاہ ولی خان کر رہا تھا۔ لشکر
اس حصے پر ہندوستانی لشکر کی طرف سے راجپوت حملہ آور ہوئے۔ ان راجپوتوں
کمانداری راجہ ایشوری سنگھ والی جے پور کر رہا تھا۔ جنگ میں حصہ لینے کے لئے
راجپوت کیسری رنگ کا لباس پہنے ہوئے تھے۔ وہ جنگ میں اس عزم اور حوصلے ا
اس ارادے کے ساتھ اترے کہ یا تو احمد شاہ ابدالی کے خلاف فتح حاصل کریں گے
جان دیدیں گے۔

ہندوستان کے راجپوت جو اپنے آپ کو تلوار کے دھنی سمجھتے تھے انہیں ا
شمشیر زنی۔ اپنی تیغ زنی پر بڑا بھروسہ' بڑا گھمنڈ' بڑا مان تھا۔ وہ اس عزم کے ساتھ
ولی خان کے لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے کہ پہلے ہی حملے میں شاہ ولی اور اس کے

کے حصے کو پچھاڑ کر رکھ دیں گے۔

جے پور کے راجہ ایشوری سنگھ کی کمانداری میں وحشیانہ انداز میں نعرے بلند
کرتے ہوئے راجپوت شاہ ولی خان کے لشکر کے اس حصے پر اس طرح حملہ آور ہوئے
تھے جیسے آگہی کے زعم میں رقصاں خاموشیوں میں جرائم کی یادداشتوں کا کہرام ساکت
منجمد زمین پر اندھیرے کی بھاری تہوں کا نزول ہونا شروع ہوا ہو یا رقصاں فضاؤں میں
گرم سانسوں کی ردا پھیل بکھر گئی ہو۔ جے پور کے راجہ ایشوری سنگھ کی کمانداری میں
راجپوت اس انداز میں آگے بڑھے تھے جیسے شیشے کے دریچوں میں مچلتا کہر چھانے لگا
ہو۔ جیسے سحر شکن طلسمات زمستاں پھیلنے لگی ہو یا دکھ کے کہساروں میں سوچوں کے
مچلتے دھاروں کا ایک سلسلہ کھڑا ہو گیا ہو۔

لیکن ہندوستان کے راجپوت جو اپنے آپ کو دنیا بھر کی دلیر اور سرفروش قوم
خیال کرتے تھے یہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا پالا ان افغانوں سے ہے جو زمین کو اس
کے کمربند سے پکڑ کر ہلا دینے کی جرات اور ہمت رکھتے تھے۔ راجپوتوں نے اپنی طرف
سے پوری طاقت صرف کی' پورا جوش پورا جذبہ دکھایا۔ اپنی فنکارانہ اور ماہرانہ تیغ
زنی کا مظاہرہ کیا لیکن وہ ذرہ برابر بھی شاہ ولی خان اور اس کے لشکریوں کو پیچھے ہٹانے
ں کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ شاہ ولی خان کے لشکریوں سے ٹکرانے کے بعد راجپوت
ں محسوس کر رہے تھے گویا شاہ ولی خان اور اس کے لشکریوں نے اپنے سروں پر
نے کا آسمان تان لیا ہو اور پاؤں تلے لوہے کی زمین بچھالی ہو۔ تھوڑی دیر تک شاہ
ا خان بڑے صبر بڑے تحمل اور بڑے حوصلے کے ساتھ راجپوتوں کے حملے کو روکتا
ا۔ پھر اپنی صفیں درست' تنظیم استوار کرنے کے بعد اس نے جوابی حملہ کیا اور یہ
ابی حملہ اس طرز اور اس نوع کا تھا جیسے لہو کی ساری رگوں کو کاٹ دینے والے
ابوں کے مسافروں' برگ دبار کی تقدیر میں جدائی کے زخم ثبت کرنے والے طوفانوں
نے حرکت کی ہو اور ہر شے پر چھا جانے کا عزم کر لیا ہو۔ بالکل اسی طرح شاہ ولی
ن کی سرکردگی میں اس کے لشکری حرکت میں آئے اور راز حیات اور خاک صحرا

چھانتے لمحوں کی طرح وہ حملہ آور ہوئے اور راجپوتوں پر وہ غمگین شاموں اور ا
صبحوں کی طرح بڑی تیزی سے چھانے لگے تھے۔

شاہ ولی خان نے اپنے لشکر کے ساتھ جب راجپوتوں پر جوابی حملہ کیا تو راجپو
کو دن کے وقت تارے دکھائی دینے لگے۔ بہت جلد شاہ ولی خان نے راجپوتوں کو
آپ دکھانا شروع کیا۔ ان کی اگلی صفوں کی نہ صرف ترتیب شاہ ولی خان نے بکھیر
رکھ دی بلکہ ان میں سے اکثر کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اپنی اگلی صفوں کا ر
ہوتے دیکھ کر پچھلی صفوں کے راجپوت بدحواسی اور افراتفری کا شکار ہونے لگے
اور اب شاہ ولی خان کے لشکر کے سامنے ان کی حالت بالکل ایسی ہی تھی جیسے لفظ
معانی کے درمیان چھائی بے بسی اور لاچارگی' جیسے ان خاکوں جیسی مایوس کن حالت
پورے نہ ہو سکے ہوں۔ شاہ ولی خان نے راجپوتوں کو دکھ اور ملول کے حیرت کد
اور بیکراں اندیشہ ہائے شب کے دوراہے پر لا کھڑا کیا تھا۔ راجپوتوں کی حالت اب
ولی خان کے لشکریوں کے سامنے انگارہ جذبوں اور دل کی رہگذر پر نقش پیار
شدتوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

شاہ ولی خان اور اس کے لشکریوں کے عجیب و غریب انداز جنگ نے جے پور
راجہ ایشوری سنگھ کی کمانداری میں لڑنے والے راجپوتوں کے اعصاب کو خستہ
مضمحل ان کے دلوں کو شکستہ اور ان کی روحوں کو لخت لخت کر کے رکھ دیا ا
راجپوت جو ہندوستان کی تاریخ میں صدیوں سے اپنے مخصوص طرز جنگ میں مہار
کی بنا پر امتیازی خاص کے حامل رہے چلے آ رہے تھے۔ شاہ ولی خان اور اس
لشکریوں کے سامنے مکمل طور پر ناکام رہے تھے۔ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد
ولی خان نے اپنے لشکر کے ساتھ راجپوتوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

شاہ ولی خان نے محسوس کر لیا تھا کہ تھوڑی دیر تک اگر مزید راجپوتوں پ
ڈالا گیا تو وہ میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوں گے۔ لہٰذا شاہ ولی خان نے اپنے ح
میں اور زیادہ تیزی پیدا کر دی۔ اس نئے اور پرجوش حملے کی وجہ سے راجپوتوں

لشکر کے اگلے حصے میں ان کے مرنے والے ساتھیوں کی لاشیں ہی لاشیں بکھر گئی
تھیں۔

اپنے ہزاروں سپاہیوں کی لاشیں میدان میں بکھری دیکھ کر جے پور کا راجہ
ایشوری سنگھ اپنے حواس کھو بیٹھا تھا۔ جب اس نے لحظہ بہ لحظہ اپنے لشکر کے قتل عام
میں اضافہ ہوتے دیکھا تو اسے اپنی سلامتی اسی میں نظر آئی کہ راہ فرار اختیار کر کے
اپنی اور اپنے بچنے والے سپاہیوں کی جانیں بچائے۔

لہٰذا وہ راجپوت جو کیسری اور زعفرانی لباس پہن کر مارنے مرنے یا فتح حاصل
کرنے یا جان دینے کا عہد محکم اور پختہ ارادہ لیکر میدان جنگ میں اترے تھے اور
نہیں اپنے تیور اور اپنی دلیری' اپنی شجاعت' اپنی سرفروشی پر فخر تھا اس وقت وہ اپنے
اپ کو شاہ ولی خان کے لشکر کے سامنے انتہائی سراسیمگی' بدحواسی اور لاچارگی کے عالم
یں پا رہے تھے۔ لہٰذا تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد جے پور کا راجہ ایشوری سنگھ
پنے بچے کھچے لشکر کو لیکر شاہ ولی خان کے لشکر کے سامنے سے بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

راجپوتوں کی سراسیمگی' دہشت زدگی' ان کی لاچارگی اور بے بسی کا اندازہ اس
ے بھی ہو سکتا ہے کہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا کرنے کے لئے اور تیزی سے بھاگنے کے
لئے انہوں نے اپنا بہت سا سامان جنگ یا تو قریبی کنوؤں میں پھینک دیا یا اسے آگ لگا
رختم کر دیا تاکہ وہ اپنا سامان ہلکا کر کے زیادہ تیزی سے بھاگ سکیں۔

شاہ ولی خان کے ہاتھوں راجپوتوں کا صفایا ہوتے دیکھ کر احمد شاہ ابدالی بے حد
ش ہوا تھا۔ لہٰذا اس نے شاہ ولی خان کو اپنے ساتھ ملایا اور پھر اپنی اس متحدہ طاقت
کے ساتھ اس نے میرمنوں پر ضربیں لگانی شروع کیں تاکہ کسی نہ کسی طرح میرمنوں
پسپا ہونے پر مجبور کر دیا جائے۔ دوسری طرف ولی عہد شہزادہ احمد بھی اپنے قلب
رکو لیکر میرمنوں کے ساتھ آ ملا تھا۔ اس طرح جہاں شاہ ولی خان کے ملنے سے احمد
کی طاقت اور قوت میں اضافہ ہوا تھا وہاں میرمنوں کے ساتھ ولی عہد شہزادہ احمد
قلب لشکر کے ساتھ ملنے سے میرمنوں کی طاقت اور قوت میں بھی خاصہ اضافہ ہو

گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے جب دیکھا کہ اس کے مقابلے میں میر منوں کی طاقت قوت میں خاصہ اضافہ ہو گیا ہے تو اس نے اپنے میمنہ کے کماندار اور اپنے لشکر سپہ سالار جہان خان اور جہان خان کے پہلو میں لشکر کے ایک حصے کے ساتھ جنگ مصروف امیر سرنگ برخوردار کو بھی اپنی طرف طلب کر لیا تھا۔ اب احمد شاہ نے اپنے سارے لشکر کو ایک جگہ جمع کر لیا وہ چاہتا تھا کہ اپنی پوری قوت کے میر منوں پر ایسی ضرب لگائے کہ میر منوں میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر مجبو جائے۔ اس لئے کو میر منوں کے بھاگنے سے ہی احمد شاہ ابدالی کی فتح کا دروازہ اور کھل سکتا تھا۔

اپنی ساری عسکری طاقت اور جنگی قوت کو یکجا کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی منوں کے لشکر پر ظلم کی تطہیر کرتے لمحوں، محرومیت کی رازدان مشیت، خاک چھانتے گراوز، شب کے استراحت کے سلسلوں میں سلگتی روح کا غم اور دھڑکتے د درد بن کر حملہ آور ہوا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کا یہ حملہ ایسا خوفناک اور ایسا زبردست تھا کہ اس حملے نے منوں کے لشکر کی صفوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ میر منوں نے پوری دلیری اور حوصلے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی اس نئی یلغار اور حملے کو روکا۔ زبردست جنگ ہوئی اور طر کے بے شمار آدمی زخمی اور ہلاک ہوئے۔ دونوں طرف کے بہت سے چھوٹے سا بھی اس جنگ میں کام آ گئے تھے۔ انجام کار احمد شاہ ابدالی کا پلہ بھاری ہوتا دکھائی یہاں تک کہ میر منوں کے لشکر کی اکثر صفوں کی تنظیم درہم برہم ہو کر رہ گئی تھ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میر منوں کے لشکر میں ایک طرح کی بدحواسی اور افراتفری بپا گئی تھی۔ پھر مزید ابتری یہ ہوئی کہ ان صفوں کے سپاہی جنگ سے جی چراتے ہو بھاگ کھڑے ہوئے اور پھر بھاگ کھڑے ہونے والوں کی تعداد میں لحہ بہ لحہ اضا ہونا شروع ہو گیا۔ ان بھاگنے والوں کا رخ دہلی کی طرف تھا۔ لیکن میر منوں جنگ

تا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے میدان جنگ کو چھوڑا تو اس کے مقدر اس کی تقدیر بں شکست کی سیاہی لکھ دی جائے گی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر اس میدان میں ایک ر بھی اگر ہندوستانی لشکر کو شکست ہو گئی تو پھر دہلی تک کوئی قوت احمد شاہ ابدالی کی نار اور ترک تاز کا راستہ نہ روک سکے گی۔ لہٰذا میر منوں اپنے لشکر کے بچے کھچے ے کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی بھرپور قوت کا مقابلہ کرتا رہا۔

میر منوں کی خوش قسمتی کہ اس دوران ایک کمک پہنچ گئی۔ لشکر کا وہ حصہ جو بل کے سابق حکمران نصیر خان کی سرکردگی میں تھا وہ بھی میر منوں سے آ ملا اس کے اوہ میر منوں کے لشکر کے کئی حصے بھی اس کے ساتھ آ ملے۔ لہٰذا میر منوں کی طاقت ر قوت میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہو گیا تھا۔

اب دونوں لشکر ایک دوسرے کے آمنے سامنے زبردست جنگ کرنے لگے تھے۔ ی ہولناک اور خون ریز جنگ تھی۔ دونوں طرف سے توپ خانے کے ذریعے آتش زی ہو رہی تھی نیز تیروں کی بوچھاڑیں بارش کی طرح گر رہی تھیں۔ سر کٹ رہے ے، دھڑ گر رہے تھے۔ چاروں طرف موت اور مرگ کا بازار گرم تھا۔ ہر طرف خموں کی کراہیں آسماں کو سر پر اٹھائے ہوئے تھیں۔ لگتا تھا میدان جنگ میں قیامت ساں برپا ہو کر رہ گیا ہو۔

اس زبردست جنگ میں میر منوں نے کمال شجاعت اور دلیری کا مظاہرہ کیا۔ وہ ں قدر تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ دشمن پر تیر اندازی کر رہا تھا کہ بار بار اس ترکش خالی ہوتا اور بار بار وہ تیروں سے بھرا ہوا ترکش طلب کرتا تھا۔ اس نے اپنی رف بڑھنے والے احمد شاہ ابدالی کے کئی سپاہیوں کا سینہ چھید کر رکھ دیا تھا۔ بہرحال ر منوں ہر طرف سے بے پروا ہو کر پورے عزم اور ثبات کے ساتھ جنگ میں مروف تھا۔ شاید باپ کی موت نے اسے دیوانہ وار جنگ کرنے پر اکسا رکھا تھا۔

اس جنگ کی ہولناکی اور شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاید ا کوئی سالار ایسا ہو جو جنگ میں زخمی نہ ہوا ہو۔ میر منوں خود بھی بری طرح زخمی ہوا

تھا۔ اس کا بھائی فخر الدین بھی کئی زخم کھا چکا تھا۔ ادینہ بیگ جو جالندھر دو آبہ فوجدار تھا اسے دو خاصے بڑے زخم آئے تھے۔ اس کے علاوہ کئی دوسرے چھو بڑے سالار بھی جنگ میں بری طرح زخمی ہوئے تھے۔

جنگ کے اس نازک ترین مرحلے میں قریب تھا کہ احمد شاہ ابدالی کا لشکر ہندو لشکر پر پوری طرح غالب ہو کر اس کا مکمل صفایا کر دے کہ چھوٹے سے ایک حاد سے جنگ کا پانسہ احمد شاہ ابدالی کے خلاف پلٹ کر رکھ دیا۔ وہ اس طرح کہ جس وق میر منوں اور اس کے سالاروں کے ساتھ احمد شاہ کے پورے لشکر کی جنگ اپ زوروں پر تھی۔ منصور خان جو ابھی تک جنگ میں حصہ نہیں لے پا رہا تھا اور محفو دستوں کے طور پر اپنے لشکر کو لئے منتظر تھا جنگ میں کود پڑا۔ منصور خان کے لشکر م زیادہ تعداد ان ایرانیوں کی تھی جو نادر شاہ کے دور میں ہندوستان میں آباد ہو گئے ت اور یہ لوگ جنگ کا وسیع اور بڑا گہرا تجربہ رکھتے تھے۔

منصور خان نے جب دیکھا کہ جنگ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو گئی ہے تو اپنے ہاتھی پر سوار ہوا اور اپنے لشکر کو اس نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے میسرہ حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ احمد شاہ ابدالی کے میسرہ پاس جا کر جنگجو ایرانی اپنے گھوڑو سے اتر پڑے اور پاپیادہ ہو کر احمد شاہ کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ اسے ایرانیوں کی خوش قسمتی احمد شاہ ابدالی کے سپاہیوں کی بدبختی کہئے کہ اپنے پہلے ہی حملے میں ایرانیوں ن احمد شاہ کے اس حصے کو ہلا کر رکھ دیا ایرانیوں نے احمد شاہ کے لشکریوں کو پیچھے دھکیل ہوئے بہت سے اونٹوں پر بھی قبضہ کر لیا اور پھر ایسا زور دار حملہ کیا کہ احمد شاہ ک لشکر کے میسرہ کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ اپنے لشکر کے دوسرے حصے کی طرف بھاگ کھڑا ہوا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ نے لشکر کا ایک اور حصہ میسرہ کی مدد ک لئے بھجوایا تاکہ اونٹوں کا وہ قافلہ جس پر ایرانیوں نے قبضہ کیا ہے وہ واپس لیا جا لیکن جواب میں ایرانی بھی اس قدر بے چینی اور اس قدر جانبازی سے حملہ آور ہو

کہ جس طرف بھی وہ رخ کرتے لاشوں کے انبار لگاتے چلے گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا دوسرا حصہ بھی ایرانیوں سے مقابلے میں ناکام اور نامراد رہا۔ اسے بھی پسپا ہونا پڑا اور پسپائی اختیار کرتے وقت اپنے پیچھے ان گنت ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ گئے تھے۔

دوسری طرف میر منوں اور دوسرے سالاروں نے جب دیکھا کہ منصور علی خان نے احمد شاہ ابدالی کے میسرہ پر ضرب لگا کر اسے پسپا ہونے پر مجبور کر دیا ہے اور یہ کہ احمد شاہ اپنے لشکر کے دوسرے حصوں سے اپنے میسرہ کی مدد کرنے پر تلا ہوا تو وہ انہوں نے اپنے حملوں میں زیادہ تیزی اور تندی پیدا کر دی تھی۔ دوسری طرف احمد شاہ ابدالی بھی برسنے والے بادلوں کی طرح ہر شے پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔ ہر طرف شور و غوغا بلند تھا جنگ اپنے عروج کی طرف آ رہی تھی لگتا تھا تنہائیاں اور تشکیک کی لا یعنیت، جدلیت و انقلاب، معاشرہ اور سماجی عمل، مذہب و اخلاق کی قدریں خوف و معروضیت، حق و سچائی، آزادی اور غلامی، جنگ و امن، ظلم و انصاف، مادیت اور سامراجی تسلط، ماورائے حقیقت صداقتیں، مفاد و حرص میں مبتلا خواہشیں، سازشیں ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو گئی ہوں۔

میدان جنگ میں مرنے اور زخمی ہونے والوں کی چیخیں گرد و غبار، بہتے خون اور اٹھتی کراہوں کا ایک طوفان سا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ قصبہ مان پور کی وہ نواحی وادیاں کچھ اس طرح کا منظر پیش کر رہی تھیں گویا سمندر کے سکوت میں منافرت کی گرد ساحلوں کی ہواؤں میں ہر پل کا پیغام مرگ، فکر کے تازہ بابوں میں زرد پتوں کی کہانیاں، زمستانی موجوں کی تھکی موجوں میں تن من گھائل کرتا عالم برزخ اور ان گنت جسموں کی ارواح میں خود پرستی کا آشوب گھس آیا ہو۔

میدان جنگ میں چاروں سمت خطاؤں کی کہانیوں، مظالم کی رواداروں، عذاب لمحوں کا ایک رقص شروع ہو گیا تھا۔ چشمے، جھرنے، کوہ و بیابان اور دشت و دمن ساغر و مینا آنکھ و عارض کا کل و زلف نغمہ و خوشبو۔ پیار و محبت۔ رقص و تبسم۔ پھول و

کلی- گویا زندگی کے جاری سفر عمر کی موج رواں میں ہر شے لہو لہو ہو گئی تھی- زندگی کی زنجیریں ٹوٹ رہی تھیں- غلامی کے عناصر بکھر رہے تھے- نبضوں کی جنبش رک رہی تھی- تیز بارش کی بوچھار کی طرح انسانی لہو بہہ رہا تھا-

ایسے میں جبکہ احمد شاہ ابدالی اور ہندوستانی لشکر کے درمیان جنگ اپنے شباب عروج پر آ گئی تھی کہ قریب تھا کہ احمد شاہ ابدالی ہندوستانی لشکر کو پسپا کر کے شکست دے دیتا عین اس عروج کے موقع پر احمد شاہ کو دو انتہائی بری خبریں ملیں جو آناً اس کے لشکر میں پھیل کر لشکریوں کی بددلی اور افراتفری کا باعث بن گئیں-

پہلی بری خبر یہ تھی کہ لاہور سے سرہند کی طرف کوچ کرتے وقت احمد شاہ نے قصور کے فوجدار جلہ خان کو اپنی طرف سے لاہور کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جس وقت احمد شاہ ہندوستانی لشکر کے ساتھ مان پور کے وسیع میدان میں برسرپیکار تھا لاہور کے دیوان لکھپت رائے نے جلہ خان کے خلاف بغاوت کر دی- جلہ خان کو دیوان لکھپت رائے نے شکست دی- جلہ خان قصور کی طرف بھاگ گیا اور دیوان لکھپت رائے نے لاہور پر قبضہ کر لیا-

دوسری خبر جو بدترین تھی وہ یہ کہ احمد شاہ ابدالی نے قندھار میں اپنے بھتیجے لقمان خان کو اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا- یہ لقمان خان احمد شاہ کے بڑے بھائی ذوالفقار خان کا بیٹا تھا- لقمان خان کو جب خبریں ملیں کہ احمد شاہ ہندوستانی لشکر کے ساتھ بری طرح برسرپیکار ہے اور یہ کہ اس کی فتح مندی کے کوئی آثار نہیں تو اس نے قندھار میں بغاوت کر دی اور اپنی خودمختار حکومت کا اعلان کر دیا-

ان دونوں خبروں نے جہاں احمد شاہ ابدالی کو ہلا کر رکھ دیا تھا وہاں اس کے لشکریوں کو بھی بددل کر دیا تھا اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کی پشت اور پیٹھ بالکل ننگی ہو گئی ہے انہیں خدشہ ہو گیا تھا کہ اگر وہ ہندوستان کی سرزمین میں سے مغرب کی طرف پسپائی کرتے ہیں تو پہلے انہیں اپنے سامنے لاہور شہر دکھائی دیتا تھا جہاں وہ پرامن اور پرسکون رہ سکتے تھے لیکن لاہور پر دیوان لکھپت رائے کے قبضے

نے انہیں خدشات سے دوچار کر دیا تھا- جب قندھار میں لقمان خان کی بغاوت کی خبر ملی تو احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی- اس لئے کہ وہ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ قندھار میں ان کے رشتہ دار قطعاً غیر محفوظ ہو گئے ہیں- ان دونوں خبروں کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں بدنظمی برپا ہونا شروع ہو گئی تھی-

اس نازک ترین مرحلے میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو ایک اور مصیبت اور ایک اور اذیت سے دوچار ہونا پڑا اور وہ یہ کہ احمد شاہ کے لشکر میں توپیں چلانے کے لئے جو بارود خانہ تھا اس میں آگ لگ گئی تھی- بارود میں آگ لگنے کی وجہ سے آگ کے شعلوں کی لپٹیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں اور پڑاؤ کا کافی حصہ نذر آتش ہو گیا تھا- بارود میں آگ لگنے سے احمد شاہ ابدالی کے ان گنت لشکری بھی ہلاک ہو گئے تھے- بارود کی وجہ سے جب آگ شائیں شائیں کر رہی تھی تو احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے سپاہی ایک دوسرے کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ شائد آگ کہہ رہی ہے کہ "شاہ کہاں ہے"_ "شاہ کہاں ہے-" اس دہشت ناک آگ کے باعث احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں مزید بدنظمی پھیل گئی اور اس کے سپاہی جنگ کرنے کے بجائے ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے-

لاہور اور قندھار کی بغاوتوں کی خبر شائد ہندوستانی لشکر کے سپہ سالار میر منوں اور اس کے سالاروں کو بھی ہو چکی تھی- لہٰذا انہوں نے پہلے کی نسبت اور زیادہ کاری ضربیں احمد شاہ کے لشکر پر لگانا شروع کر دی تھیں- ان زوردار حملوں سے احمد شاہ کے لشکر میں مزید افراتفری کا عالم برپا ہو گیا تھا اور اس کے لشکر حواس باختہ ہو کر اپنی مدافعت کرنے کے بجائے بھاگنے لگے تھے- اس طرح مان پور کے قصبہ کے باہر کھلے میدانوں میں جہاں تھوڑی دیر پہلے تک احمد شاہ ابدالی کی فتح کی امیدیں صاف دکھائی دے رہی تھیں وہاں سے اب اسے شکست اٹھانا پڑی تھی اور اس کے لشکر بھاگ کھڑے ہوئے تھے- یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ نے بڑے تدبر بڑی

دانشمندی سے کام لیا۔

اگرچہ اس معرکے میں احمد شاہ کو شکست ہوئی لیکن احمد شاہ نے حسن تدبیر سے کام لیکر اپنے لشکر کو مکمل طور پر ہلاک ہونے سے بچا لیا۔ اس نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد سرہند کی طرف پسپائی اختیار کی لیکن انتہائی نظم اور احتیاط کے ساتھ۔ وہ ما پور اور سرہند کے مابین ایک قصبے پر قابض ہو گیا اور تعاقب کرنے والی مغل فوج گھات میں بیٹھ کر اس قدر تیز تیر اندازی کرائی کہ تعاقب کرنے والے مغلوں کو رک جانا پڑا۔ پھر احمد شاہ کے لشکر میں جو توڑے دار بندوقیں چلانے والے چند دستے تھے انہیں بھی اس نے تعاقب کرنے والوں پر گولیاں چلانے کا حکم دے دیا جس کے نتیجے میں تعاقب کرنے والے مغل لشکر رک گئے تھے۔

تعاقب کرنے والے لشکر کو روک کر رات کی تاریکی میں احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ سرہند پہونچ گیا۔ پھر وہاں سے وہ قندھار کی طرف جانے کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔

دوسری طرف مغل لشکر کے سالار یہ توقع رکھتے تھے کہ سرہند میں اپنی قوت کو بحال کرنے کے بعد احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ پھر میدان جنگ میں نکلے گا اور مغلوں سے جنگ کرے گا لیکن جب ایسا نہ ہوا تو مغل سالار یہ خیال کرنے لگے کہ شاید احمد شاہ شدید زخمی ہو گیا ہے یا وہ جنگ میں مارا گیا ہے حالانکہ ایسی کوئی بات نہ تھی۔ احمد شاہ بڑا محتاط اور دانش مند تھا۔ جس وقت وہ پسپا ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ سرہند پہونچا اسی رات اس نے اپنے توپ خانے کا ایک حصہ اور پورا خزانہ قندھار کی طرف روانہ کر دیا تھا۔

اس کے بعد احمد شاہ نے سرہند سے اپنے سالار میر تقی خان کو سفیر بنا کر مغل شہزادے اور ولی احمد کے پاس روانہ کیا اور صلح کی درخواست کی۔ شرط یہ رکھی کہ وہ علاقہ جو اس سے پہلے نادر شاہ کو دیا گیا تھا وہ اگر اسے دیدیا جائے تو وہ قندھار واپس چلا جائے گا۔

لیکن ولی عہد شہزادہ احمد اور مغل لشکر کے سپہ سالار میر منون صلح کی بات بھی ناگوارا نہ کرتے تھے اس لئے کہ اس جنگ میں انہیں فتح حاصل ہوئی تھی اور وہ ہر م اپنی مرضی اور رضا مندی سے کرنا چاہتے تھے لہٰذا انہوں نے نہایت تلخ جواب دیا ر تمام شرائط رد کر دیں۔

اس بات چیت کے ختم ہونے پر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا ایک حصہ سرہند سے ر نکلا اور جنگ کی ابتداء کی دراصل یہ احمد شاہ کی طرف سے باسلامتی اور دھوکے ں رکھ کر افغانستان لیجانا چاہتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا ایک حصہ مغل لشکر کے تھ جنگ میں مصروف رہا۔ اصل سپاہ منزل مقصود کی طرف روانہ ہو گئی۔

پھر وہ لمحہ بھی آیا کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا وہ حصہ جو مغلوں سے برسرپیکار رہ اپنے دوسرے حصے کو قندھار کی طرف روانہ ہونے کا موقع فراہم کر رہا تھا وہ بھی ت کی تاریکی میں غائب ہو گیا اور قبل اس کے کہ مغل اس کا تعاقب کر کے اس کا چلاتے لشکر کا یہ حصہ بھی لدھیانہ پہنچ کر ستلج کو پار کر کے لاہور پہنچ گیا تھا۔

قندھار کی طرف بڑھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے لاہور کی طرف دھیان نہیں دیا اس کی غیر موجودگی میں لاہور کے دیوان لکھپت رائے نے احمد شاہ کے گورنر جلہ نا کو بھگا کر لاہور پر قبضہ کر لیا تھا جو احمد شاہ کا خزانہ اور دیگر اشیاء لاہور میں تھیں بھی دیوان لکھپت رائے کے قبضے میں آ گئی تھیں لیکن فی الوقت احمد شاہ ابدالی نے ہور کی طرف دھیان نہیں دیا اس لئے کہ اس وقت اس کی ساری توجہ قندھار کی ف تھی جہاں اس کے بھتیجے لقمان خان نے بغاوت کر رکھی تھی۔ لہٰذا لاہور کے ا سے برق رفتاری سے گزرتے ہوئے احمد شاہ ابدالی قندھار کی طرف بڑھ گیا تھا۔

پنجاب کے مختلف علاقوں سے گزرتے وقت احمد شاہ کو سکھ سرداروں نے بھی حد پریشان کیا اور جگہ جگہ وہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور اس پر ب خون مارا۔ سکھوں کا سردار چڑت سنگھ سکر چاکیہ گوجرانوالہ کے قریب احمد شاہ لشکر کے عقبی حصے پر حملہ آور ہوا عقبی حصے کو اس نے اچھا خاصہ نقصان پہونچایا

اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے بہت سے گھوڑے اور دوسرا سامان چھین کر لے احمد شاہ ابدالی کو چونکہ قندھار پہونچنے میں جلدی تھی لہٰذا وہ ان باغی سکھوں کی ر نہ کر سکا تھا۔

قندھار پہونچنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے جو سب سے پہلا کام کیا وہ اپنے باغی لقمان کی سرکوبی تھی۔ لقمان خان احمد شاہ کے بڑے بھائی ذوالفقار خان کا بی اور احمد شاہ کا برتاؤ لقمان کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسا ایک باپ کا بیٹے کے ساتھ ہے۔ ہندوستان کی طرف حملہ آور ہوتے وقت احمد شاہ نے بڑے خلوص کے س قندھار میں لقمان خان کو اپنا نائب مقرر کیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان میں مصروف جنگ اور افغانستان میں میدان خالی پا ان طالع آزماؤں نے جو لقمان کے دم سازوں میں تھے اسے ابھار اور اسے انگی کیا کہ احمد شاہ ابدالی تو ہندوستان میں بری طرح مصروف ہے نہ جانے اسے واپس بھی نصیب ہوتا ہے یا نہیں لہٰذا وہ اپنی بادشاہت کا اعلان کر دے۔

خود لقمان خان کے دل میں بھی یہ خیال عرصے سے پرورش پا رہا تھا کہ وہ قند اور اس کے گردونواح کے علاقے کا حکمران ہو جائے۔ مختلف سرداروں کے ابھار اور مجبور کرنے کی وجہ سے لقمان خان ان کے کہنے میں آ گیا۔ اس نے احمد شاہ پرانے اور تجربہ کار افسروں کو برطرف کر کے اور اپنے ساختہ پرداختہ آدمیوں کو ان جگہ مامور کیا۔ اس طرح اسے اس نظام کو درہم برہم کر دیا جو احمد شاہ نے قائم کیا اور کھلم کھلا بغاوت کرتے ہوئے اپنی حکمرانی کا اعلان کر دیا۔

لیکن جیسے ہی لقمان خان کو خبر ہوئی کہ احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ قن پہونچنے والا ہے تو لقمان کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ لقمان خان کے س جو اب تک اسے ابھارتے رہے تھے اور اسے اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے پر اک رہے تھے وہ تو اپنے اپنے گھروں میں دبک کر بیٹھ گئے تھے۔ یہ صورت حال د ہوئے لقمان خان بڑا پریشان اور فکر مند ہوا۔ اس نے جب دیکھا کہ اپنے

ساتھیوں کے ابھارنے پر اس نے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا وہ تو دبک گئے ہیں اور سے اکیلا چھوڑ دیا ہے تو اس نے کچھ سرکردہ لوگوں کو واسطہ بنا کر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں روانہ کیا تاکہ احمد شاہ اسے معاف کر دے لیکن احمد شاہ نے اپنے بھتیجے لقمان خان کو گرفتار کر لیا۔ دو تین روز قید میں رکھ کر اسے جلاد کے حوالے کر دیا جس نے اس کی گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ اس طرح قندھار کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد احمد شاہ پھر ایک بار ہندوستان میں اپنی پوزیشن درست کرنے کے متعلق سوچنے لگا تھا۔



نادر آباد کی دینی اور حربی درسگاہ کا ناظم اعلیٰ حسام الدین اپنے بھائی مجیر الدین کے لوہار خانے میں داخل ہوا۔ وہ کچھ الجھا الجھا اداس اداس تھا۔ گردن اس کی جھکی ہوئی تھی اور اپنے بھائی مجیر الدین کے سامنے وہ چپ چاپ آ کر بیٹھ گیا تھا۔ مجیر الدین تھوڑی دیر اسے پریشانی کے عالم میں گہری سوچوں کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ پھر شاید اس سے نہ رہا گیا وہ اپنے بڑے بھائی کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

حسام الدین میرے بھائی۔ کیا بات ہے آج تم معمول کے خلاف افسردہ۔ پریشان اور الجھے الجھے سے ہو۔ کیا کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ کیا درسگاہ میں کسی نے تمہاری دل شکنی کی ہے اور ہاں میں تو تم سے پوچھنے والا تھا کہ آج عبداللہ میرے پاس کام کرنے کے لئے نہیں آیا۔ اس پر حسام الدین تھوڑی دیر تک بے چارہ افسردہ سے انداز میں اپنے چھوٹے بھائی میجر الدین کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر کہنے لگا۔

میجر الدین میرے بھائی۔ شائد آج عبداللہ تمہارے پاس کام کرنے کے لئے نہ آ سکے۔ اس پر میجر الدین نے چونک کر پوچھا کیوں کیا بات ہے۔ اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔ حسام الدین دکھ، پریشانی اور افسردگی میں کہنے لگا۔

آج دوسرے سال کے مقابلے میں بھی وہ زال بیگ پوپلزئی سے مقابلے میں ہار گیا ہے اور اس کی پنڈلی کو لوہے کی سرخ مہر سے داغا گیا ہے۔ اسے داغے جانے کے

عمل کی وجہ سے شاید وہ آج تمہارے لوہار خانے میں کام کرنے کے لئے نہ آ۔
اس پر مجیر الدین بولا اور پوچھنے لگا۔

کیا تمہاری افسردگی تمہاری پریشانی کا باعث یہ عبداللہ کا ہارنا ہے۔ اس پر ح
الدین بے چارہ غور سے مجیر الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

تمہارا اندازہ درست ہے۔ میرے بھائی۔ آج کے مقابلے میں عبداللہ کو ہ
نہیں چاہیے تھا۔ پہلے سال کے مقابلے میں جب یہ ہارا تھا تو اس وقت بھی گو میر
توقعات کے خلاف ہی ہارا تھا۔ مگر مجھے دکھ نہیں ہوا تھا لیکن آج اس کے ہارنے
انتہائی صدمہ ہوا ہے۔ آج میں نے محسوس کیا ہے جیسے یہ عبداللہ جان بوجھ کر ہار
ہے ورنہ یہ زال بیگ کو بڑی آسانی سے ہرا سکتا تھا۔

مجیر الدین میرے بھائی یہ عبداللہ گھڑ سواری میں' تیر اندازی' کمند پھینکنے اور تمام
دیگر حربی فنون میں اپنا جواب' اپنی مثال نہیں رکھتا' تیغ زنی میں بھی یہ ایسا ہی ہے
لیکن میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ زال بیگ سے کیسے ہارا ہے۔ اس کے انداز' اس
کے اطوار' سے میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ یہ جان بوجھ کر ہارا ہے اور مجھے اس کے
ہارنے کا انتہائی صدمہ اور دکھ ہوا ہے۔

حسام الدین کی یہ گفتگو سن کر مجیر الدین بیچارہ بھی اداس ہو گیا تھا۔ تھوڑی د
تک وہ بھٹی کے اندر رکھے ہوئے لوہے کے گرم سرخ ٹکڑوں کی طرف دیکھتا رہا۔ پھ
وہ کہنے لگا۔ میں پھر خود ہی کام کرنا شروع کرتا ہوں۔ میرے خیال میں عبداللہ آج
نہیں آئے گا۔ عین اس موقع پر عبداللہ لوہار خانے میں داخل ہوا اور مجیر الدین کو
مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مجیر الدین میرے بزرگ اللہ کا یہ عاجز بندہ حاضر ہے۔ میں کام
سے غیر حاضر نہیں رہوں گا۔ آپ بھٹی سے وہ لوہا نکال کر آئرن پر رکھیں جو سرخ ہو
چکا ہے پھر دیکھیں میں اس پر کیسے ضرب لگاتا ہوں۔

عبداللہ جب مجیر الدین کے سامنے لوہے کے آئرن کے قریب آ کھڑا ہوا اور
جھک کر اس نے لوہے کا وزنی ہتھوڑا جب اٹھانا چاہا تو مجیر الدین آگے بڑھا۔ عبداللہ

ٹ کا وہ لباس جس میں اون بھری ہوئی تھی۔ وہ جب اٹھا کر مجیر الدین نے اس کی
ٹانگ ننگی کی تو اس نے دیکھا ٹانگ پر جہاں پہلے جلائے جانے کا ایک زخم تھا
اب دوسرا تازہ زخم لگا ہوا تھا۔ لباس نیچے گرانے کے بعد مجیر الدین نے بیٹھے ہی
اپنی آنکھیں عبداللہ کی آنکھوں میں ڈالیں اس موقعہ پر مجیر الدین کی آنکھوں میں
دؤں کی گہری نمی تھی پھر اس نے دکھی ڈوبی ہوئی آواز میں پوچھا۔

عبداللہ میرے بیٹے یہ کیا۔ کیا آج تو دوسری بار بھی ہارا ہے۔ حسام الدین کہہ
ہا کہ تم جان بوجھ کر ہارے ہو۔ ورنہ یہ مقابلہ تم آسانی سے جیت سکتے تھے۔
ے ہارنے کی وجہ سے دیکھو حسام الدین نے کیا حالت بنا رکھی ہے۔ عبداللہ بے
لوہے کی آئرن کے قریب زمین کی ننگی پیٹھ پر بیٹھ گیا پھر وہ بڑی عاجزی اور
ری میں کہنے لگا۔

میرے دونوں بزرگو! میں کردار کی ہتھیلی سے گرا ہوا ایک انسان ہوں۔ ایک ایسا
جس کی ہر جستجو اولہ بن کر اس کے سینے میں اتر جاتی ہے اور جس کے لئے
کی طرح اڑتے الفاظ صفحہ قرطاس پر منعکس ہونے کے بجائے اپنے ہونٹوں پر
لک جاتے ہیں۔ میرے بزرگو! میں اداس رتوں کا مضمحل گلاب ہوں۔ ازل کی
کی میں خوابیدہ وہ بے التفات مٹی ہوں جس کی قسمت میں کوئی شاداب رت نہ
ی گئی ہو۔

میں خواہشوں کی ان ڈالیوں کی طرح ہوں جس کے مقدر میں سحر کی کرنیں۔ جگنو
دیئے۔ آئی بہاروں کے گیت اور خوش کن الفاظ کے بجائے آنسو لکھ دیئے جاتے
۔ میرے لئے خواہشوں کے پست و بالا آسمان ایک جیسے ہیں۔ میں ایک ایسا بے
را انسان ہوں جو اپنی کوتاہ قامت آرزو لئے پیدا ہوتا ہے اور اپنی زندگی بسر کر کے
نا کے پاتال میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔

میں اب تک بے جسم آرزوؤں' غموں کی منجمد جھیل کی آغوش' لہو بھری کرنوں'
بکھرتے خوابوں اور خباثت کی گہرائیوں میں دھنستی سوچوں جیسی زندگی بسر کرتا رہا

ہوں۔ جہاں میرے لئے بہاروں کی نوید' بے بسی اور ناتوانی کا خوف بنتی رہیں۔ ج
میرے لئے ندیوں کے گیت' گردابوں کی نذر ہو گئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ حسام الدین اور الدین دونوں بھائیوں نے دیکھا اس سمے عبداللہ کا چہرہ میلا' ہونٹ کسیلے ہو گئے لگتا تھا اس کی رگ رگ میں پل پل تاریکی پھیل بکھر گئی ہو۔ اس کی زندگی مرمریں پیالے میں زہر گھول دیا گیا ہو۔ تھوڑی دیر تک عبداللہ بے چارہ لکڑی اس تختے کی طرح اداس بیٹھا رہا جسے دیمک نے چاٹ لیا ہو۔ چند ثانیوں تک وہ بوند پانی کو ترستے بادل کی طرح چپ اور خاموش رہا۔ مجیر الدین اور حسام الدین اس موقعے پر دیکھا عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔ پھر وہ دوبارہ بولا کہنے لگا۔

میرا بچپن آوارہ بدلی کر ترستی مٹی' دھوئیں کے بادلوں میں سانسوں کی ڈ ڈوری اور سہمے آنسوؤں میں ڈوبی واماندہ شب کی طرح گذرا ہے۔ اب جب کہ جوانی کے دروازے پر دستک دے رہا ہوں تو نہ جانے یہ زندگی کے لمحے اور ساعتیں مجھے کہاں لے جائیں گی۔

میں پہلے بھی انصاف کا متلاشی تھا اب بھی انصاف ہی کا متلاشی ہوں۔ پہلے میں برزخ و قیامت کے دوراہے پر کھڑا تھا اب بھی میں اسی برزخ و قیامت دوراہے پر کھڑا حالات کی کروٹ کا منتظر ہوں۔ پہلے بھی میرے سہمے دل کی خواہش کے اندھیروں کے فولادی پنجوں میں تھیں۔ اب بھی اسے روئے گیتی کے چمن زار میں میرے سامنے ظلم و تشدد کے دریا اور ان دیکھے غموں کے پاتال پھیلے بکھرے ہیں لیکن مجھے تشدد کے ان دریاؤں اور غموں کے ان پاتال سے گذر کر اپنے جذ کی محراب اپنی منزل کے سنگ میل کو حاصل کرنا ہے۔ اب بھی میرے دکھوں صلیب سے لہو ٹپک رہا ہے۔ میری ماں میرے دل کی فصیل میں بننے والا پیار کا درا تھی۔ میرا باپ میرے لئے شفقت و محبت کا وہ بادل تھا جو برس کر ہر شے کو

وں کا تبسم عطا کر جاتا ہے لیکن ظالموں نے اور زبردست لوگوں نے میری ماں اور رے باپ کو قتل کر دیا۔

میں اپنی ماں اور اپنے باپ کے قاتلوں کو معاف نہیں کروں گا۔ کسی ہمزاد اور ے کی طرح ان کا تعاقب کروں گا۔ قسم خداوند قدوس کی اگر وہ مجھ سے بچنے کے ے پاتال میں اتر گئے تب بھی میں الجھے تنفس کی حدت' پل پل بہتے سفر' جوان جذبوں طلب فروزاں کی طرح ان کا تعاقب کروں گا اور انہیں بتاؤں گا کہ اگر تم نے رے ماں باپ کو قتل کیا ہے تو میں بھی تم سے جینے اور خوشیاں منانے کا حق چھین گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ خاموش ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کے گالوں پر بہہ کر اس کے ٹاٹ کے لباس میں جذب ہونے لگے تھے۔ اس موقع حسام الدین اور مجیر الدین دونوں بھائیوں کی گردنیں جھکی ہوئی تھیں اور ان کی نکھوں سے بھی آنسو نکل رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد عبداللہ سنبھل گیا۔ ان دونوں ئیوں نے بھی اپنے آپ کو سنبھالا پھر حسام الدین بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے چھنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے میرا دل کہتا ہے بلکہ یوں جانو کہ میں وثوق سے کہہ سکتا ہوں ۔ آج کا تیغ زنی کا مقابلہ تم زال بیگ پوپلزئی سے بڑی آسانی کے ساتھ جیت سکتے ، پھر بھی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیوں ہارے اس سے۔ عبداللہ میرے بیٹے را دل کہتا ہے کہ تو نے جان بوجھ کر ہار اور شکست کو اپنے سینے سے لگایا ہے۔ بتا ئے کیا کسی نے تمہیں ایسی دھمکی دی ہے۔ قسم خداوند قدوس کی یہ حسام الدین ایسے ص کے لئے موت و مرگ کا پیغام بن جائے گا۔

حسام الدین کے ان پرجوش الفاظ کے جواب میں عبداللہ چند ثانیوں تک نحیف ل میں ڈھلے تیرگی کے فسوں جیسا چپ' زندگی کی عبادتوں کے متلاشی خزاں زدہ ول جیسا خاموش' روح کے تند بلا خیز سمندر میں خوابوں کے عجائب گھر جیسا ویران ان بیٹھا رہا۔ پھر روح کی پہنائی سے اس کی آواز نکلی جو دور گگن میں بجتی بانسری

جیسی دکھیا گم سم سوئے ویرانوں میں آہوں کے بہتے دریا جیسی مضموم تھی۔ وہ میرے دونوں بزرگو میں بذات خود دکھتی آنکھوں کا آنسو ہوں اور آج تک میر کے دروازہ پر زمانہ کی جھلسی دھوپ اپنی حدت کی بارش کرتی رہی۔ میں دل کے دریچوں میں ایک لوح گرد آلود ہوں۔ میں کسی کے دل و جان کی راحت ا نگاہوں کی تسکین ہوں۔ بس جب میں زندگی میں خود ہلکی ہلکی مدہم آگ کی میں جلتا رہا ہوں تو میں دوسروں کو کیوں جلاؤں۔ خود ہی کیوں نہ جلتا رہوں۔

اس پر حسام الدین جواب طلب نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے لگا عبداللہ میرے بیٹے میرے بچے تمہاری گفتگو سے میں نے اندازہ لگا لیا ہے جان بوجھ کر ہارے ہو۔ تمہاری گفتگو کہتی ہے کہ اگر اب تک تم زندگی میں خو رہے ہو تو اپنے آپ ہی کو جلانا چاہتے ہو دوسروں کو اس اذیت میں نہیں چاہتے۔ پر تمہیں میرے بچے اپنی ٹانگ پر یہ دوسرا جلائے جانے کا یہ زخم لگانے فائدہ جیسا کہ تم نے مجھے اپنی داستان' اپنی کہانی سنائی تھی کہ یہاں سے تربیت کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی تم لوگوں کا مقابلہ کرائے گا اور جو تم میں سے جیتے نا صرف یہ کہ اس کے لشکر کا امیر بلکہ شاہ پسند کا خطاب حاصل کرے گا۔ اب اگ خود جلتے ہو اور دوسروں کو جلنے سے بچاتے ہو تو کیا اس مقابلہ میں بھی تم ایسا ہی گے خود ہارو گے اور دوسروں کو جیتنے کا موقع فراہم کرو گے تاکہ تمہیں بنیاد بنا کر اپنی زندگی کے بہترین عمارت کی تعمیر کر سکیں۔

حسام الدین کی یہ گفتگو سنتے ہوئے عبداللہ کی آنکھوں میں آتش فشاں کے پڑنے کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر وہ کچھ سوچتا رہا شاید اس نے کوئی فیصلہ کیا اس کے بعد وہ بولا اور کہنے لگا۔

• محترم حسام الدین جس روز احمد شاہ ابدالی کے سامنے میرا اور ان کا مقابلہ اس روز میں ان لوگوں کے لئے سفاکانہ حبس بن جاؤں گا۔ ان کے دل کے دروا پر لہو کی دستک دوں گا ان کے سویرے کو اندھیرا بنا کے رکھوں گا۔ اس روز

حسام الدین ان لوگوں کے عمر کے جام بقا کو میں توڑوں گا اور ان کی حالت وحشت کے اندھیروں میں چیختی ہواؤں اور اداس دنیا کے آب و گل میں ادھوری سسکی جیسی بنا کے رکھوں گا۔

محترم حسام الدین یہ میرے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے حکم سے اس مکتب میں آ کر علیم حاصل کرنے والے کتنا ہی زور لگا لیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ن میں سے کسی کو شاہ پسند بننے دوں گا اور نا ہی انہیں احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا امیر بننے دوں گا اس کے بعد شاید عبداللہ کچھ مزید نہ کہنا چاہتا تھا اس لئے کہ اس نے زیب پڑا ہوا بھاری اور وزنی ہتھوڑا اٹھا لیا تھا اس موقع پر مجیر الدین بولا اور کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے جب تمہاری تربیت کے دو سال باقی رہ جائیں گے تو میں نہیں اپنی طرف سے ہتھیار بنا کر تحفتہ" پیش کروں گا اور جو دو سال تمہارے باقی ول گے۔ حسام الدین ان ہتھیاروں کی تمہیں تربیت بھی کراو دے گا اور ان کا ستعال بھی تم خوب سیکھ کر ان کی مشق بھی کر لو گے۔ جو ہتھیار میں تمہیں بنا کر دوں گا اپنی نوعیت کے منفرد اور عجیب ہوں گے اور جنگ میں دشمن پر قابو پانے کے لئے نتہائی سود مند ثابت ہوں گے۔ جواب میں عبداللہ نے مسکراتے ہوئے مجیر الدین کا کریہ ادا کیا اس کے بعد مجیر الدین نے بھٹی سے گرم سرخ لوہے کا ٹکڑا نکال کر آئرن کے اوپر رکھ دیا تھا۔ پھر عبداللہ حرکت میں آیا اور مجیر الدین کی خواہش کے مطابق ں گرم سرخ لوہے پر ضربیں لگاتے ہوئے عبداللہ بڑی تیزی سے اس لوہے کی شکل ر ہیئت بدلنے لگا تھا۔

○

اپنے بھتیجے لقمان خان کی بغاوت فرو کرنے کے بعد جن دنوں احمد شاہ ابدالی کا لشکر قندھار شہر کے باہر پڑاؤ کیے ہوئے تھا انہی دنوں میں ایک روز عبداللہ کا چچا زاد بھائی قاسم خان اپنے خیمہ میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ خیمہ میں درویش عبداللہ داخل ہوا۔

عبیداللہ کو دیکھتے ہی قاسم خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ درویش عبیدا
قریب آیا تو قاسم خان نے ہاتھ کے اشارے سے ایک نشست پر اسے بیٹھنے
عبیداللہ جب بیٹھ گیا تو قاسم بھی اپنی جگہ پر جم گیا اور پھر وہ درویش عبیداللہ کو
کر کے پوچھنے لگا۔

عبیداللہ میرے پاس خشک پھل ہیں اگر آپ کھانا پسند کریں تو نکالوں ا
عبیداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ نہیں بیٹے اس کی ضرورت نہیں ہے میں ایک
ضروری کام سے تمہارے پاس آیا ہوں۔ اس پر قاسم خان نے کسی قدر غور او
سے عبیداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا آپ کس ضروری کام سے میرے پاس
ہیں۔

عبیداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ قاسم میرے بیٹے فکر مند ہونے کی ضر
نہیں ہے۔ میں احمد شاہ کے کہنے پر تمہاری طرف آیا ہوں۔ جو کچھ میں کہنا چاہتا
اسے پہلے غور سے سنو پھر سوچ سمجھ کر مجھے جواب دینا۔ دیکھو قاسم میرے بیٹے
شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خان کی دو بیٹیاں ہیں ایک ہمامہ دوسری ارزون۔ ہما
شادی احمد شاہ ابدالی کے بیٹے سلیمان کے ساتھ ہو چکی ہے اور میں ارزون کے
میں تم سے بات کرنے آیا ہوں۔

قاسم خان نے بڑے غور سے درویش عبیداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
ارزون سے متعلق مجھ سے کیا گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ عبیداللہ مسکراتے ہوئے کہنے
قاسم اتنے انجان اور بچے نہ بنو۔ تم شاہ ولی خان کی بیوی عادلیہ اور اس کی دو
بیٹیوں ہمامہ اور ارزون کو ہرات شہر سے نکال کر بحفاظت پشاور لے گئے تھے۔ را
میں تعاقب کرنے والوں نے ان پر حملہ بھی کیا لیکن تم نے کمال جرات مند
مظاہرہ کرتے ہوئے تینوں ماں بیٹیوں کا دفاع کیا اور بحفاظت انہیں پشاور میں شا
خان کے پاس پہنچا دیا۔ تمہاری اس جرات مندی، ایمانداری اور دلیری سے ج
عادلیہ اور ہمامہ متاثر ہوئیں وہیں ارزون تمہیں پسند کرنے لگی تھی۔ میں تم سے

ے آیا ہوں کہ کیا تم بھی ارزون کو پسند کرتے ہو۔
درویش عبیداللہ کی اس گفتگو کے جواب میں قاسم خان کا چہرہ شرم و حیا میں ایک
ح سے سرخ ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ گردن جھکا کر سوچتا رہا وہ کچھ کہنا چاہ رہا
درویش عبیداللہ دیکھ رہا تھا وہ کہہ نہیں پا رہا تھا۔ درویش عبیداللہ کو قاسم کی اس
ں پر رحم و ترس آ رہا تھا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسے مسکرا مسکرا کر دیکھتا رہا پھر اس
مت بڑھاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

قاسم میرے بیٹے یہ کوئی اتنا بڑا مرحلہ تو نہیں ہے۔ جس نے تمہیں سوچوں میں
دیا ہے۔ میں نے تو تم سے بس ایک سوال پوچھا ہے کہ کیا تم شاہ ولی خان کی بیٹی
ن کو پسند کرتے ہو اور ہاں میں تم پر یہ انکشاف پہلے ہی کر چکا ہوں کہ ارزون
ں پسند کرتی ہے۔ اس پر قاسم چونک کر درویش عبیداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھا۔
نے یہ کیسے جانا کہ ارزون مجھے پسند کرتی ہے۔ اس پر درویش عبیداللہ نے اپنی
پر زور دیتے ہوئے کہا پہلے تم یہ بتاؤ کہ تم اسے پسند کرتے ہو یا نہیں پھر میں
ں بتاتا ہوں کہ میں کیسے جانتا ہوں کہ ارزون تمہیں چاہتی ہے۔ اس پر قاسم ہمت
کے بولا اور کہنے لگا۔

عم عبیداللہ آپ میرے اور چچا زاد بھائی عبداللہ کے حالات خوب اچھی طرح
تے ہیں۔ میں اور میرا عم زاد عبداللہ اب تک ستم ظرازیوں میں زندگی بسر کرتے
ے ہیں۔ اس فضائے درد و الم کی بے رحم وسعتوں میں ہمارے لئے پیلے اداس پتوں
ٹڈی دل کی طرح یلغار کرتے افکار کے سوا کچھ نہ تھا۔ زندگی کے کاغذ کی اندھی
ڑکھ میں ہمارے لئے قحط کے آزار اور دکھ کے استعارے اور تعبیروں کے غم لکھے
ئے تھے۔ اس عمر کی بے جہت مسافتوں میں اور زندگی کی گردشوں میں عم عبیداللہ
پ جانتے ہیں میں اور میرے چچا زاد بھائی عبداللہ کا نہ کوئی ٹھکانہ ہے نہ کوئی مکان
ے نہ کوئی رہنے کا عارضی ٹھکانہ تک ہے۔

عم عبیداللہ میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ میں اگر ارزون کو چاہوں بھی تو کیا

فرق پڑتا ہے اس لئے کہ مجھ جیسے بے ٹھکانہ انسان کو ارزون کا ساتھی بنانا
کرے گا۔ قاسم خان کی یہ گفتگو سن کر درویش عبیداللہ کے چہرے پر مسکراہ
تھوڑی دیر تک کچھ سوچا پھر وہ کہنے لگا۔

قاسم میرے بیٹے میرے بچے فکر مند نہ ہو عنقریب تمہیں اور تمہار
عبداللہ کو احمد شاہ ابدالی کی طرف سے رہنے کے لئے ایسے عمدہ ٹھکانے مہیا
گے جن کے متعلق تم دونوں بھائی سوچ تک نہیں سکتے ہو۔ بس تم میرے
جواب دو کہ تم ارزون کو پسند کرتے ہو یا نہیں۔ اس پر قاسم خان بولا اور کہنے

محترم عبیداللہ اگر آپ سچ ہی سننا چاہتے ہیں تو میں یہ کہوں گا کہ ارزو
اس وقت سے پسند کرتا ہوں جب میں اسے ہرات سے نکال کر لایا تھا لیکن
بسی اپنی لاچارگی کی بنا پر میں اپنے جذبات کا اظہار اس سے کبھی نہ کر سکا۔
درویش عبیداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

اگر ایسا معاملہ ہے تو فکر مند نہ ہو قاسم خان۔ مجھے احمد شاہ نے تمہاری
جاننے کے لئے بھیجا ہے۔ دراصل شاہ ولی خان کی بڑی بیٹی ہمامہ جو اب احمد شا
کے بیٹے سلیمان کی بیوی ہے۔ اس نے کہیں سلیمان سے ذکر کیا کہ اس کی چھو
ارزون تمہیں پسند کرتی ہے۔ سلیمان نے اس کا ذکر احمد شاہ سے کیا۔ احمد شاہ
سلسلے میں شاہ ولی خان سے بات کی اور شاہ ولی خان نے رضا مندی کا اظہار کیا
کہ اگر قاسم خان بھی ارزون کو پسند کرتا ہے تو دونوں کو ایک دوسرے کا ساتھی
جائے گا۔ دیکھو قاسم میں اب احمد شاہ کی طرف جاتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ
تمہیں اور ارزون کو زندگی بھر کا ساتھی بنا دیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی
عبیداللہ اپنی جگہ سے اٹھ کر خیمے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد درویش عبیداللہ احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں داخل ہوا۔ اس
احمد شاہ کے پاس وزیر شاہ ولی خان اور لشکر کے قاضی ادریس بیٹھے ہوئے تھے
ہی درویش عبیداللہ خیمے میں داخل ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے ہاتھ کے اشارے سے

پنے قریب بیٹھنے کو کہا۔ جب عبیداللہ وہاں بیٹھ گیا تب احمد شاہ ابدالی نے اسے مخاطب
کے پوچھا۔

عبیداللہ میرے محترم تم قاسم خاں کی طرف سے کیا جواب لیکر آئے ہو۔ اس پر
یداللہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا قاسم خان ارزون کو پسند کرتا ہے۔ وہ
ے اس وقت سے چاہتا ہے جب وہ اسے ہرات شہر سے نکال کر لایا تھا لیکن بے
رہ بے ٹھکانا ہونے کی وجہ سے اپنی بے بسی اور لاچارگی کی بنا پر اپنی محبت کا اظہار نہ
سکا۔ عبیداللہ کا یہ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی خوش ہوا پھر وہ اپنے سامنے بیٹھے شاہ
ل خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ ولی خان اب اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے۔ قاسم خان کی طرف سے
یں مثبت جواب مل گیا ہے۔ اس پر شاہ ولی خان بولا اور کہنے لگا۔ پاشا! اب سارا
عاملہ آپ پر ہے۔ جو آپ چاہیں کریں۔ احمد شاہ ابدالی فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا
ر یہ بات ہے تو آج شام تک قاسم خان اور ارزون کی شادی کا بندوبست کر دیا
ئے۔ اب تم لوگ اٹھو۔ اس شادی کا انتظام کرو۔ اس کے ساتھ درویش عبیداللہ'
یر شاہ ولی خان اور لشکر کے قاضی ادریس' احمد شاہ کے خیمے سے نکل گئے تھے۔ اسی
وز شام کے قریب قاسم خان اور شاہ ولی خان کی چھوٹی بیٹی ارزون کا نکاح پڑھا کر
نوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا تھا۔



اپنے باغی اور سرکش بھتیجے لقمان خان سے نجات حاصل کرنے کے بعد ملک کے
در احمد شاہ کے لئے کوئی خطرہ یا دشواری باقی نہ رہی تھی۔ ان حالات میں اپنے لشکر
ے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے موسم بہار قندھار شہر میں گزارا۔ اس دوران وہ اپنے لشکر
و نئے سرے سے ترتیب و تنظیم دیتا رہا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے سامنے اب دو بڑی مہمیں تھیں۔ اول یہ کہ وہ ہندوستان میں
ا سے شکست ہوئی تھی اس کی وجہ سے اپنے کھوئے ہوئے وقار کو پھر سے بحال

کرے۔ دوئم یہ کہ ہرات شہر کو فتح کرے۔ اس لئے کہ ہرات شہر ابدالی قبیلے کا ا وطن تھا اور اب تک ایرانیوں کے قبضے میں تھا اور پھر یہ کہ ہرات شہر کے ب افغانستان کا تصور بھی ناممکن خیال کیا جا سکتا تھا۔

لیکن احمد شاہ نے تین وجوہات کی بنا پر پہلے ہرات پر حملہ آور ہونے کے بجا ہندوستان پر حملے کو ترجیح دی۔

اول یہ کہ میر منوں جس کے ہاتھوں احمد شاہ کو قصبہ مان پور کے نواح میں ک میدانوں کے اندر شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسے اب مغل شہنشاہ نے پنجاب گورنر بنا دیا تھا اور وہ روز بروز افغانستان کی سرحد پر اپنی عسکری قوت اور طاقت ب اضافہ کرتا چلا جا رہا تھا۔ ان حالات میں اگر احمد شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے ک بجائے ہرات پر حملہ کرتا تو میر منوں یقیناً پشاور پر حملہ آور ہو کر افغانستان کی حدود ب داخل ہو جاتا۔ لہٰذا اپنے کھوئے ہوئے وقار کی بحالی سے پہلے احمد شاہ ہرات پر ح آور ہونا نہیں چاہتا تھا۔

دوسری وجہ یہ کہ کابل کے سابق گورنر نصیر خان کو ہندوستان کی مغل حکومت نے دوبارہ کابل کے صوبے کا گورنر نامزد کر دیا تھا لیکن وہ لاہور میں مقیم تھا اور می منوں نے اس سے وعدہ کر رکھا تھا کہ وہ کابل پر قبضہ کرنے میں اس کی مدد کرے گا ہرات پر حملہ کرنے کی صورت میں میر منوں اور نصیر خان متحد ہو کر کابل پر یلغا کرتے اور اسے یقیناً فتح کر لیتے۔

ہندوستان سے پہلے ہرات پر حملہ آور نہ ہونے کی تیسری وجہ یہ تھی کہ ایرانی فخ کرتے تھے کہ وہ ہندوستان کے فاتح رہ چکے ہیں۔ احمد شاہ ابدالی بھی یہ فخر حاصل کر کے بعد ہرات پر قبضہ کرنا چاہتا تھا تاکہ جب وہ ہرات پر حملہ آور ہو تو لوگ یہ ن کہیں کہ ہندوستان میں تو شکست کھا لی اور یہاں لڑنے کو چلا آیا۔

ان وجوہات کے علاوہ دہلی کے سیاسی حالات بھی احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پ حملہ آور ہونے کے لئے اکسا رہے تھے۔ اس لئے کہ شہنشاہ دہلی محمد شاہ کا انتقال ہو گ

تھا اور اس کی جگہ ولی عہد شہزادہ احمد تخت پر احمد شاہ کے لقب سے متمکن ہو گیا۔ یہ نیا مغل شہنشاہ اپنی زندگی کے بیشتر دن حرم سرا میں گزارتا رہا تھا لہٰذا یہ حکومت کے آداب اور نظم و انتظام کے فن سے قطعاً" ناواقف تھا۔ نیا حکمران خواجہ سراؤں کے ہاتھوں کا کھلونا بنا ہوا تھا اور درباری جو ناچ اسے نچانا چاہتے وہ وہی ناچتا تھا۔

وزیراعظم قمرالدین خاں چونکہ جنگ میں کام آ چکا تھا لہٰذا صفدر جنگ کو نیا وزیر مقرر کیا گیا۔ صفدر جنگ کو حکومت کی بقا اور استحکام کی اتنی فکر نہ تھی جتنے اپنے مستقبل کی۔ وہ ہر وقت اپنے اقتدار اور ذاتی مفاد کے پیچھے لگا رہنے والا انسان تھا۔

چنانچہ یہ صفدر جنگ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر میر منوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہو گیا اس لئے کہ میر منوں اپنے کردار اپنے افعال کی وجہ سے دن بدن شہرت حاصل کرتا چلا جا رہا تھا۔ یہ بات صفدر جنگ کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اس صفدر جنگ نے لاہور کے سابق گورنر شاہ نواز خان جیسے سازشی اور سرکش انسان کو ملتان کا گورنر بنا دیا تھا اور یہ شاہ نواز بھی ملتان میں بیٹھ کر میر منوں کے خلاف سازشیں کرنے لگا تھا۔

اس کے علاوہ پنجاب میں سکھوں کی پیش رفت اور ان کی بڑھتی ہوئی قوت بھی احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لئے ابھار رہی تھی۔ سکھوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور قوت نے پنجاب کے امن و امان کو درہم برہم کر رکھا تھا۔ اگرچہ میر منوں کے دست آہن نے انہیں اب تک دبا رکھا تھا لیکن جونہی گرفت کبھی کسی علاقے میں ڈھیلی پڑتی سکھ سرکشی کے مظاہروں پر اتر آتے تھے۔

احمد شاہ ابدالی کی پسپائی کے پندرہ ہی دن بعد جب پرانی مغل حکومت کمزور تھی اور ابھی نئی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔ سکھ اپنے پہاڑی اور جنگل کے ٹھکانوں سے باہر آئے۔ مختلف علاقوں پر حملہ آور ہوئے اور جالندھر دو آب کے بعض علاقوں پر انہوں نے قبضہ بھی کر لیا تھا۔

اس کے بعد سکھوں نے مزید یلغار کرتے ہوئے مغل حاکم کو امرتسر
جانے پر مجبور کر دیا اور انہوں نے اپنے اس مذہبی مرکز میں آزاد اور خودمختار
کا اعلان کر دیا تھا۔ میر منوں نے پے در پے کئی لشکر سکھوں کی سرکوبی کے لئے ا
کی طرف بھجوائے لیکن سکھوں کو قابو کرنے کے لئے ان سارے لشکروں کو
دشواریاں پیش آ رہی تھیں۔

یہ سارے حالات احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لئے اکسا
تھے چنانچہ اپنے لشکر کی بہترین تنظیم اور سارے جنگی امور کی تیاریاں کرنے کے
اس نے اپنے لشکر کے ساتھ قندھار سے کوچ کیا۔

اپنے لشکر کے ساتھ احمد شاہ قندھار سے پشاور آیا۔ پشاور میں وہ ایک بزرگ
عمر کی خدمت میں حاضر ہوا جو سمرقند کے مانے ہوئے بزرگ اور عالم خیال کئے ج
تھے۔ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر احمد شاہ ابدالی نے دعائے فتح مندی و اقبال حا
کی پھر لشکر کا ایک چھوٹا سا حصہ احمد شاہ ابدالی نے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی
سرکردگی میں آگے روانہ کیا تاکہ ہندوستان کی طرف احمد شاہ ابدالی کی آمد سے پہلے
وہ شاہراہوں کو محفوظ کرتا چلا جائے۔

جہان خان کو اپنے آگے آگے روانہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بھی
لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے اس نے دریائے
کے مغربی کنارے پر آ کے اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

دوسری طرف لاہور کے گورنر میر منوں کو جیسے ہی احمد شاہ ابدالی کے حملہ
ہونے اور لاہور کی طرف پیش قدمی کی خبر ملی تو وہ فوراً اپنے لشکر کے ساتھ لاہور
نکلا اور دریائے چناب کے مشرقی کنارے پر آ کر لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر کے دشمن
ساتھ حملہ آور ہونے یا آگے بڑھنے کا انتظار کرنے لگا تھا۔

لاہور سے اپنے لشکر کے ساتھ نکلنے کے بعد میر منوں نے اپنے پیچھے لاہور
عوض خان کو اپنا نائب اور قائم مقام گورنر مقرر کیا تھا۔ اپنے لشکر کے ساتھ میر م

ہدرہ شہر کے قریب خیمہ زن ہوا اور تیز رفتار قاصد اس نے دہلی مغل شہنشاہ احمد
اہ کی طرف روانہ کئے اور التماس کی کہ احمد شاہ ابدالی کے خلاف اب اسے رسد اور
ک فراہم کی جائے لیکن میر منوں کی اس درخواست پر مغل شہنشاہ کے کان پر جوں
ک نہ رینگی تھی۔

کچھ عرصے تک دونوں فوجیں ایک دوسرے کے آمنے سامنے رہیں اور چھوٹی
ٹی جھڑپیں ہوتی رہیں تاہم کوئی بہت بڑا یا قابل ذکر معرکہ دونوں لشکروں کے درمیان
ہیں ہوا۔

ان چھوٹی موٹی لڑائیوں سے تنگ آ کر احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کو دو حصوں
ں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا اور سوہدرہ میں میر منوں کو اپنے
اتھ الجھائے رکھا۔ دوسرا حصہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے سپہ سالار جہان خان کی
سرکردگی میں دیتے ہوئے اسے لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کا حکم دیا۔

جہان خان مختلف مقامات سے ہوتا ہوا اور آس پاس کے علاقے کو تہس نہس
رباد کرتا اور دہشت پھیلاتا ہوا آگے بڑھا۔ اس طرح چاروں طرف بربادی کا کھیل
کھیلتے ہوئے جہان خان لاہور سے صرف دو کوس کے فاصلے پر شاہدرہ میں راوی کے
کنارے پہونچ گیا تھا۔

جہان خان چاہتا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کی آمد سے پہلے ہی وہ لاہور شہر پر حملہ آور
ہو کر اسے فتح کرے اور ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہو لیکن میر منوں نے
اپنے بعد عوض خان کو اپنا نائب اور قائم مقام مقرر کیا تھا اس نے بڑی جرات مندی
اور بڑی مہارت کے ساتھ جہان خان کا مقابلہ کیا۔ شہر سے باہر کھلے میدانوں میں جہان
خان اور عوض خان کے درمیان جنگ ہوئی جس میں عوض خان کا پلہ بھاری رہا اور
احمد شاہ ابدالی کے سپہ سالار جہان خان کو ہزیمت اٹھانا پڑی جس کے نتیجے میں جہان
خان اپنے لشکر کو لیکر پلٹا اور احمد شاہ ابدالی سے جا ملا تھا۔

جن دنوں جہان خان لاہور سے باہر شاہدرہ میں پڑاؤ کیے ہوئے تھا اور لاہور کا

قائم مقام گورنر عوض خان اس کے ساتھ الجھا ہوا تھا اس موقعے سے فائدہ
سکھوں کے خالصہ جیودل کے سپہ سالار کپور سنگھ کا دماغ خراب ہوا۔ وہ حرکت
اور اپنے بیس ہزار کے لشکر کے ساتھ وہ لاہور شہر کے لوگوں کی منظوری حاصل
وہ شہر میں داخل ہوگیا۔ اس نے لوگوں سے یہ کہا کہ وہ احمد شاہ ابدالی کے مقا
شہر اور شہر کے لوگوں کی حفاظت کرے گا۔

شہر میں داخل ہونے کے بعد خالصہ جیودل کے سپہ سالار کپور سنگھ نے اپنی
چوکی کوتوالی کے پاس قائم کی۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنا رخ بدلا
پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ اس نے جو اپنی چنگی چوکی کوتوالی کے پاس قائم کی
کا مقصد یہ تھا کہ چنگی کے بہانے شہریوں سے زیادہ سے زیادہ رقم وصول کرلے
جب عوض خان واپس لوٹے تو وہ شہر سے نکل کر اپنے دل میں واپس چلا جائے۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کے دریائے چناب تک پہونچ جانے اور جہان
کے ہاتھوں لاہور کے علاقے کی تباہ کاری اور بربادی کی خبریں برابر دہلی میں مغل ش
احمد شاہ کے پاس پہونچ رہی تھیں لیکن ان ساری خبروں سے مغل شہنشاہ کے کا
جوں تک نہ رینگی اور اس نے احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں میرمنوں کو کوئی
اور کمک روانہ نہ کی اور میرمنوں کو اس نے کلیتاً" قسمت کے حوالے کر دیا تھا۔

ان حالات میں جب کہ میرمنوں کو یقین ہوگیا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے مقا
میں دہلی سے اس کے لئے کوئی مدد نہیں آئے گی تو میرمنوں پریشان اور بددل ہو
تھا۔ عین انہیں دنوں احمد شاہ ابدالی کی طرف سے میرمنوں کے پاس احمد شاہ
قاصد آئے اور ہتھیار ڈال کر صلح کرنے کی ترغیب دی۔ میرمنوں کو یقین ہوگیا تھا
اسے دہلی سے کوئی مدد نہیں ملے گی لہٰذا وہ اپنے آپ کو بالکل بے سہارا محسوس کر
لگا تھا۔ لہٰذا اس نے احمد شاہ ابدالی کے مطالبے کو منظور کر لیا اور صلح کی شرائط
کرنے کے لئے اس نے اپنے لشکر سے شیخ عبدالقادر اور علامہ نوری عبداللہ کو بھیجا
احمد شاہ ابدالی نے شیخ عبدالقادر اور علامہ نوری عبداللہ کا شایان شان احترام ا

عزت افزائی کی۔ میرمنوں نے دونوں بزرگوں کے ہاتھ جو تحائف بھیجے تھے وہ احمد شاہ ابدالی نے بخوشی قبول کئے اور پھر ان دونوں بزرگوں کے ساتھ مل کر صلح کی شرائط طے کی گئیں۔ جو کچھ یوں تھیں۔

پہلی شرط یہ تھی کہ دریائے ستلج کے مغرب میں جس قدر علاقہ ہے وہ احمد شاہ ابدالی کے حوالے کر دیا جائے گا اور اس علاقے کو احمد شاہ ابدالی کی مملکت کا حصہ خیال کیا جائے گا۔

دوسری شرط یہ تھی کہ چہار محل یعنی چار اضلاع سیالکوٹ، اورنگ آباد، پسرور اور گجرات کے محاصل جو چودہ لاکھ سالانہ ہوتے تھے احمد شاہ کو ہر سال بھیجے جائیں گے۔

در حقیقت یہ معاہدہ اس معاہدے کی تجدید تھی جو چند ہی سال پہلے ایران کے بادشاہ نادر شاہ اور ہندوستان کے شہنشاہ محمد شاہ کے مابین طے پایا تھا۔ اس معاہدے کی منظوری کے لئے میرمنوں نے مغل شہنشاہ کی طرف دہلی روانہ کیا۔ مغل شہنشاہ نے اس کی منظوری دیدی اور کابل کے سابق حکمران نصیر خاں کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ چاروں اضلاع سیالکوٹ، اورنگ آباد، پسرور اور گجرات کے محاصل جو سالانہ چودہ لاکھ کے قریب بنتے ہیں اکھٹے کرکے ہر سال احمد شاہ ابدالی کو بھجوایا کرے گا۔

احمد شاہ ابدالی کے لئے یہ شرائط صلح حد درجہ منفعت بخش اور مسرت انگیز تھیں۔ مان پور کا فاتح میرمنوں جس نے مان پور کے وسیع میدانوں میں احمد شاہ ابدالی کو شکست دی تھی آج احمد شاہ ابدالی کے سامنے سرنگوں ہو رہا تھا اور یہ کچھ مغل شہنشاہ کی نالائقی اور اس کی تساہل پسندی کی بنا پر رونما ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ چودہ لاکھ سالانہ کی آمدنی مستزاد تھی جو احمد شاہ ابدالی کو مل رہی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہندوستان میں اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر لیا تھا۔

کچھ عرصہ تک احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان میں قیام کیا پھر وہ ڈیرہ غازی خان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے راستے اپنے لشکر کو لیکر قندھار کی طرف روانہ ہوگیا تھا۔ ڈیرہ

غازی خاں اور ڈیرہ اسماعیل کے قبائلی سردار احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اپنی اطاعت کا اظہار کیا۔ ڈیرہ غازی خان میں قلات کا حکمران میر نصیر خان بھی احم ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کو اس نے اپنا بادشاہ اپنا حکمران کر لیا اور آئندہ کے لئے احمد شاہ کا فرمانبردار بن کر رہنے کا عہد کیا۔

ہندوستان سے نکل کر احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ جب قندھار واپس آ اس پر ایک خوفناک سازش کا انکشاف ہوا لیکن سازش کی تکمیل سے پہلے ہی احم کو اس کی خبر ہو گئی۔ اس سازش کا مقصد احمد شاہ کو قتل کرنا تھا۔ اس سازش کا م ایک شخص نور محمد تھا۔ جو ایران کے بادشاہ نادر شاہ کے عہد میں ان افغان دستو سپہ سالار تھا جو نادر شاہ کے لشکر میں شامل تھے۔

نادر شاہ کے بعد جب احمد شاہ ابدالی کو خوب عروج حاصل ہوا تو افواج کی سالاری کا عہدہ نور محمد سے چھن گیا۔ اگرچہ احمد شاہ نے نور محمد کی عزت افزائی کی اور اس کو میر افغان کے خطاب سے نوازا تھا لیکن نور محمد ذہنی طور پر مطمئن نہ تھا۔ لہٰذا وہ اندر ہی اندر احمد شاہ ابدالی کے خلاف سازشیں کرنے لگا تھا۔

ہوس اقتدار کی خلش نے نور محمد خان کو چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ جس وقت ا شاہ ابدالی ہندوستان میں مصروف کار تھا نور محمد نے بہت سے افغان سرداروں کو ا ساتھ ملا لیا۔ ان سرداروں میں زیادہ مشہور عابد خان پوپلزئی۔ داؤد خان، عثمان توپچی باشی اور ان کے علاوہ کچھ دوسرے بڑے بڑے سردار بھی تھے جو خود بھی احمد شا روز افزوں اقتدار سے جلتے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے پنجاب میں جو عظیم ا کامیابیاں حاصل کی تھیں وہ ان سرداروں کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھیں۔

احمد شاہ ابدالی کو قتل کرنے کے لئے ان سب سرداروں نے قندھار کے گاؤں کو اپنا مرکز بنایا۔ اس گاؤں کا نام مقصود شاہ تھا۔ ان سرداروں کا یہ ارادہ ا احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ جب اس گاؤں کے قریب سے گذرے گا تو ا اس پر حملہ آور ہو کر اس کا کام تمام کر دیا جائے گا۔

لیکن اس سازشی گروہ کی بدبختی اور نامرادی کہ ایک شریک سازش نے احمد شاہ ابدالی کو سازش کے اس منصوبے سے بروقت آگاہ کر دیا۔ اس جرم کی سزا اس وقت ایک ہی ہو سکتی تھی وہ یہ کہ نور محمد اور اس کے ساتھیوں اور سازش میں شامل ہر قبیلہ کے دس دس آدمیوں کو اسی پہاڑی پر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے جس پر ان سازشیوں نے احمد شاہ ابدالی کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تھا چنانچہ نور محمد اس کا ساتھ دینے والے سارے سرداروں اور ہر قبیلے کے سازشیوں میں سے دس افراد کو کوہستانی سلسلے کے اوپر قتل کر دیا گیا۔

سازشیوں کے اس قتل عام سے افغان سرداروں میں ہلچل مچ گئی تھی چونکہ یہ احمد شاہ کے حکم پر پہلی سزائیں دی گئیں تھی۔ اس لئے افغان سردار ڈرے اور خوفزدہ ہوئے کہ مبادا مستقبل میں یہی معاملہ ان کے ساتھ بھی پیش نہ آ جائے لہٰذا وہ بڑے محتاط اور بڑے مخلص رہ کر احمد شاہ کے ساتھ دن گذارنے لگے تھے۔



ہندوستان میں اپنی پوزیشن مستحکم اور نور محمد کی سازش کا خاتمہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے اصل وطن ہرات پر حملہ آور ہو کر اسے اپنی سلطنت میں شامل کرنے کے لئے تیاریاں کرنے لگا تھا۔ ہرات پر اس وقت ایک عرب سردار امیر خان نامی حکمران تھا۔ جو ایران کی حکومت کی طرف سے اس شہر کا حاکم مقرر کیا گیا تھا اور سیستان کا رہنے والا تھا۔

ایران کے بادشاہ نادر شاہ کا قتل اس کے بھانجے علی قلی خان کے ایما پر ہوا تھا۔ و نادر شاہ کے قتل کے بعد عادل شاہ کے لقب سے تخت نشین ہوا تھا۔

لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی غرض سے اس عادل شاہ نے پہلا کام یہ کیا کہ جگہ جگہ شہر شہر قریہ قریہ اس نے اعلان عام کے ذریعے نادر شاہ کی سفاکیوں کی مت کی اور لوگوں میں مشہور کرا دیا کہ وہ اپنی رعایا کے سروں کے مینار تعمیر کیا کرتا تھا۔

لیکن نادر شاہ کا خاتمہ کرانے کے بعد جب علی قلی خان عادل شاہ کے لقب
حکمران بنا تو وہ بھی کوئی اچھا حکمران ثابت نہیں ہوا۔ اس نے نادر شاہ کے پو
رخ کے سوا نادر شاہ کے تمام کنبے کو قتل کر ڈالا۔ شاہ رخ نادر شاہ کے بدقسمت
رضا قلی خان کا بیٹا تھا جس کو خود نادر شاہ نے اندھا کر ڈالا تھا۔

علی قلی خان عادل شاہ کے لقب سے تھوڑا ہی عرصہ حکومت کرنے پایا تھا کہ
کے بھائی ابراہیم نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ دونوں بھائیوں میں جنگ
جس میں ابراہیم فاتح رہا اور اس نے اپنے بھائی علی قلی خان یعنی عادل شاہ کو تخ
تاج سے اتار کر اندھا کر ڈالا اور بعد ازاں اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

عادل شاہ کے خاتمے کے بعد ابراہیم نے نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کو تخت ن
کیا لیکن شاہ رخ کے تخت نشین ہونے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک شخص مرزا
محمد نے جو بنیادی طور پر امام رضا کے مزار کا متولی تھا شاہ رخ کے خلاف بغاو
دی۔ سلطنت کے کچھ حصوں پر اس نے قبضہ کر لیا اور سلیمان شاہ لقب اختیار
ان علاقوں پر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس طرح شاہ رخ اور سلیمان شا
درمیان تخت و تاج کے حصول کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی تھی۔

جن دنوں شاہ رخ اور سلیمان شاہ میں یہ رسہ کشی جاری تھی۔ ان دنوں ا
اپنے لشکر کے ساتھ قندھار میں ہرات پر حملہ آور ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا۔
دنوں احمد شاہ کو ہرات کے حکمران امیر خان اور نائب امیر بہبود خان ہراتی کی
سے پیغام ملے۔ جن میں ایرانی سلطنت کی ابتری اور افراتفری کا ذکر کیا گیا اور ا
ابدالی کو ہرات پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دی گئی تھی۔

احمد شاہ ابدالی تو پہلے ہی ہرات پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہا تھا۔ ا
اسے ہرات کے والی امیر خان اور ایک سرکردہ سردار بہبود خان ہراتی کی طرف
ہرات پر حملہ آور ہونے کی ترغیب ملی تو احمد شاہ ابدالی فوراً" حرکت میں آیا۔
ہزار سواروں کا ایک لشکر اس نے لیا اور برق رفتاری سے اس نے ہرات کی

قدمی شروع کی تھی۔

اپنے لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی جب ہرات پہنچا تو اس نے اپنے لشکر کے
ساتھ ہرات کے باہر پڑاؤ کیا۔ اس پڑاؤ کے دوران احمد شاہ ابدالی نے درویش عبیداللہ
کو اپنے پاس طلب کیا۔ جب درویش عبیداللہ اس کے سامنے آیا تو احمد شاہ نے
رویش عبیداللہ کو اپنے پہلو میں بیٹھنے کو جگہ دی اس کی عزت افزائی کی۔ جب عبیداللہ
بیٹھ گیا تو احمد شاہ ابدالی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو عبیداللہ تم آج بلکہ اسی وقت نادر آباد کی طرف روانہ ہو جاؤ اور عبداللہ کو
پنے ساتھ یہاں میرے پاس لیکر آؤ۔ عبیداللہ تم جانتے ہو کو نادر آباد کے اس مکتب
ں عبداللہ کو تربیت حاصل کرتے ہوئے تین سال کا عرصہ گزر چکا ہے۔ میں اسے
نگوں میں عملی طور پر حصہ لینے کا موقع دینا چاہتا ہوں اور اندازہ لگانا چاہتا ہوں کہ
ں مکتب سے اس نے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔

سنو درویش عبیداللہ جب عبداللہ میرے لشکر میں آئے گا تو عارضی طور پر میں
سے شاہ پسند کا لقب دوں گا اور اسے کسی عام مہم میں ذمہ داری سونپوں گا پھر دیکھوں
ا کہ میرے دشمنوں پر وہ کیسے ضرب لگاتا ہے۔ اصل شاہ پسند کا لقب اس وقت نادر
باد کے مکتب میں زیر تربیت لڑکوں میں سے اسے ہی ملے گا۔ جو حرب و ضرب کے
نا میں سب کو زیر کرنے کے بعد سرفہرست رہے گا۔ اس پر عبیداللہ بولا اور کہنے لگا۔

"پاشا میرا دل کہتا ہے کہ شاہ پسند کا لقب عبداللہ ہی حاصل کرے گا۔ میں آپ کا
نون و مشکور ہوں کہ آپ عبداللہ کو یہاں بلا کر اسے کسی مہم میں عملی طور پر حصہ
نے کا موقع فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ اسے عارضی طور پر شاہ پسند کا لقب بھی دے
ہے ہیں۔ پاشا میں آج ہی یہاں سے نادر آباد کی طرف روانہ ہوتا ہوں اور بہت جلد
بداللہ کو لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوں گا اس کے ساتھ ہی درویش عبیداللہ احمد
ہ ابدالی کے پاس سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔



ہرات شہر سے باہر احمد شاہ ابدالی نے ہرات کے والی امیر خان اور نائب امیر خان کو کہلا بھیجا کہ وہ شہر سے باہر نکل کر اس کے لشکر میں اس سے ملاقات کر ان دونوں سرداروں نے احمد شاہ ابدالی کی اس دعوت کو قبول کر لیا لیکن ہرات شہ چیدہ چیدہ شہریوں اور سرداروں نے امیر خان اور بہبود خان کے اس طرز عمل کو نا کیا اور انہوں نے مخالفت کی کہ ان دونوں سرداروں کو کسی بھی صورت احمد شاہ ا کے پڑاؤ میں نہیں جانا چاہیے۔ ہرات شہر کے کچھ سرکردہ لوگوں نے یہ دھمکی بھی کہ اگر امیر خان اور بہبود خان نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہونے کوشش کی تو ان دونوں کو گرفتار کر کے ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اس کے ہرات شہر کے سرداروں اور سرکردہ لوگوں نے امیر خاں اور بہبود خان سے یہ مطالبہ کیا کہ اگر احمد شاہ ابدالی ہرات پر حملہ آور ہوتا ہے تو اس کا ڈٹ کر مقابلہ جائے اور کسی بھی صورت اسے ہرات شہر میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

اس پر امیر خان اور بہبود خان ڈرے۔ اپنے کئے پر نادم ہوئے اور احمد شا کی خدمت میں حاضر ہونے کے بجائے ان دونوں سرداروں نے احمد شاہ کا مقابلہ کا وعدہ کیا چنانچہ اس وعدے کو نبھانے کی خاطر ہرات کے حکمران امیر خان ۔ قلعے کو مستحکم کیا۔ شہر کے میناروں پر توپیں چڑھا دیں اور احمد شاہ ابدالی نے جو دونوں سرداروں کو ملنے کے لئے روانہ کیا تھا اس کا جواب امیر خان نے توپ گولا داغ کر دیا تھا۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ نے ہرات شہر کو بزور فتح کرنے کے ۔ قدمی شروع کی لیکن شہر کے فصیل کے اوپر سے احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکر اس قدر آگ اور ابلتا ہوا پانی برسایا گیا کہ احمد شاہ ابدالی کو اپنے لشکر کا کافی اٹھا کر پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ اس نقصان کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے سالاروں سے مشورہ کیا تو سب نے یہی مشورہ دیا کہ پوری تندہی سے ہرات شہر کا محاصرہ کر لیا

شہر کی سخت ناکہ بندی کی جائے اور محاصرہ کو طول دینے کی کوشش کی جائے تاکہ اہل ہرات ان کے سامنے ہتھیار ڈالدیں۔

یہ فیصلہ ہونے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بڑی سختی کے ساتھ ہرات شہر کا محاصرہ کر لیا تھا۔ شہر پر تابڑ توڑ اور لگاتار حملے شروع کر دیئے گئے تھے۔ شہر کی ناکہ بندی ہونے کی وجہ سے شہر میں باہر سے خوراک آنا بند ہو گئی تھی جبکہ احمد شاہ کو ہر طرح کی خوراک فراہم ہو رہی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے ہرات کے والی امیر خان نے ایران کے حکمران شاہ رخ کی طرف قاصد بھجوائے اور احمد شاہ ابدالی کے خلاف اس سے مدد طلب کی لیکن شاہ رخ اس موقع پر امیر خان کی کوئی مدد نہ کر سکا اس لئے کہ ایرانی سلطنت دو حصوں میں بٹ چکی تھی ایک حصہ کا شاہ رخ حکمران تھا دوسرے حصے پر سلیمان شاہ اور دونوں کے درمیان اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے کے لئے رسہ کشی شروع ہو چکی تھی۔ لہٰذا نادر شاہ کا پوتا شاہ رخ ہرات کے حکمران امیر خان کی کوئی مدد نہ کر سکا۔

ان حالات میں احمد شاہ نے بڑی سرگرمی سے ہرات کا محاصرہ جاری رکھا۔ محاصرہ طول پکڑتا جا رہا تھا۔ پھر ایک روز احمد شاہ ابدالی نے اپنے سالاروں سے اپیل کی کہ شہر پر قبضہ کرنے کے لئے بھرپور کوشش کی جائے۔ احمد شاہ ابدالی کا پیغام سن کر اس کے سارے سالاروں نے تہیہ کر لیا کہ کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے شہر پر دھاوا بول دیں اور جب تک شہر اور قلعہ فتح نہ ہو جائے واپس ہٹنے کا نام نہ لیں۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد شہر کی فصیل اور دیواروں کے اوپر سے احمد شاہ کے لشکر پر آگ کے دھکتے ہوئے انگارے اور کھولتا ہوا پانی پھینکا گیا لیکن احمد شاہ کے لشکری آگ اور کھولتے ہوئے پانی کی پرواہ کئے بغیر آگے بڑھتے رہے۔ ان گنت سپاہی مرے اور زخمی ہوئے لیکن لشکر بے تکان پیش قدمی کرتا رہا۔ خون کے دریا اور مردہ سپاہیوں کے اوپر سے گذرتا ہوا احمد شاہ کا لشکر آخر شام کے قریب شہر میں داخل ہوا اور شہر کے قلعے کا بھی محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے محاصرے کے دوران احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خان نے بلند آواز

میں ہرات کے حکمران اور دوسرے سرداروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہاری درخواست پر ہرات شہر کی طرف آئے ہیں۔ اب تم کس بنا سے مقابلہ کئے جا رہے ہو۔ اب ہمارے اور تمہارے درمیان صورت حال یہ ہ ہے کہ نہ تم نکل سکتے ہو اور نہ ہم واپس جا سکتے ہیں۔ لڑنا بند کر دو۔ میرا پیغام سرداروں کو پہونچا کر جواب لاؤ۔ ہمارا حکمران احمد شاہ انتظار میں ہے اور ہم آ سانس تک جنگ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

شاہ ولی خان کی اس پکار پر امیر خان اور بہبود خان سوچنے لگے کہ ہم لگا تار سے جنگ کر رہے ہیں۔ ہم نے شاہ رخ سے کمک بھیجنے کے لئے پیہم درخواستیں ہیں۔ سب بے فائدہ' سامان رسد ختم ہو رہا ہے جب کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر روزبروز سختی ہوتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ امیر خان اور بہبود خان کو یہ خدشہ تھا کہ شہر کے اندر جب خوراک کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا تو ان کے آدمیوں لڑنے کی سکت بالکل نہ رہے گی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے آخر کار امیر خان اور ب خان نے احمد شاہ ابدالی کے پاس پیغام بھیج کر صلح کی درخواست کی۔

صلح کی اس درخواست پر غور ہی ہو رہا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا وہ حصہ ہرات کے قلعے پر حملہ آور ہو رہا تھا اس نے اچانک رسوں کی سیڑھیاں پھینک قلعہ کی فصیل پر چڑھنا شروع کر دیا تھا اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

قلعہ کی فصیل کے محافظوں نے انہیں روکنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام ہو گئے پھر رسیوں کی سیڑھی کی مدد سے احمد شاہ ابدالی کے ان گنت لشکری قلعے کی فصیل چڑھنے لگے۔ کچھ سپاہیوں نے دوسری طرف اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور قلعے دروازہ کھلنا تھا کہ احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ طوفانی ریلے کی طرح ہرات کے قلعے میں داخل ہوا۔ شہر کے اندر لڑائی چھڑ گئی اور تھوڑی ہی دیر کی جنگ کے بعد قلعے احمد شاہ ابدالی کا پوری طرح قبضہ ہو گیا تھا۔

ہرات شہر کی فتح کے بعد ہرات کا والی امیر خان اور نائب امیر بہبود خان احم

ابدالی کے سامنے پیش ہوئے اور جان کی امان طلب کی۔ احمد شاہ ابدالی نے دونوں کو معاف کر دیا اور ہرات کو اپنی قلمرو میں شامل کرتے ہوئے علی خان ہزارہ کو اس نے ہرات کا اپنی طرف سے والی مقرر کر دیا تھا۔

○

جن دنوں احمد شاہ ابدالی ہرات شہر کا محاصرہ کرنے میں مصروف تھا۔ ان دنوں ایرانی سلطنت میں بھی ایک انقلاب رونما ہو گیا تھا اور وہ اس طرح کہ سلیمان شاہ نے نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کو شکست دیکر اسے اندھا کر دیا اور خود ایران کے تخت و تاج کا مالک بن بیٹھا تھا لیکن جلد ہی ایک اور انقلاب رونما ہوا۔ شاہ رخ کا ایک جرنیل جس کا نام یوسف علی تھا وہ احمد شاہ کے مقابلے میں ان دنوں ہرات شہر میں ہرات کے ولی امیر خان کی مدد کو آیا ہوا تھا۔ جب اسے خبر ہوئی کہ اس کی غیر موجودگی میں سلیمان شاہ نے فتح حاصل کر کے اس کے آقا شاہ رخ کو نہ صرف یہ کہ تخت سے محروم کر دیا ہے بلکہ اس کی آنکھیں نکال کر اسے اندھا کر دیا ہے تو وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ ہرات سے نکل کر شاہ رخ کی طرف چلا گیا تھا۔

جرنیل یوسف علی نے بہت جلد ایک لشکر ترتیب دیا اور سلیمان شاہ کا مقابلہ کیا اسے شکست دی اس کے دو بیٹوں کو قتل کر دیا اور شاہ رخ کو دوبارہ تخت نشین کر دیا اور خود اس کا نگران بن کر حکومت کرنے لگا۔

لیکن اس المیہ کا خاتمہ نہ ہو سکا۔ شاہ رخ کے تخت نشین ہوتے ہی سیتان کے عربوں کا کماندار میر عالم خان حرکت میں آیا اس نے کرد سپہ سالار جعفر خان کو اپنے ساتھ ملایا اور شاہ رخ کے جرنیل یوسف علی کے خلاف یہ دونوں حرکت میں آئے۔

عربوں کے کماندار میر عالم خان اور کرد کماندار جعفر خان کے لشکر کا سخت معرکہ جرنیل یوسف علی کے لشکر سے ہوا۔ جس میں یوسف علی کو شکست ہوئی وہ مغلوب ہوا اور میر عالم خان اور جعفر خان دونوں نے یوسف علی کو نور بصارت سے محروم کر دیا۔

لیکن تھوڑی ہی مدت بعد ان دونوں سرداروں یعنی سیتان کے میر عالم خان اور

کرد کماندار جعفر خان میں ان بن ہو گئی اور لڑ پڑے۔ جعفر خان کو شکست ہوئ اسے میر عالم خان نے اندھا کر دیا۔ میر عالم خان نے مشہد شہر میں اپنی حکومت قا لی۔ اب وہ نیشاپور کو فتح کرنے کے متعلق سوچنے لگا تھا لیکن میر عالم خان کی بدقسم ان دنوں احمد شاہ ابدالی ہرات فتح کرنے کے بعد مشہد کی طرف پیش قدمی کر چ لہٰذا میر عالم خان کو مشہد کی فکر ہوئی نیشاپور کی فتح کو اس نے فراموش کر دیا اور کے قلعے اور اس کی فصیل کو مضبوط کرنے میں لگ گیا تھا۔

مشہد کی طرف جاتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے جب ایک جگہ اپنے لشکر ساتھ پڑاؤ کیا تو شام کے قریب ایک روز درویش عبیداللہ عبداللہ کو لیکر اس کے میں داخل ہوا اس وقت احمد شاہ اپنے خیمے میں اپنے وزیر شاہ ولی خان سپہ سالار جہا خان اور لشکر کے قاضی ادریس کے ساتھ بیٹھا کسی اہم مسئلہ پر گفتگو کر رہا تھا درویش عبیداللہ کے ساتھ عبداللہ کو دیکھتے ہوئے احمد شاہ نے بڑی گرم جوشی عبداللہ کا خیر مقدم کیا۔

درویش عبیداللہ کے ساتھ عبداللہ نے احمد شاہ ابدالی شاہ ولی خان اور قاضی ادریس سے بھرپور مصافحہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے دیکھا کہ عبداللہ پہلے کی نسبت بڑا او قد آور ہو چکا تھا۔ اس کے جسم پر وہی اون بھرے ٹاٹ کا بوسیدہ لباس تھا۔ پاؤں میں ٹوٹے ہوئے جوتے گلے میں لوہے کا وزنی طوق اور ٹانگوں میں لوہے کے کڑے، تھوڑی دیر تک احمد شاہ عبداللہ کو بڑے غور سے دیکھتا رہا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے شاید درویش عبیداللہ نے تمہیں بتا دیا ہو گا کہ میں تمہیں عملی زندگی کا موقع فراہم کر رہا ہوں میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ نادر آباد کے مکتب سے تم نے کیا کچھ حاصل کیا ہے۔ میں تمہیں عارضی طور شاہ پسند کا لقب دے رہا ہوں لیکن اصل شاہ پسند کا لقب نادر آباد میں اس وقت تمہارے ساتھ زیر تربیت لڑکوں میں وہ حاصل کرے گا۔ جو تم سب میں فنون حرب و ضرب میں سرفہرست رہے گا۔ سن بیرم خان کے بیٹے میں جانتا ہوں ابھی تو کم عمر ہے۔ بالغ نہیں ہوا۔ میں یہ بھی جانتا ہوں

بھی تیری تربیت بھی ادھوری ہے۔ مکمل نہیں ہوئی اس کے باوجود میں تمہیں جنگ میں آزمانا چاہتا ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں تیرا دشمن پر حملہ آور ہونے کا انداز کیسا ہے۔ تو کیسی جرات مندی سے میرے دشمنوں پر جھپٹتا ہے۔ دیکھ میں فتح اور شکست کو فراموش کرتے ہوئے اپنے آدمیوں سے تیری کارگزاری سے متعلق اطلاعات حاصل کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم میری امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کرو گے۔ اس پر عبداللہ چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

پاشا! میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے ایک گڈریئے ایک چرواہے کی زندگی سے نکال کر ایک سپاہیانہ زندگی میں داخل کر دیا ہے۔ میں آپ سے یہ وعدہ اور عہد کرتا ہوں کہ اپنے جسم کے خون کے آخری قطرے تک بھی آپ کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔

عبداللہ کا یہ جواب سن کر احمد شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھیل گئی۔ پھر وہ کہنے لگا اب تم اس وقت تک میرے لشکر کے اندر قیام کرو جب تک میں مشہد اور نیشاپور کو فتح نہیں کر لیتا اور ان دونوں مہموں کے دوران میں تمہیں بہت اعلیٰ منصب کے فرائض سونپوں گا۔ اب تم درویش عبیداللہ کے ساتھ جاؤ اور اس کے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے ان چاروں سے مصافحہ کیا اور درویش عبیداللہ کے ساتھ وہ احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گیا تھا۔



دو روز تک پڑاؤ کرنے اور لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ پھر مشہد کی طرف کوچ کیا۔ مشہد کے حکمران میر عالم کو جب احمد شاہ ابدالی کی پیش قدمی کی اطلاع ہوئی تو اس نے مشہد شہر سے باہر نکل کر احمد شاہ کے لشکر کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کیا۔

دوسری طرف احمد شاہ کے مخبر اور طلایہ گردستے بھی احمد شاہ کو پل پل کی خبریں پہونچا رہے تھے۔ احمد شاہ کو جب خبر ہوئی کہ میر عالم مشہد شہر سے باہر نکل کر اس کا

مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو اس نے اپنے لشکر کا ایک حصہ اپنے سپہ سالار جہان خان کی کمانداری میں مشہد کے حکمران میر عالم کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا اور کے نواب میر نصیر خان کو اس کے لشکر کے ساتھ احمد شاہ نے اپنے سپہ سالار خان پوپلزئی کی مدد کے لئے روانہ کر دیا تھا۔

دوسری طرف میر عالم خان ایک جرار لشکر لیکر مقابلے پر آیا۔ اپنے چھوٹے میر معصوم خان کو میر عالم نے مشہور و معروف تاریخی قلعے نن میں ایک لشکر کے رکھا تاکہ وہ وقت ضرورت میر عالم کو رسد اور کمک فراہم کر سکے۔

مشہد شہر سے دور کھلے میدانوں میں میر عالم اور جہان خان کے لشکر آپر ٹکرائے۔ اپنے پہلے زور دار حملے میں میر عالم نے جہان خان کے لشکر کو ایک طر ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اور جہان خان مجبور ہو کر پسپا ہونے پر مجبور ہوا تھا۔

لیکن جلد ہی جہان خان نے اپنے لشکر کو سنبھال لیا اور جوابی حملہ کرنے کے تیار ہو گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنی مدد کے لئے آنے والے قلات کے نواب خان کو بھی حملہ آور ہونے کے لئے چوکس کر دیا تھا۔ پسپا ہونے کے بعد جہان سنبھلا۔ لشکر کی ترتیب درست کی پھر وہ نئے گرد باد رقص کرتے بگولوں، نادیدہ م میں ماحول کی تلخی کی طرح حملہ آور ہوا۔ اپنے اس زور دار حملے میں جہان خان میر عالم خان کے لشکر کی اگلی صفوں کی حالت کچھ اس طرح کر دی تھی جیسے ساعت جمی چپ اور مردہ لمحات کے ڈھیر میں تند خو طوفانوں کے سائے برہنہ شاخوں کو چلانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ اپنے زور دار حملوں سے جہان خان نے میر عالم مشہدی کے لشکر کی اگلی صفوں کی حالت ظلمت شکست غم شدہ غبار رہ جیسی بنا کر دی تھی۔

جس وقت جہان خان میر عالم خان کے لشکر پر جان لیوا ضربیں لگا رہا تھا اسی و قلات کا نواب میر نصیر خان دائیں پہلو کی طرف سے میر عالم خان کے لشکر پر بے یادوں، بدعہدی کی خونی روداد، شام کے اجالوں کو نگلتی بے نام راتوں کی طرح حملہ آ

وا تھا۔ اپنے زور دار حملوں سے قلات کا نواب میر نصیر خان مشہد کے حکمران میر عالم ان کے لشکروں میں اس طرح گھسا تھا جیسے وارفتہ سیل محشر میں فشار آتش یا خرمن تی میں بکھرتی راکھ گھس آتی ہے۔

اب بائیں جانب سے جہان خان کے حملے اور دائیں طرف سے قلات کے نواب ر نصیر خان کی ضربوں نے میر عالم مشہدی کے لشکر کی حالت ابر کی ان آوارہ قاشوں بسی بنا کر رکھ دی تھی جو ملگجی آبنوسی روشنی میں پلکوں پر آبی موتی اور برف لب لئے اہ کی تلاش میں ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہیں۔

تھوڑی دیر تک مشہد کے نواحی علاقوں میں جہان خان اور مشہد کے حکمران میر الم خان کے لشکروں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ آخر جہان خان پوپلزئی اور قلات کے نواب میر نصیر خان دونوں نے مل کر مشہد کے حکمران میر عالم خان کے لشکر کو ترین شکست دی اور جنگ میں میر عالم خان بھی مارا گیا اور اس کے لشکر کا پوری طرح صفایا کر دیا گیا تھا۔

جس وقت جہان خان پوپلزئی اور قلات کا نواب میر نصیر خان مشہد کے حکمران میر عالم خان کے ساتھ الجھے ہوئے تھے اس وقت احمد شاہ ابدالی بھی حرکت میں آیا اور نن کے اس تاریخی قلعے کی طرف بڑھا جس کے اندر مشہد کے حکمران میر عالم کا بھائی میر معصوم خان محصور تھا۔

احمد شاہ نے آگے بڑھ کر نن کے قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ قلعے کے اندر میر معصوم خان نے بہترین انتظامات کر رکھتے تھے۔ لہٰذا اس نے محصور رہ کر احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ وہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ محاصرے کے دوران اس کا بھائی میر عالم خان اس کے لئے رسد اور کمک کا سامان ضرور روانہ کرے گا۔

لیکن معصوم خان کی بدقسمتی کہ عین ان دنوں اسے جنگ میں اپنے بھائی میر عالم خان کے مرنے کی اطلاع ملی۔ اپنے بھائی کے مرنے کی وجہ سے معصوم خان نے جی چھوڑ دیا۔ لڑنا اس نے ترک کر دیا اور اپنے قاصد بھیج کر اس نے احمد شاہ ابدالی سے

صلح کی درخواست کی۔ احمد شاہ ابدالی نے اسے بلا بھیجا۔ معصوم خان احمد ش
خدمت میں حاضر ہوا اور نن کے قلعے کی چابیاں احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں پ
دیں اور اپنی اطاعت کا اظہار کر دیا۔ احمد شاہ نے معصوم خان کو معاف کر دیا۔
نظم و نسق درست کیا اتنی دیر تک میر عالم خان کے لشکر کا صفایا کرنے کے بعد
خان پوپلزئی اور قلات کا نواب میر نصیر بھی ان سے آن ملے تھے اس کے بعد ا
ابدالی اپنے متحدہ لشکر کو لیکر مشہد شہر کی طرف بڑھا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے آگے بڑھ کر اپنے لشکر کے ساتھ مشہد شہر کا محاصرہ کر لیا
شہر کے اندر جو ایرانی لشکر موجود تھا اس نے قلعے کی حفاظت کرتے ہوئے شہر کی
کے اوپر توپیں نصب کر دی تھیں تاکہ احمد شاہ ابدالی جب حملہ آور ہو تو اس پر
برسائی جا سکے لیکن احمد شاہ ابدالی نے جب بڑی سختی کے ساتھ شہر کا محاصرہ کیا ا
مقامات سے کامیاب حملے کئے تو شہر کے اندر محصور ایرانی لشکر کی ہوا نکل گئی تھی

ان دنوں شاہ کے پوتے شاہ رخ نے بھی مشہد ہی میں قیام کر رکھا تھا جسے
کے حریف سلیمان شاہ نے حکومت چھین کر اندھا کر دیا تھا۔ آخر شہر والوں کے
اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ شاہ رخ شہر سے باہر نکلا اور احمد شاہ ابدالی کی خدمت
حاضر ہوا اور مشہد کے لوگوں کو معاف کر دینے کی استدعا کی۔

شاہ رخ چونکہ نادر شاہ کا پوتا تھا اور کسی دور میں احمد شاہ نادر شاہ کا ملازم
تھا لہٰذا جب شاہ رخ احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو احمد شاہ نے اس کی
قدر دانی کی اور چند شرائط کے عوض نہ صرف اس نے محاصرہ اٹھانے کا وعدہ کر لیا
شاہ رخ کو اس نے مشہد کا اپنی طرف سے حکمران بھی بنا دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی مشہد کی فتح سے فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کے جاسوسوں نے
خبریں دیں کہ خراسان کے سردار فتح علی خان کے لڑکے محمد حسین کاچار نے خرا
کے اندر بغاوت اور سرکشی کھڑی کر دی ہے اور استر آباد میں اس نے اپنے
خوب جما لئے ہیں۔ استر آباد بحیرہ کیسپئن کے شمالی ساحل پر چھوٹا سا شہر ہے۔ یہاں

ن کاچار کا خاندان رہائش پذیر تھا اور پھر استر آباد سے نکل کر اس محمد حسین کاچار
خراسان میں مازندان کے سارے علاقے پر قبضہ کر کے اپنی خود مختار حکومت قائم
لی تھی۔

احمد شاہ ابدالی کو خوف اور خدشہ ہوا کہ اگر محمد حسین کاچار اسی طرح اپنی طاقت
قوت میں اضافہ کرتا رہا تو کچھ ہی دنوں میں وہ اس کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔
اس کے خلاف احمد شاہ نے حرکت میں آنے کا فیصلہ کر لیا۔ احمد شاہ نے لشکر کا
حصہ عبداللہ کی سرکردگی میں دیا اور اسے شاہ پسند کا اعزازی لقب عطا کیا اور چند
نما اس کے ساتھ کر دیئے اور عبداللہ کو حکم دیا کہ وہ باغی محمد حسین کاچار کی سرکوبی
لئے مازندان کی طرف روانہ ہو جائے۔ احمد شاہ کا یہ حکم پاتے ہی اس کے مہیا
دہ رہنماؤں کے ساتھ لشکر لیکر نابالغ عبداللہ مازندان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

○

دوسری طرف خراسان کے باغی سردار محمد حسین کاچار کو بھی عبداللہ کی سرکردگی
آنے والے لشکر کی اطلاع اور خبر ہو گئی تھی۔ اس لشکر سے نپٹنے کے لئے محمد
ین کاچار نے ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا۔ اس لشکر کو اس نے دو حصوں میں
سیم کیا۔ ایک حصہ اپنے ایک انتہائی خونخوار جرنیل عیسٰی خان کرد کی سرکردگی میں دیا
ر دوسرا حصہ ویسے ہی جرنیل حسن خان کے ماتحت کر دیا اور دونوں جرنیلوں کو حکم
ا کہ وہ کھلے میدانوں میں عبداللہ اور اس کے لشکر کا راستہ روک کھڑے ہوں اور ہر
الت میں عبداللہ کو شکست دیکر اسے بھاگ جانے پر مجبور کریں۔

عیسٰی خان کرد اور حسن خان دونوں ہی بڑے منجھے ہوئے اور تجربہ کار جرنیل
تھے۔ انہوں نے مازندان کے ایسے کھلے ہوئے میدانوں اور وادیوں کو جنگ کا میدان
ا جن کے اطراف میں چھوٹے چھوٹے کوہستانی ٹیلے تھے۔ خود عیسٰی خان کرد اپنے
شکر کے ساتھ میدان جنگ میں پڑاؤ کر کے انتظار کرنے لگا جب کہ اپنے ساتھی جرنیل
حسن خان کو اس نے کوہستانی سلسلے میں گھات میں بٹھا دیا تھا تاکہ وقت ضرورت حسن

خان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے کی گھاٹ سے نکل کر عبداللہ کے
پر پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر اپنی فتح کو یقینی بنا سکے۔

دوسری طرف عبداللہ برق رفتاری سے پیش قدمی کرتا ہوا میدان جنگ میں
حسین کاچار کے جرنیل عیسیٰ خان کرد کے عین سامنے آکر خیمہ زن ہوا تھا۔

عبداللہ صبح سویرے اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ میں داخل ہوا اور ا
کے بعد دونوں لشکروں نے ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرنے کے لئے اپنی
درست کیں اس کے بعد دونوں لشکر ایک دوسرے پر حملہ آور ہو گئے اور گھمسان
جنگ کی ابتداء ہو گئی تھی۔

عیسیٰ خان کرد یہ خیال کر رہا تھا کہ اس کے سامنے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا
سالار عبداللہ چونکہ ابھی نابالغ ہونے کے ساتھ نا تجربہ کار بھی ہے لہٰذا وہ اسے ز
دیر تک میدان میں جمنے نہیں دے گا اور اسے شکست دیکر بھاگ جانے پر مجبور
دے گا لیکن عیسیٰ خان کرد کی ان ساری امیدوں پر پانی پھر گیا تھا۔

اس لئے کہ جنگ کی ابتداء ہوئی تو عبداللہ نے بڑے منجھے ہوئے جرنیل کی
اپنے لشکر کی کمانداری کی اور وہ فراموش زمانوں اور گھنے جنگل کے اجاڑ میں خوا
آسودگی میں چھپی دل کی آوارہ خرامی کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ عبداللہ نے ناتجربہ
ہونے کے باوجود عیسیٰ خان کرد کے لشکر کی اگلی صفوں پر خزاں کے کھیتوں پر چھا
دھوپ اور آہنی گرفت رکھنے والے سرد ہیولوں کی طرح چھانا شروع کر دیا تھا۔ عیـ
خان کرد نے بہتری کوشش کی کہ عبداللہ اور اس کے لشکریوں کو روک دے لیکـ
عبداللہ بکھرے آسمان پر جھاگ اڑاتے ابر کے پیکروں اور خوابوں کے تہہ در تہہ جہا
میں ویران فلک سے سورج کے کرنوں کے تیروں کی طرح اپنے لشکریوں کے ساتھ
عیسیٰ خان کرد کے لشکر میں گھستا چلا گیا تھا۔

سورج غروب ہونے سے پہلے تک عبداللہ نے عیسیٰ خان کرد کے لشکر کی اگلی
صفوں کو مکمل طور پر ادھیڑ کر رکھ دیا تھا اپنے اگلی صفوں کی تباہی کی وجہ سے عیسیٰ خان

کرد کے لشکر کی پچھلی صفوں میں ایک طرح کی پژمردگی اور بددلی پھیل گئی تھی جبکہ
دوسری طرف ابھی تک عبداللہ اور اس کے لشکریوں کے حملوں میں کسی ادیب کے
پہلی تخیلات صوفی کے سنہری تصورات اور شاعر کی سندر سوچوں جیسی پنہائی رنگین
رعنایوں، انگڑائی لیتی عشرتوں، اڑان کی رتوں جیسی جاذبیت، جھلملاتے قمقموں، آکاش
پر تاروں کے جال اور حروف فسوں جیسی شادابی، دعوت لب، برہنہ ترغیب اور لذت
لمس جیسی کشش تھی۔

عیسیٰ خان کرد کے لشکر کی اگلی صفوں کا صفایا کرنے کے بعد عبداللہ اپنے لشکر کے
ساتھ روح کے جھلسا دینے والے طوفانوں، ناآسودگی کے گرم موسم۔ صداؤں کے بے
انت جان لیوا ر ہگزاروں اور دستک دینے والے اجل کے بھیانک لمحوں کی طرح پچھلی
صفوں پر حملہ آور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ جلد ہی عبداللہ نے اپنے تیز اور سخت حملوں
سے عیسیٰ خان کرد کے لشکر کی پچھلی صفوں میں بھی ابتری پھیلانا شروع کر دی تھی۔
اس وقت سورج غروب ہونے کے قریب پہونچ گیا تھا۔

عین اس موقع پر جبکہ عیسیٰ خان کرد کا لشکر بدترین شکست سے دوچار ہونے والا
تھا۔ دوسرا جرنیل حسن خان اپنے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلہ سے نکلا اور عبداللہ
کے لشکر کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہونے کے لئے بڑی تیزی سے بڑھا۔ عبداللہ
بڑی تیزی کے ساتھ حرکت میں آیا۔ حسن خان کے حملہ آور ہونے سے پہلے ہی پہلے
اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اپنے ساتھ کام کرنے
والے سرداروں کی سرکردگی میں اس نے حسن خان کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا جبکہ
لشکر کے دوسرے حصے کو وہ خود لیکر پہلے ہی کی طرح عیسیٰ خان کرد پر حملہ آور ہونا
شروع ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک یہ جنگ جاری رہی یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا
اور فضاؤں میں تاریکی پھیل گئی۔

اس تاریکی میں حسن خان کچھ اس خونخواری سے حملہ آور ہوا کہ اس کا مقابلہ
کرنے والے احمد شاہ کے لشکر کے سردار جی چھوڑ بیٹھے۔ انہوں نے اس موقع پر سب

سے بڑی حماقت یہ کی کہ پسپا ہوتے ہوئے عبداللہ کی طرف جانے کے بجائے خالی چھوڑ دیا اور میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کی اس حماقت ا وقوفی سے حسن خان نے پورا فائدہ اٹھایا اور اس نے بھاگتے ہوئے لشکر کے ا کا تعاقب کیا اور پورے لشکر کو اس نے تہہ تیغ کر دیا تھا۔

لشکر کے ایک حصے کو تباہ و برباد کرنے کے بعد حسن خان اپنے لشکر کو لیکر عبداللہ کی پشت کی طرف سے وہ حملہ آور ہو گیا تھا۔ اب عبداللہ پر دشمن کے دو حملے شروع ہو گئے تھے۔ سامنے کی طرف سے عیسیٰ خان کرد بڑی خونخواری سے آور ہونا شروع ہو گیا تھا جبکہ وہ تھوڑی دیر پہلے پسپا ہونے کی تیاریاں کر رہا تھا جب اسے خبر ہوئی کہ پشت کی طرف سے حسن خان بھی حملہ آور ہو گیا ہے تو خان اور اس کے لشکریوں کے حوصلے بلند ہو گئے تھے۔ لہٰذا وہ بڑھ چڑھ کر حملہ کر لگے تھے۔

اس دو طرفہ حملوں کے باوجود عبداللہ اپنے لشکر کو لیکر دشمن کے سامنے کافی تک عبارتوں کے بطن سے نکلنے والے صریر عطش، جرأتمندی کی طلا رنگ کرنا امنگوں کے بہتے دھاروں اور ساحل وقت پر حرکت کرتے بے پناہ تشدد اور تاریخ آسمان پرورش امروز پر اڑتے ماضی کے غبار کی طرح جما رہا۔ کافی دیر تک وہ پشت طرف سے حسن خان اور سامنے کی طرف سے عیسیٰ خان کے حملوں کو روکتا رہا۔

لیکن لمحہ بہ لمحہ ساعت بہ ساعت حالات عبداللہ کی گرفت سے نکلتے جا رہے تھے اس لئے کہ اس کے لشکر کو پہلے ہی حسن خان نے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ جبکہ دو طرفہ حملہ سے عبداللہ کے لشکر کو مزید ناقابل تلافی نقصان پہنچ رہا تھا۔ جس کے باعث ا کے لشکری بھی لمحہ بہ لمحہ جی چھوڑتے جا رہے تھے۔

پھر وہ لمحہ بھی آیا کہ عیسیٰ خان کرد اور حسن خان نے اندازہ لگا لیا کہ ا عبداللہ کے لشکری میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے ہی والے ہیں لہٰذا انہوں نے ا حملوں میں تیزی پیدا کر لی اور وہ حقارت کے نشے میں ڈوبی امارت، زمین کے

آئینوں میں دھوئیں کے پھیلتے چشموں اور سایہ سایہ بستیوں میں رات کی سیاہ بیلوں کی طرح بڑی تیزی سے عبداللہ کے لشکر پر چھانے لگے تھے۔ جلد ہی اس دو طرفہ حملوں ے عبداللہ کے لشکر میں ابتری پھیل گئی اور اس کے لشکری دشمن کا سامنا کرنے کے بائے ادھر ادھر بھاگ کر اپنی جانیں بچانے کی کوشش کرنے لگے تھے۔

اس صورتحال سے حسن خان اور عیسیٰ خان کرد نے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور ہوں نے بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے عبداللہ کے بھاگنے والے لشکریوں کا قتل م شروع کر دیا تھا۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے عبداللہ اپنے چند لشکریوں کے ساتھ ی مشکل سے جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہو سکا۔ اس کے باقی لشکریوں کو عیسیٰ ن کرد اور حسن خان نے تہہ تیغ کر دیا تھا۔



دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے مشہد شہر سے بڑی تیزی اور برق رفتاری سے نیشاپور شہر کی طرف رخ کیا۔ نیشاپور کے اندر ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس کے علاوہ شہر کی فصیلیں بھی کافی مضبوط تھیں۔ شہر پر جعفر خان حکمران تھا جبکہ شہر کے قلعہ پر عباس قلی خان سپہ سالار کی حیثیت سے متعین تھا۔ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ نیشاپور شہر پہنچ گیا اور اس نے عباس قلی خان سے قلعہ اس کے حوالے کرنے کے لئے کہا۔

عباس قلی خان نے نیشاپور کا قلعہ احمد شاہ ابدالی کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور اس سلسلہ میں اس نے اپنے ماموں حاجی سیف الدین خان سے مشورہ کیا۔ سیف الدین جنگوں کا وسیع تجربہ رکھتا تھا اور ماضی میں وہ نادر شاہ کے ساتھ ان گنت جنگوں میں حصہ بھی لے چکا تھا۔ سیف الدین نے اپنے بھانجے عباس قلی کو مشورہ دیا کہ موسم سرما کی آمد تک کسی نہ کسی طرح احمد شاہ کو ٹالنا چاہیے اور جب برفباری اور سخت سردی کی ابتداء ہو گی تو احمد شاہ خود ہی اپنے لشکر کے ساتھ نیشاپور شہر سے بھاگ کھڑا ہو گا۔

بہرحال احمد شاہ ابدالی کے ساتھ سخت مقابلہ کرنے کے لئے سیف الدین خا
عباس قلی خان دونوں ماموں بھانجہ سرما کے شروع ہونے کا انتظار کرنے لگے۔
ماموں بھانجہ نے علیحدہ علیحدہ احمد شاہ سے سلسلہ جنباتی شروع کیا اور آخر کار
آسانی سے صلح کی طرف مائل کر لیا۔ جبکہ عباس قلی خان جعفر خان کے ساتھ ا
نیشاپور شہر اور اس کے قلعہ کو مزید مضبوط اور مستحکم بنانے لگا تھا۔

جوں جوں وقت گزرتا رہا عباس قلی خان کا ماموں سیف الدین خان ٹال
اور وقت گزارنے کے لئے احمد شاہ سے مراسلت کرتا رہا اور لکھتا رہا کہ جہاں
اس کا تعلق ہے اس کو کچھ وقت درکار ہو گا۔ بوڑھے سیف الدین خان کی سادً
اعتماد کرتے ہوئے احمد شاہ محاصرہ کر کے مطمئن ہو گیا اور اس کی چال کو سمجھ نہ
سیف الدین نے گفت و شنید میں اتنا وقت لگا دیا کہ موسم سرما پوری شدت کے
شروع ہو گیا تھا۔

پھر احمد شاہ اور اس کے لشکریوں کی بدقسمتی کہ اس سال موسم سرما بھی ا
سخت اور اس شدت کے ساتھ شروع ہوا تھا۔ بیشتر اس کے کہ احمد شاہ کے لش
خندقیں کھود لیتے اور ان میں اپنے آپ کو محفوظ کر لیتے۔ برفباری اور سامان رسد
کمی نے ان کے مسائل میں بے پناہ اضافہ کر دیا اور پھر برفباری میں بغیر کسی پناہ
نیشاپور شہر کا محاصرہ جاری رکھنا ان کے لئے انتہائی مشکل اور دشوار ہوتا چلا جا رہا

o

احمد شاہ کو یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر نیشاپور کا محاصرہ طول پکڑ گیا تو ہو سکتا ہے
خراسان کی سمت سے دوسری قوتیں نیشاپور شہر والوں کی مدد کے لئے آ جائیں۔ ا
صورت میں اس کے لئے مسائل اٹھ کھڑے ہو سکتے تھے۔ لہٰذا وہ جلد از جلد نیشا
پر اپنا قبضہ اور تسلط مکمل کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے احمد شاہ نے طو
برفباری کی پرواہ کئے بغیر نیشاپور شہر پر زور دار حملے کرنے شروع کر دیئے تھے
یہاں احمد شاہ کو سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا جونہی اس کے لشکری حملہ آور ہو

شہر کی فصیل سے ان پر کھولتا ہوا پانی اور آگ کے انگارے پھینکے جاتے۔ تنگ آ کر
احمد شاہ ابدالی کے پاس جو بڑی توپ تھی اسے مناسب فاصلہ پر لے جا کر شہر کی فصیل
پر گولے برسائے گئے۔ آخر فصیل کے اندر شگاف پڑ گیا لیکن اس وقت تک چونکہ
رات چھا چکی تھی اور سخت اندھیرا ہو گیا تھا لہٰذا احمد شاہ کے لشکری فصیل میں شگاف
پڑنے کے باوجود شہر میں داخل نہ ہو سکے۔ ان کا خیال تھا کہ رات کے دوران اگر
شگاف پر نہ ہو سکے تو صبح وہ انہی شگافوں سے شہر میں داخل ہو جائیں گے اور اگر شہر
والوں نے راتوں رات شگاف پر کر دیئے تو وہ توپ کے گولے برسا کر دوبارہ فصیل شہر
میں شگاف کر کے شہر میں داخل ہونے کی کوشش کریں گے۔

دوسری طرف شہر کے حکمران جعفر خان اور قلعہ کے محافظ عباس قلی خان اور
ان کے ماموں سیف الدین نے بھی بڑی چالاکی اور دانشمندی کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے
رات کے وقت توپ کے گولے سے پڑنے والے شگافوں کو پر نہیں کیا بلکہ فصیل کے
شگافوں کو ویسے ہی کا ویسا رہنے دیا تاہم رات کے وقت وہ اپنے لشکریوں کو حرکت میں
لائے اور فصیل کے اندر جہاں جہاں بھی شگاف پڑا تھا وہاں پر گہرے کنوئیں کھود
ڈالے گئے ان کنوؤں کے اندر گھاس پھونس بھر دیا گیا اور ان کنوؤں کو اوپر سے بھی
گھاس پھونس اور تنکے ڈال کر ڈھانپ دیا گیا تھا اور شگافوں سے ذرا پیچھے ہٹ کر اپنے
لشکر کو احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کو روکنے کے لئے مستعد بیٹھا دیا تھا۔

رات جب ختم ہوئی سورج طلوع ہوا تو احمد شاہ اور اس کے لشکریوں نے دیکھا
کہ رات کے وقت توپ کے گولے چلا کر انہوں نے جو شہر کی فصیل کے اندر شگاف
ڈالے تھے وہ ویسے کے ویسے ہی ہیں اور اہل شہر نے ان شگافوں کو پر کرنے کی کوشش
نہیں کی۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکری خوش ہوئے۔
وہ ان شگافوں کی طرف بڑھے تاکہ شہر میں داخل ہو کر فیصلہ کن ضرب لگائی جائے
جونہی احمد شاہ ابدالی کا لشکر ان شگافوں سے شہر میں داخل ہوا سینکڑوں کی تعداد میں
ان کنوؤں میں گر پڑے اس کے ساتھ ہی نیشاپور کے لشکریوں نے کنوئیں کے اندر

اور اوپر رکھے ہوئے گھاس پھونس کو آگ لگا دی جس کی بنا پر احمد شاہ ابد
سینکڑوں سپاہی آگ میں جل کر ہلاک ہو گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی کو جب خبر ہوئی کہ اس کے بے شمار سپاہی کنوئیں میں آ
آگ سے جل کر ہلاک ہو گئے ہیں تو وہ بڑا سیخ پا ہوا اور نیشاپور پر اس نے
حملے شروع کئے اور ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے سپاہیوں
لی فصیل کے ایک برج پر قبضہ بھی کر لیا تھا لیکن ایرانیوں نے اس برج پر توپ
سے آگ برسا کر احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کو وہ برج خالی کر دینے پر مجبور کر
جس وقت برج پر قبضہ کرنے والے احمد شاہ ابدالی کے لشکری برج خالی کر ر
عین اس وقت ان گنت ایرانی جنگ آزماؤں نے ان لوگوں پر حملہ کر دیا۔ جس
سے احمد شاہ ابدالی کے وہ سپاہی جو برج سے نکل رہے تھے افراتفری کا شکار ہو
بہت سے اس افراتفری میں ایرانیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

عین اس وقت جبکہ نیشاپور شہر سے باہر احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کا سخت ا
اٹھانے کے بعد شش و پنج کے عالم میں پڑا ہوا تھا۔ اسے یہ خبر ملی کہ مازندا
عبداللہ کو شکست ہوئی ہے۔ اس کے سارے لشکریوں کو موت کے گھاٹ اتار د
اور یہ کہ خراسان کا ایک لشکر نیشاپور شہر کے لوگوں کی مدد کے لئے بڑی تیز
بڑھ رہا ہے۔ یہ خبر سن کر احمد شاہ ابدالی نیشاپور کا محاصرہ اٹھا لینے کے متعلق
لگا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے محاصرہ جاری رکھا تو سامنے کی طرف سے نیشا
لشکر نکل کر اس پر حملہ آور ہو گا اور پشت کی طرف سے خراسان کی طرف سے
والے لشکری اس پر ٹوٹ پڑیں گے اس طرح اس دو طرفہ حملہ میں وہ کہیں کا نہ
گا۔ اس دو طرفہ حملہ سے بچنے کے لئے احمد شاہ نے بڑی عجلت سے کام لیا۔
محاصرہ اس نے ترک کر دیا۔ تیزی کے ساتھ سفر کرنے کے لئے خیموں، اسباب
اور توپ خانہ کے ایک بڑے حصہ کو اس نے وہیں چھوڑا بہت سا جنگی سامان بھا

برباد کر ڈالا اس افراتفری کے عالم میں جب اس نے کوچ کیا تو اس کے بہت سے آدمی
اور باربرداری کے جانور بھی راستے میں برفباری کے باعث ہلاک ہو گئے تھے۔

برفباری اور سردی اتنی شدید تھی کہ نیشاپور کا محاصرہ ختم کرنے کے بعد لگا تار
سفر کرتے ہوئے احمد شاہ نے جب کیافر کے قلعہ میں آ کر قیام کیا تو یہاں اس کے
ٹھارہ ہزار 18,000 سپاہی صرف ایک ہی رات سردی سے ہلاک ہو گئے دوسرے روز
نیشاپور کے قلعہ سے احمد شاہ ابدالی نے کوچ کیا اور جس وقت وہ ہری نام کے دریا کو
بور کر رہا تھا تو تقریباً 8,000 کے قریب ہی اس کے مزید سپاہی ہلاک ہو گئے اس لئے
کہ برفباری کے باعث دریائے ہری منجمد ہو چکا تھا اور جس وقت احمد شاہ کے لشکری
نجمد دریا کے اوپر بھاگتے ہوئے گزرنے لگے تو ان کے پاؤں تلے سے برف بیٹھ گئی اور
بے شمار سپاہ برفانی پانی میں غرق ہو گئی۔ اس طرح نیشاپور شہر سے باہر ناکامی کا سامنا
یکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے سپاہ کا ناقابل تلافی نقصان اٹھاتے ہوئے احمد شاہ ابدالی
ندھار کا رخ کرنا چاہتا تھا۔

لیکن احمد شاہ کی مزید بدقسمتی کہ جس وقت وہ قندھار کے رخ پر سفر کر رہا تھا۔
ں کے جاسوسوں نے خبر دی کہ ہرات شہر کا ایک سردار درویش علی خان بغاوت اور
رکشی پر آمادہ ہے اور وہ کسی بھی وقت لشکر ترتیب دے کر ہرات پر قبضہ کر سکتا ہے۔

اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ قندھار کی طرف بڑھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے
دم رک گئے اور قندھار کی طرف جانے کے بجائے اس نے بڑی تیزی سے ہرات کا
خ کیا۔ اس نے ہرات میں داخل ہوتے ہی درویش علی خان کو گرفتار کر لیا اور اسے
بر میں ڈال دیا۔ چند روز تک ہرات میں قیام کر کے اس نے وہاں کے امور کو درست
یا اپنے بیٹے مرزا تیمور خان کو ہرات کا والی مقرر کیا اور خود بڑی تیزی سے قندھار کی
رف روانہ ہو گیا تھا۔

جس وقت احمد شاہ ابدالی اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ قندھار شہر سے باہر

خیمہ زن ہوا تو اس نے اپنے ساتھی اور خاص خادم یاقوت خان کو درویش عبیدا
بلانے کے لئے روانہ کیا تھوڑی ہی دیر بعد جب درویش عبیداللہ ابدالی کے خیم
داخل ہوا تو احمد شاہ نے اسے اپنے قریب بیٹھنے کو نشست دی پھر اسے مخاطب
احمد شاہ پوچھنے لگا۔

درویش عبیداللہ یہ تو کہو عبداللہ جسے ہم نے عارضی طور پر شاہ پسند کا خ
دے کر مازندران کی مہم پر روانہ کیا تھا اس کا کیا ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کے اس سوا
درویش عبیداللہ کا چہرہ بے بسی اور بے چارگی میں پیلا ہو گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک
جھکا کر وہ کچھ سوچتا رہا پھر وہ کہنے لگا۔

پاشا مازندران کی مہم میں عبداللہ کو شکست ہوئی ہے۔ دراصل اس جنگ
عبداللہ نے کسی بھی قسم کی کوئی کوتاہی یا کمی نہیں رہنے دی اور یہ ---- احمد شاہ ا
فوراً درویش عبیداللہ کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

درویش عبیداللہ میں نے تم سے یہ نہیں پوچھا کہ عبداللہ کو کیسے اور کیوں شک
ہوئی ہے۔ درویش عبیداللہ میں تو تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ عبداللہ اس وقت
کہاں۔ اس پر درویش عبیداللہ پھر شرمساری کے سے انداز میں کہنے لگا۔ پاشا عبد
مازندران سے اس وقت لوٹا تھا۔ جس وقت آپ نیشاپور کی مہم سے مایوس ہو کر
سے محاصرہ اٹھا کر کوچ کرنے والے تھے۔ پاشا وہ اسی وقت آپ کی خدمت میں
ہو کر اپنی ناکامی کا اعتراف کرنا چاہتا تھا لیکن وہ بری طرح زخمی تھا۔ میں نے
روک لیا۔ اس لئے کہ پاشا تم بھی اس وقت نیشاپور کی مہم کی ناکامی کی وجہ سے ا
طرح اپنے ذہنی توازن میں نہیں تھے۔ اس کے علاوہ پاشا عبداللہ بری طرح زخمی
میں اس کی تیمارداری بڑی دلجمعی سے کرتا رہا اور اب وہ بالکل ٹھیک ہے اور تم
خدمت میں حاضر ہو سکتا ہے۔

اس پر احمد شاہ ابدالی فیصلہ کن انداز میں بولا اور کہنے لگا۔ درویش عبیداللہ
نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا کہ مازندران کی جنگ میں عبداللہ زخمی ہو گیا تھا اور ا

اسے تیمارداری کی ضرورت تھی۔ اس پر درویش عبیداللہ پھر بولا اور کہنے لگا۔ پاشا یہ لڑکا بڑا احساس اور کم گو ہے۔ جس وقت آپ کا خادم خاص یاقوت مجھے بلانے گیا تو یہ عبداللہ بھی میرے ساتھ آیا وہ اس وقت آپ کے خیمہ کے باہر کھڑا ہے۔ مجھے اس نے اندر بھیجا ہے کہ احمد شاہ جو اس کے متعلق حکم صادر کرے اسے آگاہ کر دیا جائے۔

درویش عبیداللہ کے اس انکشاف پر احمد شاہ جس نے اپنے سامنے انگیٹھی پر جلتی ہوئی آگ پر ہاتھ پھیلا رکھے تھے۔ چونک کر اٹھ کھڑا ہوا اور پھر بڑی تیز نگاہوں سے وہ درویش عبیداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

درویش عبیداللہ کمال ہے تم جانتے ہو کہ باہر سخت سردی ہے۔ اس کے باوجود تم عبداللہ کو میرے خیمہ کے باہر کھڑا کر آئے ہو۔ اس پر درویش عبیداللہ اپنی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا میں نے تو اسے کہا کہ چلو اندر پاشا کے سامنے جاؤ وہ تمہیں کچھ نہیں کہے گا لیکن وہ کہتا تھا کہ مجھے چونکہ مازندران میں اپنی پہلی مہم میں ہی شکست ہوئی ہے۔ لہٰذا میں ایک مجرم ہوں اور مجرم کی حیثیت سے میں اسی وقت پاشا کے سامنے جاؤں گا جب وہ مجھے طلب کرے گا۔

اس پر احمد شاہ نے عجیب سے انداز میں درویش عبیداللہ کی طرف دیکھا پھر وہ بڑی تیزی سے اپنے خیمہ سے نکل کر باہر آیا۔ درویش عبیداللہ بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ خیمہ سے نکل کر احمد شاہ ابدالی نے دیکھا خیمہ کے دروازہ کے قریب ہی عبداللہ گردن جھکائے کھڑا تھا۔ وہ ویران گلیوں میں جھانکتی کرنوں، پرانی بھوک کے پچکے گالوں جیسا اداس، کلبلاتے سویرے، ٹھوکروں بھرے مقدر جیسا ملول، خشک ہونٹوں پر تشنگی کے پہرے، خاموشی کے لمحوں میں ڈوبے کے بے مصرف پتھر جیسا ویراں اور پیلی دھوپ، غموں کے شاخوں کے پھولوں جیسا افسردہ کھڑا تھا۔

احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک بڑے انہماک اور توجہ سے اپنے خیمے سے اسے باہر دیکھتا رہا۔ عبداللہ بھی اس کے سامنے شام و سحر کی تڑپ۔ خاموشیوں کی گفتگو میں

ڈوبے دل شوریدہ کی طرح چپ اور خاموش کھڑا تھا۔ ایسا لگتا تھا گویا عبداللہ ق خواہش اور محنت کی روش میں ڈوبی تذبذب' ہچکچاہٹ اور کشمکش کا شکار ہو گ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی نے عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

بیرم کے بیٹے تم یوں اجنبیوں کی طرح میرے خیمے سے باہر کیوں کھڑے ہ ہو۔ تم میرے بیٹے' میرے فرزندوں میرے بچوں کی طرح ہو۔ تم بلا اجازت بے میرے خیمے میں داخل ہو سکتے ہو۔ اس پر عبداللہ نے اپنی جھکی ہوئی گردن اوپر ا بڑی بے بسی سے چند ساعتیں اس نے احمد شاہ کی طرف دیکھا پھر وہ بولا اور احمد ش مخاطب کر کے کہنے لگا۔ احمد شاہ نے محسوس کیا اس کی آواز یوں سنائی دی تھی دور بہت دور افق کے مردہ خانے سے کوئی جلتی بجھتی آواز سنائی دی ہو۔ عبداللہ رہا تھا۔

پاشا آپ نے جو مجھے مازندان کی اہم مہم سونپی تھی اس میں میں نے آپ عہد و پیاں کی رداؤں' میثاق اور ایثار کی تحریروں کے مطابق پورا اترنے کی کو کی۔ پر صد افسوس میں ایسا نہ کر سکا اور میرے مقدر میں چاندنی کی ٹھنڈک پر سو کی گرمی غالب آ گئی۔ شاید میری امیدوں کی قسمت میں کینہ پرور یادوں اور ا کے سوا کچھ نہ لکھا تھا۔

پاشا میں آپ کو کس منہ اور کس زبان سے یقین دلاؤں کہ میں نے اپنی پو طرح جان کی توانائیوں' اپنی روح کی تمام تر تمازتوں' اپنی ذات کی ساری تہ دار اپنی جسم کی پوری امنگوں کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا لیکن افسوس میری سا کوششیں میری ساری ہی جدوجہد تکذیب کے سر مکتوم اور تادیب کے روگ م ڈوب کر رہ گئیں۔

سنگدل ناموافق موسم' عمر کے ویران گوشے' محرومیوں کی دلدلیں اور موت سایوں کے کڑے لمحات میری ہر کوشش پر غالب رہے۔ میں نے دشمن کے دو ط حملوں کو روک کر انہیں پسپا ہونے کی پوری کوشش کی۔ پر پاشا میری ہر آرزو ل

گرداب' سطر آب پر لکھی تحریر ثابت ہوئی۔

پاشا! کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔ کاش میں شکست کی ذلت کا داغ' بجھے الاؤ' کتاب حوادث میں جرموں کے بھید لئے آپ کے سامنے یوں نہ کھڑا ہوتا۔ کاش تاریخ کے افق پر میں قلوب کے تواہم کے تلاطم اور ناکامی کے نشتروں میں آپ کے سامنے نا آتا۔ پاشا یہ میری بدقسمتی ہے کہ میں آج گندی خواہشوں کے چہرے کی طرح اداس لحوں اور اجنبی مناظر بن کر آپ کے سامنے شرمندگی اور ندامت لئے کھڑا ہوں۔

احمد شاہ ابدالی لگتا تھا اس موقعہ پر عبداللہ سے بہت کچھ کہنا چاہتا تھا پر ایک دم اس نے اپنے سر کو جھٹکا' اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھا کر اس نے عبداللہ کا بازو پکڑا اسے کھینچتا ہوا اپنے خیمے میں لے گیا تھا۔ عبداللہ کو اس نے اپنے سامنے انگیٹھی میں جلتی ہوئی آگ کے پاس بٹھایا۔ درویش عبیداللہ بھی ان کے قریب بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں خاموشی اور سکوت طاری رہا۔ اس کے بعد احمد شاہ بولا اور عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔

سن بیرم خان کے بیٹے۔ اپنے آپ کو بے لباس خواہشوں' بے ثمر دعاؤں' کلیوں کی ویرانی' شکست کے خوابوں اور پاؤں کی زنجیر جیسا مت خیال کرو۔ بیرم خان کے بیٹے تم میرے لئے دیار صدق کے مسافر' جوان چمکتے لمحوں' زندگی کے سپاٹ میدانوں میں موج تنفس اور صحرا کی خوابیدہ نظروں میں ابر پر آب کی مانند ہو۔

بیرم خان کے بیٹے ابھی تم کچی کلیوں کے دور لڑکپن کی پھلواری سے گزر رہے ہو۔ اس کے بعد تم نے جوانی کی عمارت میں داخل ہو کر ناگفتہ معانی کے چشم الہام کو رواں کرنا ہے۔ بیرم خان کے بیٹے ابھی تو تم نے بصارت پر اترتے عکس ہیولوں پر اپنی عظمت کے نقوش ثبت کرنے ہیں۔ ابھی تم نے اپنی ذات کے صحرا میں بے خوفی کا اسم زندگی کے سبھی موسموں میں خیالوں کی تجسیم بن کر نمودار ہونا ہے۔

بیرم خان کے بیٹے۔ ابھی تو تمہارے سامنے ماہ و سال کا ایک صحرا اور بے کنار دشت پھیلا ہوا ہے۔ ابھی تم نے بچپن کے آنگن کی دہلیز الانگ کر جوانی کے عکس

مہتاب میں داخل ہو کر پیغمبرانہ عزم کی تلاش میں صورت گری کا ہنر اور حاصل زندگی بن کر زیست کی شہہ نشیں پر نمودار ہونا ہے۔ ابھی سے تم دل چھوڑ ر ابھی تم نے بہت کچھ کرنا ہے۔ مازندان کے میدانوں میں تمہیں شکست نہیں ہو سنو بیرم خان کے بیٹے۔ تمہاری کارکردگی جنگ میں تمہاری کاوش سے میرے طلایہ گروستے میرے مجز۔ میرے جاسوس مجھے تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنے والے تم سب آخری فرد تھے۔ تم نے اپنی پوری جان جنگ جیتنے میں کھپا دی تھی لیکن برا ہو تم ماتحت کام کرنے والے سرداروں کا کہ جب تمہاری پشت کی طرف سے محمد کاچار کے جرنیل حسن خان نے حملہ کیا تو تمہارے ماتحت کام کرنے والے سرا کو چاہیے تھا کہ حسن خان کے مقابلے پر جم جاتے۔ اگر وہ تھوڑی دیر بھی حسن خا روک لیتے تو تم یقیناً عیسیٰ خان کرد کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے اور اس بعد جب تم مڑ کر حسن خان کے سامنے آتے تو حسن خان کو پناہ تلاش کرنے کے مازندان کی زمینوں میں کہیں بھی کوئی جگہ دکھائی نہ دیتی۔

بیرم خان کے بیٹے! قسم خداوند بے ہمتا و لاشریک کی میں تمہاری کارگزاری بے حد مطمئن اور خوش ہوں۔ دیکھو میدان جنگ میں پسپائی یا ہزیمت اختیار کر اہم واقعہ نہیں جتنا تم دل پر بٹھا لو۔ میری طرف دیکھو۔ میں خود بھی اپنے لشکر ناقابل تلافی نقصان اٹھانے کے بعد نیشاپور سے پسپا ہو کر قندھار کی طرف آیا ہو اگر میں بھی تمہاری طرح جی چھوڑ بیٹھوں تو میرے مستقبل میں سوائے اندھیرے تاریکیوں کے کچھ نہ رہے۔ سنو بیرم خان کے بیٹے۔ جی مت چھوڑو۔ ابھی تم زندگی کے میدانوں میں ان گنت معرکوں میں سے ہو کر گزرنا ہے۔ یوں سمجھو مازندان کے میدانوں میں تمہیں شکست نہیں ہوئی بلکہ تم فاتح بن کر لوٹے ہو۔ تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ سردار جو مازندان کی جنگ میں تمہارے ماتحت کام کر ر تھے اگر بزدلی، عجلت اور غیر ذمہ داری کا مظاہرہ نہ کرتے تو یقیناً عیسیٰ خان کرد

منجھے ہوئے اور جہاندیدہ جرنیلوں کے مقابلے میں بہترین کامیابی اور شاندار فتح مندی نصیب ہوتی۔

بیرم خان کے بیٹے۔ مجھے عبیداللہ نے بتایا تھا کہ تم جنگ کے دوران زخمی ہو گئے تھے۔ اب بتاؤ تم کیسے ہو۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

پاشا۔ آپ نے میرے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے جو الفاظ اور لہجہ استعمال کیا ہے اس نے میرے ولولوں کو پھر جوان اور میری ہمتوں کو پھر استوار کر دیا ہے۔ اب میں ایک نئے جذبے اور ایک نئے ولولے کے ساتھ پھر ایک روز آپ کے سامنے آؤں گا۔ جہاں تک میرے زخمی ہونے کا تعلق ہے تو پاشا۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اس پر احمد شاہ فیصلہ کن انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

اگر یہ بات ہے تو پھر تم آج رات پڑاؤ میں آرام کرو اور کل یہاں سے نادر آباد روانہ ہو جاؤ اور مکتب میں اپنی تعلیم مکمل کرو۔ اب تم جاؤ۔ جا کر آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی درویش عبیداللہ اور عبداللہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔ دوسرے روز صبح ہی صبح عبداللہ قندھار سے نادر آباد کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



نیشاپور کی مہم کے سلسلے میں چونکہ احمد شاہ ابدالی کا ناقابل تلافی نقصان ہوا تھا اس کے لشکر کا ایک حصہ بھی برف باری اور دشمن کے ساتھ جنگ میں تباہ اور برباد ہو چکا تھا لہٰذا اپنی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے احمد شاہ بڑے زور شور سے اپنے لشکر میں اضافہ کرنے لگا تھا اس مقصد کے لئے چونکہ احمد شاہ کو رقم کی اشد ضرورت تھی لہٰذا اسنے اپنا ایک ایلچی ہندوستان میں پنجاب کے والی میر منوں کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ میر منوں سے رقم حاصل کر سکے اس لئے کہ گذشتہ معاہدے کے تحت پنجاب کے چار اضلاع گجرات، سیالکوٹ، اورنگ آباد اور پسرور کا مالیہ جو سالانہ چودہ لاکھ بنتا تھا ہر سال احمد شاہ ابدالی کو ادا کیا جاتا تھا جو سال گزرنے کے بعد بھی ادا نہ کیا گیا تھا۔

ہندوستان کے مغل بادشاہ کے وزیر صفدر جنگ نے چاروں اضلاع کو کابل کے سابق حکمران ناصر خان کے زیر انتظام کر دیا تھا۔ پنجاب کا حاکم میر منوں چاہتا تھا کہ چاروں اضلاع سے طے شدہ رقم جمع کر کے احمد شاہ ابدالی کے حوالے کی جائے لیکن مرکز کا وزیر صفدر جنگ ایسا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ہر صورت میں میر منوں کو اپنے سامنے ذلیل و خوار کرنے پر تلا ہوا تھا۔

اس ساری صورت حال کے پیش نظر مغل شہنشاہ کے وزیر صفدر جنگ نے میر منوں کے خلاف سازشیں کرنا شروع کر دیں اس نے لاہور اور کابل کے دونوں بھگوڑے گورنروں یعنی ناصر خان اور شاہ نواز خان کو اپنے پاس جمع کر لیا۔ شاہ نواز کو اس نے ملتان کا گورنر مقرر کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ زبردستی جا کر ملتان کی صوبیداری پر جا کر قبضہ کر لے۔

دوسری طرف ناصر خان کو گجرات، سیالکوٹ، پسرور اور اورنگ آباد کا انتظام حوالے کرتے ہوئے صفدر جنگ نے ناصر خان کو اکسایا کہ وہ سیالکوٹ کو اپنا مرکز بنا کر ایک بہترین لشکر ترتیب دے اور پھر میر منوں کے خلاف جنگ کرے اور اسے علیحدہ کر کے لاہور کا صوبیدار بن جائے۔

جن دنوں میر منوں اور کابل کے سابق حکمران ناصر خان کے درمیان وزیر صفدر جنگ کی وجہ سے چپقلش اور تکرار چل رہی تھی ان دنوں ہی احمد شاہ ابدالی کا ایلچی لاہور داخل ہوا اور چاروں اضلاع کے مقرر کردہ چودہ لاکھ کی رقم کا مطالبہ کیا چونکہ یہ چاروں اضلاع ناصر خان کے زیر انتظام تھے لہٰذا میر منوں نے یہ رقم مہیا کرنے کے لئے اسے کہا لیکن اس نے یہ رقم دینے سے صاف انکار کر دیا اس لئے کہ ناصر خان اور وزیر صفدر جنگ چاہتے تھے کہ احمد شاہ ابدالی اور میر منوں کے آپس کے تعلقات خراب ہوں جن سے وہ فائدہ اٹھائیں۔

آخر جالندھر کا فوجدار آدینہ بیگ بیچ میں پڑا اس نے میر منوں کو سمجھایا کہ کسی نہ کسی طرح تھوڑی بہت رقم احمد شاہ ابدالی کے ایلچی کو دے کر لوٹا دینا چاہیے تاکہ احمد شاہ ابدالی کی طرف سے کسی حملے کا خدشہ نہ رہے۔ میر منوں نے ادینہ بیگ کی اس تجویز کو پسند کیا اور اپنے پاس سے کچھ رقم دے کر احمد شاہ ابدالی کے ایلچی کو لوٹا دیا۔

احمد شاہ چونکہ نیشاپور میں شکست اٹھا چکا تھا اور اسکی اب سب سے بڑی خواہش تھی کہ نیشاپور میں اپنی شکست کا داغ دھوئے۔ لہٰذا وقتی طور پر اس نے اس رقم کو قبول کر لیا۔ لشکر کے حالات درست ہونے کے بعد اس نے نیشاپور پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے لئے وہ قندھار سے کوچ کر گیا تھا۔

انہی دنوں دوسری بری بات یہ ہوئی کہ مشہد کا شہر جسے احمد شاہ ابدالی نے فتح کر کے نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کو وہاں والی مقرر کیا تھا اس نے بھی احمد شاہ ابدالی کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ احمد شاہ نے اس بغاوت کا ذمہ دار ایران کے سابق حکمران نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کو ٹھہرایا۔ تاہم شہر کے حالات کو فراموش کرتے ہوئے احمد شاہ ابدالی برق رفتاری سے اپنے لشکر کے ساتھ نیشاپور کی طرف بڑھا۔

نیشاپور کی گزشتہ جنگ میں احمد شاہ ابدالی کی شکست کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ شہر کی فصیل کو توڑنے کے لئے اس کے پاس کوئی توپ نہ تھی۔ اس بار اس نے بڑے احتیاط سے کام لیا اور قندھار سے کوچ کرتے وقت اس نے اپنے ہر سوار کو حکم دیا کہ وہ اپنے ساتھ بارہ پونڈ کے قریب ڈھلی ہوئی دھات اٹھاتا چلے۔

نیشاپور پہنچ کر احمد شاہ ابدالی نے شہر کا محاصرہ کر لیا اور شہر کی فصیل اور اس کے قلعے کو توڑنے کے لئے اس نے توپ ڈھالنا شروع کی۔ چونکہ قندھار سے کوچ کرتے وقت اس نے اپنے ہر ایک سپاہی کو بارہ پونڈ کے قریب ڈھلی ہوئی دھات ساتھ رکھنے کا حکم دیا تھا اسی دھات سے توپ ڈھالنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔ پورا ایک ماہ توپ ڈھالنے اور اسے گاڑی پر لادنے میں صرف ہو گیا۔ اس طرح ایک ماہ بعد احمد شاہ ابدالی ایک ایسی توپ ڈھالنے میں کامیاب ہو گیا جو چھ من کا وزنی گولہ پھینک سکتی تھی۔

دوسری طرف نیشاپور کا حاکم عباس قلی خان بھی جنگی تیاریوں میں مصروف ہو گیا

تھا- وہ ہر صورت میں احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں نیشاپور کی حفاظت کرنا تاہم جب احمد شاہ ابدالی نے نیشاپور کا محاصرہ کر لیا تو عباس قلی خان کے لئے اور دشواریاں اٹھ کھڑی ہوئیں- اس لئے کہ اسے خوراک کا سامان حاصل کر دقت پیش آنے لگی- احمد شاہ ابدالی نے چونکہ شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا لہٰذا اناج فصل نہ باہر سے لائی گئی نہ ہی نئی اگائی جا سکی اور شہر کے اندر اس قدر اناج نہ تھا کہ محاصرہ طول پکڑنے کی شکل میں لشکر اور اہل شہر کے لئے اناج مہیا کیا ج

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو خوراک اور دیگر اشیا کی کسی طرح بھی کمی نہ ہوئی- اس نے اناج اور چارہ جمع کرنے کے لئے کئی جماعتوں کو بھی ادھر ادھ ہوا تھا- دوسرے اس کے علاوہ اطراف کے علاقوں سے بھی اس کا رابطہ تھا جہاں وہ باسانی اناج اور خوراک کی دیگر اشیاء حاصل کر سکتا تھا- بہرحال جب توپ ت گئی تو پہلا گولہ نیشا پور شہر پر داغا گیا- لیکن ہوا یوں کہ پہلا گولہ تو توپ سے چ اور نیشاپور شہر میں گرا اس سے ایک خوفناک دھماکہ ہوا- گولہ کئی مکانوں کے سے گزرتا ہوا انہیں ملبے میں تبدیل کر گیا تھا- ساتھ ہی دوسری بڑی بات جو ن ہوئی وہ یہ کہ پہلا گولہ چلنے ہی سے توپ پھٹ کر بیکار ہو گئی تھی-

توپ کا یہ پہلا گولہ چلنے سے جو دھماکہ ہوا اس کی وجہ سے شہر میں جو نقصان اس کے نیشاپور کے شہریوں اور حکمرانوں کے دل دہل کر رہ گئے تھے- تاہم ان ک خبر نہ ہونے پائی تھی کہ جس توپ سے یہ گولہ داغا گیا ہے وہ توپ ہی پھٹ چکی ہ اب کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی-

نیشاپور کے حاکم عباس قلی خان نے یہ سمجھ لیا تھا کہ جس قسم کا گولہ داغا گیا اس قسم کے اگر مزید گولے نیشاپور پر داغے گئے تو نہ صرف یہ کہ شہر کی اور قلعے فصیل مسمار ہو کر رہ جائے گی بلکہ شہر کے اندر بھی بڑی تباہی کا باعث بنیں گے اس نے مجبور اور بے بس ہو کر احمد شاہ ابدالی سے صلح کی درخواست کی- احم ابدالی تو یہی چاہتا تھا اس لئے کہ اس کی توپ ناکارہ ہو چکی تھی- لہٰذا اس نے

رخواست کو فوراً قبول کر لیا- عباس قلی خان احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا ر احمد شاہ نے اسے امان دے دی-

چونکہ گزشتہ جنگ میں احمد شاہ ابدالی کو نیشاپور میں شکست ہوئی تھی لہٰذا احمد شاہ ے دل میں نیشاپور کے لوگوں کے لئے انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی- جب وہ ایک تح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوا تو اس نے شہر کے سب لوگوں کو اس شرط پر ن کی امان دے دی کہ تمام باشندے خالی ہاتھ نیشاپور کی جامع مسجد میں جمع ہو جائیں یکن اپنے ساتھ کوئی چیز نہ اٹھا کر لے جائیں اور یہ کہ اگر کسی کے ہاتھ میں سوئی بھی دیکھی گئی تو اس کے لشکری اسے جان سے مار دیں گے-

اپنی بے بسی، اپنی لاچارگی پر روتے اور چلاتے ہوئے نیشاپور کے باشندے فاتح احمد شاہ ابدالی کے حکم کے مطابق شہر کی جامعہ مسجد میں جمع ہو گئے اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے لشکری شہر پر ٹوٹ پڑے- جی بھر کے نیشاپور شہر کو لوٹا گیا اور اکثر مکانوں کو جلانا شروع کر دیا گیا- یہاں تک کہ شہر کے تمام گھروں کی تلاشی لی گئی اور مال و متاع ضبط کر لیا گیا- جامعہ مسجد کے سوا جہاں لوگ جمع تھے تمام مکانات مسمار کر دیئے گئے اور شہر کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا گیا- اس طرح احمد شاہ ابدالی نے نیشاپور کے لوگوں سے خوب انتقام لیا- بے شمار مرد اور عورتوں کو غلام اور لونڈی بنا لیا گیا اور نیشاپور احمد شاہ ابدالی کے تسلط میں آ گیا-

احمد شاہ ابدالی نے تقریباً اٹھارہ دن ایک فاتح کی حیثیت سے نیشاپور شہر کے باہر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا- اس کے بعد اس کا ارادہ تھا کہ سبزوار شہر کا رخ کرے- اسے بھی فتح کرے- لہٰذا اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے نیشاپور سے اس نے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کیا اور سبزوار کی طرف بڑی برق رفتاری سے بڑھا- سبز شہر کے حکمران نے بغیر کسی مزاحمت اور جنگ کے شہر احمد شاہ ابدالی کے حوالے کر دیا تھا- اس کے باوجود احمد شاہ کے لشکریوں نے شہر کو جی بھر کے لوٹا اور جسے چاہا قتل کیا-

نیشاپور اور سبزوار شہروں کو فتح کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے مشہد کا رخ کیا

اس لئے کہ اہل مشہد نے اس کے خلاف بغاوت کی تھی لہٰذا انہیں وہ بغاو
سرکشی کا مزہ ضرور چکھانا چاہتا تھا۔ اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے سبزوار
طرف سے احمد شاہ مشہد گیا اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا۔ محاصرے کے دوران اس
اپنے لشکر کا ایک حصہ علیحدہ کر دیا اور اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک
کماندار اس نے اپنے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کو بنایا۔ دوسرے کا کماندار اس
قلات کے خان میر نصیر خان کو بنایا اور دونوں کو حکم دیا کہ وہ نیشاپور کے نواح
مختلف شہروں اور قصبوں پر حملہ آور ہو کر خوراک کے ان گنت ذخائر اور دوسرا
غنیمت حاصل کریں۔ مشہد کے نواح میں طون اور طباس کے شہروں پر بھی جہان
پوپلزئی اور میر نصیر خان حملہ آور ہوئے اور دونوں شہروں کو انہوں نے فتح کر ا
مشہد کے نواح میں سارے علاقے کو اپنی عملداری میں شامل کرنے کے بعد ا
خوراک کے وسیع ذخائر حاصل کرنے کے بعد جہان خان پوپلزئی اور قلات کا نواب
نصیر خان لوٹ آئے اور اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بڑی شدت کے ساتھ مشہد
کا محاصرہ کر لیا تھا۔

تاہم ایران کے سابق شہنشاہ نادر شاہ کے پوتے شاہ رخ کی سرکردگی میں مشہد
محافظ ابھی تک مقابلے پر ڈٹے ہوئے تھے اور بظاہر شہر کے سقوط کی کوئی امید احمد شا
ابدالی کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ لیکن مشہد کے لوگوں کی بدقسمتی کہ ان کے خوراک
کے ذخائر ختم ہوتے جا رہے تھے اور مزید خوراک ملنے کی کوئی امید نہ تھی اس لئے
مضافات میں احمد شاہ ابدالی کے لشکری قبضہ کر چکے تھے اور مشہد کے نواحی علاقوں
جو جہان خان پوپلزئی اور میر نصیر خان نے فتوحات حاصل کی تھیں اس کی بنا پر
مشہد کو باہر سے کسی قسم کی رسد اور کمک ملنے کی امید نہ رہی تھی۔

دوسری ناامیدی کی وجہ مشہد شہر کے لوگوں کے لئے یہ تھی کہ نادر شاہ کے بعد
ایرانی سلطنت انتشار کا شکار ہو چکی تھی اور اس کے حصے بخرے ہو چکے تھے۔ مازندران
کا شمالی حصہ محمد حسن کاچار نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا اور اس کی فوج خراسان

باقی پھر رہی تھی۔

گیلان میں ایک سردار ہدایت خان نے قبضہ کر لیا تھا۔ آذربائیجان میں نادر شاہ
جرنیل آزاد خان نے اپنی حکومت قائم کر لی تھی۔ جارجیا پر ہرکولیس نام کا ایک
ائی شہزادہ اپنی خود مختاری کا اعلان کر چکا تھا۔

یہ تو ایرانی سلطنت کے شمالی صوبوں کی حالت تھی۔ جہاں تک ایرانی سلطنت کے
زی شہر اصفہان کا تعلق ہے تو مرکزی حکومت کی حالت انتہائی ابتر تھی۔ مرکز میں
ار کے لئے تین امیدوار تھے۔ ایک بختیاری سردار علی مردان خان دوسرا رند قبیلے
یم خان اور تیسرا افغان سردار آزاد خان تھے۔ ان تینوں کے درمیان اقتدار حاصل
نے کے لئے رسہ کشی جاری تھی۔ ان حالات نے ایران کے اندر عسکری قوت کو
کمزور کر کے رکھ دیا گیا۔

نادر شاہ کے پوتے نے احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں کچھ عرصہ مشہد شہر میں
ر ہو کر مقابلہ کیا لیکن جب اسے یہ احساس ہو گیا کہ اسے باہر سے رسد اور کمک
کی کوئی بھی امید نہیں ہے تو اس نے احمد شاہ ابدالی سے صلح کرنے کا تہیہ کر لیا۔
اس نے اپنے قاصد احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں بھجوائے اور صلح کی درخواست
احمد شاہ ابدالی نے صلح کی درخواست کو قبول کیا اور حکم دیا کہ شاہ رخ اس کے
میں آ کر اس سے ملے۔

شاہ رخ نے اس بات کو تسلیم کر لیا اور احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ احمد
نے اس کی شایان پذیرائی کی اپنے برابر اسے اپنی مسند پر جگہ دی اور بڑی محبت
چاہت اور بڑی نرمی سے اس کے ساتھ گفتگو کی۔ آخر دونوں کے درمیان گفت
کے بعد یہ طے پایا۔

کہ شاہ رخ احمد شاہ ابدالی کی بالادستی قبول کر کے خراسان پر بدستور حکومت کرتا
ہے گا اور احمد شاہ اس کو بیرونی دشمنوں اور اقتدار کے خواہش مند ایرانی صوبیداروں
کے خلاف مدد دے گا۔ اس معاہدے میں یہ بھی شرط رکھی گئی تھی کہ خراسان میں

احمد شاہ ابدالی کے نام کا سکہ جاری کیا جائے گا۔ شاہی فرامین اور سرکاری دستا
پر بھی احمد شاہ کی مہر لگا کرے گی۔ یہ معاہدہ ہو جانے کے بعد احمد شاہ اپنے لا
ساتھ مشہد سے ہرات شہر کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ اب اس نے ہرات شہر کو ا
مرکز بنا کر اپنے لشکر اور اپنی عسکری قوت میں بے پناہ اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

○

عبداللہ نادر آباد کے مکتب میں اپنی عسکری اور دینی تعلیم برابر جاری رکھے
تھا۔ ایک روز جب وہ مجیرالدین کے لوہار خانے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھ
حسام الدین مکتب کا ناظم اعلیٰ پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ عبداللہ جب مجیر الدین اور
الدین دونوں بھائیوں کے سامنے آیا تو مجیرالدین تھوڑی دیر تک اسے مسکراتے
دیکھنے لگا پھر عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے مجیرالدین کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے اس مکتب میں تعلیم حاصل کرتے ہوئے تمہیں چار سال
زائد عرصہ گذر چکا ہے اور تم بالغ ہونے کے قریب پہنچ چکے ہو۔ کچھ عرصہ پہلا
نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے لئے منفرد قسم کے ہتھیار بناؤں
پھر حسام الدین تمہیں ان ہتھیاروں کی تربیت دینا شروع کرے گا۔ جس کے بعد
امید ہے کہ تیغ زنی میں کوئی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ دیکھ بیرم خان کے بیٹے
نے وہ ہتھیار گذشتہ شب مکمل کر لئے ہیں اور وہ ہتھیار آج میں تمہارے حوالے
ہوں اور آج ہی سے میرا بھائی حسام الدین تمہیں ان ہتھیاروں کی تربیت میرے
لوہار خانے میں دینی شروع کرے گا۔

دیکھو عبداللہ میرے بیٹے۔ ان ہتھیاروں کی تربیت تمہیں مکتب میں نہیں د
سکتی۔ اس طرح دوسرے طالب علم بھی اس طرح کی تربیت اور ایسے ہتھیار
مطالبہ کریں گے جو مہیا کرنا ناممکن ہے لہٰذا جو ہتھیار ہم نے تمہارے لئے بنائے
ان کی تربیت تمہیں حسام الدین میرے اسی لوہار خانے میں ہی دے گا۔ اس کے
مجیرالدین درمیانی دروازے سے اپنے مکان کے سکونتی حصے کی طرف چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مجیرالدین لوٹا اور اپنے ہاتھوں میں نیام کی ہوئی ایک تلوار، ایک
ہال، کمان، تیر رکھنے کے لئے ترکش، کندھے، بازوؤں اور پنڈلیوں پر چڑھانے کے
لئے فولادی خول، خود، زرہ، اور گھوڑے کو انگیخت کرنے کے لئے لوہے کی بہترین
میزیں اٹھائے ہوئے تھا۔

وہ ساری چیزیں لا کر مجیرالدین نے عبداللہ کے سامنے رکھ دیں پھر وہ بڑی نرمی
ر شفقت میں کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بیٹے۔ ان سب چیزوں کا جائزہ لو پھر مجھے بتاؤ
لہ یہ کیسی ہیں۔

عبداللہ نے باری باری ان سب چیزوں کا جائزہ لیا۔ پہلے اس نے انتہائی
بصورت بنے ہوئے نیام کے اندر سے تلوار نکالی۔ اس نے دیکھا وہ ایک چوڑے
ل کی بھاری تلوار تھی جس کی نوک سانپ کی زبان کی طرح دو شاخی تھی۔ تلوار
ی صیقل کی ہوئی تھی کہ اس میں سے اپنا چہرہ صاف اور واضح طور پر دیکھا جا سکتا
ا۔ تلوار کا دستہ خوب چوڑا اور لمبا تھا۔ جس پر ہاتھی دانت کا کام تھا اور ہاتھی دانت
کے اس کام کے اوپر عبداللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر تک بڑے مانوسانہ انداز
ں عبداللہ اس تلوار کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے تلوار رکھ دی اور ڈھال اٹھائی۔

عبداللہ نے دیکھا وہ ڈھال بھی عجیب طرح کی تھی۔ گولائی میں وہ عام ڈھالوں
یسی تھی پر موٹی اور زیادہ مضبوط تھی۔ ڈھال کو پکڑنے کے لئے نیچے لوہے کے دستے
بھی ہاتھی دانت کا کام کیا ہوا تھا جس سے دستہ پکڑنے میں خوب نرم ہو گیا تھا۔ اس
ستے کے نیچے ایک بھاری اور وزنی زنجیر لگی ہوئی تھی جبکہ ڈھال کے اوپر کے حصے میں
وہے کی ایک خنجر نما نوک کافی اوپر بڑھی ہوئی تھی اور یہ خنجر دو دھارا تھا۔ کچھ دیر
ک عبداللہ نے اس ڈھال کا جائزہ لیا۔ سوالیہ سے انداز میں ایک بار مجیرالدین کی
رف دیکھا پھر ڈھال اس نے رکھ دی اس کے بعد اس نے خود، زرہ، کمان، ترکش،
ندھوں اور پنڈلیوں پر چڑھانے کے لئے آہنی خول اور مہمیزوں کا جائزہ لیا وہ بھی
مال کاریگری اور مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بنائے گئے تھے۔ عبداللہ جب ساری

چیزوں کا جائزہ لے چکا تو مجیرالدین بولا اور کہنے لگا بیرم خان کے بیٹے دیکھو ہے گو یہ بڑے چوڑے پھل کی بڑی وزنی تلوار ہے مگر اب تو کافی بڑا ہو چ باسانی اس تلوار کو چلا لے گا یہ تلوار ایسی صیقل شدہ اور اس پر ایسی پان چ ہے کہ یہ انسانی جسم تو کیا لوہے کو بھی کاٹتی چلی جائے گی اب تم ڈھال کی طر دیکھتے ہو کہ گولائی میں یہ عام ڈھالوں کی طرح ہے لیکن اس کے اوپر دو دھارا نیچے دستے کے ساتھ زنجیر لگی ہوئی ہے اس ڈھال کی خوبی یہ ہے کہ اسے بیک کئی دشمنوں سے مقابلہ کر سکتے ہو اپنے دائیں ہاتھ سے تلوار استعمال کر بائیں ہاتھ سے تم یہ ڈھال بھی استعمال کر سکتے ہو۔

اس ڈھال سے تم نہ صرف دشمن کا وار روک سکتے ہو بلکہ اس کے ا دھارا خنجر ہے اسے استعمال کرتے ہوئے دشمن پر ضرب بھی لگا سکتے ہو اور ایک اور ضرب بھی تم لگا سکتے ہو اور وہ یہ کہ تم دیکھتے ہو کہ اس ڈھال کے میں اس کے ساتھ جو زنجیر ہے بوقت ضرورت اس زنجیر کو استعمال کرتے ہو۔ پر اس زنجیر کا وار بھی کر سکتے ہو۔

سنو عبداللہ میرا بھائی حسام الدین آج سے تمہیں اس تلوار اور ڈھال کی شروع کرنے کے ساتھ ساتھ دوسرے ہتھیار پہننا اور ان سے کام لینا بھی سکھ مجھے امید ہے کہ حسام الدین بہت جلد تمہیں ان ہتھیاروں کے استعمال میں ا بے مثل بنا دے گا۔ عبداللہ میرے بیٹے اب ان ہتھیاروں کو ایک طرف رکھ پہلے بھٹی میں میرے ساتھ کام کرو اس کے بعد حسام الدین تمہاری تربیت کا کام کرے گا۔ اس پر عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا اور مجیرالدین کے ساتھ لوہے کے گرم ٹکڑوں پر بھاری ہتھوڑے کی ضربیں لگانے لگا تھا۔

○

ہرات میں کچھ عرصہ قیام کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کی قوت اور میں خوب اضافہ کر لیا تھا اب وہ اندرونی شورشوں اور بغاوتوں کو ہموار کر چکا تھا

اس نے اپنی توجہ پنجاب کے معاملات کی طرف مرکوز کی۔

ایک عہدنامہ کی رو سے یہ طے پایا تھا کہ گجرات' سیالکوٹ ' اورنگ آباد اور ہرور کے اضلاع کا مالیہ جو چودہ لاکھ بنتا ہے وہ ہر سال احمد شاہ ابدالی کو بھجوایا جائے گا۔ یہ رقم چونکہ احمد شاہ ابدالی کو باقاعدگی سے نہ بھیجی گئی تھی صرف ایک بار اس کے ایلچی کے ہاتھ معمولی رقم روانہ کر دی گئی تھی ورنہ اس کی ادائیگی احمد شاہ کو نہ دئی تھی۔

یہ درست ہے کہ اس وقت پنجاب کے اندرونی حالات خلفشار کا شکار تھے ان دنوں ان چاروں اضلاع کا ناظم کابل کا سابق گورنر اور حکمران ناصر خان تھا جس نے پنجاب کے صوبیدار میر منوں کے خلاف ایک طرح کی بغاوت اختیار کر رکھی تھی اس نے ان چاروں اضلاع کا جو مالیہ اکٹھا کیا تھا اس میں سے بہت رقم اس نے جنگی تیاری میں برباد کر دی تھی اور باقی رقم یہ خود ہی خرد برد کر گیا تھا۔

چونکہ یہ ناصر خان احمد شاہ ابدالی کے تحت میں نہ تھا اور نہ ہی ان چار اضلاع پر براہ راست احمد شاہ ابدالی کا قبضہ تھا لہٰذا وہ مالیہ کی رقم ادا نہ کرنے کی ذمہ داری میر منوں پر ہی ڈالتا تھا کئی ایک بار احمد شاہ نے رقم کا مطالبہ کیا اور جب اسے کوئی معقول جواب نہ ملا تو اس نے پنجاب پر حملہ آور ہونے کا تہیہ کر لیا۔

اس مقصد کے لئے برسات کا موسم ختم ہوتے ہی احمد شاہ نے ہرات سے کابل کی طرف کوچ کیا کیونکہ برسات کے موسم میں پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرنا انتہائی مشکل تھا لہٰذا برسات کا موسم گزرنے کے بعد احمد شاہ نے پنجاب پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ اپنے آگے آگے اس نے اپنے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کو روانہ کیا تاکہ رستوں کی دیکھ بھال اور نگہداشت کرتا چلا جائے اور اس کے پیچھے پیچھے احمد شاہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

کابل میں قیام کے دوران احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک نمائندے ہارون خان کو لاہور بھجوایا تاکہ ایک بار پھر رقم کا مطالبہ کرے اور اگر اسے رقم مل جائے تو جنگ

سے باز رہے۔ ہارون خان اکتوبر کے مہینے میں لاہور میں داخل ہوا تھا اور حاً
میر منوں کی طرف سے ہارون خان کو سرائے حکیمہ مقابل جامع مسجد جو ہراں
اندرون مستی دروازہ نزد شاہی قلعہ ٹھہرایا گیا۔ 10 اکتوبر کو ہارون خان کی
میر منوں سے ہوئی۔ ہارون خان نے ملاقات کے دوران بقایاجات کا تقاضا کیا جو
میر منوں نے کہا کہ اس کا مشیر کوڑا مل چونکہ ملتان گیا ہوا ہے لہٰذا اس کی
انتظار کیا جائے لہٰذا مجبوراً" ہارون خان کو کوڑا مل کے انتظار میں رکنا پڑا۔

نومبر کے وسط میں کوڑامل ملتان سے واپس آیا تو اس کی ملاقات ہارون خ
ہوئی اس نے رقم کی ادائیگی سے صاف انکار کر دیا اور کہنے لگا کہ ہم کوئی ر
کے لئے تیار نہیں اور اگر احمد شاہ نے ہم پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی تو
بہ ترکی جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ اس کے علاوہ کوڑامل کے کہنے پر احمد شا
کے نمائندے ہارون خان کو میر منوں نے اپنے پاس لاہور میں روک لیا تھا۔

ہارون خان کی واپسی میں تاخیر ہونے کی بنا پر احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے
کابل سے پشاور پہنچ گیا پشاور پہنچنے کی خبریں جب لاہور پہنچیں تو لاہور کے لا
ایک ہلچل برپا ہو گئی اور انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے ادھر ادھر بھاگنا شروع
گو میر منوں نے پہلے ہی جنگ کی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ اس لئے کہ اسے خد
ڈر تھا کہ احمد شاہ ابدالی لاہور پر حملہ آور ہونے کی کوشش ضرور کرے گا۔

گو ماضی میں میر منوں سکھوں کا بدترین دشمن رہا تھا اور اس نے سکھو
طاقت کو ایک طرح سے کچل کر رکھ دیا تھا لیکن چونکہ میر منوں کے مشیر کوڑا
سکھ تھا لہٰذا کوڑامل نے بھاگ دوڑ کرا کے سکھوں کے سردار سنگت سنگھ اور سکھ
کو اپنے ساتھ ملا لیا اور یہ دونوں سکھ سردار اپنے اپنے لشکر کو لیکر میر منوں کی
میں احمد شاہ ابدالی کے خلاف جنگ کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

اس کے علاوہ کوڑا مل نے مزید بھاگ دوڑ کی بذات خود وہ بھرت پور کے
سورج مل کی طرف گیا اس سے طویل گفتگو کی اور اسے بھی اپنی حمایت پر آمادہ

ں گفتگو کے جواب میں بھرت پور کے راجہ سورج مل نے اپنے ایک راجکمار کی
مانداری میں دس ہزار کا ایک لشکر کوڑامل کے کہنے پر میر منوں کی حمایت میں بھجوا
یا۔ کوڑا مل اور سورج مل کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ جس وقت احمد شاہ ابدالی
پنے لشکر کے ساتھ لاہور پر حملہ آور ہونے کے لئے پہنچے تو سورج مل کا لشکر کہیں
اس پاس گھات میں بیٹھا رہے گا اور مناسب وقت پر احمد شاہ کے لشکر پر شب خون
رنے کی کوشش کرے گا۔

پشاور سے احمد شاہ ابدالی نے ایک بار پھر لاہور پیغام بھجوایا کہ اقرار نامے کے
طابق جو اضلاع اس کی تحویل میں دیئے گئے تھے ان کا مالیہ پابندی سے ادا کیا جانا تھا
یکن ابھی تک ان کا مالیہ مجھے وصول نہیں ہوا جس کے واسطے میں یہاں آیا ہوں بہتر
ہے کہ تین سال کے مالیے کی رقم مجھے بھجوا دو تاکہ میں تم پر حملہ آور ہونے کے
جائے واپس چلا جاؤں۔

لیکن میر منوں اب اتنا طاقتور ہو چکا تھا کہ آسانی سے احمد شاہ ابدالی کا جنگ میں
قابلہ کر سکتا تھا۔ جواب میں میر منوں نے احمد شاہ ابدالی کو نو لاکھ کی رقم بھجوائی اور
کہلا بھیجا کہ کابل کا سابق حکمران جو چاروں اضلاع کا ناظم اعلیٰ ہے دو سال کا مالیہ لیکر
بھاگ گیا ہے اور یہ کہ اس نے علاقے کے لوگوں کے ساتھ بدسلوکی بھی کی ہے۔
صرف ایک سال کی رقم میرے ذمے واجب الادا ہے یہ لینا ہو تو لے لو اور اگر جنگ
کرنا چاہتے ہو تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔

یہ رقم احمد شاہ کو اس وقت پیش کی گئی جب وہ دریائے سندھ کو عبور کر رہا تھا۔
احمد شاہ نے نو لاکھ کی رقم تو وصول کر لی لیکن چونکہ یہ رقم اس کی مانگی ہوئی رقم کے
مقابلے میں بہت کم تھی لہٰذا اس نے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔

جہان خان کو اس نے آگے آگے بھیجا جہان خان رہتاس پہنچا چند روز یہاں قیام
کیا یہاں سے نکل کر جہلم اور چناب کو عبور کیا اور ناگہاں یکم دسمبر کو وہ دریائے چناب
کے اس پار ایمن آباد کے مقام پر پہنچ گیا۔ احمد شاہ ابدالی بھی اس کے پیچھے پیچھے

رہتاس اور گجرات سے ہوتا ہوا سوہدرہ اور پھر وہاں سے وزیر آباد کے قریب سیداں میں اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

دوسری طرف حاکم پنجاب میر منوں بھی اپنے لشکر کے ساتھ باہر نکلا اور لاہو سے چار کوس کے فاصلے پر سرائے بلخیاں کے مقام پر اس نے اپنے لشکر کے ڈیرے ڈال دیئے تھے لاہور سے نکلنے کے بعد میر منوں نے عوض خان کو شہر قائم مقام مقرر کر دیا تھا احتیاط کے طور پر اس موقع پر میر منوں نے اپنی ماں پوری بیگم اپنی بیوی مراد بیگم جسے تاریخ میں مغلانی بیگم بھی کہا گیا ہے اور اپنی عمدہ بیگم کو خاندان کی دوسری مستورات کے ساتھ حفاظت کی خاطر جموں بھیج دیا منوں کے اس اقدام سے شہر کے لوگوں میں اضطراب اور پریشانی پھیل گئی تھی۔

احمد شاہ ابدال بھی اپنے لشکر کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہوئے دریائے راوی کنارے آن پہنچا پھر اس نے ایک دلیرانہ قدم اٹھایا اپنا خیمہ اس نے دریائے را کے مغربی کنارے ہی پر نصب رہنے دیا تھا جبکہ وہ دریا کے کنارے کنارے با طرف سے ہو کر چپ چاپ غازی پور کے گھاٹ سے دریائے راوی کو پار کرکے بیگ کے راستے ہنجروال میں داخل ہو گیا۔

ہنجروال میں چند یوم پڑاؤ کئے رکھا اسی دوران احمد شاہ ابدالی کے طلایہ دستوں نے اسے خبر دی کہ بھرت پور کے راجہ سورج مل کا ایک لشکر جس کی تعد دس ہزار کے قریب ہے اور جس کی کمانداری اس کا ایک راجکمار کر رہا ہے وہ وقت شالامار باغ اور محمود بوٹی کے درمیان گھات میں بیٹھا ہوا ہے تاکہ جونہی احمد کا لشکر اس سمت بڑھے رات کی تاریکی میں شب خون مار کر احمد شاہ اور اس کے لش کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جائے۔

یہ خبر ملتے ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے وزیر شاہ ولی خان کو اپنے خیمے میں طلب شاہ ولی خان جب احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں آیا تو احمد شاہ نے اسے اپنے قر بٹھایا۔ تھوڑی دیر تک خیمے میں خاموشی رہی پھر احمد شاہ ابدالی شاہ ولی خان کو مخا

کرکے کہنے لگا۔

سنو شاہ ولی خان میرے طلایہ گر دستوں نے خبر دی ہے کہ میر منوں کی مدد کے لئے تقریباً دس ہزار مسلح سپاہیوں کی کمانداری بھرت پور کے راجہ سورج مل کا بیٹا کر رہا ہے اور یہ لشکر شالا مار باغ اور محمود بوٹی کے درمیان گھات میں بیٹھا ہوا ہے. تاکہ جب نیاز بیگ سے آگے بڑھتے ہوئے ہمارا لشکر شالا مار باغ کی طرف جائے تو سورج مل کا لشکر ہم پر رات کی تاریکی میں شب خون مار کر ہمیں نقصان پہنچائے۔

شاہ ولی میں چاہتا ہوں کہ قبل اس کے راجہ سورج مل کا لشکر ہم پر شب خون مارے ہم اس پر شب خون مارنے میں پہل کر دیں اور اس لشکر کو اس قابل ہی نہ چھوڑیں کہ وہ حاکم پنجاب میر منوں کی مدد کر سکے شاہ ولی میں چاہتا ہوں کہ تم خود اس لشکر پر شب خون مارو اور اسے مکمل طور پر تہس نہس کر دو جہان خان چونکہ لشکر کے ایک حصے کے ساتھ دریائے راوی کے دوسرے حصے پر ہے اگر وہ یہاں ہوتا تو میں اسے اس مہم پر مقرر کرتا اور تمہیں اپنے پاس رکھتا اس لئے کہ مجھے ہمیشہ تمہارے مشوروں کی ضرورت رہتی ہے لیکن مجبوری ہے یہ کام میں تمہیں ہی سونپتا ہوں اس پر شاہ ولی خان بولا اور کہنے لگا۔

پاشا! آپ فکر مند کیوں ہوتے ہیں۔ جونہی رات ہوتی ہے میں لشکر کے ایک حصے کے ساتھ شالامار باغ اور محمود بوٹی کی طرف بڑھوں گا اور سورج مل کے لشکر نے جو ہم پر شب خون مارنے کا عزم کر رکھا ہے میں اسے ناکام بنا دوں گا میں خود اس لشکر پر شب خون ماروں گا اور اسے اس قابل ہی نہیں چھوڑوں گا کہ وہ ہم پر حملہ آور ہو سکے اس پر احمد شاہ کہنے لگا مجھے تم سے یہی امید تھی اب تم جاؤ اور اپنی تیاریاں کرو اس کے ساتھ ہی شاہ ولی خان اٹھا اور احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گیا تھا۔



سورج جب غروب ہو گیا اور نیاز بیگ میں احمد شاہ کے لشکر میں تاریکی پھیل گئی اس وقت شاہ ولی خان اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا تھا کہ کوئی اس کے خیمے میں داخل ہوا

آنے والے نے اپنا چہرہ اور پورا جسم سیاہ رنگ کی ایک چادر سے ڈھانپ رکھا تھا۔
دیکھتے ہی شاہ ولی خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنا ہاتھ وہ تلوار کے دستے پر
گیا تھا لیکن اسی موقع پر آنے والے نے اپنے اوپر سے سیاہ رنگ کی چادر ہٹا دی
اسے دیکھتے ہی شاہ ولی خان دنگ رہ گیا تھا اس لئے کہ وہ عبداللہ تھا شاہ ولی خان ا
بڑے غور اور پریشانی سے دیکھتا رہا پھر حیرت زدہ سے لہجے میں اس نے عبداللہ
مخاطب کر کے پوچھا۔

عبداللہ میرے بیٹے تم یہاں تم تو نادر آباد کے مکتب میں زیر تعلیم تھے یہاں کر
اور کیسے آ گئے۔ اس پر عبداللہ آگے بڑھا شاہ ولی کے قریب آیا اور اسے مخاطب
کے کہنے لگا شاہ ولی خان آہستہ بولو میں تمہارے ساتھ ایک انتہائی راز دارانہ معاملا
طے کرنے کے لئے آیا ہوں اگر تم اجازت دو تو میں تمہارے خیمے میں بیٹھ جاؤں۔ ش
ولی خان خود بھی بیٹھ گیا اور اپنے پہلو میں مسند پر ہاتھ مار کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگا یہاں
میرے پاس بیٹھو بیٹے اور کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ عبداللہ شاہ ولی کے پاس بیٹھ گیا پھ
وہ کہنے لگا۔

شاہ ولی خان میں آج صبح سویرے لاہور پہنچا تھا میں ادھر ادھر چھپ کر وقت
گزارتا رہا ہوں۔ مجھے پتہ چلا کہ احمد شاہ ابدالی نے تمہیں بھرت پور کے راجہ سورج
مل کے لشکر پر شب خون مارنے کے لئے مقرر کیا ہے۔ جس لشکر کے ساتھ شاہ ولی
خان تم نے شب خون مارنا ہے اس کی کمانداری تم مجھے سونپ دو تم اپنے خیمے میں رہ
جو کام تمہیں سونپا گیا ہے وہ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ بہ احسن طریقے سے کر
دکھاؤں گا۔ اس پر شاہ ولی خان نے حیرت سے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
پر عبداللہ تم یہ تو کہو میری جگہ تم یہ کام کیوں کرنا چاہتے ہو اس پر عبداللہ کس
قدر افسردہ سے لہجے میں کہنے لگا شاہ ولی خان تمہیں پتہ ہے احمد شاہ ابدالی نے مجھے پہلی
مہم مازندان میں سونپی تھی میں نے اس مہم میں اپنی بہترین کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا کہ
مگر مجھے افسوس کہ میرے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے جو سردار مقرر کیے تھے انہوں نے

تعاون نہیں کیا انہوں نے بزدلی اور پسپائی کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجے میں وہ لشکر سارا
کٹ مرا مجھے شکست ہوئی اور میں میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔
شاہ ولی خان میں مازندان کی اسی شکست کا داغ دھونا چاہتا ہوں میں سورج مل
کے لشکر کو تباہ و برباد کر کے احمد شاہ ابدالی پر یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس نے جو
امیدیں مجھ سے وابستہ کر رکھی ہیں میں ان امیدوں پر پورا اترنے کی ہمت اور جرات
رکھتا ہوں۔ عبداللہ کی گفتگو سننے کے بعد شاہ ولی خان کچھ دیر سوچتا رہا اور سر کو کھجاتا
رہا پھر اس نے عبداللہ کی طرف غور سے دیکھنا شروع کیا۔
عبداللہ میرے بیٹے تم نے مجھے عجیب سے شش و پنج میں مبتلا کر کے رکھ دیا
ہے۔ میں تمہاری اس پیش کش کو نہ ٹھکرا سکتا ہوں اور نہ تمہارا دل توڑنا چاہتا ہوں
دیکھو بیٹے مجھے خدشہ ہے کہ اگر یہ مہم میں نے تمہیں سونپ دی تو کہیں احمد شاہ
ابدالی میری اس حرکت سے ناراض اور خفا نہ ہو اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا شاہ ولی
خان میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تمہاری اس حرکت پر احمد شاہ ابدالی ہرگز خفا اور
ناراض نہیں ہو گا بلکہ جب میں اس مہم کو کامیابی سے طے کر کے لوٹوں گا تو اس مہم
کی کامیابی تمہارے ہی ذمے آئے گی اس لئے کہ میں کسی سے اس لشکر کی کمانداری
سے متعلق ذکر بھی نہیں کروں گا ہاں آپ ایک مہربانی کیجئے گا کہ لشکری جو میرے
ماتحت جنگ کریں گے انہیں سمجھا دیں کہ وہ میرے یہاں آنے اور لشکر کی کمانداری
کرنے کا ذکر کسی نہ کریں۔
شاہ ولی خان نے تھوڑی دیر مزید کچھ سوچا پھر وہ فیصلہ کن انداز میں کہنے لگا۔
عبداللہ میرے بیٹے اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں تمہاری پیش کش کو رد نہیں کروں
گا۔ تم یہیں میرے خیمے میں بیٹھو میں اس لشکر کی تیاری کرواتا ہوں اور اسے پڑاؤ سے
طلیحہ کرتا ہوں جس کی تم کمانداری کرو گے اور جس کے ساتھ تم راجہ سورج مل
کے لشکر پر شالامار باغ اور محمود بوٹی کے درمیان شب خون مارو گے۔ ساتھ ہی میں
اپنے کچھ جاسوس بھی روانہ کر دیتا ہوں جو تمہاری پیش قدمی کے دوران دشمن کے

محل وقوع سے آگاہ کریں گے۔ عبداللہ نے شاہ ولی خان کی اس تجویز سے اتفاق اس کے بعد عبداللہ شاہ ولی خان کے خیمے میں ہی بیٹھا رہا۔ جبکہ شاہ ولی خان بڑی سے اپنے خیمے سے نکل گیا تھا۔

○

عبداللہ کو شاہ ولی خان کے خیمے میں بیٹھ کر زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا تھا لئے کہ جلد ہی شاہ ولی خان لوٹ آیا وہ عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ عبداللہ تاریکی گہری ہو گئی ہے۔ اب تم میرے ساتھ آؤ میں تمہیں لشکر کے اس حصے کی طر لے جاتا ہوں جس کے ساتھ تمہیں دشمن پر شب خون مارنا ہے اور سنو میں اپنے جاسوسوں کو بھی دشمن کا محل وقوع جاننے کے لئے روانہ کر چکا ہوں اور انہیں بتا ہوں کہ لشکر کی کمانداری تم کرو گے۔ میں نے انہیں تاکید کر دی ہے کہ وہ اس معاملے کو بالکل رازداری میں رکھیں اور جو لشکر تمہارے ساتھ روانہ ہونا ہے ا بھی میں نے واضح کر دیا ہے کہ لشکر کی کمانداری تم کرو گے اور یہ کہ اس معا راز داری ہی میں رکھنا ہے۔ اب عبداللہ تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں اس تک لے جاتا ہوں جس کے ساتھ تم نے بھرت پور کے راجہ سورج مل کے لشک شب خون مارنا ہے۔

عبداللہ شاہ ولی خان کے خیمے سے باہر نکلا۔ خیمے سے باہر ہی اس کا گھوڑا ب ہوا تھا۔ اس کی لگام خیمے کے کھونٹے سے اس نے کھولی اور چپ چاپ شاہ ولی خ کے ساتھ ہو لیا تھا۔ شاہ ولی خان اسے لشکر کے اصل پڑاؤ سے ذرا فاصلے پر لشکر اس حصے میں لے گیا جس کی کمانداری عبداللہ نے کرنی تھی۔ پھر شاہ ولی خان بڑی داری میں عبداللہ کو کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے! اب تم اس لشکر کے ساتھ کوچ کرو۔ جو جاسوس میں دشمن کے محل وقوع جاننے کے لئے روانہ کیے ہیں۔ میرے خیال میں وہ تمہیں را ہی مل جائیں گے اور وہ دشمن تک تمہاری رہنمائی کریں گے۔ میں اب جاتا ہوں ا اپنے خیمے میں تمہاری کامیاب واپسی کا انتظار کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی شاہ ولی خان نے عبداللہ سے مصافحہ کیا اور وہ واپس چلا گیا تھا۔ جبکہ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔

○

نیاز بیگ سے محمود بوئی کی طرف عبداللہ نے بمشکل ابھی آدھا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ شاہ ولی خان کے بھیجے ہوئے دونوں جاسوس واپس آ گئے انہوں نے عبداللہ کو دشمن کے محل وقوع سے آگاہ کیا پھر وہ دشمن تک پہنچنے کے لئے عبداللہ کی رہنمائی کرنے لگے تھے۔

عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ کبھی نہ ختم ہونے والے دکھ میں آنے والی رتوں کے سکھ، یادوں کے منظر میں پاکیزہ چاہتوں کے شناسا سایوں اور نہ جانے کتنی صدیوں سے آندھیوں کے آگے اڑنے والے مسافر پرندوں اور کواڑوں کی چھپی درزوں سے نکل کھڑی ہونے والی ٹھنڈی یخ ہواؤں کی طرح بھرت پور کے راجہ سورج مل کے لشکر کی طرف بڑھا تھا۔

بھرت پور کے راجہ سورج مل کے لشکر کے قریب جا کر عبداللہ تشنگی بڑھاتی پھوار کھلے حقائق کو سراب کرتے جس کی فضاؤں کی سوچوں اور وسوسوں کے جزیروں میں ریت کے بگولوں، آنکھ کے سمندر میں بے کراں اداسیوں، کالی رات کی چادر میں انوار کے سیل رواں۔ امنگوں کی شدت اور جذبوں کی تازگی کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ رات کی تاریکی میں عبداللہ نے حملہ آور ہوتے ہوئے جس طرف رخ کیا ادھر ہی روح کے گھاؤ۔ دل کی خلش، ہجر کی تلخیوں اور سپنوں کی آگ پھیلاتا چلا گیا تھا۔

دوسری طرف بھرت پور کے راجہ سورج مل کے لشکر کا کماندار جو سورج مل کا راجکمار تھا۔ شائد وہ بھی عبداللہ کے لشکر سے پہلے ہی آگاہ تھا۔ شائد اس کے جاسوسوں نے اسے عبداللہ کے حملہ آور ہونے کی اطلاع کر دی تھی۔ لہٰذا جوں ہی عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ دشمن پر حملہ آور ہوا۔ سورج مل کے راجکمار نے بھی

جوابی حملہ کیا اور وہ بھی آگہی کے آشوب اور کرب کی گھڑیوں کی طرح ایسے ا حملہ آور ہوا تھا جیسے صدیوں کی دہلیز پر پتھر کے خود ساختہ بھگوان جی اٹھے ہوں فضا کے قلب و نظر میں دلوں جان کا وہ چھپا ہوا سیل اپنے لہو کے ذرے ذر سر پھری ضدی اناؤں کے تعاقب کی طرح بیدار ہو کر طوفان کھڑا کر گیا ہو۔

رات کی تاریکی میں دونوں لشکر ایک دوسرے پر بری طرح ٹوٹ پڑے۔ طرف ظلمتوں کے غلبے' بے شعوری کی تاریکیاں' روشنی سے اندھیرے کی ت آنکھوں سے آنکھوں کے تصادم کا سماں برپا ہو کر رہ گیا تھا۔ دونوں لشکروں دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی۔ یہاں تک کہ عبداللہ نے اپنے حملوں بدلتے ہوئے کچھ اس انداز میں اپنے حملوں میں تیزی اور تندی پیدا کر دی آسمان کی سوکھی نیلاہٹوں کو بے طشت' مفہوم کے جنگل میں پاتال سے نکلے عیاں اور بغاوتوں کے علم میں زندگی کو ناپید کرنے کا عزم کر چکا ہو۔

اپنے تیز حملوں سے عبداللہ نے بھرت پور کے راجہ سورج مل کے راج لشکر کی اگلی صفوں کو روند اور کچل کر رکھ دیا تھا۔ اگلی صفوں کا صفایا کرنے عبداللہ بڑی تیزی سے آفاق پر چھائے طوفان کی طرح پچھلی صفوں پر حملہ آو اور تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد سورج مل کے راجکمار کے لشکر کی حال پھوٹتی آزادیوں' کرچی کرچی جوڑوں' بچی کھچی سمٹتی سانسوں' گرتے برباد ہو میناروں' گلیوں' محلوں اور دھندلے آفاق میں ٹمٹماتی' جلتی بجھتی روشنیوں جیس لگی تھی۔ راجہ سورج مل کے راجکمار کے لشکری اب عبداللہ اور اس کے کے سامنے اس طرح مغلوب اور زیر ہونے لگے تھے جیسے وشت امکان دھارے بہتے چشموں میں نگوسار ہو کر رہ گئے ہوں۔

بدر کامل کی پھیلی چاندنی میں عبداللہ اب اپنے لشکر کے ساتھ دور دور آور ہونے لگا تھا۔ اس نے دیکھا بھرت پور کے راجہ سورج مل کا راجکمار ا اپنے لشکر کے وسط میں اپنے گھوڑے پر سوار تلوار کے اشارے سے اپنے

سواروں کو مختلف سمتوں اور جہتوں کی طرف اپنے ساتھیوں کی مدد کرنے کے لئے ہدایات جاری کر رہا تھا۔ عبداللہ نے خوب اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ سورج مل کے لشکر کا سالار اور اس کا راجکمار کس جگہ ہے لہٰذا وہ اسی سمت بڑھنے کی کوشش کرنے لگا تھا تاکہ راجکمار پر حملہ آور ہو کر جنگ کو فیصلہ کن لمحات میں ڈالدے۔

راجکمار تک پہنچنے کے لئے بڑی تیزی سے حملہ کرتے ہوئے عبداللہ دشمن کے اندر پیش قدمی کرتا جا رہا تھا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے لشکری بھی درپن میں لہروں کے ملبے۔ لبوں پر تبسم کی شعلہ گوں تحریروں اور دل کی سطح سوزاں پر لرزاں اندیشوں' مہکتے چمکاتے نور سے نکھرتی صبح و خوابوں کے پرندوں کی اڑان کی طرح دشمن کے لشکریوں کو اپنی راہ سے ہٹاتے اور ان پر چھاتے ہوئے آگے بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ عبداللہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ وقت کی گھات' قضائے قلب و جان سموں کی کرچیاں کرتے لمحوں اور دیوہیکل برقی آرے کی طرح دشمن کے لشکر کا بڑا حصہ تہ تیغ کر دیا تھا۔

سورج مل کے راجکمار نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کا زیادہ حصہ تہ تیغ ہو گیا ہے اور عبداللہ لحہ بہ لحہ اپنا کام جاری رکھے ہوئے اس کے لشکر کی تعداد کم کرتا چلا جا رہا ہے تو اس نے فوراً اپنے لشکر کو پسپا ہو کر میدان جنگ سے بھاگنے کا اشارہ دیدیا تھا۔ خود بھی راجکمار بھاگ نکلا تھا۔

محمود بوٹی اور شالا مار کے درمیان کھلے میدانوں کے اندر عبداللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ اندھیروں کی سرسراہٹ' تیز و برق گام طوفانوں اور ساحلوں کی منتظر موج بے کراں اور صدیوں کی رفتار کی طرح اپنے آگے بھاگتے راجکمار اور اس کے بچے کھچے لشکریوں کا تعاقب کیا یہ تعاقب کچھ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ اس لئے کہ عبداللہ نے دشمن کے ایک ایک لشکری کو چن چن کر قتل کر دیا تھا۔ دشمن کے لشکر کا جب خاتمہ کیا جا چکا تو عبداللہ نے اپنے لشکر کو روک دیا پھر وہ خود بھاگنے والے راجکمار کے پیچھے لگ گیا تھا۔

عبداللہ نے اس راجکمار کو بھی زیادہ دور نہیں جانے دیا بلکہ جلد ہی اسے
اس راجکمار نے جب دیکھا کہ عبداللہ تعاقب کرتا اس کے قریب آگیا ہے تو
دم پلٹا اور عبداللہ پر حملہ کر دیا لیکن عبداللہ نے اس کے وار کو اپنی تلوار پر
جواب میں اس نے میجرالدین کی بنائی ہوئی سانپ کی زبان کی طرح دو شاخی اور
تلوار جب راجکمار کی تلوار پر ماری تو راجکمار کی تلوار کٹ کر دو حصوں میں
تھی۔ ایک حصہ راجکمار کے ہاتھ میں پکڑا رہ گیا تھا۔ دوسرا حصہ ایک چھنا
ساتھ زمین پر گر گیا تھا۔

راجکمار ابھی تک بڑی حیرت اور پریشانی میں اپنی کٹی ہوئی تلوار کو ہی دیکھ
کہ عبداللہ نے آگے بڑھ کر اسے گردن سے پکڑ کر دبوچ لیا پھر اپنے گھوڑ
خرجین کے اندر سے اس نے رسی نکالی۔ اس راجکمار کے ہاتھ پاؤں کس کر
دیئے اور پھر اس راجکمار کو اٹھا کر اپنے آگے بٹھایا اور اس کے گھوڑے کو بھی
آگے ہانکتے ہوئے وہ اپنے لشکر میں واپس آگیا تھا۔ عبداللہ کے آنے تک عبداللہ
لشکری دشمن کے پڑاؤ پر قابض ہو چکے تھے۔ سارا سامان سمیٹا جا چکا تھا پھر عبد
اپنے لشکر کے علاوہ دشمن کے لشکر کے سارے گھوڑوں اور اسلحہ و ہتھیاروں کے
خوراک کے وسیع ذخائر لیکر واپس اپنے لشکر کی طرف جا رہا تھا۔



احمد شاہ ابدالی کا وزیر شاہ ولی خیمے میں بڑی بے چینی سے عبداللہ کی واپسی
بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ عبداللہ سورج مل کے راجکمار کو اپنے کندھے پر ا
شاہ ولی خان کے خیمے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی پریشانی کے عالم میں شاہ ولی
اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ عبداللہ نے راجکمار کو شاہ ولی خان کے خیمے کے
کونے میں ڈال دیا۔ پھر وہ شاہ ولی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ ولی خان میں نے سورج مل کے لشکر کا مکمل طور پر صفایا کر دیا ہے او
اس لشکر کا کماندار ہے جس کے متعلق مجھے کہا گیا تھا کہ یہ سورج مل کا راجکمار

میں نے زندہ پکڑ لیا ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں میں نے رسیوں میں جکڑے ہوئے

شاہ ولی خان میں نے جس کام کا تمہارے ساتھ وعدہ کیا تھا وہ میں نے کر دکھایا
۔ نیشاپور میں جو میں نے ذلت کا داغ اٹھایا تھا وہ میں نے سورج مل کے اس
لار کو شکست دیکر دھو ڈالا ہے۔ شاہ ولی خان تھوڑی دیر تک صبح طلوع ہو جائے
۔ لہٰذا سورج طلوع ہونے سے پہلے ہی پہلے مجھے نادر آباد کی طرف کوچ کر جانا
ہے اور ہاں شاہ ولی خان سورج مل کا یہ راجکمار قیدی ہے۔ اس کے ساتھ اچھا
ک کرنا۔ شاہ ولی خان نے ایک نگاہ اپنے خیمے کے کونے میں پڑے ہوئے سورج مل
راجکمار پر ڈالی جس کے سر پر آہنی خود تھا جس نے اپنا چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ پھر
لی خان عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ تم دیکھتے ہو کافی سردی ہے۔ اس کے نیچے اور اوپر توشک اور لحاف
د۔ میں تمہیں توشک اور لحاف مہیا کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی شاہ ولی خان اپنے
کے دوسرے کمرے میں گیا وہاں سے وہ توشک اور لحاف اٹھا لایا۔ عبداللہ حرکت
آیا۔ خیمے کے کونے میں پہلے اس نے توشک ڈالا راجکمار کو اٹھا کر اس توشک پر
پھر راجکمار کے اوپر لحاف ڈال دیا تھا۔ اس کے بعد عبداللہ شاہ ولی کے پاس آیا
اس سے مصافحہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ ولی خدا حافظ میں اب کوچ کرتا ہوں۔ اس راجکمار کا سیاہ رنگ کا گھوڑا
ے خیمے سے باہر میں نے باندھ دیا ہے۔ میں نے اس گھوڑے پر سوار ہو کر تو
دیکھا لیکن وہ گھوڑا بڑا سرکش اور سیخ پا لگتا ہے۔ بہرحال اللہ حافظ۔ میں یہاں
کوچ کرتا ہوں اس کے ساتھ ہی عبداللہ ولی خان کے خیمے سے نکل کر رات کی
لی میں نادر آباد کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

عبداللہ کے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد لشکر گاہ کے اندر فجر کی اذانیں ہونا
ع ہو گئیں تھیں۔ ایسے میں شاہ ولی خان اپنے خیمے سے نکلا اور احمد شاہ ابدالی کے

خیمے کی طرف چلدیا۔ اس نے دیکھا کہ اسوقت نماز ادا کرنے کے لئے احمد ش
اٹھ چکا تھا۔ جوں ہی احمد شاہ نے شاہ ولی کو دیکھا۔ وہ اس کے قریب آیا ا
بھرے لہجے میں پوچھا۔ شاہ ولی خان تمہارے رات کے شب خون کا کیا ہوا
شاہ ولی بولا اور کہنے لگا۔ پاشا! شب خون کامیاب رہا۔ میں نے سورج مل کے
لشکر کا صفایا کر دیا ہے اور سورج مل کا راجکمار جو اس لشکر کا کماندار تھا اسے
زندہ پکڑ لیا ہے اور وہ اس وقت میرے خیمے میں پڑا ہوا ہے۔ اس پر میں نے
رکھا ہے اور اس کے ہاتھ پاؤں احتیاطا" باندھ دیئے ہیں۔ اس پر احمد شا
مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ ولی خان تم نے یقیناً میری امیدوں میری خواہشوں کے مطابق رات ا
میں دشمن پر شب خون مارا ہے۔ تم نے سورج مل کے لشکر کا صفایا کر کے ا
ضرب لگائی ہے کہ وہ اس ضرب کو اپنے لئے ناقابل تلافی خیال کرے گا۔ شاہ
اس کامیاب شب خون پر میں نہ صرف تمہارا شکر گذار ہوں بلکہ تمہیں
مبارک باد بھی پیش کرتا ہوں۔ آؤ فجر کی نماز ادا کریں اور جب سورج طلوع
راجکمار کو میرے سامنے پیش کرو۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ اور شاہ ولی خا
لشکر گاہ میں نماز ادا کرنے کے لئے چل پڑے تھے۔

فجر کی نماز کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے کے اندر آگ سے بھری ہوا
کے پاس بیٹھا تھا کہ اس کے خیمے میں لشکر کے قاضی ادریس' سپہ سالار ج
پوپلزئی اور امیر سرنگ برخوردار خان داخل ہوئے انہیں دیکھتے ہی احمد شاہ
بڑے خوشگوار انداز میں ان تینوں کا استقبال کیا اور پھر ان تینوں کو اپنے سا
سے بھری ہوئی انگیٹھی کے گرد بیٹھنے کو کہا۔ احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر وہ تینو
کے پاس اس کے سامنے بیٹھ گئے اور اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لئے انہوں
سے بھری انگیٹھی کے اوپر اپنے ہاتھ پھیلا دیئے تھے۔

خیمے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد لشکر کے' قاضی اد

احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔

احمد شاہ میں جہان خان پوپلزئی اور برخوردار خان کے ساتھ آج صبح ہی صبح
ے سامنے ایک عجیب اور انوکھی بات کا انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔ اس پر احمد شاہ
لی نے تجسس بھری نگاہوں سے لشکر کے قاضی کی طرف دیکھا پھر پوچھا۔ آپ کس
بات کا انکشاف کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر قاضی ادریس پھر بولے اور کہنے لگے۔

احمد شاہ! رات شاہ ولی خان نے سورج مل کے لشکر پر شب خون مارا تھا۔ سورج
ے لشکر کا اس نے مکمل طور پر صفایا کر دیا اور اس کے لشکر کے سپہ سالار کو جو
ج مل کا راجکمار ہے شاہ ولی خان نے زندہ پکڑ لیا۔ رات کو یہی خیال کیا گیا تھا کہ
سورج مل کا راجکمار ہے لیکن صبح پتہ چلا کہ وہ راجکمار نہیں بلکہ سورج مل کی
جکماری ہے۔ اس انکشاف پر احمد شاہ ابدالی اپنی جگہ سے اچھل سا پڑا اور پوچھنے

قاضی ادریس یہ آپ کیسا انکشاف کر رہے ہیں۔ شاہ ولی خان نے مجھے یہ نہیں
ا کہ وہ لڑکی ہے۔ اس پر قاضی ادریس بولے اور کہنے لگے۔ شاہ ولی خان احمد شاہ
ہیں کیا بتاتے۔ شاہ ولی خان کو تو خود پتہ نہیں تھا۔ صبح برخوردار کہیں شاہ ولی خان
ملنے گیا۔ برخوردار پر شاہ ولی خان نے انکشاف کیا کہ جب اس راجکمار کو صبح کا
ادیا جا رہا تھا اس وقت پتہ چلا کہ وہ راجکمار نہیں بھرت پور کے راجہ سورج مل
بیٹی اور راجکماری ہے۔ اس کا نام کامنی ہے۔ قاضی ادریس کے اس انکشاف پر
شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھے احمد شاہ ابدالی کچھ سوچتا رہا۔ پھر وہ بولا اور
دار خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

برخوردار تم شاہ ولی خان کی طرف جاؤ اور اس سے کہو کہ سورج مل کی
بکماری کامنی کو لیکر میرے خیمے میں آئے۔ احمد شاہ ابدالی کا حکم پا کر برخوردار خان
اجگہ پر سے فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پھر وہ خیمے کے دروازے کی طرف جانے ہی لگا
کہ خیمے میں شاہ ولی خان داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی برخوردار پھر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

سب نے دیکھا شاہ ولی خان کے ساتھ ایک خوب قد کاٹھ مگر پتلے جسم کی
جس نے اپنی گردن کو جھکا رکھا تھا۔

شاہ ولی خان نے اس لڑکی کو احمد شاہ کے سامنے لا کھڑا کیا پھر وہ ا
مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھو بیٹی یہ سامنے ہمارے پاشا احمد شاہ ابدالی بیٹھے
کچھ کہنا چاہتی ہے۔ ان سے کہو۔ اس کے بعد شاہ ولی خان نے احمد شا
دیکھتے ہوئے کہا۔

پاشا رات جو سورج مل کا راجکمار گرفتار ہوا تھا۔ حقیقت میں وہ را
بلکہ راجکماری ہے۔ جو اس وقت آپ کے سامنے کھڑی ہے اور اس کا نام کا
احمد شاہ ابدالی نے لڑکی کی طرف نگاہ کی تھوڑی دیر تک غور سے اس کا جائز
اس نے دیکھا۔

اس پیکر شباب لڑکی کا رنگ بلور سے تراشا ہوا تھا' اس کی تیکھی نوکی
اس کے نازک سجیلے ہاتھ' اس کا پیکر مرمر بازو' اس کی لچکیلی ڈال سی کمر' ریشم
بال' سیمی عارض' دہکتے لب' صراحی دار گردن' اس کے کمال قدرت کی
شاہکار' حسن مجسم' بزم طرب' لفظوں کی رعنائی اور خوشبو کی تتلیوں جی
ہوئے تھے۔ وہ لڑکی اونچی شاخوں کے تازہ شگوفوں' رنگ بکھیرتی خوشیوں کے
اور جاوداں رفاقت کے رعنائی جیسی خوبصورت اور پر جمال تھی۔

اس کا سرخ سجیلا چہرہ اسے الفت کی زیبائش' چاند سا سنہرا ٹکڑا اور
تیرتا کنول بنائے ہوئے تھا۔ اس کی آنکھوں کی مستی اسے بوسے اور وصل کی
خواہش' پھولوں کی جھلمل اور چاند تاروں کی کہکشاں جیسا سجائے ہوئے تھی۔
ہونٹوں کی خوش کن تراوٹ میں خویشوں میں خوشبو کی نرم سرگوشی' موج ر
حرف فسوں پنہاں تھا۔ اسکے لال گلابی عارض اس کے سراپا کو جمال شیریں' بک
اور فسانہ ناشناس بنا رہے تھے۔ اس کے شفق کے رنگوں میں ڈھلی جوانی کی
اسے ہنگامہ وصل' رنگ سرور انبساط اور سوغاتوں بھری رنگ ریزی بنا رہی تھی

بدلوں کے تنے سائبان اس لڑکی کو گلابوں کی تازہ مہک اور آئینہ در آئینہ رقص
کرتے نقوش زندگی کی عکاس اور رنگ و نظر کی ترجمان بنائے ہوئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی ابھی تک حسین و پر جمال کامنی کی طرف بڑے غور اور انہماک
سے دیکھ رہا تھا کہ شاہ ولی خان کی آواز پر وہ چونک سا پڑا۔ شاہ ولی خان اسے مخاطب
کر کے کہنے لگا۔ پاشا سورج مل کی یہ راجکماری آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ اس لئے
میں اسے آپ کے پاس لایا ہوں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی نے غور سے کامنی کی طرف
دیکھتے ہوئے پوچھا۔ بیٹی کیا تیرا نام کامنی ہے۔ تو بھرت پور کے راجہ سورج مل کی
راجکماری ہے۔ اس پر کامنی بولی اور کہنے لگی۔ میرا نام واقعی کامنی ہے اور میں بھرت
پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری ہوں۔

کامنی کے بولنے کے بعد پتہ چلا کہ اس دلربا خدوخال' ساحر نگاہوں' کرنا چہرے
والی لڑکی کی آواز میں مست پون کا خمار' وادی کشمیر کے بجتے سنتور کی مٹھاس' صوت و
صداؤں کے پھول' ندی کے گیتوں' بچوں کی معصوم ہنسی جیسی کشش' ہواؤں کے کھنکتے
قہقہوں کی جلملاہٹ اور داستان گوؤں کے لہجے کی شیرینی تھی۔

احمد شاہ نے پھر پوچھا۔ دیکھو بیٹی تو اپنے آپ کو یہاں محفوظ سمجھو۔ میں تجھے بیٹی
کہہ کر پکار رہا ہوں۔ جس طرح تو اپنے باپ سورج مل کے پاس محفوظ اور خوش تھی
ایسے ہی تو اپنے آپ کو یہاں محفوظ سمجھو اور خوش رہنے کی کوشش کر۔ یہ شاہ ولی
خان جو تمہیں میرے خیمے میں لیکر آیا ہے میرا وزیر ہے یہ کہہ رہا تھا کہ تم مجھ سے
کچھ کہنا چاہتی ہو۔ کہو تم نے کیا کہنا ہے۔ اس پر کامنی پھر بولی اور اپنی آواز کی پوری
شیرینی میں کہنے لگی۔

میں نہیں جانتی آپ کو مجھے کن القاب سے مخاطب کرنا چاہیے چونکہ آپ
مسلمانوں کے لشکر کے سپہ سالار اور بادشاہ ہیں اور آپ کے یہ ساتھی آپ کو پاشا کہہ
کر مخاطب کرتے رہے ہیں۔ میں یہ بھی نہیں جانتی کہ پاشا کے کیا معنی ہیں۔ تاہم میں
آپ کو پاشا ہی کہہ کر مخاطب کروں گی۔ تو پاشا میں یہ کہنا چاہتی ہوں میں اس جوان کو

دیکھنا چاہتی ہوں جس نے گزشتہ شب میرے لشکر پر شب خون مار کر اس کا خ
اور مجھے زندہ گرفتار کیا۔

اس پر احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک مسکراتے ہوئے کامنی کی طرف دیکھتا
کہنے لگا دیکھو بیٹی رات تیرے لشکر پر شب خون میرے اسی وزیر شاہ ولی خان ۔
تھا۔ جو اس وقت تیرے پاس کھڑا ہے۔ اس پر کامنی بیزاری کا اظہار کرتے ہو۔
لگی۔

ہرگز نہیں! اس شاہ ولی خان نے میرے لشکر پر شب خون نہیں مارا۔ نا ہی
اس نے مجھے گرفتار کیا۔ جس جوان نے مجھے گرفتار کیا وہ نو عمر تھا۔ میں نے اس
اس نے میرے جسم کے لمس کو محسوس کیا۔ اس لئے کہ وہ مجھے اپنے آگے
گھوڑے پر بٹھا کے لایا تھا۔ میدان جنگ میں میں نے اس کا پوری طرح جائزہ نہ
تھا کہ وہ کیسا ہے کس عمر کا ہے لیکن جب وہ مجھے آپ کے وزیر شاہ ولی کے خیـ
اٹھا کر لایا تو خیمے میں جلتی ہوئی مشعل کی روشنی میں میں نے اس جوان کو بڑ
سے دیکھا تھا۔

پاشا وہ نو عمر تھا بلکہ میں کہہ سکتی ہوں وہ کم عمر تھا۔ حیرت کی بات یہ کہ وہ
جسم پر ٹاٹ کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ اس کے سر پر ٹاٹ کی ٹوپی تھی۔ پاؤں میں پ
پیوند لگا جوتا تھا۔ گلے میں موٹے لوہے کا طوق اور دونوں ٹانگوں میں لوہے کے ک
تھے۔ پاشا اب بتاؤ کہ یہ جوان کون ہے۔ کامنی کے اس انکشاف پر احمد شاہ ا
قاضی ادریس' سپہ سالار جہان خان پوپلزئی' امیر سرنگ برخوردار خان چونک کر رہ
تھے۔ تھوڑی دیر تک احمد شاہ ابدالی جواب طلب نگاہوں سے شاہ ولی خان کی ط
دیکھتا رہا پھر پوچھا۔

شاہ ولی خان یہ سورج مل کی راجکماری کامنی کیا کہتی ہے۔ اس کا کہنا ہے
جس شخص نے اس پر شب خون مارا اور اس کے لشکر کا قلع قمع کیا۔ اسے گرفتا
کے خیمے میں لایا اس کی گردن' اس کی ٹانگوں میں لوہے کا طوق اور کڑے تھے ا

کا لباس پہنے ہوتے تھا۔ شاہ ولی تم جانتے ہو کہ لوہے کے طوق اور ٹاٹ کا لباس
لله کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہو اس سلسلے میں تم کیا کہتے ہو۔ احمد شاہ ابدالی کے
استفسار کے جواب میں شاہ ولی خان کی گردن تھوڑی دیر تک جھکی رہی۔ پھر نگاہیں
ر اس نے احمد شاہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

پاشا! کامنی نام کی یہ لڑکی ٹھیک کہتی ہے۔ گزشتہ دن جب آپ نے مجھے سورج
ے لشکر پر شب خون مارنے کے لئے کہا تھا تو آپ کے خیمے سے نکل کر جب میں
خیمے میں چلا گیا اور سورج غروب ہو گیا۔ اندھیرا پھیل گیا تو اچانک اپنا چہرہ اور
جسم کو ایک سیاہ رنگ کی چادر میں ڈھانپے عبداللہ میرے خیمے میں داخل ہوا۔
نے مجھ سے التجا کی جس لشکر کے ساتھ سورج مل کے لشکر پر شب خون مارنے والا
ادہ لشکر میں اس کی سرگردگی میں کر دوں۔ میں نے اسے بہتیرا منع کیا لیکن وہ بضد
ر کہنے لگا کہ وہ خود یہ شب خون مارنا چاہتا ہے اور مازندان میں حسین کاچار کے
وں کے مقابلے میں جو اسے خفت اور ناکامی کا داغ اٹھانے پڑے ہیں وہ انہیں دھو
چاہتا ہے۔

پاشا جب عبداللہ بضد ہوا تو میں نے اس کی بات کو مان لیا۔ میں نے اپنے
ں بھیج کر سورج مل کے لشکر کا محل وقوع معلوم کیا۔ جس لشکر کے ساتھ شب
مارا جانا تھا اس کے چھوٹے سالاروں کو بھی اس راز سے آگاہ کر دیا کہ کسی سے
کریں کہ اس لشکر کی کمانداری میرے بجائے عبداللہ کر رہا ہے اور انہوں نے
ساتھ کام کرنے والے لشکریوں کو بھی اس راز کو راز رکھنے کا حکم دیدیا تھا۔
پاشا اس طرح رات کی تاریکی میں اس لشکر کے ساتھ میں نے نہیں عبداللہ نے
خون مارا تھا۔ اس راجکماری کے لشکر کا خاتمہ میں نے نہیں' محمود بوئی اور شالامار
درمیان کھلے میدانوں کے اندر عبداللہ نے خاتمہ کیا تھا اور پھر فجر کی اذانیں
ے کچھ پہلے عبداللہ اس لڑکی کو اٹھائے میرے خیمے میں داخل ہوا تھا۔ اس
عبداللہ کو بھی نہیں پتہ تھا کہ یہ راجکمار نہیں راجکماری ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں

اس نے باندھ رکھے تھے پھر اس لڑکی کو عبداللہ نے میرے خیمے کے ایک توشک پر لٹا کر اس کے اوپر لحاف ڈالدیا اور خود وہ رات کی تاریکی میں رخصت ہو کر نادر آباد کی طرف چلا گیا تھا اور کہنے لگا اس واقعہ کا کسی سے جائے۔ پس پاشا فجر کی نماز کے بعد جب میں نے اس لڑکی کو صبح کا کھانا کھلایا وقت مجھ پر انکشاف ہوا کہ یہ راجکمار نہیں راجکماری ہے۔ سو اس کے بعد لڑکی کے ہاتھ پاؤں کھول کر آپ کے پاس لے آیا۔ بس یہ ہے وہ حقیقت جو نے چھپا کر رکھی تھی یہ سب کچھ میں نے عبداللہ کی خوشنودی کے لئے کیا ایک یتیم، مسکین اور انتہائی جاں نثار اور مخلص لڑکا ہے مجھے اچھا لگتا ہے لہٰذا اس کی بات کو مان لیا۔

شاہ ولی خان کی یہ ساری گفتگو سن کر احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک طرح خاموش رہا جیسے وہ کہیں کھو گیا ہو۔ پھر وہ خیمے کی خلاؤں میں دیکھتے ہو پرسوز اور رقت آمیز آواز میں کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے تم نے یہ کارہائے نمایاں چپکے چپکے، چوری چوری، چھپ کے انجام دیکر یہ ثابت کر دیا ہے کہ تم گوشہ تقدیم میں قرص مہتاب، مخرب نا تاریکیوں میں نردبان قمر حریری نوشتوں میں ان مٹ نقوش چھوڑنے والا خامہ اور جراتمندی کے آسمان کے گنبد میں ایک نایاب زبرجد ہو۔

سن عبداللہ میرے بیٹے، میرے فرزند، میرے بچے میری دعا ہے کہ تو جوا بالغ ہونے کے بعد اپنے دادا کی امیدوں پر پورا اترے اور اس کی شرائط کو کما کرے۔ عبداللہ جس طرح اندھیرے میں تیرتی زمین میں بیج کی آنکھ مردہ مٹی دیکھتی ہے اس طرح میں بھی دیکھ رہا ہوں کہ تو آنے والے دور میں فطرت کا کا طائر تند خو، بحر ذخار کا نایاب موتی، موت کے کاروانوں میں گرمئی حیات کا سلگتے چہروں کے کرب، تند سفاک لمحات میں طلسم کی تابکاری، عارف کے دل تڑپ بن کر نمودار ہو گا۔

بیرم خان کے بیٹے میری تیرے حق میں دعا ہے کہ آنے والے دور میں تو سوختہ فکر کی راکھ میں مسرت کی آس، زخم خوردہ تقدیروں میں لہو کی تازہ چمک، حصار ذات کے حجروں میں شعلوں کے لرزاں رنگ، کاسہ حیات میں پھولوں کا جھرمٹ، خاموشی کے بحر کے نیم تاریک ساحلوں پر احساس کا سفینہ، حد نظر تک پھیلے سنسان صحراؤں میں منزل کا راستہ بے غبار موسم اور خشک واماندہ احساس کی پتیوں میں بیلے کی بوباس بنکر لوگوں کے سامنے آئے۔

بیرم خان کے بیٹے میں احمد شاہ ابدالی تیری یتیمی، تیری غلامی، تیری مسکینیت، تیری شجاعت اور دلیری، تیری ہمت اور سرفرازی، تیری جان نثاری اور جانفشانی، تیری خیر خواہی اور تندہی۔ تیری بے باکی اور مردانگی، تیرے خلوص اور تیری راستی، تیری سعادتمندی اور حریت پسندی، تیرے جذبوں اور تیری اڑان کو سلام کرتا ہوں۔

یہاں تک کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے کامنی کا جائزہ لیا۔ اس نے دیکھا کہ کامنی اس وقت بمشکل تیرہ چودہ برس کی ہو گی اور زندگی کے اس دوراہے پر کھڑی تھی جہاں بچپن اور جوانی ایک دوسرے سے پوری طرح گلے مل کر جدا نہیں ہوتے۔ تھوڑی دیر تک احمد شاہ ابدالی نے بڑی توجہ بڑے انہماک سے کامنی کی طرف دیکھا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھو بیٹی ہمیں ہرگز یہ خبر نہ تھی کہ بھرت پور کے راجہ سورج مل کے لشکر کی کمانداری اس کی راجکماری کر رہی ہے۔ اب جبکہ عبداللہ تیرے لشکر کا صفایا کر کے تجھے اسیر بنا کر ہمارے حوالے کر چکا ہے تو میں تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ جب چاہو میرے لشکر سے نکل کر واپس بھرت پور میں اپنے راجہ باپ کے پاس جا سکتی ہو۔ بیٹی تو جب بھی یہاں سے روانہ ہونا چاہے بتا دینا تجھے زادراہ کے علاوہ ضرورت کی ہر شے مہیا کی جائے گی احمد شاہ ابدالی کی اس گفتگو کے جواب میں کامنی نے کچھ دیر سوچا پھر وہ کہنے لگی۔

میں یہاں سے اس شخص کو دیکھے بغیر نہیں جاؤں گی جس نے میرے لشکر پر شب

خون مارا اس کا صفایا کیا اور پھر لمحوں کے اندر مجھے اسیر بنا کے آپ کے وزیر
خان کے خیمے میں چھوڑ گیا۔ میں اس شخص کی دلیری اور جراتمندی سے متاثر
میں نے اسے دیکھا وہ ابھی نو عمر بھی تھا اور ماہ و سال کی پختگی نہ رکھنے کے باوجو
اس کی حرکات اور فنون حرب میں خوب پختگی تھی۔ پاشا جب تک میں اس شخص
ملوں گی نہیں اسے دیکھوں گی نہیں اس وقت تک یہاں سے نہیں جاؤں گی۔

کامنی کی اس گفتگو کے جواب میں احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکرا
نمودار ہوئی پھر وہ بڑی نرمی بڑی شفقت میں کہنے لگا۔ دیکھو بیٹی جس نو عمر جوان
تمہارے لشکر پر شبخون مارا اور اس کا قلع قمع کیا اس کا نام عبداللہ ہے اس کے باپ
نام بیرم خان ہے وہ تجھے اسیر اور گرفتار کرنے کے ساتھ ہی یہاں سے نادر آباد
طرف کوچ کر چکا ہے۔ دیکھ نادر آباد یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے اور وہ عبدا
نادر آباد کے ایک حربی اور دینی مکتب میں زیر تعلیم ہے۔ ابھی اس کی تعلیم مکمل ہو
میں دو سال لگیں گے۔ تب وہ باقاعدہ لشکر میں شامل ہو گا کیا تو دو سال میرے لشکر
میں رہ کر اس کا انتظار کر سکتی ہے۔

اس پر کامنی بڑی جرات مندی، بڑی بے باکی اور عزم کا اظہار کرتے ہوئے کہنے
لگی۔ پاشا دو سال تو کیا میں ساری عمر بھی آپکے لشکر میں رہ کر اس شخص کا انتظار کر
سکتی ہوں جس نے لمحوں کے اندر میرے لشکر کا صفایا کیا اور مجھے اسیر بنا دیا۔ حالانکہ
بھرت پور میں کوئی ایسا جوان نہ تھا جو تیغ زنی اور تیر اندازی میں میرا مقابلہ کر سکتا
اسی بنا پر میرے باپ نے مجھے اس لشکر کا کمانڈر بنا کر بھیجا۔ میں حیران اور پریشان
تھی کہ وہ عبداللہ نام کا نوجوان کیسے اور کس طرح لمحوں کے اندر مجھ پر اور میرے
لشکر پر چھا گیا۔

کامنی کی اس گفتگو کے بعد احمد شاہ ابدالی نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ دیکھو بیٹی
اگر تیرے یہی عزائم اور ارادے ہیں تو پھر تو میرے لشکر میں رہ کر عبداللہ کی واپسی
اور میرے لشکر میں شمولیت کا انتظار کر اور اگر تو عبداللہ کا انتظار کرنا چاہتی ہے تو میں

بلکہ میں تجھے واپس نہیں جانے دوں گا۔ اس وقت عبداللہ کے علاوہ میرا بھتیجہ
عبدالخالق میرے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کا بھتیجہ زال بیگ پوپلزئی اور میرے ایک
سردار کا بیٹا جمال خان بھی نادر آباد کے مکتب میں زیر تعلیم ہیں اور ایک شخص دلاور
خان کو جو تیغ زنی میں اپنا جواب نہیں رکھتا ان چاروں کا نگران مقرر کیا گیا ہے۔ دو
سال بعد جب وہ مکتب میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد لوٹیں گے تو بیٹی ان چاروں کا
مقابلہ ہو گا ان چاروں میں جو حرب و ضرب کے فنون میں سرفہرست رہے گا۔ بیٹی میں
تجھے اس کے حوالے کر دوں گا۔ اس کے علاوہ سرفہرست رہنے والے کو شاہ پسند کا
لقب دوں گا اور اسے امیر لشکر بھی بنانے کے ساتھ ساتھ بہترین انداز میں مالی طور پر
بھی نوازوں گا۔ اس پر کامنی فوراً بولی اور کہنے لگی پاشا مجھے آپ کی یہ شرط منظور
ہے۔

اس پر احمد شاہ نے اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے قاضی ادریس کی طرف دیکھتے ہوئے
بڑی رازداری سے کہا قاضی ادریس کامنی نام کی اس لڑکی کو آپ اپنے پاس رکھیں
سے آہستہ آہستہ اپنے دین کی تعلیم بھی دیجئے اگر یہ ہمارا دین قبول کر لیتی ہے تو میں
سمجھتا ہوں کہ یہ عبداللہ کے لئے اس کی زندگی کا بہترین ساتھی ثابت ہو گی اس پر
قاضی ادریس نے تیز نگاہوں سے احمد شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

احمد شاہ تم نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ کامنی نام کی اس لڑکی کو عبداللہ ہی جیتے
گا۔ اس پر احمد شاہ ابدالی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ قاضی ادریس میرا دل کہتا ہے کہ
یہ عبداللہ اپنے سامنے میرے بھتیجے عبدالخالق جہان خان کے بھتیجے زال بیگ پوپلزئی اور
جمال خان کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر کے نہ صرف یہ کہ شاہ پسند بنے گا، امیر
لشکر بنے گا بلکہ اس کامنی کا بھی حقدار بنے گا۔

قاضی ادریس کی طرف سے توجہ ہٹا کر احمد شاہ ابدالی نے اس بار کامنی کی طرف
دیکھا اور کہنے لگے کامنی میری بیٹی تو ہمارے لشکر کے قاضی ادریس کے پاس رہے گی۔
یہ تمہاری بہترین کفالت اور نگرانی کریں گے اس کے بعد احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر

سب اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے قاضی ادریس کامنی کو اپنے ساتھ لے گ
شاہ ولی خان جہان خان اور برخوردار خان بھی احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل کر
خیمے کی طرف چلے گئے تھے۔



اب لاہور کے صوبیدار اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان جنگ کے لئے زو
کے ساتھ تیاریاں شروع ہو گئی تھیں لاہور شہر کے گردونواح میں باغات اور
باغیچے تھے جو دارالخلافہ کی عظمت کی یاد دلاتے تھے لیکن دونوں لشکروں نے خ
کھودنے کی خاطر سب باغات اور باغیچوں کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ مشرق میں ح
ایشان کے مزار سے لیکر کوٹلی شہر تک چھوٹے بڑے درختوں کو کاٹ کر چٹیل اور
آلود بنا دیا گیا تھا۔ باغات اور باغیچوں میں خندقیں ہی خندقیں کھود دی گئی تھ
بھاری توپوں کی عدم موجودگی میں احمد شاہ ابدالی کو لاہور جیسے فصیل بند شہر پر حملہ
ہوتے ہوئے بیحد دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا دوسری طرف میر منوں کے
مضبوط اور پھرتیلی فوج کی کمی تھی اور کھلے میدانوں میں وہ احمد شاہ ابدالی سے
نہیں کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے بھی دور دور تک خندقیں کھود دی تھیں کہ
کہ شہر کے اردگرد میلوں اور کوسوں دور تک خندقیں ہی خندقیں دکھائی دیتی تھیں
اس موقع پر احمد شاہ نے دشمن کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے کے
ایک اور کام کیا اس نے اپنے سرداروں سے مشورہ کرکے لاہور شہر کے اطراف
کرنے کی ٹھانی لہٰذا احمد شاہ ابدالی کے حکم پر اس کے لشکریوں نے لاہور شہر
اطراف میں چالیس کوس کے رقبے میں تمام دیہاتوں کو برباد کر ڈالا اس موقع پر
منوں نے بھی اپنے دستے احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے تعاقب میں روانہ کئے
انہوں نے احمد شاہ کے کئی ایک لشکری گرفتار بھی کئے لیکن ان تباہ کاریوں کو نہ
سکا۔

احمد شاہ کے حکم پر اس کے لشکریوں کی تباہ کاریوں کی بدولت تین تین میل

ور شہر کے اطراف میں کوئی چراغ جلتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ اناج بیحد مہنگا ہو گیا تھا۔
پے کا دو سیر بکنے لگا تھا۔ گھاس چارے اور بھوسے کا تو کسی قیمت پر دستیاب ہونا
کل ہو گیا تھا۔ چارہ اتنا کمیاب تھا کہ لشکروں کے گھوڑوں کو کھلانے کے لئے
ونپڑیاں تک گرانی پڑی تھیں۔

لاہور کے صوبیدار میر منوں کو ابھی تک مرکز سے رسد اور کمک ملنے کی امید
ں ان دنوں مرکز کا وزیر صفدر جنگ ہندوستان میں احمد خان بنگش، سعداللہ اور روہیلہ
رداروں کی طرف سے اٹھنے والی بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف تھا۔ نئے مغل
شاہ احمد شاہ نے اپنے وزیر صفدر جنگ کو مراسلہ روانہ کیا کہ وہ کافی الوقت
وستان میں بغاوت کرنے والوں کو چھوڑ کر وقت ضائع کئے بغیر احمد شاہ ابدالی کے
ف میر منوں کی مدد کو پہنچ جائے۔

لیکن صفدر جنگ تو میر منوں کا جانی دشمن تھا وہ تو اس کی مدد کے بجائے اس کی
بادی کا متمنی تھا۔ صفدر جنگ نے ہندوستان میں بغاوت کرنے والوں سے صلح کر لی
ر خود اودھ چلا گیا تھا کہ وہاں کے انتظامی حالات درست کرے۔

یہ صفدر جنگ کی طرف سے فرض کی ادائیگی سے مجرمانہ غفلت تھی۔ بیرونی دشمن
لک میں داخل ہو چکا تھا اور اس کے مرکز پر قبضہ جمانے کی فکر میں تھا لیکن صفدر
گ کو اپنی ذاتی دشمنی نبھانے کی فکر پڑی ہوئی تھی۔ اس بنا پر اندازہ کیا جا سکتا ہے
ہ مغل امراء اخلاقی پستی کی کس حد تک پہنچ چکے تھے کہ اپنے بغض و عناد کا بدلہ
ینے کی فکر تھی۔ ملک اور قوم کی بھلائی کا کوئی خیال نہ تھا۔

ان حالات میں جب دہلی سے کوئی کمک آنے کی امید نہ رہی تو پنجاب کے
وبیدار میر منوں نے جنگی مجلس مشاورت طلب کی تاکہ جنگی تیاریوں کے لئے منصوبہ
نایا جا سکے اس موقع پر میر منوں پر واضح ہو گیا کہ نہ صرف مرکزی حکومت ادائے
رض میں اس کی سمت سے حد درجہ چشم پوشی سے کام لے رہی ہے بلکہ اس کے
وست اور احباب اور خیر خواہ بھی کسی بات پر متفق نہیں ہیں بلکہ اپنے اپنے معاملات

میں خود غرض ہیں۔

جب مجلس مشاورت شروع ہوئی تو لوگ طرح طرح کے مشورے آدینہ بیگ جو جالندھر کا فوجدار تھا وہ میر منوں کے مشیر کوڑہ مل کے روز اف سے جلتا تھا اور لاہور کی صوبیداری کے لئے اپنے آقا کی تباہی کے درپے موقع پر آدینہ بیگ نے رائے دی کہ چونکہ دہلی سے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں ہے اور سامان رسد چند دنوں میں ختم ہونے والا ہے اس لئے فورا خلاف اعلان جنگ کر کے لڑائی شروع کر دینی چاہیے۔

راجہ کوڑہ مل اس رائے کے خلاف تھا وہ جانتا تھا کہ میر منوں کی فوج منظم نہیں بلکہ اناڑیوں پر مشتمل ہے جو احمد شاہ ابدالی کے تربیت یافتہ اور فوجیوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکیں گے کوڑہ مل یہ بھی جانتا تھا کہ ملک کا بیشتر اور ویران ہو چکا ہے۔ جبکہ اس کے مقابلے میں محاصرہ کرنے والے احمد شاہ حملہ آور ہونے میں پہل نہیں کرنی چاہیے بلکہ کسی نہ کسی طرح صلح کر لی لیکن میر منوں نے کوڑہ مل کی رائے کے بجائے آدینہ بیگ کے مشورے پر عم کا فیصلہ کیا۔

میر منوں اور اس کے سرداروں کی رائے تھی کہ احمد شاہ ابدالی کے س جہاں خان کو ہر صورت میں مار ڈالنا چاہیے اور ساری توجہ اس کے قتل پر رکھنی چاہیے ان کا خیال تھا کہ جہاں خان کے مرنے پر احمد شاہ ابدالی کے لشکر پاؤں رکھ کر میدان جنگ سے بھاگ نکلیں گے یہ معاملہ طے کرنے کے بعد دن کو حملہ کرنے کے لئے منتخب کیا گیا۔

○

دوسرے روز صبح کو میر منوں اپنے سالاروں کے ساتھ سوار ہو کر جنگ کا کرنے کے لئے نکلا میر منوں نے اپنے سرداروں میں سے بھکاری خان، میر مو اور خنجر خان کو ہراول دستوں کا کمان دار مقرر کیا اپنے میسرہ پر آدینہ بیگ کو

اور میمنہ پر ایک اور سالار جمال خان کو سپہ سالار مقرر کیا اپنے عقبی لشکر پر میر منوں نے مہدی خان راجہ کمارا مل بھدیلہ اور امان اللہ خان کو سالار مقرر کیا۔

میر منوں کی طرف سے حملے کی خبر ہونے پر احمد شاہ ابدالی بھی اپنے لشکر کو حرکت میں لایا خود احمد شاہ اور سپہ سالار جہاں خان لشکر کے عقبی حصے ہی میں رہے جبکہ دشمن سے جنگ کرنے کے لئے لشکر کے قلب کا کماندار برخوردار خان اور اس کا نائب عبدالصمد خٹک کو مقرر کیا دائیں بازو پر شاہ ولی خان اور اس کے ماتحت کچھ دوسرے افراد تھے اس طرح اپنے لشکر کو ترتیب دیکر احمد شاہ ابدالی نے بھی میر منوں سے جنگ کرنے کی ابتداء کی دونوں دستوں کے اگلے دستوں کی جب آپس میں مڈبھیڑ ہوئی تو احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں نے برخوردار خان کی سالاری میں میر منون کے ہراول دستوں کو بڑی کامیابی سے روک دیا تھا۔ اتنی دیر تک میر منوں کے ان دستوں کی مدد کے لئے اس کا سالار میر مہدی بھی پہنچ گیا جس کی وجہ سے جنگ کا پانسہ احمد شاہ ابدالی کے خلاف پلٹ گیا۔

اس موقع پر احمد شاہ ابدالی کے لشکری کچھ پیچھے ہٹے اور ان کے پیچھے ہٹنے کے عمل نے انہیں بے پناہ نقصان پہنچایا اس لئے کہ بھکاری خان، میر مومن خان میر خنجر خان اور میر مہدی علی خان کی سرکردگی میں میر منوں کے لشکریوں نے زور دار حملہ کیا اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی اگلی صفوں کے ان گنت سپاہیوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار کر رکھ دیا۔

اپنی اگلی صفوں کے درہم برہم ہو جانے سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی پچھلی صفوں کی تنظیم بھی خراب ہو گئی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے سالاروں نے احمد شاہ ابدالی کو جو عقب میں تھا صورت حال سے آگاہ کیا۔ احمد شاہ نے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیدیا اور پھر احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کو لیکر دریائے راوی کے کنارے بارہ کوس آگے جا کر ایک محفوظ جگہ پر پڑاؤ کر لیا تھا۔ اس جنگ میں چونکہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو پسپائی کرنی پڑی تھی اور میر منوں کا لشکر غالب رہا تھا لہذا کافی

رات گئے میر منوں اپنے لشکر کے ساتھ فتح کے شادیانے بجاتا ہوا اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ گیا تھا۔

اس ٹکراؤ کے دس دن بعد تک میر منوں اور اس کے لشکریوں کو احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکر کا کہیں پتہ نہ لگا۔ گیارہویں دن جا کر خبر ملی کہ احمد شاہ ابدالی لاہور کے نواح میں دریائے راوی کے کنارے نئی جنگ کے لئے زبردست تیاریاں کر رہا ہے۔ اسی اثنا میں احمد شاہ کی طرف سے کچھ آدمی سفیر بن کر میر منوں کے پاس آئے اور صلح کی بات چیت کرنے کا ارادہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی کا اصل مقصد صلح کرنا نہیں بلکہ ان آدمیوں کے ذریعے وہ جنگ کی طرف سے غافل کرنے کے ساتھ ساتھ کے لئے اس کے ذرائع اور تیاریوں کا پتہ لگانا چاہتا تھا۔

بہرحال صلح کی یہ گفتگو ناکام رہی۔ احمد شاہ ابدالی بھی اپنی طرف سے جنگی تیاریاں مکمل کر چکا تھا۔ دوسری طرف میر منوں نے بھی جنگ کے طبل بجانے شروع کر دیا تھا۔ شالا مار باغ کے شمال مشرق میں دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ میر منوں کے پاس جو حملہ آور ہونے کے لئے توپیں تھیں وہ اینٹوں کے ایک بھٹے کے قریب گڑھوں میں نصب کر دی گئیں تھیں۔

میر منوں نے اپنے لشکر کا قلب اپنے پاس رکھا اور مہدی علی خان، راجہ کھارا بندیلہ کے علاوہ کچھ اور سالاروں کو بھی اس نے اپنے ساتھ قلب میں رکھا۔ میمنہ پر اس نے ادینہ بیگ کو سالار مقرر کیا۔ مومن خان، خنجر خان کابلی اور میر نعمت خان کابلی کو اس کے ماتحت کر دیا گیا تھا۔ میسرہ پر بھکاری خان سالار تھا جبکہ جمال الدین خان، فرید الدین خان اور خلق محمد خان اس کے ماتحت کر دیئے گئے تھے۔ دوسری طرف احمد شاہ نے بھی اپنے لشکر کو اسی طرح ترتیب دیا تھا۔ قلب میں وہ خود رہا۔ میسرہ پر شاہ ولی خان کو رکھا گیا تھا اور میمنہ برخوردار خان کے حوالے کیا گیا تھا۔ افغان لشکر کے سپہ سالار جہاں خان کو لشکر کا ایک حصہ دیکر محفوظ دستوں کے طور پر علیحدہ رکھ دیا تھا تاکہ وہ جہاں خان کے مقابلے میں مستعد رہے اور وقت ضرورت اس پر حملہ

لگا سکے۔

احمد شاہ ابدالی کے پاس چونکہ توپیں نہیں تھیں لہٰذا جس وقت جنگ شروع ہوئی اور میر منوں خندقوں سے نکل کر قلب لشکر کے ساتھ جب احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہوا تو احمد شاہ ابدالی نے کچھ دستے متعین کئے جو میر منوں کے لشکر کے عقب کی طرف چلے گئے اور وہاں سے چند توپوں پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔ ان توپوں کو خچروں پر لاد کر احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں لے آیا گیا تھا اور ان توپوں ہی کی مدد سے احمد شاہ ابدالی نے میر منوں کے لشکر پر آگ برسانی شروع کر دی تھی۔

توپوں کے ذریعے جب میر منوں کے لشکر پر آگ برسائی گئی تو میر منوں کے لشکر میں ایک طرح کی سراسیمگی پھیل گئی تھی لیکن میر منوں بڑا قابل ستائش تھا کہ اس نے فوج کی نقل و حرکت کی نگرانی اور نظم و ضبط کو بڑے ٹھنڈے دل و دماغ سے اپنی گرفت میں رکھا تاہم جب توپوں کے ذریعے برسنے والی آگ سے میر منوں کے لشکر کا کافی نقصان ہو گیا تو میر منوں کو لشکر کی ترتیب درست کرنے کے لئے پھر ان خندقوں کی طرف جانا پڑا جہاں اس نے توپیں نصب کر رکھی تھیں جنہیں احمد شاہ ابدالی کے آدمی اٹھا کر لے گئے تھے۔

آدینہ بیگ چونکہ کوڑہ مل کے خلاف تھا اور انتظامی امور میں اس کی جگہ لینا چاہتا تھا لہٰذا اس نے میر منوں سے کہا کہ کوڑہ مل کو کہا جائے کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ ان سے آن ملے اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر ایک بھرپور حملہ کیا جائے۔ جواب میں کوڑہ مل نے میر منوں کو کہلا بھیجا کہ اسے جہاں خان کے مقابل رہنے دیا جائے اگر وہ جہاں خان کے سامنے سے ہٹ گیا تو جہاں خان پشت یا پہلو کی طرف سے حملہ آور ہو کر ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہونچا سکتا ہے لیکن آدینہ بیگ چونکہ ہر حال میں کوڑہ مل کو اپنے سے نیچے دکھانا چاہتا تھا لہٰذا اس نے میر منوں پر زور دیا کہ کوڑہ مل کو بلا کر اپنے ساتھ ملایا جائے لہٰذا میر منوں نے کوڑہ مل کو طلب کر لیا۔

کوڑہ مل چونکہ میر منوں کا بڑا تابع اور فرمانبردار تھا لہٰذا اس نے اپنے حصے کے

لشکر کی کمان اپنے ایک نائب کو سونپی اور تاکید کی کہ آخری دم تک جہاں تا
آگے ڈٹا رہے اور خود وہ اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر میر منوں کی طرف روانہ ہو
ابھی تھوڑی ہی دور گیا ہو گا کہ احمد شاہ ابدالی نے اس سمت زور دار حملہ کر
جس سمت کوڑہ مل کا لشکر متعین تھا اور یہ جگہ اس جگہ سے کافی دور تھی جہا
منوں دشمن کے ساتھ برسرپیکار تھا۔

کوڑہ مل کو جب احمد شاہ ابدالی کے زور دار حملہ کرنے کی خبر ملی تو اس ۔
منوں کی طرف جانے کے بجائے واپس اپنے لشکر کا رخ کیا اور احمد شاہ ابدالی کے
کے جس حصے نے کوڑہ مل کے لشکر پر حملہ کیا تھا اس حملے کو کوڑہ مل نے روک
پھر سارے محاذوں پر زور دار جنگ چھڑ گئی تھی۔ میر منوں اور اس کے سالار بڑھ
کر حملہ آور ہو رہے تھے پھر ایک ایسا موقع بھی آ گیا کہ میر منوں اور اس
سالاروں نے احمد شاہ ابدالی کے اس لشکر کو مکمل طور پر پیچھے دھکیل دیا تھا جو ان
برسرپیکار تھا۔ اس موقع پر کوڑہ مل کو بھی خاصی کامیابی ہوئی تھی اور اس نے بھی
شاہ ابدالی کے اس لشکر کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا جو اس کے خلاف مصروف
تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ تھوڑی دیر بعد احمد شاہ کو بدترین شکست ہو گی لیکن
دوران ایک ایسا حادثہ پیش آیا جس نے احمد شاہ ابدالی کی شکست کو فتح میں تبدیل
دیا۔

ہوا یوں کہ اتفاق سے کوڑہ مل کے ہاتھی کا پاؤں ایک بوسیدہ اور شکستہ قبر
پڑا جو بوجھ سے نیچے دھنس گئی کوڑہ مل اپنے ہاتھی سے گر گیا پھر وہ بھاگ کر جب
ایک ساتھی کے ہاتھی پر سوار ہونے لگا تو اسی دوران اس کو گولی لگی اور ہلاک ہو
کوڑہ مل کے ساتھ کئی سکھ سردار بھی ہلاک ہو گئے تھے ادینہ بیگ نے جب یہ صو
حال دیکھی تو وہ میدان جنگ چھوڑ کر شہر کی طرف بھاگ گیا تھا۔
تاہم میر منوں چٹان اور دیوار کی طرح احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے سامنے ڈٹا
تھا۔ بھکاری خان بھی ایک مخلص ساتھی کی طرح میر منوں کے ساتھ تھا اور آخ

ن تک دونوں جنگ کرتے رہے لیکن ان کے لشکر نے بہت نقصان اٹھایا۔ بیشمار
ی زخمی ہوئے یا مارے گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب دیکھا کہ میر منوں کے لشکر
، کچھ حصوں میں گڑبڑ ہوئی ہے اور یہ کہ آدینہ بیگ وغیرہ شائد میدان جنگ چھوڑ
شہر کی طرف بھاگ گئے ہیں اور ان کے لشکر میں بدنظمی اور افراتفری پڑ گئی ہے تو
نے اپنے پورے لشکر کو یکجا کر کے ایک زور دار حملہ میر منوں کے لشکر پر کر دیا۔

میر منوں نے کمال جراتمندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس حملے کو بھی
ل دیا۔ تاہم اس کے بیشمار لشکری کٹ مرے تھے اور کافی زخمی ہو گئے تھے۔ میر
ں کسی بھی صورت میں میدان جنگ چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ عشاء کے بعد تک وہ
ان جنگ میں ڈٹا رہا۔ آخر اپنے سرداروں کے مشورے کے بعد میر منوں اپنے بچے
، لشکر کے ساتھ میدان جنگ سے نکل کر شہر میں داخل ہو گیا۔
لاہور شہر میں میر منوں اس نے سالاروں اور مشیروں کے درمیان صلاح و مشورہ
رع ہوا۔ بعض نے رائے دی کہ چونکہ لڑائی کا نتیجہ مخدوش سا ہے لہٰذا دہلی چلنا
ہیے اور وہاں سے مناسب رسد اور کمک حاصل کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی کے
ف پھر سے نیا محاذ کھولنا چاہیے۔
لیکن میر منوں نے اپنے ان تمام سالاروں اور مشیروں کو مخاطب کر کے کہا۔
ے صاحبو تم میں سے جو بھی دہلی جانا چاہے جا سکتا ہے۔ میں میدان جنگ چھوڑ کر
ں گا نہیں۔ لوگ کہیں گے کہ میر منوں میدان جنگ سے بھاگ نکلا میں تو لاہور
یں قلعہ بند ہو کر لڑتا رہوں گا جو میرے خدا کو منظور ہو گا وہی میرے ساتھ ہو
یہ کہہ کر میر منوں نے شہر اور قلعے کے دروازے بند کرنے کا حکم دیدیا اور شہر کے
، جو توپیں تھیں وہ شہر کے دروازوں پر چڑھا کر اس نے نصب کر دی تھیں۔
دوسرے روز سورج طلوع ہوتے ہی احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت
آیا اور شہر کا اس نے محاصرہ کر لیا۔ اس نے جب دیکھا کہ شہر کے دروازے بند

ہیں اور شہر کے دروازوں پر توپیں نصب ہیں اور یہ کہ میر منوں اپنے محصور لڑ
ساتھ پوری طرح تیاری کے ساتھ اور ڈٹ کر اس کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے تو ا
ابدالی نے اپنے وزیر شاہ ولی خان اور سپہ سالار جہاں خان پوپلزئی کو سفیر بنا کر م
کے پاس بھجوایا اور اپنی طرف سے ایک خط بھی میر منوں کے نام لکھا اور اسے
کرنے کے لئے کہا۔

احمد شاہ ابدالی نے جو میر منوں کے نام خط لکھا اس میں اس نے لکھا تھا۔

"گزشتہ چار ماہ سے ہم ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہیں۔ اس
مسلمان مسلمانوں کو قتل کر رہے ہیں۔ اب تم نے قلعہ بند ہو کر لڑنے کی ٹ
ہے۔ کیا یہ آپس کی خون ریزی خدا اور اس کے رسول کو پسند ہو سکتی ہے۔
میں یہ ان کی مرضی کے خلاف ہے۔ میری طرف سے یہ بہترین مشورہ ہے کہ
کسی معتبر قاصد کو اختیارات دیکر شرائط صلح اور صحیفہ کے لئے بھیج دو۔ ان
سے تم مطمئن ہو کر شاداں و فرحاں ہو کر خود مجھ سے ملنے کے لئے بھی آ سکتے ہو۔
چونکہ چار اضلاع کی مالیہ کی رقم جو میری بنتی تھی وہ کوڑہ مل نے دینے سے
کر دیا تھا لہٰذا مجھے تو کوڑہ مل سے اپنا حساب چکانا تھا وہ میں چکا چکا ہوں۔ اب
کوڑہ مل ہلاک ہو چکا ہے تو تم اطمینان سے اپنے شہر اور قلعے میں رہ سکتے ہو۔ م
سے تمہارے شہر اور قلعے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ جو رقم میری تم لوگوں پر
وہ چاہے شاہی خزانے سے ادا کرو یا لوگوں سے اکٹھی کر کے دیدو جب یہ رقم م
جائے گی میں واپس چلا جاؤں گا اور قطعاً جنگ نہیں کروں گا۔"

میر منوں کو احمد شاہ ابدالی کے اس مراسلے کی تحریر بے حد پسند آئی۔ اس
میں اسے خلوص اور نیک نیتی دکھلائی دی۔ لہٰذا اس نے جنگ کرنے کا ارادہ
اور یہ فیصلہ کیا کہ وہ خود احمد شاہ ابدالی کے پاس جا کر گفتگو کرے گا اور صلح
طے کرے گا۔ چنانچہ میر منوں کے اس فیصلے کو دیکھتے ہوئے اس کے کچھ سردار
دوستوں نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن میر منوں نے ان

ملی اور اپنے مصاحبوں میں سے بھکاری خان اور کچھ اور کو ساتھ لیا اور احمد شاہ ابدالی سے ملنے کے لئے وہ شاہ ولی خان اور جہاں خان پوپلزئی کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے پڑاؤ کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

شاہ ولی خان اور جہاں خان بھی میر منوں کے اس فیصلے سے بے حد خوش ہوئے لہٰذا بڑی عزت اور احترام کے ساتھ وہ میر منوں اور اس کے ساتھیوں کو احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں لے گئے۔ احمد شاہ ابدالی کو جب خبر ہوئی کہ میر منوں خود اس سے ملنے کے لئے آیا ہے تو وہ بے حد خوش ہوا۔ بڑے تپاک، بڑی گرم جوشی سے اپنی جگہ سے اٹھ کر میر منوں اور اس کے ساتھیوں کا استقبال کیا۔ جب سب بیٹھ گئے۔ احمد شاہ ابدالی میر منوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میر منوں گزشتہ اور اس جنگ میں جو تم نے اپنی جراتمندی اور دلیری کے جوہر دکھائے ہیں وہ یقیناً قابل تعریف ہیں۔ قسم خداوند کی اگر تم میرے سپہ سالار ہوتے تو میں قندھار سے لیکر لاہور تک تمہارے لئے افواج کے لشکر کھڑے کر دیتا۔ پر میر منوں یہ تو کہو کہ تم نے پہلے ہی صلح کیوں نہ کر لی اور میری اطاعت قبول کر لی۔ اس پر میر منوں بولا اور کہنے لگا۔

احمد شاہ اس سے پہلے میں اپنے مرکز دہلی سے بہت سی امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھا اور دہلی کے مغل شہنشاہ ہی کو اپنا حاکم اعلیٰ اور آقا خیال کرتا تھا اس پر احمد شاہ نے میر منوں کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا پر دہلی کے اس حاکم اعلیٰ اور آقا نے میرے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لئے تمہیں کمک اور رسد کیوں روانہ نہ کی۔ میر منوں کہنے لگا۔

شائد مغل شہنشاہ کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ میں پنجاب کے صوبیدار کی حیثیت سے کس قدر طاقت ور اور پر قوت ہو چکا ہوں کہ ہر بیرونی طاقت کا خود مقابلہ کر کے اسے پسپا کرنے کی ہمت اور جرات رکھتا ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے مرکز سے رسد اور کمک نہ ملنے کی یہ بھی وجہ ہے کہ مغل شہنشاہ کے وزیر صفدر جنگ میرے خلاف ہے۔ وہ ہر

صورت میں مجھے پنجاب کی صوبیداری سے علیحدہ دیکھنا چاہتا ہے اور اپنے نوازنے کی خاطر وہ اسے پنجاب کا صوبیدار بنانا چاہتا ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد میر منوں جب خاموش ہوا تو احمد شاہ ابدالی تھوڑی تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے میر منوں کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔ میر منوں اگر جنگ میں گرفتار ہو کر تمہارے سامنے پیش کیا جاتا تو تم کیا سلوک کرتے۔ میر جھٹ کہنے لگا دیکھ احمد شاہ اگر جنگ میں گرفتار کر کے تمہیں میرے سامنے پیش جاتا تو میں تمہارا سر کاٹ کر اپنے شہنشاہ کے پاس دہلی روانہ کر دیتا۔ اس لئے ک میرا حاکم اعلیٰ اور آقا ہے اور اس کی فرمانبرداری اور اتباع بہرحال مجھ پر فرض ہے۔ اس پر احمد شاہ بولا۔

دیکھو میر منوں اب جبکہ تم میرے پڑاؤ میں ہو میرے خیمے میں ہو۔ میرے ہا قدرت میں ہو تم سے کیسا سلوک کروں۔ کس سلوک کی تم مجھ سے توقع رکھتے ہو اس پر میر منوں پھر فوراً بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ احمد شاہ اگر تم سوداگر ہو تو فدیہ لے اگر تم عادل اور رحمدل بادشاہ ہو تو مراحم خسروانہ سے کام لیتے ہوئے تم مجھے معا بھی کر سکتے ہو۔

احمد شاہ ابدالی میر منوں کی اس بے باکی' سادگی اور جراتمندی پر اتنا خوش ہوا ا اپنی جگہ سے اٹھ کر اس نے میر منوں کو اپنے گلے لگا لیا۔ میر منوں کو اس نے اپنا کہہ کر پکارا اور فرزند خان بہادر کا خطاب دیا۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے می منوں کو شاہی خلعت' خنجر' اپنے سر سے دستار اتار کر میر منوں کو عطا کی۔ اس ک علاوہ تلوار اور اپنا گھوڑا بھی احمد شاہ ابدالی نے میر منوں کو بطور تحفہ دیا۔

احمد شاہ ابدالی کی طرف سے یہ عنایات دیکھتے ہوئے میر منوں نے التجا کی کہ شاہ ابدالی کے لشکر میں جس قدر اس کے لشکری جنگ میں قید ہوئے ہیں انہیں رہا دیا جائے اور لاہور شہر کو امن قرار دیا جائے۔

احمد شاہ ابدالی نے خوش ہو کر میر منوں کی درخواست قبول کر لی۔ اپنے لشکر

اس نے سختی کے ساتھ حکم دیا کہ کوئی بھی لاہور شہر میں داخل ہو کر شہر کی لوٹ مار نہ کرے گا۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے گزشتہ جنگ میں جس قدر میر منوں کے لشکریوں کو قیدی بنایا تھا ان سب کو رہا کر دیا تھا۔

اس ملاقات کے دوران احمد شاہ ابدالی نے میر منوں پر دہلی کی طرف کوچ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ میر منوں نے احمد شاہ ابدالی کو دہلی کی طرف کوچ کرنے سے باز رکھا اور کہا اگر آپ دہلی کی طرف کوچ کرتے ہیں تو سب لوگ ہم زبان ہو کر مجھے غدار کہیں اب جب کہ آپ نے میری جاں بخشی کی ہے اور مجھے اپنا فرزند کہہ کر پکارا ہے تو جب تک میں زندہ ہوں آپ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا خیال دل میں نہ لائیں۔ ہندوستان کا مغل شہنشاہ اس کا وزیر' اس کے مشیر اور دوسرے لوگ نہ صرف یہ مجھے غدار کہیں گے بلکہ مجھے جان سے مار دینے کی بھی کوشش کریں گے۔ میر منوں کی یہ باتیں احمد شاہ ابدالی کے دل کو لگیں لہٰذا اس نے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے لاہور کے گورنر میر منوں کو اپنے یہاں تین دن مہمان شاہی بنا رکھا اور اس کی خوب خاطر' خدمت اور تواضع اور مہمانداری کی۔ پھر ایک روز احمد شاہ ابدالی نے میر منوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ اب تک تم میرے مہمان بن رہے ہو لیکن اس کے بعد میں تمہارا مہمان بننا پسند کروں گا۔

اس پر میر منوں کہنے لگا اگر مجھے شہر واپس جانے کی اجازت مل جائے تو سارا بندوبست کروں گا۔ احمد شاہ ابدالی نے میر منوں کو مزید تحائف دیکر رخصت کر دیا اور ولی خان اور جہان خان کو حکم دیا کہ وہ شاہی طبل بجاتے ہوئے میر منوں کو لاہور کے اندر چھوڑ کر آئیں۔

شہر میں واپس آنے کے بعد میر منوں نے چار لاکھ کی رقم جمع کی اور اس رقم سے اس نے احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکر کی ضیافت کا سامان کیا۔ اس موقع پر جالندھر کا سردار آدینہ بیگ اپنے دوست مفتی عبداللہ کے ساتھ ملکر میر منوں کے خلاف

سازش کر رہا تھا۔ آدینہ بیگ نے مفتی عبداللہ کو اکسایا کہ وہ احمد شاہ ابدالی میں یہ خبر ڈالے کہ پنجاب کا صوبیدار آدینہ بیگ کو مقرر کیا جائے اور یہ کہ کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ افغانستان لے جایا جائے۔

مفتی عبداللہ چاہتا تھا کہ آدینہ بیگ کے گورنر مقرر کئے جانے کی التجا کر پہلے وہ احمد شاہ ابدالی کو خوش کرے۔ وہ چاہتا تھا کہ ایک سادے کاغذ پر کی طرح میر منوں کے دستخط کروا کے احمد شاہ ابدالی کو پیش کر دے اور اس سے اس کاغذ میں میر منوں سے حاصل کرنے کے لئے وہ جو چاہے لکھ لے۔

یہ کام کرنے کے لئے مفتی عبداللہ میر منوں کے پاس گیا اس وقت میر ہمدرد اور جان نثار بھکاری خان بھی میر منوں کے ساتھ تھا۔ مفتی عبداللہ نے سا میر منوں کے سامنے رکھا اور کہا کہ اس پر اپنی مہر لگا دے اس پر میر منوں کے بھکاری خان بولا اور پوچھنے لگا یہ تو صرف سادہ کاغذ ہے۔ اس پر مفتی عبداللہ م کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم تو قیدی ہو تمہیں تو اس پر مہر لگا کر احمد شاہ کو چاہئے وہ اس کاغذ پر جو چاہے لکھ لے۔ اس پر میر منوں کے بجائے پھر بھکا ہی بولا اور کہنے لگا۔

مفتی عبداللہ احمد شاہ ابدالی کے ہم پر بڑے احسان ہیں اول اس نے ہما بخشی کی۔ دوئم اس نے انتظامی وجوہ سے صوبہ ملتان اور دریائے سندھ کے جوار کا علاقہ ہمارے پاس ہی رہنے دیا۔ سوئم ہندوستان کو امن و امان بخشا ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے بڑے احسانات ہیں لیکن پھر بھی معاملہ طے کرنے کے لئے ا پر کوئی تحریر تو ہونی چاہیے۔

مفتی عبداللہ اور بھکاری خان کی یہ گفتگو جب احمد شاہ ابدالی کے پاس پہ احمد شاہ ابدالی نے بھکاری خان کو بلا کر کہا کہ وہ اپنی مرضی سے معاہدہ کرنے کے کاغذ پر جو چاہے لکھ لائے۔ اس پر بھکاری خان نے اس کاغذ پر جو مفتی عبداللہ لکھوا دیا کہ میر منوں اقرار کرتے ہیں کہ وہ احمد شاہ کو مندرجہ ذیل رقوم ادا کر

جان بخشی کے لئے دس لاکھ۔

ان علاقوں کے عیوض جو ان کو عنایت کئے گئے دس لاکھ۔

ہندوستان میں امن برقرار رکھنے کے لئے دس لاکھ۔

ا کے بعد احمد شاہ ابدالی اور میر منوں کے درمیان ایک باقاعدہ اور تحریری معاہدہ پایا جس کی شرائط مندرجہ ذیل تھیں۔

) لاہور اور افغانستان کے صوبے احمد شاہ درانی کی مملکت کا حصہ بنا دیئے گئے۔

) احمد شاہ ابدالی کی طرف سے میر منوں حسب سابق ان صوبوں کا صوبیدار مقرر کیا گیا۔

) اندرونی انتظام میں میر منوں ان صوبوں کے صوبیدار کی حیثیت سے آزاد ہو گا اور کسی قسم کی دخل اندازی نہ کی جائے گی۔

) ان صوبوں کا فاضل مالیہ احمد شاہ ابدالی کو روانہ کیا جائے گا۔

) اس کے علاوہ جس قدر اہم امور ہوں گے ان کا فیصلہ احمد شاہ ابدالی ہی کیا کرے گا۔

اس موقع پر احمد شاہ ابدالی کو پتہ چلا کہ مفتی عبداللہ نے اندر ہی اندر آدینہ بیگ پنجاب کا گورنر بنانے کی سازش کی تھی اور اس کی خواہش تھی کہ میر منوں کو قیدی کر افغانستان لے جایا جائے لیکن اس سازش کی خبر جب احمد شاہ ابدالی کو ہوئی تو اس نے آدینہ بیگ کی ساری جائیداد ضبط کر لی اور مفتی عبداللہ کو برسرعام ذلیل کیا گیا۔

احمد شاہ ابدالی کی خواہش اور مرضی تھی کہ لاہور میں اس کے نام کا سکہ ڈھالا جائے اور شہر میں اسی کے نام کا خطبہ جاری کیا جائے لیکن میر منوں نے گزارش کی کہ مغل شہنشاہ احمد شاہ ابھی تک دہلی میں برسراقتدار ہے اور بہت سے امیر اور سردار اس کے جان نثار اور وفادار ہیں لہٰذا اگر مغل شہنشاہ کے بجائے احمد شاہ کا سکہ جاری کیا جاتا ہے اور خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا ہے تو اس سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی

جن کا سلجھانا بے حد مشکل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ایسا کرنے سے میر منوں بدنام ہو جانے کا بھی خطرہ تھا لہٰذا ایسا نہ کیا جائے۔ احمد شاہ ابدالی نے میر منوں کی کو قبول کر لیا اور اپنی ان خواہشات کو ترک کر دیا۔

اس معاہدے کے دو ہفتے بعد میر منوں نے احمد شاہ ابدالی کے ایک سردار قلندر خان کے ساتھ اپنے کچھ آدمی مغل شہنشاہ کی طرف دہلی روانہ کئے تاکہ اس معاہدے کی توثیق کرائی جائے جو احمد شاہ اور میر منوں کے درمیان طے پایا ہے۔

مغل شہنشاہ احمد شاہ جنگ نہیں چاہتا تھا وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے جنگ کی ابتداء کی تو احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مارا جائے گا۔ لہٰذا جب احمد شاہ ابدالی سردار قلندر خان اور میر منوں کے چند سردار مغل شہنشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو مغل شہنشاہ نے اس معاہدہ کی تصدیق کر دی۔ اس معاہدے کی توثیق کے بعد جب قلندر خان لاہور پہونچا تو احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ افغانستان کی طرف کوچ کرنے والا تھا کہ کشمیر کا گورنر میر مقیم خان احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت احمد شاہ ابدالی کا لشکر جہانگیر کے مقبرے کے پاس پڑا ہوا تھا۔ مقیم خان احمد شاہ کو کشمیر کے حالات کی ابتری سے آگاہ کیا اور التجا کی کہ کشمیر پر حملہ آور ہو کر اس کے حالات درست کئے جائیں۔

دراصل احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان پر پہلے حملے کے دوران ایک شخص افراسیاب بیگ خان مغل شہنشاہ کی طرف سے کشمیر کا والی تھا۔ اس کی سفاکیوں اور کے مظالم سے تنگ آ کر کشمیر کے لوگوں نے مغل شہنشاہ کے سردار عصمت اللہ خان کو کشمیر کی حکومت سنبھالنے کی استدعا کی۔ عصمت اللہ اپنے حامیوں کے ساتھ میدان میں آیا تو افراسیاب خان نے اسے شکست دی لیکن عصمت اللہ نے پندرہ دن بعد ایک لشکر تیار کر لیا لیکن اس جنگ میں پھر عصمت اللہ کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا اور افراسیاب اسی طرح کشمیر کی صوبیداری کرتا رہا لیکن جلد ہی کسی نے اسے زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

اس کے بعد اس کے نابالغ لڑکے احمد خان نے ڈیڑھ ماہ حکومت کی۔ اس کے بعد ایک اور سرپرست چند ماہ تک حکومت کا کاروبار چلاتا رہا۔ ان حالات کی رفتار سے غیر مطمئن ہو کر سری نگر کے سربر آوردہ لوگوں نے مغل شہنشاہ کی خدمت میں عرضداشت بھیجی کہ کسی مناسب شخص کو کشمیر کا گورنر بنایا جائے۔

مغل شہنشاہ نے میر مقیم خان کو کشمیر کا صوبیدار بنایا لیکن صرف پانچ ماہ بعد کشمیر کے ایک سردار ابولبرکات خان کے لڑکے ابولقاسم نے میر مقیم پر حملہ آور ہو کر اسے کشمیر سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا۔ لہٰذا میر مقیم خان سیدھا لاہور میں جہانگیر کے مقبرے کے قریب احمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کشمیر پر حملہ آور ہو کر اس کے حالات درست کرنے کی التجا کی۔

احمد شاہ ابدالی نے اس موقع کو مناسب اور سنہری خیال کیا اپنے لشکر کا ایک مناسب حصہ اس نے اپنے ایک سردار کو دیکر کشمیر کی طرف روانہ کیا ابولقاسم مقابلے پر آیا لیکن شکست کھائی اور بھاگ نکلا۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکر نے اس کا تعاقب کیا اور اسے پکڑ کر قیدی بنا لیا گیا۔ اس طرح کشمیر کی حسین اور خوبصورت وادیاں بھی احمد شاہ ابدالی کے زیر نگیں آ گئی تھیں۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے لاہور سے روانہ ہوا اور ملتان، بہاولپور، ڈیرہ غازی خان سے ہوتا ہوا قندھار کی طرف چلا گیا تھا۔

احمد شاہ کی قندھار کی روانگی کے کچھ ہی عرصہ بعد لاہور کے نواح میں سکھوں نے بغاوت کی جس کو فرد کرنے کے لئے میر منوں روانہ ہوا۔ میر منوں نے سکھوں کی اس بغاوت کو بری طرح کچل کر رکھ دیا لیکن اس بغاوت کو کچلنے کے دوران میر منوں کا گھوڑا بری طرح بھڑک اٹھا اور اپنے پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا اور قابو نہیں رہا۔ میر منوں گھوڑے سے گر پڑا بدقسمتی سے اس کا پاؤں رکاب میں پھنس کر رہ گیا اور جب گھوڑا بھاگا تو میر منوں زمین پر گھسٹتا چلا گیا تھا۔ جس سے وہ بری طرح زخمی ہوا، بے ہوش ہو گیا اور اس کے تین دن بعد جہان فانی سے رخصت ہو گیا تھا۔

پنجاب کے صوبیدار میر منوں کے مرنے کی خبر جب مغل شہنشاہ احمد شاہ کو ہو
اس نے اپنے تین سالہ لڑکے محمود شاہ کو پنجاب کا صوبیدار اور میر منوں کے لڑ
لڑکے میر امین خان کو اس کا نائب مقرر کیا۔ میر منوں کا بیٹا میر امین تو اپنی ماں
بیگم کے پاس لاہور ہی میں تھا۔ جبکہ احمد شاہ کا بیٹا شہزادہ محمود شاہ دہلی میں تھا اور
پنجاب کا غیر حاضر صوبیدار سمجھا جانے لگا لیکن ان دو نابالغ بچوں کی تقرری
پنجاب کے اقتدار کی اصل کنجی مغل شہنشاہ نے میر مومن خان قصوری کے ہا
دی۔ جو میر منوں کا پرانا اور جانثار دوست تھا۔

لیکن مغل شہنشاہ احمد شاہ کی طرف سے پنجاب کی صوبیداری کی یہ تقرری
اور منظور شدہ نہیں تھی۔ اس لئے کہ پنجاب حقیقت میں احمد شاہ ابدالی کے قبضے
تھا اس کا صوبہ تھا اور اس کا والی اور گورنر مقرر کرنا مغل شہنشاہ احمد شاہ کا کام
بلکہ قندھار کے حکمران احمد شاہ ابدالی کا تھا۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو بھی میر منوں کے جاں نثار اور مخلص دوس
بھکاری خان کے ذریعے میر منوں کے مرنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ یہ اطلاع ملتے
احمد شاہ ابدالی حرکت میں آیا۔ اس نے میر منوں کے بیٹے امین خان کو پنجاب
صوبیدار مقرر کیا اور میر مومن خان قصوری کو اس کا نائب رہنے دیا۔

دوسری طرف میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم بھی حرکت میں آئی اور پنجاب کی
تاریخ کے صفحات پر نمودار ہوئی۔ مغلانی بیگم نہایت ذہین اور باتدبیر خاتون تھی۔ اگر
صنف نازک میں سے نہ ہوتی تو بلاشبہ وہ پنجاب کے لئے ایک مستعد اور بہترین حاکم
و ناظم ثابت ہوتی۔

بہرحال میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم اپنے نابالغ بیٹے امین خان کی سرپرست بنا
گئی اور ہر کسی کے حکم کو بالائے طاق رکھ کر وہ پنجاب پر حکومت کرنے لگی تاہم اس
نے شوہر کے مرنے کے بعد ضابطہ اخلاق کو بالائے طاق رکھ کر بے راہ روی کی زندگی

ع کر دی تھی جس کی وجہ سے اس کے کچھ سردار اس کے خلاف ہو گئے

لات اور قوت میں اضافہ کرنے کے لئے مغلانی بیگم نے ایک ہر دلعزیز اور
ر قاسم خان کو ماجھا کی پٹی کا فوجدار مقرر کیا۔ یہ قاسم خاں سکھوں سے
ے پنجاب کی گورنری حاصل کرنے کے لئے تگ و دو کرنے لگا لیکن میر
چھ وفادار لوگوں نے قاسم خان کو گرفتار کر لیا اور اسے مغلانی کے سامنے
غلانی بیگم نے قاسم خان کو قید میں ڈالدیا۔

بیگم کے لئے دوسری مصیبت مرزا خان لیکر اٹھا۔ یہ ایمن آباد کا حاکم تھا
ر قبضہ کرنے کے لئے تیاریاں کر رہا تھا وہ اس کوشش میں تھا کہ کوئی
ع ملے تو مغلانی بیگم کو ایک طرف کر کے پنجاب کا گورنر بن جائے۔ تیسری
ہر کا فوجدار آدینہ بیگ بھی لاہور کی صوبیداری کا آرزو مند تھا اور یہ آرزو
صے سے اپنے دل میں بسائے ہوئے تھا۔ چوتھی طرف سکھ بھی لاہور پر
خواب دیکھ رہے تھے اور وہ بھی کسی وقت یلغار کر کے میر منوں کی بیوی
کے لئے مصیبتوں کے پہاڑ کھڑے کر سکتے تھے۔

کلیف دہ حالات میں میر منوں کی بیوہ مغلانی بیگم صرف سات ماہ حکومت کر
اس پر مصیبت عظمیٰ نازل ہوئی اور وہ یہ کہ اس کا لڑکا امین خان چل بسا
رتے ہی مغلانی بیگم نے رہی سہی شرم و حیا کو بھی خیرباد کر دیا بے راہ روی
سر کرنے لگی اور خوب عیش و عشرت میں ڈوب گئی۔ اس دوران مغل
شاہ فوت ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا شاہ عالم گیر ثانی کے لقب سے
بادشاہ بنا۔

صورت حال یہ تھی کہ میر منوں کے مخلص دوست بھکاری خان اور قاسم
بیگم نے قید میں ڈال رکھے تھے۔ ان حالات میں جبکہ مغلانی بیگم بے راہ
ندگی بسر کر رہی تھی اور ایک شخص بخشی بیگ خان کے ساتھ اس کے

تعلقات کا ذکر ہر کسی کی زبان پر تھا کچھ لوگوں نے ایمن آباد کے حکمران مرزا رابطہ قائم کیا اور اسے شہ دی کہ وہ لاہور پر حملہ آور ہو کر پنجاب کی حکر ہاتھ میں لے لے۔

مرزا جان پہلے ہی یہ چاہتا تھا ایک لشکر لیکر وہ لاہور کی طرف روانہ ہوا ا خاص مزاحمت نہ کرنا پڑی۔ لاہور پر اس نے قبضہ کر لیا اور مغلانی بیگم کو اس بند کر دیا۔ میر منوں کے مخلص دوست بھکاری خان اور قاسم خان کو اس مرزا رہا کر دیا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے مغلانی بیگم نے نظربندی کی حالت میں کے لئے احمد شاہ ابدالی کو خطوط لکھے۔ اس دوران دہلی کی حکومت میں بھی تبدیل کر دیا گیا تھا اور اب دہلی کا نیا وزیر غازی الدین تھا۔ مغلانی بیگم نے اپنی لئے نئے وزیر غازی الدین کو بھی خطوط لکھ ڈالے۔

مغلانی بیگم کی طرف سے خطوط ملتے ہی احمد شاہ ابدالی اس کی مدد کے لئے گیا اس لئے کہ احمد شاہ نے مغلانی بیگم کے شوہر میر منوں کو اپنا بیٹا کہہ کر پکارا احمد شاہ ابدالی نے فوراً اپنے سپہ سالار جہان خان کے بھائی ملا خان کی سرکرد درانی اور قزلباشوں پر مشتمل ایک لشکر لاہور کی طرف بھجوایا تاکہ لاہور میں بیگم کے اقتدار کو بحال کیا جائے اور مرزا جان حاکم ایمن آباد کو لاہور خالی کر مجبور کیا جائے۔

حاکم ایمن آباد جو لاہور پر قابض ہو گیا تھا اس کے پاس اتنی عسکری قوت تھی کہ وہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا مقابلہ کرتا۔ جب اسے خبر ہوئی کہ احمد شاہ لاہور کے قریب پہونچنے والا ہے اور اس کا سالار ملا خان اور نائب عبیداللہ خان اس نے نائب سالار عبیداللہ خان کو کہلا بھجوایا کہ میں تو میر منوں کا خادم ہوں ا نے باغیوں سے لاہور کو بچا رکھا ہے۔ اب جب کہ آپ لوگ تشریف لے آ ملک آپ کا ہے میں آپ کا غلام بنکر رہوں گا اگر آپ جاں بخشی کا اقرار کریں آپ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔

عبیداللہ نے اسے ملنے کی اجازت دیدی۔ مرزا جان عبیداللہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عبیداللہ نے اسے کہا کہ وہ لشکر کے سالار ملا خان سے بھی مل لے۔ مرزا جان جب ملا خان کی خدمت میں حاضر ہوا تو ملا خان نے اسے قید کر لیا اس طرح احمد شاہ ابدالی کا سالار ملا خان اپنے لشکر کے ساتھ لاہور میں داخل ہوا میر منوں کی بیوہ مغلانی بیگم کو صوبیداری پر اس نے بحال کیا اور اپنے نائب عبیداللہ خان کو مغلانی کا نائب مقرر کیا اس کے علاوہ ملا خان نے میر منوں کے پرانے دوست بھکاری خان کو مغلانی کے حوالے کر دیا جسے مغلانی بیگم نے مروا ڈالا۔

اب مغلانی بیگم کے لئے ایک اور مصیبت اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ یہ کہ احمد شاہ ابدالی کے سالار ملا خان نے مغلانی بیگم کا نائب عبیداللہ کو مقرر کیا تھا۔ ملا خان کی قندھار کی طرف روانگی کے بعد عبیداللہ نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیئے۔ وہ ظلم پر اتر آیا روپیہ جمع کرنے کا لالچ اسے بڑھا ہوا تھا۔ نت نئے حیلے بہانوں سے لاہور کے باشندوں کو لوٹنا شروع کر دیا اور مغلانی بیگم کے احکامات کو بھی نظرانداز کرنے لگا۔ اس پر مغلانی بیگم نے مغل شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی کے وزیر غازی الدین کو اپنی مدد کے لئے طلب کیا اور اپنی حسین و جمیل بیٹی عمدہ بیگم کو غازی کے عقد میں دینے کا وعدہ کیا۔

دہلی کا وزیر غازی الدین ایک لشکر کے ساتھ لاہور پہونچا۔ جالندھر کے پرانے فوجدار آدینہ بیگ نے اس سے ملکر سازباز کی لہٰذا دہلی کے وزیر غازی الدین نے تیس لاکھ روپے سالانہ خراج کے عوض آدینہ بیگ کو پنجاب کا صوبیدار مقرر کر دیا جبکہ غازی الدین مغلانی بیگم اس کی بیٹی اور اپنی منگیتر عمدہ بیگم کو لیکر دہلی کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

یہ ساری خبریں قندھار احمد شاہ ابدالی کو بھی پہونچ رہی تھیں۔ پنجاب چونکہ احمد شاہ ابدالی کا صوبہ تھا لہٰذا احمد شاہ ابدالی کو جب خبر ہوئی کہ دہلی کے وزیر غازی الدین نے تیس لاکھ روپے سالانہ کے عوض آدینہ بیگ کو پنجاب کا صوبیدار مقرر کیا ہے تو وہ

بڑا برہم ہوا۔ وہ ابھی کوئی فیصلہ بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی اور ا کی ماں زمانی بیگم کی طرف سے بھی کچھ خطوط احمد شاہ ابدالی کو ملے جس میں شہنشاہ ا اس کی ماں نے اپنے وزیر غازی الدین کے خلاف شکایات کیں تھیں کہ اس نے ا دونوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے ا لشکر کے ساتھ قندھار سے کوچ کیا اور پنجاب کی طرف پیش قدمی کی تھی۔



عبداللہ ایک روز دوپہر کے بعد جب میجرالدین کے لوہار خانے میں داخل ہوا اس نے دیکھا لوہار خانے میں میجرالدین اور حسام دونوں بھائی بیٹھے ہوئے تھے اس ا میجر الدین کے لوہار خانے کی بھٹی ٹھنڈی تھی۔ عبداللہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہو حالات کا جائزہ لیا پھر وہ میجرالدین کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ میجرالدین میرے محترم میرے محسن! میرے مربی! آج میں دیکھتا ہوں کہ آپ کے لوہار خانے کی بھٹی ٹھنڈی ہے۔ کیا کوئی غیر معمولی بات ہے۔ اس پر میجر الدین کے بجائے حسام الدین بولا ا کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے! میرے بچے تو جانتا ہے کہ مکتب میں تیری دینی اور حربی تعلیم مکمل ہو چکی ہے اور کل تو نے یہاں سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی طرف کوچ کر ہے لہٰذا آج تیری تعلیم مکمل ہونے کی وجہ سے اور کل تیرے کوچ کر جانے کی سے میرے بھائی نے اپنے لوہار خانے کی بھٹی ٹھنڈی رکھی تاکہ تجھے یہاں کام نہ پڑے۔ اس کے بعد حسام الدین اپنی جگہ سے اٹھا اور عبداللہ سے کہنے لگا تم یہاں الدین کے پاس بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔ حسام الدین بیچ کے کمرے سے اپنے مکان مکان کی طرف چلا گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد حسام الدین لوٹا وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں سفید کپڑے کی ا گانٹھ اور چھوٹی سی گٹھری اٹھائے ہوئے تھا۔ وہ گٹھری حسام الدین نے لا کر عبداللہ تھما دی۔ عبداللہ نے دیکھا وہ گٹھری چاروں طرف سے سلی ہوئی تھی اور اس میں

ان تھا اور اس گٹھری کی سلائی کو لاکھ لگا کر سربمہر کر دیا گیا تھا اور اس گٹھری پر لکھا ا تھا کہ عبداللہ اس گٹھری کو صرف اس وقت کھول سکتا ہے جب یہ احمد شاہ ابدالی ے لشکر میں جا کر مقابلہ جیتے اور شاہ پسند کا لقب حاصل کرے۔

وہ گٹھری عبداللہ کو تھمانے کے بعد حسام الدین بڑی نرمی بڑی شفقت میں بولا اور ہنے لگا عبداللہ میرے بیٹے کل تم جب یہاں سے کوچ کرو تو اس گٹھری کو میرے اور رے بھائی میجرالدین کی طرف سے تحفہ سمجھ کر اپنے ساتھ لے جانا۔ لشکر میں جا کر ب احمد شاہ ابدالی کے سامنے تمہارا مقابلہ تمہارے ساتھ یہاں تربیت حاصل کرنے الوں میں سے کسی کے ساتھ ہو تو اگر تم وہ مقابلہ جیت کر شاہ پسند کا لقب حاصل رنے میں کامیاب ہو جاؤ تو اس گٹھری کو کھول کر جو اشیاء اس کے اندر ہیں انہیں پنے استعمال میں لانا اور اگر تم یہ مقابلہ ہار جاؤ اور شاہ پسند کا لقب حاصل کرنے میں امیاب نہ ہو تو ایسی صورت میں گٹھری کو ہرگز مت کھولنا بلکہ اسے جلا کر ختم کر دینا ور اپنے دل میں یہ بات بٹھا لینا کہ جو اشیاء اس گٹھری میں تمہارے لئے تحفے کے طور پر بند ہیں تم نے اپنے آپ کو ان کا اہل ثابت نہیں کیا۔

یہاں تک کہنے کے بعد حسام الدین تھوڑی دیر تک خاموش رہا بڑے غور انہماک سے عبداللہ کی طرف دیکھا پھر آگے بڑھا اور عبداللہ کے شانے پر پدرانہ شفقت کے نداز میں اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سن بیرم خان کے بیٹے میری دعا ہے کہ تم اس کاسہ زیست کے حسد کے نگار خانوں، وقت کی تاریک کرچیوں، اور حبس کے مید لمحوں میں تمدن کی روح، راستوں میں چمکتا عکس جان اور آندھیوں میں جلتا ہوا چراغ ثابت ہو۔ بیرم خان کے بیٹے میری دعا ہے کہ تو سیاہ راتوں میں ہواؤں کی سرسراتی ریزہ ریزہ ہستیوں، شب کو خانوں میں بانٹتی تاریکیوں میں اندھیروں کی چادر پھاڑ کر طلوع ہونے والا چاند اور رگوں د پے میں پیوست ہو جانے والا تفکرات کا سائبان ثابت ہو۔

بیرم خان کے بیٹے میں خداوند کے حضور دعا گو ہوں کہ تو میرے ایک ہونہار

شاگرد کی صورت میں سانسوں میں لرزاں' موت کے کاروانوں' خاموشی کے
تہوں میں احساس کا نرم و نازک شجر' نواؤں کا سچا صحیفہ اور دھنک رنگ جذبہ
بلندیوں کی طرف صعود کرے۔

یہاں تک کہنے کے بعد حسام الدین تھوڑی دیر کے لئے خاموش رہا پھر
سوچا پھر عبداللہ کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا عبداللہ میرے بیٹے دیکھ عاجز
فخر کرنے والے قوی سے لڑنا۔ ہرنوں پر نہیں شیر پر کمند ڈالنا۔ مظالم سے کبھی
نہ ہرنا۔ فرعون کے مقابل موسیٰ بن جانا۔

بیرم خان کے بیٹے میں ان لمحوں' اس وقت کا بڑی بے چینی سے انتظار
جب تو رات کے تالاب میں سمندر کا ابلتا سینہ' وقت کے بلند کنگروں پر صدا
زندہ نشان طبقاتی تضادات میں تقدیس کی علامت' ذلت کے بحران میں فرشتو
اجلے پروں کی مہک' بے چیرگی کی الیوں میں لمحوں کی یورش اور وقت کے
سمندر میں زیست کا دریائے تند بن کر نمودار ہو گا۔

دیکھ بیرم خان کے بیٹے اگر تو میری خواہشوں میری امیدوں کے مطابق ایسا
کر نمودار ہو تو میں جانوں گا کہ میں نے تم پر جو چھ سال لگا تار محنت کی ہے ا
نے اپنا خوب پھل اور ثمر دیا ہے۔ دیکھ بیرم خان کے بیٹے دوسرے شاگردوں
علیحدہ میں اس لوہار خانے میں تمہیں دو سال تک اضافی تربیت دیتا رہا ہوں۔ مجھے
ہے کہ یہ اضافی تربیت تجھے کندن بنا کر نمودار کرے گی اور تو میری ہی نہیں ا
کی شرائط اور احمد شاہ ابدالی کی امیدوں پر پورا اترنے کی کوشش کرے گا۔

حسام الدین کی اس پرجوش گفتگو کے جواب میں عبداللہ کا سینہ تن گیا تھا
عجیب سے جذبے میں حسام الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میرے محسن میرے مربی' میرے استاد' میرے محترم میں آپ کی خواہش
امیدوں پر پورا اترنے کی پوری اور انتہائی کوشش کروں گا۔ عنقریب آپ دیکھیں
ایک لڑکا جو کبھی مسکین' یتیم اور غلام تھا کرب کی ژالہ باری میں' نیلی فضاؤ

ے سنہری پرندوں' دلدل بنتے جوہڑوں اور بنجر زمینوں پر سرسبز فصلوں کا لباس' اقدار
لمحہ بہ لمحہ شکست اور ماحول کی بے چینی میں فضاؤں کی تازگی بن کر نمودار ہوا
ہے۔ حسام الدین میرے محسن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں آپ کو مایوس نہیں
کروں گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو گٹھری آپ مجھے تحفے میں دے رہے ہیں۔
میں اسے کھول کر آپ کے ان تحفوں کو سینے سے لگاؤں گا۔ انہیں بوسہ دوں گا۔ میں
آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اپنے گلے میں پڑے ہوئے لوہے کے اس طوق کو توڑ دوں گا
اور پھر وہ لوہے کا تعویذ کھولوں گا جس کے اندر میرے ماں باپ کے قاتلوں کے نام
درج ہیں۔ حسام الدین میرے استاد محترم اب میں بالغ ہو چکا ہوں اب وقت آگیا ہے
کہ میں اپنے دادا کی شرائط کے نردبان پر چڑھ کر اپنے دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں
ڈال کر دیکھوں۔

عبداللہ کی اس گفتگو سے حسام الدین اور میجر الدین دونوں ہی بہت خوش
ہوئے۔ حسام الدین نے آگے بڑھ کر عبداللہ کو اپنے گلے لگا لیا پھر کہنے لگا۔ عبداللہ
میرے بیٹے اب تم مکتب میں جا کر آرام کرو۔ کل تم نے یہاں سے کوچ کرنا ہے۔
حسام الدین سے گلے ملنے کے بعد عبداللہ میجرالدین سے گلے ملا اس کے بعد وہ حسام
الدین کی دی ہوئی گٹھری کو لیکر میجر الدین کے لوہار خانے سے نکل کر اپنے مکتب کی
طرف جا رہا تھا۔ دوسرے روز عبداللہ' دلاور خان' زال بیگ پوپلزئی' جمال خان اور
عبدالخالق کے ساتھ نادر آباد کے مکتب سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل ہونے
کے لئے کوچ کر گیا تھا۔



جن دنوں لاہور کی طرف پیش قدمی کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر
کے ساتھ ایمن آباد میں پڑاؤ کر رکھا تھا تو اس کے کچھ لشکریوں نے ایمن آباد میں
گھس کر شہر کو لوٹ لیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کو اپنے لشکر کی اس گھناؤنی اور گری ہوئی حرکت کا بہت دکھ ہوا

لہٰذا اس سلسلے میں صلاح و مشورہ کرنے کے لئے وہ اپنے سالاروں کے ساتھ م
تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں اس وقت شاہ ولی خان' جہان خان' برخوردار خا
لشکر کے قاضی ادریس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایمن آباد شہر کو لوٹنے سے متعلق ابھی
جاری تھی کہ احمد شاہ ابدالی کا خادم خاص یاقوت خان اندر آیا اور کسی قدر خوش
مسرت کا اظہار کرتے ہوئے وہ احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

نادر آباد سے دلاور کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد عبداللہ' عبدا
زال بیگ پوپلزئی اور جمال خان لوٹ آئے ہیں اور اس وقت وہ آپ کے خیمے
کھڑے ہیں اور آپ سے ملاقات کرنے کے متمنی ہیں۔ یاقوت خان کے اس انک
پر احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ پھر اس نے جاری گف
ترک کر دیا اور یاقوت کو فوراً مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ان سب کو میرے خیمے میں
کر آؤ۔ اس کے ساتھ ہی یاقوت بھاگتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد یاقوت خان سب کو لیکر خیمے میں داخل ہوا۔ احمد شاہ اب
قاضی ادریس' شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خاں سب نے آگے بڑھ کر
سے مصافحہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے سب کا بغور جائزہ لیا اس نے دیکھا عبداللہ ان
سے زیادہ خوبصورت ہو کر نکلا تھا۔ وہ اس کے بھتیجے عبدالخالق' زال بیگ پوپلزئی
جمال خان سے قد اور جسامت میں بھی بڑا تھا اور ویسے بھی وہ تینوں کی نسبت
شخصیت کا جوان بن کر ثابت ہوا تھا۔ احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک سب کا
رہا آخر میں اس کی نگاہیں مکمل طور پر عبداللہ پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ جس
اور ٹانگوں میں اب بھی لوہے کے طوق اور کڑے تھے اور وہ ٹاٹ کا لباس
ساتھ ساتھ پھٹے پرانے جوتے پہنے ہوئے تھا۔ کچھ دیر تک احمد شاہ ابدالی عبا
بڑے غور' بڑے انہماک' محبت' شفقت اور نرمی سے دیکھتا رہا پھر وہ بولا اور
مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کیا نادر آباد کے مکتب میں تم میں سے کسی کو کسی تکلیف یا دشواری کا

نہیں کرنا پڑا۔ اس پر سب نے اپنی گردنیں نفی میں ہلا دی تھیں۔ احمد شاہ پھر بولا اور
کہنے لگا۔ اب جبکہ تم چاروں اپنی حربی اور دینی تعلیم نادر آباد سے مکمل کرنے کے بعد
لشکر میں شامل ہو چکے ہو تو جاؤ اپنے اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ کل صبح لشکر کے
اندر مقابلے کا انتظام اور اہتمام کیا جائے گا اور جو تم میں سے سرفہرت رہے گا اسے
نہ صرف یہ کہ شاہ پسند کا لقب دیا جائے گا بلکہ وہ امیر لشکر بنے گا اور میں اسے بہترین
انداز میں نوازوں گا۔ اب تم لوگ جا سکتے ہو۔ پر بیرم خان کے بیٹے عبداللہ تم یہیں
رکو۔ مجھے تم سے مزید کچھ کہنا ہے۔ عبداللہ وہیں کھڑا رہا جبکہ زال بیگ پوپلزئی' جمال
خان' عبدالخالق اور دلاور خاں احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

ان چاروں کے جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے سردار برخوردار خان کی
طرف دیکھا اور کہا کہ برخوردار تم عبداللہ کو اپنے ساتھ لیکر جاؤ۔ میرے خیمے کے
قریب اس کے لئے ایک بہترین صاف ستھرا خیمہ نصب کیا جائے۔ وہ خیمہ ہمیشہ میرے
پہلو میں نصب ہوا کرے گا اور اس خیمے میں اکیلا عبداللہ قیام کیا کرے گا اور ہاں شاہ
ولی خان اور جہان خان تم بھی سنو۔ کل صبح تک میرے خیمے کے سامنے جس قدر خیمے
نصب ہیں یہ سب ہٹا دیئے جائیں اور میرے خیمے کے سامنے کھلے اور وسیع میدانوں
کے اندر کل سویرے مقابلوں کا انتظام اور اہتمام کیا جائے اور یہ دیکھا جائے گا کہ نادر
آباد کے مکتب سے آنے والے چاروں میں سے کون شاہ پسند اور امیر لشکر بنتا ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے خاموش ہونے کے بعد برخوردار خان عبداللہ کو اپنے ساتھ
لے گیا تھا پھر برخوردار کے کہنے پر لشکر کے کچھ سپاہیوں نے آناً فاناً احمد شاہ ابدالی
کے خیمے کے پہلو میں عبداللہ کے لئے ایک خیمہ نصب کر دیا تھا اور اس کا گھوڑا
باندھنے کے لئے خیمہ کے پہلو میں جگہ بھی بنا دی گئی تھی۔ خیمہ نصب کرنے کے بعد
آرام کرنے کے لئے عبداللہ اپنے خیمے میں چلا گیا تھا۔



دوسرے روز عبداللہ نے لشکر کے گاہ میں سب کے ساتھ بڑے خشوع اور

خضوع کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی۔ پھر وہ اپنے خیمے میں آیا۔ اس وقت تک سو
طلوع ہو چکا تھا اور باہر احمد شاہ ابدالی کے خیمے کے سامنے مقابلے کی تیاریاں شرو
گئیں تھیں اور وہاں لوگ جمع ہونا شروع ہو چکے تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہو
عبداللہ نے اپنے ٹاٹ کے لباس کے اوپر زرہ پہنی سر پر چمکتا ہوا نیا آہنی خود رکھا
میجرالدین نے اسے بنا کر دیا تھا۔ خیمے سے باہر آنے سے قبل وہ اپنے خیمے میں سجد
میں گر گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح اپنے خداوند کے حضور سجود میں رہا پھر اٹھا
کے لئے اپنے دونوں ہاتھ بلند کئے پھر وہ انتہائی عاجزی' انتہائی انکساری کے ساتھ
مانگتے ہوئے بڑے رقت آمیز انداز میں کہہ رہا تھا۔

"میرے اللہ زندگی کے دشت میں میں آج نئے سفر کی ابتداء کر رہا ہوں۔
نہیں جانتا ساحل کدھر ہے کہاں زیست کے سمندر میں کشتی ڈالنی ہے۔ کہاں
کرنا ہے۔ کہاں مداوائے غم کرنا ہے۔

میرے اللہ میں غموں کی شاخ پر کھلا پھول' بے خواب آنکھوں کا سپنا' آوارہ
تقدیم و ساعت کی زنجیروں اور حرف و معانی کی کشمکش میں جکڑا ہوا ایک شیشہ آما
ہوں۔ اللہ مجھے جھیل کی تھکتی لہروں جیسے ستم کے نشانوں اور رنج و الم کی دکتی آ
سے بچا۔

میرے اللہ میں اب تک ہری شاخوں پر زرد پھول' زیب و زینت دنیا میں وق
کے کھوٹے سکے کی طرح زندگی بسر کرتا رہا ہوں۔ میرے دل کی منڈھیر پر پتوں
پیلاہٹیں' ذہن کی کھڑکیوں پر غم کی کلید کے قفل کا پہرہ رہا ہے۔ میرے اللہ ان حالا
میں مجھے تو رات کی پلکوں کے ٹوٹے ستارے سے زمین کی خوش لباسی اور رنگ
رعنائی جیسا پر تصور اور پر رونق بنا دے۔ میرے اللہ تو مجھے سبزہ زاروں پر دکتی
شبنم کی طرح قرب کی نئی چادر اور دم توڑتی صداؤں اور ملال کی ساعتوں سے
افروز نقش بنا کر نکال۔

اے خدائے دو جہاں میں تیری عظمتوں کا جان لیوا ہوں تو چاہے تو دامن

نو کو ہونٹوں کی شبنم' اداس رتوں کو آنکھوں کی جوت' جسم کی شکستہ فصیلوں کو وقت
بہترین گھات بنا دے۔ تو چاہے تو میرے اللہ اندھیاروں میں ڈوبے جیون کو دل و
ن میں چھپا سیل بنا دے۔ تو چاہے تو ماحول کی بے چینی' معاشی ناہمواری اور بے
ان مقتل کو دلپسند لمحوں میں تبدیل کر دیے۔

میرے اللہ تو میرے دل کے آنگن میں وصل کی خوشی جیسی فوزمندی' رنگ شفق
ں لرزاں کامیابی عطا کر' میرے مالک تو میری زندگی کو غم کا منشور بنانا ہجر کے ماتم
ہی ناکامی' خزاں رت کی اداس راہوں جیسی شکست سے مجھے بچانا۔

اے اللہ تو لمحوں کی پنہائی میں پریشان ابر پاروں کو منزل' سلے لبوں کو نطق' سیاہ
دل کو حدت' صدیوں پرانے کھنڈروں کو جاں افروز روشنی اور کثرت آلام کی
شیوں کے الفاظ کی جستجو عطا کرنے والا ہے۔ تو مجھے بھی کامیاب خواہشوں کی ہم
خوشی' تشنہ خوابوں کی تعبیر جیسی ظفرمندی عطا کر۔ یا اللہ مجھے خواہشوں کے استھان'
ات کے سایوں اور دل کے وسوسوں سے دعا کی قبولیت' امیدوں خواہشوں کی ثمر
وری کی طرح نکال۔

یا اللہ میں آج اپنی زندگی کے نئے رخ کی ابتدا کر رہا ہوں میں صدیوں کے
ے وصل' وقت کے گمنام جزیروں' لمحوں کی حکایتوں اور رت جگوں کی داستانوں
ر حیرت کدوں کے بحر گراں میں تجھے ہی اپنی مدد اور نصرت کے لئے پکارتا ہوں۔

میرے اللہ اب تک میری زیست میں نہ کوئی حرف محبت' نہ کوئی ساعت لطف
ا ہے۔ میرے مقدر میں نہ اب تک چشم عنایت نہ التفات نظر رہی ہے۔ حیات کے
نے والے کالے لمحوں' فکر کے سفینوں' زیست کے قرینوں میں میرے اللہ میری مدد
رنا۔ میرے درد کا درماں' دل کا قرار مہیا کرنا' تو ہی کھوئی شاموں کی تمنائیں سرد
اتوں کی اداسی میں نوائے حیات آموز عطا کرنا۔ مجھے بھی آج زندگی کے ان اہم لمحوں
ں نصرت اور کامیابی سے ہمکنار کرنا۔"

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ عین اس وقت

برخوردار خان اس کے خیمے میں داخل ہوا اور بڑی شفقت میں اسے مخاطب ک
کہنے لگا۔ عبداللہ چلو میرے بیٹے باہر میدان میں تمہارا ہی انتظار ہو رہا ہے۔ تھ
دیر تک خود احمد شاہ بھی میدان میں آنے والے ہیں اور ان کے میدان میں آ
مقابلے شروع کروا دیئے جائیں گے۔

عبداللہ پہلے ہی اپنے سر پر خود اور جسم پر زرہ پہنے ہوئے تھا۔ اپنی ٹانگوں
شانوں اور اپنے بازوؤں پر اس نے میجرالدین کے دیئے ہوئے جوشن پہنے اور اپنی
اور ڈھال سنبھال کر وہ برخوردار کے ساتھ ہو لیا تھا۔ تلوار اور ڈھال بھی وہی تھ
میجرالدین نے اسے بڑی محنت اور جانفشانی کے ساتھ بنا کر دی تھی اور جن پر و
لگا تار دو سال تک میجرالدین کے لوہار خانے میں حسام الدین سے تربیت حاصل
رہا تھا۔

اپنے خیمے سے باہر آ کر عبداللہ نے دیکھا احمد شاہ ابدالی اور اس کے خیم
سامنے میدان بالکل خالی کر دیا گیا تھا اور وہاں سے سارے لشکری چوکور صورت
جمع ہو گئے تھے۔ سامنے تھوڑی سی جگہ خالی چھوڑی گئی تھی جس میں پر چٹائیاں
اس کے اوپر قالین بچھا دیا گیا تھا۔ اس قالین پر احمد شاہ ابدالی کے بیٹے' شاہ ولی خ
جہان خان پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے ساتھ ایک طرف دلاور خان' ز
بیگ پوپلزئی' جمال خان' عبدالخالق بھی قالین پر بیٹھے ہوئے تھے۔ عبداللہ کو برخو
اپنے ساتھ لے جا کر اسی قالین کے ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر تک احم
ابدالی بھی اپنے خیمے سے نکلا۔ جب وہ قالین پر آیا تو سب لوگوں نے اٹھ کر ا
استقبال کیا۔ پھر احمد شاہ ابدالی نے ہاتھ کے اشارے سے سب کو بیٹھنے کے لئے
سب لوگ اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے۔ اس پر احمد شاہ ابدالی بھی شاہ ولی خان' ج
خان اور برخوردار کے درمیان بیٹھ گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے بعد احمد شاہ اپنے پہلو میں بیٹھے شا
خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ شاہ ولی اٹھو اور نادر آباد سے تربیت مکمل کرنے وا

انوں سے صلاح و مشورہ کرو اور پوچھو کون کس کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہتا ہے تاکہ
بلوں کے درمیان فیصلہ ہو سکے کہ سرفہرست کون رہتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے کہنے
شاہ ولی اپنی جگہ سے اٹھا اور قریب ہی بیٹھے ہوئے وہ عبداللہ' زال بیگ پوپلزئی'
ال خان' عبدالخالق اور دلاور خان سے صلاح و مشورہ کرنے لگا تھا۔ تھوڑی دیر بعد
اہ ولی خان لوٹا۔ احمد شاہ ابدالی کے پہلو میں بیٹھ گیا اور پھر بڑی رازداری سے کہنے
ا۔

پاشا آپ کا بھتیجہ عبدالخالق اور سردار کا بیٹا جمال خان اپنے آپ کو مقابلے سے
ت بردار کر چکے ہیں۔ یوں سمجھیں کہ وہ زال بیگ پوپلزئی کے حق میں دست بردار
چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ زال بیگ پوپلزئی سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس لئے
ہ ضرب و حرب کے ہر فن میں ان سے اعلیٰ' ارفع اور بے مثال ہے۔ پاشا اب
مقابلے پر دو ہی فرد ہیں۔ ایک اپنے سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کا بھتیجہ زال بیگ
پوپلزئی اور دوسرا عبداللہ ان دونوں ہی کے درمیان مقابلہ ہو گا اور ان دونوں ہی میں
سے کوئی شاہ پسند اور امیر لشکر بنے گا۔

شاہ ولی خان کے اس انکشاف پر احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ
نمودار ہوئی پھر وہ بولا اور کہنے لگا شاہ ولی اگر ایسا ہے تو ان دونوں کو سامنے لاؤ تاکہ
ان کے مقابلے کی ابتداء کی جا سکے اور پتہ چلے کہ کون شاہ پسند اور امیر لشکر ہو کر
سامنے آتا ہے۔ اس پر شاہ ولی خان ایک بار پھر اٹھا اور اس کے کہنے پر عبداللہ اور
زال بیگ پوپلزئی احمد شاہ ابدالی کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔

عین اس وقت لشکر کے قاضی ادریس احمد شاہ ابدالی کے پاس آئے۔ احمد شاہ
ابدالی نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا قاضی ادریس وہ کہاں ہے کیونکہ اس مقابلے
میں وہ بھی ایک انعام کے طور پر شامل ہے۔ اس پر قاضی ادریس بولے اور کہنے
لگے میں نے کامنی سے عبداللہ کی واپسی کا ذکر رات ہی کو کر دیا تھا اور وہ اسے
دیکھنے اور ملنے کے لئے بڑی بے چین تھی لیکن میں نے رات اس سے کہا کہ وہ صبح

مقابلے کے میدان میں عبداللہ کو دیکھ سکتی ہے۔ اس وقت کامنی کو عبداللہ کے میں بٹھا کر آیا ہوں۔ اگر آپ کہیں تو میں اسے یہیں لے آؤں۔ اس پر احمد شاہ ا نے مسکراتے ہوئے کہا اسے خیمے سے نکال کر یہاں لا کر قالین پر بٹھا دیں اور بعد میں عبداللہ اور زال بیگ سے جو کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ کہوں گا۔

قاضی ادریس مڑے اور عبداللہ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ خیمے کے اندر ا کھڑی شاید انہیں کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہی تھی۔

کامنی اب تیرہ سے پندرہ برس کی ہو چکی تھی جو دو سال تک وہ احمد شاہ ا کے لشکر میں رہ کر عبداللہ کا انتظار کرتی رہی تھی۔ اس دو سال کے انتظار میں کے بچپن اور جوانی میں ایک حد فاصل کھینچ دی تھی۔ اب اس کی جوانی خوشہ گل مانوس مہک، ورق ورق خوشبو، کشت زرکار اور نمو کی سبز کونپل جیسی بھرپور ہو رہی تھی۔ اس کا گدرایا جسم، ریشمی بدن جذبوں کی شدت، جگنو بھری شاموں کی کی ریکھا میں پیت رنگ موتی اور پریم کی بھڑکتی جوالا میں چاندنی رات جیسا خوش ہو گیا تھا۔ اس کی جسامت، زیبا، قامت سرو، خواب گوں نگاہیں، چھلکتی آرزوئیں لپکتا جسم، دہکتے سرخ لب، بلور سے تراشا جسم اسے خوشیوں کی نوخیز زمین مسکراہٹ کی قیامت اور نکہت نور و جمال بنائے ہوئے تھے۔

خیمے میں داخل ہوتے ہی قاضی ادریس کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ۔ عبداللہ کے مقابلے کی ابتداء ہونے والی ہے۔ میں احمد شاہ ا سے بات کر کے آیا ہوں اس نے کہا ہے کہ کامنی کو وہاں قالین پر لا کے بٹھا دو۔ کے ساتھ ہی کامنی چپ چاپ قاضی ادریس کے ساتھ ہو لی تھی۔ قاضی ادریس ا مقابلے کے میدان میں سامنے کی طرف جو قالین بچھائی گئی تھی جس پر احمد شاہ ا بیٹھا ہوا تھا وہاں لے گیا اور قاضی ادریس کے اشارہ کرنے پر کامنی اپنے خطوط بد ضیا، کر کے سبھی زاویوں، رخشندہ تابش لب و رخسار اور چشم و نظر میں لپٹے خمار کو سمیٹتی ہوئی احمد شاہ ابدالی کے قریب بیٹھ گئی تھی۔ کامنی کے بیٹھنے کے ساتھ

شاہ ابدالی بولا اور اپنے سامنے کھڑے عبداللہ اور زال بیگ پوپلزئی کو مخاطب کر کہنے لگا۔

سنو عبداللہ اور زال بیگ پوپلزئی مقابلہ صرف تم دونوں کے درمیان ہو گا۔ میرا بیٹا عبدالخالق اور جمال خان، زال بیگ کے حق میں دست بردار ہو چکے ہیں۔ وہ ب و ضرب کے فن میں زال بیگ کو اپنے سے اعلیٰ اور ارفع سمجھتے ہیں۔ لہٰذا اب ابلہ تم دونوں ہی کے درمیان ہے۔ تم دونوں میں سے جو جیتے گا اسے شاہ پسند کا ب ملے گا۔ وہ امیر لشکر ہو گا اور یہ میرے پہلو میں بیٹھی کامنی ہے۔ اس پر بھی جیتنے لے کا حق ہو گا۔ وہ چاہے تو اسے اپنی بیوی بنا کر اسے اپنے پاس رکھے چاہے لونڈی کر۔ اس سے خدمت لیتا رہے۔ یہ اس کی مرضی اور منشا پر منحصر ہو گا۔ اب تم ونوں اپنے اپنے ہتھیار سنبھالو کہ میں تمہیں مقابلہ شروع کرنے کا اشارہ دینے لگا ہوں۔

عین اس موقعہ پر دلاور خان اٹھا۔ احمد شاہ ابدالی کے سامنے آیا اور پھر بڑے طنز ور تحقیر آمیز انداز میں کہنے لگا۔ پاشا یہ عبداللہ اس زال بیگ سے کیا مقابلہ کرے گا۔ زال بیگ سے عبداللہ کا مقابلہ کرانا زال بیگ پوپلزئی کی توہین ہے۔ جو جوان عبداللہ کو پہلے ہی چھ بار تیغ زنی کے فن میں ہرا کر اس کے جسم کو چھ بار شکست کا داغ لگا چکا ہو اس سے عبداللہ کا مقابلہ کرانے کا کیا فائدہ کیا لطف اور مزہ آئے گا۔

دلاور خان کی اس گفتگو سے سارے ہی دنگ اور پریشان رہ گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے تیز نگاہوں سے دلاور خان کی طرف دیکھا اور کہا دلاور خان جو کچھ کہنا چاہتے ہو کھل کر کہو۔ اس پر دلاور خان پھر بولا اور کہنے لگا۔

پاشا نادر آباد کے مکتب میں تربیت کے دوران ہر سال عبداللہ اور زال بیگ کے درمیان مقابلے ہوتے رہے ہیں اور زال بیگ ہر سال اسے ہراتا رہا ہے اور ہارنے کی وجہ ہر سال عبداللہ کی پنڈلی پر شکست کا داغ لگتا رہا ہے یہ اس مکتب کی ریت اور رسم ہے۔ اگر میری باتوں پر اعتبار نہ ہو تو عبداللہ کی بائیں ٹانگ سے اس کا لباس اٹھا

کر دیکھ لیا جائے۔

احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اپنے قریب بیٹھے برخوردار مخاطب کر کے کہنے لگا برخوردار ذرا عبداللہ کا لباس اٹھا کر دیکھو۔ برخوردار آ عبداللہ کی بائیں ٹانگ سے جب اس نے اس کا لباس ہٹایا تو سب نے دیکھا بائیں ٹانگ پر جلنے کے سات داغ لگے ہوئے تھے۔ یہ سات داغ دیکھتے ہوئے کے لئے احمد شاہ ابدالی کی گردن جھک گئی تھی۔ برخوردار خان بھی افسردہ ہو گیا جہان خان خوش اور مطمئن تھا اس لئے کہ اس کے بھتیجے زال بیگ پوپلزئی کی کے آثار دکھائی دے رہے تھے۔ دوسری طرف شاہ ولی خان بھی اداس اور ملول رہ گیا تھا جبکہ قاضی ادریس اور ان کے سامنے بیٹھی ہوئی کامنی بھی عجیب تاسف انداز میں عبداللہ کی جلی ہوئی پنڈلی کو دیکھ رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر احمد شاہ ابدالی نے اپنا جھکا ہوا سر کیا اس موقع پر احمد شاہ ابدالی کی آنکھوں میں نمی آ گئی تھی۔ شاید وہ عبداللہ کی دیکھتے ہوئے پگھل گیا تھا پھر اس نے بڑی شفقت اور نرمی سے عبداللہ کو مخاطب ہوئے پوچھا عبداللہ یہ کیا۔ جواب میں عبداللہ کہنے لگا۔

پاشا میں اب تک خاموشیوں کی ردا' اذیتوں کے گرداب' برہنہ شجر' خزاں شفاف آسمان پر خشک آوارہ بادل' بے سکون سوال کی طرح زندگی بسر کرتا رہا ہوں طویل رات کے گھنے اندھیروں میں میں نے ارادہ سحر' بے مسافت سفر' ویران طرح یوں ہی سرگرداں رہا ہوں۔

پاشا اب تک میں اپنی حریم ذات میں ہلچل لئے زمانے کی دوریاں سمیٹتا رہا ہوں ہوا کے قافلوں میں سفر کی لکیروں میں الجھتا ہوا بکھرتا رہا ہوں۔ فضا کے آشوب پاشا اپنی فنا کی تختی لکھتے ہوئے میں خود ہی کو جلاتا رہا ہوں۔ پر پاشا اب میں جوان چکا ہوں۔ بچپن کی حدود سے نکل کر میں نئی زندگی کی پرقوت سمتوں سے ہمکنار ہو ہوں۔ اب میں جہاں خود جلتا رہا ہوں وہاں دوسروں کو بھی جلانے کا فن سیکھ چکا ہوں

پاشا اب وقت آ گیا ہے کہ میں ان لوگوں کو جو مجھے اپنے سے کم تر اور کمزور سمجھ رہے ہیں انہیں سمتوں اور رفتار میں فرق بتاؤں۔ انہیں مٹی کے لمس اور پانی کے ذائقے کا فرق بتاؤں۔ انہیں حق کی سچائی اور باطل کی معصیت کے امتیاز سے آگاہ کروں۔

پاشا جو کچھ اب تک دلاور خان نے کہا ہے سچ ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نادر آباد کے مکتب میں میں جلتا رہا ہوں پر وہ مجبوری تھی۔ اب تک مجبوریوں نے مجھ سے بہت کچھ کرایا ہے پر اب میں نے مجبوریوں کی چادر اتار پھینکی ہے۔ میں کیا ہوں۔ میری اصلیت اور حقیقت کیا ہے یہ آج اس میدان میں ثابت ہو گا۔ پاشا میں اس دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی کو ایک ساتھ مقابلہ کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

عبداللہ کے ان الفاظ سے احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ اور گھنا سکون چھا گیا تھا۔ مسکراتے ہوئے وہ بولا اور کہنے لگا۔ بیرم خان کے بیٹے تیری خیر ہو۔ تو نے سارے ہی شکوے' سارے ہی گلے' سارے ہی شکوک' سارے ہی شبہے رفع کر دیئے ہیں۔ تو نے ان الفاظ سے ثابت کر دیا ہے کہ تو جھکنے اور زیر ہونے والا جوان نہیں۔ اس موقع پر دلاور خان بولا اور بڑی لاف زنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

پاشا اس عبداللہ کے کہے ہوئے سارے الفاظ لاف زنی پر مبنی ہیں یہ جو اب تک اکیلے زال بیگ کا مقابلہ نہیں کرتا رہا یہ ایک ساتھ میرا اور زال بیگ کا مقابلہ کیسے کرے گا۔ پاشا اس طرح یہ اپنی شکست اور اپنی ہار پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔ میرا آپ کو مشورہ ہے کہ آپ مقابلہ کرائے بغیر زال بیگ پوپلزئی کو کامیاب قرار دیدیں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی خفگی اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

بکواس بند کرو دلاور خان بیرم خاں کا بیٹا تمہارے سامنے کھڑا ہے۔ تمہیں اور زال بیگ پوپلزئی کو ایک ساتھ مقابلے کے لئے للکار رہا ہے اور تم مجھے باتوں میں الجھا کر مقابلے سے پہلو تہی کرنا چاہتے ہو۔ اپنے آپ کو مسلح کرو اور زال بیگ کے ساتھ

عبداللہ کا مقابلہ کرو۔ دلاور خان تم بچپن سے مکتب کی طرف روانہ ہوتے زال بیگ پوپلزئی کی تربیت کرتے رہے ہو۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ تم دونوں شاگرد عبداللہ کے سامنے کیسی کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہو۔ احمد شاہ ابدالی کا سن کر دلاور خان اپنے آپ کو مسلح کرنے لگا تھا۔

اتنی دیر تک خیموں کی طرف سے عبداللہ کا چچا زاد بھائی قاسم خان تقریبا ہوا عبداللہ کے پاس آیا عبداللہ کے ساتھ اس نے مصافحہ کیا پھر پشت کی طرف اس نے عبداللہ کی گردن کا وہ حصہ چوما جو طوق کی وجہ سے سیاہ ہو گیا تھا۔ دھیمی اور رازدارانہ آواز میں عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بھائی میں تمہیں جوان اور بالغ ہونے اور احمد شاہ ابدالی کے میں آنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ دیکھ شاید تجھے معلوم نہیں ہو گا کہ میں نے شا خان کی بیٹی سے شادی کر لی ہے۔ اس کا نام ارزون ہے۔ میں اور میری بیوی رات کے وقت تم سے ملنے آئے تھے لیکن اس وقت تم سو رہے تھے۔ اس لئے مجھے تمہاری آمد کی اطلاع بڑی دیر سے ملی تھی۔ تم جانتے ہو کہ میں احمد شاہ ابدالی محافظ دستوں کا نائب سالار ہوں اس لئے صبح ہی صبح احمد شاہ نے میرے ذمے کچھ لگا دیئے تھے۔ جس کی وجہ سے میں صبح سویرے تمہارے خیمے میں آ کر تم سے نہ سکا اور ہاں تمہاری بھاوج جس کا نام ارزون ہے وہ بھی تم سے ملنے کے لئے بے ہے۔ وہ تماشہ گاہ کے دائیں جانب جو شامیانے لگے ہیں وہ عورتوں کے لئے ہیں او وہاں لشکر میں شامل عورتوں کے اندر بیٹھی ہوئی ہے۔ تمہارے مقابلے کے بعد تمہیں اس کے پاس لے جاؤں گا اور تم سے ملاؤں گا۔ میرے عم زاد میری تمہار لئے دل سے دعا ہے کہ خداوند قدوس تمہیں اس مقابلے میں کامیاب اور کامر رکھے۔ اب میں یہیں نزدیک ہی بیٹھ کر تمہارا مقابلہ دیکھتا ہوں۔ اس کے ساتھ قاسم خاں پیچھے ہٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

دلاور خاں جب مقابلے کے لئے تیار ہو کر عبداللہ اور زال بیگ پوپلزئی

ساتھ احمد شاہ ابدالی کے سامنے آ کر کھڑا ہوا تو احمد شاہ ابدالی نے تینوں کا بہ نظر غائر جائزہ لیا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔ سنو زال بیگ پوپلزئی، دلاور خان تم دونوں استاد شاگرد کا مقابلہ عبداللہ سے ہو گا۔ اس مقابلے کے منصف شاہ ولی خان اور برخوردار خان ہوں گے۔ مقابلے کے دوران کوئی کسی کو زخمی کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ جو دیکھے کہ وہ مقابلے کو مزید جاری نہیں رکھ سکتا وہ اپنی شکست کو تسلیم کرتے ہوئے اپنے ہتھیار فضا میں بلند کر دے۔ جس سے یہ سمجھا جائے گا کہ وہ شکست تسلیم کرتا ہے اور مقابلے کو مزید جاری نہیں رکھ سکتا۔ اب تم تینوں میدان کے وسط میں جا کر کھڑے ہو جاؤ میرے ہاتھ میں سرخ رنگ کا رومال ہے جب میں اسے فضا میں لہراؤں گا تو تم تینوں مقابلہ شروع کر دو گے۔ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں میدان کے وسیع حصے کی طرف بڑھے تھے۔

زال بیگ پوپلزئی اور اس کے استاد دلاور خان کے پیچھے پیچھے عبداللہ مقابلے کے اس میدان کے وسطی حصے کی طرف کچھ اس انداز سے گیا تھا جیسے ریگزاروں میں نخل بلند کا سایہ داخل ہوتا ہے۔ جیسے ظلمتوں کے ہجوم میں کسی قندیل کی روشنی بھٹکے ہوئے مسافروں کے لئے خضر راہ بن کر داخل ہوتی ہے۔ جیسے خرابات دشت اور خیالات کی وادیوں سے نکل کر کوئی موت کا بنجارہ طلسمی جزیروں میں داخل ہونے کو آگے بڑھتا ہے۔

جوں ہی عبداللہ، زال بیگ پوپلزئی اور دلاور خان مقابلے کے میدان کے وسط میں ایک دوسرے کے سامنے جا کر کھڑے ہو گئے اسی وقت احمد شاہ ابدالی نے اپنا سرخ رومال فضا میں لہرا دیا تھا۔ سرخ رومال کا فضا میں لہرانا تھا کہ جھٹکے کے ساتھ دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی نے اپنی تلواریں کھینچ لی تھیں اور ڈھالیں سنبھال لیں تھیں۔ دوسری طرف ان دونوں سے بھی زیادہ تیز جھٹکے کے ساتھ عبداللہ نے اپنی تلوار کھینچی اور اپنی ڈھال سنبھالی۔ یہ وہی تلوار تھی جو آگے سے دو شاخی تھی اور قصائی کے برچھے کی طرح خوب چوڑی تھی اور ڈھال بھی وہی تھی جو مجیر الدین نے بنا

کر دی تھی جس کے دستے کے ساتھ لوہے کی موٹی زنجیر تھی اور اس کے اوپر
میں دو دھار کا لمبا خنجر بنا ہوا تھا۔

عبداللہ نے جب وہ برچھا نما چوڑے پھل کی تلوار اپنے سامنے لہرائی تو ا
سے اسے اپنی شکل تک دکھائی دینے لگی اور تلوار کی چمک میدان میں دور دور
دیکھی گئی۔

احمد شاہ ابدالی میدان میں دوسرے بیٹھے ہوئے لوگوں کے علاوہ دلاور خان
زال بیگ پوپلزئی بھی عبداللہ کی اس تلوار کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے تھے۔ اس
کہ عبداللہ کے پاس انہوں نے پہلے کبھی وہ تلوار نہ دیکھی تھی اس لئے کہ اس
سے مشق صرف حسام الدین کی زیر نگرانی مجیرالدین کے لوہار خانے میں ہی کیا کر
اور وہ ہتھیار بھی لوہار خانے میں ہی رہنے دیا کرتا تھا۔ تاہم اس موقع پر دلاور خان
اپنے آپ کو سنبھالا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے کیوں اپنی چھال سے باہر نکل کر دعوے اور لاف زنی کر
ہو۔ تم جانتے ہو کہ تم نادر آباد میں زال بیگ کے ہاتھوں ہر سال ہار کر اپنی
جلواتے رہے ہو۔ پھر اب تم پر یہ کیا جنون طاری ہوا کہ زال بیگ کے ساتھ سا
مجھے بھی ایک ساتھ مقابلے کی دعوت دیدی۔ کیا نادر آباد سے احمد شاہ کے لشکر
شامل ہونے کے بعد تو جنون اور پاگل پن کا شکار تو نہیں ہو گیا۔ بیرم خان کے
اب بھی کچھ نہیں گیا۔ اپنے اس دعوے سے باز آ بلکہ میں کہتا ہوں کہ تو زال
اکیلے سے بھی مقابلہ نہ کر ورنہ اس کے ہاتھوں شکست اٹھا کر تجھے احمد شاہ ابدالی
اس کے سارے سالاروں اور لشکریوں کے سامنے شرمسار ہونا پڑے گا۔

دیکھ بیرم خان کے بیٹے اب بھی وقت ہے ہوش میں آ مقابلے سے دست بر
ہو۔ ورنہ جب میں اور زال بیگ پوپلزئی دونوں ایک ساتھ فطرت کے دستور کی
وقت کی فضاؤں کے سیل رواں' امڈتے جوش و طغیاں' شورش بھری موجوں
خروش کی طرح تم پر حملہ آور ہوں گے تو تمہارے لمحہ بہ لمحہ راحت جان کو سوز
کا خار بنا کر رکھدیں گے۔ پھر تیری نظر نظر میں کوئی منظر' تیرے نفس نفس میں کوئی
خواہش' تیرے دل کے صحرا میں کوئی نخل' تیری شاموں میں کوئی زہرہ اور پروین نہ
رہے گی۔

سنبھل ہوش میں آ۔ بیرم خان کے بیٹے۔ اس مقابلے کے بعد جب تو ہمارے
ہاتھوں بری طرح ہارے گا تو دیکھے گا تیری شب کے مقطع پر کوئی سحر' تیری صبح کے
مقدر میں کوئی مشرق' تیرے ماہ و سال میں کوئی لمحہ کوئی ساعت' تیری سلامتی کے خیام
میں عظمتوں کا کوئی حرف اور تیری آبرو کے نخلستانوں میں عزت کا کوئی استعارہ تک
باقی نہ رہے گا۔

بیرم خان کے بیٹے میں تمہیں تنبیہہ کرتا ہوں کہ مقابلے سے باز رہ۔ ورنہ جب
یہ مقابلہ شروع ہو جائے گا تو وقت تیرے ہاتھ سے نکل جائے گا اس لئے کہ اس وقت
میں اور زال بیگ پوپلزئی ایک ساتھ تم پر دست کوزہ گر کی مشاقی' تجسس کے سمندر'
اندھے سرابوں کے لا انتہا سلسلوں' درد کے کالے حبس اور ہجرتوں کے عذاب کی
طرح حملہ آور ہوں گے اور تیری حالت کڑوی کسیلی رات' الم نصیب سایوں'
سنسناتے تازیانوں' شوریدہ سری' دکھ کی کسک اور بیگانگی کے کھولتے دشت سے بھی
بری اور بدتر ہو گی۔

عبداللہ جو اب تک بڑے صبر و تحمل کے ساتھ دلاور خان کی گفتگو سنتا رہا تھا بولا
اور کہنے لگا۔

سنو دلاور خان تمہاری یہ ساری گفتگو لاف زنی سے کچھ زیادہ میرے یہاں اہمیت
نہیں رکھتی۔ تیرے جیسے بزدل لوگ جب ہارنے پر آتے ہیں تو ایسی ہی گفتگو کیا کرتے
ہیں۔ دلاور خان اپنے دل کے قرطاس پر لکھ رکھ کہ یہ نادر آباد کا مکتب نہیں۔ ایمن
آباد کے کھلے اور وسیع میدان ہیں۔ ایمن آباد کے ان میدانوں میں دلاور خان میں
تیری اور زال بیگ پوپلزئی دونوں کی بری حالت کروں گا۔ جب میں تم پر اپنی تلوار اور
ڈھال کی ضربیں لگاؤں گا تو تم دونوں کی ضیا خیزی کو دکھوں کی کسک' گرم سانسوں کے

فسوں کو غموں کی یلغار' شوریدہ تمناؤں کو بے سود جستجو اور جوانی کے بہتے جھر
بے خواب تعبیروں میں بدلوں گا- سن دلاور خان یہ نادر آباد نہیں ہے- ایم
ہے- یہاں جب میں تم پر حملہ آور ہوں گا تو تم دونوں اپنے آپ مجبور روتے اڑ
بستہ دکھ کی ہواؤں' غم دہر کے ویرانوں اور مرہم کو ترستے زخموں سے بھی بدتر
میں پاؤ گے-

سنو دلاور خان تم اور زال بیگ دونوں مجھ پر حملہ آور ہو- پھر دیکھنا میں کی
دونوں کی رگ رگ میں شگاف کرتا ہوں- کیسے تم دونوں کی زندگی کی گہری تہوں
سلگتے سایوں کی خونی امربیل پھیلا کر رکھتا ہوں- دلاور خان وقت مت برباد کرو
بڑھو اور مقابلے کی ابتداء کرو- میں تم دونوں کو پہلے حملہ آور ہونے کا موقع فراہم
ہوں تاکہ میرے ہاتھوں ہارنے اور شکست اٹھانے کے بعد تم لوگوں سے یہ نہ
پھرو کہ بیرم خان کا بیٹا حملہ آور ہونے میں پہل کر گیا تھا- لہٰذا وہ ہم سے جیت گیا
آگے بڑھو دلاور خان' زال بیگ کو بھی اپنے ساتھ لو اور مجھ پر حملہ آور ہو- پھر
اس مقابلے کا کیا انجام اور کیا انتہا ہوتی ہے-

عبداللہ کی یہ گفتگو سن کر دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی دونوں کے چہرے
غصے اور قہرمانی میں سرخ ہو گئے تھے- اس بار دلاور خان کی جگہ زال بیگ بولا
کہنے لگا- سن بیرم خان کے بیٹے اگر تم میرے اور دلاور خان کے ہاتھوں ہی ذلیل
بے عزت ہونے کا تہیہ کر چکے ہو تو یوں ہی سہی- اگر نادر آباد کے مکتب میں مل
تار چھ سال تک تمہیں شکست دیکر تمہاری پنڈلی کو داغ لگوا سکتا ہوں تو ایمن آباد
ان میدانوں میں بھی میں تمہیں زیر اور مغلوب کر سکتا ہوں اس پر عبداللہ کھو
ہوئے لہجے میں کہنے لگا- سن زال بیگ پوپلزئی اگر ایسا ہے تو پھر آگے بڑھ کر مجھ
حملہ آور ہو اور پھر دیکھ جو شخص اب تک جلتا رہا ہے وہ دوسروں کو شکست
ہزیمت کی آگ میں کیسے جلاتا ہے-

عبداللہ کی اس گفتگو کے بعد زال بیگ پوپلزئی اور دلاور خان زندان کی دا

الم سوگ کی آنچ اور چشم خون بستہ کی بصارت کی طرح آگے بڑھے اور دونوں ایک
ساتھ بھوکے سمندر' موت کی کراہ اور بنجر پیاس کی طرح عبداللہ پر حملہ آور ہو گئے
تھے- عبداللہ نے زال بیگ پوپلزئی کی تلوار کو اپنی تلوار اور دلاور خان کی تلوار کو اپنی
ڈھال پر روکا تھا- اس موقع پر دلاور خان نے بڑی عیاری سے کام لیتے ہوئے اپنی
ڈھال عبداللہ کی پیٹھ پر پوری قوت سے مارنا چاہی تھی لیکن عبداللہ بھی پوری طرح
چوکس اور چوکنا تھا- اپنی ڈھال کو اس نے فوراً اپنے بائیں ہاتھ میں لہرایا اور ڈھال
کے نیچے جو بھاری زنجیر تھی وہ خوب قوت سے جب اس نے لہرا کے ماری تو زنجیر دلاور
خان کے بائیں ہاتھ پر لگی تھی اور ضرب ایسی زور دار اور پر اثر تھی کہ دلاور خان
کراہ اٹھا تھا اور اس کے ہاتھ سے اس کی ڈھال چھوٹ گئی تھی اور وہ ایک دم پیچھے
ہٹ گیا تھا- اس موقع پر عبداللہ نے زال بیگ کی تلوار سے اپنی تلوار علیحدہ کی چند
قدم پیچھے ہٹا اور دلاور خان سے کہنے لگا-

دلاور خان آگے بڑھ کر اپنی ڈھال اٹھا لو میں اگر چاہتا تو تمہاری ڈھال کو پاؤں کی
ٹھوکر مار کر میدان کے اردگرد بیٹھے لوگوں کے اندر پھینک سکتا تھا مگر نہیں میں تجھے
لڑنے کا موقع فراہم کرنا چاہتا ہوں تاکہ تیرے دل میں کوئی ارمان کوئی تمنا باقی نہ
رہے- دلاور خان آگے بڑھ کر اپنی ڈھال اٹھانے سے ہچکچا رہا تھا وہ شائد خوفزدہ تھا کہ
کہیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ ڈھال اٹھانے لگے تو عبداللہ آگے بڑھ کر اس پر اپنی تلوار
نہ مار دے اس پر عبداللہ اور پیچھے ہٹ گیا اور کہنے لگا دلاور خان بلا جھجک آگے بڑھ کر
اپنی تلوار اٹھالو میں چوروں اور دھوکہ بازوں کی طرح تم پر وار نہیں کروں گا- اس پر
دلاور خان نے آگے بڑھ کر اپنی ڈھال اٹھا لی تھی-

اس موقع پر عبداللہ کے چہرے پر حوادث کا رقص' بجلیوں کا ضمیر' انتقام کے
جنوں جوش مارنے لگے تھے- جبکہ اس کی پیاسی صحرا اور بے موج سمندر آنکھوں میں
رقص برق و شرر اور آندھیوں کی بے اماں فتنہ گری اپنا رنگ دکھانے لگی تھی- لگتا
تھا اس موقع پر عبداللہ مجسم طوفان بن گیا ہو اور اس کے سینے میں خلش' جبیں پر

شکنیں، رگ رگ لہو اور روح میں تصادم حق و باطل برپا ہو گیا ہو پھر اس
عبداللہ داستان مشام زندگی میں موجوں کے تند ریلے، وقت کے ہمراز سربستہ
پرواز اور جاگتی خلاؤں میں درد کی جوئے رواں کی طرح حرکت میں آیا اور جذبا
یلغار، زخموں کی کائنات، بے دار آرزوؤں کے درد، بصارتوں کی جھیل میں نئی وا
اور بے ربط لمحوں میں رگ رگ میں رقصاں تلاطم کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

عبداللہ نے اپنی تلوار کا بے اماں وار زال بیگ پوپلزئی پر کیا تھا۔ زال
پوپلزئی نے اس وار کو اپنی ڈھال پر روکا تھا ایک تو عبداللہ کی تلوار کو نہ جا
الدین نے لوہے کو کس شے کی پان دیکر بنایا تھا دوسرے عبداللہ کی یہ ضرب
زوردار تھی کہ جب عبداللہ کی تلوار زال بیگ کی ڈھال پر پڑی تو تلوار کی ضرب
زال بیگ کی ڈھال کا ایک حصہ پھٹ گیا تھا۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے زال بیگ
چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھی۔ عین اس موقع پر زال بیگ پوپلزئی اور دلاور
نے ایک دوسرے کو آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے ایک ساتھ اپنی دونوں تلواریں دو
سمتوں سے عبداللہ پر گرا دی تھیں۔

عبداللہ بھی فوراً حرکت میں آیا اپنی تلوار علیحدہ کرتے ہوئے زال بیگ پوپلزئی
کے وار کو اس نے اپنی تلوار پر روکا جبکہ دلاور خان کی تلوار کو اپنی ڈھال پر روکا
کے ساتھ ہی بہترین قدم اٹھایا ڈھال کی زنجیر کو اس نے لہرایا اور پھر وہ زنجیر اس
اور قوت کے ساتھ دلاور خان کی گردن اور چہرے پر پڑی کہ دلاور خان چیختا چلاتا
بل کھاتا ہوا دور ہٹ گیا تھا۔ عبداللہ نے فوراً تلوار کا جھٹکا دیتے ہوئے زال بیگ
دور ہٹایا پھر وہ کسی خوفناک درندے کی طرح دلاور خان کی طرف بڑھا اور اس کی
کی طرف سے اس کی رانوں پر اس زور سے اپنی ڈھال کی زنجیر ماری کہ دلاور
بیچارہ بل کھاتا ہوا زمین پر گر گیا تھا اس کے بعد عبداللہ کسی زخمی سانپ کی طرح
اور زال بیگ پر حملہ آور ہوا۔

زال بیگ پر عبداللہ نے اس تیزی کے ساتھ اپنی بھاری جوڑی پھل کی

ے وار کرنے شروع کئے کہ زال بیگ گھبراہٹ اور پریشانی میں الٹے پاؤں پیچھے ہٹتا ہوا
بڑی مشکل سے عبداللہ کے وار کبھی اپنی ڈھال کبھی اپنی تلوار پر روکنے لگا تھا۔ عبداللہ
نے زال بیگ کی اس افراتفری اور بدحواسی سے پورا فائدہ اٹھایا جس وقت زال بیگ
ں کے سامنے الٹے پاؤں بھاگ رہا تھا عبداللہ اپنی ڈھال کی زنجیر کو حرکت میں لایا
ور زنجیر اس زور سے زال بیگ کے گھٹنوں پر ماری کہ زال بیگ زنجیر کی ضرب سے
چ چلا اٹھا تھا۔

اس کے بعد عبداللہ نے اسے دم نہیں لینے دیا بلکہ اپنے ڈھال کے سامنے جو
خنجر لگا ہوا تھا اس کا وار زال بیگ پر کیا ڈھال کے خنجر کو جب زال بیگ نے اپنی
ڈھال پر روکنا چاہا تو عبداللہ کی ڈھال کا وہ خنجر زال بیگ کی ڈھال کو پھاڑتا ہوا اندر
س گیا تھا۔ عبداللہ فوراً حرکت میں آیا اپنی ڈھال کی زنجیر کو اپنے بازو پر لپیٹا پھر اس
ور سے اپنی ڈھال کو اس نے کھینچا کہ اس کی ڈھال کے ساتھ زال بیگ کی ڈھال
ل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر عبداللہ کے پاس آ گئی تھی۔ عبداللہ نے اپنی اور زال
ب دونوں کی ڈھال کو زمین پر گرا دیا پھر تابڑ توڑ زال بیگ پر حملے اور وار کرنے لگا
ا۔

تھوڑی دیر تک اپنے سامنے انتہائی بے بسی کے عالم میں عبداللہ زال بیگ کو
ماتا رہا زال بیگ اب اپنے آپ کو عبداللہ کے حملوں کے سامنے دفاع کرنے پر
مدد کئے ہوئے تھا اس کی حالت سے لگتا تھا کہ تھکاوٹ کے آثار بڑی تیزی سے اس
پر چھاتے جا رہے ہوں پھر جب دو تین بار عبداللہ نے اس پر انتہائی خطرناک وار کئے
تو زال بیگ تیزی سے پیچھے ہٹا پھر اس نے اپنی تلوار اور خالی بایاں ہاتھ فضا میں بلند
کرتے ہوئے اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔

عین اس موقع پر شاہ ولی خان اور برخوردار خان تقریباً بھاگتے ہوئے میدان میں
داخل ہوئے پہلے برخوردار خان نے عبداللہ کو اپنے ساتھ لپٹا کر اس کو فتح مندی پر
مبارکباد دی اس کے بعد شاہ ولی نے عبداللہ کو اپنے ساتھ لپٹایا اس کی پیشانی چومی اور

کہنے لگا عبداللہ میرے بیٹے یقیناً تم نے اس مقابلے میں ہمیں مایوس نہیں کیا خان جو لاف زنی کرتا تھا تم نے اس کی لاف زنی کو اس کے شکست کے داغو دھو کر رکھ دیا ہے۔ اب آؤ ہمارے ساتھ پاشا کے پاس چلتے ہیں عبداللہ نے زال کی ڈھال سے اپنی ڈھال علیحدہ کر کے سنبھالی پھر وہ ان کے ساتھ ہو لیا تھا۔

شاہ ولی خان اور برخوردار خان دونوں عبداللہ کو لیکر احمد شاہ ابدالی کے پا رہے تھے جبکہ زال بیگ پوپلزئی اور دلاور خان بھی انتہائی اداسی اور مایوسی کے عا اپنے ہتھیار اٹھا کر میدان سے باہر نکل رہے تھے۔

شاہ ولی خان اور برخوردار خان نے عبداللہ کے ساتھ زال بیگ پوپلزئی اور د خان کو احمد شاہ ابدالی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر مسکراتی نگا سے عبداللہ کی طرف دیکھتا رہا پھر وہ دلاور خان اور زال بیگ کو مخاطب کرتے ہو پوچھنے لگا کیا تم دونوں عبداللہ کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کرتے ہو۔ دلاور زال بیگ نے کوئی جواب دینے کے بجائے اپنی گردنیں جھکا لی تھیں اس پر ابدالی طنزیہ سے انداز میں بولا میں تمہارے منہ سے کوئی جواب سننا چاہتا ہوں دلاور خان نے انتہائی بے بسی اور لاچارگی میں احمد شاہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا پاشا میں اور زال بیگ دونوں عبداللہ کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کرتے میں امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ حرب و ضرب کے فنون میں ہم سے اس قد نکل جائے گا اس مرتبہ احمد شاہ ابدالی فیصلہ کن سے انداز میں کہنے لگا۔ تم اپنی کو تسلیم کرتے ہو تو پھر ادھر ایک طرف بیٹھ جاؤ۔ دلاور خان اور زال بیگ شروع ہونے سے پہلے جہاں بیٹھے تھے وہیں بیٹھ گئے تھے۔ اتنی دیر تک درویش اور عبداللہ کا عم زاد بھائی قاسم خان بھی عبداللہ کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ دلاور خان اور زال بیگ کے بیٹھ جانے کے بعد احمد شاہ نے تھوڑی دیر تک بڑے سے اور انہماک سے عبداللہ کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے میں ابھی تمہاری کامیابی اور فتح مندی پر مبارکباد نہیں د

رہا۔ سن بیرم خان کے بیٹے اپنے دادا کی شرط کو پورا کرنے کے لئے تمہارے گلے میں جو یہ لوہے کا طوق ہے اسے توڑ پھینکو تاکہ میں تمہیں اس طرح گلے لگا کر تمہاری فتح پر مبارکباد دوں جس طرح ایک باپ اپنے بیٹے کو گلے لگا کر شفقت پدری میں ڈوبی مبارکباد دیتا ہے۔ بیرم خان کے بیٹے اپنے گلے میں لٹکتے ہوئے اس لوہے کے طوق کو توڑ پھینک کہ تیری نئی اور انوکھی زندگی کی ابتداء ہو۔

احمد شاہ ابدالی کے ان الفاظ کے بعد عبداللہ حرکت میں آیا۔ قبلہ رو وہ کھڑا ہوا اور اپنے خداوند کو مخاطب کرتے ہوئے وہ دعائیہ انداز میں کہنے لگا۔ "میرے اللہ تو ہی دانش و آگہی کا گہوارہ ہے تو ہی زر و جواہر لعل و یاقوت اگلتی زمین ستاروں کے موتیوں سے سجے آسمان کا مالک ہے تو ہی وقت کے امکان میں ہست و بود کا خالق ہے۔ تیرہ اور سیاہ زمینوں کے لئے روشنی تیرے دم سے یہ صدف صدف ابر نیساں یہ گل پژمردہ کے لئے شبنم یہ نیم جانوں کے لئے زندگی کا نشان یہ سیل نکہت یہ کارواں رنگ و بو سب میرے اللہ تیرے ہی دم سے ہیں۔

بنجر زمین کو شادابی کوہسار و دشت و دمن کو خوشتابی اور بطن خاک کو آب گوہر عطا کرتا ہے تو ہی نظر نظر کو لاکھوں چراغ، نفس نفس کو کہیں سخن کہیں نغمہ، تو ہی خاموش فضاؤں کو غیب و الہام، تو ہی ایک ایک ذرے کو اس کی تقدیر عطا کرتا ہے۔

میرے اللہ آفاق کی وسعتوں میں گم پر جمال مناظر میں تو، بیکراں دل و جاں صبح ازل شام ابد میں تو جولا گاہ خیر و شر کی جلتی بجھتی رتوں میں تو دبے دبے جوان جذبوں رکے رکے زیر لب پیغام میں تو میرے اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے شعور اور لا شعور کے رازوں سے بھی واقف ہے۔ میرے اللہ مجھ مسکین اور عاجز پر بھی اپنی نگاہ کر مجھے اپنی رحمت اپنے فضل سے نواز میری مدد فرما کہ میں غلامی کے طوق کو اتار کر آزادی کے دیئے روشن کرتے ہوئے ایک نئی زندگی کی ابتداء کر سکوں۔

اپنی دعا ختم کرنے کے بعد عبداللہ نے اپنی ڈھال اپنے سامنے زمین پر رکھ دی تھی۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ گلے میں لٹکتے ہوئے لوہے کے طوق پر جمائے ایک بار

اس نے اپنے اللہ کی تکبیر بلند کی پھر اس نے لوہے کے اس طوق پر زور لگایا جھٹکے کے ساتھ اس نے لوہے کے اس طوق کو وہاں سے توڑ دیا تھا جہاں اسے جوڑا گیا تھا۔ لوہے کے اس طوق کو توڑنے کے بعد عبداللہ نے اسے نفرت اور حقارت سے ایک طرف پھینک دیا تھا۔ اسی وقت طوفانی انداز میں ابدالی اٹھا بڑی تیزی سے وہ آگے بڑھا اور عبداللہ کو اپنے گلے لگاتے ہوئے ڈوبی آواز میں کہنے لگا۔ سن بیرم خاں کے بیٹے۔ آج سے تو میرا بیٹا ہے۔ میں تجھے میدان میں ہونے والے مقابلے میں کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ میں تمہیں لٹکتے ہوئے طوق کو اتار پھینکنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ سن بیرم خان کے بیٹے میں شاہ پسند کا لقب دیتا ہوں تمہیں امیر لشکر مقرر کرتا ہوں۔

احمد شاہ ابدالی کے بعد بڑے پرجوش انداز میں شاہ ولی خان، برخوردار خان خان پوپلزئی بھی اٹھ کر عبداللہ سے گلے ملے۔ اس کے بعد عبداللہ کا عم زاد آگے بڑھا پوری قوت سے وہ عبداللہ سے لپٹ گیا تھا۔ اس کی پیشانی، اس کی اس کے گال چومے کہنے لگا۔ میرے عزیز میں، میرے بھائی۔ میرے عم کی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جو میں ادا کر کے تیری اس کارگزاری پر تجھے مبارکباد سکوں۔

قاسم جب عبداللہ سے علیحدہ ہوا تو عبداللہ کو شائد کوئی خیال گزرا اور وہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ بھائی میرے خیمے میں کپڑے کی ایک گٹھری ہے وہ مجھے آباد کے اسکول کے ناظم حسام الدین نے دی تھی۔ اس میں شرط یہ تھی کہ اگر یہاں مقابلہ جیتوں تو گٹھری کھولی جائے ورنہ اسے جلا دیا جائے۔ وہ گٹھری مجھے لا قاسم عبداللہ سے کچھ کہے بغیر اس کے خیمے کی طرف چلا گیا تھا جبکہ اتنی دیر درویش عبیداللہ آگے بڑھا اور بری طرح اس نے عبداللہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

درویش عبیداللہ نے بھرپور انداز میں عبداللہ کی پیشانی چومی پھر وہ بڑی رازدار کے ساتھ عبداللہ کو مسکراہٹ بھری آواز میں کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بیٹے تو

برسوں سے سینے میں چھپے جوانی کے طوفانوں کو انگ انگ کی جوت اور دل میں طغیانی کے ولولے کو کیا خوب جوانی کا روپ بنا کر نکالا ہے۔ میرے بیٹے۔ مقابلے کے اس میدان میں تو نے دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی کے ساتھ وہ کھیل کھیلا ہے جس طرح کوئی بنجارہ گونجتے غاروں کے آبشاروں میں وحشتوں کے رقص کا کھیل کھیلتا ہے۔ تو نے بیکراں سوچوں کے لمحوں کی طرح صف بہ صف ان دونوں کو اپنی فتمندی کی وادیوں کی طرف دھکیلا ہے۔

احمد شاہ ابدالی کے سامنے اس کھلے میدان میں جہاں تو نے دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی کی بے جہت زندگی کی پرجوش روحوں کے قافلوں میں فرقتوں کے اندھیرے، ٹوٹے ستاروں کے غبار اور درد کے لمحوں کے آبشار بکھیرے ہیں وہاں تو نے اپنی نگار زیست میں نظر کا فسوں، قربتوں کا نشہ اور وقت کی شدید مانگ میں نقش ماورا کے نوائے راز کرب آفرینش کی صدا اور وجدان کے گم گشتہ گوہر بھر لئے ہیں۔

میرے بیٹے اس میدان میں دلاور خان اوز زال بیگ پوپلزئی دونوں استاد شاگرد سے مقابلہ جیت کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ نادر آباد کی چھ سالہ تربیت کو تم نے رائیگاں نہیں جانے دیا اور یہ کہ اس مکتب سے دنیاوی اور دینی طور پر تم کندن ہو کر نکلے ہو۔ میری تمہارے حق میں دعا ہے کہ خداوند قدوس تمہیں زندگی کے ہر مرحلے میں کامیابیاں اور فوزمندی عطا کرے۔

عبداللہ جب درویش عبیداللہ سے علیحدہ ہوا تو احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ بیرم خان کے بیٹے اپنے دل میں جو بھی امیدیں اور خواہشیں میں تمہارے لئے رکھتا تھا قسم خداوند کی تم نے وہ امیدیں اور خواہشیں کماحقہ پوری کر دی ہیں۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے وزیر شاہ ولی خان کی طرف پلٹا اور اسے کہنے لگا۔

شاہ ولی خان منادوں کے ذریعے ابھی پورے لشکر کے اندر اعلان کر دو کہ عبداللہ کو شاہ پسند کا لقب دیا جاتا ہے اور آج کے بعد اسے عبداللہ کے بجائے شاہ پسند ہی

کے نام سے پکارا جائے۔ دوئم یہ کہ اسے امیر لشکر مقرر کیا جاتا ہے۔ اس
منادی کراؤ۔ شاہ ولی خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا شاید وہ یہ حکم مناد کو دینے
لئے چلا گیا تھا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے قریب بیٹھی ہوئی کامنی کی
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

بیرم خان کے بیٹے اس لڑکی کی طرف دیکھو۔ یہ بھرت پور کے راجہ سورج
راجکماری ہے۔ اس کا نام کامنی ہے۔ تمہیں یاد ہو گا کہ دو برس پیچھے جس وقت
لشکر کے ساتھ میں لاہور کے نواح میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا تم رات کی تاریکی میں
ولی خان کے خیمے میں داخل ہوئے تھے اور اس کی جگہ تم نے محمود بوٹی اور شالا
باغ کے درمیان کھلے میدانوں میں سورج مل کے لشکر پر شب خون مارا تھا۔ بظاہر
نے سورج مل کے راجکمار کو گرفتار کیا تھا اسے شاہ ولی خان کے خیمے میں ڈال کر
گئے تھے پر وہ سورج مل کا راجکمار نہیں بلکہ یہی کامنی نام کی راجکماری تھی جسے تم
گرفتار کیا تھا اور یہی اپنے لشکر کی کمانداری کر رہی تھی۔

احمد شاہ ابدالی کے اس انکشاف پر عبداللہ حیرت زدہ سا رہ گیا تھا۔ وہ کچھ پوچھ
ہی لگا تھا کہ احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ بیرم خان کے بیٹے۔ یہ لڑکی گزشتہ
دو سال سے میرے لشکر میں تمہاری آمد کی منتظر تھی۔ جب یہ گرفتار ہو کر آئی تھی تو
دوسرے دن اسے میرے سامنے پیش کیا گیا تو میں نے اسے معاف کر دیا اور اسے
اپنے باپ سورج مل کے پاس واپس جانے کی اجازت دیدی تھی لیکن اس نے جانے
سے انکار کر دیا اس کا کہنا تھا کہ میں اس جوان کو دیکھوں گی جس نے مجھے گرفتار کیا
ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ وہ نادر آباد میں زیر تربیت ہے اور وہ دو سال بعد لوٹے گا
اس کا کہنا تھا کہ میں دو سال تو کیا اسے دیکھنے کے لئے زندگی بھر انتظار کر سکتی ہوں
سنو شاہ پسند یہ لڑکی واپس نہیں جائے گی۔ تمہارے مقابلہ جیتنے کے بعد اس لڑکی کو
تمہارے حوالے کیا جاتا ہے۔ چاہے اس سے شادی کر کے بیوی بنا کر اسے اپنے پاس
رکھ لو چاہے لونڈی بنا کر اپنی خدمت کے لئے رکھ لو یہ تمہاری مرضی، تمہارے فیصلے

پر مبنی ہے۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے قریب ہی بیٹھے اپنے بیٹے تیمور کو کوئی
مخصوص اشارہ کیا۔ جس کے جواب میں تیمور اٹھا اور بڑی تیزی سے احمد شاہ ابدالی
کے خیمے کی طرف چلا گیا تھا۔ اتنی دیر تک عبداللہ کا عم زاد بھائی قاسم بھی اس کے
خیمے سے حسام الدین کی دی ہوئی سفید رنگ کی گٹھری اٹھا لایا اور پھر اس نے وہ گٹھری
عبداللہ کو تھما دی اس پر احمد شاہ ابدالی بولا اور پوچھنے لگا۔ شاہ پسند یہ گٹھری کیسی ہے۔
جواب میں عبداللہ کہنے لگا۔ پاشا جب میں نادر آباد کے مکتب سے اپنی تعلیم مکمل
کرنے کے رخصت ہوا تھا تو وہاں کے ناظم اعلیٰ نے مجھے یہ گٹھری "تحفتاً" دی تھی اور
حکم دیا تھا کہ اگر احمد شاہ ابدالی کے پاس جا کر تم مقابلہ جیت جاؤ تو اس گٹھری کو کھولنا
اور اگر تم یہ مقابلہ نہ جیت سکو تو اس گٹھری کو مت کھولنا بلکہ اسے آگ لگا کر جلا
دینا۔ پاشا اب جبکہ میں یہ مقابلہ جیت چکا ہوں تو یہ گٹھری کھولنے کا میں حق رکھتا ہوں
اس پر احمد شاہ ابدالی مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ پسند تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس گٹھری کو کھولو۔ میں بھی دیکھوں اس گٹھری میں کیا
ہے اور اس گٹھری کے بعد اپنے گلے میں لٹکتے ہوئے تعویذ کو بھی کھولو تاکہ میں جانوں
کہ تمہارے ماں باپ کے قاتل کون تھے۔ وہ کون دراز دست انسان تھے جنھوں نے
تمہیں دربدری پر مجبور کیا۔

گلے میں لٹکتے ہوئے تعویذ اور ماں باپ کی موت کا خیال آتے ہی احمد شاہ ابدالی
کے سامنے کھڑے عبداللہ بے چارے کی حالت سوچتے ذہن کی لہروں، درد کی دھند،
پگھلتے نیلم میں قطرہ قطرہ گھلتے زہر، نور کے جال بنتی کرنوں میں دکھ کے شگوفوں اور شجر
یاقوت میں بریدہ شاخوں جیسی ہو کر رہ گئی تھی۔

لگتا تھا پرانی یادوں کے جگنو، عبداللہ کے لئے سرابوں کے فاصلوں میں دل منتظر
کی آشفتگی اور غم زندگی بن کر جل اٹھے ہوں۔ اس لمحہ اس کے چہرے پر درد کی
کسک، مجروح معصومیت، روحانی کرب، اس کی آنکھوں میں شوریدہ سر خواہشیں، تلاطم

خیز ولولے روز و شب کی گریزپا یادیں اور زنگ آلود تیور جوش مارنے لگے تھے۔ تا
عبداللہ نے جب دیکھا کہ کتنے ہی لوگوں کی نگاہیں اس پر جمی ہوئی ہیں تو اس نے اپ
آپ کو سنبھالا اور اس گٹھری کو کھولنے لگا تھا جو نادر آباد سے رخصت ہوتے وق
حسام الدین نے اسے "تحفتاً" دی تھی۔

عبداللہ نے جب وہ گٹھری کھولی تو اس نے دیکھا کہ گٹھری کے اندر اس کے لئ
بہترین عمدہ قسم کا ترکی طرز کا لباس تھا وہ لباس سفید رنگ کے قیمتی کتان کا بنا ہوا تھا
اور اس کے اوپر پہننے کے لئے سفید ہی رنگ کی عبا بھی تھی۔ سر پر پہننے کے لئے گرم
ٹوپی تھی جس پر سامنے سرخاب کے پروں کی کلغی بھی لگی ہوئی تھی۔ تھوڑی دیر تک
عبداللہ بڑے خوش آیند خیالات کے تحت اس لباس کو دیکھتا رہا اور مسکراتا رہا۔ لباس
کے نیچے دو اور چیزیں بھی نمودار ہوئیں۔ جوتوں کا نیا جوڑا تھا اور ایک خنجر دونوں
جوتوں کے درمیان تھا جس کا میان بڑا خوبصورت تھا جس کا دستہ ہاتھی دانت کا بنا ہوا
تھا۔

عبداللہ نے میان سے خنجر نکال کر دیکھا وہ ایک چوڑے پھل کا بھاری اور وزنی
خنجر تھا اور ایسی خوبصورتی سے صیقل کیا ہوا تھا کہ اس کے اندر سے انسان کو اپنا چہرہ
تک صاف دکھائی دیتا تھا۔

اب عبداللہ کی نگاہ ایک اور چیز پر پڑی وہ ایک تہہ کیا ہوا کاغذ تھا جو گرم ٹوپی
کے اندر تھا۔ عبداللہ نے وہ کاغذ لیا اس کی تہیں کھولیں اس نے دیکھا وہ اس کے نام
نادر آباد کے مکتب کے ناظم اعلیٰ حسام الدین کا خط تھا۔ خط میں لکھا تھا۔

"عبداللہ میرے بیٹے جس وقت تم میرا یہ خط پڑھ رہے ہو گے اس وقت تم
میرے خیال میں شاہ پسند کا لقب حاصل کر چکے ہو گے۔ اس لئے کہ میری تمہارے
ساتھ شرط تھی کہ تم جب مقابلہ جیتو تو اس گٹھری کو کھولنا ورنہ آگ لگا دینا۔ بیٹے میں
تمہیں مقابلہ جیتنے اور شاہ پسند کا خطاب ملنے پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔
سن بیرم خاں کے بیٹے اب تو ایک نئی زندگی کی ابتداء کر رہا ہے۔ تیرا بچپن تجھ

ے جدا ہو کر کوچ کر چکا ہے اب تو بالغ ہو کر جوانی کی حدود میں داخل ہو چکا ہے دیکھ
ے تو جوان توانا اور طاقتور اور فنون حرب اور ضرب میں بے مثال ہے۔

بیرم خان کے بیٹے میں جانتا ہوں تو نے اپنے بچپن میں بڑے مظالم اور اذیتیں
ائی ہیں۔ مجھے امید ہے کہ اب تک تو گلے کا طوق توڑ چکا ہو گا۔ اب تو غلامی سے
ادی میں داخل ہو چکا ہو گا۔ بچپن کی اذیتوں اور تکلیفوں کو فراموش کر دینا میرے
۔ اب جو کوئی بھی تیرے جسم میں تیری سلگتی روح کے لئے نظر نظر سراب کھڑے
ے جو کوئی تیری روح احساس پر موسموں کی سختی کے نقوش کندہ کرے جو کوئی
لی کی گراں بار مسافتوں میں تیرے لئے بلائے سموم اور صرصر ثابت ہو اور جو کوئی
ے کشکول ساعت میں سسکیوں آہوں اور چیخوں کا حشر برپا کرے۔ بیرم خان کے
یٹے تو اس کے لئے عناد بھری قیامت کی رات اذیتوں اور ظلم کی خاموش ڈستی مٹی'
راق و الم کی ہوا' رگوں میں زہر گھولنے والا جبر و تمرد اور آنکھوں میں اتر جانے والا
ذیر کی شاخوں کا کانٹا بن جانا۔

بیرم خان کے بیٹے اب آنے والے دور میں جو کوئی بھی تیرے لئے۔ ایستادہ
داقتوں کے امیں' دائے شب کے چمکتے ستارے' لوح قرطاس پر جگمگاتے حروف کے
ونت پاسبان اسیر ہاتھوں کی رہائی کے گیت اور آنکھوں کی روزن سے چاہتوں کی
بیت کے سپنے اور نذرانے پیش کرنے والے ہوں ان کے لئے تو بھی محبت کا سہانا
م' امیدوں کی گلابی صبح' قربتوں کے گلاب کی خوشبو' ہنستی گاتی گل پریاں' اڑاتی
ل کی شادابی' رفاقت کے نشے اور گونجتے شیریں نغموں جیسا دل آویز ثابت ہونا۔

بیرم خان کے بیٹے تم اپنی زندگی کے نئے وقت کی ابتداء کر رہے ہو۔ اس کائنات
ا وقت زمین کے لئے نقش گر شب و روز بھی ہے' تبسم فروش' وقت صورت گر
ا ہے' وقت منزل کا نشاں' وقت دہر کی رسم قیود سے آزاد ایک طائر بھی ہے' وقت
ے دوام وقت شباب کا چمکتا ساغر بھی ہے۔ وقت سے کدوں میں سرشار مستی' وقت
رے لمحوں کے پیمانوں میں داغ عصیاں اور وقت حسن کے طوفانوں میں ایک گوہر

تجدید بھی ہے۔

بیرم خان کے بیٹے۔میری دلی دعا ہے کہ آنے والے وقت، آنے والے لا
متوقع زمانے میں تم اپنے اور اپنے لواحقین کے لئے امیدوں کی شبنم، اپنی خواہشا
گلاب رت، وصال وعدوں کی بات کو اپنی امیدوں کی سیجوں کا قصیدہ، تشنگی کے
سمندر کو اپنے لئے مقدس نقوش، شفق کی بے خواب وادیوں کو اپنے وجدان کا
اور بے کراں سوچوں کے لمحوں کو اپنے نغموں کا گوہر بنا کر رکھو گے۔

سنو بیرم خان کے بیٹے۔اپنی زندگی کی آخری سانس تک احمد شاہ ابدالی کے
پرخلوص اور فرمانبردار بن کر رہنا۔ تم فلاکت زدہ لمحوں کے خالی کشکول تھے۔احم
ابدالی نے تجھے صدف، صدف کو گوہر بنا دیا، تم نخل خشک کی مردہ چڑ تھے، اس نے تم
ڈالیوں پر مہکتا شگوفہ بنا کر رکھ دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے تمہارے لہجے کی تھکن کو
راحیل، تمہارے شب کے اندھیروں کی یورش کو شعلوں کی طرح سلگتے دامن، صبح
روشنی، عقیدتوں کی چمک میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔

احمد شاہ ابدالی کے لئے ہمیشہ ایک ایسا جذبہ بن کر رہنا جو روح بنکر رگ و پے
میں دوڑ جائے۔ اس کے لئے قدم قدم زندگی کے خلوص کی معراج بن کے رہنا۔ اس
کے دشمنوں کے مقابلے میں لہو لہو دست و در میں دلاور قضا، بہار وفا بن کر زندگی بسر
کرنا۔

خون سے لالہ کاری کرتی اس کے دشمن کی یلغار میں تم اس کے دشمنوں کے لئے
اضطراب اور بے تاب کر دینے والا روں کا نغمہ ثابت ہونا، دیکھ بیرم خان کے بیٹے
احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ہی تمہاری عزت تمہارا وقار ہے اس لئے کہ وہی تمہیں
سے گوہر، ذرے سے صحرا بنانے والا ہے۔ دیکھ بیرم خان کے بیٹے قطرے سے
قطرے کی جدائی ہو جائے تو موج رہتی ہے نہ صدف، دریا رہتا ہے نہ گہر، ہر چیز
اور فنا ہو جاتی ہے۔ تمہاری بقا اور تمہاری کامیابی بھی اسی وقت تک ہے جب تک
احمد شاہ ابدالی کے ساتھ اپنے پورے خلوص کے ساتھ رہتے ہو۔

ن عبداللہ احمد شاہ ابدالی کے ساتھ ناز انکساری کے جوہر اور تعمیر کا جذبہ بن کے
رہنا اس لئے کہ احمد شاہ ہی وہ شخص ہے جس نے تمہیں پستی سے اٹھا کر بلندی کی
طرف پہنچایا۔ احمد شاہ ہی وہ ہستی ہے جس نے تمہیں کابل کے نواحی کوہستانوں میں
بھیڑیں چرانے والے ایک چرواہے سے ایک لاجواب تیغ زن بنا ڈالا ہے۔

دیکھ بیرم خان کے بیٹے! اگر زندگی میں کبھی تم ایسے دوراہے پر آن کھڑے ہو
ہاں تمہارے لئے کوئی فیصلہ کرنا انتہائی مشکل اور دشوار ہو تو پھر سرمایہ داری کے
قار مفلسوں کی بے زری کو ترجیح دینا۔ حرف و قلم کی قدغن پر اندھے بگولوں اور
جالوں کے لہو پر چمکتے نجوم کو ترجیح دے دینا۔ حرف و قلم کی قدغن پر اندھے بگولوں
در اجالوں کے لہو پر چمکتے نجوم کو ترجیح دینا۔ بیرم خان کے بیٹے اگر حالات تمہارے
شمن، تمہارے لئے جاں لیوا بن کر کبھی تمہارے سامنے آن کھڑے ہوں تو مجھے آواز
ینا۔ تمہاری حفاظت اور تمہاری بقا کے لئے میں اور میرا بھائی مجیرالدین اپنے جسم کے
خون کا آخری قطرہ بھی نچھاور کر سکتے ہیں۔ لشکر میں شامل ہونے کے بعد اگر کبھی
ہارا آنا نادر آباد کی طرف ہو تو مجھ عاجز اور مسکین سے ملاقات ضرور کرنا۔ میں جانتا
وں کہ نادر آباد کے مکتب میں تم زال بیگ پوپلزئی کے ہاتھوں چھ سال تک لگاتار
رتے ہوئے اپنی ٹانگ پر خود داغ لگواتے رہے ہو۔ آنے والے دور میں کبھی کوئی
ی حماقت مت کرنا۔"

حسام الدین کا خط پڑھنے کے بعد عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے تھے۔
وڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر خط کو چومتے ہوئے بڑی رقت بڑی ارادت مندی
ے کہنے لگا۔ حسام الدین میرے محترم، زندگی میں تم میرے لئے خضر راہ، سامریوں کی
فار میں عصائے کلیم، شاخساروں سے ابھرتے نوحوں میں ناموس و تمکنت اور غم
دار لمحوں میں ہمراز اور ہم آشنا ہو میں سر کے بل بھی چل کر تم سے ملنے ضرور نادر
باد آؤں گا۔

حسام الدین کا خط پڑھنے کے بعد عبداللہ کی جو حالت ہوئی تھی اس نے احمد شاہ

ابدالی کو ایک طرح سے بے چین کر دیا۔ اس کے اشارے پر برخوردار خان نے اٹھ
عبداللہ سے خط لیا اور احمد شاہ کو تھما دیا۔ احمد شاہ نے خط پڑھا اس کے ساتھ سا
شاہ ولی خان اور برخوردار خان بھی خط کو پڑھ رہے تھے اور پشت پر کھڑا دراز
عبیداللہ بھی خط کے حروف پر نگاہیں جمائے ہوئے تھا۔ جب وہ خط پڑھ چکے تب ا
شاہ ابدالی نے برخوردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ یہ ذرا دلاور خان اور زال بیگ
پوپلزئی کو تو میرے سامنے لاؤ۔

برخوردار اٹھ کھڑا ہوا اور تھوڑی دیر بعد دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی دونوں
کو احمد شاہ ابدالی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ احمد شاہ نے حسام الدین کا خط دلاور خان کو
تھماتے ہوئے کہا اسے پڑھو۔ دلاور خان نے خط لیا اور پڑھنے لگا۔ جب وہ پڑھ چکا تو
خط اس سے احمد شاہ نے لیکر عبداللہ کو تھما دیا پھر احمد شاہ ابدالی کسی قدر خفگی ناراضگی
اور درشتگی میں بولا اور اپنے سامنے کھڑے دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی دونوں کو
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تم دونوں کیا سمجھتے تھے کہ تم دونوں نادر آباد میں مکتب کی تعلیم کے دوران
عبداللہ کو ہرا کر اس کی پنڈلیوں کو داغتے رہے ہو۔ اس خط کو پڑھو یہ خود حالات کا جلا
ہوا تھا اور خود ہی جلتا رہا اس میں تمہارا اسے ہرانے کا کوئی فن شامل نہیں ہے۔ جاؤ
جا کر آرام کرو اس کے ساتھ ہی دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی چلے گئے۔ اس کے
بعد احمد شاہ ابدالی نے عبداللہ کو اپنے پاس بٹھایا اور بڑی شفقت اور بڑی محبت میں
اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو شاہ پسند۔ اس حسام الدین کے خط نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے۔ اس کے
خط کے الفاظ میں خلوص ہے' جاں نثاری ہے' ایمانداری اور وفاداری پنہاں ہے۔ جب
کبھی بھی تم اس شخص کی طرف جاؤ مجھے بتا کر جانا میں اس کے التفات کا حق ضرور ادا
کروں گا۔

احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر خاموش رہا کچھ سوچا پھر دوبارہ عبداللہ کو مخاطب کر کے

لگا سنو شاہ پسند میرے بیٹے دلاور خان اور پوپلزئی دونوں کو ایک ساتھ شکست
کے بعد تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تم نے نادر آباد میں اپنی حربی اور دینی تعلیم
کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی یہ مقابلہ جیت کر شاہ پسند میرے بیٹے تم نے بھرت پور کے
سورج مل کی راجکماری کامنی کو جیت لیا ہے۔ اب اس کے متعلق تمہارا کیا
ہے احمد شاہ ابدالی کے ان الفاظ کے بعد عبداللہ نے پہلی بار نگاہ بھر کے کامنی کی
دیکھا جو اس وقت اس کے قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ عبداللہ نے دیکھا۔
حسین اور پر جمال کامنی اس سے بے وا تمکین کے چشمے' پکھراج وادیوں کی طرح
ش کندن' بیابان وقت کے لعل و مرجان جیسی چپ' نیلم فلک زمرد زمین کی طرح
بیٹھی ہوئی تھی۔

اس کا شاداب چہرہ دہکتے رنگین رخسار اسے تمناؤں کے سراب میں لرزاں
مغموم آنکھوں کی آغوش میں وقت کی خوشبو' چاندنی راتوں میں مسکراتا گلاب
ہوئے تھی جبکہ اس کی چشم نظر کی مخمور وارفتگی لمحوں کے غبار میں اسے بزم
زراں' شمع لالہ زاراں' ایک حرف آشنائی' ایک لطیف دلربائی اور دکھ کی پاتال
ے نرم سبزے پر مہکتا خون رنگ گلاب بنائے ہوئے تھی۔
اس موقع پر کامنی نے بھی تھوڑی دیر کے لئے نگاہ بھر کر عبداللہ کی طرف دیکھا
اس کے لبوں پر غیر محسوس سی ہلکی دلفریب مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر اس کی نشہ
آنکھیں آپ سے آپ جھک گئی تھیں۔ اس موقع پر احمد شاہ بولا اور عبداللہ کو
ب کر کے کہنے لگا شاہ پسند بیٹے میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے میری بات کا جواب
ں کے بعد میں نے تمہارے گلے میں لٹکتے ہوئے اس تعویذ کا بھی فیصلہ کرنا ہے۔
پر عبداللہ تعویذ کا ذکر آتے ہی چونک سا پڑا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے
لگا۔

بادشاہ اس لڑکی سے متعلق میں کیا فیصلہ کر سکتا ہوں میں نے تو لاہور کے نواح میں
بوئی اور شالامار باغ کے درمیان کھلے میدانوں میں اسے سورج مل کا راجکمار

سمجھ کر اس پر شب خون مارا تھا اگر مجھے خبر ہوتی کہ یہ راجکمار نہیں راجکماری ہے میں اس کے ساتھ سختی سے پیش نہ آتا میں اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے شاہ خان کے خیمے میں نہ پھینک جاتا۔ پاشا میں اس لڑکی سے اپنے نا مناسب رویے کے لئے معذرت خواہ ہوں کاش اس سورج مل کا کوئی راجکمار کوئی بیٹا ہوتا تو وہ جنگ میں ہمارا سامنا اور مقابلہ کرتا پاشا اس لڑکی نے ان دنوں کہاں قیام کیا ہوا ہے اس پر ا شاہ بولا اور کہنے لگا۔

اس کامنی نے گزشتہ دو سال سے لشکر کے قاضی ادریس کے ہاں قیام کر ر ہے۔ وہ اسے دینی تعلیم سے بھی آراستہ کر رہے ہیں۔ اس لڑکی کی خواہش تھی کہ اس نوجوان کو دیکھنا چاہتی ہے جس نے اس کے لشکر کا خاتمہ کیا اور اسے گرفتار کیا بس یہ گزشتہ دو سال سے میرے لشکر میں شامل ہے۔ تمہارے آنے کی منتظر ہے جس وقت یہ لڑکی میرے لشکر میں شامل ہوئی تھی اس وقت میں نے اپنی یہ شرط رکھ دی تھی کہ شاہ پسند کا لقب حاصل کرنے کے لئے جب مقابلے ہوں گے تو مقابلہ جیتے گا اس لڑکی کو اس کے حوالے کر دیا جائے گا اور میری اس شرط کو ا کامنی نے اس سے منظور بھی کر لیا تھا۔

سنو شاہ پسند خان میرے بیٹے اب جبکہ تم مقابلہ جیت کر شاہ پسند کا لقب حاصل کر چکے ہو اور امیر لشکر بھی بن چکے ہو اب کامنی نام کی یہ لڑکی تمہارے حوالے کی جاتی ہے۔ چاہے اس سے شادی کر کے اسے اپنی بیوی بنا کر اپنے ساتھ رکھ لو چاہے لونڈی کی حیثیت سے اسے اپنے ہاں رکھو بہرحال تم پوری طرح اس لڑکی کے لیے میں فیصلہ کرنے کے مجاز ہو اس پر عبداللہ بولا اور اپنا فیصلہ دیتے ہوئے کہنے لگا۔

پاشا اس لڑکی کو ابھی لشکر کے قاضی ادریس ہی کے ہاں رہنے دیجئے آپ دیکھ ہیں کہ یہ لڑکی نو عمر ہے اسے ابھی تربیت کی ضرورت ہے۔ یہ قاضی ادریس کے ہاں بہترین تربیت حاصل کر سکتی ہے۔ پھر میں اس کی کچھ ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا عبداللہ کا یہ جواب سن کر کامنی نے فکر مندی میں چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا ا

موقع پر شاید وہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ اس سے پہلے ہی احمد شاہ ابدالی بول پڑا تھا اور درویش عبیداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

درویش عبیداللہ شاہ پسند کے گلے میں لٹکتا ہوں یہ لوہے کا تعویذ کھولو اس کے اندر جو اس کے ماں باپ کے قاتلوں کے نام لکھے ہیں میں وہ جاننا چاہتا ہوں درویش عبیداللہ فوراً حرکت میں آیا۔ عبداللہ کے گلے سے اس نے لوہے میں منڈھا ہوا تعویذ اتارا اپنے خنجر کی نوک سے اسے کھولا اس کے اندر تہہ کیا ہوا ایک کاغذ اس نے نکالا پھر وہ کاغذ اس نے احمد شاہ ابدالی کو تھما دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے بڑی بے چینی، بڑی بے تابی سے وہ کاغذ لیا پھر وہ بلند آواز میں پڑھنے لگا۔

"میرے پوتے عبداللہ کے ماں باپ کے قاتل ہندوستان کے مغل حکومت کی طرف سے کابل کا گورنر ناصر خان اور ایران کے حکمران نادر شاہ کی طرف سے ہرات کا گورنر امیر خان ہیں۔ عبداللہ جب بالغ اور جوان ہو تو اس پر فرض بنتا ہے کہ اپنے ماں باپ کے قاتلوں سے انتقام لے۔"

یہ تحریر سننے کے بعد غصے اور غضبناکی میں عبداللہ کا چہرہ بھٹی کی طرح سرخ ہو گیا تھا۔ بڑی تیزی سے وہ اپنا ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر لے گیا اور کھولتے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

میں ان دونوں قاتلوں کو معاف نہیں کروں گا۔ چاہے یہ زمین کے پاتال ہی میں کیوں نہ اتر جائیں۔ میں نگر نگر سرگرداں بنجارے، گلیوں گلیوں اڑتے پتوں، ان گنت آسمانوں پر داغے ہوئے چاند، مٹی کی ہتھیلی پر کراہتے سمندر، وقت کے ایک تہور، آنکھیں مانگتی تاریکی کی طرح ان کا تعاقب کروں گا اور قسم مجھے اس مولائے جمال کی، یزدان جس کا جلال ہے جس نے آدمی کی خاک میں پیغمبری جاری کی جو صورت گر لوح و قلم ہے اور جس نے انسانی تمدن کی اساس لوح قلم پر رکھی میں وقت کی سلاخوں میں چتا کی دھوئیں، موت کے کنویں، دکھ کی چادر، شام کے لباس لامحدود کرب اور بے نت انتوں کی طرح ان پر چھا جاؤں گا۔ ان کے لہو میں زنگ کی دھار اتاروں گا ان

کے فیصلوں کو فاصلوں سے ناپوں گا زہریلے دھاگوں سے ان کا کفن بنوں گا او
قبروں کے چراغوں سے ہاتھ تاپوں گا۔

عنقریب میں ان لوگوں کے خلاف حرکت میں آؤں گا اور انہیں بتاؤں گا
خان کا بیٹا اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ جر
انہوں نے میرے ماں باپ کو بے بسی اور لاچارگی کی حالت میں مارا اسی طرح
ان کی جانوں سے ان کی روحوں کو جدا کر دوں گا۔"

اس موقع پر احمد شاہ ابدالی نے اپنے قریب ہی بیٹھے اپنے بیٹے تیمور کے کا
کچھ سرگوشی کی جس کے جواب میں تیمور اٹھ کر اپنے باپ کے خیمے کی طرف
تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹا اس کے ہاتھ میں ایک خاصی بڑی چرمی خرجین
خرجین تیمور سے احمد شاہ نے لے لی پھر وہ خرجین عبداللہ کی گود میں رکھتے ہوئے
شاہ ابدالی کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے میں نے تمہارے لئے اپنی پسند کے چند عمدہ لباس
رکھے ہوئے ہیں۔ اب تم یہ ٹاٹ کا لباس پہننا ترک کر دو اور اچھا اور باوقار
پہنو اس لئے کہ اب تم صرف شاہ پسند نہیں بلکہ امیر لشکر بھی ہو میرے بیٹے
کے مکتب کے ناظم حسام الدین نے تم پر بڑی محنت اور شفقت کی ہے۔ جاؤ اپنے
میں جاؤ اور جو لباس حسام الدین نے تمہیں بھیجا ہے وہ پہن کر میرے پاس آؤ
دیکھوں ٹاٹ کے لباس کے بعد کتان کے لباس میں شاہ پسند کیسا لگتا ہے۔ عبداللہ
چپ چاپ حسام الدین کی دی ہوئی گٹھری اٹھائی اور وہ اپنے خیمے کی طرف چلا گیا

○

ٹاٹ کا لباس اتارنے کے بعد عبداللہ نے حسام الدین کا دیا ہوا سفید لباس
اس کے اوپر سفید عبا پہنی سر پر سفید رنگ کی ٹوپی پہنی جس کے اندر سرخاب
خوبصورت پروں کی قلغی لگی ہوئی تھی۔ جب وہ لباس پہن چکا تو تو ایسا لگ رہا تھا
کوئی ارمنی شہزادہ اچانک کوہستانی سلسلوں سے نکل کر وادیوں کی گلرزی میں آ

ہوا۔ لباس پہننے کے بعد عبداللہ نے اپنے سراپا کا ایک جائزہ لیا پھر جوں ہی وہ اپنے خیمے سے نکلا اس نے دیکھا اس کے خیمے کے دروازے کے ایک طرف اس کا چچا زاد بھائی قاسم خان اس کی بیوی ارزون اور ان کے ساتھ درویش عبیداللہ کھڑا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی عبداللہ بڑی عاجزی اور انکساری میں کہنے لگا۔

آپ تینوں یوں میرے خیمے کے دروازے پر کیوں کھڑے ہو گئے ہیں۔ آپ لوگ کھنکار کر کے اندر آ جاتے میں تو لباس تبدیل کر چکا ہوں۔ اس پر قاسم بولا اور کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے جان سے عزیز بھائی یہ تمہاری بہن اور میری بیوی ارزون ہے۔ عبداللہ نے بڑے پیارے انداز میں ارزون کو سلام کہا۔ ارزون نے گہری مسکراہٹ اور شفقت میں اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر ارزون ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگی۔ میرے عزیز بھائی میں تجھے دلاور خان اور زال بیگ دونوں کے مقابلے میں تمہاری فتح مندی اور تمہاری کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ میرے پیارے بھائی مقابلے کے اس میدان کے گرد میرے ساتھ جس قدر عورتیں بیٹھی تھیں وہ تمہارے ساتھ میرے تعلق میرے رشتے پر رشک کر رہی تھیں کہ میں اس عبداللہ کی بھاوج ہوں جسے احمد شاہ نے شاہ پسند کا لقب دیا ہے اور جسے احمد شاہ نے امیر لشکر مقرر کیا ہے۔ اس پر عبداللہ پھر سر کو خم کرتے ہوئے بڑی عاجزی میں کہنے لگا۔

ارزون میری بہن میں نے کچھ بھی نہیں کیا۔ یہ سب میرے اللہ میرے خداوند کی عنایت ہے۔ وہی اپنے بندے کو پستی سے اٹھا کر اوج ثریا تک پہنچانے والا ہے۔ وہی جسے چاہے عزت دے جس کے نصیب میں چاہے ذلتوں کے ڈھیر ڈالدے۔ درویش عبیداللہ خاموش کھڑا بڑی توجہ اور بڑے انہماک سے عبداللہ کی گفتگو سن رہا تھا۔ جب عبداللہ خاموش ہوا تو درویش عبیداللہ بولا اور شفقت پدرانہ میں کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے اس وقت تم نے دلاور خاں اور زال بیگ پوپلزئی سے مقابلہ جیتا تھا اس وقت تم سے کہنے کے لئے میرے دل میں الفاظ کے طوفان اٹھ رہے تھے
لیکن احمد شاہ

بات نہ کر سکا۔ دیکھ شاہ پسند میں نے برسوں سے اپنے دل میں جو تمہاری ذات
توقعات اور امیدیں وابستہ کر رکھی تھیں۔ قسم خداوند کی تم ان امیدوں سے
آگے ان آرزوؤں سے کہیں بڑھ کر ثابت ہوئے ہو۔

تم نے مقابلے کے میدان میں دور دور جلوہ گری کا سا ایک سماں باندھ کر ر
میں خوش ہوں کہ جوان ہونے کے بعد تم اپنی ذات کی خاموشیوں میں کیا خوب
اور طغیانی اور گرداب شورش بن کر نمودار ہوئے دیکھ بیرم خان کے بیٹے جھیل
سنگریزہ گرے تو ایک ہلچل مچ جاتی ہے پر بیٹے تو تو وہ بحر بے کراں ثابت ہوا جس
ساحل ہے نہ کنارہ اور جس کے اندر بڑے بڑے تلاطم اور اضطراب، موجوں کا
اور اٹھتے طوفان غرق ہو کر رہ جاتے ہیں۔ میرے بیٹے میرے فرزند تو نے ولاور
اور پوپلزئی کو ہرا کر زنگ آلود گراں قفل توڑ دیئے ہیں۔ تو نے دونوں کے لکھ
حرف، ضمیرو قلم اور جہد اور تمرو پر کیا خوب خاموشی کی مہر لگا کر رکھ دی ہے۔

بیرم خان کے بیٹے اب جب کہ تو اپنے بچپن کو پیچھے چھوڑ کر جوانی کے
میں جست لگا چکا ہے اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شاہ پسند اور امیر لشکر کی حیثیت
سے اپنی عملی زندگی کی ابتداء کر چکا ہے میں درویش عبیداللہ تیرے لئے دعا کرتا ہوں
کہ تو اپنے دشمنوں کے لئے دشت دشت بیباکی، پیہم سیل رواں، قطرہ قطرہ، طوفان
ورق ورق تحریر بے ثبات ثابت ہو اور اپنے پیاروں کے لئے تو کرن کرن خوشبو، مہ
مہک تجلی، سنائے سناٹے میں ویرانی ویرانی میں نجم روشن کی شعاع اور گمشدہ وقت
روشن اور شفق رنگ ساحل ثابت ہو۔ میرے بچے میری تمہارے لئے دعا ہے
آنے والے دور میں تو کامیابی اور کامرانی کا سورج بن کر طلوع ہو۔ تیرا مشرق تیرے
لئے ماہ مبین۔ تیرا غرب تیرے لئے ہمیشہ مہر منور بن کر سامنے آتا رہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد درویش عبیداللہ تھوڑی دیر رکا پھر وہ دوبارہ بولا اور کہنے
لگا۔ دیکھ شاہ پسند اب تو احمد شاہ ابدالی کی طرف جا۔ وہ بڑی بے چینی، بڑی بے
سے تیرا انتظار کر رہا ہے اب تک وہ تجھے ٹاٹ ہی کے لباس میں دیکھتا رہا ہے۔

خداوند کی حسام الدین کے دیئے ہوئے اس سفید براق لباس میں تو احمد شاہ ابدالی کے
پہلوں سے بھی زیادہ جاذب نظر اور رفعت پذیر دکھائی دے رہا ہے۔ دیکھ بیٹے اب تو
احمد شاہ ابدالی کی طرف جا۔ میں بھی اسی سمت جاتا ہوں۔ درویش عبیداللہ کہ کہنے پر
عبداللہ جب آگے بڑھنے لگا تو اس موقع پر ارزون پھر بولی اور کہنے لگی شاہ پسند میرے
بھائی شاید اس کے بعد تم احمد شاہ ابدالی کے ساتھ مصروف ہو جاؤ اور مجھے تم سے
گفتگو کرنے کا موقع نہ ملے۔ دیکھ میرے بھائی میری التجا ہے کہ آج شام کا کھانا تو ہم
دونوں کے ساتھ کھانا۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا ارزون میری بہن تو اس قدر عاجزی اور
انکساری سے کیوں گفتگو کرتی ہے۔ تو میری بڑی بہن ہے۔ بڑی بہن ماں کی جگہ ہوتی
ہے۔ تو مجھے حکم بھی دیکر کوئی کام مجھ سے لے سکتی ہے۔ ارزون عبداللہ کے اس
جواب پر خوش ہو گئی تھی۔ پھر عبداللہ احمد شاہ کی طرف چلا گیا تھا۔ درویش عبیداللہ
اور قاسم بھی اس کے پیچھے پیچھے اسی سمت جا رہے تھے۔ جبکہ ارزون دائیں طرف اس
طرف جا رہی تھی جہاں مقابلے کے میدان کے ایک طرف عورتوں کے بیٹھنے کا انتظام
اور انصرام کیا گیا تھا۔

عبداللہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے جب احمد شاہ ابدالی کے قریب آیا تو احمد شاہ
ابدالی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ پہلے اس نے عبداللہ کو گلے لگا کر اس کی پیشانی چوم
کر اسے پیار کیا پھر اپنے قریب بٹھاتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ شاہ پسند ٹاٹ کے لباس کے
بعد سفید لباس میں قسم خداوند کی تم قدیم دور کا کوئی مغل شہزادہ دکھائی دے رہے ہو۔
میری دعا ہے کہ جس طرح تو اس سفید لباس میں جاذب نظر دکھائی دے رہا ہے۔
ایسے ہی تو آنے والے دور میں بھی اپنی قسمت اور اپنے مقصد کا جاذب نظر بنکر نمودار
ہو۔ دیکھ بیٹے اب جبکہ تو غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر بہت آگے نکل چکا ہے اور اپنی
عملی زندگی کی ابتداء کر چکا ہے میری دعا ہے کہ تو اس میں کامیاب و کامران ہو۔ دیکھ
بیٹے اب تجھے پتہ چل گیا ہے کہ تیرے ماں باپ کے دشمن ہرات کا سابق امیر امیر
خان اور کابل کا سابق حکمران نصیر خان ہیں۔ جب بھی تو ان دونوں کے خلاف حرکت

میں آئے تو مجھ سے پوچھے بغیر مت نکلنا بیٹے۔ مجھے بتا کر ان دونوں پر وار
کوشش کرنا تاکہ میں تیری حفاظت کا بندوبست کروں۔ دیکھ بیٹے۔ اب تو میر
میرے بیٹے کی جگہ ہے لہٰذا تیری زندگی مجھے بڑی عزیز ہے اور ہاں آج شام کا
میرے ساتھ میرے خیمے میں کھائے گا۔ اس پر عبداللہ بڑی عاجزی اور انکسار
کہنے لگا۔

پاشا اگر آپ برا نہ مانیں تو آج شام کا کھانا مجھے اپنے بھائی قاسم خان کے
کھانے دیں۔ خیمے سے نکلتے وقت میری بہن ارزون ملی تھی اور اس نے مجھ
لیا تھا کہ میں آج شام کا کھانا اس کے ساتھ کھاؤں گا اور میں اسے وعدہ د
ہوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ برا نہیں مانیں گے۔ عبداللہ کی اس گفتگو پر قریب
ہوا ارزون کا باپ اور احمد شاہ ابدالی کا وزیر شاہ ولی خان دلپسند مسکراہٹ میں
کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کہنے لگا کوئی بات نہیں بیٹے۔ تم پرسوں میرے ساتھ کھانا
آج تم شام کا کھانا قاسم خان اور ارزون کے ساتھ کھاؤ۔ اس کے ساتھ احمد شاہ
نے لوگوں کو اپنے اپنے خیموں کی طرف جانے کا حکم دیدیا تھا جس کو سنتے ہی
لوگ مقابلے کے اس میدان سے نکل کر اپنے اپنے خیموں کو جا رہے تھے۔



رات بڑی تیزی سے بھیگتی اور گہری ہوتی چلی جا رہی تھی ایمن آباد کے
میں سردی میں ڈوبی تاریکیاں چاروں طرف پھیلنے بکھرنے لگی تھیں۔ پڑاؤ کے اند
دینے والے سپاہیوں نے اپنے آپ کو گرم رکھنے کے لئے لشکر گاہ کے چاروں ط
جگہ جگہ آگ کے الاؤ روشن کر دیئے تھے۔ گہری ہوتی رات اپنی آنکھوں کی
سجرے' خواب خوشبو سے بھرپور سانسوں میں تمناؤں کی شیشہ گری' گلابی چہر
کنواری خواہش لئے اپنے ندیمان شب کے لئے آرزوؤں کے چاند اور
وصال گھڑیاں چننے لگی تھیں۔ پڑاؤ کے اطراف میں جلتے ہوئے آگ کے الاؤ

ا تھا جیسے زمہریر فضاؤں میں چاروں سمت ہجرت کی اپسرائیں رقص کناں ہو گئی

عبداللہ اپنے عم زاد قاسم خان اور اس کی بیوی ارزون کے ساتھ شام کا کھانا
انے اور کافی دیر ان کے پاس بیٹھنے کے بعد اپنے خیمے میں لوٹ کر مٹی کی انگیٹھی
جلتی ہوئی آگ کے پاس تھوڑی دیر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے خیمے کا پردہ ہٹا کر بھرت
ر کے راجہ سورج مل کی راجکماری کامنی داخل ہوئی۔

خیمے میں داخل ہونے کے بعد کامنی چند قدم آگے بڑھی پھر رک گئی اور کھڑی ہو
بڑے غور سے عبداللہ کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ عبداللہ اسے اپنے خیمے میں دیکھتے
ے دنگ رہ گیا تھا۔ اس لمحے راجکماری کامنی سر سے لیکر پاؤں تک سفید لباس میں
س تھی اور وہ شب کی سیاہ سفاکی میں کوئی خوشبو کا ترانہ' سرائے گیتی کے خواب
ں دھیمی دھیمی سلگتی چاندنی' شعلہ زاروں میں برف پگھلنے کے نقوش میں بھولے
ے ماحول کی رعنائی اور گم گشتہ شب و روز میں خواب آور کیفیت جیسی حسین اور
سرار دکھائی دے رہی تھی۔

خیمے کے اندر جلتی مشعل کی روشنی میں عبداللہ نے غور سے راجکماری کامنی کی
ف دیکھا۔ سفید لباس میں اس کا شفق رنگ بدن شاخ و مرجان اور بلور بازو اسے
الوں کا زمزمہ' معصوم ہونٹوں پر زندگی سے بھرپور شہد کی گہری تہیں اور لالہ گوں
ڈنی جیسے رخساروں کا عکس اسے شوخی فطرت اور اس کا شنگرفی تبسم اور زندگی اور
ن فطرت کی متلاشی آنکھیں اسے سحر کا سیل اس کے گلوں کے رنگ' شگوفوں کی
ہ سامان جیسی پیشانی اسے بند کلیوں کا فشار اور صبح کے پھولوں کا رس' اس کی دراز
نبر زلفوں کا جال اسے نفس نفس موج' نظر نظر رقص اور اس کا شفق کی موجوں میں
ملا چہرہ اسے الماس اور گوہر اور بہار رگ و جاں بنائے ہوئے تھا۔

خیمے میں تھوڑی دیر تک گہری خاموشی اور سکوت طاری رہا۔ عبداللہ گہری
اہوں سے کامنی کا جائزہ لے رہا تھا جبکہ کامنی کی جھیل جیسی خوبصورت اور بڑی بڑی

آنکھیں بھی عبداللہ کے سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر کامنی بولی اور ر
نغمہ سیال، ساز کے آہنگ جیسی صداوف اور چنگ جلاجل، آواز و ساز جی
پیالوں کی کھنک صبو کی آواز، رقص دمادم جیسے لہجے میں کہنے لگی۔ شاید آپ
پہچانا نہیں۔ میں بھرت پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری کامنی ہوں۔
عبداللہ فوراً بولا اور کامنی کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔ تمہیں تعارف کی
ضرورت نہیں۔ میں تمہیں پہچان چکا ہوں۔ اس پر کامنی نے اپنے لبوں پر قیا
تبسم بکھیرتے ہوئے کہا۔ آج جس وقت آپ نے دلاور خان اور زال بیگ
دونوں سے بیک وقت مقابلہ جیتا اس وقت گو احمد شاہ ابدالی نے میرا تعارف آ
کرایا تھا لیکن آپ نے میری طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا نہیں تھا۔ آپ نے مجھے
پہچانا۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا میں نے تمہاری طرف دیکھا تھا لیکن اس وقت ا
اپنی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں لہٰذا تم میری طرف شائد دیکھ نہ سکی تھیں۔ کہو را
اس وقت تم میرے خیمے میں کیوں آئی ہو۔ کیا مجھ سے کوئی کام ہے اس پر کامنی
کھنکتے لہجے میں کہنے لگی۔

آپ فکر مند نہ ہوں۔ آپ جانتے ہیں میرا قیام لشکر کے قاضی ادریس کے
ہے اور میں انہیں بتا کر آئی ہوں کہ میں شاہ پسند کی طرف جا رہی ہوں۔ آپ
ہیں احمد شاہ ابدالی مجھے آپ کے حوالے کر چکا ہے اور وقت کے شانوں پر ناچتی
کے فیصلے مجھے آپ کے سپرد کر چکے ہیں۔ اب یہ فیصلہ آپ پر ہے کہ آپ مجھے
کا ساتھی بنا کر رکھیں یا لونڈی بنا کر۔ اپنے اس خیمے میں جگہ دیں۔ اس پر عبداللہ
بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ کامنی میں نہ تمہیں اپنی زندگی کا ساتھی بناتا ہوں اور نہ
تمہیں لونڈی بنا کر رکھنے کا خواہشمند ہوں۔ اگر احمد شاہ ابدالی اور وقت کے فیصلے
تمہیں میرے ہی حوالے کر چکے ہیں تو پھر میرا بھی فیصلہ سنو۔ تم آج سے آزاد
جب اور جس وقت چاہو بھرت پور اپنے باپ کے پاس جا سکتی ہو۔ اس پر کامنی
انتہائی تعجب اور حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

اگر میں نے واپس ہی اپنے شہر بھرت پور جانا ہوتا تو یہاں رہ کر میں لگا تار دو
ل تک آپ کا انتظار کیوں کرتی۔ اس دوران آپ جانتے ہیں کہ میرا قیام لشکر کے
ضی ادریس کے یہاں رہا ہے اور وہ مسلسل مجھے اپنے دین کی تبلیغ کرتے رہے ہیں۔
ں کے نتیجے میں میں آپ پر یہ بھی انکشاف کروں کہ میں ہندو ازم ترک کر کے
لمان ہو چکی ہوں۔ اگر میں نے واپس ہی جانا ہوتا تو میں دو سال کیوں آپ کا انتظار
تی۔ دیکھئے میں نے دو وجوہات کی بنا پر یہاں لشکر میں دو برس آپ کا انتظار کیا۔
پہلی وجہ یہ کہ آپ پہلے نوجوان ہیں جس نے میرے بدن کو چھوا۔ مجھے فخر ہے
آج تک میرے شریر کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔ کسی مرد کا پہلا لمس مجھے آپ کی
ف سے نصیب ہوا اور یہاں رکنے کی دوسری وجہ ہے کہ بھرت پور میں تیغ زنی کے
میں میں نے بڑے بڑے سورماؤں کو اپنے سامنے زیر کر دیا تھا حالانکہ میں ان
بلوں کے دوران ابھی نابالغ تھی۔ مجھے تیغ زنی کے فن میں مات کرنے میں بھی آپ
نوجوان ہیں۔ لہٰذا آپ نے دو طرح سے مجھے متاثر کیا ہے۔ اسی بنا پر لشکر میں دو
ل کا عرصہ صبر کرتے ہوئے اور بڑی بے چینی سے میں نے گزارا ہے۔ اب اس دو
ل کے انتظار کے نتیجے میں میں کیسے اور کیونکر چپ چاپ آزادی حاصل کر کے
ت پور روانہ ہو جاؤں۔ دیکھئے میں کھلے الفاظ میں یوں کہہ سکتی ہوں کہ آپ میری
گی کے سنگ میل ہیں۔ یا یوں کہئے کہ میری منزل کا نشان آخر ہیں۔ میں کیسے اور
ں کر اب آپ کو چھوڑ کر بھرت پور روانہ ہو سکتی ہوں۔
یہاں تک کہنے کے بعد کامنی جب خاموش ہوئی تو عبداللہ بڑی دیر تک اس کو
رے دیکھتا رہا پھر وہ کہنے لگا کامنی تمہاری ان باتوں کا ابھی مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو
میرے ذمے اس قدر کام ہیں کہ مجھے ابھی تمہارے متعلق سوچنے کے لئے وقت
نہیں ہے۔ تم دیکھتی ہو کہ میں نے صرف ابھی گلے کا طوق توڑا کر اتارا ہے۔
ی دونوں ٹانگوں کی طرف دیکھو ان میں ابھی تک غلامی کے کڑے پڑے ہوئے
ہیں۔ اپنے ماں باپ کے دونوں قاتلوں کو قتل کرنے کے بعد پہلے مجھے پیروں کے ان

کڑوں سے رہائی حاصل کرنی ہے اس کے بعد مجھے ایک آزاد انسان کی حیثیت اپنی زندگی کے آنے والے دور سے متعلق فیصلہ کرنا ہو گا۔ اس پر کامنی فوراً بو کہنے لگی اگر آپ کو کوئی اعتراض نہ ہو تو آپ کے اس آنے والے دور تک م ہی میں رہ کر انتظار کر سکتی ہوں۔ اس پر عبداللہ فوراً بولا اور کہنے لگا۔ ہاں ایسا کی بہرحال تمہیں اجازت ہے۔ تم جا سکتی ہو۔ اس کے ساتھ ہی کامنی نے ایک ا کن سی الوداعی نگاہ عبداللہ پر ڈالی پھر وہ اس کے خیمے سے نکل گئی تھی۔ عبداللہ بستر پر لیٹ کر نیند سے بغلگیر ہونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

ایمن آباد میں چند روز قیام کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے لاہور کی طرف کوچ کیا۔ اپنے سپہ سالار جہان خان کو مقدمہ الجیش کے طور پر آگے روانہ کیا۔ لاہور تک کسی نے بھی احمد شاہ ابدالی سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ پنجا کی عملداری چونکہ ان دنوں جالندھر کے فوجدار آدینہ بیگ کے حوالے تھی۔ ا جوں ہی آدینہ بیگ کو خبر ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ برق رفتاری لاہور کا رخ کر رہا ہے۔ آدینہ بیگ اپنے جانثار دستوں کے ساتھ لاہور سے نکل جالندھر کی طرف بھاگ گیا بغیر کسی مزاحمت اور لڑائی کے احمد شاہ ابدالی لاہور پر قا ہو گیا۔ لشکر کو اس نے لاہور کے نواح میں پڑاؤ کرنے کا حکم دیا تھا۔



احمد شاہ ابدالی ابھی لاہور سے دور ہی تھا کہ آدینہ بیگ اپنے دستوں کے ساتھ جالندھر کی طرف بھاگ گیا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں جموں کا راجہ رنجیت دیو ا جرار لشکر کے ساتھ لاہور پر وارد ہوا۔ لاہور اور اس کے گردونواح میں اس نے لوٹ مار اور تباہی کا بازار گرم کیا اور پھر جموں کی طرف لوٹ گیا۔ اس لئے کہ اسے بھی خ ہو گئی تھی کہ احمد شاہ ابدالی بڑی تیزی سے لاہور کا رخ کر رہا ہے۔ احمد شاہ جب لاہور میں داخل ہوا تو شہر کے سرکردہ لوگوں نے احمد شاہ سے جموں کے راجہ رنجیت دیو کی شکایت کی کہ اس نے لاہور اور اس کے گردونواح کے بہت سے علاقوں کو تباہ

یاد کیا۔ یہ سنکر احمد شاہ ابدالی بڑا برہم ہوا لہٰذا اس نے دو اقدام کئے۔ لشکر کا ایک مہ اس نے اپنے سپہ سالار جہان خان کے حوالے کیا اور اسے جالندھر کی طرف منے کا حکم دیا۔ جہاں آدینہ بیگ اپنے لشکر کے ساتھ گھات میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس ے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے دس ہزار سپاہ کا ایک لشکر عبداللہ کی کمانداری میں دیا اور بداللہ کو حکم دیا گیا کہ وہ جموں کے راجہ رنجیت دیو کی سرکوبی کے لئے جائے۔ جو وں کے نواح میں مزاحمت کے لئے تیار بیٹھا تھا۔

عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے سفر کرتے ہوئے جموں کے راجہ نجیت دیو کے لشکر کے سامنے آیا تو اس نے دیکھا رنجیت دیو کی کمانداری میں اس ت لگ بھگ تیس ہزار کا لشکر تھا۔ دوسری طرف جموں کے راجہ رنجیت دیو کو جب ر ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی نے اس کے مقابلے میں ایک ناتجربہ کار جرنیل کو جو ابھی عمر ہے روانہ کیا ہے اور یہ کہ اس کی کمانداری میں صرف دس ہزار کا ایک لشکر ہے وہ بڑا خوش ہوا۔ اس لئے کہ اس کے اپنے لشکر کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تی اور اسے یقین تھا کہ لمحوں کے اندر وہ عبداللہ کے لشکر کو شکست دیکر پورے لشکر کو کاٹ کر رکھ دے گا۔ لہٰذا جوں ہی عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ رنجیت دیو کے لشکر کے سامنے آیا رنجیت دیو نے اپنے لشکر کو عبداللہ کے لشکر پر حملہ آور ہونے کا حکم دیدیا۔ رنجیت دیو خود عقب ہی میں تھا جبکہ جنگ میں حصہ لینے والے لشکر کی کمانداری اس نے اپنے ایک نائب کے حوالے کر دی تھی۔

لشکر کی تعداد کم ہونے کے باوجود عبداللہ سکھوں پر وحشی ہواؤں، رگوں کو چوس لینے والے دکھ کے عفریت، چھاؤں کو ترستے دشت اور خون کے بہتے جھرنے کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ سکھ بھی جواب میں میدان جنگ میں سینہ تان کھڑے ہوئے تھے۔ تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ان کے حوصلے بلند تھے۔ لہٰذا وہ بھی جواب میں فرقت کی تیرگی، سلگتے دھاروں کے پانی، کرب و آفرینش میں دیو مالا کے طلسم اور فضائے دہر کی بیگانگی کی طرح عبداللہ کے لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے۔ دونوں لشکر جب ایک

دوسرے سے بری طرح ٹکرائے تو میدان جنگ یوں لگنے لگا تھا گویا سیاہ پوش میں منجمد سایوں، شاخساروں سے ابھرتے نوحوں میں ڈوبے کہریلے راستوں ا میں ڈوبی سرمئی شاموں کی فضاؤں میں ایک کہرام ایک انقلاب برپا ہو کر ر کافی دیر تک دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے جم کر لڑتے رہے۔ سکھ شائد چکے تھے کہ وہ اب عبداللہ کے سامنے ہرگز پسپا نہ ہونے پائیں گے لیکن جو وقت گذرنے لگا عبداللہ سکھوں کی اگلی صفوں کے اندر خونخواری اور قتل و گری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس طرح دشمن کے اندر گھسنے لگا جیسے سکھوں کی دم توڑنے لگی ہو۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد عبداللہ نے سکھوں کی اگلی صفوں کو مکمل کھنگال کر رکھ دیا تھا۔ اگلی صفوں کی اکثریت کے موت کے گھاٹ اتر جانے کے جب عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ پچھلی صفوں پر حملہ آور ہونا شروع ہوا تو گو کے سامنے زخمی شاخوں کے مجروح پھولوں، خونی لہروں کی توڑ پھوڑ، افق تا افق بکھرے کہر آسا در و بام کی طرح ادھر ادھر بکھرنے لگے تھے۔ سکھ کماندار نے دیکھا کہ جنگ اگر اسی طرح جاری رہی تو عبداللہ انہیں بدترین شکست دے گا اس نے فوراً اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ اس لئے کہ اس کے لشکر تعداد عبداللہ سے تین گنا زیادہ تھی۔ ایک حصہ سامنے رکھا اور دو حصوں کو ا عبداللہ کے دائیں بائیں دونوں پہلوؤں پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا۔ پشت پر سکھوں کا سردار رنجیت دیو اپنے کماندار کی اس تبدیلی پر اطمینان کا اظہار کر رہا تھا

دوسری طرف عبداللہ نے بھی کمال دانشمندی کا مظاہرہ کیا اس نے اپنے دا بائیں کی چند صفوں کو صرف سکھوں کے حملے روکنے پر مامور کیا جبکہ لشکر کے باقی کے ساتھ وہ پوری طاقت اور قوت کے ساتھ سکھوں کے سامنے والے حصے پر ٹو پڑا تھا۔ لمحوں کے اندر عبداللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کے سامنے والے کی حالت کائی لگے دل، عکس لرزاں اور نیند کے پھندوں میں کھنڈر اجڑی پناہ گا

ہی بنا کر رکھ دی تھی۔ سکھوں کے سامنے والے حصے نے جب دیکھا کہ مسلمان پوری طرح ان پر حاوی ہوتے جا رہے ہیں تو انہوں نے پیچھے ہٹنا اور کھسکنا شروع کیا ں سے عبداللہ نے پورا فائدہ اٹھایا اپنی پوری قہرمانیت سے حملہ آور ہوتے ہوئے ں نے ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ یہ قتل عام دیکھتے ہوئے سکھ بھاگ کھڑے ئے۔ عبداللہ نے ان کا تعاقب نہیں کیا بلکہ بڑی تیزی سے پلٹا اور لشکر کو فوراً دو وں میں تقسیم کر کے اس نے دائیں بائیں ابھی تک جنگ میں مصروف سکھوں پر ن لیوا حملے شروع کر دیے تھے۔

عبداللہ کے ان تیز حملوں کے باعث دائیں بائیں بازو سے حملہ آور ہونے والے ھوں کی حالت بھی کٹی کٹی آوازوں، چتا کے دھوئیں، موت کے قہقہوں، پتھرلب اور ہج جذبوں جیسی ہو گئی تھی۔ سکھ کوئی زیادہ دیر تک عبداللہ کے سامنے ٹھہر نہ سکے پھر بھی اپنے سامنے والے حصے کی پیروی کرتے ہوئے میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے ب عبداللہ نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ پوری توانائی پوری خونخواری اور درندگی ، ساتھ سکھوں کا تعاقب کیا۔ دس میل تک یہ تعاقب جاری رہا اس تعاقب میں ھوں کا کماندار بھی عبداللہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اپنے بچے کھچے لشکریوں کو لیکر ھوں کا سردار رنجیت دیو کوہستانی سلسلوں میں روپوش ہو گیا تھا۔

○

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی بھی عبداللہ کو جموں کی طرف روانہ کرنے بعد رکت میں آیا سب سے پہلے جہان خان کو اس نے جالندھر کی طرف روانہ کیا اور خود ں کے پیچھے پیچھے باقی لشکر کو لیکر احمد شاہ بھی کوچ کر گیا۔ لاہور سے نکلتے وقت احمد شاہ ابدالی نے مرزا جان کو لاہور کا گورنر بنا دیا تھا۔

جہان خان نے جالندھر کے دو آب پر حملہ کر کے بے دریغ ان علاقوں کو لوٹا اور قتل عام کیا۔ چند ہی دن بعد احمد شاہ ابدالی بھی باقی ماندہ لشکر کے ساتھ ان علاقوں میں پہنچ گیا۔ جالندھر دو آب کا والی احمد شاہ ابدالی نے خواجہ عبیداللہ کو، ستلج اور بیاس کے

درمیانی علاقے کا حاکم احمد شاہ ابدالی نے کانگڑہ کے راجہ گھمنڈ چاند کو مقرر کر دیا
اس کے بعد احمد شاہ ابدالی برق رفتاری سے آگے بڑھا۔ سرہند شہر پر
ہوا۔ ہندوستان کے مغل شہنشاہ اور اس کے وزیر غازی الدین نے سرہند
حفاظت کا کوئی بندوبست نہ کیا تھا اس لئے کہ وزیر غازی الدین اور ہندوستان
لشکروں کے سپہ سالار نجیب الدولہ کے درمیان ناچاقی اور کشمکش جاری تھی جس
پر احمد شاہ ابدالی بغیر کسی جنگ بغیر کسی مقابلے کے سرہند شہر پر قابض ہو گیا سرہند
قبضہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی دہلی کی طرف کوچ کرنے کی تیاریاں کرنے لگا تھا۔
دہلی جب یہ خبریں پہنچیں کہ احمد شاہ عنقریب دہلی پر حملہ آور ہونے والا
شہر میں ایک ہلچل مچ گئی تھی اس لئے کہ اہل دہلی میں اس سے چند ہی سال
ایران کے شہنشاہ نادر شاہ کے ہاتھوں شہر کی بدترین اور رسوائی آمیز حالت دیکھ
تھے۔ شہر میں ہلچل مچ گئی تھی لوگ پناہ کی خاطر ادھر ادھر بھاگنے لگے تھے۔ ہندو
کی مغل سلطنت کے وزیر غازی الدین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے اور وہ دہشت
کانپنے لگا تھا۔ اس لئے کہ ہندوستان کی افواج کا سپہ سالار نجیب الدولہ اس کا ساتھ
دے رہا تھا۔ اس سے متعلق یہ بھی افواہیں اڑنے لگی تھیں کہ نجیب الدولہ اندر
اندر احمد شاہ ابدالی کے ساتھ سازباز کر چکا ہے اور وہ کسی بھی صورت احمد شاہ ابدالی
جنگ کر کے روکنا نہیں چاہتا۔

ان مایوس کن حالات میں مغل سلطنت کے وزیر غازی الدین نے دو اقدام کئے
پہلا یہ کہ اس نے تیز رفتار قاصد مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ سے مدد حاصل کر
کے لئے پونہ کی طرف روانہ کئے۔ مرہٹوں کا پیشوا بالاجی راؤ غازی الدین کی مدد کر
پر تیار ہو گیا اس نے اپنے بہترین جرنیل مانکیشور کو ایک جرار لشکر دیکر احمد شاہ ابدالی
کے خلاف غازی الدین کی مدد کے لئے روانہ کر دیا تھا۔

دوسرا اقدام غازی الدین نے یہ کیا کہ چند اور قاصد اس نے بھرت پور کے
راجہ سورج مل کی طرف روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ اگر وہ احمد شاہ کے مقابلے

مغل حکومت کی مدد نہیں کرے گا تو کل مغل حکومت کو زیر کرنے کے بعد وہ اکیلا
ہے اور کس طرح احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرے گا اس لئے کہ دہلی کو سرنگوں کرنے
ے بعد احمد شاہ ابدالی واپس نہیں جائے گا بلکہ وہ اپنی فتوحات کا جال پھیلاتے ہوئے
اجہ سورج مل اور اس کے بعد مرہٹوں کو بھی اپنے سامنے زیر کرنے کی کوشش کرے
۔

بھرت پور کے راجہ سورج مل کی چونکہ مرہٹوں کے ساتھ پرانی دشمنی اور
وت چلی آ رہی تھی لہٰذا اس نے غازی الدین کے قاصدوں سے یہ کہلا بھیجا کہ
ہے اس کے بدترین دشمن ہیں بلکہ جے پور اور جودھ پور کے راجہ بھی مرہٹوں کو
ا بدترین دشمن خیال کرتے ہیں لہٰذا مغل حکومت کو چاہیے کہ پہلے وہ ہمارے ساتھ
ر مرہٹوں پر حملہ آور ہوں اور انہیں شکست دیکر دریائے نربدا کے اس پار مار
ائیں اس کے بعد میں اور میرے ساتھی راجہ ملکر احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں
ل حکومت کی مدد کریں گے۔

لیکن مغل سلطنت کے وزیر غازی الدین کو یہ تجویز قطعی طور پر پسند نہ آئی کہ
ج مل کے کہنے پر وہ مرہٹوں کے خلاف حرکت میں آ کر احمد شاہ ابدالی کے مقابلے
مرہٹوں جیسے اپنے مضبوط ساتھی سے ہاتھ نہیں دھو بیٹھنا چاہتا تھا۔ لہٰذا غازی
ن نے مرہٹوں کو تو اپنے ساتھ ملا لیا بھرت پور کے راجہ سورج مل کی تجویز کو
مسترد کر دیا۔

دوسری طرف سورج مل نے جب دیکھا کہ وزیر غازی الدین اس کی تجویز کو کسی
ی صورت ماننے کے لئے تیار نہیں تو وہ خود ہی جھک گیا وہ جانتا تھا کہ اس موقعے پر
ر اس نے احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں کوئی مدد نہ کی تو کل کو اگر احمد شاہ ابدالی
ل پر حملہ آور ہوا تو ہندوستان کے اندر کوئی بھی اس کے ساتھ تعاون اور اس کی مدد
نے والا نہ ہو گا۔ لہٰذا بھرت پور کے راجہ سورج مل نے اپنے بیٹے جواہر سنگھ کو
ک کافی بڑا لشکر دیکر غازی الدین کی مدد کے لئے روانہ کر دیا تھا۔ دوسری طرف

مرہٹوں کا جرنیل مانیکشور بھی ایک بہت بڑا لشکر اٹاوہ سے احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کے لئے دہلی کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ مغل حکومت کے وزیر غازی الدین اپنی مدد کے لئے مرہٹوں اور بھرت پور کے راجہ کی سرکردگی میں دہلی کی طرف ہوگئے ہیں۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے سرہند سے کوچ کر اپنے لشکر کے ساتھ وہ بڑی تیزی کے ساتھ دہلی کی طرف بڑھا تھا۔

مغل وزیر غازی الدین کو جب خبر ہوئی کہ سرہند سے احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر ساتھ کوچ کر چکا ہے اور چند ہی دن تک وہ دہلی کے باہر آ کر پڑاؤ کرے گا تو وہ فکر مند ہوا۔ دوسری طرف مرہٹوں اور راجہ سورج مل کے لشکر بھی اس کی مدد لئے نہیں پہنچے تھے لہٰذا وہ ادھر ادھر بھاگتے پھرتے لوگوں سے مشورہ کر رہا تھا آخر نے اسے مشورہ دیا کہ پنجاب کے سابق گورنر میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم کو احمد ابدالی کی طرف روانہ کرو اور اسے کہو کہ وہ احمد شاہ ابدالی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ دہلی پر حملہ آور نہ ہو اس لئے کہ میر منوں کو احمد شاہ ابدالی نے اپنا بیٹا بنا اس لحاظ سے وہ اس کی بیوہ مغلانی بیگم کی بات کبھی رد نہ کرے گا۔

لیکن احمد شاہ ابدالی نے سرہند سے اس تیزی سے کوچ کیا تھا کہ مغلانی بیگم پہنچتے پہنچتے احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ پانی پت کے میدانوں میں آ پڑاؤ تھا۔ یہاں مغلانی بیگم احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئی اور دہلی پر حملہ آور ہونے کی التجا کی۔ جواب میں احمد شاہ ابدالی نے کہا اگر تم ایسا ہی ارادہ رکھتی تھیں تمہیں چاہیے تھا کہ لاہور آ کر یہ سب کچھ کہتیں۔ وہاں سے میں باسانی واپس جا تھا اب تو میں دہلی کے قریب پہنچ گیا ہوں اب میں دہلی شہر دیکھے اور مغل شہنشاہ ملے بغیر واپس نہیں جاؤں گا۔ تاہم احمد شاہ ابدالی نے چند تسکین آمیز خطوط غازی الدین اور شہنشاہ ہند عالمگیر ثانی کے نام لکھ کر مغلانی بیگم کے ہاتھ روانہ کر دیئے تھے۔

ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے سفیر مغل شہنشاہ عالمگیر کی خدمت میں روانہ کیے اور اسے صلح کیلئے چند شرائط پیش کیں بصورت دیگر احمد شاہ ابدالی نے دہلی پر حملہ آور ہونے کی دھمکی دے دی تھی۔ جو شرائط احمد شاہ ابدالی نے مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی کو پیش کی تھیں وہ مندرجہ ذیل تھیں۔

اول ہندوستان کی مغل حکومت احمد شاہ ابدالی کو دو کروڑ کی رقم ادا کرے۔

دوم تعلقات کو بہتر بنانے کے لئے دہلی کا شہنشاہ عالمگیر ثانی اپنی بیٹی کا نکاح احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور مرزا سے کرے۔

سوئم یہ کہ سرہند سے شمال مغرب کی طرف تمام علاقے بشمول پنجاب، کشمیر اور ملتان احمد شاہ ابدالی کے حوالے کئے جائیں۔

ان شرائط کے وصول ہونے کے بعد دہلی کے شہنشاہ عالمگیر ثانی اور وزیر غازی الدین کی حالت بڑی قابل رحم تھی۔ نہ وہ اس حالت میں تھے کہ احمد شاہ ابدالی سے جنگ کر سکیں اس لئے کہ مرہٹوں اور بھرت پور کے راجہ سورج مل کا لشکر ابھی تک پہنچا نہ تھا اور نہ ہی وہ شرائط قبول کر سکتے تھے اس لئے کہ تاوان کی رقم اتنی زیادہ تھی جو نہ مغل شہنشاہ کے خزانے میں تھی اور نہ ہی مختصر مدت میں لوگوں سے اکٹھی کی جا سکتی تھی لہٰذا شاہ عالمگیر ثانی اور غازی الدین نے احمد شاہ ابدالی کے سفیر کو واپس بھیجا اور درخواست اور التجا کی کہ وہ دہلی پر چڑھائی کا ارادہ ترک کر دے۔

احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ ابھی پانی پت کے میدانوں میں ہی خیمہ زن تھا اور جو شرائط اس نے ہندوستان کی مغل حکومت کو روانہ کی تھیں ان کے جواب کا انتظار کر رہا تھا کہ جموں کی طرف سے ایک قاصد اس وقت اس کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے سے باہر اپنے سپہ سالاروں جہان خان اور اپنے وزیر شاہ ولی خان کے ساتھ محو گفتگو تھا۔ قاصد جب احمد شاہ ابدالی کے قریب آ کر اپنے گھوڑے سے اترا اور احمد شاہ ابدالی کے قریب گیا تو قبل اس کے کہ قاصد کچھ کہتا۔ احمد شاہ ابدالی نے پہلے ہی اسے مخاطب کر کے پوچھا اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو

تم شاہ پسند کی طرف سے آ رہے ہو۔ اس پر قاصد نے قدرے جھک کر سلام کر کے کہنے لگا۔

پاشا آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں آپ کو یہ خوشخبری دینا چاہتا ہوں کہ شاہ نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو بدترین شکست دی ہے۔ رنجیت دیو کے لشکر کے حصے کو شاہ پسند نے تہہ تیغ کر دیا ہے اور رنجیت دیو کو شکست دینے کے بعد اس بھاگتے ہوئے لشکر کا دس میل تک تعاقب کیا اور اس کے لشکر کو خوب تہہ تیغ جموں کا راجہ رنجیت دیو اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ کوہستانی سلسلے میں روپوش ہو ہے اور اب شاہ پسند رنجیت دیو کے پڑاؤ سے ملنے والی ہر چیز کو سمیٹ کر تھوڑی دیر تک پانی پت کے میدانوں میں داخل ہونے والا ہے۔

یہ خبر سن کر احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی پھر وہ قاصد مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اب تم جاؤ جا کر آرام کرو۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے وزیر شاہ ولی خان اور سپہ سالار جہان خان پوپلزئی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

سنو رفیقان دیرینہ! میرا دل پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ شاہ پسند ایک نہ ایک دشت و دریا، کوہ و صحرا میں ہوا کے جھونکوں سے شعلہ و شرر، نخل خشک کی جڑوں، ادھڑی ہوئی زندگی کے خوابوں کی کرچیوں اور خواہشوں کے ریزہ ریزہ ہو سے ایک نہ ایک روز روشنی کا رنگ، بہاروں کا خواب نوخیز اور شگوفوں کے گیتوں لحن بن کر نمودار ہوگا۔ یہ شاہ پسند یقیناً" ان جوانوں میں سے ایک ہے جو سمندر بے ترتیب لہروں کو تنظیم زندگی کی دوامی، قدروں کو حیات نو عطا کرنے کا فن جانتے ہیں۔ جو اس کارگاہ شیشہ گری میں سناؤں کو آوازوں میں ڈھالنے اور رات کی چادر میں اندھیروں کے مسافروں کی آنکھوں کو چکا چوند کرتی روشنی عطا کر جاتے ہیں

سنو شاہ ولی خان اور جہان خان۔ تھوڑی دیر تک شاہ پسند جب اپنے لشکر ساتھ پانی پت کے ان میدانوں میں داخل ہو تو اس کا شاندار استقبال کیا جائے۔

شاہ پسند کی جموں کی طرف روانگی کے بعد راجہ سورج مل کی راجکماری کامنی کامنی اورنیں کے ہمراہ میرے خیمے میں آئی تھی اور اس نے یہ پیش کش کی تھی کہ اگر جموں کے راجہ رنجیت دیو کے مقابلے میں شاہ پسند کامیاب لوٹے تو اس کا گھوڑا شاہ پسند کو انعام میں دیا جائے۔ میں نے گھوڑے کو دیکھا ہے وہ سیاہ رنگ کا ایک انتہائی خوبصورت اور نایاب گھوڑا ہے اور اس کے متعلق کامنی کا کہنا ہے کہ وہ کامنی کے سوا کسی اور کو اپنی پیٹھ پر نہیں سوار ہونے دیتا۔ یہ گھوڑا میں شاہ پسند کو دوں گا اور پھر دیکھوں گا کہ شاہ پسند اس گھوڑے کو اپنے سامنے زیر اور رام کرنے میں کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔ اب تم دونوں اٹھو اور شاہ پسند اور اس کے لشکریوں کے استقبال کا انتظام کرو۔ اس کے ساتھ ہی شاہ ولی خان اور جہان خان دونوں احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

○

تھوڑی ہی دیر بعد عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے احمد شاہ ابدالی کے پڑاؤ میں داخل ہوا۔ وہ اپنے ساتھ جموں کے راجہ رنجیت دیو کے لشکر کی ہر چیز سمیٹ کر لے آیا تھا جو رنجیت دیو کے لشکر سے حاصل ہونے والے گھوڑوں اور خچروں پر لدی ہوئی تھیں۔ پڑاؤ سے باہر احمد شاہ ابدالی نے اپنے سالاروں کے ساتھ عبداللہ کا استقبال کیا جب عبداللہ احمد شاہ ابدالی کے قریب آیا اور اپنے گھوڑے سے اترا تو احمد شاہ ابدالی نے آگے بڑھ کر عبداللہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا اور پھر اس کی پیشانی چومتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو شکست دے کر تم نے ثابت کر دیا ہے کہ تعداد کی قلت و کثرت کی پرواہ کے بغیر اپنے دشمن پر ضرب لگانے کا فن تم خوب جانتے ہو۔ شاہ پسند میرے بیٹے میں تمہیں اس شاندار کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں۔ احمد شاہ ابدالی سے علیحدہ ہو کر عبداللہ دوسرے سالاروں سے مل رہا تھا۔

عبداللہ کے ساتھ کام کرنے والا لشکر جب پڑاؤ میں خیمہ زن ہو گیا تو عبداللہ کو

احمد شاہ ابدالی اپنے ساتھ لے گیا۔ احمد شاہ ابدالی جب اپنے خیمے کے قریب پہنچا تو نے دیکھا خیمے سے باہر بھرت پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری کامنی اپنا سیاہ کا گھوڑا لئے کھڑی تھی اس نے گھوڑے کی لگام تھام رکھی تھی اور پیار سے آ آہستہ اس کی گردن تھپتھپا رہی تھی۔ احمد شاہ اس گھوڑے کے قریب آ کھڑا ہوا اپنے پہلو میں آ رکنے والے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے۔ تم جانتے ہو کہ یہ کامنی تمہاری جرات مندی، تمہا شجاعت سے انتہا درجے کی متاثر ہے۔ جب تم جموں کی مہم پر روانہ ہوئے تھے تو نے مجھ سے کہا تھا کہ اگر شاہ پسند جموں کی مہم سے کامیاب اور فتح کی حیثیت لوٹے تو وہ شاہ پسند کو اپنا گھوڑا انعام اور تحفے کے طور پر پیش کرے گی۔

شاہ پسند اس گھوڑے کو غور سے دیکھو۔ میں اسے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں یہ عمدہ نسل کا بہترین گھوڑا ہے۔ کامنی کا کہنا ہے کہ یہ اپنے مالک کی خوب پہچان ر ہے اور اس سے جانثاری اور وفاداری کا اظہار کرتا ہے۔ کامنی کی طرف سے شاہ پ اس گھوڑے کو "تحفتاً" قبول کرو۔ اس پر بیٹھ کر دیکھ لو یہ کیسے ردعمل کا اظہار ک ہے۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

ابھی دوپہر ہے میں تھوڑی دیر آرام کروں گا پھر شام کے قریب اس گھوڑے سوار ہو کر پانی پت کے میدانوں کے جنوبی حصے میں اسے دوڑا کر دیکھوں گا۔ اس ساتھ ہی کامنی حرکت میں آئی، آگے بڑھی اور گھوڑے کی باگ اس نے عبداللہ تھما دی تھی۔ عبداللہ نے چپ چاپ باگ پکڑ لی پھر وہ دھیمی سی آواز میں کامنی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا اس گھوڑے کی پیشکش پر میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہو اس کے بعد احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔

شاہ پسند۔ میرے خیال میں اب تم آرام کر لو۔ شام کو جب تم اس گھوڑ دوڑاؤ تو واپسی پر آ کر مجھے بتانا کہ یہ کیسا رہا اور یہ کہ یہ سوار کے ساتھ بدرکابی ا پن کا اظہار تو نہیں کرتا جواب میں عبداللہ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے خیمے کی ط

چلا گیا تھا۔ کامنی قاضی ادریس کے خیمے کی طرف جا رہی تھی جبکہ احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے میں گھس گیا تھا۔

○

عبداللہ اپنے خیمے سے نکلا۔ کامنی کے گھوڑے پر اس نے زین ڈالی اپنے سارے نگی ہتھیار اس پر سجائے خود اپنے آپ کو بھی اس نے مسلح کیا گھوڑے کو لگام چڑھائی پھر وہ باگیں پکڑ کر اسے پڑاؤ سے باہر لایا تھوڑی دیر تک وہ اس کی گردن اور پیٹھ پر بے پیار سے ہاتھ پھیرتا رہا۔ جواب میں گھوڑا بالکل خاموش کھڑا رہا تھا اس سے ئدہ اٹھاتے ہوئے طوفان کی طرح عبداللہ حرکت میں آیا اور چھلانگ لگائی اور گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا تھا اس کے ساتھ ہی گھوڑا لشکر کے پڑاؤ کے جنوبی سمت پٹ دوڑ رہا تھا۔

جنوب کی سمت گھوڑا کافی دیر تک دوڑتا رہا عبداللہ کا خیال تھا کہ جب یہ تھک ائے گا تو اسے روک کر واپس ہو لوں گا۔ لیکن گھوڑا دوڑتا رہا۔ درختوں کے ایک نڈ کے قریب سے گزرتے ہوئے اچانک فضاؤں کے اندر ایک زوردار سیٹی بلند ہوئی ں کے جواب میں گھوڑا کچھ اس قدر اچانک رکا تھا جیسے اس کی ٹانگیں توڑ دی گئی ں اور وہ آگے بڑھنے سے قاصر ہو گیا ہو۔ بالکل ایک جگہ پر وہ جم کر کھڑا ہو گیا تھا عین اس لمحہ آناً فاناً کچھ مسلح جوان نمودار ہوئے انہوں نے اپنے نیزے اور اپنی تلواریں عبداللہ کی گردن اور بدن کے دوسرے حصوں پر رکھتے ہوئے اسے مکمل طور پر بے بس کر دیا تھا پھر ایک جوان بھاگتا ہوا آیا اور بڑی سختی کے ساتھ اس نے عبداللہ کے دونوں ہاتھ کس کر اس کی پشت پر باندھ دیئے تھے۔

عبداللہ یہ ساری کارروائی بڑی پریشانی اور حیرت سے دیکھ رہا تھا وہ ان جوانوں کا جائزہ بھی لے رہا تھا جو اس پر وارد ہوئے تھے۔ اپنی شکل و صورت اور لباس سے ے وہ سارے ہندو لگتے تھے۔ وہ ان سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا کہ اسی جھنڈ کے اندر

سے حسین اور پر جمال کامنی نمودار ہوئی اس کے انداز ایسے تھے جیسے نشیلے، فضاؤں میں آتش عصیان اور خاموشیوں میں سرگوشیوں کی صداؤں کے اندر کی تفریق کی وجہ سے زمانے بھر کے لیے درس عبرت بن کر گھس آئی ہو۔ آنکھوں میں مہکتے خوابوں ، نغموں کی مسحور سحراور مہتاب سایوں کی جگہ تو میزان' ظلمت کی لحد اور موت کی تاریکیوں کے سائے تھے۔ جبکہ اس کے الو پھولوں' گلاب اور شگوفوں کی شادابی جیسا چہرہ سلگتا آنچل اور زہر آگیں ہو کر تھا۔

طوفانی انداز میں درختوں کے جھنڈ کے اندر سے نکل کر کامنی عبداللہ کے آئی تھوڑی دیر تک اپنے گھوڑے کی گردن پر اپنا بھرا بھرا گداز ہاتھ پھیرتی رہی اسے اس کی کارکردگی پر شاباش دے رہی ہو پھر تھوڑی دیر تک اس نے اس کے پر بھی ہاتھ پھیرا اس کے بعد ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے اپنی تلوار بے نیام کی تلوار کی نوک اس نے عبداللہ کے شانے پر رکھتے ہوئے اس زور سے دبائی کہ ا کے شانے سے خون بہہ نکلا تھا۔ پھر قہر برساتی ہوئی آواز میں عبداللہ کو مخاطب کر کہنے لگی۔

سن احمد شاہ ابدالی کے چہیتے شاہ پسند کیا تو ابتک یہ خیال کرتا رہا ہے کہ میں دو سال تک احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں رہ کر مجوب سرد کہراور دریاؤں اور آبشا کے تعاقب کی طرح تیری راہ دیکھتی رہی ہوں۔ شوریدہ سر زمانے کی خیال کی طرح تیری امید پر بیٹھی رہی ہوں اور یہ کہ نیلگوں آسمان کی وسعتوں میں زیر لب گیت اور جھلملاتے ستاروں کے عکس لرزاں کی طرح تیرا انتظار کرتی رہوں نہیں۔ مجھے تجھ سے کیا تعلق ،کیا واسطہ۔ سنو شاہ پسند کیا تو اس زعم میں مبتلا ہو کہ میں بھرت پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری تیری محبت' تیری پریت میں ہو گئی ہوں۔ ہرگز نہیں۔ میں تو ایک مقصد ایک مدعا کے تحت تمہارے انتظار میں شاہ ابدالی کے لشکر میں لگاتار دو سال تک قیام کھینچے رہی ہوں۔

سنو شاہ پسند۔ تو نے محمود بوٹی اور شالیمار کے درمیان کھلے میدانوں میں میرے لشکر کو شکست دی۔ میرے سارے لشکر کا صفایا کیا اور مجھے گرفتار کر لیا۔ یہ شکست اور اس کا داغ میں زندگی بھر نہ بھول سکوں گی۔ پھر تو مجھے اٹھا کر شاہ ولی خان کے خیمے میں لے گیا یہ تیرا دوسرا جرم تھا۔ پہلا جرم تیرا میرے لشکر کا خاتمہ تھا اور تیرا دوسرا جرم یہ تھا کہ تو نے مجھے ہاتھ لگایا۔ میرے شریر کو چھوا۔ حالانکہ تو.احمد شاہ کے لشکر میں شامل ہونے سے پہلے ایک پیدائشی غلام تھا اور میں ایک پیدائشی راجکماری ہوں۔ پھر تم نے مجھے چھونے میرے شریر کو ہاتھ لگانے کا ایک مہاپاپ اور جرم کیا ہے۔

سن شاہ پسند۔ جتنا عرصہ میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں قیام کئے رہی ہوں۔ اتنا عرصہ میرا رابطہ میرے باپ اور بھائی سے رہا ہے۔ میرے کارکن بھیس بدل کر میرا پیغام میرے باپ اور بھائی تک پہنچاتے رہے اور ان کی طرف سے میرے پاس پیغام لاتے رہے۔ میں نے تم سے یہ بھی جھوٹ بولا تھا کہ میرا کوئی بھائی نہیں۔ میرا بھائی ہے اور وہ تیرے جیسے کئی شاہ پسندوں کو اپنے سامنے مغلوب کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔ سن میں تجھ سے اپنی شکست کا انتقام لینا چاہتی تھی۔ تجھے ذلت کی موت مارنا چاہتی تھی بس اسی لئے میں نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں تیرا انتظار کیا۔

دیکھ شاہ پسند۔ اب تو دیکھتا ہے کہ تو پوری طرح میرے بس میں ہے۔ یہ گھوڑا میں نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو شکست دینے پر تمہیں یوں ہی انعام میں نہیں دے دیا تھا۔ بلکہ اس میں بھی ایک مقصد تھا۔ اس لئے کہ یہ میرا گھوڑا خوب سدھایا ہوا ہے اور جوں ہی میں اس کے لئے منہ سے سیٹی بجاتی ہوں یہ میری سیٹی کی آواز سنتے ہی وہاں رک جاتا ہے۔ بس اسی گھوڑے کے ذریعے میں نے تجھے اپنے قابو میں لانا چاہا اور تم دیکھتے ہو کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہی ہوں۔ اب دیکھ شاہ پسند تاریخ کا انقلاب۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں تیری حیثیت ایک آقا اور تمہارے ساتھ میری حیثیت ایک لونڈی کی تھی لیکن اب میری حیثیت ایک مالکہ کی اور تمہاری حیثیت ایک غلام' قیدی اور اسیر کی ہے۔

سن احمد شاہ ابدالی کے چہیتے۔ شاہ پسند۔ میں تجھے اپنے ساتھ اپنی سلطنت مرکزی شہر بھرت پور لے کر جاؤں گی۔ تیرے بٹے ہوئے جسم کو آوازوں کا بلا ڈالوں گی۔ تجھے میں وقت کی سلاخوں کے ایسے پنجرے میں ڈالوں گی کہ وہاں تو سسک سسک کر جان دے جیسے بادلوں میں مرجانے والی بارش کی حالت ہوتی ہے دیکھ شاہ پسند جب مٹی کو بھوک لگتی ہے تو قبر بنتی ہے مجھے بھی تجھ سے جب انتقام کی آرزو ہوئی تو میں نے دیکھ دو سال تک بڑے صبر سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر انتظار کیا۔ اب جبکہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی ہوں تو جس طرح آگ پر پکتی ہے اس طرح میں تجھے اپنے سامنے ہر قدم بھاری زنجیریں پہنا کر روٹی کی طرح کر رکھ دوں گی۔

شاہ پسند تجھے سسکا سسکا کر میں زندگی کی قید سے نجات دلاؤں گی اور موت شور میں لہولہان کروں گی پھر ایسا وقت بھی آئے گا کہ تیری حالت اس دھتکاری ہو لاش جیسی ہوگی جس میں سرانڈ ہی سرانڈ ہو۔ دیکھ شاہ پسند یہ جو میں نے دو سال تک اپنے باپ، اپنے بھائی اپنی ماتا سے دور رہ کر تیرا انتظار کیا تو اب اس کا انتقام میں سے خوب انتقام لوں گی۔ تیرے لئے میں گورکن ثابت ہوں گی۔ تیری آنکھوں م صلیب کی اذیت۔ تیرے دل میں تلوار کی نوک کی چبھن سا سماں برپا کر کے رکھو گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر تک خاموش رہی۔ اس نے کچھ سوچا پھر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ تم لوگ اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہو جاؤ۔ میں جس گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں پہنچی ہوں وہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر قاضی ادریس کا ہے اور میں ان سے یہ کہہ کر آئی تھی کہ میں تھوڑی دور تک گھڑسواری کروں گی پھر لوٹ آؤں گی۔ احمد شاہ ابدالی کے قاضی ادریس کے اس گھوڑے کو بھی اپنے آگے آگے ہانک لوں گی۔ میں اس شاہ پسند کے پیچھے بیٹھوں گی جس طرح اس نے میرے لشکر کا خاتمہ کر کے مجھے گھوڑے پر بٹھا کر ایک قیدی کی

حیثیت سے شاہ ولی کے خیمے میں لے جا کر ڈال دیا تھا اسی طرح میں آج اسے ایک بندی اور اسیر کی حیثیت سے اپنے باپ کے پاس بھرت پور شہر لے جاؤں گی۔ اس کے کہنے پر اس کے سارے ساتھی اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ کامنی بھی پاؤں رکاب میں جما کر عبداللہ کے پیچھے بیٹھ گئی پھر انھوں نے گھوڑوں کو ہانک دیا تھا۔ کامنی کے ساتھ قاضی ادریس کے گھوڑے کو اپنے آگے ہانکتے لے جا رہے تھے۔



کامنی اور اس کے ساتھی ابھی تھوڑی دور ہی آگے گئے ہوں گے کہ اچانک بائیں طرف کے چند ٹیلوں کی اوٹ سے ان پر تیروں کی ایسی تیز اور لگاتار بوچھاڑ ہوئی کہ کامنی کے سارے ہی ساتھی چھد کر اپنے اپنے گھوڑوں سے گر گئے تھے۔ کامنی اور اس کے ساتھ عبداللہ بھی اس اچانک انقلاب اور تبدیلی کو بڑی حیرت اور پریشانی سے دیکھ رہے تھے۔ ناگاہ ٹیلوں کی اوٹ سے چھ مسلح جوان نمودار ہوئے اور کامنی کے گھوڑے کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے پھر ان میں سے ایک جو شاید ان کا سربراہ ہوگا عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

ہم جانتے ہیں کہ تو احمد شاہ ابدالی کے بہترین اور ہردلعزیز جرنیل شاہ پسند ہے۔ گو احمد شاہ ابدالی ہم ہندوستانیوں کا بدترین اور مانا ہوا دشمن ہے اور اس کے ہر سپاہی اور جرنیل سے انتقام لینا ہم پر فرض بنتا ہے لیکن ہم تیرے ممنون تیرے شکرگزار ہیں کہ تیری وجہ سے یہ کامنی یہاں ہمارے پھندے میں آن پھنسی ہے۔

دیکھ شاہ پسند۔ ہم مرہٹے ہیں۔ مرہٹوں اور بھرت پور کے راجہ سورج مل کا گزشتہ چند سال سے کتے بلی کا بیر چل رہا ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ بھرت پور کے راجہ سورج مل نے اپنی اس بیٹی کامنی کا بیاہ ہمارے پیشوا بالا جی راؤ کے بھائی رگوناتھ کے ساتھ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ رگوناتھ ہماری سلطنت کا سب سے بہادر، جہاندیدہ اور بہترین جرنیل ہے۔ بالا جی راؤ نے جو ہمارا پیشوا ہے سورج مل سے کامنی کا رشتہ طلب کیا۔ لیکن سورج مل نے بالا جی راؤ کے بھائی رگوناتھ کو اپنی بیٹی کا بیاہ کرنے سے

انکار کر دیا۔ اس سے مرہٹوں اور بھرت پور کے راجہ سورج مل کے درمیان عدا
اور دشمنی چلی آ رہی ہے۔

سنو احمد شاہ ابدالی کے جرنیل۔ ہمیں خبر ملی تھی کہ سورج مل کی راجکماری ا
ایک جنگ میں مسلمانوں کی اسیر ہو گئی ہے۔ ہم اس قابل نہ تھے کہ کامنی کو احم
ابدالی کے لشکر سے نکال سکتے۔ لہٰذا رگوناتھ راؤ کے حکم پر ہم انتظار کرتے رہے۔ ا
جبکہ ہمارے پیشوا بالا جی راؤ کا بھائی رگوناتھ ایک لشکر لے کر مغل شہنشاہ عالمگیر
کی مدد کیلئے دہلی کے نواح میں مقیم ہے تو اس نے ہمیں کامنی پر نگاہ رکھنے اور اس
قبضہ کرنے کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔ ہماری خوش قسمتی کہ یہ کامنی اپنے آدمیوں
مدد سے تمہیں دھوکہ اور فریب دے کر ادھر لے آئی۔ اب شاہ پسند تو ایسا کر تو یہ
سے واپس لوٹ جا۔ تیری ہماری کوئی دشمنی کوئی عداوت نہیں ہے۔ بس ہم اس کامن
پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اسے لے کر ہم اپنے پیشوا کے بھائی رگوناتھ راؤ کے پ
جائیں گے۔ اب بھرت پور کے راجہ سورج مل کو رسوا اور ذلیل کرنے کے
رگوناتھ راؤ کامنی سے شادی نہیں کرے گا بلکہ چند یوم تک اسے اپنے پاس رکھ
بے آبرو کرے گا اور پھر سورج مل کی طرف لوٹا دے گا تاکہ اسے یہ احساس ہو
جس رگوناتھ راؤ کو اپنی راجکماری کامنی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا اسی رگونا
راؤ نے اس کی بیٹی کو بے آبرو کر کے ہمیشہ کے لئے داغدار کر دیا ہے۔ بس رگونا
اب کامنی سے شادی کا خواہاں نہیں بلکہ اس سے اور اس کے باپ سے انتقام لینے
خواہشمند ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد مرہٹوں کا سرکردہ خاموش ہو گیا۔ اسی دوران کامنی حرکت
میں آئی اپنے لباس کے اندر سے اس نے خنجر نکالا اور جس رسی سے عبداللہ کی پشت
پر اس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے وہ رسی اس نے کاٹ دی پھر وہ انتہائی رازداری
سرگوشی میں عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھو شاہ پسند میں جانتی ہوں تمہارے ہاتھوں کی رسی کھلنے کے بعد سب سے پہلے

ے ہی قتل کرو گے لیکن اس کے باوجود میں نے اس رسی کو کاٹ دیا ہے جس میں
تمہارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم ان مرہٹوں کے ہاتھوں
بے بسی کی موت مارے جاؤ۔ میں اپنا انجام اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں۔ میں جانتی
ں کہ یہ مرہٹے مجھے پکڑ کر رگوناتھ کے پاس لے جائیں گے اور وہ مجھے بے آبرو اور
وار کر کے میرے باپ سورج مل کے پاس لوٹا دے گا۔ لیکن تم کیوں ناحق مارے
میں نے تمہارے ہاتھ کھول دیئے ہیں۔ یہ مرہٹے تمہیں جانے کی اجازت دے
ہے ہیں لہٰذا تم چلے جاؤ اور ایک بات یاد رکھنا واپس جاتے ہوئے محتاط ضرور رہنا۔
رہٹے انتہائی دھوکہ باز اور بے وفا ہیں۔ یہ چھپ کر تم پر حملہ آور ہونے کی کوشش
ریں گے اور تمہیں جیتے جی واپس لشکر میں نہ جانے دیں گے لہٰذا واپسی پر محتاط
۔

کامنی کی اس گفتگو کے جواب میں عبداللہ نے کچھ سوچا۔ اسے خاموش دیکھ کر
ہٹوں کا سرکردہ پھر بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ دیکھ شاہ پسند۔ ہم پھر تمہیں
تے ہیں کہ واپس لوٹ جاؤ اور کامنی کو ہمارے حوالے کر دو۔ اس پر عبداللہ بولا اور
نے لگا۔ مجھے پہلے اس کامنی کو نیچے اتارنے میں مدد دو پھر میں یہاں سے چلا جاتا
ں۔ ساتھ ہی عبداللہ نے اپنی کمان کندھے سے لٹکا لی۔ زین سے لٹکتی ہوئی اپنی
ال بھی اس نے سنبھال لی تھی وہ نیچے اترا۔ سہارا دے کر کامنی کو نیچے اتارتے
ئے کسی قدر اونچی آواز میں کہنے لگا۔ سورج مل کی بیٹی نیچے اترو۔ تاکہ میں اپنے
وڑے پر بیٹھ کر واپس جاؤں میں ان مرہٹوں سے الجھنا نہیں چاہتا ان سے میری کوئی
نی اور عداوت نہیں ہے۔ عبداللہ کی یہ گفتگو سن کر کامنی کا چہرہ پیلا ہو گیا تھا جون
کامنی گھوڑے سے نیچے اترنے لگی۔ عبداللہ نے اسے دونوں ہاتھ پر اٹھایا پھر چند
پیچھے ہٹ کر اس نے ایک انتہائی زور دار جست لگائی اور کامنی سمیت وہ ریت
ایک ٹیلے کے پیچھے جا گرا تھا۔

سامنے کھڑے چھ مرہٹوں اور کامنی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ عبداللہ کیا کرنے لگا

ہے۔ ٹیلے کے پیچھے جانے کے بعد عبد اللہ نے کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے سورج مل کی راجکماری تیری عزت، تیرا ناموس اتنا سستا، اتنا بے مول نہیں میں تجھے ان مرہٹوں کے حوالے کر کے یہاں سے چلا جاؤں۔ میں تجھے ان بھیڑیوں ہاتھوں بے آبرو اور داغدار نہ ہونے دوں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تو میری بدترین ہے اس کے باوجود میں تیری عزت، تیری آبرو کا پاسبان بن جاؤں گا۔

عبداللہ کی اس گفتگو سے کامنی یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی تھی۔ عبداللہ کے الفاظ سے اس کی مضطرب و میخوار آنکھوں میں غم کی طغیانیوں کے بجائے گنگ پنگھٹ جیسے سے برپا ہو گئے تھے اس کے اجالوں کے رسول چہرے پر حوادث کی لہروں کے بجائے وقت کے پراسرار نغموں کا نکھار بکھر گیا تھا۔ اس کے بعد کامنی اور صدیوں کے تیرگی کے غبار میں کرن کرن روشنی کی مہریں لگاتی اپنی آواز کے آہنگ اور کوئل کی پکار جیسے انداز میں وہ کہنے لگی۔

شاہ پسند اگر ان ویرانوں اور بے بسی اور لاچارگی کے لمحات میں تم میرے اور میری عزت کے محافظ اور پاسبان بن رہے ہو تو پھر سنو۔ میں تمہارے شانہ بشانہ ملا کر ان مرہٹوں سے جنگ کروں گی مجھے امید ہے کہ ہم دونوں مل کر سامنے انہیں زیر کر لیں گے۔ اس لئے کہ تم یقیناً" ان جوانوں میں سے ہو جو وقت کئی دشمنوں کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے کا فن جانتا ہو۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا دیکھ کامنی تو اسی ریت کے ٹیلے کے پیچھے بیٹھی رہ۔ اس کے ساتھ عبداللہ نے اپنی کمان اور ترکش اتار کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔ تم ٹیلے کے پیچھے بیٹھ کر اس کمان اور تیروں سے کام لے۔ میں ان چھ مرہٹوں کے جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ یہ میرا کیا بگاڑتے ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ اپنی سنبھال کر ٹیلے سے باہر آیا اور ان مرہٹوں کو مخاطب کر کے وہ کچھ کہنے ہی لگا مرہٹوں کا سرکردہ پھر بولا اور عبداللہ کو مخاطب کرنے میں پہل کرتے ہوئے کہنے لگا

شاہ پسند کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تم ہمارے ساتھ دھوکہ اور فریب کر رہے ہو

میں یہ جان لوں کہ کامنی کو تم ہمارے حوالے نہیں کرنا چاہتے۔ اس پر عبداللہ نے اپنے سامنے اپنے چوڑے پھل کی تلوار لہراتے ہوئے کہا۔

دیکھو مرہٹو۔ تمہاری کامنی کے باپ سورج مل سے کیا دشمنی ہے میں اسے نہیں جانتا۔ اس وقت یہ کامنی میرے ساتھ ہے ہمارے لشکر میں یہ دو سال رہی ہے۔ گو یہ خود مجھے بھی دھوکہ اور فریب دے کر یہاں تک لائی ہے لیکن سن رکھو۔ میں اپنی موجودگی میں اس لڑکی کو بے آبرو نہیں ہونے دوں گا۔ اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم اسے اپنے ساتھ لے جاؤ گے اور اسے بے آبرو کرنے کے لئے اپنے پیشوا کے بھائی رگوناتھ راؤ کے حوالے کرو گے تو یہ تمہاری خوش فہمی ہے میں تمہیں کہتا ہوں کہ جدھر سے آئے ہو ادھر ہی لوٹ جاؤ اسی میں تمہاری خیریت، اسی میں تمہاری عافیت ہے ورنہ یوں ہی ناحق تم سب میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے۔

اس پر ان مرہٹوں کے سرکردہ نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا پھر وہ کہنے لگا یہ بھی تو نے خوب کہی۔ ہم چھ ایک طرف اور تو اکیلا۔ پھر تو کس زعم اور گھمنڈ میں ہمیں یہاں سے بھاگ جانے کا مشورہ دے رہا ہے۔ ہم نے تو تم پر مہربانی، تم پر شفقت کی تھی کہ تجھے واپس جانے کی اجازت دے دی تھی ہم صرف کامنی پر گرفت کرنا چاہتے تھے لیکن شاہ پسند لگتا ہے تیری موت خود تجھے دعوت دے رہی ہے اب ہم تمہیں بھی معاف نہیں کریں گے۔ پہلے ہم چھ مل کر تیری گردن کاٹیں گے اس کے بعد کامنی کو اپنے ساتھ لے جا کر رہیں گے دیکھتے ہیں تو کیسے اس کا پاسبان اور محافظ بنتا ہے۔

اس پر عبداللہ بولا اور اپنی پوری خونخواری اور درندگی میں ان مرہٹوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا سنو اہرمن زادو، کالی اور وشنو کے دربانوں! ضمیر اور عصمتوں کی تجارت کرنے والو، مادرزاد کمینوں، عصمت کی چتائیں اور تاریخ کے اوراق میں تشدد کے الاؤ کھڑے کرنے والو اگر تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم اس کامنی کو زبردستی مجھ سے چھین لے جاؤ گے تو یہ تمہاری خام خیالی ہے میں تم سب کی گردنیں کاٹ کر بھی اس لڑکی کی حفاظت کروں گا۔ اس پر مرہٹوں کا سرکردہ بولا اور کہنے لگا۔ کیوں خواہ مخواہ

ہمارے ہاتھوں اپنے آپ کو ذبح کراتے ہو تم اپنی جان کی خیر مناؤ۔ تم اس لڑ حفاظت کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو جو خود تمہاری بدترین دشمن ہے۔ کیا تمہیں اپنی کی پرواہ نہیں۔ کیا تم اپنی جان کی نسبت اس کی عزت اور آبرو کو زیادہ اہمیت ہو۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا ہاں میری جان کی نسبت اس کی عصمت کی زیادہ ق قیمت ہے۔ سنو بدی کے گماشتو۔ عورت کی عصمت اس کی عفت وہ گوہر ہے جس قیمت جس کا مول نہیں لگایا جا سکتا۔ اس پر مرہٹوں کا سرکردہ فیصلہ کن انداز میں اور کہنے لگا اگر یہی بات ہے تو پھر سنبھلو۔ ہم تم پر حملہ آور ہوتے ہیں پھر دیکھتے کہ تم ہمارے ہاتھوں کیسے ذبح ہونے سے بچتے ہو۔ کیسے اس لڑکی کی حفاظت کر ہو۔

مرہٹوں کا وہ سرکردہ ابھی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ ٹیلے کی اوٹ میں بیٹھی ہو کامنی حرکت میں آئی اور یکے بعد دیگرے اس نے دو تیر چلائے اور دو مرہٹوں کو ا نے ڈھیر کر کے رکھ دیا تھا۔ عین اس موقع پر عبداللہ اس طرح حرکت میں آیا ج خس و خاشاک پر طوفان، غبار پر سیل رواں اور شرر پر آندھیاں حملہ آور ہوتی ہ جیسے چراغوں پر سورج، شبنم پر بحر، زرون پر صحرا اور خاشاک پر دشت کے گرداب حملہ کرتے ہیں۔ پھر وہ بھاگ کر اور تلوار لہراتا ہوا آگے بڑھا اور جذبوں کے نقاش، راہ گر دوران، بناض فطرت، ساحلوں کے نقیب، آندھیوں کے قائد اور طوفانوں کے راہنما کی طرح وہ ان مرہٹوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں عبداللہ نے دو مرہٹوں کا خاتمہ کر دیا تھا۔ ایک اس کی تلوار کا شکار ہوا تھا اور دوسرا اس کی ڈھال کے آگے جو تیز دو منہ کا خنجر لگا ہوا تھا اس کا شکار ہو کر رہ گیا تھا۔ چھ مرہٹوں میں سے دو کامنی کے تیروں کا شکار ہوئے دو کو عبداللہ نے ختم کر دیا۔ چار مرہٹوں کے ختم ہو جانے کے بعد دو شش و پنج میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔

زندہ بچنے والے مرہٹے ایک دوسرے کی طرف عجب انداز میں دیکھ رہے۔ ابھی فیصلہ نہ کرنے پائے تھے کہ عبداللہ آندھی اور طوفان کی طرح ان دونوں پ

ہو گیا تھا۔ وہ دونوں تھوڑی دیر تک عبداللہ کے آگے اپنا دفاع کرتے رہے اپنے ساتھیوں کے کام آ جانے کی وجہ سے وہ انتہائی طور پر بدظن اور شکستہ دل ہو چکے جس وقت اپنا دفاع کرتے ہوئے پیچھے ہٹ رہے تھے اس وقت ایک پر عبداللہ سانپ کی زبان جیسی تلوار پڑی اور پیٹ تک اسے چیرتی چلی گئی تھی۔ دوسرا جس چونک کر اپنے مرنے والے ساتھی کو دیکھنے لگا تھا عبداللہ نے اس کے پیٹ میں ڈھال میں لگا ہوا دو دھارا خنجر گھونپ کر اس کا بھی خاتمہ کر دیا تھا۔

سارے مرہٹوں کا خاتمہ ہو جانے کے بعد کامنی بھی ریت کے ٹیلے کی اوٹ سے ئی تھی۔ اتنی دیر تک عبداللہ نے مرنے والوں کے لباس سے اپنی تلوار صاف کر یام میں ڈال لی تھی اور اپنی ڈھال کا خنجر بھی صاف کر کے اس نے خول چڑھا کر کو کندھے سے لٹکا لیا تھا۔ اتنی دیر تک کامنی اس کے قریب آئی اور عبداللہ کا بھرا ترکش اور کمان اس کی طرف بڑھا دی۔ عبداللہ نے اپنی کمان لے کر ے سے لٹکا لی۔ تیروں بھرے ترکش کو اس نے اپنی پیٹھ پر باندھ لیا تھا۔ اس ا پر تھوڑی دیر تک کامنی اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی پھر وہ صدیوں کے شکستہ ام جیسی افسردہ چراغوں کے زوال جیسی اداس اور آخری ملاقات کی یادوں جیسی ی آواز میں کہنے لگی۔

شاہ پسند مجھے اپنے آپ پر ندامت اور غصہ آ رہا ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ نے آپ کے ساتھ دھوکہ اور فریب کیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ جس شاہ کو میں اپنا قیدی اور اسیر بنا کے اپنے شہر بھرت پور لے جا رہی ہوں وہی میری کا محافظ اور میری عصمت کا پاسبان بن کر اٹھ کھڑا ہو گا۔ شاہ پسند تم نے جو ں سے یہ کہا کہ تمہاری جان کی نسبت میری عزت و عفت کی زیادہ قدر و قیمت تم خالق کائنات کی مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ تم نے مجھے اخلاق کا طمانچہ مار کر درگور کر دیا ہے۔

شاہ پسند میں آپ کے سامنے یہ بھی اقرار کرتی ہوں کہ میں لگاتار دو سال تک

احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں ٹھہری رہی اور میرا قیام لشکر کے قاضی ادریس کے
تھا۔ میں تمہارے سامنے یہ اقرار بھی کرتی ہوں کہ قاضی ادریس کا میرے
سلوک ایسا ہی تھا جیسے کوئی شفیق باپ اپنی بیٹیوں کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ برا
لگا تار مجھے دین اسلام کی طرف راغب کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بھرپور تر
دیتے رہے ہیں لیکن میں نے نہ آج تک ان کی باتوں کی طرف دھیان دیا نہ ا
کسی ترغیب کو اپنے دل میں جگہ دی۔ آج ان ویرانوں میں پہلی بار میں اپنے
اپنے دل پر قاضی ادریس کی تعلیم کا اثر محسوس کر رہی ہوں۔ شاہ پسند آپ
مرہٹوں کے ہاتھوں میری عزت اور عصمت کی حفاظت کر کے مجھے بے مول خ
ہے۔ اب میں آپ کے ساتھ واپس جانے کے لئے تیار ہوں اور ساری عمر آپ
لونڈی بن کر آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

اس پر عبداللہ غصے اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ سورج مل
راجکماری تیرے اور میرے درمیان اب بستی بستی چڑھتی آندھیوں جیسی نفرت
منجمد کرتے برفانی طوفانوں جیسی بیزاری' پھول کی پتی پتی کو فنا کرتے جھونکوں ج
کراہت اور عمروں کو بہا لے جانے والے خونی وعدوں جیسی حقارت حائل ہ
ہے۔ کسی بھی موقع پر اگر گزرے وقت کے دھارے نے میرے اور تمہارے د
انتقام کے فانوس کو روشن کر دیا تو میں اور تم ایک دوسرے کے لئے ایسے ہی
ہوں گے جیسے شہر خموشاں میں صور اسرافیل پھونک دیا گیا ہو یا حیات کے اوطاقوں
آگ لگا دی گئی ہو۔ لہٰذا ہم دونوں اب ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

سنو سورج مل کی راجکماری تو نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں صرف مجھ
انتقام لینے کی خاطر دو سال تک قیام کئے رکھا۔ گو وقتی طور پر انتقام کی یہ آگ ا
پر ٹھنڈی ہو گئی ہے کہ مرہٹوں کے ہاتھوں میں نے تیری عزت بچائی۔ لیکن یہ
آنے والے دور میں کسی بھی وقت روشن ہو کر تمہارے اور میرے دونوں کے
بربادی کا باعث بن سکتی ہے۔ لہٰذا ہم دونوں کے درمیان جو نفرت' بیزاری اور کرا

اس کا تقاضا یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے جدا اور علیحدہ رہیں۔
کامنی اپنی آواز کی پوری مٹھاس میں کہنے لگی۔
شاہ پسند۔ میں آپ کے خیالات سے قطعی اتفاق نہیں کرتی۔ پہلے تو میں آپ کے
یہ احتجاج کرتی ہوں کہ میرا نام کامنی ہے اور آپ مجھے کامنی کہہ کر بھی مخاطب
تے ہیں۔ لیکن یہ بار بار مجھے سورج مل کی راجکماری کہہ کر کیوں پکارتے ہیں۔
ے یہ کہ شاہ پسند یہ زندگی دھوپ بھی ہے اور چھاؤں بھی۔ پھول بھی ہے برق
ب و تاب بھی۔ رات کے ماتھے پر سحر کی لکیر بھی ہے اور زمان و مکان کی خونی
بھی۔ رگ خون سے لکھی جانے والی داستان بھی ہے اور وقت کے ساز پر
ا کا گیت بھی۔ ظلمت دشت و دمن بھی ہے سورج کا اجالا اور صبح کا فروغ بھی

شاہ پسند اگر آپ چاہیں تو اس نفرت' بیزاری' کراہت اور حقارت کو نظروں کے
ی چاہت' زہرہ کے سرور جیسی محبت اور خواب خمار کے مسلسل رقص جیسی
یں بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔
بداللہ کہنے لگا دیکھ سورج مل کی راجکماری۔ جو تو چاہتی ہے میں پسند نہیں کرتا۔
اپنے دل' اپنے ذہن میں کسی محبت' چاہت اور الفت کو جگہ نہیں دینا چاہتا۔ بس
ے میرے درمیان جو نفرت اور بیزاری کی جھیل حائل ہے وہ ویسی کی ویسی ہی
دو اور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اسی میں تمہاری اور میری بہتری ہے کہ جو نفرت'
یزاری میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکی ہے اسے تم اگر مٹانا چاہو تو
ٹ سکتی۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ آگے بڑھا اور کامنی کے گھوڑے کی زین
جو اس کی خرجین اور دوسری اشیاء تھیں اس نے قاضی ادریس کے اس گھوڑے
ن کے ساتھ باندھ دیں تھیں جو کامنی لے کر آئی تھی۔ پھر عبداللہ بولا اور کامنی
طب کر کے کہنے لگا۔
دیکھ سورج مل کی راجکماری اب تو یہاں سے کوچ کر جا۔ اسی میں تیری بہتری'

تیری بھلائی ہے۔ یہ تیرا گھوڑا کھڑا ہے اسے لے جا۔ یہ تیرا شناسا اور سدھا
ہے۔ یہ تجھے تیرے شہر بھرت پور پہنچا دے گا۔ میں قاضی ادریس کا گھوڑا لے
ہوں جو تو لے کر آئی تھی۔ اس پر کامنی بے چاری دکھ اور غم بھری آواز میں
لگی۔

شاہ پسند یہ گھوڑا اب میرا نہیں تمہارا ہے جب تم نے جموں کے راجہ رنجیت
کو شکست دی تھی اس وقت ہی یہ گھوڑا میں نے تمہیں سونپ دیا تھا۔ تم یہ
واپس لے جاؤ۔ میں مرنے والوں میں سے کسی ایک کے گھوڑے پر بیٹھ کر چلی
گی۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا دیکھ سورج مل کی بیٹی تو نے راجہ رنجیت
شکست کے موقع پر جو مجھے اپنا گھوڑا تحفتاً اور انعام میں دیا تھا تو اس کے اندر
ایک فریب' ایک دھوکہ اور ایک جال پنہاں تھا پر میں اپنے شانوں سے وہ دھوکہ
فریب اتار پھینکنا چاہتا ہوں۔ لہٰذا تم اپنے گھوڑے کو لے جاؤ۔ میں قاضی ادریس
گھوڑے پر بیٹھ کر واپس چلا جاؤں گا۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے آگے
قاضی ادریس کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی تھی۔ تھوڑی دیر تک اس نے سوچا
دوبارہ کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو کامنی۔ میں یہاں سے کوچ کرنے لگا ہوں۔ مرنے والوں کے سارے گھوڑے
بھی میں اپنے آگے ہانکتے ہوئے لے جاؤں گا کہ یہ لشکر میں میرے کام آئیں گے
مرنے والوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں ان کی تلاشی لے لو شاید ان سے تمہیں
کار آمد شے مل جائے۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ قاضی ادریس کے گھوڑے
ہوا اور سارے مرنے والوں کے گھوڑوں کو وہ اپنے آگے ہانکتا ہوا واپس جا رہا
کامنی سرخ پتھر کے کسی بت کی طرح اپنی جگہ پر کھڑی اسے جاتا ہوا
تھی۔ اس کی حالت سے لگتا تھا جیسے وہ اپنے اندر کے تلاطم روح کی آتش
اٹھتے غم کے طوفان سے رسہ کشی کر رہی ہو۔ اس کی حالت پیاسے صحرا
دشت کے مسافر جیسی ہو رہی تھی جس کے مقدر میں نہ جہت نہ منزل۔ نہ

جس کی قسمت میں نہ گل نہ شبنم' نہ آفتاب نہ مہتاب رہا ہو۔ جس کے دل کی
کو روند کر روح کے ذروں کو پامال کر کے اور رگوں سے قہقہے کشید کر کے اس کی
اس کے دامن میں ملال اور حسد بھری رسوائیاں ڈال دی گئی ہوں۔
اس کی حالت آشیانوں کے اسیر اور حیات و موت کے تابوت میں بند اس پرندے
ہو رہی تھی جس کی پرواز کے خوابوں کو لاکھوں طوفانوں کے غم نے ازل سے ہی
میں تحلیل کر دیا ہو۔ کامنی بڑے افسردگی بڑی اداسی سے عبداللہ کو جاتے ہوئے
تی رہی جب وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا تب اس کی گردن کسی جھکے ہوئے
داؤں کی گرد' خانہ بدوشوں کے غبار اور تابوت میں جڑی کیل اور آفاق کے تفکر
طرح جھک گئی تھی۔ پھر ناگاہ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے اور اس کے
وہ سسک سسک کر رو دی تھی۔ کچھ دیر بعد اس نے اپنے آپ کو سنبھالا بڑی مردہ
سے وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئی اور اسے ایڑ لگائی پھر وہ بھرت پور جانے کے
سڑک پر دوڑا رہی تھی۔



عبداللہ نے گھوڑے کو لشکر کے قاضی ادریس کے خیمے کے سامنے روکا۔ اس نے
ا قاضی ادریس اپنے خیمے سے باہر ہی کھڑے تھے۔ شاید وہ کامنی کے نہ لوٹنے کی
جہ سے پریشان تھے اور باہر کھڑے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ عبداللہ نے ان کے
گھوڑے کو جو ان کے خیمے کے باہر کھونٹے سے باندھا تو قاضی ادریس اس کے قریب
آئے اور پریشانی میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگے۔ شاہ پسند میرے بیٹے یہ گھوڑا تو
کامنی لے کر گئی تھی تم اسے کہاں سے لے کر آ رہے ہو۔ اس پر عبداللہ گھوڑے کو
باندھنے کے بعد قاضی ادریس کے قریب آیا اور کہنے لگا۔
آپ کا گھوڑا بے شک کامنی ہی لے گئی تھی لیکن اب وہ لوٹے گی نہیں وہ بھرت
پور جا چکی ہے۔ اس پر قاضی ادریس نے انتہائی حیرت اور پریشانی میں پوچھا یہ تم کہ

کہہ رہے ہو بیٹے اور جواب میں عبداللہ نے جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا تھا تف
کے ساتھ بتا دیا تھا۔

عبداللہ کی زبان سے اس انکشاف پر قاضی ادریس پریشان اور افسردہ سے ہو
تھے پھر وہ مردہ سی آواز میں کہنے لگے عبداللہ میرے بیٹے مجھے اس کامنی سے ایسی ا
نہ تھی کہ وہ تمہارے ساتھ اس طرح کا تحقیر آمیز سلوک کرے گی۔ بہرحال اس
اپنے دل میں کوئی دھوکہ فریب یا چالبازی بٹھا رکھی تھی تو اچھا ہوا اس سے ہماری
چھوٹی اور وہ جدھر کی ہوا تھی اسی سمت چلی گئی۔ تم پریشان نہ ہو میرے بیٹے۔ !
سمجھتا ہوں کہ تم نے اس پر بڑا احسان کیا جو تم نے اس کی عزت اس کے ناموس
حفاظت کی۔ تم جیسے جوان سے ایسے ہی سلوک اور ایسی ہی مہربانی کی توقع کی جا
تھی۔ آؤ بیٹھو خیمے میں۔ میں تمہاری کچھ تواضع کرتا ہوں۔ اس پر عبداللہ مسکرا
ہوئے کہنے لگا نہیں آپ اپنا گھوڑا سنبھالئے میں اب اپنے خیمے کی طرف جاتا ہوں
اس کے ساتھ ہی عبداللہ خاموشی سے پیدل چلتا ہوا اپنے خیمے کی طرف جا رہا تھا۔



احمد شاہ ابدالی کی طرف سے ہندوستان کے شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی اور اس کے وز
غازی الدین کو صلح کے لئے جو شرائط پیش کی گئی تھیں جب وہ شرائط انہوں نے پو
کرنے سے معذرت ظاہر کی تو احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ سارے
کو اس نے چار حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصے کا کماندار عبداللہ کو رکھا۔ دوسرا
شاہ ولی خان ' تیسرے کا جہان خان اور لشکر کا چوتھا حصہ احمد شاہ ابدالی نے خود ا
کمانداری میں رکھا تھا۔ اس کے بعد لشکر نے پانی پت کے میدانوں سے کوچ کیا
دریائے جمنا کو پار کرنے کے بعد دریا کے مشرقی ساحل کے ساتھ ساتھ لشکر خیمہ زن
گیا تھا۔

دہلی کے حکمرانوں اور عوام کی بری حالت تھی۔ ان لوگوں کو جب خبر ہوئی کہ
شاہ ابدالی دہلی پر حملہ آور ہونے کے لئے دریائے جمنا کو پار کر چکا ہے تو لوگوں

انتا درجے کا خوف و ہراس پھیل گیا تھا۔ مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی اور اس کے وزیر
غازی الدین کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ اس موقعہ پر غازی الدین
نے فوج کے سپہ سالار نجیب الدولہ سے درخواست کی کہ وہ شہر سے نکل کر احمد شاہ
ابدالی کی پیش قدمی کو روکے اور اس کا مقابلہ کرے لیکن جواب میں نجیب الدولہ نے
کہا کہ اس کے لشکر کو گذشتہ ایک ماہ کی تنخواہ نہیں ملی لہٰذا لشکریوں کو تنخواہ دینے کے
لئے دو کروڑ روپوں کا انتظام کیا جائے۔ اس موقعہ پر غازی الدین نے بے بسی کا اظہار
کردیا۔ لہٰذا دہلی کا کوئی بھی لشکر شہر سے نکل کر احمد شاہ ابدالی کے مقابلہ پر نہ آیا۔

احمد شاہ ابدالی ناحق مسلمانوں کا خون نہ بہانا چاہتا تھا لہٰذا شہر پر حملہ آور ہونے
سے پہلے اس نے دہلی کے حکمرانوں کی طرف پھر اپنا قاصد بھجوایا اور مطالبہ کیا کہ
مغل شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی اور اس کا وزیر غازی الدین خود آکر اس کے ساتھ صلح کی
شرائط طے کرلیں۔ جواب میں اس قاصد کے ہاتھ وزیر غازی الدین نے کہلا بھیجا کہ
مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی کو اس حاضری سے مستثنا قرار دیا جائے تاہم میں خود اس
حاضری کیلئے تیار ہوں۔ احمد شاہ ابدالی نے جب اس پیشکش کو قبول کرلیا تو غازی
الدین اپنے چند مشیروں اور صلح کاروں کے ساتھ شہر سے نکل کر احمد شاہ ابدالی کے
لشکر میں داخل ہوا۔

غازی الدین اور اس کے رفقا کو جب احمد شاہ ابدالی کے سامنے پیش کیا گیا تو احمد
شاہ ابدالی نے غازی الدین کو مخاطب کر کے پوچھا تم نے دہلی کا وزیر ہوتے ہوئے
میرے ساتھ جنگ کیوں نہ کی۔ غازی الدین بڑی بے بسی اور لاچارگی کا اظہار کرتے
ہوئے کہنے لگا۔ دراصل ہندوستان میں مغل سلطنت کی افواج کا سپہ سالار نجیب الدولہ
ہے اور میں بھی جانتا ہوں اور آپ بھی اس بات سے آگاہ ہیں کہ وہ اندر ہی اندر پہلے
ہی آپ سے مل چکا ہے۔ میں نے کئی بار اسے آپ کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے
کہا لیکن وہ نہ مانا۔ لہٰذا جب لشکر ...ں کا سپہ سالار ہی لڑنے کے لئے تیار نہ تھا تو میں
لشکر کہاں سے لاتا جو آپ کا مقابلہ کر سکتی۔

غازی الدین کے اس جواب پر احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ر دوبارہ بولا اور غازی الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو غازی الدین اس میں کوئی شک نہیں کہ مغل شہنشاہ کے لشکر کے پ نجیب الدولہ کے میرے ساتھ روابط اور تعلقات ہیں۔ دیکھ غازی الدین اس الدولہ نے مجھے پیش کش کی ہے کہ اگر اسے مغل سلطنت کا وزیر بنا دیا جائے مجھے دو کروڑ روپے کی ادائیگی کا وعدہ کرتا ہے۔ اس مقصد کے لئے میری طرف شاہی پروانہ بھی تیار ہے جس میں نجیب الدولہ کو مغل سلطنت کا وزیر مقرر کیا جا ہے۔ ہاں غازی الدین میں تمہارے ساتھ یہ رعایت کر سکتا ہوں کہ اگر تم اس بھی آدھی رقم ادا کر دو تو تمہیں تمہارے موجودہ منصب پر بحال رکھا جائے گا بص دیگر یہ منصب نجیب الدولہ کو دے دیا جائے گا۔

غازی الدین نے بڑی لاچارگی اور بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ پاشا رقم کہاں سے جمع کروں گا۔ احمد شاہ نے پوچھا تمہارے گھر میں کتنی رقم جمع ہو غازی الدین نے جواب دیا چودہ لاکھ کے قریب نقد۔ چار لاکھ کے قریب زرو جواہرا اسباب خانہ داری ہوگا احمد شاہ نے حکم دیا یہ ساری چیزیں اس کے پاس لا کر جمع دی جائیں۔ اس کے بعد احمد شاہ نے بڑی کوشش کی کہ وہ مطلوبہ رقم ادا کر دے اسے وزارت کے منصب پر بحال رکھا جائے لیکن غازی الدین اپنی ضد پر قائم رہا وہ اس قدر رقم ادا نہیں کر سکتا۔ لہٰذا احمد شاہ نے وزارت کی سند نجیب الدولہ کو دی تھی۔

غازی الدین نے چونکہ احمد شاہ ابدالی کی اطاعت قبول کر لی تھی دوسرے اسے وزارت سے برطرف کر دیا گیا تھا اب دہلی میں کسی قسم کی مزاحمت کا اندیشہ رہا تھا۔ شہر اور قلعہ میں برائے نام مغل بادشاہ عالمگیر ثانی موجود تھا۔ ورنہ ہندو کی ساری سلطنت احمد شاہ ابدالی کے قدموں تلے آ گئی تھی۔

اس دوران دہلی کے گردونواح میں احمد شاہ ابدالی کی موجودگی میں پہلا جمعہ آ

جمعہ کی نماز کے وقت بعض خوشامد پسند قسم کے لوگوں نے دہلی کی جامعہ مسجد د شاہ ابدالی کے نام کا خطبہ بھی جاری کیا گیا اور کسی نے اس سلسلے میں کوئی ج نہ کیا حالانکہ مغل بادشاہ وقت زندہ تھا نہ کسی نے اسے گرفتار کیا تھا نہ مارا شہر سے نکالا تھا۔ اس کے باوجود دہلی اور اس کے گردونواح کی مسجدوں میں احمد ابدالی کے نام کا خطبہ جاری کیا گیا۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے اعیان سلطنت کے ساتھ دہلی شہر میں داخل ہوا۔ شاہ ابدالی کو دہلی کے تخت و تاج پر بیٹھنے کی کوئی آرزو نہ تھی۔ مغل سلطنت کے بھی جانتے تھے کہ احمد شاہ ابدالی دہلی کے تخت پر قبضہ نہیں کرنا چاہتا۔ لہٰذا ان ے کئی نے مطالبہ کیا کہ موجودہ مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی کو برطرف کر کے کسی اور ل سلطنت کا ہندوستان میں شہنشاہ بنا دیا جائے۔

لیکن احمد شاہ ابدالی نے کسی بھی تجویز کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے اپنا فیصلہ ہوئے کہا کہ موجودہ مغل شہنشاہ عالمگیر کو کسی بھی الزام میں تخت سے اتارا نہیں گا۔ حکومت کے کاروبار چلانے میں تو وزیر غازی الدین ذمہ دار تھا جس نے ہم صلح کر لی ہے۔ لہٰذا عالمگیر ثانی پر کسی قسم کا الزام نہیں دھرا جا سکتا۔ اس بنا پر ندوستان کی سلطنت پر شہنشاہ کی حیثیت سے عالمگیر ثانی کو بحال رکھتا ہوں۔

یہ فیصلہ ہو چکنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے خود شہنشاہ عالمگیر کو پیغام بھیجا کہ میں تان کی سلطنت آپ کو عطا کرتا ہوں۔ میرا اس سے کوئی سروکار نہیں نہ تعلق واسطہ ہے۔ آپ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ مجھ سے ملاقات کرنے کے تشریف لائیے۔

دوسرے روز شاہ عالمگیر ثانی اپنے کچھ مشیروں کے ساتھ احمد شاہ ابدالی سے ملنے لئے نکلا۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے خیمے سے نکل کر شہنشاہ عالمگیر ثانی کا استقبال کیا اپنے لشکر میں عالمگیر ثانی کو خوش آمدید کہا۔ تاہم احمد شاہ ابدالی نے عالمگیر ثانی کو مسند پر اپنے برابر بٹھایا۔ رسمی مزاج پرسی کے بعد اسے صلح کی مبارک باد دی اور

بڑی شفقت بڑے پیار میں عالمگیر ثانی کو مخاطب کر کے کہا میرے بھائی
ہندوستان کا تخت و تاج آپ کو مبارک ہو۔ میں تو چند دنوں کے لئے
مہمان ہوں پھر یہاں سے واپس چلا جاؤں گا۔

اس کے بعد دونوں بادشاہوں نے دوستانہ ماحول میں کھانا تناول کیا۔
شاہ عالمگیر ثانی نے اپنے سابق وزیر غازی الدین کے ناشائستہ اطوار کی
سے شکایت کی۔ احمد شاہ ابدالی نے بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے عالمگیر
کہا کہ آپ غازی الدین کو معاف کر دیں اس لئے کہ میں بھی اسے معاف
اور وعدہ سے پھر جانا ایک بادشاہ کے لئے سزاوار نہیں۔ مجھے امید ہے کہ
آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرے گا اور اگر نافرمانی کرے گا تو اپنے
پائے گا۔

پائیدار دوستی کے نشان پر دونوں بادشاہوں نے پگڑیاں تبدیل کیں اور
احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالمگیر ثانی کو بیش قیمت خلعت۔ سنہری ٹوپی۔ عقاب
کا کلغی۔ منقش چوغہ اور سونے سے بھرا ہوا تھال پیش کیا۔ نئے وزیر نجیب
بھی خلعت عطا کیا گیا۔ اس کے بعد شام کے قریب مغل شہنشاہ عالمگیر ثانی
ابدالی کے پڑاؤ سے واپس شہر میں آ گیا تھا۔

دوسرے روز احمد شاہ ابدالی نے دہلی کے قلعے میں داخل ہو کر قلعہ
خواہش کا اظہار کیا۔ لہٰذا دہلی کے کوتوال نے شہر میں منادی کرا دی کہ احمد شاہ
شہر سے ہوتا ہوا قلعے میں داخل ہوگا۔ بہرحال شاہ ابدالی پڑاؤ سے نکل کر دہلی کے
قلعے کی طرف روانہ ہوا۔ مغل شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی نے مسجد فتح پوری کے پاس
احمد شاہ ابدالی کا استقبال کیا اور توپوں کی سلامی سے احمد شاہ ابدالی کی آمد کا اعلان
گیا۔ اس موقعہ پر لوگ اپنے گھروں میں دبک گئے تھے ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہندوستان
مصروف ترین شہر اجڑا اجڑا ہو کر رہ گیا ہو۔

یہ سب کچھ ہو چکنے کے بعد احمد شاہ ابدالی کو دولت جمع کرنے کا خیال آیا۔

سابق وزیر غازی الدین کو طلب کیا گیا اور اسے حکم دیا گیا کہ اس کی حویلی
نقد اور جواہرات ہیں وہ اسے پیش کرے۔ غازی الدین نے پہلے تو پس و
کام لیا لیکن جب اس کی حویلی کی تلاشی لی گئی تو اس کے یہاں سے ایک
کے جواہرات اور تین لاکھ اشرفیاں برآمد ہوئیں جبکہ ایک اشرفی سولہ
برابر تھی۔

کے بعد نجیب الدولہ کی باری آئی۔ اس نے احمد شاہ ابدالی کو دو کروڑ روپے
کے عوض مغل شہنشاہ کی وزارت حاصل کی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے اسے
کروڑ میں سے ایک کروڑ پہلی قسط کے طور پر ادا کرے لیکن نجیب الدولہ
ٹالنے لگا اور کہنے لگا ابھی اس کے پاس یہ رقم نہیں جلد ہی وہ اس رقم کا
کرے گا۔ احمد شاہ نے اس کی حویلی کی تلاشی لینے کا حکم دیا لیکن جب اس کے
کچھ نہ نکلا تو نجیب الدولہ کو احمد شاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ احمد شاہ نے
کہ جب تک یہ رقم ادا نہ کرے اسے ڈنڈوں سے پیٹا جائے۔ نجیب الدولہ
نوں کی بیوہ مغلانی بیگم کا بھتیجا تھا لہٰذا مغلانی بیگم کو اس پر رحم آیا اور
ر کو احمد شاہ کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ نجیب الدولہ کو پٹنے سے بچائے۔
ین سمجھ گیا کہ احمد شاہ ابدالی کی صورت میں ان پر جو مصیبت آئی ہے وہ
ں کی نااتفاقی کی بنا پر لہٰذا وہ احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور نجیب
چھوڑ دینے کی سفارش کی۔

پر احمد شاہ ابدالی نے جواب دیتے ہوئے کہا مجھے تو اس نجیب الدولہ سے
م چاہیے سختی سے ملے یا نرمی سے۔ مجھے تو اطلاع ہے کہ اس کے پاس بہت
ہے جسے یہ ادا کرنے سے پس و پیش کر رہا ہے اور اگر اس نے خزانے کا پتہ
میں اسے کوڑے مارنے کی سزا دے دوں گا۔ نجیب الدولہ کو جب خبر ہوئی کہ
ڑے لگنے والے ہیں تو اس نے اگل دیا کہ خزانہ اس کی ماں کے پاس ہے۔
ر پوری بیگم کو طلب کیا گیا تو اس نے ایک حویلی کا پتہ بتا دیا جس میں خزانہ

دفن تھا لہٰذا اس حویلی کی کھدائی کیلئے احمد شاہ ابدالی نے اپنے کارکن بھجوا
جب اس حویلی کی کھدائی کی گئی تو اس میں سے ڈیڑھ کروڑ روپیہ نقد
صورت میں نکلا۔ اس کے علاوہ کھدائی کے دوران ہیرے، موتی جواہرات
کوئی شمار نہ تھا۔ مزید یہ کہ سونے اور چاندی سے مرصع عصاؤں کے علا
سونے کی دو سو موم بتیاں بھی برآمد ہوئی تھیں۔ جنہیں احمد شاہ ابدالی نے ا
میں کر لیا تھا اس طرح اورنگ زیب عالمگیر کے دور حکومت سے جس قدر
جمع کرتا رہا تھا ان سب چیزوں پر احمد شاہ ابدالی نے قبضہ کر لیا تھا۔

وزرا کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے دوسرے حکمران طبقے کا بھی رخ کیا ان
گھروں کی تلاشی لی۔ ہر صاحب استطاعت شخص سے تاوان جنگ موصول
لوگوں نے تاوان جنگ ادا کرنے کے لئے اور سزا سے بچنے کے لئے زیورات
اور کپڑے تک فروخت کر دیئے اب حالت یہ تھی کہ ان چیزوں کو خریدنے وال
ملتا تھا۔ سونا آٹھ سے دس روپے تولہ تک ہو گیا تھا۔ چاندی کا نرخ آٹھ آ
تھا۔ برتن روپے کی تین سیر بکنے لگے تھے۔ حکمران طبقے کے کچھ لوگ جو تاو
ادا نہ کر سکے تھے انہوں نے زہر کھا کر خودکشی کر لی تھی۔

سزائیں دی گئیں اور کچھ لوگ ان سزاؤں کی تاب نہ لا کر چل بھی ب
کچھ ایسے بھی لوگ تھے جنہیں تاوان نہ ادا کرنے کی سزا یہ ملی کہ ان کے گ
جلا کر خاکستر کر دیا گیا تھا۔ بہرحال دہلی میں اس دارو گیر سے کوئی نہ بچ سکا۔ ا
دارو گیر سے میرمنوں کی بیوی مغلانی بیگم محفوظ رہی اور احمد شاہ ابدالی
جالندھر کے علاوہ جموں اور کشمیر کے علاقے جاگیر کے طور پر عنایت کر دیئے گئے

اس کے بعد دہلی میں احمد شاہ ابدالی کے نام کا سکہ جاری کیا گیا۔ یہ سکہ
قندھار سے جاری ہونے والے سکوں سے بالکل مشابہ تھا۔ اس کے بعد احمد شا
نے دہلی کے مغل شہنشاہ سے اپنے تعلقات مزید بہتر بنانے کے لئے اپنے
کیلئے کسی شہزادی کا رشتہ طلب کیا شاہ عالمگیر ثانی نے اس رشتے کی منظوری

اپنی بیٹی گوہر افروز بانو کی شادی احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور سے کر دی تھی۔
عالمگیر ثانی سے سرہند کا علاقہ اپنی بیٹی کے جہیز میں دیا گیا تھا۔ اس شادی کے موقع پر
احمد شاہ ابدالی نے بیس ہزار روپے نقد۔ کپڑوں کے بیس تھان مٹھائی کے بیس ٹوکرے
شاہ عالمگیر ثانی کی خدمت میں پیش کئے اس طرح شاہ عالمگیر ثانی کی بیٹی گوہر افروز بانو
اور احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور مرزا کی شادی ہو گئی تھی۔

اس شادی کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے میرمنوں کی بیوہ مغلانی بیگم کی لڑکی عمدہ
بیگم کی شادی بھی اس کے منگیتر اور سابق وزیر غازی الدین سے کر دی تھی۔ حنابندی
اور نکاح کی رسم خود احمد شاہ ابدالی نے ادا کی اور اپنے پاس سے پانچ ہزار روپے نقد
اور اپنی شال بھی عطا کی۔ جب یہ شادی ہو چکی تو احمد شاہ ابدالی نے مغلانی بیگم کی بیٹی
عمدہ بیگم کے شوہر غازی الدین کو بھی اپنی طرف سے دو لاکھ روپے نقد، دو ہاتھی، چار
گھوڑے اور بلند خان کا خطاب بھی عطا کیا۔ یوں احمد شاہ ابدالی دہلی میں ہر معاملہ اپنی
مرضی اور منشا کے مطابق طے کرنے میں کامیاب رہا تھا۔



دہلی کے معاملات کو طے کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے سب سے پہلے اپنے
قاصد مرہٹوں کی طرف بھجوائے اور انہیں اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرنے کی
ترغیب دی۔ مرہٹوں کا لشکر اس وقت دہلی کے نواح میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ اس لشکر
کا اصل جرنیل تو مرہٹوں کے پیشوا بالا جی راؤ کا بھائی رگوناتھ راؤ تھا لیکن جب
رگوناتھ راؤ نے دیکھا کہ دہلی کے حکمرانوں اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان صلح ہو گئی
ہے تو وہ اپنے ایک جرنیل مانک شور کو اپنے لشکر کا کماندار بنانے کے بعد واپس پونا کی
طرف چلا گیا تھا اور اپنے جرنیل مانک شور کو رگوناتھ نے حکم دے دیا تھا کہ وہ کسی
بھی صورت احمد شاہ ابدالی کی اطاعت اور فرمانبرداری نہ کرے۔ اس لئے کہ مرہٹے
ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ہندوستان کی مغل سلطنت اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان صلح
ہو۔ وہ تو چاہتے تھے کہ احمد شاہ ابدالی کے خلاف جنگ کی جائے اور اسے ہندوستان

سے نکال باہر کیا جائے۔ احمد شاہ ابدالی کو نکالنے کے بعد مرہٹے مغل سلطنت پر ح
آور ہو کر اس پر بھی قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

لہٰذا جب احمد شاہ ابدالی کے قاصد مرہٹوں کے لشکر میں پہنچے اور لشکر کے س
سالار مانک شور کو احمد شاہ ابدالی کا پیغام دیا تو مانک شور نے بڑے سخت الفاظ میں اح
شاہ ابدالی کی تابعداری اور فرمانبرداری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور قاصدوں کے
ہاتھ کہلا بھیجا کہ احمد شاہ ابدالی سے کہہ دیا جائے کہ یہ مغل سلطنت نہیں کہ جو پکے
ہوئے پھل کی طرح اس کے سامنے آگرے گی اور اگر کھلے میدانوں میں احمد شا
ابدالی نے مرہٹوں سے ٹکرانے کی کوشش کی تو مرہٹے اسے دن کے وقت تارے دکھ
دیں گے اسے ایسے ناکوں چنے چبوائیں گے کہ احمد شاہ ابدالی کابل کی طرف بھاگنے کے
لئے راہیں تلاش کرتا پھرے گا۔ یہ پیغام جب احمد شاہ ابدالی کو پہنچا تو احمد شاہ ابدالی
نے مرہٹوں سے ٹکرانے کا عزم کر لیا تھا۔

مرہٹوں کی طرف سے یہ جواب ملنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے قاصد بھرت
پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کی طرف روانہ کئے جو لاہور کے نواح میں
اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے تھا اسے بھی احمد شاہ ابدالی نے اپنی اطاعت اور
فرمانبرداری قبول کرنے کی ترغیب دی جو قاصد احمد شاہ ابدالی نے جواہر سنگھ کی طرف
بھجوائے تھے انہوں نے بھی واپس آکر ویسا ہی جواب احمد شاہ ابدالی کو سنایا جیسا جواب
اسے مرہٹوں کی طرف سے ملا تھا۔ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ نے بھی احمد شاہ
ابدالی کی فرمانبرداری قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور احمد شاہ ابدالی کو کھلے میدانوں
میں جنگ کی دعوت دے ڈالی تھی۔

اس صورت حال میں احمد شاہ ابدالی نے عبداللہ، شاہ ولی خان، جہان خان اور
برخوردار خان کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب یہ چاروں احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں
آئے تو احمد شاہ ابدالی نے ان سب کو اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا۔ جب وہ اپنی اپنی
نشستوں پر بیٹھ گئے تو احمد شاہ ابدالی انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو میرے رفیقان کار! تم جانتے ہو ہم نے باری باری مرہٹوں اور بھرت پور کے
سورج مل کے بیٹے کو فرمانبرداری کا پیغام دیا تھا۔ لیکن انہوں نے ہماری
داری اختیار کرنے کی بجائے ہمیں جنگ کی دعوت دے دی ہے اور ہم ان کی
مبارزت آرائی کو قبول کر چکے ہیں۔ سنو میرے عزیزو! پہلے مرہٹوں کے خلاف
آرائی کی جائے گی میں یہاں تمہیں یہ بھی بتاتا چلوں کہ مرہٹے اور بھرت پور کا
سورج مل ایک دوسرے کے بدترین دشمن ہیں اور وہ جنگ میں ایک دوسرے کی
ہیں کریں گے اور اگر وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے بھی تو اس کا بھی ہم
ت کر کے رکھیں گے۔

یرے ساتھیو! لشکر پہلے ہی چار حصوں میں تقسیم ہے۔ سب سے پہلے شاہ پسند
میں آئے گا۔ اس کے ذمے مرہٹوں پر ضرب لگانے کا کام لگایا جاتا ہے۔ جس
شاہ پسند مرہٹوں پر حملہ آور ہوگا اس وقت شاہ ولی خان اور جہان خان اپنے اپنے
لاں کے ساتھ مرہٹوں کے دائیں اور بائیں طرف اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ
جائیں گے تاکہ ان اطراف میں مرہٹوں کو کوئی مدد اور کمک نہ پہنچنے پائے اور نہ
اس سمت سے شاہ پسند سے بھاگ کر اپنی جانیں بچا سکیں۔

لشکر کا چوتھا حصہ میری کمانداری میں ہوگا اور برخوردار میری کمانداری میں کام
ے گا۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ اس بات پر نگاہ رکھوں گا کہ سورج مل کے بیٹے
سنگھ کا لشکر مرہٹوں کی مدد کے لئے نہ پہنچ سکے اور اگر وہ ایسا کریں گے تو میں
صے کے لشکر کے ساتھ جواہر سنگھ پر حملہ آور ہو جاؤں گا اس طرح ہم بہ یک
دونوں دشمنوں سے نپٹ سکیں گے اور اگر جواہر سنگھ حرکت میں نہ آیا تو میں بھی
ائی رہوں گا اس لئے کہ پہلے مرہٹوں کا قلع قمع کریں گے اور انہیں برباد کرنے
بعد جواہر سنگھ کی طرف متوجہ ہوں گے۔ اس سلسلے میں تم میں سے کسی کو کوئی
اور شبہ ہو تو بولے۔

جب عبداللہ، شاہ ولی خان، جہان خان اور برخوردار خان میں سے کوئی نہ بولا تو

احمد شاہ ابدالی خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا تمہاری خاموشی ب
ہے کہ تم میری تجویز سے پوری طرح متفق ہو۔ اب اپنے اپنے لشکر کے ساتھ
میں آؤ۔ یہاں سے کوچ کریں اور مرہٹوں پر ضرب لگائیں۔ اس کے ساتھ ہی ع
شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خان احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے۔

اپنے لشکر کی روانگی سے قبل محتاط طریقہ اپناتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے
کیا کہ اپنے جاسوس اور طلایہ گر دستے اپنے اطراف میں پھیلا دیئے تھے۔ یہ طلا
دستے اور جاسوس ایسے خونخوار تھے کہ جہاں کہیں بھی انہیں دشمن کا کوئی جاسوس
ملتا اس کی گردن کاٹ کر رکھ دیتے۔ یہ کام کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی کا لشکر ح
میں آیا تھا۔ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ سیدھا مرہٹوں کے لشکر کی طرف بڑھا
جس کی کمانداری سکھ مرہٹوں کا ایک نامور جرنیل مانک شور کر رہا تھا۔ جبکہ جہان
اور شاہ ولی خان کافی فاصلہ رکھ کر مرہٹوں کے لشکر کے دائیں بائیں پہلوؤں پر دور
پھیل گئے تھے۔ مرہٹوں کو صرف یہی خبر ہونے پائی تھی کہ شاہ پسند ان کے مقابلے
آ رہا ہے انہیں ان کے مخبر یہ اطلاع نہ کر سکے تھے کہ ان کے اطراف میں شاہ
خان اور جہان خان بھی اپنے لشکروں کے ساتھ پھیل چکے ہیں۔ اس لئے کہ احمد
ابدالی نے جو اپنے جاسوس اور طلایہ گر دستے روانہ کئے تھے انہوں نے مرہٹوں
جاسوسوں کو پکڑ کر ان کا صفایا کر دیا تھا۔ لہٰذا مرہٹوں کو صحیح خبریں نہ پہنچ پا رہی تھیں

عبداللہ جب اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے سامنے آیا تو مرہٹوں کا جرنیل مانک
شور بے حد خوش اور مطمئن تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس قدر لشکر کو لم
کے اندر وہ اپنے سامنے سے بھاگ جانے پر مجبور کر دے گا۔ اسی خوش فہمی کے تحت
مانک شور نے حملہ آور ہونے میں پہل کر دی تھی۔ مانک شور کی سرکردگی میں مرہ
جو بڑے خونخوار اور تلوار کے دھنی خیال کیے جاتے تھے دشت جنوں میں آندھ
کے حریف' تعصبات کی صرصر' موت کی کھلی آغوش کی طرح عبداللہ اور اس کے
پر حملہ آور ہوئے تھے۔ وہ عبداللہ کی اگلی صفوں پر زہر بھری فضاؤں میں عصیان

ڈوبی ہوئی انسانیت کی عریانی اور فرغل پوش اژدھے کی طرح ٹوٹے تھے۔ بڑی تیزی
سے حملہ کرتے ہوئے انہوں نے فکر کے قاتل اور جذبات کے جلاد بن کر عبداللہ کے
لشکر کے اندر دور تک گھسنے کی کوشش کی تھی۔

دوسری طرف عبداللہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ بڑا محتاط' بڑا مستعد تھا۔ مرہٹوں
کے اس حملے کو کمال جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے روکا۔ اس نے جوابی حملہ
نہیں کیا بلکہ حوادث میں ایک حادثہ حلقہ خود ساز کی تقدیر زمین کا جگرنا آسودہ اور سیسہ
پلائی ہوئی دیوار بن کر وہ مرہٹوں کے حملوں کو روکتا رہا۔ مرہٹے عبداللہ کے مقابلے
میں تعداد میں بہت زیادہ تھے لہٰذا عبداللہ کسی طریقے' کسی جنگی چال کے تحت انہیں
اپنے سامنے زیر اور مغلوب کرنے کا تہیہ کئے ہوئے تھا۔ عبداللہ نے جب اندازہ لگایا
کہ حملہ آور ہونے میں مرہٹوں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا ہے اور یہ کہ اپنی پوری
قوت لگانے کے باوجود بھی وہ اس کی صفوں کے اندر گھسنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔
تب عبداللہ نے اپنے چہرے سے صبر و تحمل کی کرنوں کا نقاب اتار پھینکا۔ بحر کے
طوفان' سیل بلاخیز' فطرت کے مرقع' وقت کے دھارے میں حوادث کے لہروں کی طرح
وہ حرکت میں آیا۔ دفاع سے نکل کر وہ جارحیت پر اتر آیا اور مرہٹوں پر وہ دہکتی
ہواؤں' سلگتی فضاؤں' وقت کے کرب مسلسل' ہزاروں ساعتوں کی مکروہ آوازوں' صحرا
میں نفرتوں کے سیلاب اور اس آگ کی طرح حملہ آور ہوا تھا جس میں بحر و بر سبھی
ابل اور پگھل پڑیں۔

دونوں طرف سے زوردار حملوں کی بنا پر دہلی کے نواح میں میدان جنگ عجیب سی
کیفیت اختیار کر گیا تھا۔ لگتا تھا آسمان کی گردش۔ دھواں زدہ زمین کی کراہ اور لرزتے
کانپتے سانسوں میں قضا کی زنجیریں کھڑکھڑانے لگی ہوں۔ میدان جنگ یوں خون آلود
ہونے لگا تھا جیسے صبح کی رگ رگ سے خون رس پڑا ہو۔ ہر کوئی یوں ایک دوسرے کا
گلا کاٹنے کا درپے تھا گویا زمین کے ہاتھ خلاف معمول آسمان کی طرف دراز ہونا شروع
ہو گئے ہوں۔ میدان جنگ میں چاروں طرف ایک شور' ایک واویلا مچ گیا تھا۔ کوئی

بھی آواز صاف سنائی نہ دے رہی تھی۔ چیخیں، پکاریں، گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں ایسا سماں باندھ گئی تھیں جیسے راہبوں کے مناجات میں رگ رگ کو چھنی ملبیس اور کاہنوں کے نیاز میں وقت کی ہولناک آوازیں گھسنا شروع ہو گئی ہوں۔

کافی دیر تک یہ ہولناک جنگ جاری رہی۔ میدان جنگ کے بائیں طرف اپنے لشکر کے ساتھ جہان خان اور دائیں طرف شاہ ولی خان بڑی بے چینی سے جنگ کے نتائج کا انتظار کر رہے تھے اس لئے کہ ان کے مخبر جنگ کے لحہ لحہ کی خبریں ان تک پہنچا رہے تھے۔ دوسری طرف عقب میں احمد شاہ ابدالی بھی بڑی بے چینی اور شدت کے ساتھ جنگ کے نتائج کا منتظر تھا۔ اس لئے طلایہ گر دستے بھی مرہٹوں کے ساتھ عبداللہ کی جنگ کے ایک ایک ساعت کی خبریں اس تک پہنچا رہے تھے۔

میدان جنگ مرکب جہل کا فتور بنا رہا۔ صحرا کا سکوت قبر کی خاموشیاں انسانی جسموں کو تو کاٹتی رہیں تھیں۔ کہکشاؤں کی چپ، فضاؤں کا سراسیمہ حصار، روحوں کو آواز دیتا رہا۔ میدان جنگ تلاطم کا ایک خروش بنا ہوا تھا۔ ماہ و سال کے بہتے سیلاب میں اجالوں کے جنازے نکلتے رہے۔ وقت کی اٹھتی بساط میں آندھیوں کی دستک کے سامنے تمدن کے سفینے غرق ہوتے رہے۔ ابن آدم لہو لہو اور اس کے عزائم خون خون ہوتے رہے تھے۔

مرہٹے جو ہندوستان کی سرزمین میں اپنی تیغ زنی اور اپنی شجاعت اور تہور میں اپنے آپ کو بے مثال اور ناقابل تسخیر خیال کرتے تھے ان کا ارادہ تھا کہ وہ وقت کے دام میں کسی کوزہ گر کی طرح طوفانی انداز میں حرکت کرتے ہوئے عبداللہ اور اس کے لشکریوں کو اپنے سامنے سے مار بھگائیں گے لیکن ان کی ہر امید، ہر تمنا ناکام و نامراد ہوئی تھی۔ اسلئے کہ عبداللہ نے ان پر زندگی کے سفیر، اجالوں کے ضمیر، صبح کے بشیر کی طرح ضربیں لگاتے ہوئے بہت جلد ان کی حالت ظلمتوں کے سیل میں صدیوں کی خاموشی، حادثوں اور آندھیوں میں نمناک آنکھوں کی نمی اور بجلیوں اور زلزلوں میں زخموں کے فراش جیسی بنا کر رکھ دی تھی۔ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد مرہٹے خود

محسوس کرنے لگے کہ ان کے لشکر کے اندر رخنے اور افراتفری کی ابتدا ہو چکی ہے۔ ایسے موقع پر عبداللہ نے خوب فائدہ اٹھایا اس نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کر دی اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ عبداللہ نے اپنے تیز حملوں اور جان لیوا ضربوں سے مرہٹوں کی اگلی صفوں کو بری طرح ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔ جب مرہٹوں کی اگلی صفوں میں افراتفری اور بدنظمی پھیلی تو عبداللہ ان پر پوری طرح چھا گیا اور قتل عام کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ پچھلی صفوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

عبداللہ اور اس کے تیز حملوں کے سامنے مرہٹوں کے سارے ولولے اور عزائم اب دھواں دھواں اور خواب خواب ہو کر رہ گئے تھے۔ مرہٹے اب جنگ میں عبداللہ اور اس کے لشکریوں کا سامنا کرتے ہوئے کترا رہے تھے۔ مرہٹوں کے جرنیل مانیکشور نے جب اپنے لشکر کی بکھرتی ہوئی حالت کا اندازہ لگا لیا تو چپ چاپ اس نے اپنے لشکر کو پسپا ہونے کا حکم دیدیا۔ جوں ہی مرہٹے پسپا ہوئے عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ ان پر چڑھ دوڑا۔ ایسے زور دار حملے کئے کہ ہزاروں مرہٹوں کو اس نے کاٹ کر رکھ دیا۔ جو بچے اور بھاگ نکلے اس کا اس نے تعاقب شروع کر دیا تھا۔ یہ تعاقب دور تک جاری رہا۔ اکثر مرہٹوں کو عبداللہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت کم لوگ اپنی جانیں بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوئے تھے۔ ان بھاگ نکلنے والوں میں مرہٹوں کا جرنیل مانکشور بھی شامل تھا۔ اس کے بعد عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ پلٹا اور مرہٹوں کے پڑاؤ پر اس نے قبضہ کر لیا تھا۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی، جہان خان، شاہ ولی خان کو بھی عبداللہ کی اس شاندار فتح اور مرہٹہ جرنیل مانک شور کی بدترین شکست کی خبر پہنچ گئی تھی لہٰذا ان تینوں نے اپنے اپنے لشکر کے ساتھ عبداللہ کی طرف کوچ کر لیا تھا۔

عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے پڑاؤ کی ہر شے سمیٹ کر فارغ ہوا ہی تھا کہ احمد شاہ ابدالی، شاہ ولی خان اور جہان خان بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے اور عبداللہ کے لشکر کے اطراف میں ان کے لشکروں نے پڑاؤ کر لیا تھا۔ احمد

شاہ ابدالی کا استقبال کرنے کے لئے عبداللہ جب اس کے سامنے آیا تو عبداللہ کو احمد شاہ ابدالی نے گلے سے لگا لیا اس کی پیشانی چومی پھر احمد شاہ ابدالی عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

بیرم خان کے بیٹے۔ پنجاب کے ان کھلے اور وسیع میدانوں میں تو نے کیا خوب اپنے آپ کو ناقابلِ شکست سمجھنے والے مرہٹوں کے نفس نفس کی امیدوں میں خار بداماں پسپائیاں' ان کے خیالات کے ہجوم میں زہر اگلتی پستیاں' ان کے عقیدوں کی جنتوں میں دہکتی آگ جیسی بدترین ہزیمتیں اور ان کے نگاہ و فکر کے زاویوں میں کیا خوب تو نے اجاڑ معبدوں و میکدوں کی ویرانیاں بھر کر رکھ دی ہیں۔ بیرم خان کے بیٹے تو ان مرہٹوں پر برستے بادلوں' دھواں دھار گھٹاؤں اور تیرہ و تار فضاؤں کی طرح نازل ہوا اور انہیں اپنے سامنے سے مار بھگانے میں کامیاب ثابت ہوا۔ بیرم خان کے بیٹے تو نے شاہ پسند اور امیر لشکر ہونے کی حیثیت کو کیا خوب نبھایا ہے۔ تیری اس کار گزاری کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے گھوڑے کی خرجیں سے نقدی کی بھاری تھیلی نکالی اور عبداللہ کے گھوڑے کی خرجین میں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ بیرم خان کے محترم اور عزیز بیٹے یہ تمہاری اس شاندار فتح کا انعام ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ اپنے پہلو میں آکر کھڑے ہونے والے شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خان کی طرف کچھ دیر دیکھتا رہا پھر وہ شاہ ولی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ ولی خان آج اور ابھی تیز رفتار قاصد قندھار روانہ کرو اور حکم جاری کرو کہ میری واپسی تک قندھار کے شاہی محل کے اطراف میں دو بہترین سکونتی مکان تعمیر ہونے چاہیں ایک شاہ پسند کے لئے اور دوسرا اس کے چچازاد بھائی قاسم خان کے لئے جو اب تمہارا داماد بھی ہے۔ احمد شاہ کا یہ فیصلہ سن کر شاہ ولی خان نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ اس کے بعد احمد شاہ پھر بولا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا سنو۔ میرے رفیقان کہنہ۔ اپنے اپنے لشکروں کو یہیں پڑاؤ کرنے کا حکم دے دو

یوم تک لشکری یہاں آرام کریں گے تازہ دم ہونے کے بعد پھر ہم بھرت پور کے اجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کے لشکر کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔ جنگ کا ریقہ کار وہی ہو گا جو ہم نے مرہٹوں کے خلاف استعمال کیا ہے۔ اسطرح ہمیں امید ہے کہ ہم جواہر سنگھ کا اس کی راجدھانی تک تعاقب کر سکیں گے۔ اب تم لوگ اپنے پنے لشکروں کو پڑاؤ کرنے کا حکم دو۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم سنتے ہی شاہ ولی خان' ان خان اور برخوردار خان پیچھے ہٹے اور لشکروں کو پڑاؤ کرنے کا حکم دے رہے تھے بکہ عبداللہ کے حصے کا لشکر پہلے ہی وہاں خیمہ زن ہو چکا تھا۔

حسین اور پر جمال کامنی اپنے گھوڑے کو آہستہ آہستہ ہانکتی ہوئی بھرت پور کے اہی محل میں داخل ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی محل کے سائیس اس کا گھوڑا پکڑنے ے لئے اس کی طرف لپکے تھے ساتھ ہی محل میں اس کی آمد کا شور مچ گیا تھا۔ جس ت سائیس اس کا گھوڑا پکڑ کر اصطبل کی طرف لے جا رہے تھے اسی وقت محل کے درونی حصے سے کامنی کا باپ سورج مل اور اس کی ماں رام کلی بھی نکل آئے تھے یں دیکھتے ہی کامنی بھاگی اور باری باری ان سے گلے مل گئی تھی۔ پھر وہ دونوں ی کا ایک ایک بازو تھامے محل کے اندر لے گئے تھے۔

کامنی کے ماتا اور پتا اسے محل کے ایک کمرے میں لے گئے۔ دونوں نے کامنی کو اپنے پاس بٹھایا۔ پھر کامنی کا باپ سورج مل بڑی شفقت بڑے پیار سے کامنی کو طب کر کے کہنے لگا کامنی بیٹی! تو نے دو سال کا عرصہ ہم سے جدا رہ کے گزارا۔ وہ ارہ ہم دونوں میاں بیوی نے کیسے کاٹا۔ اس کا مت پوچھو۔ بیٹی ایک ایک گھڑی ایک ایک لمحہ تمہارے انتظار میں گزارنا مشکل اور دوبھر ہو رہا تھا پر یہ تو کہو تم نے مجروں کے ذریعے یہ اطلاع بھیجی تھی کہ تم احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند کو اپنا اسیر اور قیدی بنا کر اپنے ساتھ لاؤ گی لیکن میری بیٹی! میری بچی! میں دیکھتا ہوں کہ تم اکیلی ہی آئی ہو؟

جواب میں کامنی نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر سے نکلنے عبداللہ کو اپنا اسیر بنائے

اور پھر اس کے بعد پیش آنے والے سارے واقعات اپنے ماں باپ کو تفصیل کے ساتھ سنا ڈالے تھے۔ اس پر سورج مل کسی قدر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

کوئی بات نہیں بیٹی۔ اگر تم اسے اپنا قیدی اور اسیر بنا کر ساتھ نہیں لا سکیں اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اب ہم تو میری بیٹی میری بچی اس پر بھی شکرگزار ہیں کہ تم احمد شاہ ابدالی کے لشکر سے اپنی جان کی سلامتی کے ساتھ واپس اپنے راجدھانی پہنچنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔ یہاں تک کہتے کہتے بھرت پور کا راجہ سورج مل خاموش ہو گیا اس لئے کہ اس کا ایک پہریدار اندر آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مہاراج میدان جنگ کی طرف سے ایک مجز آیا ہے اور وہ آپ سے کوئی اہم بات کہنا چاہتا ہے۔ سورج مل اپنی جگہ پر بیٹھا رہا اور پہریدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مجز کو فوراً اندر بھیجو تاکہ میں جانوں کہ وہ کیا کہنا چاہتا ہے وہ پہریدار باہر نکل گیا تھوڑی دیر بعد وہ ایک مجز کو اپنے ساتھ لیکر آیا اور سورج مل کے استفسار پر وہ کہنے لگا۔

مہاراج میں یہ بری خبر لیکر آیا ہوں کہ احمد شاہ ابدالی کے جرنیل عبداللہ جسے شاہ پسند کہا جاتا ہے پنجاب کے کھلے اور وسیع میدانوں میں مرہٹوں کو بدترین شکست دی ہے۔ مرہٹوں کے لشکر کا جرنیل مانیک شور بڑی مشکل سے شاہ پسند کے ہاتھوں جان بچا کر بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوا ہے۔ مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد مہاراج اب احمد شاہ ابدالی کا یہ جرنیل آپ کے بیٹے جواہر سنگھ کا رخ کرے گا۔

یہ خبر سنتے ہی سورج مل اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بیٹی کامنی کی طرف بڑے پیار سے دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ کامنی میری بیٹی میری بچی تم دونوں ماں بیٹی آپس میں گفتگو کرو میں جاتا ہوں اور جواہر سنگھ کو یہاں سے مزید کمک روانہ کرنے کے انتظامات کرتا ہوں۔ احمد شاہ ابدالی کا جرنیل شاہ پسند میرے بیٹے جواہر سنگھ پر حملہ آور ہوتا ہے تو میرے بیٹے کے پاس اس قدر لاؤ لشکر ہونا چاہیے کہ وہ احمد شاہ ابدالی کے اس جرنیل کو شکست دے کر اور اس کا سر کاٹ کر اپنی راجدھانی میں لوٹے۔ اس کے ساتھ ہی سورج مل بڑی تیزی سے اس کمرے سے نکل گیا تھا۔

سورج مل کے جانے کے بعد کامنی کی ماں رام کلی تھوڑی دیر تک اسے بڑے غور سے دیکھتی رہی۔ پھر وہ بولی اور کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ کامنی میری بیٹی اگر برا نہ مانے تو ایک بات تجھ سے پوچھوں۔ اس پر کامنی نے چونک کر اپنی ماتا رام کلی کی طرف دیکھا اور کہنے لگی۔ پوچھو ماتا تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔ میں تمہاری بات برا کیوں مانوں گی۔ اس پر رام کلی پوچھنے لگی۔

دیکھو میری بیٹی جس وقت آنے والے مجز نے احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند کے متعلق خبر دی تھی کہ اس نے مرہٹوں کے جرنیل مانیک شور کو شکست دی ہے اس وقت تیرے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی اور جس وقت تیرا باپ کہتے ہوئے اٹھا کہ جواہر سنگھ کو کمک روانہ کرنی چاہیے تاکہ وہ احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند کا سر کاٹ کر اپنی راجدھانی میں لوٹے اس وقت تیرے چہرے پر دکھ اور فکرگی کے آثار نمایاں ہوئے تھے۔ بیٹی کیا میں ان تاثرات کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔ اس پر کامنی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر وہ اپنی ماں رام کلی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

دیکھو ماتا میں تم سے ہر بات سچ اور حقیقت پر مبنی کہوں گی۔ گو سچی بات کڑوی ہوتی ہے پر میں تم سے ماتا جھوٹ نہیں بولوں گی۔ بات یہ ہے کہ جس وقت احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند نے لاہور کے نواح میں مجھے شکست دی تھی اور مجھے اسیر کر لیا تھا اس وقت سے مجھے اس سے بے انتہا نفرت ہو گئی تھی۔ اسی بنا پر میں نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں قیام کیا اور تہیہ کر لیا تھا کہ میں اس سے انتقام لے کر جاؤں گی۔ مجھے دو سال تک وہاں قیام کرنا پڑا اس لئے کہ وہ ابھی نو عمر تھا اور مغرب کے ایک شہر تاتار آباد میں ایک حربی اور دینی مکتب میں زیر تعلیم تھا۔ پھر دو سال بعد وہ اپنی تعلیم مکمل کر کے لوٹا تو میں نے اس پر اپنی محبت کا اظہار کیا لیکن میں دنگ رہ گئی

اس نے میری خوبصورتی' میرے جسم کی پرکشش ساخت کو کوئی اہمیت نہ دی محبت کا جواب محبت سے نہ دیا۔ اس سے اس کے خلاف میری نفرت بڑھ گئی تھی۔

پھر جیسا کہ ماتا میں پہلے ہی بتا چکی ہوں کہ میں اسے ایک طرح سے اسے اپنا اسیر بنانے میں کامیاب ہوئی لیکن ہائے حالات کی بدقسمتی کہ راستے میرے محافظوں کو مرہٹوں نے قتل کر دیا اور وہ مجھے پکڑ کر رگھوناتھ کے پاس چاہتے تھے۔ رگوناتھ کا حکم یہ تھا کہ کامنی کو اس کے پاس لایا جائے تاکہ وہ آبرو اور داغدار کر کے اس کے باپ کے پاس لوٹا دے۔ پر ماتا دیکھو شاہ بدترین دشمن تھا وہ اس موقع پر چاہتا تو میرا سر قلم کر سکتا تھا۔ ماتا اس نے میری عصمت۔ میری عظمت و عفت کو ترجیح دی۔ میری خاطر میری حفاظت' میری عصمت کو بچانے کے لئے وہ ان مرہٹوں سے ٹکرا گیا اور ان کا دیا۔ ماتا مرہٹوں کا خاتمہ کرنے کے بعد شاہ پسند چاہتا تو تلوار کے ایک وار میری گردن کاٹ کے میرا خاتمہ بھی کر سکتا تھا۔ پر ماتا اس نے ایسا نہیں کیا میرے حال پر چھوڑ دیا۔ اس موقعے پر میں نے اس سے معافی بھی مانگی۔ ساتھ جانے کے لئے اس کی منت ساجت کی لیکن اس نے مجھے اپنے ساتھ لے سے انکار کر دیا۔ سو ماتا میں یہاں چلی آئی اور اس موقع پر جس وقت انہوں مرہٹوں کے سامنے میری عزت اور میری عصمت کو اپنی جان پر ترجیح دی تھی ساری نفرت ان سے شدید محبت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اسی محبت کے تحت میں نے ان کی فتح کی خبر سنی تو میرے چہرے پر تبسم نمودار ہوا اور جب میرے ان کا سر کاٹنے کے عزم کا اظہار کیا تو میرے چہرے پر اداسی اور افسردگی چھا ہے میری اس دو طرح کی کیفیت کی وجہ۔ اب ماتا میں نے سچائی کے ساتھ آپ پر انکشاف کر دیا ہے۔ اب مجھے امید ہے کہ آپ اس معاملے میں میری گی۔

کامنی کی یہ ساری گفتگو سن کر تھوڑی دیر تک رام کلی گردن جھکا کر سوچتی رہی کامنی کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی کامنی میری بیٹی کیا تو احمد شاہ ابدالی کے جرنیل پسند سے ایسی محبت کرتی ہے کہ تو اس سے بیاہ کرنا چاہتی ہے۔ اسے اپنا پتی اور تو اس کی پتنی بنانا چاہتی ہے۔ کھل کر کہو میری بیٹی تم کیا چاہتی ہو۔ اس پر کامنی ایک بار اپنی ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا پھر اس کی نگاہیں جھک یں۔ اس کے بعد وہ کہہ رہی تھی۔

ماتا اب شاہ پسند میرے لئے آندھیوں کے سندیسوں میں بہتے پانیوں کی جھنکار' خوابوں کی کرچیوں میں آرزوؤں کا چاند' لب بستہ حبس رت اور اماوس رات میں پر ی محبت کا گداز' عذاب رتوں' زوال خیالوں میں درد آشنا فرشتہ تمناؤں کے سمندر' لو زندگی میں صبح کی روشنی اور مانوس و آشنا پرواز ہیں۔

میری ماتا۔ شاہ پسند اب میری ذات کے لئے میرے لبوں کی خوشبو' گل رنگ را' میرے بدن کا نکھرا رنگ' بہاروں کا نو خیز خواب' میرے لئے اب وہ محبتوں کا ابر اور ہیروں جڑا آسمان ہیں۔

ماتا میرا اور ان کا ساتھ اب ایسے ہی ہو گا جیسے سرخ بلور اور اس پر مرقوم ف' جیسے گیت اور اس کا سنگیت' جیسے کہر اور کہسار' جیسے جام اور مینا۔ جیسے پھول پتی۔ جیسے آواز اور اس کی بازگشت۔

میری ماتا۔ شاہ پسند نے مجھے محفوظ میری عصمت کو معتبر کیا ہے۔ ان کے بغیر اب ں جلتی سانس' لہو میں گوندھی ہوئی مٹی' بے سحر شب' بت خانے کی بجھی شمع اور م خانوں کی اجاڑ شام ہوں گی۔ اگر شاہ پسند سے مجھے جدا کیا گیا تو میری ماتا ان رنگ رنگ خلاؤں میں میری خوشیاں مرگ کے قہقہے' میرا بدن اکھڑ کر تنہائی کی نوک' میرے لب پتھر' میرے جذبے اپاہج اور میری حیات کے سارے ذائقے بدروح ہو کر رہ جائیں گے۔ ماتا جو حقیقت تھی میں نے آپ سے کہہ دی ہے اب چاہے تو آپ میری زندگی کو گلستان بنا دیں چاہے اسے جہنم زار بنا کے رکھ دیں۔

کامنی جب خاموش ہوئی تو اس کی ماتا رام کلی گردن جھکا کر کچھ سوچتی رہ
اس نے نگاہیں اٹھائیں۔ کامنی کی طرف دیکھا۔ بڑے دکھ اور پریشانی میں پھر وہ
کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

کامنی میری بچی تو نے مجھے ایک عجیب کشمکش و پیچ اور زندگی کے مشکل
دوراہے پر لا کھڑا کیا ہے۔ میری بیٹی میری بچی تو جانتی ہے کہ ماضی میں کئی راجا
کی طرف سے تیرے رشتے کی پیش کش ہوئی لیکن تیرے پتا جی نے ہر رشتے کو
دیا حالانکہ مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی رگھوناتھ راؤ کا رشتہ بھی تیرے
آیا پر تیرے باپ نے ان سے دشمنی مول لے لی پر تیرا رشتہ انہیں نہ دیا۔ تو
ہے میرے بچی تیرے پتا تجھے اپنی حیات اور اپنی زندگی کا امبر اور آسمان خیال کر
ہیں۔ وہ تجھے کسی ایسے شاہی گھرانے میں بیاہنا چاہتے ہیں جہاں تو ایک رانی کی حیثیت
سے صدا راج کرتی رہے۔ جب تیرے پتا کو تیرے خیالات کا پتہ چلے گا تو میرا
وہ تجھے شاہ پسند جیسے احمد شاہ ابدالی کے غریب جرنیل سے بیاہ دینا کیسے پسند کریں۔
اس پر کامنی فیصلہ کن انداز میں بولی اور کہنے لگی۔ ماتا میں آپ کو بتائے دیتی
حالات کچھ بھی ہوں میں شاہ پسند کی ہو کر رہوں گی اگر حالات کو میری چاہتوں
محبتوں کے خلاف کیا گیا تو ماتا میں بغاوت اور سرکشی پر اتر سکتی ہوں۔ رام کلی بولی
کسی قدر پریشانی میں پوچھنے لگی۔ کامنی میری بیٹی مجھے خوف اور خدشہ ہے کہ تیرا
محبت کہیں یک طرفہ ہی نہ ہو۔ میری بیٹی اگر شاہ پسند نے تمہیں اپنانے سے انکار
دیا تب کامنی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ ماتا میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں وا
جاؤں گی۔ شاہ پسند کے ساتھ رہوں گی اس کے دل میں اپنی جگہ بنانے کی کوشش
کروں گی۔ اسے اپنی طرف مائل کر کے اسے اپنی محبت میں مبتلا کرنے کی کوشش
کروں گی۔ اس پر رام کلی فوراً بولی اور پوچھنے لگی۔ میری بیٹی اگر تو ایسا نہ کر
تب۔ اس پر کامنی پھر فیصلہ کن انداز میں کہنے لگی۔ ماتا اگر میں ایسا نہ کر سکی تو
شاہ پسند سے مجھے اب ایسی محبت اور چاہت ہو گئی ہے کہ میں اپنی ساری زندگی اس

کر گزار دوں گی۔
نی کے اس عزم اور ارادے کو دیکھتے ہوئے رام کلی پھر تھوڑی دیر تک
رہی۔ کچھ فیصلہ کیا اور کہنے لگی۔
نی میری بیٹی دیکھو میں تیری جدائی تو برداشت کر سکتی ہوں پر تجھے ملول، تجھے
تجھے پریشان اور تجھے کٹا کٹا نہیں دیکھ سکتی۔ دیکھ بیٹی میں ہر معاملے میں تیرا
وں گی تو کوئی مناسب موقع جان کر شاہ پسند کے پاس چلی جانا۔ میری بیٹی میں
ائی برداشت کر لوں گی پر یہ تصور میرے لئے خوش کن ہو گا کہ میری بیٹی کو
پسند کا جیون ساتھی مل گیا ہے۔ اگر تو شاہ پسند کے ساتھ ہی خوش اور شانت
ہے تو میری بیٹی، میری بچی تیری خوشی ہی میں میری خوشی پنہاں ہے۔ تو جب
مناسب موقع دیکھ کر شاہ پسند کے پاس چلی جانا۔ اپنی ماں رام کلی کی یہ گفتگو سن
ی ایسی خوش اور شاداں ہوئی کہ آگے بڑھ کر وہ بری طرح اپنی ماں سے لپٹ گئی
رام کلی اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی پھر خود بھی اٹھی اور کامنی کو اٹھاتے
کہنے لگی میری بیٹی۔ اب تو کھانا کھا۔ خوش رہ تو اداس اور افسردہ نہ ہو۔ ہر کام
مرضی تیری منشا کے مطابق ہو گا۔ کامنی خوشی خوشی اپنی ماں کے ساتھ ہو لی تھی۔
دوسرے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کامنی پھر اپنی ماتا رام کلی کو مخاطب کر کے
لگی ماتا اگر تم برا نہ مناؤ تو جواہر بھائی کے لئے پتاجی جس کمک کا انتظام کرنے جا
ہیں اس کمک کی کمانداری میں خود سنبھال کر اپنے بھائی کی طرف روانہ ہو
۔ اور وہاں سے ہی میں شاہ پسند کی طرف چلی جاؤں گی۔ دیکھو ماتا یہ کام بہت
ن ہے اگر میں یہیں پڑی رہی تو کبھی بھی میں لوٹ کر شاہ پسند کی طرف نہیں جا
ں گی۔ یہ جو کمک جواہر بھائی کے لئے جا رہی ہے یہ میرے شاہ پسند کے پاس جانے
ترین ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس طرح جب میں شاہ پسند کے پاس چلی گئی تو میری غیر
دگی میں آپ پر بھی کوئی حرف نہیں آئے گا اور اگر میں یونہی گھر سے بھاگ کر گئی
جی میری غیر موجودگی میں آپ سے ضرور باز پرس کریں گے اور شک و شبہ کی نگاہ

سے دیکھتے ہوئے آپ سے کہیں گے کہ آپ اپنی بیٹی کے ساتھ ملی ہوئی تھ
بیشک آپ کو میری جدائی کٹھن اور گراں گذرے گی لیکن بہرحال یہ کام مجھے
ہے ہی۔ اس پر رام کلی بے چاری اداس اور افسردہ ہو گئی اور ٹوٹتی بکھرتی آواز
کہنے لگی۔

دیکھو بیٹی میں تیرے کسی کام میں دیوار نہیں بنوں گی۔ اگر تو ایسا ہی کرنا
ہے تو میں تیرے ساتھ ہوں پر میں تم سے پوچھتی ہوں کہ اگر تو نے اس قدر جلد
واپس لوٹ کر شاہ پسند کے پاس جانا تھا تو بیٹی یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ تم
پسند کے پاس ہی رہتیں اور جب تمہیں احساس ہو گیا تھا کہ تم شاہ پسند کو چاہتی ہو
تمہیں وہیں سے لوٹ کر واپس شاہ پسند کے لشکر میں چلا جانا چاہیے تھا گھر نہیں
چاہیئے تھا اور کسی کے ذریعے مجھے اپنے اصل حالات سے آگاہ کر دیتی۔ تو میں تیر
خاطر دل پر پتھر رکھ کر خاموش ہو رہتی اور یہ سمجھ لیتی میری بیٹی جہاں ہے زن
خوش ہے۔

اس پر کامنی بولی اور کہنے لگی۔ بس ماتا یہی مجھ سے سب سے بڑی غلطی
ہے۔ اس وقت میں نے شاہ پسند کو منانے کی کوشش کی لیکن وہ غصے اور خفگی
تھے۔ مجھے اپنے ساتھ انہوں نے لے جانا پسند نہیں کیا۔ ان کی غضبناکی اور غ
دیکھتے ہوئے ان کی طرف جانے کے بجائے میں ادھر چلی آئی۔ اب مجھے احساس
ہے کہ میں نے یہ بہت غلط قدم اٹھایا تھا مجھے شاہ پسند کے پیچھے پیچھے لشکر میں جا
ان سے معافی مانگ لینی چاہیے تھی۔ اگر وہ مجھے معاف نہ بھی کرتے تب بھی ماتا
میں رہنے کے لئے میرا ایک ٹھکانہ ضرور تھا۔ اب میں قاضی ادریس سے بھی
معافی مانگوں گی جن سے مجھے امید ہے کہ وہ مجھے معاف کر دیں گے اس لئے کہ
نے ان جیسا نیک اور فراخدل انسان آج تک نہیں دیکھا۔ رام کلی نے تھوڑی
گہری نگاہوں سے کامنی کی طرف دیکھا پھر وہ پوچھنے لگی۔

کامنی میری بیٹی کیا میں یہ سمجھ لوں کہ تو اپنا دھرم بھی ترک کر چکی ہے۔ اس

لہجے میں کہنے لگی۔ ماتا آپ سے میں کیا چھپاؤں گی۔ آپ میری گردن بھی
ں اف نہیں کروں گی کیونکہ آپ میری ماں ہیں۔ پر میں آپ سے حقیقت
یں اپنا دھرم ترک کر چکی ہوں۔ میں دو سال احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے
یں کے یہاں رہی ہوں اور وہ مجھے برابر اپنے دین کی تبلیغ کرتے رہے ہیں
ہ وہاں قیام کرنے کا اصل مقصد شاہ پسند سے انتقام لینا تھا لہٰذا میں ان کی
تی تو غور سے رہی پر ان پر عمل نہ کرتی رہی۔ بہرحال ان کی باتیں ساری
ہیں۔ پھر جب میں شاہ پسند کو اغوا کر کے لا رہی تھی اور جس نیک نیتی اور
ے ساتھ انہوں نے مرہٹوں سے میری عزت، میرے ناموس اور میری جان کی
ی۔ ماتا اس وقت مجھے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے ضابطہ اخلاق کا احساس
پسند کے کردار کی رفعت اور بلندی کا احساس ہوا بلکہ اس وقت لگا تار دو
قاضی ادریس جو مجھے تبلیغ کرتے رہے تھے اس کا ایک ایک لفظ بھی میرے
یں تصویروں کی طرح پھر گیا تھا۔ ماتا اس تعلیم کو قبول کرتے وقت میرے ذہن
الفت تھی لیکن اب میں انتہائی خلوص اور سچے دل سے شاہ پسند کے دھرم میں
ہو چکی ہوں اور اپنا دھرم ترک کرنے میں اب کوئی مجھے گردن زدنی بھی قرار
تو ماتا مجھے کوئی دکھ اور افسوس نہیں ہو گا۔

کامنی کی اس ساری گفتگو کے جواب میں رام کلی تھوڑی دیر تک گردن جھکائے
سوچتی رہی پھر وہ بولی اور کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگی دیکھ کامنی میری بچی
ی دیر تک تمہارے پتا جی لوٹ کر آئیں گے تو خود ہی ان سے کہنا کہ جو کمک
رہنمائی کے لئے جا رہی ہے اس کی کمانداری تم خود کرو گی۔ میں کچھ نہیں کہوں گی
لئے کہ اگر میں نے اس وقت تمہاری سفارش کی اور تم لوٹ کر نہ آئی تو یہ
بات پھیل جائیں گی کہ تم اپنے لشکر سے نکل کر شاہ پسند کی طرف چل گئی ہو اور
سے پتا جی مجھ سے ضرور باز پرس کریں گے کہ میں نے کیوں تمہیں اس کمک کی
داری سونپنے کی سفارش کی تھی۔ لہٰذا جو کچھ کرنا ہے تو نے خود ہی کرنا ہے۔ میری

بیٹی اس معاملے میں میں ایک لفظ نہیں بولوں گی۔ اتنی دیر تک وہ دونوں کمرے میں جا کر بیٹھ گئیں تھیں ایک نشست پر جمتے ہوئے کامنی کہنے لگی۔
ماتا آپ فکر مند نہ ہوں میں خود چاہتی ہوں کہ اس سلسلے میں آپ کوئی نہ کریں کیونکہ میرے بعد پتا جی آپ ہی سے باز پرس نہ کرتے رہیں۔ وہ لوٹ ہیں تو میں خود ان سے بات چیت کروں گی۔ اگر انہوں نے مجھے کمک کا کمان بھیج دیا تو میرے سارے مسائل کا حل نکل آئے گا اور اگر انہوں نے ایسا نہ پھر آنے والی رات کو کسی بھی لمحے میں یہاں سے نکل کر احمد شاہ ابدالی کی طرف کوچ کر جاؤں گی۔ رام کلی نے ہار مانتے ہوئے کہا بیٹی جو تیرے جی میں کرتی رہنا میں ہر معاملے میں تیرے ساتھ متفق ہوں اب تو کھانا کھا اور ان با چھوڑ۔ اس کے ساتھ ہی رام کلی نے اس کے سامنے کھانا چن دیا اور وہ خاموشی کھانے لگی تھی۔

کھانا کھا چکنے کے بعد کامنی کافی دیر تک اپنی ماں رام کلی کے ساتھ گفتگو رہی۔ یہاں تک کہ اس کا پتا سورج مل اس کمرے میں داخل ہوا۔ جب وہ ا کے قریب آ کر بیٹھا تو کامنی نے بڑے پیار اور محبت میں اسے مخاطب کر کے لگی۔ پتا جی جو کمک آپ نے جواہر بھائی کی مدد کے لئے تیار کی ہے اس کا کیا پر سورج مل بولا اور کہنے لگا دیکھو بیٹی کمک میں بالکل تیار کر کے آ گیا ہوں۔ وہ اپنے ساتھ جو سازو سامان اور ہتھیار لے کر جائے گا وہ بھی ان کے حوالے کر آ اور وہ کمک ایک سالار کی سرکردگی میں آج شام تک یہاں سے کوچ کرے گی۔ کامنی فوراً بولی اور کہنے لگی۔

پتا جی یہ جو کمک آپ جواہر بھائی کے لئے بھجوا رہے ہیں اس کی کمانداری میں خود کروں تو کیا آپ کو کوئی اعتراض ہو گا۔ اس پر سورج مل نے بڑے غور اپنی بیٹی کامنی کی طرف دیکھا پھر وہ کسی قدر پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ بیٹی ڈرتا ہوں پھر کہیں تم دشمن کے ہاتھ نہ چڑھ جاؤ اور ہم ایک بار پھر

طرح تمہارا انتظار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ کامنی فوراً بولی اور کہنے لگی اس بار ایسا نہیں ہو گا میں نے اگر شاہ پسند سے انتقام نہ لینا ہوتا تو میں اسی وقت گھر لوٹ آتی اور پھر اب تو میں اپنے بھائی کی کمک بھی لے کر جا رہی ہوں مجھے وہاں رہنا ہو گا۔ میرا بھائی ساتھ ہو گا اگر کوئی ایسی بات ہوئی یا اگر میرا بھائی میری حفاظت نہ کرے گا اور اگر ہمیں سرحدوں پر خطرہ ہوا تو ہم اپنے مرکزی شہر کی طرف آ جائیں گے۔ پتا جی یہ میری التماس ہے لاہور شہر کے نواح میں وہ مجھے شکست اٹھانا پڑی تھی میرے لشکر کا جو نقصان ہوا تھا میں اپنی شکست کا وہ داغ مسلمانوں کے خلاف ایک بار پھر جنگ کر کے دھونا چاہتی ہوں مجھے امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے۔

کامنی کی اس التجا کے جواب میں سورج مل تھوڑی دیر بڑی سنجیدگی سے کچھ سوچتا رہا پھر اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ شفقت آمیز انداز میں تھوڑی دیر تک اس نے کامنی کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگا۔ دیکھو میری بیٹی میری بچی اگر تیری یہی مرضی تیرا یہی ارادہ ہے تو میں تجھے روکوں گا نہیں۔ جس لشکر نے آج کمک کے طور پر جواہر سنگھ کے پاس جانا ہے اس کی کمانداری میری بیٹی تو ہی کرے گی۔ اپنے باپ سورج مل کا یہ جواب سن کر کامنی ایسی خوش ہوئی کہ وہ بری طرح سورج مل سے لپٹ گئی تھی۔ سورج مل نے اس کی پیشانی چومی سر پر ہاتھ پھیرا۔ پھر وہ تینوں وہاں بیٹھ کر گھریلو موضوع پر گفتگو کرنے لگے تھے۔ اسی روز شام کے وقت کامنی اس لشکر کی کمانداری کرتی ہوئی اپنے بھائی جواہر سنگھ کی طرف کوچ کر گئی تھی۔



مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے پورے لشکر کے ساتھ چند دن میدان جنگ کے اندر پڑاؤ کئے رکھا اس دوران احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کا ایک حصہ فرید آباد کی طرف روانہ کیا تاکہ اس علاقے سے اپنے لشکر کے لئے خوراک اور ضروریات کا دوسرا سامان حاصل کیا جائے۔ اس لئے کہ احمد شاہ ابدالی دیکھ رہا تھا کہ اسے ہندوستانی راجاؤں سے نپٹنے کے لئے زیادہ عرصہ قیام کر کے ان کے

خلاف بر سرپیکار رہنا پڑے گا۔ دوسری طرف سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کو بھی اس کے جاسوسوں نے خبر دیدی تھی کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا ایک حصہ فرید آباد کی طرف خوراک اور ضروریات کا دیگر سامان حاصل کرنے کے لئے گیا ہے۔ جواہر سنگھ نے اس وقت اپنے لشکر کے ساتھ بلبگڑھ کے مقام پر قیام کر رکھا تھا اور اسے اس کے جاسوسوں نے یہ بھی خبر دیدی تھی کہ اس کی بہن کامنی بھرت پور سے ایک بہت بڑا لشکر لیکر اس کی امداد کے لئے روانہ ہو چکی ہے۔ یہ خبر سن کر کہ اس کی بہن کامنی اس کے لئے کمک لیکر آ رہی ہے جواہر سنگھ کے حوصلے مزید بڑھ گئے۔ جو لشکر اس کے پاس تھا اسے اس نے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے نائب بلبیر سنگھ کے حوالے کیا اور اسے بلب گڑھ کے مضبوط قلعے میں رہنے دیا جبکہ لشکر کا دوسرا حصہ لیکر فرید آباد کی طرف بڑھا تھا۔ جواہر سنگھ کا ارادہ تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے اس لشکر سے دو دو ہاتھ کرے جو فرید آباد کی طرف خوراک حاصل کرنے آیا ہے۔ فرید آباد کے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکروں کا آمنا سامنا ہوا اور وہاں پہنچتے ہی جواہر سنگھ نے احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے سالار نے بڑی جرات مندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جواہر سنگھ کے اس حملے کو روک دیا اور اپنا دفاع مکمل کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی کا وہ سالار اپنے لشکر کے ساتھ قوموں کی سرنوشت میں قدرت کے قہرت برق فلک تاب، صحرا کے صرصر اور دل میں اٹھنے والے کہر میں صحرا کی طرح حرکت میں آیا اور اس نے جوابی حملہ کیا تھا۔ دوسری طرف جواہر سنگھ کے لشکر کی تعداد احمد شاہ ابدالی کے اس لشکر سے کہیں زیادہ تھی۔ لہٰذا شروع میں ہی جواہر سنگھ کا پلہ بھاری دکھائی دے رہا تھا۔

تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد جب جواہر سنگھ نے دیکھا کہ اس کی فتح مندی کے آثار دکھائی دینا شروع ہو گئے ہیں تو اس نے مزید تندی کے ساتھ حملہ آور ہونا شروع کر دیا۔ اب احمد شاہ ابدالی کے اس لشکر پر وہ رینگتے اژدھے، زہر آگیں سانپوں

یت کی رگ رگ سے خون چوس لینے والے قاتلوں کے قبیلوں اور سینے میں دوزخ کی آگ بھر دینے والے غلاموں کے غول کی طرح حملہ آور ہونا شروع ہو گیا تھا۔ اہر سنگھ کے حملوں سے یوں لگتا تھا جیسے وہ وقت کے دھارے میں ہر شے کو چشم ب میں سمیٹ کر احساس کی سولی پر چڑھا دینے کا عظم کر چکا ہے۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کا وہ سالار بھی اپنے چھوٹے سے لشکر کے ساتھ بڑی رات مندی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ بار بار اپنے لشکریوں کو للکارتے ہوئے جواہر سنگھ کے ملوں کو روکنے کے ساتھ ساتھ جوابی حملے کرنے کے بھی اکسا رہا تھا۔ اپنے اس سالار کے بار بار پکارنے پر احمد شاہ ابدالی کے لشکری بے چارے تعداد میں کم ہونے کے جود ذرے سے دشت بیکراں، قطرہ ناچیز سے بحر کا طوفان، موج سے بھنور، پرولسے دمی، نغمہ سے حوادث شرر سے سورج بن بن کر سحر کے نور کی طرح پھیلتے بکھرتے ہوئے جواہر سنگھ کے لشکر پر حملہ آور ہوتے رہے لیکن ان کی کوئی پیش نہ گئی۔ اس لئے کہ جواہر سنگھ کا لشکر تعداد میں زیادہ ہونے کی وجہ سے بڑی تیزی سے ان کے طراف میں پھیل کر ان پر چھاتا چلا جا رہا تھا۔

جواہر سنگھ اس جنگ کو طول نہیں دینا چاہتا تھا اسے خدشہ لاحق تھا کہ اگر جنگ ول پکڑ گئی تو مسلمانوں کو احمد شاہ ابدالی کی طرف سے کمک مل جائے گی اور انہیں کمک پہنچ گئی تو پھر اس کے لئے میدان جنگ میں ٹھہرنا انتہائی مشکل اور دشوار ہو جائے گا لہٰذا وہ پہلے کی نسبت بھی زیادہ تیزی سے حملہ آور ہونے لگا۔ اب وہ آندھیوں کے شناسا طوفانوں کے محرم کی طرح احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر ٹوٹ رہا تھا۔ بار بار وہ رات کے سمندر میں آگہی کے حصار اور صحرائے وقت کے سیلاب کی طرح احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے تین اطراف میں لشکریوں کو پھیلاتا ہوا ان کی اگلی صفوں کو ادھیڑنے کی کوشش کرنے لگا تھا۔

جلد ہی جواہر سنگھ کے حملوں کے سامنے احمد شاہ ابدالی کا لشکر بے بس مجبور کھائی دینے لگا۔ پھر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی حالت یوں ہونے لگی کہ جیسے حبس کی

زنجیروں میں اسیر کوہ و صحرا جیسے ہزاروں ساعتوں کی مقروض آوازیں' جیسے خوابوں دیار میں عمر گذشتہ کی پکار۔ جیسے وقت کے پر فریب سیلاب میں زمیں پر رینگتی ہو رات احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی حالت اب جواہر سنگھ نے امتوں کی دربدری او ہیکلوں کی فتنہ گری جیسی بنا کر رکھ دی تھی۔ پھر وہ موقع بھی آیا کہ جواہر سنگھ کا لش پوری طرح احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے اس حصے پر چھا گیا۔ احمد شاہ ابدالی کے ا ایک لشکری کو جواہر سنگھ نے چن چن کر قتل کر دیا اور کسی ایک کو بھی اس نے میدا جنگ سے بھاگ جانے کا موقع نہ دیا۔ جس قدر سامان اس لشکر کے پاس تھا اور والوں کے سارے گھوڑوں پر بھی قبضہ کرنے کے بعد جواہر سنگھ بلبگڑھ کی طرف لو گیا تھا۔

جواہر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ بلبگڑھ کی طرف بڑھتے ہوئے ابھی راستے میں تھا کہ اس کے جاسوس نے اسے خبر دی کہ تھوڑی دیر تک اس کی بہن کامنی لشکر کر اس کے ساتھ آ شامل ہونے والی ہے۔ یہ خبر سن کر جواہر سنگھ بے حد خوش ہوا پانچ میل مزید آگے بڑھا ہو گا کہ کامنی بھی اپنے لشکر کے ساتھ اپنے بھائی سے آ اپنی بہن کو دیکھ کر جواہر سنگھ بڑا خوش ہوا۔ جب کامنی اس کے سامنے آئی تو جوا سنگھ بڑی خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے کہنے لگا۔

دیکھو میری بہن مجھے یہ تو خبر ہو گئی تھی کہ تو احمد شاہ کے لشکر سے نکل کر وا آ چکی ہے۔ مجھے یہ بھی خبر ہو گئی تھی کہ تو شاہ پسند کو اغوا کر کے بھرت پور لے جا میں ناکام ہو گئی ہے۔ اب تو افسوس نہ کر۔ ابھی ایسے کئی مواقع ملیں گے کہ ہم ا شاہ پسند کو اپنے آگے زیر کر سکیں۔

دیکھ مجھے بیک وقت دو خوشیاں ملی ہیں۔ ایک تو میں نے احمد شاہ ابدالی کے ا لشکر کو بدترین شکست دی ہے اور اس لشکر سے مجھے بہت سا سامان اور ان گھوڑے بھی ہاتھ لگے ہیں۔ دوسری خوشخبری یہ ہے کہ تم بھی۔ میرے پاس لشکر کر پہنچ گئی ہو۔ اب میرے حوصلے پہلے سے کئی گنا بڑھ گئے ہیں اور مجھے امید ہے

ہم احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے پاؤں اکھاڑ پھینکیں گے۔ کامنی نے بظاہر چہرے پر مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اپنے بھائی جواہر سنگھ کی باتوں پر خوشی اور اطمینان کا اظہار کیا۔ تاہم اندر ہی اندر وہ ان باتوں کو ناپسند کر رہی تھی بہرحال دونوں بہن بھائی اپنے اپنے لشکر کو لیکر بڑی تیزی سے بلبگڑھ کی طرف بڑھے تھے۔

بلبگڑھ سے باہر جواہر سنگھ کے نائب بلیر سنگھ نے اس کا شاندار استقبال کیا۔ دونوں بہن بھائیوں نے بلبگڑھ کے قلعے سے باہر ہی اپنے لشکروں کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور لشکر کے وسط میں دونوں بہن بھائیوں کے خیمے ساتھ ساتھ نصب کر دیئے گئے تھے۔ ابھی پڑاؤ لگا ہی تھا کہ اور لشکریوں کے لئے کھانا تیار ہو رہا تھا جبکہ جواہر سنگھ اور کامنی دونوں بہن بھائی ایک ہی خیمے میں بیٹھے باہم گفتگو کر رہے تھے کہ جواہر سنگھ کا ایک پہریدار اندر آیا اور جواہر سنگھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

راجکمار۔ مرہٹوں کی طرف سے ایک قاصد آیا ہے اور وہ فی الفور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اس انکشاف پر جواہر سنگھ نے سوالیہ سے انداز میں اپنی بہن کامنی کی طرف دیکھا پھر اس نے اپنے پہریدار کو کہا اس قاصد کو اندر بھیجو ہو سکتا ہے کہ وہ ہمارے لئے کوئی اچھی اور خیر ہی کی خبر رکھتا ہو۔ وہ پہریدار تھوڑی دیر بعد اپنے ساتھ مرہٹوں کے قاصد کو لیکر آیا۔ مرہٹوں کا قاصد جواہر سنگھ کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ پھر وہ کہنے لگا۔

راجکمار میں آپ کے لئے دوستی اور امن کا پیغام لیکر آیا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ چند دن پہلے احمد شاہ ابدالی کے ایک جرنیل شاہ پسند نے ہمارے لشکر کو جس کا سالار جرنیل مالیکشور تھا بدترین شکست دی تھی۔ مالیکشور بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوا اور اس کے سارے لشکر کو شاہ پسند نے تہ تیغ کر دیا تھا۔ اب ہمارے پیشوا بالاجی راؤ نے اس لشکر سے بھی بڑا لشکر ترتیب دیا ہے۔ اس لشکر کا سالار بالاجی راؤ نے اپنے بھائی رگھوناتھ کو بنایا ہے اور دوسرے جرنیل مالیکشور کو رگھوناتھ کا نائب مقرر کیا گیا ہے۔ اس لشکر کی تعداد پہلے لشکر سے کئی گنا زیادہ ہے۔

مجھے رگوناتھ نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے اور یہ کہلا بھیجا ہے کہ
ہمیں اپنے پرانے اختلافات اور عداوتوں کو فراموش کر کے احمد شاہ ابدالی مقابلے میں متحد ہو جانا چاہیے۔ رگوناتھ نے کہلا بھیجا ہے کہ ہماری اور بھرت پو راجہ سورج مل کی دشمنی کامنی کے رشتے کی بنا پر تھی۔ اب جبکہ یہ رشتہ نہیں ہمیں یہ دشمنی آپس میں ہمیشہ کے لئے نہیں رکھنا چاہیئے۔ اگر یہ رشتہ طے ہو مرہٹوں کی سلطنت اور سورج مل کے تعلقات اس قدر مضبوط اور مربوط ہوئے کہ شاہ ابدالی کو ہندوستان کی سرزمین میں داخل ہونے جرات ہی نہ ہو سکتی۔ یہ باہمی اختلاف اور دشمنی ہی ہے جس کی بنا پر احمد شاہ ابدالی جگہ جگہ ہماری سرز میں کامیابیاں حاصل کر رہا ہے۔

ہمارے لشکر کا سپہ سالار رگھوناتھ چاہتا ہے کہ ہم احمد شاہ ابدالی کے لشکر طرفہ حملہ کریں۔ ایک طرف سے آپ اپنے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہونے کے تولیں دوسری طرف سے رگوناتھ حملہ آور ہو گا۔ اس طرح احمد شاہ ابدالی کا لشکر جائے گا اس کی قوت تقسیم ہو جائے گی اور اسے ہم آسانی سے شکست دینے کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ ہمارے سپہ سالار رگوناتھ نے یہ بھی کہلا بھ کہ اگر پرانی دشمنی کی بنا پر مرہٹوں سے سورج مل کے حق میں کوئی زیادتی ہوئی ہم معذرت خواہ ہیں۔ رگوناتھ کا یہ بھی خیال تھا کہ اگر اسے کامنی کا رشتہ ل دونوں سلطنتوں کے تعلقات نہایت استوار' بہترین' مضبوط اور مربوط ہو کر رہ اس طرح ہندوستان میں کوئی بھی دشمن ان کی طرف بری نگاہ سے نہ دیکھ سکتا۔

یہاں تک کہنے کے بعد مرہٹوں کا وہ قاصد خاموش ہو گیا اس کی ساری گ کے بعد جواہر سنگھ کچھ سوچتا رہا۔ پھر وہ قاصد کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا مرہٹے ہماری طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا رہے ہیں تو ہم ان کی دوستی کے اس ہا نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں واقعی ہمیں اور م آپس میں اتحاد اور اتفاق کر لینا چاہیے۔ اسی میں مرہٹوں کی اور ہماری بقا

اور اگر ہم نے اتحاد اور تعاون کے اس موقع کو برباد کر دیا تو احمد شاہ ابدالی ہمیں اکیلا اکیلا کر کے وہ مار مارے گا کہ ہم اپنا ماضی اور حال دونوں ہی فراموش کر کے رہ جائیں گے۔

سنو رگوناتھ کے قاصد جہاں تک رگوناتھ کے ساتھ میری بہن کامنی کے بیاہ کا تعلق ہے اس سے متعلق میں کہوں کہ اس رشتے سے انکار میرے پتا سورج مل نے کیا تھا میرا اس میں کوئی عمل دخل نہیں تھا لیکن واپس جا کر رگوناتھ سے کہنا کہ میں اب اس رشتے میں دخل اندازی کروں گا اور اپنے باپ کو اس بات پر آمادہ کروں گا کہ وہ میری بہن کامنی کا بیاہ رگوناتھ کے ساتھ کر دے اور مجھے امید ہے کہ میں ایسا کرنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا۔ اپنے بھائی کی یہ گفتگو سن کر قریب بیٹھی ہوئی کامنی کے چہرے پر غم و غصے کے آثار نمودار ہوئے لیکن جلد ہی اس نے اپنے ان جذبات کو چھپا لیا اور بڑی تیزی سے اس نے ضبط کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو احساس تک نہ ہونے دیا تھا کہ اس نے اپنے بھائی کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا ہے۔

جواہر سنگھ اپنے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے پھر کہہ رہا تھا۔ سنو رگوناتھ کے قاصد آج کی رات میرے لشکر میں تم مہمان کی حیثیت سے رہو۔ کل یہاں سے کوچ کرنا۔ واپس جا کر رگوناتھ سے کہنا کہ ہم اس کے ساتھ پوری طرح تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ احمد شاہ ابدالی کے بائیں پہلو پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے۔ جبکہ ہم احمد شاہ کے دائیں طرف سے حملہ آور ہوں گے اس طرح احمد شاہ ابدالی کو اپنا لشکر دو حصوں میں بانٹنا پڑے گا جس سے اس کی قوت اور طاقت میں کمزوری ہو گی اور وہ ہمارے اور تم لوگوں کے سامنے اپنا دفاع تک نہ کر سکے گا۔ اب تم جاؤ میرے اس پہریدار کے ساتھ یہ تمہارے طعام اور قیام کا انتظام کرے گا۔ مرہٹوں کا وہ قاصد چپ چاپ جواہر سنگھ کے پہریدار کے ساتھ ہو لیا تھا۔

کامنی نے چونکہ اپنے بھائی جواہر سنگھ کی گفتگو اور اس کے فیصلے کو سخت ناپسند کیا تھا لہٰذا وہ شائد مزید وہاں نہ بیٹھنا چاہتی تھی۔ اٹھ کھڑی ہوئی اور جواہر سنگھ سے

کہنے لگی بھائی تم بھی آرام کرو میں بھی اپنے خیمے میں جا کر آرام کروں گی جواہر سنگھ کچھ کہنا چاہتا ہی تھا کہ کامنی اس سے پہلے ہی اٹھی اور پھر وہاں سے نکل کر اپنے خیمے کی طرف چلدی تھی۔



احمد شاہ ابدالی دوپہر کا کھانا شاہ پسند خاں، شاہ ولی خاں، جہان خان اور برخوردار خاں کے ساتھ کھانے کے ساتھ فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کا ایک جاسوس اندر داخل ہوا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ پاشا۔ میں دو بری خبریں لے کر آیا ہوں۔ پہلی بری خبر یہ ہے کہ ہمارے لشکر کا جو حصہ فرید آباد سے رسد اور خوراک کا سامان حاصل کرنے کے لئے گیا تھا اس پر بھرت پور کے راجہ سورج مل کا بیٹا جواہر سنگھ اپنے لشکر کے ایک حصے کے ساتھ حملہ آور ہوا۔ ہمارے سارے لشکریوں کو اس نے تہہ تیغ کر دیا اور کسی کو بھی جنگ سے بچنے کا موقع فراہم نہیں کیا۔ ہمارے سارے لشکر کا سامان اور گھوڑے ہانک کر جواہر سنگھ بلبگڑھ کے قلعے کی طرف چلا گیا ہے۔ مزید یہ کو سورج مل کی بیٹی کامنی جو کچھ عرصہ پہلے تک ہمارے لشکر میں قیام کئے رہی تھی وہ بھرت پور سے ایک اور لشکر لیکر اپنے بھائی کے ساتھ آن ملی ہے۔ اس طرح سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کی قوت میں پہلے کی نسبت دوگنا اضافہ ہو گیا ہے۔

پاشا دوسری خبر یہ ہے کہ مرہٹوں کا ایک بہت بڑا لشکر جس کی تعداد ہمارے لشکر سے بھی زیادہ ہے مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی رگوناتھ کی سرکردگی میں بڑی تیزی سے ہماری طرف پیش قدمی کر رہا ہے جس رفتار سے وہ بڑھ رہے ہیں ایسے ہی بڑھتے رہے تو ایک دو روز تک وہ ہمارے سامنے آ نمودار ہوں گے۔

اس سلسلے میں مزید یہ کہوں کہ مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی رگوناتھ کہ اس لشکر کی کمانداری کر رہا ہے اس نے ایک اپنا قاصد سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کے پاس بلبگڑھ کی طرف روانہ کیا تھا۔ جواہر سنگھ ہمارے لشکر کا صفایا کرنے کے بعد ان دنوں بلبگڑھ کے قریب قیام کئے ہوئے ہے۔ رگوناتھ نے اسے پیغام بھجوایا

احمد شاہ ابدالی کے مقابلے میں سورج مل اور مرہٹوں کو ایک ہو جانا چاہیے۔ تب ہی وہ احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ نے مرہٹوں کی اس تجویز کو پسند کیا لہٰذا اب یہ طے پایا ہے کہ ہمارے بائیں طرف سے مرہٹے ہم پر حملہ آور ہوں گے اور دائیں طرف سے سورج مل کا بیٹا جواہر سنگھ ہم پر ضرب لگانے کی کوشش کرے گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ مخبر جب خاموش ہوا تو احمد شاہ بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا تم جاؤ اور آج کی رات لشکر میں قیام کر کے آرام کرو اس کے بعد اپنے کام پر پھر نکل جانا۔ اس مخبر کے جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے سامنے بیٹھے اپنے سارے سالاروں کو مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔

میرے ساتھیو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے مقابلے میں مرہٹے اور سورج مل کبھی بھی آپس میں اتفاق اور تعاون نہیں کر پائیں گے کہ ان کے ساتھ جو دشمنی چلی آ رہی ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان کا آپس میں مصالحت کرنا ناممکن دکھائی دیتا تھا لیکن ایسا لگتا ہے کہ مرہٹوں اور سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ نے آپس کے اختلافات کو ختم کر کے ہمارے مقابلے میں منظم ہونے کا ارادہ کر ہی لیا ہے۔ سنو میرے ساتھیو۔ اب لشکر پانچ حصوں میں تقسیم ہو گا۔ ایک حصہ شاہ پسند کے پاس رہے گا۔ دوسرا برخوردار کے پاس۔ تیسرا شاہ ولی خان کے پاس۔ چوتھا جہان خان کے پاس اور پانچواں خود میرے پاس۔ شاہ پسند اور برخوردار دونوں مرہٹوں کا مقابلہ کریں گے اور اس لشکر کا سالار اعلیٰ شاہ پسند ہو گا۔ برخوردار شاہ پسند کے نائب کی حیثیت سے کام کرے گا۔

جہاں تک سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ سے نپٹنے کا تعلق ہے تو شاہ ولی خان اور جہان خان دونوں جواہر سنگھ کی طرف بڑھیں گے۔ میں اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ باقی حصے میں رہوں گا اور جس سمت بھی میں نے اپنے لشکریوں میں کمزوری کے آثار نمودار ہونے کی خبر سنی میں فوراً اس لشکر کی مدد کو پہنچوں گا۔

تم لوگ قطعاً فکر مند نہ ہونا۔ جنگ کے دوران تمہیں رسد اور کمک فراہم کرنا

میرا کام ہو گا اور میں اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے دوں گا۔ کیا تم میں سے میری اس تجویز کے خلاف رائے رکھتا ہے۔ جب شاہ پسند' شاہ ولی خان' جہان اور برخوردار خان کی طرف سے کوئی بھی نہ بولا تو احمد شاہ ابدالی نے خوشی کا ا کرتے ہوئے کہا۔

خدا کا شکر ہے کہ تم سب لوگ میرے ساتھ اتفاق رائے رکھتے ہو سنو جنگ کو ہندوستان میں مرہٹوں اور سورج مل کے خلاف اپنی بدترین جنگ سمجھ کر اس جنگ کی فتح یا شکست ہم پر دوررس نتائج مسلط کر سکتی ہے۔ اس جنگ میں اگر شکست ہوتی ہے تو مرہٹوں اور دیگر ہندوؤں کے حوصلے بلند ہوں گے او ہندوستان کی سرزمین میں کہیں بھی ہمارے قدم جمنے نہ دیں گے۔

اور اگر اس جنگ میں ہم مرہٹوں اور سورج مل کے لشکروں کو بھاگ جانے شکست اٹھانے پر مجبور کر دیتے ہیں تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس کے بعد بھی مرہٹے اور ہندو راجپوت اور جاٹ ہمارے سامنے جم کر نہ لڑ سکیں گے صورت میں ہمیں بہترین اور شاندار فتح نصیب ہو گی۔ اب تم چاروں اٹھو اور اپنے لشکر کے کوچ کی تیاریاں کرو۔ احمد شاہ ابدالی کا حکم ملنے کے بعد عبداللہ' شاہ خان' جہان خان اور برخوردار خان احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد اس جگہ سے احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کا پڑاؤ اٹھا شاہ ولی خان اور جہان خاں اپنے اپنے حصے کے لشکروں کو لیکر سورج مل کے بیٹے سنگھ سے نپٹنے کے لئے بلبگڑھ کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ جبکہ عبداللہ اور بر خان اپنے اپنے لشکروں کو لیکر بائیں طرف کوچ کر گئے تھے تاکہ وہ مرہٹوں کے پیش قدمی کو روک دیں اور مرہٹے اور جواہر سنگھ بائیں طرف کوچ کر گئے تھے مرہٹوں کے لشکر کی پیش قدمی کو روک دیں اور مرہٹے اور جواہر سنگھ کا لشکر ہونے پائیں۔

○

جام گلگوں سی تاریک رات اپنے سیاہ آنچلوں کو اپنے تھکے تھکے چشم و نظر میں سمیٹتی ہوئی رخصت ہو گئی تھی۔ سرد رات کی بیکراں خاموشی سے ہر چیز یوں عیاں ہو رہی تھی جیسے پانی میں ڈوبی ہوئی کوئی چیز اچانک ابھر آتی ہے۔ بیکراں حصاروں کے اندر سرگرداں نیند کے مارے جسموں کی روحیں اپنے اپنے وجود میں لوٹنے لگی تھیں۔ اپنی تکمیل پر آسودہ شب اور ریزہ ریزہ ملبوس کو سمیٹتی ختم ہو چکی تھی اس لئے کہ گلابی سرما کا ست رفتار سورج مشرق سے طلوع ہو چکا تھا۔ چاروں طرف پیلی دھوپ پھیل گئی تھی۔ ایسے میں بلبگڑھ سے باہر جواہر سنگھ صبح کا کھانا کھا کر فارغ ہوا ہی تھا کہ اس کے ایک جاسوس نے آکر خبر دی کہ احمد شاہ کے دو جرنیل شاہ ولی خان اور جہان خان اس کی طرف روانہ ہو گئے ہیں جب کہ دوسرے دو جرنیل عبداللہ اور برخوردار خان مرہٹوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے کوچ کر چکے ہیں۔ یہ خبر سننے کے بعد جواہر سنگھ کے چہرے پر تفکرات کے کچھ آثار نمودار ہوئے تھے۔ اس نے اس جاسوس کو رخصت کر دیا پھر اس نے اپنے خیمے سے باہر پہرہ دینے والے محافظ کو بلایا جب وہ اندر آیا تو جواہر سنگھ کہنے لگا میری بہن کامنی کو بلا کر لاؤ تاکہ آئندہ جنگ سے متعلق میں اس سے صلاح و مشورہ کر سکوں۔

اس پر وہ پہریدار بولا کو کہنے لگا مہاراج راجکماری تو اپنے خیمے میں نہیں ہے۔ اس پر جواہر سنگھ نے جواب طلب نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اپنے خیمے میں نہیں ہے تو پھر کہاں ہے اس پہریدار نے ڈرتے ڈرتے اسے سہمے سہمے سے انداز میں کہا۔ کل جب مرہٹوں کے سپہ سالار رگوناتھ کا قاصد آپ کے پاس آیا تھا اور اس سے گفتگو کرنے کے بعد راجکماری اپنے خیمے سے نکلی تھی تو تھوڑی ہی دیر بعد وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پڑاؤ سے باہر چلی گئی تھی۔ وہ پوری طرح مسلح تھی اور سارے ہتھیار ان کی زین کے ساتھ سجے ہوئے تھے۔ ہم یہی سمجھے کہ وہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے نکلی ہے یا اپنے گھوڑے کو دوڑانے جا رہی ہیں لیکن اس کے بعد ہم ساری رات پریشان رہے وہ لوٹ کر نہیں آئی۔

اپنے پہریدار کے اس انکشاف پر جواہر سنگھ پریشان اور دنگ رہ گیا تھا۔ بڑی تیزی سے وہ کامنی کے خیمے کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا خیمہ خالی تھا۔ کامنی وہاں نہ تھی اور کامنی کی کوئی بھی ذاتی چیز خیمے میں نہ تھی وہ اپنے کپڑے اور ضرورت کی ہر شے سمیٹ کر لے گئی تھی۔ جواہر سنگھ تھوڑی دیر تک خالی خالی خیمے کا جائزہ لیتا رہا۔ پھر وہ مڑا اور اپنے پیچھے کھڑے پہریدار کو مخاطب کرتے ہوئے وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں پوچھنے لگا۔

تمہارے خیال میں کامنی کہاں جا سکتی ہے۔ اس پر وہ پہریدار مودب ہو کر کہنے لگا۔ مہاراج میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ اگر مجھے خبر ہوتی کہ ایسا سانحہ نمودار ہو جاتا ہے تو میں اسی وقت راجکماری سے پوچھ لیتا کہ وہ کہاں جا رہی ہے۔ جواہر سنگھ نے مزید کوئی بات اس پہریدار سے نہ کی اور وہ الجھا الجھا اور بکھرا بکھرا سا اپنے خیمے کی طرف چلا گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی شاہ ولی خان اور جہان خان کو جواہر سنگھ اور عبداللہ اور برخوردار خان کو مرہٹوں کی طرف روانہ کرنے کے بعد اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ ایک محفوظ جگہ گھات میں بیٹھ گیا تھا تاکہ جس طرف بھی اس کی ضرورت پڑے وہاں وہ بروقت پہونچ کر دشمن پر ضرب لگا سکے۔

شاہ ولی خان اور جہان خان کا مقابلہ کرنے کے لئے جواہر سنگھ نے بلبگڑھ سے چند میل کے فاصلے پر کھلے میدانوں کا انتخاب کیا۔ شاہ ولی خان اور جہاں خان کی آمد سے پہلے ہی وہ اپنے لشکر کے ساتھ اس میدان میں پڑاؤ کر گیا تھا۔ جہاں وہ جنگ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ جس شاہراہ پر سفر کرتے ہوئے شاہ ولی خان اور جہان خان بلبگڑھ کی طرف بڑھ رہے تھے وہ شاہراہ انہی میدانوں میں سے ہو کر گزرتی تھی جن میدانوں میں جواہر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر چکا تھا۔

جوں ہی شاہ ولی خان اور جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ ان میدانوں میں نمودار ہوئے جواہر سنگھ حرکت میں آیا اور شاہ ولی خان اور جہان خان پر اس نے حملہ کر

دیا تھا۔ وہ دونوں کو دم نہیں لینے دینا چاہتا تھا اور نہ ہی انہیں صفیں درست کرنے یا جنگ کی تیاری کا موقع فراہم کرنا چاہتا تھا۔

دوسری طرف شاہ ولی خان اور جہان خان کو بھی ان کے جاسوس پل پل کی خبریں پہونچا رہے تھے۔ لہٰذا جب جواہر سنگھ ان پر حملہ آور ہوا تو انہوں نے فوراً عملی قدم اٹھاتے ہوئے اپنے اپنے لشکر کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھ لیا۔ شاہ ولی خان اپنے لشکر کے ساتھ ذرا دائیں جانب ہو گیا جبکہ جہان خان بائیں طرف ہٹ گیا تھا۔ جواہر سنگھ جب ان پر حملہ آور ہوا تو دائیں طرف سے شاہ ولی خان اپنے لشکر کے ساتھ ان کی تطہیر کرتے رم و رقص مسلسل، دم بخود ارض و سماء کے اندر ایک برق تلاطم، دشت و کوہ کے مبہوت سایوں میں خونی تقاضے اور طلب کی طرح جواہر سنگھ کے لشکر کے بائیں پہلو پر حملہ آور ہوا تھا۔ عین اسی وقت جہان خان بھی تخلیق نور میں وقت کی پکار اور انسانیت کی دھوپ میں ہوش شکن ایک سیل حوادث کی طرح جواہر سنگھ کے لشکر کے دائیں پہلو پر ٹوٹ پڑا تھا۔

جواہر سنگھ بھی آسانی سے ہار ماننے والا نہ تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ احمد شاہ ابدالی کا لشکر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا ہے تو اس نے بھی فوراً اپنے لشکر کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور یہ دونوں حصے خود سر زہریلے سانپ، جرم و جہل کے طوفان، کذب و عصیاں کی آندھیوں، بھڑکتے صحرا، آگ تھوکتے دشت کی طرح شاہ ولی خان اور جہان خان کے لشکروں پر حملہ آور ہو گئے تھے۔

جلد ہی جنگ اپنے عروج کو پہنچ گئی تھی۔ میدان جنگ میں چاروں طرف چنگیز خان کی وحشت، تیمور کی خونخواری، ہلاکو کی ہلاکت خیزی رگ رگ کی چوستی ضمیر کی پتلیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ ہر کوئی اپنے خون سے غسل کرنے لگا تھا۔ سورج کا ٹھیرا جالوں کی نیت لہو لہو تھی۔ آوازوں کی دیواریں مرگ کی آگ کے سیلاب میں الفاظ اور معانی کے کٹتے رشتوں کی طرح رستوں کے جمود اور شب کے سناٹوں میں کھو کر رہ گئی تھیں۔

دونوں لشکر ایک دوسرے کے ساتھ چٹانوں سے ٹکراتے نیلے بحر، صحرائے ریگ
کی آندھیوں کی طرح ٹکراتے رہے، صلیب کی صرصر قیامت بردوش ہو کر نقطہ
کی طرح نزول کرتی رہی۔ میدان جنگ میں مرگ کی سلگتی آگ کے اندر زمین کے
سینہ خاک پر خون کے دھارے بنتے اور بگڑتے رہے۔

تن تہذیب پر زخم عریاں ہوتے رہے۔ قضا ہر عزم کو ہلاتی رہی، تاریخ کے پار
اوراق پر خون کا نیا رنگ چڑھتا رہا، سراب موجوں سے ساحل تلاطم کے عقابوں سے
روشناس ہوتے رہے۔ سسکتی زندگی کی طنابیں کٹتی رہیں۔ سنگریزوں کی جبیں
کوہستانوں کا وقار لہو لہو ہوتا رہا۔

آبگینوں پر چٹانیں گرتی رہیں۔ زمین پر خون کی خیرات بٹتی رہی، سلگتے سورج کا
ہوا افق آگ لگے ناسور کی طرح تنہائی کے احساس میں جلتا رہا، آوازوں کی دیوار
سے لمحیں سر ٹکراتے رہے، وقت کے سینے پر سیاہ رات کے جال میں پھنسے کرب کے
شعلے۔ سلگتے خیالوں اور سازوں کی کئی رگوں میں آگ بھڑکاتے رہے۔

کافی دیر تک جنگ جاری رہی۔ بھرت پور کے راجکمار جواہر سنگھ کا خیال تھا کہ وہ
بلبگڑھ کے نواح کے کھلے میدانوں میں احمد شاہ ابدالی کے اس لشکر کو مار بھگانے میں
کامیاب ہو جائے گا۔ اس کا خیال تھا کہ چونکہ احمد شاہ ابدالی کا لشکر بٹ چکا ہے۔ لشکر
کا کچھ حصہ مرہٹوں کی طرف جا چکا ہے اور کچھ اس پر حملہ آور ہونے کے لئے آیا ہے
لہٰذا احمد شاہ کی قوت بٹ جانے کی وجہ سے وہ انہیں مار بھگائے گا لیکن اس کی ہر
آس ہر امید سرابوں میں کھو کر رہ گئی تھی۔ اس نے بار بار اپنے لشکریوں کو اکساتے
ہوئے پوری درندگی، پوری خونخواری سے حملے کئے تھے لیکن شاہ ولی خان اور جہان
خان دونوں نے جواہر سنگھ کے حملوں کو روکنے کے ساتھ ساتھ جارحیت بھی اختیار کر
لی تھی اور اب وہ دونوں دائیں بائیں سے جواہر سنگھ کے لشکر کے دونوں حصوں کی اگلی
صفوں کو بکھرنے اور پیچھے ہٹنے پر مجبور کر رہے تھے۔

جواہر سنگھ نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کے دونوں حصوں کی اگلی صفیں درہم

...ا شروع ہو گئی ہیں تو اسے خدشہ ہو گیا تھا کہ اگر حالات اسی طرح رہے تو
...ترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہٰذا اپنے ماتحت سالاروں کو اس نے اندر
...حکم دیدیا کہ فوراً پیچھے ہٹتے ہوئے بلبگڑھ کے قلعے میں محصور ہو جائیں۔ ساتھ
...کا وہ حصہ جو وہ بلبگڑھ کے قلعے میں چھوڑ کر آیا تھا اس کے کماندار کو بھی اس
...م بھجوا دیا کہ وہ پسپا ہو کر قلعے کی طرف آنے والا ہے۔ لہٰذا قلعے کے دروازے
...دیئے جائیں۔ ان سارے کاموں کی تکمیل کے بعد جواہر سنگھ نے اپنے لشکر کو
...نہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ پھر وہ بڑی تیزی سے پلٹا اور اپنے لشکر کے ساتھ
...ے قلعے میں داخل ہو کر محصور ہو گیا تھا۔ یہ ایک انتہائی مضبوط اور دوہری
...ا قلعہ تھا جس کے اندر محصور رہ کر جواہر سنگھ مسلمانوں کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا۔



...حمد شاہ ابدالی جو اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات میں بیٹھا ہوا تھا اسے اس
...ایہ گرد دستوں نے خبر دی کہ کھلے میدانوں میں شاہ ولی خان اور جہان خان نے
...پور کے راجکمار جواہر سنگھ کو بدترین شکست دی ہے اور یہ کہ جواہر سنگھ بلبگڑھ
...میں محصور ہو گیا ہے۔ احمد شاہ ابدالی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ حرکت میں
...ی برق رفتاری سے بلبگڑھ کی طرف بڑھا۔

بلبگڑھ پہنچ کر احمد شاہ ابدالی نے بذات خود بلبگڑھ کے قلعے کا محاصرہ کر لیا جبکہ
...ے شاہ ولی خان اور جہان خان کو حکم دیا کہ وہ بھرت پور کی سلطنت میں داخل ہو
...ا ہر شہر پر حملہ آور ہو کر اسے لوٹ لیں اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے یہ بھی
...کہ ہر وہ سپاہی جو کسی غیر مسلم کا سر کاٹ کر وزیراعظم کے خیمے کے سامنے پیش
...گا اسے ہر سر کے بدلے مبلغ پانچ روپے نقد ادا کیے جائیں گے۔ احمد شاہ ابدالی
...کم سنتے ہی شاہ ولی خان اور جہان خان اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ
...نکل آئے اور بھرت پور کے دوسرے شہروں کی طرف بڑھے سب سے پہلے
...انے اکبر آباد یعنی آگرہ کا رخ کیا تھا۔



دوسری طرف عبداللہ اور برخوردار خان اپنے اپنے حصے کے لشکر
مرہٹوں کی طرف بڑھے تھے۔ عبداللہ اور برخوردار دونوں کو ان کے جاسوس
پل پل کی نقل و حرکت سے آگاہ کر رہے تھے۔ جب عبداللہ اور برخوردار
مرہٹوں کے لشکر کے تقریباً دس میل کے فاصلے پر رہ گئے تو عبداللہ نے لشکر
جانے کا حکم دیا اور وہ اپنے پہلو میں برخوردار کے پاس آیا اور بڑی رازداری
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

برخوردار میرے محترم میرے بزرگ اگر جنگ کے سلسلے میں میں آپ کو
مشورہ دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہ ہو گا۔ اس پر برخوردار بڑی عاجز
انکساری سے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے تو اس متحدہ لشکر کا سالار اعلیٰ ہی نہیں بلکہ احمد شاہ ا
سارے عساکر کا امیر لشکر بھی ہے۔ بیٹے اس وقت جنگ کے دوران تو مجھ
نہیں طلب کر سکتا بلکہ مجھے حکم دے سکتا ہے کہو میرے بیٹے تم کیا کہنا چاہتے
ہر کام تمہاری مرضی تمہاری خواہش کے مطابق کروں گا۔ میں جانتا ہوں کہ
لڑنے کا اور جنگ کرنے کا انداز بڑا منفرد ہے اور تم دشمن کو شکست دینے کی
کوئی صورت ضرور نکال لو گے۔ یہاں تک کہنے کے بعد برخوردار خان جب
ہوا تو عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

برخوردار میرے محسن۔ میرے مربی۔ یہ بات ہے تو پھر ایسا کرو۔ تم اپنے
ساتھ یہیں رک جاؤ اور جس شاہراہ پر اس وقت ہم سفر کر رہے ہیں اس پر ا
کو دو حصوں میں تقسیم کر کے دائیں بائیں پھیلا دو لیکن جب تم لشکر کو دائیں
پھیلانے کے لئے دو حصوں میں تقسیم کرو تو لشکروں کو مدموں اور ٹیلوں کے
اس طرح گھات میں بٹھانا کہ دونوں حصوں کے درمیان کم از کم آدھے میل
ہو۔

میں کچھ دور آگے جا کر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لوں گا۔ ظاہر ہے کہ مرہٹے
ب پیش قدمی کرتے ہوئے میری طرف آئیں گے تب میرے سامنے اپنے لشکر کے
اتھ پڑاؤ کریں گے میرے لشکر کی تعداد کم دیکھتے ہوئے وہ فی الفور ہم پر حملہ آور
نے کی کوشش کریں گے میں کچھ دیر ان کے سامنے جم کر لڑتا رہوں گا پھر کچھ اس
داز میں پسپا ہوں گا کہ مرہٹے یہ خیال کریں کہ شاید میں شکست کا سامنا کرتے ہوئے
پا ہونے لگا ہوں۔ لہٰذا میں پیچھے ہٹتے ہوئے تمہارے گھات میں بیٹھے ہوئے لشکر کے
ونوں حصوں کے بیچ میں سے گزر جاؤں گا۔

جب تم دیکھو کہ مرہٹے بھی میرا تعاقب کرتے ہوئے تمہارے لشکر کے دونوں
حصوں کے بیچ سے گزر گئے ہیں تو تم فوراً حرکت میں آنا اپنے لشکر کے دونوں حصوں کو
لیکر تم مرہٹوں کی پشت پر حملہ آور ہو جانا عین اس موقع پر سامنے کی طرف سے میں
بھی پسپائی ترک کر کے دشمن پر ٹوٹ پڑوں گا اس طرح ہم مرہٹوں پر دو طرفہ حملہ کر
کے انہیں یوں پیس دیں گے جیسے چکی کے دو پاٹ اناج کو پیس کر آٹا بنا کر رکھ دیتے
ہیں۔

برخوردار میرے محسن۔ میرے مربی مجھے امید ہے کہ میری اس تجویز سے تم
اتفاق کرو گے اس پر برخوردار نے بڑی خوشی اور بڑے اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے
کہا۔ شاہ پسند میرے بیٹے یہ ایسی تجویز ہے جس پر عمل کرتے ہوئے ہم سو فیصد
مرہٹوں کو اپنے سامنے شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے اور اگر ایک بار ہم ان
کی پشت اور ان کے سامنے کی طرف سے حملہ آور ہو گئے تو پھر مجھے قوی امید ہے کہ
ہم انہیں میدان جنگ میں قدم جمانے کا موقع فراہم نہیں کریں گے۔ میرے بیٹے تم
ایسا ہی کرو جیسے تم نے تجویز پیش کی ہے میں ابھی اپنے لشکر کو شاہراہ کے دونوں طرف
گھات میں بٹھاتا ہوں۔

عبداللہ برخوردار کی گفتگو سن کر خوش ہو گیا تھا۔ برخوردار حرکت میں آیا اور
آدھ میل کے فاصلہ رکھ کر شاہراہ کے دونوں کنارے اپنے لشکر کو گھات میں بٹھانے لگا

تھا۔ جبکہ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ گیا پھر ایک مناسب جگہ اس نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا۔

○

سورج غروب ہوتے ہی گہری تاریکیاں زمین کی عصمت خلاؤں کی عظمت پر کی لکیروں' صحراؤں کی بیکرانی' ہواؤں کی لامکانی پر سر نوشت فساد' برف کو تر کوہستانوں' کائنات کے ہر ذرے پر شبنم فشاں فطرت' افق کے سینے انجم پر ثریا اوج فراز خاک اور دشت و بیابان اور کوچہ و بازار میں تضاد کردار اور دروغ دل دانش کی طرح چھا گئی تھیں۔ ایسے میں عبداللہ اپنے خیمے میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا کہ خیمے سے باہر پہرہ دینے والا ایک محافظ اندر داخل ہوا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا امیر کامنی نام کی وہ لڑکی جو بھرت پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری ہے اور جو ہمارے لشکر میں قاضی ادریس کے یہاں قیام کئے رہی ہے وہ آپ سے ملنے کے لئے آئی ہے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ آپ سے کیوں ملنا چاہتی ہے لیکن اس وقت اپنے سیاہ رنگ کے گھوڑے کی باگ پکڑے آپ کے خیمے سے باہر کھڑی ہے اور آپ سے ملنا چاہتی ہے۔ اس انکشاف پر عبداللہ چونکا تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں اس نے اس پہریدار کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگا اسے اندر بھیج دو۔ میں دیکھتا ہوں کیا کہتی ہے۔ پہریدار باہر نکل گیا تھوڑی ہی دیر بعد کامنی خیمے میں داخل ہوئی کچھ دیر تک وہ خیمے کے دروازے کے قریب ہی کھڑی ہو کر بڑے غور بڑی چاہت اور بڑی محبت میں عبداللہ کو دیکھتی رہی پھر وہ رس برساتی آواز میں عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

کیا میں آپ سے کچھ کہنے کے لئے آپ کے پاس آ کر بیٹھ سکتی ہوں۔ آپ کی بڑی مہربانی کہ آپ نے مجھے اپنے خیمے میں آنے کی اجازت دیدی۔ عبداللہ نے کچھ قدر بے رخی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ عبداللہ کی اس گفتگو سے کامنی کو کچھ حوصلہ ہوا وہ آگے بڑھی اور عبداللہ کے سامنے اس کے قریب بیٹھ

تھی کامنی تھوڑی دیر تک اپنی حدیث محبت نگاہ' نہاں شرم و عارض' سندر سندر دھر بدن کا لوچ سمیٹتے ہوئے ساحلوں کے نظاروں' حسن کے گھاروں کی طرح تخیل کے رنگ و نقوش اور بت خوش رنگ جیسی خاموش بیٹھی عبداللہ کو دیکھتی پھر وہ آسمان سے چاندنی کی صورت میں موج زن نور کے دریا کی طرح حرکت میں اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

مجھے دکھ اور افسوس ہے کہ میں نے آپ کو دھوکہ اور فریب دیا۔ دراصل وہ اور فریب میں نے آپ کو نہیں بلکہ خود اپنی ذات کو دیا تھا۔ جس وقت آپ ویرانوں کے اندر مرہٹوں کے ہاتھوں میری عزت اور جان بچائی تھی میں اسی وقت کے پیچھے پیچھے لشکر میں آ جانا چاہتی تھی لیکن مجھ سے حماقت ہوئی کہ میں بھرت پور چلی گئی۔ وہاں گو میں نے صرف ایک ہی دن گزارا لیکن میرا وہ ایک دن بھی آپ نور و ظلمات کی جنگ' گل و شبنم کی جدائیوں کی کشمکش اور نوید سحر اور تاریک کی جدوجہد کی طرح گزرا۔

آپ نے ان ویرانوں کے اندر اپنے اخلاق اور کردار کا جو طمانچہ میرے منہ پر اس کے بعد آپ سے علیحدہ ہونے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ رفاقت کا نشہ برتنوں کی طرح ہے جو ہوا کے دوش پر ایک دوسرے سے مل کر تالی بجاتے محبت اس خوشبو کی طرح ہے جو تن کی نس نس اور رگ رگ میں سرایت کر ہے۔ چاہت وہ شبنم ہے جو اپنے خوش کن لہجے کے ساتھ دل کے داغوں پر نزول ہے۔

آپ سے علیحدہ ہونے کے بعد بھرت پور میں جو میں نے صرف ایک دن گزارا وہ دن بھی میں نے اپنی چھال کے اندر ادھیڑتی زندگی' رلاتی آنکھوں کی طرح ایڑیاں رگڑتے جذبوں' کرچی کرچی ہوتے خوابوں اور عذاب لمحوں میں ڈوبی بیدہ آرزوؤں اور پل پل رات میں لباس دریوزہ گھری کی طرح آپ کو یاد

کرتی رہی۔ شاہ پسند اب آپ میرے قفس رنگ زندگی فکر کی رعنائی دل کی
دھند کے موہوم بھنور میں آبشاروں کی لے اور حیات کی آسیب زدہ راہوں میں
روشنی ہیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر سوچا اور دوبارہ
اور کہنے لگی۔ شاہ پسند میں اب آپ کے سامنے یہ اقرار کرتے ہوئے حیا اور
محسوس نہیں کرتی کہ میں اپنے دل کی گہرائیوں سے آپ سے محبت کرتی ہوں اور
پر یہ بھی انکشاف کرتی ہوں کہ اگر آپ نے میری محبت کا جواب محبت سے
مجھے دھتکار دیا تو میں صحن زندان کے خشک پھولوں، اجنبی دیس کی تنہائیوں کی طرح
جاؤں گی۔ زرد پتوں کی طرح ٹوٹ جاؤں گی۔ شعلہ زاروں میں برف کی طرح پگھل
رہ جاؤں گی اور سلگتے پھولوں کی باس کی طرح بیکار ہو کر رہ جاؤں گی۔

شاہ پسند آپ کے بغیر میری زندگی اب بے سحر آفاق، دکھوں کی کفیل، بے
بزم شہود، قفل بند حروف اور دار پر رکھے طوق و گلو جیسی ہو کر رہ جائے گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر خاموش رہی۔ بڑے غور سے عبداللہ
طرف دیکھتی رہی۔ پھر دوبارہ وہ بیتاب موجوں اور بلبل کی فریاد بنتی صدا جیسی
آواز میں کہنے لگی۔ شاہ پسند اگر آپ نے مجھے ٹھکرا دیا تو میں ان گنت لمحوں کی
آنکھوں، دشت فراموشی کی بیگانگی احساس زیاں کے ساغر اور شعور کی ہیت میں
کر رہ جاؤں گی۔ آپ کے بغیر میں طائروں کی طرح دشت میں اڑتے اڑتے بے
لمحوں میں دھکے کھاتے کھاتے زخم زخم بدن، سرنگوں مضمحل فضاؤں اور سرمئی
دھند میں چھپے ہوئے ہیولوں کی طرح ختم ہو کر رہ جاؤں گی۔ میں آپ کو خدا اور
کا واسطہ دیتی ہوں کہ میرے دامن، میری جھولی میں اپنی نفرت نہ ڈالئے۔ میں
نفرت پر اپنی موت کو ترجیح دوں گی۔ یہاں تک کہنے کے بعد کامنی جب خاموش
عبداللہ بولا کو کہنے لگا۔

دیکھ سورج مل کی راجکماری تمہارے عمدہ عمدہ خوبصورت الفاظ میں۔

بڑے توجہ سے سنے ہیں۔ پر یہ تو بتا اب تو میرے خلاف کون سا جال کونسا فریب
لانا چاہتی ہے۔ اگر تو یہ سمجھتی ہے کہ ایک بار مجھے دھوکہ دینے میں ناکامی کے بعد
دوسری بار پھر زہریلے سانپ کی طرح مجھے ڈس لینے میں کامیاب ہو جاؤ گی تو یہ
تمہاری خوش فہمی ہے۔ اب اگر تم نے مجھے کوئی دھوکہ یا فریب دینے کی کوئی کوشش
یا میری ذات کو کوئی نقصان پہونچانا چاہا تو یاد رکھنا میں ایک لمحے کی بھی تاخیر کئے
تمہاری گردن کاٹ کر رکھ دوں گا۔ عبداللہ شاید مزید کچھ کہتا کہ کامنی فوراً اس کی
کاٹتے ہوئے کہنے لگی۔

آپ جو کچھ کہنا چاہتے ہیں بعد میں کہیئے۔ میں پوری توجہ سے سنوں گی۔ پر جو کچھ
آپ نے کہا ہے اس کے خلاف میں دو اعتراضات اور احتجاج کرتی ہوں۔ میرا پہلا
احتجاج یہ ہے کہ میں اب راجکماری نہیں آپ مجھے کامنی کہہ کر بھی مخاطب کر سکتے
ہیں اور میں ایک مسلمان لڑکی ہوں میرا دوسرا احتجاج یہ ہے کہ میں دھوکہ اور فریب
دینے آپ کے پاس نہیں آئی۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میری گردن کاٹنے سے آپ
کو خوشی آپ کو آسودگی حاصل ہو سکتی ہے تو میری گردن حاضر ہے۔ اپنی تلوار بے
نیام کیجئے اور کاٹیئے میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنی ذات کو اپنی محبت پر قربان کر دیا
ہے۔

عبداللہ نے کچھ سوچا پھر وہ کہنے لگا دیکھ کامنی میری تمہارے ساتھ کوئی عداوت
کوئی دشمنی نہیں۔ اگر تو میرے ساتھ کوئی دھوکہ اور فریب نہ کرے گی تو میں تیری
گردن کیوں کاٹوں گا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم یہاں سے مغرب کی طرف کوچ
کر جاؤ وہاں پاشا نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ قیام کر رکھا ہے۔ لشکر کے اسی حصے
میں قاضی ادریس بھی ہیں پہلے تم قاضی ادریس کے پاس جاؤ۔ جن کے یہاں تم نے
قیام کر رکھا تھا ان سے جا کر معافی مانگو۔ اس لئے کہ تم نے انہیں دھوکہ دیا تھا ان
کے یہاں سے تم یہ کہہ کر نکلی تھیں کہ تم گھوڑ دوڑ کے لئے جا رہی ہو۔ جبکہ تم نے
ان کے ساتھ فریب کرنے کے لئے ان کے یہاں قیام کو ترک کیا تھا۔ اس پر کامنی کو

نہ جانے کیا ہوا اور فوراً آگے بڑھی اور عبداللہ کے پاؤں پکڑتے ہوئے کہنے لگ
شاہ پسند آپ صرف ایک بار مجھے معاف کر دیں۔ پھر آپ جہاں بھی کہ
میں چلی جاؤں گی۔ صرف ایک بار اپنی زبان سے یہ کہہ دیجئے کہ آپ کو مجھ سے
اور بیزاری نہیں ہے۔ اس کے بعد اگر آپ مجھے جہنم اور کالے پانی بھی کہ
تب بھی میں آپ کے حکم کا اتباع کرتے ہوئے چلی جاؤں گی۔ میں آپ کی
آپ کے سکون کا باعث بننا چاہتی ہوں۔ آپ کے دکھوں آپ کی اذیتوں میں
نہیں کرنا چاہتی۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ میں نے آپ کو فریب دیا
وقت مجھے آپ سے کوئی لگاؤ اور محبت نہ تھی میرے دل میں میرے جسم، میرا
میں شعور میں آپ کی محبت آپ کی چاہت اس وقت اجاگر ہوئی جب میرے
دشمنی رکھنے کے باوجود آپ نے میری عزت میری جان کو مرہٹوں کے ہاتھوں
کیا۔ شاہ پسند اگر آپ کو مجھ سے محبت نہیں تو نہ سہی۔ اگر آپ کے دل میں
لئے پسند کا کوئی جذبہ نہیں تو نہ سہی۔ صرف ایک بار یہ کہئے کہ آپ کو مجھ سے
نہیں اور یہ کہ میں قاضی ادریس سے معافی مانگنے کے بعد لشکر میں رہ سکتی ہوں
آپ نے یہ اجازت دیدی تو میں آپ کے منہ سے محبت کا ایک لفظ سننے کی خا
ساری زندگی اپنی ساری زیست لشکر میں ایک انتظار اور ایک کرب میں گزار
لئے تیار ہوں۔

عبداللہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر وہ فیصلہ کن انداز میں بولا اور
دیکھ کامنی میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ تیری میری کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہے
تجھے جانتا بھی نہیں تھا۔ میرے دل میں تیرے لئے نہ نفرت تھی نہ محبت، تو
نے مجھے خود دھوکہ اور فریب دے کر پیدا کی۔ بہرحال اگر تو نیک نیتی سے وا
آئی ہے اور اگر اپنے دھرم کو چھوڑ کر مسلمان ہو چکی ہے تو دیکھ میں تجھے
ہوں میں تجھ سے یہ بھی کہتا ہوں کہ میرے دل میں تیرے لئے نہ نفرت ہے
بس اس سے بڑھ کر میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اب میں تیرے ساتھ

ر سکتا ہوں کہ میں چند محافظ تیرے ساتھ بھجواتا ہوں جو تجھے با حفاظت لشکر کے
قاضی ادریس کے پاس لے جائیں گے۔ عبداللہ کا جواب سن کر کامنی کے شبنم سے
دھلے شمیم جیسے چہرے پر نغموں کا جلال و جمال، رنگ و نور کی بساط رقص، صوت و
آہنگ کا جذب اور نغموں کی غنائیت جیسی کیفیت آ گئی تھی۔ اس کے گلابی پھول کی
پتیوں جیسے ہونٹوں پر جواں بہاروں کے سمے، تمناؤں کے رقص، غسل نور اور جمال
جلوہ دہر جیسی سے رقص کر رہے تھے۔ عبداللہ کے اس جواب پر وہ گل پیرہن، سمن
پوش اور گل اندام لڑکی شفق رنگ میں ڈوبے سر کوہسار بادلوں میں نمناک گھٹاؤں
جیسی شاداب اور خوشگوار ہو کر رہ گئی تھی۔ پھر وہ اپنی پوری شیرینی اور مٹھاس بھری
آواز میں مسکراتی لہراتی ہوئی آواز میں عبداللہ کو خاطب کر کے کہنے لگی۔

میں آپ کی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری جھولی میرے دامن میں
ازلوں کے انگارے نہیں بھرے اور یہ کہ آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے۔ اب اگر
بری لگن میری چاہت سچی اور حقیقت پر مبنی ہوئی تو میں آپ کی محبت ایک نہ ایک
روز جیتنے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گی۔ اب آپ میرے لئے جو بھی حکم جاری کریں
گے میں اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں۔ کامنی کی اس گفتگو کے جواب میں
عبداللہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ درویش عبیداللہ خیمے میں داخل ہوا۔

کامنی کو عبداللہ کے خیمے دیکھ کر درویش عبیداللہ دنگ رہ گیا تھا وہ آہستہ آہستہ
آگے بڑھا اور بڑے خوشگوار انداز میں وہ کامنی کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ کامنی میری
بیٹی تو یہاں۔ ہم نے تو سنا تھا کہ تو نے شاہ پسند کو دھوکہ دیا تھا اور اسے گرفتار کر کے
مرہٹ پور لے جانا چاہا تھا اب میں یہ کیا دیکھتا ہوں کہ تو پھر شاہ پسند کے خیمے میں بیٹھی
ہے۔ اس پر کامنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

درویش عبیداللہ آپ کا کہنا درست ہے۔ اس وقت شاہ پسند کے لئے میرے دل
میں کوئی محبت اور چاہت نہ تھی لیکن جس وقت انہوں نے میرے لئے دشمنی اور
عداوت رکھنے کے باوجود میری عصمت، میری جان کی حفاظت، مجھ پر حملہ آور ہونے

والے مرہٹوں سے کی اس وقت میں نے اپنے دل کو ایک کھلی ہوئی کتاب کی طرح ٹٹولا۔ اپنے شعور اپنے ذہن کے نہاں خانوں میں میں نے شاہ پسند کے لئے نفرت اور بیزاری کے بجائے محبت اور چاہت کے جذبے جوش مارتے ہوئے دیکھے تھے۔ درویش عبیداللہ اس حادثے کے بعد گو میں اپنے گھر بھرت پور چلی گئی تھی لیکن شاہ پسند کی چاہت اور محبت نے وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا اور میں اپنے باپ سے یہ بہانہ کر کے کہ میں اپنے بھائی جواہر سنگھ کی طرف جانے والی کمک کی کمانداری کرنا چاہتی ہوں میں سیدھی شاہ پسند کی طرف چلی آئی میں ان کی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے معاف کر دیا ہے اور مجھے لشکر میں رہنے کی اجازت بھی دیدی ہے۔ اس پر درویش عبیداللہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

دیکھ کامنی میری بیٹی اگر تیری محبت میں خلوص اور تیری چاہت میں ایثار ہے تو میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ تجھے اپنے خلوص اپنی اس جاں نثاری کا ایک نہ ایک صلہ ضرور ملے گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد درویش عبیداللہ تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر وہ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے اب جبکہ یہ پتہ چل گیا ہے کہ تمہارے ماں باپ کے قاتل کون کون ہیں۔ تو میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ تم کب تک اپنے ماں باپ کے قاتلوں کے خلاف حرکت میں آؤ گے۔

درویش عبیداللہ کے اس استفسار پر عبداللہ کی حالت عجیب ہو کر رہ گئی اس کے چہرے پر اٹھتے سورج کی لو' چٹانیں توڑتے طوفانی طمانچے' صدیوں کے میں جلتے ماہ و سال جیسی کیفیت چھا گئی تھی کہ اس کی آنکھوں میں گرجتے ابر' برق' کالی رات کے طول میں اہرمنوں کے نزول جیسے سمے برپا ہو کر رہ گئے تھوڑی دیر تک عبداللہ نے کچھ سوچا پھر وہ بولا اور کہنے لگا۔

درویش عبیداللہ عنقریب آپ دیکھیں گے کہ میں اپنے ماں باپ کے قاتلوں پر اس طرح ہاتھ ڈالوں گا جس طرح بربط کی نبض پر کوئی نواگر ہاتھ مارتا ہے۔ جیسے

نغمہ کارواں آسمان پر کمندیں ڈالتا ہے۔ میں ان پر اپنے پورے انتقام کے ساتھ وارد ہوں گا اور ان کی حالت ہواؤں کے طمانچوں میں زمیں پر بکھرے اوراق اور بیتے لمحوں کی یادوں میں غم کے معبد اور ہیکلوں جیسی بنا کر رکھوں گا۔

درویش عبیداللہ میں آپ کا ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے رقص درویش کر کے میرے لئے انصاف طلب کیا اور آپ کے اس رقص درویش نے مجھے ایک گڈریئے ایک چرواہے سے شاہ پسند اور احمد شاہ ابدالی کا امیر لشکر بنا کر رکھ دیا۔ درویش عبیداللہ اب میرے ماں باپ کے قاتلوں کے خلاف تو میرا بھی رقص درویش دیکھنا۔ یہ ایسا خونی اور انتقام بھرا رقص ہو گا کہ میں اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو انہیں کے خوں میں نہلا کر رکھوں گا اور پوچھوں گا کہ کیا تم نے یہ سمجھ لیا تھا کہ بیرم خاں اور اس کے اہل خانہ کی بے بسی اور لاچارگی پر کوئی انتقام لینے والا نہیں ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ جب خاموش ہوا تو درویش عبیداللہ خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے تو نے میرا جی خوش کر دیا۔ میری دعا ہے کہ خداوند تجھے اپنے اس انتقام میں کامیاب و کامران رکھے۔ پر دیکھ بیٹے اب تو نے اس کامنی سے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔ درویش عبیداللہ آپ ایک کام کریں۔ اس کے ساتھ پانچ چھ محافظ کر دیں اس کا گھوڑا میرے خیمے کے باہر ہی کھڑا ہے۔ یہ قاضی ادریس کی طرف جانا چاہتی ہے اور اس کے ساتھ جو آپ محافظ بھیجیں انہیں کہہ دیں کہ راستے میں اپنی جانوں پر اس کی عصمت اور جان کی حفاظت کو ترجیح دیں اور اسے پورے آرام اور حفاظت کے ساتھ قاضی ادریس کے پاس پہونچا دیں اس پر درویش عبیداللہ اٹھ کھڑا ہوا اور کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

کامنی میری بیٹی آ میں تیرے لئے کوچ کا انتظام کرتا ہوں۔ کامنی بیچاری کے چہرے پر دکھوں کے سائے لہرا گئے تھے۔ بڑی مردہ دلی سے وہ اپنی جگہ سے اٹھی۔ ایک

بھرپور اور الوداعی نگاہ اس نے عبداللہ پر ڈالی پھر دو تین بار پیچھے مڑ کر دیکھتے ہوئے درویش عبیداللہ کے ساتھ عبداللہ کے خیمے سے نکل گئی تھی۔ درویش عبیداللہ عبداللہ کے حکم کے مطابق اس کے ساتھ پانچ محافظوں کا بندوبست کر دیا گیا محافظوں کے ساتھ کامنی احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی طرف کوچ کر گئی تھی۔



دوسرے روز رگوناتھ راؤ کی سرکردگی میں مرہٹوں کا لشکر بھی عبداللہ کے لشکر سامنے آ نمودار ہوا تھا۔ مرہٹے عبداللہ کے ہاتھوں اپنی گزشتہ شکست کا انتقام لینے لئے ایسے بیتاب ہو رہے تھے کہ عبداللہ کے سامنے آتے ہی جنگ کرنے کے انہوں نے اپنی صفیں درست کرنا شروع کر دی تھیں۔ عبداللہ کے پاس اس وقت قدر لشکر تھا مرہٹوں کا لشکر اس سے کسی بھی صورت چار گنا سے کم نہ ہو گا۔ مرہٹوں کا سپہ سالار رگوناتھ راؤ جو مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کا بھائی تھا وہ بے خوش تھا کہ اس کے مقابلے میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی تعداد نہ ہونے کے ہے۔ دوسری طرف مرہٹوں کا نائب سپہ سالار مانکشور جسے گزشتہ جنگ میں عبد نے بدترین شکست دی تھی وہ بھی عبداللہ کے لشکر کو دیکھتے ہوئے خوشی اور اطمینا اظہار کر رہا تھا۔

وقت ضائع کیے بغیر وہ فی الفور مرہٹوں نے اپنی صفیں درست کیں وہ حملہ ہونے میں پہل کرنے کے لئے بڑے بے چین ہو رہے تھے۔ لہٰذا جوں ہی ان کے کی صفیں درست ہوئیں انہوں نے سردیوں میں دہکتے دوزخ، رات کے اٹھتے ہو لمحوں میں قید ظلمات، تاریک شہر کے بت خانہ تخیل میں دام صلیب حلقہ زنار، کے ماتھے کی سیاہی پر رقص کرتے خدائے ظلم و ستم اور خارزاروں کے گلستانوں گناہوں کی آگ کے تخمین کی طرح عبداللہ کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔

عبداللہ نے تھوڑی دیر تک مرہٹوں کے حملوں کو روکے رکھا۔ مرہٹے خوش کہ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ صرف دفاع تک محدود ہے جارحیت پر نہیں از

اس کے بعد عبداللہ نے پہلے سے برخوردار خان کے ساتھ طے شدہ لائحہ عمل کے مطابق آہستہ آہستہ پسپا ہونا شروع کر دیا تھا۔ مرہٹے مزید خوش ہوئے کہ اپنے پہلے ہی حملے میں وہ احمد شاہ کے بہترین جرنیل شاہ پسند کو پسپا ہونے پر مجبور کر رہے ہیں۔

جوں ہی پسپا ہوتے ہوئے عبداللہ برخوردار کے لشکر کے دونوں حصوں کے بیچوں بیچ ہو کر گزر گیا اس کا تعاقب کرتے ہوئے مرہٹے بھی آگے نکل گئے تو برخوردار نے سرخ رنگ کا ایک علم فضا میں بلند کیا اس کا ایسا کرنا تھا کہ شاہراہ کے دونوں اطراف میں گھات میں بیٹھے ہوئے اس کے لشکری دھکتی کی حکمت، تمدن کے دھوئیں، خونی ہولوں، بے خودی اور بیداری کے ایک طوفان اور وقت کی قامت میں آندھیوں کے سلگتے سایوں کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ دوسری طرف جب عبداللہ نے دیکھا کہ مرہٹوں کی پشت کی طرف سے برخوردار نے حرکت میں آتے ہوئے خوفناک طریقے پر حملہ کر دیا ہے تو وہ بھی پسپا ہوتے ہوئے رک گیا پھر عبداللہ نہ رہا تھا ایک طوفان بن گیا تھا۔ ماتھے پر شکنوں میں ایک انقلاب، غصے میں رقص فرا حیات، ایک سجود والہانہ ایک رکوع بے قیام اور آنسو سے تبسم کا انتقام لیتے جذبوں کی طرح حرکت میں آیا۔ اپنے لشکر کی تنظیم اس نے درست کی خود لشکر کے سامنے آ کے اگلی صفوں کو خوب یکجا اور گھتا ہوا بنایا۔ اس کے بعد وہ فکر و نظر کی گہرائی، فطرت کی تسخیر، وقت کی بدترین حدت اور تلوار کے ساز پر رقص کرتی بجلیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ مرہٹے جو تھوڑی دیر تک بڑی خوشی شادمانی کا اظہار کرتے ہوئے عبداللہ کا تعاقب کر رہے تھے اور توقع رکھتے تھے کہ تھوڑی دیر کے مزید تعاقب کے بعد وہ عبداللہ کے لشکر کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ وہی عبداللہ اب پلٹ کر زلزلوں کے آوازوں کے بھڑکاؤ، اپنے دوش پر دیئے اٹھائے طوفانوں اپنے شانوں پر ظلمت اٹھائے تہذیب کی آندھیوں، رقص رگ جاں اور سامراجی طوفان کو توڑتے وقت کے بدترین سیلاب کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا۔

مرہٹہ لشکر کے سپہ سالار رگوناتھ نے جب دیکھا کہ عبداللہ ایک جنگی چال کے

تحت پیچھے ہٹتے ہوئے انہیں اپنے لشکر کے دوسرے حصے کی گھات میں لے آیا ہے اور یہ کہ سامنے اور پشت دونوں جانب سے اس پر حملہ آور ہو گیا ہے تو اس نے فی الفور اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ اس نے اپنے نائب مایکشور کے حوالے کیا اور مایکشور اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ برخوردار کے خلاف برسرپیکار ہو گیا تھا۔ جبکہ باقی آدھے لشکر کی کمانداری رگوناتھ نے اپنے پاس رکھی اور وہ عبداللہ اور اس کے لشکریوں کے سامنے جم گیا تھا۔

جنگ پورے زور شور سے شروع ہو گئی تھی۔ مایکشور جیسے گذشتہ جنگ میں عبداللہ نے بدترین شکست دی تھی وہ شاید اپنی گذشتہ شکست کا بدلہ لینے پر تلا ہوا تھا لہٰذا وہ آوازوں کی گلیوں سے گذرتے کسی دہکتے خیال' شب خون انسانیت کے گناہگار الفاظ و معنی کے نسب میں سلگتے فاقوں کی طرح برخوردار پر حملہ آور ہوا تھا۔

دوسری طرف برخوردار بھی بڑا تجربہ کار اور جہاندیدہ جرنیل تھا۔ اس نے پہلے مایکشور کے حملوں کا دفاع کیا۔ جب اس نے پوری طرح مایکشور کے حملوں کے زور کو روک دیا تب دفاع سے نکل کر وہ جارحیت پر اترا اور مایکشور اور اس کے لشکریوں پر وہ فضا کی بیکرانی میں اعجاز الفاظ کے جذبوں' جیب ظلمات میں جوش مارتی روشنی' خطہ تاریک کو روشن کرتی کرنوں' شب کی کٹتی زنجیروں کی آوازوں کی تحلیل کرنے انتقام کی طرح مایکشور اور اس کے لشکریوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

ملنیکشوو کو برخوردار پر حملہ آور ہونیکا حکم دے کر خود رگوناتھ نے لگتا تھا کہ تیمور کی خونی عبا اور چنگیز خاں کی وحشت انگیز کلاہ پہن لی ہو۔ اس لئے کہ وہ عبداللہ اور اس کے لشکریوں پر گرداب میں موج بلا' قوموں کے لہو سے کلیاں کرتی عفریت' شام کے تالاب میں تلاطم کے اضطراب کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ رگوناتھ چاہتا تھا کہ زور دار حملے کر کے عبداللہ کی اگلی صفوں کو درہم برہم کرنے کی کوشش کرے۔ اس طرح عبداللہ کے لشکر میں وہ اگر افراتفری کا عالم برپا کرنے میں کامیاب ہوتا ہے تو اسے عبداللہ کو شکست دینے میں دیر نہیں لگے گی۔ اس کے بعد وہ اپنے جرنیلا

مایکشور کی مدد کو بھی پہنچ سکتا ہے۔

لیکن عبداللہ نے رگوناتھ کے سارے ارادے ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔ اس لئے کہ وہ تو رگوناتھ سے بھی پہلے سلگتی قیامت' جلتے عذاب' کوہستانوں کے جہنم میں غسل آتش اور صحرائے احساس میں موج بیتاب کی طرح حرکت میں آیا اور ندرت کے بدترین احتساب' شعلوں میں پنہاں غضبناکی' ضمیر کے پیچ و تاب میں ایک آتش بے درد کی طرح رگوناتھ کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ عبداللہ کو اس انداز میں حملہ آور ہوتے دیکھ کر اس کے لشکری بھی حملہ آور ہوتے ہوئے نبض نیل' رگ دجلہ و فرات' نس جیہوں و سیحوں بنتے ہوئے اس طرح حملہ آور ہو رہے تھے جیسے تہذیب کے زخم ہرے کرتی بیداری کے شعور نے کسی پر نزول کر کے اس کی توڑ پھوڑ کا کام شروع کر دیا ہو۔

جلد ہی میدان جنگ جلتے مستقبل' تازہ ہوتے ناسور اور آسمان سے زمین پر برستے عذاب کی سی صورت اختیار کر گیا تھا۔ بدن شکن شکن ہونے لگے تھے۔ حیات اپنی رنگتی کو آواز دینے لگی تھی۔ جب کہ مٹی سے خون کی بو آنے لگی تھی۔

عبداللہ نے اپنے سامنے رگوناتھ کے لشکریوں کو تھکا کر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر جب اس نے اپنی تلوار بلند کرتے ہوئے اپنے لشکریوں کو زور دار حملے کرنے کا حکم دیا تو اس کے لشکری تکبیریں بلند کرتے ہوئے رگوناتھ کی اگلی صفوں کے اندر روزن اور سوراخ کرتے چلے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد رگوناتھ کی اگلی صفوں کی کم از کم آدھی تعداد کو عبداللہ اور اس کے لشکر نے موت کے گھاٹ اتار دیا اور باقی بچنے والوں کی صفیں اس نے کلیتہ" منتشر کر کے پچھلی صفوں پر حملہ آور ہونا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح اب عبداللہ کے حملہ آور ہونے کا زور اور اضطراب رگوناتھ کے لشکر کے وسط تک پہنچنا شروع ہو گیا تھا۔

اس صورت حال میں رگوناتھ کو اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔ دوسری طرف برخوردار نے بھی مایکشور اور اس کے لشکریوں کو مکمل طور پر ہلا کر رکھ دیا تھا

اور وہ بھی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ رگوناتھ اور مالیکشور نے جب دیکھا کہ ایک طرف سے عبداللہ اور دوسری طرف سے برخوردار خاں انہیں پسپائی پر مجبور کر رہے ہیں تو انہیں اپنی خیریت اسی میں دکھائی دی کہ جنگ ترک کر کے میدان جنگ چھوڑ بھاگیں۔ لہٰذا رگوناتھ نے مالیکشور کی طرف جنگ کے دوران ہی قاصد بھجوائے۔ اسے بائیں طرف سے نکل کر بھاگ نکلنے کا حکم دیدیا تھا یہ حکم ملتے ہی رگوناتھ اور مالیکشور ایک ساتھ شکست کا داغ اٹھاتے ہوئے بھاگ کھڑے ہوئے۔ جبکہ عبداللہ اور برخوردار نے اپنے لشکر کے کچھ دستے پیچھے چھوڑے تاکہ وہ لشکر کے پڑاؤ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیں اور باقی لشکر کے ساتھ عبداللہ اور برخوردار دونوں نے بڑی تندی اور بڑی خونخواری کے ساتھ رگوناتھ اور مالیکشور کے لشکروں کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔

سات آٹھ میل تک یہ خونخوار تعاقب جاری رہا اور اس تعاقب کے دوران برخوردار اور عبداللہ نے رگوناتھ اور مالیکشور کے لشکروں کے ایک بہت بڑے حصے کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ عبداللہ اور برخوردار نے جب دیکھا کہ رگوناتھ اور مالیکشور کا لشکر بے ضرر ہو گیا ہے تو وہ تعاقب ترک کر کے واپس میدان جنگ کی طرف ہوئے جہاں وہ اپنے چند دستے مرہٹوں کے پڑاؤ پر قبضہ کرنے کے لئے چھوڑ آئے تھے۔

جس وقت لشکر واپس اپنے پڑاؤ کی طرف لوٹ رہا تھا عبداللہ اور برخوردار اپنے لشکر کے آگے آگے تھے عین اس موقع پر ایک گھڑ سوار اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا عبداللہ کے پاس آیا اسے دیکھتے ہوئے عبداللہ نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا۔ عبداللہ نے دیکھا وہ گھڑ سوار بری طرح زخمی تھا اور اس کا لباس لہو لہو ہو رہا تھا۔ وہ گھڑ سوار جب قریب آیا تو عبداللہ نے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے اسے روکا پھر وہ اس زخمی سپاہی سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا وہ سوار خود بول پڑا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر میں ان سپاہیوں میں سے ایک ہوں جنہیں آپ کے حکم پر درویش عبداللہ نے بھرت پور کی راجکماری کامنی کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے روانہ کیا تھا۔ ہم

راجکماری کو بلبگڑھ میں پاشا کے لشکر کی طرف لے جا رہے تھے راستے میں ں کے ایک گروہ نے ہم پر حملہ کر دیا۔ وہ تعداد میں دس بارہ کے قریب ہوں گے ں نے میرے سارے ساتھیوں کو قتل کر دیا اور کامنی کو لیکر بھاگ کھڑے ہوئے۔ مجھے بھی مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے لیکن میں زخمی ہوا تھا مرا نہیں تھا۔ جونہی ں نے کامنی کو لیکر کوچ کیا ان کے بعد میں گرتا پڑتا اپنے گھوڑے پر بیٹھا اور ان کے تعاقب میں لگ گیا۔ میں نے چھپ چھپ کر ان کا تعاقب کیا امیر وہ یہاں سے ی ہی دور آگے گئے ہوں گے کیونکہ میں ان کے پیچھے بڑا کم فاصلہ رکھ کر آتا رہا ۔ اگر آپ تعاقب کریں تو تھوڑی دیر تک ان مرہٹوں کو جالیں گے جو کامنی کو جرنیل رگوناتھ کے پاس لے جانا چاہتے ہیں۔

اس زخمی سپاہی کی گفتگو سن کر عبداللہ غصے اور غضبناکی میں آگ بگولہ ہو گیا تھا۔ نے فوراً برخوردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہا برخوردار میرے محترم تم لشکر کو لیکر طرف چلو جہاں جنگ سے پہلے ہم نے پڑاؤ کر رکھا تھا۔ میں کامنی کو اٹھا کر لے نے والے مرہٹوں کا تعاقب کرتا ہوں اس زخمی کو کسی طبیب کے حوالے کرو تاکہ کی بہترین مرہم پٹی کا انتظام کرے اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے ان دستوں کو ساتھ لیا جو جنگ کے دوران اس کے محافظ دستے کے طور پر کام کرتے تھے۔ پھر ان دستوں کے ساتھ بڑی تیزی سے مرہٹوں کے تعاقب میں لگ گیا تھا۔

سات آٹھ میل برق رفتاری سے سفر کرنے کے بعد عبداللہ نے دیکھا اب انہیں کے آگے آگے بارہ سوار اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے دکھائی دیئے تھے۔ اللہ نے سمجھ لیا کہ یقیناً وہ مرہٹے ہی ہیں جو کامنی کو لے جا رہے ہیں پھر عبداللہ دستوں کے ساتھ جب مزید نزدیک گیا تو اس نے دیکھا جو گھڑ سوار سب سے پیچھے اس نے کامنی کو آگے اپنے گھوڑے پر بٹھا رکھا تھا۔ یہ حالت دیکھتے ہوئے غصے میں اللہ کا چہرہ انگارہ ہو گیا تھا۔ اپنے کندھے پر لٹکی ہوئی اس نے کمان تھامی، پیٹھ پر ے ہوئے ترکش سے اس نے تیر نکالا پھر نشانہ باندھا اور ایسا تاک کر تیر مارا کہ تیر

اس مرہٹے کی پیٹھ میں پیوست ہو گیا تھا جو اپنے سامنے کامنی کو بٹھائے ہوئے تھا لگتے ہی وہ مرہٹہ اپنے گھوڑے سے گر گیا۔ کامنی بھی نیچے گر گئی تھی۔ اس موقع کامنی نے جب مڑ کر دیکھا تو اس کے حسین چہرے پر مسکراہٹیں بکھر گئیں تھیں اس لئے کہ اس نے عبداللہ اور اس نے دستوں کو مرہٹوں کے تعاقب میں آتے دیکھ لیا تھا۔

جس مرہٹے کو عبداللہ کا تیر لگا تھا وہ چیخ مار کر نیچے گرا تو اس کے آگے آگے جانے والے سارے ساتھی رک گئے اور پریشانی کے عالم میں پیچھے دیکھنے لگے تھے چاہتے ہی تھے کہ اپنے مرنے والے ساتھی کو اٹھائیں کہ اتنی دیر تک ان کی تعاقب کرتے ہوئے عبداللہ اور اس کے دستوں پر پڑ گئی لہٰذا وہ اپنے گھوڑوں سرپٹ دوڑاتے رہے۔ اتنی دیر عبداللہ کامنی کے نزدیک پہنچ گیا اور کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم یہیں رک کر ہمارا انتظار کرو ساتھ ہی عبداللہ نے اپنے ایک دستے کو وہیں رک کر کامنی کی حفاظت پر مامور کیا پھر وہ اپنے آگے بھاگتے ہوئے مرہٹہ سوار کا بڑی تیزی سے تعاقب کرنے لگا تھا۔

آن کی آن میں عبداللہ اور اس کے دستوں نے مرہٹوں کو جا لیا۔ پھر عبداللہ اپنے دستوں کے ساتھ اس خونخواری سے مرہٹوں پر حملہ آور ہوا کہ لمحوں کے اندر عبداللہ نے ان سارے مرہٹوں کا صفایا کر دیا تھا۔ پھر ان سارے مرنے والوں کے گھوڑوں کو ہانکتا ہوا عبداللہ واپس اس طرف جا رہا تھا جہاں وہ کامنی کو چھوڑ گیا تھا جب وہ واپس اس جگہ آیا تو اس نے دیکھا کہ کامنی زمین پر بے سدھ کھڑی تھی۔ اس کے قریب آ کر عبداللہ گھوڑے سے اترا اس پر جھکا اور بڑی نرمی میں اس نے پوچھا تم زخمی تو نہیں ہو تمہارے کہیں چوٹ تو نہیں آئی۔ اس پر کامنی نے گہری نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا مجھے نہ کوئی چوٹ آئی ہے اور نہ میں زخمی ہوں بس ان کے رویے سے ہی میں بدحال ہو کر رہ گئی تھی۔ اس پر عبداللہ نے پوچھا۔

کیا تم اکیلی کسی خالی گھوڑے پر سوار ہو سکو گی۔ عبداللہ کے اس سوال پر کامنی نے کچھ سوچا پھر پیشانی پر ہاتھ رگڑتے ہوئے وہ مدہم سی آواز میں کہنے لگی نہیں میں خالی گھوڑے پر سوار نہ ہو سکوں گی۔ اگر آپ مجھے اپنے گھوڑے کے پیچھے بٹھالیں تو مہربانی ہو گی۔ کامنی ٹھیک تھی پر شاید وہ جان بوجھ کر عبداللہ کے پیچھے بیٹھنا چاہتی تھی اس پر عبداللہ کہنے لگا اگر ایسا ہے تو اٹھو بیٹھو میرے گھوڑے پر بیٹھو کامنی اٹھی اسے سہارا دیکر عبداللہ نے اپنے گھوڑے پر بٹھایا خود وہ اس کے آگے بیٹھ گیا پھر اس نے گھوڑے کو مہمیز لگا کر ہانک دیا تھا جبکہ اس کے ساتھی بھی مرنے والوں کے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے عبداللہ کے ساتھ ہو لئے تھے۔

تھوڑا سا آگے جانے کے بعد کامنی بڑے پیارے انداز میں اپنے خوبصورت نرم نازک اور گداز ہاتھ عبداللہ کے دونوں شانوں پر رکھتے ہوئے کہنے لگی۔

میرے پاس الفاظ نہیں جنہیں استعمال کر کے میں آپ کی شرافت نفس، انسان دوستی، رحم و عدل و انصاف، زندگی کی گرانقدر اہم ترین قدروں کی تعریف اور شکریہ ادا کر سکوں۔ کامنی کے ان الفاظ سے عبداللہ کے چہرے پر طنزیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ کہنے لگا۔

اگر تمہارے پاس میرا شکریہ میری تعریف ادا کرنے کے الفاظ نہیں تو خنجر تو ہے جسے تم میرے خلاف استعمال کر کے انتقام لے سکتی ہو کہ میں نے شاہدرہ اور محمود بوٹی کے درمیان تمہارے لشکر کو شکست دی اور تمہیں گرفتار کیا۔ اس پر کامنی جھٹ بولی اور کہنے لگی میں اس حادثے کو اب دل سے نکال چکی ہوں اور بھول چکی ہوں کہ میرا لشکر تباہ حال ہوا تھا اور میں اسیر ہوئی تھی۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر رکی پھر وہ دوبارہ بولی اور اپنی آواز کی پیاری مٹھاس میں وہ کہنے لگی۔

شاہ پسند جس طرح بادل اور ہواؤں کی آزادی پر کوئی قدغن نہیں لگائی جا سکتی اسی طرح اگر کوئی اپنے آپ کو آپ کے ساتھ وابستہ کر لے تو اس کی آزادی اس کی

حفاظت پر کوئی قدغن کوئی رکاوٹ نہیں لگائی جا سکتی۔ شاہ پسند جس طرح نظام ہر کے ساتھ انسان' سماج اور تاریخ کا انقلاب اور تغیر منسلک ہے اگر ایسے ہی کوئی اپنی ذات کو آپ سے منسلک کر لے تو میں سمجھتی ہوں کہ وہ زندگی کے ہر میدان میں کامیاب و کامران رہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر کے لئے رکی پھر وہ دوبارہ کہہ رہی تھی شاہ پسند اگر آپ مجھے اپنی زندگی کا ساتھی بنا لیں تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کو ایسا سکھ ایسا چین ایسا سکون ایسا آرام ایسی محبت ایسی چاہت اور الفت دوں گی کہ میں اپنے سلوک سے آپ کے سنگ کو آئینے میں' ظلمت کو آفتاب میں بدل دوں گی۔ آپ کے غبار راہ کو کہکشاں میں اور یخ کے تودوں کو شعلہ طور میں ڈھال دوں گی۔ آپ کے بجھے شعلوں کو برق تپاں۔ ذرہ کو صحرا کی وسعت' شبنم کو ساغر دوراں اور خار زاروں کو گلستان بنا دوں گی۔ میں آپ کے ہر قدم کو منزل کا سنگ میل۔ دھوپ کو سایوں میں۔ رات کو چاند کے ہالے میں بدل کے رکھ دوں گی۔

شاہ پسند اگر آپ مجھے زندگی کا ساتھی اور اپنی حاجت کا رفیق بنا لیں تو میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں آپ کے آنسوؤں کو تبسم میں آپ کے نالوں کو نغموں میں بدل دوں گی۔ میں اپنی ذات کو آپ کے لئے تریاق۔ اپنے جسم کو آپ کے لئے راحت کا امرت۔ اپنی جان کو آپ کے لئے سینہ نغمہ گراں اور اپنی روح کو آپ کے لئے شمع کا ثبات بنا کر رکھ دوں گی۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ اپنا سینہ چیر کر آپ کو دکھاتی کہ میرے دل پر آپ کے خلاف انتقام کا لفظ نہیں لکھا ہوا بلکہ آپ کے لئے میرے دل میں محبت اور چاہت کی روشنی کے سوا اب کچھ نہیں رہا۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ آپ کو یقین دلا سکتی۔ کاش میں نے آپ کے ساتھ دھوکہ اور فریب نہ کیا ہوتا۔ وہی دھوکہ اور فریب اب تک میری زندگی کا ناسور اور میری زیست کی تلخی بنی ہوئی ہے۔

کامنی کے خاموش ہونے پر عبداللہ بولا کو کہنے لگا۔ دیکھو راجکماری مجھے ابھی

ے کسی ساتھی کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ذمے سب سے پہلا کام اپنے گلے نے ہوئے لوہے کے طوق کو توڑنا تھا وہ کام میں سرانجام دے چکا ہوں۔ تم جانتی ے پاؤں میں ابھی لوہے کے کڑے ہیں یہ اس وقت تک میری جان نہیں ے جب تک میں اپنے ماں باپ کے قاتلوں سے انتقام نہیں لیتا۔ اس لئے ل میں ان دونوں قاتلوں سے نہیں نپٹتا میں اپنی ذات۔ اپنی زندگی سے متعلق یں سوچ سکتا۔ لہٰذا تم جس قدر اپنی ذات کو میرے ساتھ وابستہ کرو گی اسی قدر ایوسی ہو گی۔ میں تمہارے لئے اجنبی' تمہارے لئے نا آشنا ہی رہوں گا۔ میری نہاری بہتری اسی میں ہے کہ تم واپس اپنے ماں باپ کے پاس بھرت پور چلی زاب میں کامنی روتی ہوئی آواز میں پوچھنے لگی۔ کیسے چلی جاؤں۔

بداللہ کہنے لگا دیکھو میں کل یہاں سے بلبگڑھ کی طرف کوچ کروں گا جہاں بھائی جواہر سنگھ محصور ہے اور میرے مخبروں کے مطابق احمد شاہ ابدالی نے اس محاصرہ کر رکھا ہے جبکہ شاہ ولی خان اور جہان خان آگرہ کی طرف کوچ کر چکے یں تمہارے لئے یہ کر سکتا ہوں کہ تمہیں اپنے لشکر سے نکال کر تمہارے بھائی لریں بھجوا دوں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں وہاں تمہیں بحفاظت پہنچاؤں ں کے بعد تم اپنے بھائی کے ہمراہ واپس بھرت پور چلی جانا۔ عبداللہ کے ان کے بعد تھوڑی دیر خاموشی طاری رہی۔ شاید کامنی کچھ سوچتی رہی پھر وہ ڈوبتی وازمیں کہنے لگی۔

شاہ پسند واپس بھیجنے سے بہتر یہی ہے کہ آپ اپنا خنجر نکال کر میرے سینے میں دیں اور ہمیشہ کے لئے میرا خاتمہ کر دیں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں بھرت پور پنے بھائی کے لئے کمک کا بہانہ لیکر آئی تھی۔ وہ کمک بھائی کے حوالے کرنے کے ل رات کی تاریکی میں بھائی کے لشکر سے نکل کر آپ کی طرف چلی آئی۔ آپ رنے آنے پر مجھے انتقام مجبور نہیں کر رہا تھا۔ شاہ پسند آپ تسلیم نہیں کریں گے نماگے نہیں کہ آپ کی محبت' آپ کی چاہت مجھے کھینچ کر آپ کی طرف لائی۔

شاہ پسند اگر آپ نے مجھے بھرت پور بھجوانے کی کوشش کی یا بلبگڑھ مں
میرے بھائی کے حوالے کیا تو وہ میری گردن کاٹ کر رکھ دے گا۔ اسے اب تک
چکی ہو گی کہ میں رات کی تاریکی میں اس کے لشکر سے نکل کر آپ کی طرف
گئی ہوں۔ لہٰذا جوں ہی وہ مجھے دیکھے گا میری گردن اڑا دے گا۔ شاہ پسند میں ایم
نہیں چاہتی۔ میں آپ کے لشکر میں رہ کر آپ پر یہ ثابت کرنا چاہتی ہوں کہ میں
کے لئے کتنی پر خلوص' کتنی چاہت اور محبت رکھنے والی ہوں مجھے امید ہے کہ ا
ایک دن میں اپنا باطن آپ پر عیاں کرنے میں ضرور کامیاب ہوں گی۔

عبداللہ فوراً بولا اور کہنے لگا دیکھ کامنی ایک بار پہلے بھی اپنے باطن کا اظہا
پر کر چکی ہے۔ جب تو نے مجھے بھرت پور لے جانے کی خاطر میرے شانے میں
تلوار چبھوئی۔ میرے دونوں ہاتھ میری پشت پر باندھے اور اپنے ساتھیوں کی مدد
تم مجھے بھرت پور لے جانا چاہتی تھیں پر وہ میری قسمت میرے مقدر اچھے تھے
مرہٹوں نے تم لوگوں پر حملہ کر دیا اور ان مرہٹوں کا خاتمہ کرنے کے بعد میں اپنے
میں واپس جا سکا۔ دیکھ کامنی میں اپنے ساتھ ایسا ہی ایک حادثہ دہرانے کی
اجازت نہیں دوں گا۔ ایک بات ذہن میں بٹھا کر رکھنا کہ اگر تمہارے ذہن میں
خلاف کوئی عناد' کوئی بدی' کوئی انتقام ہے تو اب اگر تو نے میرے خلاف کوئی
استعمال کرنے کی کوشش کی تو میں پہلے ہی لمحے میں تیری گردن کاٹ کر رکھ دوں
کامنی پھر روتی ہوئی آواز میں کہنے لگی اگر آپ کو میری گردن کاٹ کر سکون
اطمینان مل سکتا ہے تو قسم خداوند قدوس کی میری گردن حاضر ہے آپ کاٹ لیں
اب ہندو لڑکی یا بھرت پور کی راجکماری نہیں۔ ایک بے بس۔ مجبور مسلمان
ہوں۔ آپ اپنی گفتگو میں بار بار مجھے راجکماری کہہ کر پکارتے ہیں جبکہ میں آپ
التماس کر چکی ہوں کہ میں اب راجکماری نہیں آپ کی داسی ایک لونڈی کامنی
اور آپ مجھے لونڈی کہہ کر داسی کہہ کر یا کامنی کہہ کر مخاطب کر سکتے ہیں اس
ساتھ ہی کامنی نے ایک جھٹکے کے ساتھ عبداللہ کا خنجر کھینچا اسے اپنے بازو پر

لگایا۔ خنجر دوبارہ اس نے عبداللہ کے میان میں رکھ دیا اس کے نازک' نرم'
سفید مرمر جیسے بازو سے خون بہہ نکلا تھا پھر اس نے وہ خون اپنے دائیں
انگلی پر لگاتے ہوئے اپنا ہاتھ عبداللہ کے سامنے کیا اور دکھ بھری روتی بین کرتی
آواز میں کہنے لگی۔ شاہ پسند قسم مجھے اپنے اس خون کی اگر میں آپ کو دھوکہ
آپ کے ساتھ فریب کروں تو میں کسی انسان کی نہیں سور اور حیوان کی بیٹی
اس سے زائد کوئی حربہ آپ کو یقین دلانے کے لئے استعمال نہیں کر سکتی۔
کا کٹا ہوا بازو دیکھ کر عبداللہ پریشان ہو گیا تھا اپنے گھوڑے کی خرجین میں ہاتھ
اس نے مرہم پٹی کا سامان نکال کر کامنی کو تھماتے ہوئے کہا یہ پکڑو اپنے بازو پر
دو اور ابھی اس موضوع کو التوا میں ڈالو۔ پھر کبھی تمہارے ساتھ اس موضوع
گفتگو کروں گا۔ عبداللہ کا کہا مانتے ہوئے کامنی نے فوراً اپنے بازو پر پٹی باندھی
مرہم پٹی کا سامان خود ہی اس نے عبداللہ کے گھوڑے کی زین کے ساتھ چمڑے کی
ن میں ڈالدیا۔ پھر تھوڑی دیر کے وقفے کے بعد پھر وہ شاہ پسند کو مخاطب کر کے
لگی۔ اگر آپ برا نہ مانیں تو آپ مجھے اپنے ساتھ اپنے لشکر میں رہنے کی اجازت
ہے۔

عبداللہ نے اس بار ایک عزم سے کہا فکر مند نہ ہو تمہیں لشکر میں رہنے کی
اجازت ضرور ملے گی۔ عبداللہ کا یہ جواب سن کر کامنی کے خوبصورت اور پر جمال
چہرے پر ماورائے کہکشاں و انجم لوح و قلم کا سرور' نادیدہ سفر اور نئے منزلوں کے
ارکا سی شادمانی' پیالوں کا سرور اور جلترنگ سی مسکراہٹیں بکھر گئی تھیں۔ جبکہ اس
آنکھوں میں وقت کے رخساروں پر ڈھلتی عشرتیں' خوشیوں کا تلاطم جوش مار رہا
اس کے سلگتے لبوں پر نغموں کی گنگناہٹیں اور جوان شاداب کھیتوں پر برستے بھیگے
ساون جیسا سماں برپا ہو گیا تھا۔ پھر اس نے بھاگتے ہوئے گھوڑے پر توازن قائم کرنے
کے لئے عبداللہ کے دونوں شانے مضبوطی سے پکڑے لئے تھے اور بس چپ اور
خاموش رہ کر عبداللہ کے پیچھے بیٹھی اسے غور سے دیکھے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ وہ

واپس لشکر میں آئے۔ برخوردار اپنے لشکر کو لیکر پہلے ہی وہاں پہنچ چکا تھا اس
لشکر کے لئے کھانا تیار کرنے کا حکم دیدیا تھا۔

پڑاؤ میں پہنچتے پہنچتے عبداللہ کو شام ہو گئی تھی۔ مغرب کی نماز اس نے
لشکریوں کے ساتھ کھلے میدان میں پڑھی۔ پھر وہ تھوڑی دیر تک برخوردار کے
بیٹھ کر گفتگو کرتا رہا۔ جب وہ اپنے خیمے میں آیا تو اس نے دیکھا اس کے خیمے
کامنی کچھ اس طرح پڑی تھی کہ اس کے دونوں ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے
دونوں ٹانگوں پر بھی مضبوطی کے ساتھ رسیاں باندھ کر اس کی ٹانگوں کو بری طرح
گیا تھا۔ کامنی کو اس حالت میں دیکھتے ہوئے عبداللہ پریشان سا ہو گیا تھا پھر
کے نزدیک آیا اور بڑی ہمدردی اور نرمی میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کامنی تمہاری یہ حالت کس نے کی ہے۔ کس نے تمہارے ہاتھ پاؤں باندھے
ہیں۔ بتاؤ ایسا کرنے والا کون ہے۔ عبداللہ کے یہ محبت بھرے اور نرمی میں
الفاظ سن کر کامنی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ پھر وہ ڈبڈبائی آنکھوں اور
بکھرتی اپنی آواز میں کہنے لگی۔

شاہ پسند آپ چونکہ ابھی تک مجھے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ میں اچانک
پر حملہ آور ہوں گی اور آپ سے انتقام لوں گی اس لئے آپ کے جانے کے بعد
نے آپ کے خیمے سے باہر پہرہ دینے والے ایک محافظ کو بلایا اور اسے کہا کہ
کے ساتھ میرے ہاتھ پشت پر اور دونوں پاؤں باندھ دو تاکہ میں اسی خیمے میں رات
کر سکوں اور شاہ پسند کو یہ خدشہ اور وہم نہ رہے کہ میں رات کے کسی حصے میں
پر حملہ آور ہو کر اپنا انتقام لیکر بھاگ جاؤں گی۔ شاہ پسند بس میں کسی بھی طرح
آپ کا ذہن صاف کرنا چاہتی ہوں میں آپ کے خیمے میں اسی حالت میں رات
کرنے کے لئے تیار ہوں تاکہ آپ بے فکر رہئے کہ میں حملہ آور نہیں ہو سکتی
جھٹکے کے ساتھ عبداللہ نے اپنا خنجر نکالا اور وہ رسیاں اس نے کاٹ دیں
سے اس کے ہاتھ اور پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ کامنی تھوڑی دیر تک

ہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ عبداللہ سے کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ
اللہ نے بولنے میں پہل کی اور کہنے لگا۔ کامنی تم میرے ساتھ آؤ۔ پھر عبداللہ
خیمے سے نکلا۔ کامنی چپ چاپ اس کے پیچھے پیچھے داخل ہوئی وہ خیمہ بالکل شاہ
کے خیمے جیسا تھا اور شاہ پسند کے خیمے کی طرح اس میں ضرورت کی ہر شے تھی۔
خیمے میں لے جا کر عبداللہ کامنی کو کہنے لگا۔ کامنی یہ خیمہ تمہارا ہے تم اس میں
گی تمہارے خیمے کے دونوں طرف پہرہ ہو گا۔ تمہاری حفاظت کے لئے ایسا کیا گیا
میں تمہیں اپنے خیمے میں نہیں رکھ سکتا۔ یہاں تک کہتے کہتے عبداللہ کو رک
پڑا اس لئے کہ ایک سپاہی کھانا لیکر اندر آیا تھا۔ عبداللہ اسے مخاطب کر کے کہنے
کہ کھانا یہاں کمرے کے وسط میں رکھ دو اور تم جاؤ وہ سپاہی کھانا رکھ کے چلا گیا۔
اللہ پھر بولا اور کہنے لگا دیکھو کامنی یہ کھانا ہے یہاں سکون سے بیٹھ کر کھانا کھا۔ اگر
کے علاوہ بھی تجھے کسی شے کی ضرورت ہو تو بلا جھجک میرے خیمے میں آ سکتی
۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ کامنی کے خیمے سے نکل کر اپنے خیمے میں داخل ہوا
میں اس کا کھانا بھی لگا دیا تھا۔ کھانا اس نے کھایا پھر وہ بستر میں گھس کر آرام
نے لگا تھا۔



شاہ ولی خان اور جہان خان اپنے اپنے لشکر کے ساتھ پہلے آگرہ پر حملہ آور
نے کا ارادہ کرتے تھے لیکن آگرہ کو چھوڑ کر انہوں نے متھرا شہر کا رخ کیا۔ دوسری
ف احمد شاہ ابدالی نے بذات خود بلبگڑھ کے اس قلعے کا محاصرہ کر لیا تھا جس میں
بہت بڑے لشکر کے ساتھ سورج مل کا بیٹا جواہر سنگھ محصور تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ بڑی سختی کے ساتھ محاصرہ کیا۔ جواہر سنگھ
اس کے لشکریوں نے خوب ڈٹ کر قلعہ کا بچاؤ کیا۔ احمد شاہ ادھر ادھر بھاگتے
ئے بہ نفس نفیس محاصرے کی کارروائیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ پھر اس نے قلعے کی
بلا پر گولہ باری کرنے کا حکم دیدیا۔ گو احمد شاہ ابدالی کے پاس چند ہی توپیں تھیں

لیکن جب ان توپوں نے گولے برسانے شروع کئے تو بلبگڑھ کے شہر اور اس
پر ایک قیامت ڈھا کر رکھ دی تھی۔ اس گولہ باری سے شہر کی فصیل جو بے
تھی جگہ جگہ ٹوٹ سے گئی تھی۔

جواہر سنگھ نے جب دیکھا کہ اب مقابلہ کرنا بے سود ہے اور یہ کہ اگر وہ
پر ڈٹا رہا تو بدترین شکست ہو گی اس نے رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھایا
قزلباشوں کا لباس پہن کر خندق اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے بیچوں بیچ گزر
اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ اپنی جان بچا لی اور جمنا کی طرف بھاگ گیا تھا۔
روز احمد شاہ کے لشکریوں نے بلبگڑھ پر زور دار حملے کرنے شروع کئے اور
سے پہلے ہی پہلے احمد شاہ ابدالی نے بلبگڑھ میں داخل ہو کر شہر فتح کر لیا
مقابلے پر آئے انکا خوب قتل عام کیا۔ یہاں نقدی چاندی سونے کے برتنوں
گھوڑے' اونٹ' پارچہ جات اور بہت سا غلہ بھی احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگا۔



شاہ ولی خاں اور جہان خان بڑی تیزی سے متھرا کی طرف بڑھے تھے۔
کا وزیر نجیب الدولہ بھی اپنا ایک لشکر لے کر ان کے ساتھ آن ملا تھا۔ نجیب
چونکہ احمد شاہ ابدالی کی نگاہ میں ہر دل عزیزی حاصل کرنا چاہتا تھا لہٰذا اس نے
خان کی رہنمائی میں قتل و غارت گری کا خوب بازار گرم کیا۔ جس وقت وہ متھ
قریب پہنچے تو ان سے پہلے ہی جواہر سنگھ بلبگڑھ سے نکل کر متھرا پہنچ چکا تھا لہٰذا
سنگھ نے شہر سے باہر نکل کر شاہ ولی خان' جہان خان اور نجیب الدولہ کے لشکر
مقابلہ کیا لیکن بدترین شکست کھائی اور اپنے ساتھیوں کی جان بچانے کے لئے وہ
کر روپوش ہو گیا تھا۔

اس کے بعد شاہ ولی خان۔ جہان خان اور نجیب الدولہ کے لشکروں نے
شہر کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ جب یہ شہر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا
نہ کوئی فصیل تھی نہ کوئی خندق یہ تو پروہتوں اور یاتریوں کا شہر تھا بہت سے لوگ

ی کے لئے آئے ہوئے تھے۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی کا یہ لشکر بغیر کسی رکاوٹ اور
ت کے متھرا شہر میں داخل ہوا کیونکہ اس لشکر کو ہر شہر میں لوٹ مار کرنے کی
ت تھی لہٰذا اس اجازت خصوصی کے ساتھ جہان خان نے خوب فائدہ اٹھایا۔
شہر کے باہر جو جواہر سنگھ نے مزاحمت کی تھی اس مزاحمت کا بھی غصہ جہان خان
اہل متھرا پر اتارا۔ وہ نرمی کے لئے ہرگز تیار نہ ہوا اس نے قتل عام کا حکم دیدیا
ے اس کے لشکریوں نے ہندوؤں کے خون سے خوب ہولی کھیلی۔ اس کے علاوہ
ل لوٹ مار کرنے کے بعد شہر کو آگ لگا دی گئی اور وہ رات بھر ہڈیوں کے الاؤ کی
ح جلتا رہا۔

شنومت کے وہ بھگتو جو جمنا کے کنارے گائے کے گلوں اور بانسریوں کے
ں میں مست رہا کرتے تھے انہیں ایسی سزا ملی کہ وہ اپنے پوجا پاٹ ہی نہیں بلکہ
بڑے بڑے متبرک اور مقدس دیوتاؤں تک کو فراموش کر گئے۔ بڑے بڑے
بت احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کی ضربوں سے شکستہ ہو کر گلی کوچوں میں پولو کی
کی طرح ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے۔ شہر کی لوٹ مار کرنے کے بعد جہان خان نے
پر ایک لاکھ روپے کا تاوان مقرر کیا۔ اس کے بعد یہ متحدہ لشکر متھرا سے نکل کر
ابن کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

بندرابن متھرا شہر سے سات میل دور واقع تھا۔ جہان خان نے یہاں بھی خوب
و غارت گری کا ہنگامہ برپا کیا۔ جو کوئی اس کے سامنے آیا اور مزاحمت کرنے کی
ش کی اس نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس طرح بندرابن میں جس
نگاہ دوڑائی جاتی لاشیں ہی لاشیں دکھائی دیتی تھیں۔ بندرابن کو زیر کرنے کے
شاہ ولی خان' جہان خان اور نجیب الدولہ پیش قدمی کرنا چاہ رہے تھے یہاں بلبگڑھ
کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی بھی ان سے آن ملا لہٰذا اپنے سارے متحدہ لشکر کو
شاہ بندرابن سے لیکر گوکل کی طرف روانہ ہوا۔ جہاں ایک بہت بڑا لشکر مقابلے
لئے تیار تھا۔ مرہٹے جنہیں عبداللہ اور برخوردار کے ہاتھوں بدترین شکست ہوئی

تھی اب وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ اگر احمد شاہ ابدالی کا لشکر اسی طرح حاصل کرتا رہا تو وہ دن دور نہیں جب بھرت پور کے راجہ سورج مل کے علاقے نکل کر احمد شاہ اور اس کے لشکری مرہٹوں کی سر زمین میں داخل ہو کر فتوحات کا سلسلہ شروع کر دیں گے۔ لہٰذا اس خدشے کے تحت مرہٹوں کے پیشوا راؤ نے ایک اور بہت بڑا لشکر ترتیب دیا اس لشکر کا بھی سالار اعلیٰ اس نے اپنے رگوناتھ کو اور دوسرے جرنیل مایکشور کو اس کا نائب مقرر کیا۔ اس لشکر کو احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے روانہ کیا تاکہ سورج مل کے بچے لشکریوں کے ساتھ مل کر احمد شاہ ابدالی کی قوت کے سامنے بند باندھا جائے تاکہ مل کے علاقوں سے نکل کر احمد شاہ کہیں مرہٹوں کی سر زمینوں کا رخ نہ کرے۔ گوکل کے مقام پر جہاں سورج مل کا ایک بہت بڑا لشکر مقابلے کے لئے جمع تھا رگوناتھ اور مایکشور کی سرکردگی میں مرہٹوں کا ایک جرار لشکر بھی سورج مل کے سے آن ملا تاکہ دونوں مملکتوں کی متحدہ طاقت کے ذریعے احمد شاہ ابدالی کو روکا اور اسے پیش قدمی کے بجائے پسپائی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔

گوکل شہر سے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے سامنے آرا ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ عقبی لشکر کے طور پر کرنے لگا۔ جبکہ لشکر کے اگلے حصوں میں میسرہ کے طور پر اس نے شاہ ولی کو، قلب لشکر میں جہان خان کو اور میمنہ کے طور پر اس نے ہندوستان کی مغل کے امیر لشکر نجیب الدولہ کو رکھا تھا۔ احمد شاہ ابدالی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ لئے عقب میں رہا کہ لشکر کے اندر جہاں کہیں بھی وہ پسپائی یا کمزوری دیکھے گا سمت حملہ آور ہو کر اپنے لشکریوں کا حوصلہ بڑھائے گا اور ان کے جوش اور ولولے مضبوط اور ناقابل شکست بنا کر رکھے گا۔

جب دونوں لشکر اپنی صفیں درست کر چکے تو جنگ کی ابتدا ہوئی۔ جنگ کی ہندوستان کے متحدہ لشکر نے کی تھی۔ ہندوستان کے لشکر کے دو حصے تھے ایک

سورج مل کا جس کی کمانداری خود اس کا بیٹا جواہر سنگھ کر رہا تھا دوسرا لشکر مرہٹوں کا تھا جو جواہر سنگھ کے لشکر سے دوگنا سے بھی زیادہ تھا اور اس کی کمانداری رگوناتھ کر رہا تھا۔ رگوناتھ نے جب دیکھا کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر تین حصوں میں تقسیم ہو کر اس کے سامنے آئے ہیں تو اس نے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ جواہر سنگھ کو شاہ ولی کا مقابلہ کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ مرہٹوں کے لشکر کے جو دو حصے ہوئے تھے ان میں سے ایک حصے کی کمانداری مایکشور کو دی گئی اور اسے حکم دیا گیا کہ وہ جہان خان سے ٹکرائے جبکہ خود رگوناتھ نے ہندوستان کی مغل سلطنت کے وزیر نجیب الدولہ اور اس کے لشکر سے ٹکرانے کا عزم کیا تھا۔

اس طرح مرہٹوں اور سورج مل کے متحدہ لشکر نے جنگ کی ابتدا کی۔ رگوناتھ، مایکشور اور جوار سنگھ نے اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ اندھیری راتوں کے غمگیں سموں، خوابیدہ چٹانوں میں سمندر کے غصیلے رقص اور بے حسی اور لاپرواہی کی آغوش میں موجیں مارتی اجل کی طرح حرکت میں آتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر یک بارگی حملہ آور ہو گئے تھے۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں نے بھی بڑے حوصلے بڑے استقلال اور بڑے عزم کا مظاہرہ کیا۔ انہوں نے مرہٹوں اور بھرت پور کے جاٹوں کا مقابلہ بڑی جرات مندی سے روکا۔ پھر وہ بھی جوابی کارروائی کرتے ہوئے فطرت کی جولان گاہ میں اوہام کی زنجیریں کاٹتی تمدن کی گمراہی اور پستی توڑتی کفر اور الحاد کی آوازوں کو بکھیرتی اور ہر سطوت و جبروت کو فنا کے گھاٹ اتارنے والی ہولناک اور طاقتور موت کی طرح حملہ آور ہو گئے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جنگ کی بھٹی خوب گرم ہو اٹھی۔ ہر کوئی دوسرے کی جان کے درپے ہونے لگا۔ میدان جنگ کے اندر فطرت کا جلال بدبختی کے لرزتے سائے، زندگی کے اسرار کو چھوڑتی اور سرگوشیاں کرتی روحیں رقص کرنے لگی تھیں اور شرافت اور نجابت کو روندتی اندھی خوفناک قوتیں جوش مارنے لگی تھیں۔

اس جنگ میں مرہٹے اور بھرت پور کے جاٹ اپنی ہر شے داؤ پر لگائے
تھے۔ وہ ہر صورت میں یہ جنگ جیتنا چاہتے تھے۔ بہت سے لوگ سروں پر کفن با
ہوئے تھے اور تہیہ کر رکھا تھا کہ یا تو مرجائیں گے یا احمد شاہ ابدالی کے لشکر
جانے پر مجبور کریں گے۔ کافی دیر تک جنگ جاری رہی مرہٹے اور بھرت پور کے
زندگی موت کا کھیل کھیلتے رہے۔ یہاں تک کہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا وہ حصہ
ہندوستان کی مغل سلطنت کا وزیر نجیب الدولہ کمانداری کر رہا تھا اس میں پسپائی
آثار نمودار ہوئے۔ مرہٹوں کے سالار رگوناتھ نے نجیب الدولہ پر ایسے خوفناک
جان لیوا حملے کئے تھے کہ نجیب الدولہ ان کے سامنے جارحیت اختیار کرنا تو بہت
بات ان کا دفاع تک نہ کر سکا تھا لہٰذا تھوڑی دیر جنگ کرنے کے بعد وہ پسپا
شروع ہو گیا تھا۔ اس کی پسپائی کو دیکھتے ہوئے شاہ ولی خان اور جہان خان کے لشکر
میں بھی بددلی پھیلنے کے آثار نمودار ہونے شروع ہو گئے تھے۔ اس موقع پر احمد
ابدالی کوئی قدم اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ وہ رک گیا اس لئے کہ اس کی نگاہیں شمال کی
کی طرف اٹھتی ہوئی گرد اور دھول پر جم کر رہ گئیں تھیں۔ گرد اور دھول کا وہ طوفان
اس قدر زیادہ اور بلند ہو رہا تھا کہ لگتا تھا کہ کوئی بہت بڑا لشکر ادھر کا رخ کر رہا
احمد شاہ ابدالی سمجھا شائد مرہٹوں کا کوئی اور لشکر جنگ میں کودنے کے لئے اس سمت
رخ کر رہا ہے لہٰذا اس لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے اس نے اپنے لشکر کو تیار کر
تھا۔ ساتھ ہی اس نے شاہ ولی خان' جہان خان اور نجیب الدولہ کی طرف پیغام بھیجا
کہ وہ پوری ہمت اور جوانمردی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھرت پور کے جاٹوں اور مرہٹوں
کا مقابلہ کریں ورنہ اس میدان میں انہیں بدترین شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ جبکہ
خود احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ اس نئے آنے والے لشکر کا مقابلہ کرنے کے
لئے تیار اور مستعد ہو گیا تھا۔

دھول کے وہ بادل جب چھٹے اور اس میں سے لشکری نمودار ہوئے اور میدان
جنگ کے قریب آئے تو احمد شاہ ابدالی کے لبوں پر خوشی اور اطمینان ملی جلی مسکراہٹ

ہو گئی تھی۔ اس لئے کہ اس نے دیکھا کہ اس لشکر کے آگے آگے عبداللہ
رنگ کے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں اپنی
پل کی چمکتی ہوئی ننگی تلوار تھی جس کی چمک دور دور تک نگاہوں کو خیرہ کر
اور اس کے پہلو بہ پہلو برخوردار بھی اپنے گھوڑے کو بھگاتا آ رہا تھا۔ میدان
کے قریب آ کر عبداللہ نے اپنی تلوار کے اشارے سے برخوردار کو کوئی اشارہ
شاہ ابدالی سمجھ گیا کہ عبداللہ برخوردار کو دوسری سمت سے حملہ آور ہونے
کہہ رہا تھا اور تلوار کا اشارہ ملتے ہی برخوردار اپنے لشکر کے ساتھ اس طرف
جواہر سنگھ کی سرکردگی میں بھرت پور کے جاٹ برسرپیکار تھے جبکہ خود
مرہٹوں کی طرف بڑھا جو رگوناتھ اور مالیکشور کی سرکردگی میں زندگی موت کا
کھیل رہے تھے۔

عبداللہ کو حملہ آور ہوتے دیکھ کر جہاں احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر خوشی اور
تھا وہاں وہ خود کلامی کے انداز میں بولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

شاہ پسند! میرے عزیز تو پیاسے نفس کو سیراب کرنے والا ایک فرزند' بے چین
کو سکون فراہم کرنے والا بیٹا' آندھیوں کو تلپٹ کر دینے والا طوفان' تنگ و
کے شبستانوں میں بھی نغمہ عبودیت الاپنے والا مجاہد' آندھیوں کے خیموں میں
کے احوال کی نگہبانی کرنے والا ایک پاسبان' چنگ و دف پر رقص کرتے بگولوں
دینے والا شہزور' جرم کی بنیادوں پر نیکی کی فصیلیں گرانے والوں کی اور اجالوں
پروازوں پر پابندی لگانے والوں کے لئے بانگ راحیل اور بے روک آندھی

شاہ پسند! کاش تو میرا بیٹا میرا فرزند ہوتا تو آج میرے سر کے بالوں میں جو
نمودار ہو رہی ہے وہ مجھے ملول اور غمگین نہ کرتی اور میں جرم خاموشی کی
پیشانی کے پردے اپنی نگاہوں میں نہ دیکھ رہا ہوتا بلکہ میرے احساس کے دجلہ
تخیل کا سورج ہمیشہ جوان رہتا۔ شاہ پسند کاش تو نے میرے یہاں جنم لیا ہوتا۔

تو تیری جبیں کے بل میں ڈھلتے عزم کے اندر میرے ساحل بھی میرے سفینے بھی محفوظ ہوتے۔ شاہ پسند اس ارض میں جہاں انسان فرشتہ بھی ہے۔ جانور بھی اور راہزن بھی ہے۔ میں بھی وہاں اگر تو میرا بیٹا ہوتا تو اپنے رفتگان ماہ و سال پر غمگین نہ ہوتا۔ شاہ پسند تو یقیناً بت خانوں کی آذرئیت میں خورشید خاور بن کر نمودار ہونے والا مجاہد ہے۔

شاہ پسند کاش تو میرا بیٹا ہوتا کاش تو میرے نسب سے میری بیوی کے بطن سے ہوتا تو زندگی میں میں تم پر فخر کرتا اور مرنے کے بعد میری روح بھی تم پر ناز کرتی رہتی یہاں تک کہتے کہتے احمد شاہ ابدالی کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ پر وہ خاموش ہو گیا اور بڑے غور سے شاہ پسند کی طرف دیکھنے لگا جو اب مرہٹوں پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے دیکھا شاہ پسند اپنے لشکر کے ساتھ وقت کے دھندلکوں میں کرب مسلسل، سرد خوابوں میں گرم سرابوں، زندان کی سنگیں فصیلوں میں کف اڑاتی موجوں اور سایوں کی طرح ابھرتے خیالات میں رزم خیر و شر کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے۔ اپنے پہلے ہی حلے میں وہ مرہٹوں کے لشکر میں اس طرح گھستا چلا گیا تھا جس طرح کوئی بنت بیاباں شوخ غزالوں کے خرام کی طرح کلیلیں اڑاتی ترنگ و خمار کے ساتھ وقت سحر تھکی ماندی کرنوں میں داخل ہوتی ہے یا ٹوٹے خوابوں کرچیاں کی طرح کسی جنگجو کی آبائی روایات کا وقار ادراک کی پنہائیوں میں گھستا چلا جاتا ہے۔

احمد شاہ ابدالی شاہ پسند کے حملہ آور ہونے پر بڑا اطمینان بڑی خوشی محسوس کر رہا تھا۔ دوسری طرف برخوردار نے بھی حملہ آور ہوتے ہوئے کچھ ایسا ہی رنگ دکھایا تھا وہ جواہر سنگھ کے لشکر کی پشت کی طرف سے سینے کے غاروں میں سیلاب جلال، نہاں خانہ ذہن و دل میں کرنوں کی جھلا جھل اور جسم کی نیلی پیچیدہ رگوں میں جرم کہنہ کے احساس کی طرح حملہ آور ہوا تھا اور جواہر سنگھ کے لشکر کو اس نے مکمل طور پر ہلا کر

تھا۔
اللہ اور برخوردار کے مرہٹوں اور جواہر سنگھ پر حملہ آور ہونے سے جنگ کی بدل گئی تھی۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے رگوناتھ، مانکیشور اور جواہر سنگھ احمد شاہ ے لشکر کو اپنے سامنے جلد ہی پسپا کرنے کے متعلق سوچ رہے تھے وہاں اب فیں درہم برہم ہو گئیں تھیں۔ چاروں طرف ایک افراتفریٔ کا عالم برپا ہو گیا ان تینوں جرنیلوں نے دیکھا کہ اگر جنگ تھوڑی دیر مزید جاری رہی تو ان ر میں شکست اور ہزیمت کے گولے داغ دیئے جائیں گے وہ ایک دوسرے ندوں کے ذریعے صلاح و مشورہ کرتے ہوئے میدان جنگ چھوڑ کر بھاگ ہوئے۔ احمد شاہ ابدالی کے حکم پر عبداللہ، برخوردار خان، نجیب الدولہ، شاہ ولی جہان خان نے کچھ دور تک ان کا بھرپور تعاقب کیا پھر وہ لوٹ آئے اور اور جواہر سنگھ کے متحدہ لشکر کے پڑاؤ پر انہوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ پڑاؤ سے مال و اسباب احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ لگا تھا۔ اس طرح گوکل کے مقام پر احمد ہندوستان کے متحدہ لشکر کو بدترین شکست دینے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

○

س وقت عبداللہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ دوسرے سالاروں کے ساتھ وئے مرہٹوں اور جواہر سنگھ کے لشکر کا تعاقب کر رہا تھا اس وقت احمد شاہ ے لشکر میں بھی ایک انقلاب نمودار ہو رہا تھا وہ اس لئے کہ دلاور خان، زال لی، جہاں خان اور احمد شاہ کا بھتیجہ عبدالخالق احمد شاہ ابدالی کے حصے میں ے لشکر میں شامل تھے۔ یہ ایک خیمے میں جمع ہوئے پھر دلاور خان انہیں ر کے کہنے لگا۔

میرے بھائیو! میرے عزیزو! میں تمہارے لئے ایک اچھی خبر رکھتا ہوں تم ر بھرت پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری جس کے لشکر کو عبداللہ نے نواح میں بدترین شکست دی تھی اور اسے گرفتار کر لیا تھا جو لشکر میں رہ کر

دو سال تک اس کا انتظار کرتی رہی تھی اور "نیتجتاً" عبداللہ کو اغوا کر کے وہ بھرت
لے جانا چاہتی تھی لیکن اس کی بدقسمتی کہ وہ ناکام رہی۔ وہ لڑکی پھر لوٹ آئی ہے
اس وقت عبداللہ کے لشکر میں شامل ہے۔

سنو میرے ساتھیو عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ اس وقت مرہٹوں کے تعاقب
ہے۔ جبکہ اس کے لشکر کے چند دستے لشکر میں شامل عورتوں اور مرہٹوں کے
گزشتہ جنگ میں حاصل ہونے والے مال و اسباب کی حفاظت کر رہے ہیں میں ان
اندر سے ہو کر آیا ہوں وہ لڑکی وہاں موجود ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی کے ساتھ
کوئی ساز باز کی جائے اسے لالچ اور لوبھ دیا جائے کہ وہ بڑی رازداری سے کام لی
ہوئے عبداللہ کا خاتمہ کر دیے۔

میرے ساتھیو! میرے بھائیو تم جانتے ہو کہ عبداللہ کی وجہ سے لشکر کے اندر
ہماری بڑی سبکی، ہماری بڑی بے عزتی ہوئی ہے۔ یہ جو عبداللہ نے ایک ساتھ مجھے اور
زال بیگ پوپلزئی کو مقابلے میں شکست دی تھی تو ایسا تو میں نے اپنی زندگی میں سوچا
بھی نہ تھا۔ میرے سامنے تو آج تک کوئی ایسا سورما آیا ہی نہیں جو مجھ اکیلے ہی کو زیر
کر لے لیکن اس عبداللہ نے اس روز کمال کیا کہ مجھے اور زال بیگ پوپلزئی کو ایک
ساتھ اپنے سامنے ہلا کر رکھ دیا۔ یہ ہماری انتہائی بے عزتی ہے اور ہم اپنی اس بے
عزتی کا بدلہ لئے بغیر نہیں رہیں گے۔ اگر تمہاری رضامندی ہو تو میں کچھ رقم لیکر ا
لڑکی کے پاس جاؤں اسے لوبھ لالچ دوں کہ وہ یہ رقم رکھ لے اور ہمارا یہ کام کر
کہ کسی مناسب موقعہ پر وہ عبداللہ کے سینے میں خنجر گھونپ کر اس کا خاتمہ کر دے۔
اگر ایسا ہو جائے تو لشکر کے اندر ہماری واہ واہ ہو جائے گی اور احمد شاہ ابدالی کی
نگاہوں میں بھی ہم اپنی کھوئی ہوئی عزت و وقار حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں
گے۔

یہاں تک کہنے کے بعد دلاور خان جب خاموش ہوا تو زال بیگ پوپلزئی بولا اور
کہنے لگا دیکھ دلاور خان اگر ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ جو کچھ

م نے کھویا ہے اسے حاصل کر لیا ہے۔ اگر وہ لڑکی لوبھ لالچ کے عوض عبداللہ کو
ل کرنے پر رضامند ہو جائے تو میں سمجھوں گا کہ ہم نے عبداللہ کو بدترین شکست
ی ہے۔ میرے خیال میں تم ابھی جاؤ اور اس کام کو کر گزارو یہ نہ ہو کہ عبداللہ
ہٹوں کے تعاقب سے لوٹ آئے اور پھر اس لڑکی سے تنہائی میں گفتگو کرنے کا موقع
لے۔ یہاں تک کہنے کے بعد زال بیگ پوپلزئی نے دوسرے ساتھیوں کو مخاطب
تے ہوئے پوچھا۔ میرے بھائیو تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے۔

جواب میں عبدالخالق اور جمال خان نے کچھ مشورہ کیا پھر عبدالخالق بولا اور کہنے
یکھو میرے بھائیو یہ بات تو طے شدہ ہے کہ ہم ہر معاملے میں تمہارے ساتھ ہیں
یہ کام بڑی احتیاط اور دیکھ بھال کے ساتھ کرنا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی خبر پاشا
و جائے تم جانتے ہو کہ وہ میرا چچا ہے اور اگر اسے یہ پتہ چل گیا کہ ہم یہ جرم
ے پر تیار ہوئے ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ میری تو کھال ادھیڑ کر رکھ دے گا۔
ر دلاور خان اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا۔

میرے بھائیو میرے عزیزو تم بے فکر رہو میں کانو کان بھی کسی کو اس سازش کی
ہونے دوں گا۔ اب جبکہ یہ کام کرنے پر تم سارے رضامند ہو تو میں کامنی
اس لڑکی کی طرف جاتا ہوں اس کے ساتھ ہی دلاور خان نے اپنے خیمے سے
کی ایک تھیلی لی پھر وہ کامنی کی طرف چلدیا تھا۔

ہٹوں اور جواہر سنگھ کے متحدہ لشکر کی شکست اور پھر پسپائی کے بعد احمد شاہ
نے خیمے نصب کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ کامنی کے لئے بھی خیمہ نصب کر دیا گیا
د شاہ ابدالی کو ابھی کامنی کی موجودگی کا علم نہ تھا۔ جس وقت دلاور خان کامنی
ف روانہ ہوا اس وقت کامنی اپنے خیمے میں اکیلی بیٹھی ہوئی تھی۔ دلاور خان
خیمے میں داخل ہوا اسے اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے کامنی چونک کر کھڑی ہو
لاور خان آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور بڑی شفقت میں اسے مخاطب کر کے کہنے
ی بہن فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں ایک انتہائی اہم موضوع پر تم

سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔

دلاور خاں کے ان الفاظ سے کامنی کو کچھ ڈھارس ہوئی۔ لہٰذا وہ دوبارہ اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ دلاور خان آگے بڑھا کچھ فاصلہ رکھ کر کامنی کے سامنے بیٹھ گیا پھر وہ بولا اور کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھو میری بہن میں ایک انتہائی اہم موضوع پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنے آیا ہوں میری گفتگو کا موضوع ایسا ہے جس میں تمہاری بھی بہتری ہے اور ہماری بھی مجھے امید ہے کہ اس سلسلے میں تم ضرور ہمارے ساتھ تعاون کرو گی۔ اس پر کامنی نے بڑے غور سے دلاور خاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اگر میں غلطی پر نہیں تو تم وہی ہو جس کا نام دلاور خان ہے اور جسے زال بیگ کے ساتھ شاہ پسند نے مقابلے کے میدان میں شکست دی تھی۔ دلاور خان کہنے لگا یقیناً میں وہی ہوں اور میں یہ کہتے ہوئے عار محسوس نہیں کرتا کہ مجھے عبداللہ کے ہاتھوں شکست ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی نقدی کی بھری ہوئی تھیلی دلاور خان نے کامنی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا میری بہن اس نقدی کا ذرا بغور جائزہ لو۔ کامنی نے نقدی کھول کر دیکھی وہ سنہرے سکوں سے بھری ہوئی تھی۔ پھر وہ سوالیہ انداز اور جواب طلب نگاہوں سے دلاور خان کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ دلاور خان فوراً بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ کامنی میری بہن میں جانتا ہوں کہ تو بھرت پور کے راجہ سورج مل کی راجکماری ہے اس لحاظ سے تیرا اپنا ایک مقام اور تیرا ایک وقار ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ لاہور کے نواح میں عبداللہ نے تیرے لشکر کو شب خون مار کر بدترین شکست دی اور تجھے اسیر بنا لیا۔ تو اس سے انتقام لینے کے لئے لگا تار دو سال تک ہمارے لشکر میں قیام کیے رہی۔ آخر تو نے اسے دھوکہ دہی سے کام لیکر اغوا کر کے بھرت پور لے جانا چاہا لیکن تمہاری بدقسمتی اور عبداللہ کی خوش قسمتی کہ راستے میں مرہٹے تم پر حملہ آور ہوئے انہوں نے تمہارے ساتھیوں کو ختم کر دیا جس کی بنا پر عبداللہ کو تمہاری اسیری سے رہائی نصیب ہو گئی۔

و ہم نے سنا تھا کہ اس کے بعد تم واپس چلی گئی ہو لیکن آج تمہیں عبداللہ کے یں دیکھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے اور میں یہ احساس کرنے لگا ہوں کہ شاید کوئی ئی حیلہ کوئی نہ کوئی حربہ استعمال کر کے تم نے عبداللہ کا اعتماد حاصل کر لیا ہے۔ ای اعتماد کی آڑ میں تم عبداللہ سے اپنا دیرینہ انتقام لے سکتی ہو۔ اگر تم چاہو تو لسلے میں ہم بھی تمہاری مدد کر سکتے ہیں اور وہ اس طرح کہ یہ جو رقم میں نے ں پیش کی ہے اسے رکھو۔ اسے پیشگی خیال کرو اور اگر تم مناسب موقع جان کر للہ کے دل میں کسی وقت خنجر گھونپ کر اس کا خاتمہ کر دو تو جس وقت جس قدر تمہارے سامنے پڑی ہے اسی قدر نقدی میں تمہیں اور بھی مہیا کر دوں گا۔

جواب میں کامنی نے تھوڑی دیر تک بڑے غور سے دلاور خان کی طرف دیکھا پھر پنی آواز کی پوری شیرینی میں بولی اور کہنے لگی دلاور بھائی تمہاری گفتگو نے مجھے د متاثر کیا ہے۔ میں اس سے انکار نہیں کرتی کہ میں عبداللہ کے لشکر میں محض ے انتقام لینے کے لئے قیام کئے ہوئے ہوں۔ میری زندگی کا مقصد صرف عبداللہ قام لینا ہے گو عبداللہ میرے پہلے فریب سے بچ نکلا تھا اور میں بھرت پور چلی ی لیکن اس سے انتقام لینے کے جذبے نے مجھے وہاں بھی سکون سے نہ بیٹھنے دیا ں اس لشکر میں واپس آئی اس سے معافی مانگ کر اب میں اس کے لشکر میں ہو چکی ہوں۔ اب جبکہ تم لوگ مجھے پھر ترغیب دے رہے ہو تو میں تم سے وعدہ وں کہ میں اس بار عبداللہ کے خلاف ایسی حرکت میں آؤں گی کہ اس کا بچ نکلنا ہو گا لیکن تم لوگ میرے ساتھ وعدہ کرو کہ جب یہ کام میں کر گزروں گی تم ھے لشکر سے نکال کر بھرت پور کی طرف روانہ کرنے میں مدد کرو گے۔ اس پر ان چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔

کھ کامنی میری بہن اگر تو عبداللہ کا خاتمہ کر دے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں ، زال بیگ پوپلزئی، جمال خان اور احمد شاہ ابدالی کا بھتیجا عبدالخالق نہ صرف شکر سے نکالیں گے بلکہ اس شاہراہ پر ڈال کر آئیں گے جہاں سے تم محفوظ

طریقے سے بھرت پور کی طرف روانہ ہو سکو۔ دیکھ میری بہن میں اب جاتا ہوں تو اب وقت ضائع نہ کرنا کسی بھی رات مناسب موقع جان کر تو عبداللہ کے خیمے میں گھسنا اور اس کا کام تمام کر دینا۔ میرے خیال میں عبداللہ کے لشکری جانتے ہیں کہ تم ان کے لشکر میں قیام کئے ہوئے ہو اور رات کے وقت اگر تم عبداللہ کے خیمے میں جاتی ہو تو اس کے پہریداروں کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہو گا اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ عبداللہ کے خیمے میں تمہارا آنا جانا ہو گا۔ کامنی خوش اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

دلاور خان میرے بھائی تم فکر مند نہ ہو اب میں عبداللہ کو پوری طرح اپنے اعتماد میں لے چکی ہوں۔ اس سے محبت کا اظہار بھی کر چکی ہوں اور اس پر یہ بھی واضح کر چکی ہوں کہ اس کے بغیر اب میں زندہ نہیں رہ سکتی اور میرے خیال میں اب وہ بھی کچھ نہ کچھ میری باتوں پر اعتماد کرنے لگا ہے۔ لہٰذا اس سے انتقام لینا میرے لئے بڑا آسان اور سہل ہو جائے گا۔ اب تم جاؤ۔ اب اگر کسی اور نے تمہیں میرے خیمے میں دیکھ لیا تو کہیں کوئی شک ہی نہ گزرے اور جو کام میں کرنا چاہتی ہوں وہ نہ کر گزروں۔ دلاور خان کو کامنی کی یہ بات پسند آئی لہٰذا وہ چپ چاپ اٹھا اور کامنی کے خیمے سے نکل گیا تھا۔



مرہٹوں اور جواہر سنگھ کے لشکروں کا تعاقب کرنے کے بعد جب عبداللہ شاہ ولی خان، جہان خان، نجیب الدولہ اور برخوردار خان لوٹے تو وہ لشکر گاہ جہاں احمد شاہ ابدالی نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ قیام کر رکھا تھا وہاں سارے لشکر کے لئے خیمے نصب ہو چکے تھے۔ عبداللہ اپنے خیمے میں داخل ہوا ہی تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے کامنی بھی اس کے خیمے میں داخل ہوئی کامنی کو اپنے خیمے میں اپنے پیچھے پیچھے داخل ہوتے دیکھ کر عبداللہ چونکا اس کی طرف مڑا اور سوالیہ انداز میں اسے مخاطب کرکے پوچھنے لگا۔

کامنی خیریت تو ہے کیا تمہیں مجھ سے کوئی کام ہے۔ اس پر کامنی بڑی انکساری عاجزی بڑی مٹھاس اور بڑی شیرینی میں عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی اگر آپ اسا مجھے وقت دیں تو میں ایک انتہائی اہم موضوع پر آپ سے بات کرنا چاہتی ۔ اس پر عبداللہ بڑی نرمی سے کہنے لگا کہو تم کیا کہنا چاہتی ہو۔ کامنی پھر بولی اور لگی آپ تھکے ہوئے ہیں پہلے بیٹھیں میں آپ کے سامنے بیٹھ کر گفتگو کروں گی۔ کے کہنے پر عبداللہ فوراً بیٹھ گیا کامنی بھی اس کے پاس بیٹھ گئی پھر ہاتھ میں پکڑی نقدی سے بھری ہوئی وہ چرمی تھیلی اس نے عبداللہ کے سامنے رکھ دی جو دلاور نے اسے پیش کی تھی۔

عبداللہ نے نقدی سے بھری ہوئی اس چرمی تھیلی کو اٹھایا۔ تھوڑی دیر تک بغور کا جائزہ لیتا رہا پھر نقدی کی وہ تھیلی واپس اس نے کامنی کے سامنے رکھتے ہوئے ا یہ کیا ہے۔ کس سلسلے میں تم مجھے یہ نقدی دے رہی ہو اور اس قدر نقدی تم کہاں سے لی ہے۔ اس پر کامنی فوراً بولی اور کہنے لگی یہ رقم مجھے آپ کو قتل نے کے لئے فراہم کی گئی ہے اس پر عبداللہ چونکا اور جواب طلب نگاہوں سے نی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔

کس نے تمہیں میرے قتل کے لئے یہ رقم فراہم کی ہے۔ اس پر کامنی بڑی ائیت اور مٹھاس میں بولی جس وقت آپ مرہٹوں اور میرے بھائی کے متحدہ لشکر کا اقب کرنے چلے گئے تھے تو آپ کی غیر موجودگی میں لشکر کے خیمے نصب کر دیئے گئے میں اپنے خیمے میں اکیلی بیٹھی تھی کہ دلاور خان میرے خیمے میں آیا۔ اس نے مجھے ن کہہ کر مخاطب کیا اور کہنے لگا کہ میں جانتا ہوں کہ تم عبداللہ سے انتقام لینا چاہتی ایک بار تم انتقام لینے میں ناکام بھی ہو چکی ہو۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تمہارا لشکر میں پھر آ جانا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ پھر شاید تم عبداللہ کا اعتماد حاصل کرنے میں میاب ہو گئی ہو۔ لہٰذا اس اعتماد کو کام میں لاتے ہوئے کسی روز بڑی رازداری کے تو عبداللہ کے خیمے میں داخل ہونا اور اس کے دل میں خنجر اتار کر اس کا خاتمہ کر

دینا اس نے مجھے یہ رقم پیشگی دی تھی اور کہہ رہا تھا کہ یہ رقم رکھ لو اگر تم عبداللہ کا خاتمہ کر دیا تو اتنی ہی مزید رقم میں تمہیں فراہم کروں گا۔

کامنی کے اس انکشاف پر عبداللہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے دیر تک بڑے غور اور چبتی ہوئی نگاہوں سے کامنی کی طرف دیکھا اس کے بعد وہ لگا دیکھ کامنی اگر تو واقعی نقدی کی ضرورت محسوس کرتی ہے تو یہ نقدی بھی رکھ لو اگر تجھے موقع ملے تو مجھے قتل کر دینا اور دلاور خان سے اتنی رقم اور حاصل کر لو عبداللہ کے اس انکشاف سے کامنی بے چاری کے چہرے پر اداسیاں اور غم بکھرے گئے تھے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ گلوں اور شکو سے بھرپور انداز میں عبداللہ کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ ڈبڈبائی آنکھوں ٹوٹتی بکھرتی ڈوبتی آواز میں کہنے لگی۔

شاہ پسند آپ کی جان کے مقابلے میں یہ رقم تو کوئی حیثیت نہیں رکھتی اگر مجھے دنیا بھر کی بادشاہت بھی عطا کر دے تو میں اس پر بھی لات مار دوں۔ میں لعنت بھیجتی ہوں ایسی نقدی پر جو مجھے آپ کی جان کے عوض مہیا کی جا رہی ہو۔ میں دلاور خان سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کا کام کرنے کی کوشش کروں گی۔ صرف جاننے کے لئے کہ دیکھیں وہ اگلا قدم کیا اٹھاتے ہیں۔ میں صرف آپ کو یہ مطلع کرنے آئی تھی کہ آپ دلاور خان اور اس کے ساتھیوں سے محتاط رہیں۔ جہاں تک تعلق ہے میں تو آپ کی گود میں پڑا ہوا ایک بے ضرر ہار ہوں جسے آپ چاہیں تو میں ڈال لیں نہ چاہیں تو پاؤں سے مسل کے آگے نکل جائیں۔ میں آپ کے لئے ضرر ہوں۔ بلکہ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اگر کبھی کوئی ایسا موقع آیا جہاں آپ خطرہ ہوا تو آپ کی سلامتی اور آپ کی جان کی خاطر کامنی اپنے تن' من' دھن بازی لگا دے گی۔ شاہ پسند کامنی اب بھرت پور کی راجکماری نہیں ہے بلکہ ا مسلمان لڑکی کی حیثیت سے آپ کی خادمہ اور آپ کی لونڈی ہے اور اپنے آقا اپنے مالک کی حفاظت کرنا ایک خادمہ اور لونڈی پر فرض بنتا ہے۔

کامنی کی اس گفتگو کے بعد تھوڑی دیر عبداللہ اسے بڑے غور ور انہماک سے دیکھتا رہا پھر وہ کہنے لگا دیکھ کامنی اب تو واقعی حقیقی معنوں میں اپنے آپ کو تبدیل کر چکی ہے تو میں تیرا شکر گزار ہوں کہ تو نے مجھے دلاور خان کی سازش سے آگاہ کیا۔ دیکھ نقدی کی یہ تھیلی تو اپنے پاس رکھ۔ تیرے کام آئے گی اور جا اپنے خیمے میں جا کر آرام کر۔ اس پر کامنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ خداوند قدوس کا شکر ہے کہ آپ بدلے بدلے الفاظ میں مجھے مخاطب کر رہے ہیں۔ اللہ کا احسان ہے کہ آپ مجھے راجکماری کے بجائے کامنی کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں۔ آپ نقدی کی یہ تھیلی اپنے پاس رکھیں آپ جانتے ہیں کہ لشکر میں میری کوئی ضرورتیں ہی نہیں ہیں۔ اگر کسی موقع پر مجھے نقدی کی ضرورت ہوئی تو آپ سے مانگ لوں گی۔ اس کے ساتھ ہی کامنی اٹھ کر اپنے خیمے میں چلی گئی تھی۔



کامنی کو اپنے خیمے میں بیٹھے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ دلاور خان ایک بار پھر اس کے خیمے میں داخل ہوا۔ کامنی نے دیکھا اس کے چہرے پر نفرت اور بے پناہ غصے کے آثار تھے۔ اسے دیکھتے ہی کامنی کھڑی ہو گئی۔ بڑے غصے اور ناپسندیدہ سے انداز میں اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگی اب تم کیا چاہتے ہو۔ دلاور خان نزدیک آیا اور قہر بھرے انداز میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگا تم کیا سمجھتی ہو تم ہمیں بے وقوف بنا کر یہاں رہ سکو گی۔ اگر تم ہمارے ساتھ دھوکہ یا فریب کرو گی تو یاد رکھو اس لشکر میں نہ تمہاری جان نہ تمہاری عزت محفوظ رہ سکے گی۔

عبداللہ کے خیمے میں جا کر جو تم نے گفتگو کی ہے اس ساری گفتگو کی مجھے خبر ہو گئی ہے۔ تم نے اسے نقدی کی وہ تھیلی بھی پیش کر دی ہے جو میں نے تمہیں دی تھی اس پر یہ بھی انکشاف کر دیا ہے کہ میں نے تمہیں اس کے قتل کی ترغیب دی ہے۔

دلاور خان کے اس انکشاف پر کامنی بے چاری پیلی ہو کر رہ گئی تھی۔ کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ دلاور خان پھر بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ کامنی یہ مت بھولنا کہ تم اپنی من

مانی کر سکو گی میں سمجھتا ہوں تم عبداللہ سے انتقام لینے کو فراموش کر چکی ہو اور
سے محبت کرنے لگی ہو لیکن یاد رکھو یہ محبت تمہیں مہنگی پڑے گی۔ تم یہ سوچ رہی
گی کہ مجھے تمہاری اور عبداللہ کی گفتگو کا کیسے علم ہوا تو سنو عبداللہ کے خیمے
سامنے جو پہرہ دینے والے سپاہی ہیں انہیں سے کچھ میرے خاص آدمی ہیں ان میں
ایک نے مجھے تمہاری اور عبداللہ کی گفتگو کے ایک ایک لفظ سے آگاہ کر دیا ہے۔
کامنی تیرے لئے بہتری یہی ہے کہ جو ہم چاہتے ہیں تو وہ کر اب تو عبداللہ کے قتل
لئے نقدی قبول کر چکی ہے۔ اب تم پر یہ فرض بنتا ہے کہ جو ہم کہتے ہیں وہ کرو
اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم اپنی جان اپنی عزت دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گی اور ہمارے
مقابلے میں یہ عبداللہ بے چارہ تمہاری کوئی بھی مدد نہ کر سکے گا۔ دلاور خان کی ا
گفتگو سے کامنی بے چاری پریشان اداس افسردہ اور ملول سی ہو کر رہ گئی تھی۔ ا
کے پاس شاید الفاظ ہی ختم ہو گئے تھے کہ جنہیں استعمال کر کے وہ دلاور خان کو ا
جواب دیتی۔

عین اسی وقت طوفانی انداز میں عبداللہ اس خیمے میں داخل ہوا۔ کامنی نے د
اس لمحے عبداللہ کی آنکھیں ٹھہرے وقت کے جلال میں آتشیں لاوے اور چہرہ
رگوں میں آگ کی طرح جوش مارتے خون جیسا سماں پیش کر رہا تھا پھر طوفانی انداز
عبداللہ آگے بڑھا اتنی دیر تک دلاور خان بھی مڑتے ہوئے اس کو دیکھ چکا تھا۔ عبد
کو یوں اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر دلاور خان کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ عبداللہ قریب ا
ہی اولوں کی طرح برس پڑا اور دلاور کے منہ اور جسم کے دوسرے حصوں پر اس
طمانچے اور گھونسے مارنے شروع کر دیے تھے۔ عبداللہ کے مقابلے میں دلاور خان ا
آپ کو انتہائی بے بس اور لاچار محسوس کر رہا تھا پھر عبداللہ نے دلاور خان کو اٹھا
خیمے میں پٹخ دیا اور پاؤں کی ٹھوکریں لگا تار اس کے پیٹ پیٹھ اور جسم کے دوسرے
حصوں پر لگانے لگا تھا۔

کامنی بھاگ کر آگے بڑھی فکر مندی میں اس نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے ؟

پنچے ہوئے کہا بس کیجئے مر جائے گا اس پر عبداللہ خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا
یہ بے غیرت اس قدر جلدی نہیں مرتے۔ اس کے بعد عبداللہ نے بستر کی ایک
در اٹھائی اسے دلاور خان کے گلے میں پھندے کی طرح ڈالا اور دلاور خان کو گھسیٹتا
اوہ باہر لے گیا تھا۔

عین اسی وقت خیمے کے سامنے برخوردار خان نمودار ہوا۔ وہ یہ سارا سماں دیکھتے
ے دنگ رہ گیا تھا۔ عبداللہ کے ساتھ کامنی بھی اپنے خیمے سے باہر نکل آئی تھی اور
بداللہ کے پیچھے پیچھے ہو لی تھی۔ برخوردار شاید معاملے کی نزاکت کو سمجھ گیا تھا۔ لہٰذا
، کامنی کے قریب آیا بڑی شفقت بڑی نرمی میں پدرانہ محبت میں وہ اسے مخاطب
رتے ہوئے اس سے تفصیل حاصل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ کامنی
ے ساتھ وہ عبداللہ کے پیچھے پیچھے بھی جا رہا تھا۔

دلاور خان کو گھسیٹتا ہوا عبداللہ اسے اس کے خیمے میں لے گیا۔ خیمے میں پہلے
ے زال بیگ پوپلزئی۔ جمال خان اور عبدالخالق بیٹھے ہوئے تھے۔ عبداللہ دلاور کو لیکر
یے میں داخل ہوا اس کی گردن کے گرد لپیٹی ہوئی چادر اس نے ہٹا کر اپنے کندھے پر
رکھی پھر دلاور کی پیٹھ پر اس نے اس قوت سے لات ماری کہ دلاور بے چارہ لڑکھڑاتا
دا زال بیگ پوپلزئی کی گود میں جا گرا تھا۔

اس موقع پر عبداللہ جوش مارتی ہوئی آگ کے سے انداز میں ان چاروں کو
ناطب کر کے کہنے لگا۔

سنو۔ زخموں پر تفریط کے ٹانکے لگانے والو۔ قاتل چھریاں زخموں سے دھونے والو
میں جانتا ہوں تمہارے دل میں ابلیس کے ہونٹوں پر قرآن ہوتا ہے۔ بظاہر تم فرعون
جیسی سطوت، نمرود جیسا جلال رکھتے ہو اس کے باوجود میں جانتا ہوں تمہارے جیسے
لوگ سانپ ہوتے ہیں اور نماز پر اذان دینے والے اور بہروں کی انجمن میں نغمہ سرائی
کرنے والے ہو۔ تم لوگ موسیٰ کے عرفان میں زرتشت کے سورج کو خلط ملط کرنے
والے اور سینوں کے داغ جبینوں کے نشان میں گناہوں کی دہلیز کا رنگ رکھنے والے

ہو۔ سنو آج تم نے کامنی کو نقدی کا لالچ دے کر میرے قتل کا منصوبہ بنایا ہے۔ یہ موقع ہے میں تم لوگوں کو معاف کرتا ہوں۔ آئندہ پھر اگر کوئی ایسا دھوکہ اور خونی کھیل تم نے کھیلنے کی کوشش کی تو یاد رکھنا میں بیرم خان کا بیٹا رات کی تاری تم چاروں کی گردنیں کاٹ دوں گا۔ تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو جب میری تلوا لوگوں کے خلاف بے نیام ہو گی تو وہ صرف تمہاری گردن ہی کی نہیں تمہاری نسلو کو بھی کاٹ کر رکھ دیگی سن رکھو غداری کی دہلیز پر رقص کرنے والو! مجھے مجبور کرو کہ میں تم چاروں کے خلاف اپنی تلوار بے نیام کروں۔

اس کے ساتھ ہی عبداللہ جب ان کے خیمے سے نکلا تو اس نے دیکھا خیمے دروازے پر کامنی کے ساتھ برخوردار خان بھی کھڑا ہوا تھا۔ عین اس موقع پر برخو حرکت میں آیا لشکر کے کچھ سپاہی یہ ہنگامہ دیکھتے ہوئے وہاں جمع ہو گئے تھے۔ برخو نے فوراً انہیں حکم دیا کہ ان چاروں کے خیموں پر پہرہ دینا شروع کر دیں اور ان سے کسی کو بھی بھاگنے نہ دیں۔ اس پر عبداللہ برخوردار کے قریب آیا اور نرمی اسے مخاطب کر کے کہنے لگا برخوردار میرے محترم معاملے کو جانے دو رفع دفع ہو دو۔ اس پر برخوردار بڑی پدرانہ شفقت میں کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے اب تو خاموش رہ۔ دیکھ میرے بیٹے میرے بچے انہوں تیرے قتل کا منصوبہ نہیں بنایا بلکہ میرے شاہ ولی خان اور خود پاشا کے قتل کا منصو بنایا ہے اس لئے کہ ہم تینوں تمہیں اپنا بیٹا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا تو اب خاموش رہ۔ جا میں ان کے ساتھ کیسے نپٹتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی برخوردار تیز تیز قدم اٹھا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد عبداللہ نے کامنی کی طرف دیکھتے ہو کہا آؤ چلیں۔ کامنی عبداللہ کے ان الفاظ پر خوش ہو گئی تھی۔ چپ چاپ وہ اس ساتھ ہو لی۔

عبداللہ جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو کامنی اس کے خیمے کے دروازے پر گئی۔ عبداللہ جب خیمے کے وسط پر جا کر بیٹھا تب کامنی نے دروازے پر ہی کھ

رہتے ہوئے پوچھا اگر آپ اجازت دیں تو میں اندر آ جاؤں۔ اس پر عبداللہ کسی قدر نرمی اور محبت ملی ہوئی آواز میں کہنے لگا اس کے لئے تمہیں پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم جب چاہو میرے خیمے میں آ سکتی ہو۔ عبداللہ کا یہ جواب بھی کامنی کے لئے نیا اور انوکھا تھا۔

کامنی تھوڑی دیر تک عبداللہ کے سامنے بالکل بصیرت کی بند راہوں' اجڑے بام و در جیسی افسردہ' گنگ لبوں' دل فگار ساحل جیسی الجھی الجھی' غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ضمیر اور جڑ کٹی بیل جیسی ویران ویران' بے سحر آفاق دل افسردہ کے وسوسوں جیسی پریشان پریشان سی بیٹھی رہی۔ اس کے بعد شاید اس نے کچھ فیصلہ کیا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے وہ کہنے لگی۔

شاہ پسند خدا کے لئے بتائیے میں کس نوع کے محتسب۔ قلم کے کس فقیہ کے پاس جاؤں جو آپ کو یہ یقین دلا سکے کہ میں آپ کی ذات کے لئے زہر نہیں بلکہ اجالے کی تقسیم ہوں۔ خدا کے لئے مجھے بتائیے میں کس مفتی شہر کس قاضی بازار کے پاس جا کر انصاف طلب کروں۔ جو آپ کو یقین دلا سکے کہ آپ کے لئے میں زنگ کی دھار لہو کا پھول نہیں آپ کی غم زندگی کے لئے گیتوں کا رنگ خون رسیدہ زمین میں محبتوں کی شناسا' سراب لمحوں میں یادوں کی بکھری دھنک اور شیریں ذائقہ ہوں۔ کاش میرے پاس الفاظ ہوتے جو میں آپ کو یقین دلاتی کہ میں آپ کے لئے بے وفا نہیں۔ جانثار ہوں۔ کاش میرے پاس کوئی ایسا طریقہ ہوتا۔ میں آپ کو اپنا دل چیر کر دکھلا سکتی۔ آپ پر ثابت کر سکتی کہ آپ کی خوشی کی خاطر اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہے۔ اگر کوئی ایسا لمحہ آیا تو آپ دیکھیں گے میں اپنا تن' من' دھن غرضیکہ اپنی ذات کی ہر چیز آپ پر نچھاور کر دوں گی۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی جب تھوڑی دیر کے لئے خاموش ہوئی تو عبداللہ بولا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ کامنی تو کسی خوش فہمی یا کسی روگ اور وسوسے میں مبتلا نہ ہو جانا۔ میں تم

سے ناراض نہیں ہوں۔ نہ ہی میں تمہارے متعلق کوئی بد اعتمادی رکھتا ہوں۔ ان الفاظ کو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ اب مجھے تم پر بھروسہ ہے کہ تم مجھے نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔

عبداللہ کے ان الفاظ نے کامنی کی حالت یکسر بدل کے رکھ دی تھی۔ عبداللہ کے یہ الفاظ سن کر اس کی چشم نرگس میں چاندنی کی لطیف ہلچل، بہاروں کی برہنہ لہریں اور جوان خواہشیں رقص کر اٹھی تھیں۔ اس کے شنگرفی لبوں پر خواب زار، نشاط مستی، نغموں، سحر اور حسن مہتاب کی ضو جوش مارنے لگی تھی۔ جبکہ اس کے گداز رنگ گالوں پر نو بہاروں کے سرخ آنچل، عنبریں شام کے ان گنت افسانے اور سرمدی لطافتوں کی بہار رنگینیاں اپنا رنگ جما کر رہ گئی تھیں۔

کامنی بادل برساتی اور مسکراتی ہوئی آواز میں کہنے لگی شاہ پسند صرف ایک بار اور کہیئے کہ آپ کو مجھ پر اعتماد اور بھروسہ ہے اور یہ کہ آپ مجھ سے نفرت نہیں کرتے اور یہ کہ میں آپ کی دشمن نہیں جانثار ہوں۔ اس پر عبداللہ جھٹ بولا اور کہنے لگا ہاں میں تمہارے سامنے اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ اب مجھے تم پر بھروسہ اور اعتماد ہے۔ تم میری دشمن نہیں جانثار ہو اور یہ کہ میں تم سے ہرگز نفرت نہیں کرتا۔ اس موقع پر کامنی بے چاری کی حالت بڑی عجیب سی ہو کر رہ گئی تھی۔ تھوڑی دیر پہلے تک جہاں وہ شکست خوردہ، افسردہ سامان اور گلو بریدہ تمناؤں جیسی ہو رہی تھی وہاں اب وہ چاہتوں کے کھلے بادلوں جیسی شاداب، ابلتے چشموں کی چاندنی اور لبریز جام جیسی خوش کن دکھائی دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک کامنی پر ایسی کیفیت طاری رہی پھر اچانک اسے نہ جانے کیا ہوا ایک دم وہ آگے بڑھی اور لگا تار کئی بوسے اس شاہ پسند کے پاؤں کو دیدیئے تھے۔ عبداللہ نے ایک دم اپنا پاؤں پیچھے ہٹا لیا کامنی اس کے کندھوں سے پکڑ کر سیدھا کیا پھر وہ احتجاج کرنے کے انداز میں کہنے لگا۔

کامنی یہ تم کیا کر رہی ہو۔ تمہیں میرے پاؤں چوم کر میرا شکر گزار اور ممنون ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم نے اپنے رویئے سے ثابت کر دیا ہے کہ اب تم میرا

ن نہیں رہیں۔ اس پر کامنی سیدھی ہو کر بیٹھی اپنے لبوں پر اس نے گہری سلگتی راحت بکھیری پھر وہ اپنی آواز کی پوری شیرینی اور مٹھاس میں کہنے لگی۔

اب جبکہ آپ مجھے معاف کر چکے ہیں اور مجھ سے نفرت بھی نہیں کرتے میں سمجھتی ہوں کہ میں اس وقت دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی ہوں۔ اگر آپ ناراض یا خفا نہ ہوں تو اس موقع پر میں آپ سے دو باتیں پوچھنا چاہوں گی۔ جواب میں عبداللہ نے بڑی نرمی اور اپنائیت میں کہا پوچھو تم کیا پوچھنا چاہتی ہو۔ کامنی کہنے لگی۔

پہلی بات تو یہ بتایئے کہ آپ کی حفاظت کے لئے ایسے پہریدار کیوں ہیں جو اندر ہی اندر دلاور خان سے ملے ہوئے ہیں۔ اس پر عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا تمہیں شاید کوئی غلط فہمی ہوئی ہے کامنی۔ میرا وہ پہریدار جس کے متعلق دلاور نے کہا تھا کہ وہ اس کا آدمی ہے وہ میرے لئے انتہائی مخلص اور بھائیوں جیسا جانثار ہے۔ اس نے دلاور خان کے ساتھ ساز باز اس لئے کی کہ پتہ چلے کہ دلاور خان کیا کرنا چاہتا ہے اور جس وقت اس سے اطلاع پا کر دلاور خان تمہارے خیمے کی طرف گیا تھا اس نے مجھے بھی اطلاع کر دی تھی کہ دلاور خان تمہارے خیمے میں گیا ہے لہٰذا اسی کے اطلاع دینے پر میں بھی تمہارے خیمے میں آیا اور دلاور کی پٹائی کی۔ عبداللہ کا یہ جواب سن کر کامنی مطمئن ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک اس نے سوچا پھر وہ بولی اور کہنے لگی۔

میرا دوسرا سوال آپ سے یہ ہے کہ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اب بھی میں اسی خیمے میں علیحدہ پڑی رہوں جس میں آپ نے میرے رہنے کا انتظام کر رکھا ہے۔ وہاں میں اپنے آپ کو خطرے میں محسوس کرتی ہوں اور تنہا بھی ہوں۔ اس پر عبداللہ نے تیز نگاہوں سے کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تم کہاں رہنا چاہتی ہو۔ کامنی جھٹ بولی اور کہنے لگی اب جبکہ میرے اور آپ کے درمیان کوئی عداوت اور دشمنی نہیں اور یہ کہ آپ کی سلامتی مجھے جان سے بھی عزیز ہے میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کے خیمے میں رہوں۔ اس پر کسی کو کوئی اعتراض بھی نہیں ہو گا اس لئے کہ خود پاشا مجھے آپ کے حوالے کر چکے ہیں اور آپ کو اجازت دے چکے ہیں کہ چاہے تو مجھے اپنی بیوی بنا

لیں چاہے لونڈی بنا کر اپنے پاس رکھ لیں۔ اب یہ آپ کے فیصلے پر منحصر ہے کہ مجھے اپنے خیمے میں بیوی کی حیثیت سے رکھئے یا لونڈی بنا کر۔ جس طرح بھی رکھیں گے ہر طرح سے میں آپ کی خدمت کروں گی۔

کامنی کے اس استفسار پر عبداللہ تھوڑی دیر کچھ سوچتا رہا۔ اس کی گردن جھکی رہی پھر اس نے دوبارہ کامنی کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔ دیکھ کامنی میں تجھے اجازت دیتا ہوں کہ تو اپنا سارا سامان اٹھا کر میرے خیمے میں لے آ۔ تو یہاں رہ سکتی ہے لیکن لونڈی کی حیثیت سے نہیں ایک معزز۔ محترم اور ذی عزت مہمان کی حیثیت سے۔ اس پر کامنی جھٹ بولی اور کہنے لگی کیا میں یہ سمجھ لوں کہ میں اس قابل نہیں کہ آپ کی بیوی بن سکوں۔ اس پر عبداللہ افسردہ ہو گیا اور کہنے لگا۔ دیکھ کامنی میں تجھ سے اب کوئی چیز چھپاؤں گا نہیں۔ مجھے بے حد خوشی اور اطمینان ہے کہ تم نے میری خاطر اپنے آپ کو تبدیل کر لیا ہے۔ تمہارے حوالے سے میرے لئے یہ چیز بھی باعث دلجمعی ہے کہ تم مسلمان ہو چکی ہو رہا سوال شادی کرنے کا تو دیکھ کامنی میں ابھی شادی نہیں کر سکتا۔ تو جانتی ہے کہ میرے دونوں پاؤں میں ابھی تک لوہے کے کڑے پڑے ہوئے ہیں اور یہ اسی وقت ہی کٹ کر علیحدہ ہو سکتے ہیں جب تک میں اپنے ماں باپ کے قاتلوں کو قتل نہیں کرتا اور قاتل بھی بڑے دراز دست اور صاحب حیثیت لوگ ہیں۔ ایک ہرات کا سابق حکمران امیر خان ہے اور دوسرا کابل کا سابق حکمران نصیر خان ہے۔ ان دونوں کا خاتمہ کرنے کے بعد میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ میں اپنے پاؤں کے دونوں کڑے کٹوانے کے بعد تمہارے ساتھ شادی کر لوں گا۔ اگر تم اس وقت تک انتظار کر سکتی ہو تو کر لو۔ اس پر کامنی فوراً بولی اور کہنے لگی۔

دیکھئے شاہ پسند اب پہلے والی بات نہیں رہی۔ اب آپ میری زندگی' میری جان' میرے جسم کے لئے گل ہائے چمن کی خوشبو' بر سر اقتدار خاموشی میں بصیرت کی بیداری' زنجیروں کے اسیر لمحوں میں نور قمر کی لطافت ہیں۔ شاہ پسند میرے حبیب' اب آپ میرے لئے میری روح میری جان کے لئے نغمہ عبودیت الاپنے والا لمحہ' ظلمتوں

زول کرنے والا فرشتہ' سحر آفرین نگاہوں میں آزادی کی جھنکار' میرے مضمحل جسم برپور قوت ہیں۔ کاش میں اس قابل ہوتی کہ اپنا دل کھول کر آپ کو دکھا سکتی کہ ے متعلق میرے پاس کیسے اور کس طرح کے جذبات اور خیالات ہیں۔ شاہ پسند کے دونوں پاؤں میں پڑے ہوئے لوہے کے کڑے کٹنے کا انتظار کرنا تو کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ قسم اس کائنات کے پیدا کرنے والے رب کی میں تو اپنی موت کی ہچکی تک بھی آپ کا انتظار کر سکتی ہوں۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر اس نے غور سے عبداللہ کی طرف دیکھا پھر کہنے لگی۔ شاہ پسند کاش میں اس ہوتی کہ آپ کو بتا سکتی کہ آپ وہ پہلی ہستی ہیں جس نے میرے ٹوٹے ماضی کے ز میں زمزموں کی ساحری' میری روح پر چھائی آہنی ہیبت میں خوشبوئے پرسکون' روح کے سکون زاروں میں محبت کے عطیوں کا خمار' میری بنجر زمین جیسی زندگی انجان امنگیں' لذتوں کی رنگین مستی اور میرے نظر و دل کے پیچ و تاب میں ں کا قرب بھر کر رکھ دیا ہے۔ اب میرا آپ کے بغیر جینا ایسے ہی دشوار اور ا ہے جیسے بحر کے بغیر موج' جیسے شجر کے بغیر سایہ' جیسے چاند کے بغیر چاندنی' جیسے کے بغیر فانی جسم۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی خاموش ہو گئی۔ اس کی اس گفتگو کے جواب میں للہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خیمے کے دروازے پر اس کا محافظ نمودار ہوا اور اسے ب کر کے کہنے لگا۔

شاہ پسند آپ کو فی الفور پاشا نے طلب کیا ہے۔ پہریدار کے ان الفاظ پر کامنی ک پڑی اور عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی میرا خیال ہے برخوردار نے مک دلاور خان اور اس کے ساتھیوں کے آپ کے ساتھ جھگڑے کی تفصیل بتا دی اور اسی سلسلے میں شاید پاشا نے آپ کو طلب کیا ہے۔ اگر آپ کہیں تو میں بھی کے ساتھ چلتی ہوں تاکہ میں خود اپنی زبان سے پاشا کو آگاہ کر سکوں۔

عبداللہ اپنی جگہ اٹھ کھڑا ہوا اور محبت بھری نگاہوں سے کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا دیکھ کامنی تو یہیں بیٹھ۔ میں اکیلا ہی پاشا کی طرف جاتا ہوں اور دیکھتا ہوں اس سلسلے میں وہ کیا کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ اپنے خیمے سے نکل گیا تھا۔

عبداللہ جب احمد شاہ ابدالی کے محل نما خیمے کے قریب گیا تو اس نے دیکھا چڑے کے اس خیمے سے باہر احمد شاہ ابدالی کے علاوہ شاہ ولی خان' برخوردار خان اور جہان خان کھڑے ہوئے تھے اور ان کے سامنے دلاور خان' جمال خان' زال بیگ پوپلزئی اور احمد شاہ ابدالی کے بھتیجے عبدالخالق نے یوں کان پکڑ رکھے تھے جیسے سبق یاد نہ کرنے پر کوئی استاد بچوں کو کان پکڑا دیتا ہے۔ عبداللہ جب احمد شاہ ابدالی کے قریب گیا تو احمد شاہ ابدالی بڑی شفقت میں عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے۔ میرے فرزند۔ مجھے برخوردار کی زبان سے وہ سارے حالات تفصیل کے ساتھ پہنچ گئے ہیں جن کے تحت اس دلاور خان اور اس کے ساتھیوں نے تمہارے ساتھ بدتمیزی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ دیکھ عبداللہ میں نے ان چاروں کو کان پکڑا رکھے ہیں اب تو اپنے پاؤں سے جوتا اتار اور ان کان پکڑنے والے چاروں کی پیٹھ پر دس دس ضربیں لگا تاکہ انہیں احساس ہو کہ شاہ پسند کے خلاف سازش کرنے کے کیا نتائج رونما ہو سکتے ہیں۔ اس پر عبداللہ آگے بڑھا اور بڑی نرمی اور معصومیت میں احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاشا آپ کی مہربانی آپ انہیں معاف کر دیں میں بھی انہیں معاف کر چکا ہوں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی انتہائی غصے میں ان چاروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دنیا کے ذلیل ترین چاروں انسانوں' کان چھوڑ دو اور اپنی جگہ پر اٹھ کھڑے ہو۔ ان چاروں نے کان چھوڑ دیئے اور اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ احمد شاہ پھر بولا اور ان چاروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

تم چاروں میری بات غور سے سنو۔ آج میں نے تمہیں صرف اور صرف شاہ

ے کہنے پر معاف کر دیا ہے۔ آئندہ اگر تم نے ایسی ہی کوئی حرکت کرنے کی ش کی یا تمہارے ایمایا تمہارے انگیخت پر کسی نے شاہ پسند کو نقصان پہنچانے وشش کی تو واللہ میں تم چاروں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔ اب تم جا کر خیمے میں آرام کر سکتے ہو۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم سنتے ہی زال بیگ پوپلزئی' خان' دلاور خان اور عبدالخالق چاروں وہاں سے چلے گئے تھے۔

اسی لمحہ پچھلی طرف کے خیموں سے درویش عبیداللہ بھی ہلکے ہلکے مسکراتا ہوا نکلا احمد شاہ ابدالی کے قریب آ کھڑا ہوا۔ اس نے بھی احمد شاہ ابدالی کے سامنے ان وں کو کان پکڑے ہوئے دیکھ لیا تھا پھر درویش عبیداللہ احمد شاہ ابدالی کی طرف تے ہوئے کہنے لگا۔

پاشا آپ کے حکم کے مطابق ہرات کے سابق حکمران امیر خان کی تلاش میں دو ں کو روانہ کر دیا ہے۔ اس پر عبداللہ نے چونک کر درویش عبیداللہ کی طرف اور تعجب خیز سے لہجے میں اس نے پوچھا عم عبیداللہ وہ کاہے کے لئے۔ اس پر للہ نے ایک بار گہری نگاہوں سے احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھا پھر احمد شاہ کا پا کر درویش عبیداللہ بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھ شاہ پسند عنقریب ہم ہندوستان کی اس مہم سے فارغ ہوا چاہتے ہیں۔ پاشا حکم کے مطابق دو سپاہی امیر خان کی تلاش میں اس لئے روانہ کئے ہیں کہ جب واپس قندھار جائے تو وہ سپاہی اطلاع کریں کہ امیر خان نے اس وقت کہاں قیام رکھا ہے تاکہ تم اس سے اپنے ماں باپ کا انتقام لے سکو اور اپنے پاؤں میں پڑے ئے ایک لوہے کے کڑے سے نجات حاصل کرو۔ امیر خان سے نمٹنے کے بعد کابل سابق حکمران نصیر خان کا نمبر آئے گا۔

درویش عبیداللہ کے اس انکشاف پر عبداللہ خوش ہوا اور بڑی ممنونیت سے وہ شاہ ابدالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا میں آپ کا شکر گزار اور احسان مند ں کہ آپ میرا اس قدر خیال رکھتے ہیں۔ اگر ہندوستان کی اس مہم سے قندھار

واپسی تک یہاں سے روانہ ہونے والے دونوں سپاہیوں نے ہرات کے سابق حکمران امیر خان کا پتہ لگا لیا تو اس سے انتقام لینے میں مجھے بڑی آسانی رہے گی۔ اس پر ا شاہ بولا اور بڑی شفقت اور پدرانہ محبت میں وہ عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہے۔ نہ ہی تمہیں میرا شکر گزا اور ممنون ہونے کی ضرورت ہے۔ میں جو کچھ کر رہا ہوں میرے بیٹے یہ میرے فرائض میں شامل ہے اور ہاں میں تم سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ تم نے کامنی کو علیحدہ خ میں کیوں ٹھہرایا ہے۔ کیا تم اسے ناپسند کرتے ہو۔ کیا تم اسے اپنی زندگی کا سا نہیں بنانا چاہتے۔ یا یہ کہ تمہیں اس سے محبت کے بجائے نفرت ہے۔ اس پر شاہ پ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگا۔

پاشا ایسی کوئی بات نہیں اب وہ علیحدہ خیمے میں نہیں بلکہ میرے ہی خیمے میں قیام کرے گی۔ مجھے اس سے نفرت نہیں ہے پاشا۔ میرے حق میں اس سے ایک غلطی ضرور ہوئی لیکن وہ اب اپنی اس غلطی پر بڑی پریشان اور شرمندہ ہے اور اس نے بڑے خلوص نیت کے ساتھ اپنی اس غلطی کی معافی مانگ لی ہے اور میں نے اسے معاف بھی کر دیا ہے۔ اب وہ میرے ساتھ میرے خیمے میں رہے گی لیکن پاشا میں اس سے شادی اس وقت کروں گا جب میں امیر خان اور نصیر خان دونوں سے اپنے ماں باپ کا انتقام نہیں لے لیتا۔ اس پر احمد شاہ ابدالی نے کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تو کیا میں یہ سمجھوں کہ تم کامنی کو پسند کرتے ہو۔ اس پر عبداللہ نے تھوڑی دیر بڑے غور سے احمد شاہ کی طرف دیکھا پھر وہ گردن جھکاتے ہوئے کہنے لگا۔ ہاں پاشا کچھ ایسی ہی بات ہے۔ احمد شاہ ابدالی پھر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے لئے وہ دن سب سے بڑی خوشی کا دن ہو گا جس روز امیر خان اور نصیر خان سے اپنے انتقام کی تکمیل کرنے کے بعد تم کامنی سے بیاہ کرو گے۔ ہماری ہندوستان سے قندھار واپسی تک تمہارے اور تمہارے عم زاد قاسم کے مکان بھی تیار ہو چکے ہوں گے۔ میں شاہ پسند تمہیں خوش اور اپنی بیوی کے ساتھ ہنستا بستا دیکھنا

۔ میں سمجھتا ہوں کہ تم دنیا کے خوش قسمت ترین انسان ہو جسے کامنی جیسی بصورت اور پر کشش لڑکی پسند کرتی ہے اور محبت کرتی ہے۔ میں نے ی سرزمین میں جس قدر لڑکیاں دیکھی ہیں کامنی جیسی لڑکی آج تک میں نے ذبصورتی حسن جوانی اور جذب و کشش میں اس جیسی نہیں دیکھی۔ عبداللہ ی والا تھا کہ اسی لمحہ درویش عبیداللہ حرکت میں آیا اور وہاں سے وہ چلا گیا پسند نے کچھ سوچا پھر وہ احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

ا کامنی ظاہری خوبصورتی اور حسن کے ساتھ ساتھ باطنی جرات اور حسن بھی ہے۔ گو شروع شروع میں میرے اور اس کے درمیان نفرت حائل تھی اس لئے وں کی ملاقات ہی کچھ اس طرح ہوئی تھی کہ وہ میرے ساتھ نفرت کرنے لگی میں نے مرہٹوں کے ہاتھوں اس کی عزت بچائی تو اس کی زندگی میں ایک پا ہو گیا اور جس قدر شدت سے وہ مجھ سے نفرت کرتی تھی اس سے کہیں ت کے ساتھ وہ مجھے پسند اور محبت کرنے لگی۔

اللہ کی اس گفتگو سے احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار اس نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور اپنے خیمے میں لے گیا۔ شاہ ولی خان، جہان الی اور برخوردار بھی ان کے پیچھے خیمے میں داخل ہو گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی ایک کونے میں رکھے لکڑی کا صندوق کو کھولا جسے قفل لگا ہوا تھا۔ اس سے ا ایک تھیلی اس نے نکالی اور شاہ پسند کو تھماتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے اب جبکہ کامنی بھی تمہارے ساتھ رہے گی تمہارے بڑھ جائیں گے۔ نقدی کی یہ تھیلی اپنے پاس رکھو اور اس سے اپنے اور اخراجات پورے کرو۔ عبداللہ نے ہاتھ آگے بڑھا کر نقدی کی تھیلی لے لی ۔ وہ سنہرے سکوں سے بھری ہوئی تھی۔ تھیلی کا جائزہ لیتے ہوئے عبداللہ ے انداز میں احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا اس قدر کیا کروں گا۔ جواب میں احمد شاہ ابدالی کہنے لگا۔ شاہ پسند تم بھی بھولے ہی

ہو۔ بیٹے اب کامنی تمہارے ساتھ ہے تم دونوں کی شادی ہو گی تمہارے بچے
گے تو یہی رقم تمہارے کام آئے گی۔ میرے خیال میں اب تم خیمے میں جاؤ۔ وہ
بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہو گی۔ احمد شاہ ابدالی کے ان الفاظ سے عبداللہ
کے چہرے پر حیا میں ڈوبی ہوئی ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھری تھی پھر وہ چپ چاپ اٹھ کر
ابدالی کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

عبداللہ جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے کے وسط میں کامنی
بیٹھی ہوئی تھی اور وہ عبداللہ کو دیکھ کے مسکرانے لگی تھی۔ عبداللہ اس کے سامنے
کر بیٹھ گیا پھر بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ کیا کوئی خاص بات
ہے کہ تم مجھے دیکھتے ہوئے مسکرائے جا رہی ہو۔ اس پر کامنی کہنے لگی ہاں۔ خاص
بات ہے۔ اسی لئے مسکرا رہی ہوں۔ اس پر عبداللہ نے بھی مسکراتے ہوئے پوچھا
اگر کوئی خاص بات ہے تو مجھے بھی کہو۔ جواب میں کامنی کھل کر ہنستے ہوئے کہنے لگی
خاص بات یہ ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے خیمے کے سامنے دلاور خان، نجف
خان، عبدالخالق اور زال بیگ پوپلزئی کے کان پکڑائے اور آپ سے کہا کہ ان کی
پر جوتے ماریں اور جواب میں آپ نے ان چاروں کو معاف کر دیا۔ دوسری خاص بات
جو میری مسکراہٹ کا باعث ہے وہ یہ کہ آپ نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے اس بات
کا اقرار کر لیا ہے کہ آپ مجھ سے نفرت نہیں محبت کرتے ہیں۔ عبداللہ نے تعجب
انداز میں کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تجھے یہ ساری باتیں کس نے بتائیں۔ کامنی
اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہنے لگی۔

آپ اس بات کو چھوڑیئے کہ یہ باتیں مجھے کس نے بتائیں۔ پہلے یہ کہیئے کہ
کچھ میں نے کہا ہے یہ سچ ہے۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا ہاں۔ احمد شاہ ابدالی نے
چاروں کے کان پکڑوائے پھر مجھے انہیں جوتے مارنے کے لئے کہا اور میں تمہارے
سامنے اس بات کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ میں نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے یہ کہا
کہ میں کامنی سے نفرت نہیں بلکہ اس سے محبت کرتا ہوں۔ کامنی فوراً سنجیدہ ہو

…جسم کی پوری مٹھاس اور آنکھوں میں چاہتوں اور محبتوں کے طوفان بھرتے ہوئے
…شاہ پسند میرے پاس الفاظ نہیں جنہیں ادا کر کے میں آپ کا شکر ادا کر سکوں۔
…نے مجھے لب بستہ جس رت سے مشکبور رہ گزر، مجبور روتے شجر سے خواب
…ں کا گلستان بنا کر رکھ دیا ہے۔ آپ نے مجھے بخت سیاہ سے تجلی میں ڈھلتے مقدر،
…زاروں میں منجمد جذبوں سے آرزوؤں کے سنہرے موسم اور بنجر زمین سے نمی
…آشنا مٹی میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد کامنی تھوڑی دیر کے لئے
…پھر وہ عجیب سی سپردگی اور مٹھاس میں کہہ رہی تھی۔

…شاہ پسند میرے حبیب میں تو بکھری بکھری پتیوں جیسی تھی۔ آپ نے مجھے محبت
…کر بھٹ کی امیدوں کا پھول بنا دیا ہے۔ میں آپ کی ممنون آپ کی شکر گزار
…کہ آپ نے مجھے ضمیر وقت جیسی توقیر، روح کائنات جیسی عزت، سحابوں جیسی
…کی نمی، ستاروں کی مناجات جیسی رفعت اور رواں بادلوں جیسی بلندی عطا کر دی
…یہاں تک کہنے کے بعد کامنی جب خاموش ہوئی تو شاہ پسند نے بڑی سنجیدگی سے
…کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

…کامنی میرا شکریہ تو تم کچھ اس انداز میں کر رہی ہو جیسے ہم دونوں ایک دوسرے
…کے لئے اجنبی اور نا آشنا ہیں۔ اس پر کامنی فوراً بولی اور کہنے لگی خدا نہ کرے کہ میں
…آپ ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور نا آشنا ہوں۔ اب تو آپ میرے جسم کا
…اور میں آپ کی تجسیم کا ایک اعضا ہوں۔ اب آپ کے بغیر زندگی بسر کرنا یا
…کے بغیر دن گزارنا خود اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف لگتا ہے۔ بہرحال
…آپ کا میں ساری عمر ادا کرتی رہوں گی اور ایسا کرنے سے آپ مجھے روک
…سکتے۔ اس لئے کہ آپ نے مجھے محبتوں اور چاہتوں کی نئی جہت اور زندگی کے
…اور نئے زاویوں سے آشنا کیا ہے۔

…جواب میں عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا اچھا کامنی باتیں بند۔ لو یہ سنبھالو
…نقدی کی تھیلی عبداللہ نے کامنی کی گود میں رکھ دی تھی۔ کامنی نے بڑے

تعجب سے اس تھیلی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا یہ کیا ہے۔ عبداللہ کہنے لگا کھول کر دیکھ لو۔ کامنی نے تھیلی کھول کر دیکھی تو وہ سنہرے سکوں سے بھری تھی۔ بڑے تعجب میں کامنی عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی میں اتنی دولت کیا کروں گی۔ اس پر عبداللہ نے بلا جھجک اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کامنی کا بازو پکڑ اٹھایا اور کہنے لگا میرے ساتھ آؤ۔ کامنی بے چاری چپ چاپ اٹھ کر عبداللہ کے ساتھ ہو لی۔ عبداللہ نے اپنے خیمے کے ایک طرف لے جا کر ایک صندوق کھولا کامنی سے کہنے لگا اس میں دیکھو کیا کیا ہے۔ کامنی وہاں بیٹھ کر صندوق کا جائزہ لینے لگی اس میں عبداللہ کے کچھ کپڑوں کے علاوہ نقدی کی دو تھیلیاں بھی تھیں۔ کامنی ساری چیزوں کا جائزہ لے چکی تو عبداللہ فیصلہ کن انداز میں بولا اور کہنے لگا

کامنی یہ لو۔ اس صندوق کا تالہ اور چابی آج سے اس صندوق کی تم ہی مالک ہو اور ہاں اپنے خیمے میں جا کر اپنے سارے کپڑے اور ذاتی سامان اٹھا کر یہاں لے آؤ اب تم یہیں میرے خیمے میں رہو گی اس خیمے کی مالک اب تم ہو اور اس کی ہر شے اب تمہاری حفاظت اور نگرانی میں رہے گی۔ کامنی اندر ہی اندر خوشیوں اور چاہتوں میں ڈوبی جا رہی تھی۔ تاہم اس نے اپنے چہرے پر مصنوعی سنجیدگی طاری کرتے ہوئے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

آپ یہ جو مجھ پر اتنا بھروسہ اور اعتماد کر رہے ہیں اگر میں آپ کی یہ ساری دولت لیکر بھرت پور کی طرف بھاگ گئی تب آپ کا کیا بنے گا۔ جواب میں عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ کامنی اگر تم ایسا کرو گی تو اللہ مجھے اور دے گا لیکن میرا دل کہتا ہے اب تم ایسا نہیں کر سکتیں۔ تم میرے ساتھ رہو گی میری زندگی کا ساتھ اور میرے دل کا ہمراز بن کے۔ اس پر کامنی آگے بڑھی اور بری طرح وہ شاہ پسند کی ٹانگوں سے لپٹ گئی پھر وہ چہرہ اوپر اٹھا کر پر نم آنکھوں میں کہنے لگی۔ شاہ پسند کامنی مر سکتی ہے میں در گور ہو سکتی ہے لیکن آپ کو چھوڑ کر اب کہیں نہیں جا سکتی۔

عبداللہ نے بازو سے پکڑ کر کامنی کو اوپر اٹھایا پھر وہ کہنے لگا اچھا میری

تو۔ دوسرے خیمے سے تمہارا سارا سامان بھی یہاں لے آئیں اور پھر تم آرام کرو۔ کامنی چپ چاپ عبداللہ کے ساتھ ہو لی۔ پھر وہ دونوں دوسرے خیمے سے سامان لا کر اپنے خیمے میں جمانے لگے تھے۔

○

گوکل کے میدانوں میں مرہٹوں اور سورج مل کے لشکر کو بدترین شکست دینے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے متھرا شہر کے نزدیک اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کر لیا تھا جبکہ جہان خان کو اپنے لشکر کا ایک حصہ دیکر آگرہ کی طرف روانہ کیا۔ آگرہ میں گو شہر کی حفاظت کے لئے خاصہ بڑا لشکر تھا لیکن لوگ جنگ کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ انہیں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں دوسرے شہروں کی بربادی کی خبریں پہنچ چکی تھیں۔ لہٰذا جنگ کرنے کے بجائے انہوں نے تاوان دینا منظور کر کے جہان خان کے ساتھ صلح کر لی تھی۔ لہٰذا جہان خان اپنے لشکر کو لیکر واپس احمد شاہ ابدالی کے پاس متھرا کے نزدیک آ گیا تھا۔

متھرا کے نواح میں قیام کے دوران احمد شاہ ابدالی نے بھرت پور کے راجہ سورج مل پر بھی تاوان مقرر کیا۔ اسی دوران احمد شاہ ابدالی کا لشکر ایک مصیبت میں مبتلا ہو گیا اس لئے کہ متھرا اور اس کے گردو نواح میں جنگ کے دوران بے شمار لوگ احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔ لاشیں جگہ جگہ گل سڑ رہی تھیں جس کی بنا پر احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں ہیضہ پھیل گیا تھا۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے شمالی ہندی کی طرف مزید پیش قدمی کرنے کے بجائے اپنے لشکر کے ساتھ واپس قندھار جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ کوچ سے پہلے احمد شاہ ابدالی نے دو کام کیے۔

پہلا کام یہ کہ اس نے دہلی میں مغل شہنشاہ شاہ عالم گیر ثانی کی طرف اپنے قاصد بھجوائے اور اسے اطلاع دی کہ وہ مرہٹوں اور جاٹوں کے خلاف جنگ ترک کر کے دہلی آ رہا ہے وہاں سے وہ قندھار کا رخ کرے گا۔ قاصدوں کے ہاتھ احمد شاہ نے یہ بھی پیغام بھجوایا کہ وہ دہلی میں چند روز قیام کرے گا اور اس دوران وہ ہندوستان کے

سابق شہنشاہ محمد شاہ کی لڑکی شہزادی حضرت بیگم سے شادی کرنا پسند کرے گا۔ دہلی
قیام کے دوران احمد شاہ نے حضرت بیگم کو کہیں دیکھ لیا تھا بس تب سے وہ اسے
کرنے لگا تھا لہٰذا اس نے حضرت بیگم سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

دوسرا کام اس نے یہ کیا کہ اپنے قاصد اس نے بھرت پور کے راجہ سورج
کی طرف روانہ کئے اور اسے جلد از جلد تاوان جنگ ادا کرنے کی تنبیہہ کی اور
ہی اسے دھمکی دی کہ اگر اس نے ادائیگی میں لیت و لال سے کام لیا تو اس کے
تین قلعے جو ابھی تک جنگ سے بچے ہوئے ہیں جن کے نام ڈگ، کمہیر اور بھرت
ہیں ان کو بھی بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالا جائے گا اور تباہی کی ساری ذمہ داری سورج
پر ہو گی۔

اس دھمکی کے جواب میں سورج مل نے احمد شاہ ابدالی کے قاصدوں کے
ایک پیغام بھجوایا جو مندرجہ ذیل تھا۔

"ہندوستان کی سلطنت میں میری حیثیت تو برائے نام ہے میں تو صحرائی زمین
ہوں۔ کسی شہنشاہ کو آج تک دخل اندازی کا خیال نہ آیا۔ پر آپ جیسے طاقتور با
میری مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں اور مجھ جیسے ایک معمولی انسان کے خلاف
کشی کرنے کا خیال رکھتے ہیں تو یہ آپ کے وقار کے خلاف اور میرے لئے با
افتخار ہو گا۔

دنیا کہے گی کہ ایران اور توران کے بادشاہ نے ایک فقیر بے نوا پر فوج کشی
ہے۔ یہ الفاظ آپ جیسے تاجوں کے بخشنے والے کے لئے باعث ندامت ہوں گے
اس کا انجام بھی غیر یقینی ہے اگر آپ جاہ و چشم سے مجھ کمزور کو نابود کر دیں۔
آپ کو کیا فائدہ حاصل ہو گا لیکن اگر مشیت ایزدی سے معاملہ بگڑ جائے گا تو ا
انجام کیا ہو گا۔ جہاں پناہ سپاہ نے جو شان و شوکت گیارہ سال کی مدت میں حاص
ہے وہ سب اکارت چلی جائے گی۔

یہ امر حیران کن ہے کہ آپ جیسے عالی حوصلہ شہنشاہ نے اس معمولی بات

یں کی ہے اور لاؤ لشکر کے ساتھ اس معمولی مہم کے لئے زحمت گوارہ فرمائی ہے رہی
ل و غارت اور ملک کی تباہی کی دھمکی تو سورماؤں کو اس کا فکر نہیں ہوتا۔ یہ سب
معلوم ہے کہ اس ناپائیدار زندگی پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ میری عمر پچاس برس
ہو چکی ہے اور باقی ماندہ کا پتہ نہیں۔ میرے لئے میدان جنگ میں جنگجوؤں کے
تھ جام شہادت پینا تاریخ کے صفحات میں اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کو
ت کرتا ہے کہ ایک بیکس انسان نے کس طرح عظیم القدرت شہنشاہ کا مقابلہ کیا۔

اور پھر جان سے مارا گیا تو باعث افتخار ہو گا میرے ہمراہی اور ساتھیوں کے عزائم
ی ایسے ہی ہیں پھر میں آپ کی آستانہ بوسی کا قصد بھی کروں تو دوستوں کی عزت و
ت ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ دریں حالات میں شہنشاہ عالی جاہ سے
ل و انصاف کا مداح ہوں مجھ جیسے ضعیف اور ناتواں انسان کو معاف کر کے کسی اہم
م کا قصد کریں تو بیشک آپ کی شان و شوکت کو کسی قسم کا نقصان پہنچے گا۔

محترم شہنشاہ اب رہا آپ کا غیض و غضب تین قلعوں پر جن کو آپ تار
بوت سمجھتے ہیں تو اس کا فیصلہ میدان جنگ میں ہو گا۔ اللہ کو منظور ہو گا تو وہ سد
کندری جیسا مستحکم ثابت ہو سکتے ہیں۔"

سورج مل کا یہ خط پڑھ کر احمد شاہ ابدالی نے سورج مل کے خلاف مزید کارروائی
رنا پسند نہ کی۔ دوسری طرف ہیضہ کے پھوٹ پڑنے سے بے شمار جانوں کا نقصان ہو
ہا تھا۔ موسم گرما کی روز افزوں تپش افغانوں کے لئے ناقابل برداشت ثابت ہو رہی
ی۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی سورج مل اور مرہٹوں کے خلاف مزید کوئی کارروائی نہیں کرنا
ہتا تھا۔ اپنے لشکر کو ہیضے کے مزید نقصانات سے بچانے کے لئے اس نے دہلی کی
رف کوچ کیا۔

دہلی پہنچ کر احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ سونی پت کے میدانوں میں
ام کیا۔ اسی قیام کے دوران ہندوستان کے سابق شہنشاہ محمد شاہ کی بیٹی حضرت بیگم کا
ح احمد شاہ ابدالی سے پڑھا دیا گیا۔ چند روز مزید قیام کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی

اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی ہندوستان سے جو مال غنیمت لے گیا اس کا اندازہ کچھ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں بارہ کروڑ کے لگ بھگ نقد رقم تھی اس کے علاوہ اٹھائیس ہزار ہاتھی، اونٹ، خچر، بیل اور چھکڑے سامان اور مال و متاع سے لدے ہوئے تھے اسی ہزار پیادے اور سوار سوج نے لوٹ کر اپنا اپنا حصہ الگ اٹھا رکھا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے سواروں نے اپنا مال و متاع گھوڑوں پر رکھ دیا تھا اور خود پیدل چل رہے تھے۔ اس کے علاوہ سابق مغل شہنشاہ کی بیٹی حضرت بیگم جس کا نکاح احمد شاہ ابدالی سے ہوا تھا اس کے ذاتی سامان کے دو سو اونٹ بھی احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل تھے۔

دہلی کے نواح میں سونی پت سے کوچ کرتے وقت احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان میں اپنے مقبوضہ جات کا حکمران اپنے بیٹے تیمور کو مقرر کیا اور اپنے سپہ سالار جہان خان کو اس کا نائب مقرر کیا۔ ہندوستان میں اپنے سارے مقبوضہ جات کا مرکز احمد شاہ ابدالی نے لاہور کو مقرر کیا اور اپنے بیٹے تیمور اور جہان خان کو اس نے حکم دیا کہ لشکر کا ایک حصہ لیکر وہ برق رفتاری سے لاہور کی طرف جائیں اور لاہور میں اس کی آمد سے پہلے پہلے وہ سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم پاتے ہی شہزادہ تیمور اور جہان خان لشکر کے ایک حصے کے ساتھ لاہور کی طرف کوچ کر گئے تھے۔

شہزادہ تیمور اور جہان خان مال و متاع سے لدے پھندے لاہور کی طرف جا رہے تھے کہ سکھوں کا ایک منظم لشکر ان پر حملہ آور ہوا اور پٹیالہ کے قریب زور دار حملہ کر کے تیمور کے لشکر کے ایک حصے کو لوٹ کر روپوش ہو گیا۔ تیمور اور جہان خان آگے بڑھتے ہوئے جب مال لیکر کوٹلہ کے قریب گئے تو ایک بار پھر سکھ اچانک ان پر حملہ آور ہوئے اور ان کے لشکر کے ایک بڑے حصے کو لوٹ کر پھر غائب ہو گئے تھے۔

سکھوں کی اس حرکت سے شہزادہ تیمور اور جہان خان بڑے برافروختہ ہوئے لہٰذا وہ آگے بڑھتے ہوئے سکھوں کے شہر کرتار پور پر حملہ آور ہوئے اور اس شہر

ر کے اسے فتح کر کے اسے جلا کر خاک و سیاہ کر دیا۔ یہ شہر سکھوں کے نزدیک لئے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا کہ ان کے پانچویں اور چھٹے گرو ارجن اور ہرگوبند مقدس یاد میں اس شہر میں گردوارے بنے ہوئے تھے۔ جو شہزادہ تیمور نے گرا کر ین بوس کر دیئے تھے۔

شہزادہ تیمور اور جہان خان کے پیچھے ہی پیچھے احمد شاہ ابدالی بھی اپنے لشکر کے تھ پیش قدمی کرتا چلا آ رہا تھا اسے جب خبریں ملیں کہ اس کے بیٹے تیمور اور جہان ن کو لاہور کی طرف بڑھتے ہوئے سکھوں نے تنگ کیا ہے تو احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ امرتسر پر حملہ آور ہوا شہر کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی۔ شہر کا ایک حصہ اس نے تباہ کر دیا باقی حصے کو آگ لگا کر اس نے خاکستر کر دیا۔ عمارتوں کو یکسر منہدم کر دیا۔ سکھوں کے مقدس تالاب کی بھی بے حرمتی کی اور یہاں بہت سے سکھوں کو اس نے تہہ تیغ کر دیا۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ لاہور پہنچا اور اس کی آمد سے پہلے ہی شہزادہ تیمور اور جہان خان لاہور پہنچ کر انتظامی امور کو اپنے ہاتھ میں لے چکے تھے۔

اپنے لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے چند روز تک لاہور میں قیام کیا۔ اس کے بعد اس نے قندھار کی طرف کوچ کیا۔ راستے میں سکھوں کا سردار چڑت سنگھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر شب خون مارتا رہا۔ یہ چڑت سنگھ سکھوں کے مشہور و معروف راجہ رنجیت سنگھ کا دادا تھا۔ جس نے کبھی گوجرانوالہ پر اپنی حکومت قائم کر رکھی تھی۔ بار بار یہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے آس پاس نمودار ہوتا اور شب خون مار کر غائب ہو جاتا۔ احمد شاہ ابدالی اس کے پیچھے اپنے آدمی لگاتا لیکن چڑت سنگھ ادھر ادھر بچ کر نکلنے میں کامیاب ہو جاتا۔ شب خون کا یہ سلسلہ دریائے سندھ تک جاری رہا۔ یہاں تک کہ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کو عبور کر کے قندھار کی طرف چلا گیا تھا۔

O

ایک روز جبکہ سورج غروب ہونے کے قریب پہنچ رہا تھا احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کے شہر میں داخل ہوا۔ شہر کے نواح میں جو اس کی افواج کے مستقر بنا ہوا تھا لشکر نے اس میں قیام کر لیا جبکہ شہر اور مستقر کے درمیان احمد شاہ ابدالی کا جو محل تھا احمد شاہ ابدالی اپنے رفقاء کے ساتھ اپنے اس محل کی طرف روانہ ہوا۔ شاہ ولی خان۔ جہان خان اور برخوردار خان بھی احمد شاہ ابدالی کے ہمراہ تھے اس کے علاوہ شاہ ابدالی کے بیٹے خود احمد شاہ ابدالی کا حرم اور اس کے بیٹوں کے حرم بھی احمد شاہ ابدالی کے پیچھے پیچھے تھا۔ ان لوگوں میں عبداللہ' کامنی' عبداللہ کا چچا زاد بھائی قاسم اور اس کی بیوی ارزون بھی شامل تھے۔

اپنے محل کے قریب آکر احمد شاہ ابدالی رک گیا پھر وہ سوالیہ انداز میں شاہ ولی خان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ شاہ ولی خان اپنے محل میں داخل ہونے سے پہلے میں شاہ پسند اور اس کے بھائی قاسم کے لئے بننے والی رہائش گاہوں کو دیکھنا پسند کروں گا۔ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی کا استقبال کرنے کے لئے قندھار شہر کے بے شمار زعما اور اکابر اور روسا شامل تھے۔ انہی میں ابدالی کی سلطنت کے قاضی القضا علامہ فیض اللہ خان بھی شامل تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے سوال پر شاہ ولی خان چونکا پھر وہ قندھار شہر کے ناظم اعلیٰ کے قریب آیا جو استقبال کرنے والوں میں موجود تھا اور بڑی رازداری میں وہ قندھار شہر کے ناظم اعلیٰ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

تمہیں یاد ہو گا کہ میں نے تمہارے نام پیغام بھجوایا تھا کہ پاشا کے محل کے قریب دو بہترین رہائش گاہیں بنی چاہیں۔ ان کا کیا ہوا۔ قندھار شہر کا ناظم اعلیٰ بڑی انکساری سے بولا اور کہنے لگا۔ امیر آپ کے حکم کا اتباع ہو چکا ہے۔ آپ تھوڑا سا آگے چل کر تو دیکھئے۔ بائیں ہاتھ پر وہ چونا کئے ہوئے جو مکانات نظر آ رہے ہیں وہی شاہ پسند اور اس کے بھائی قاسم کی رہائش گاہیں ہیں۔ جو مکان پاشا کے محل کے قریب تر ہے وہ شاہ پسند کے لئے اور دوسرا شاہ پسند کے بھائی قاسم کے لئے۔ قندھار شہر کے ناظم اعلیٰ کا یہ جواب سن کر شاہ ولی خان کے چہرے پر مسکراہٹیں بکھر گئیں تھیں۔

بڑی خوشی وہ احمد شاہ ابدالی کے قریب آیا اور مسرت ملی آواز میں کہنے لگا۔

پاشا اگر آپ اپنے محل میں داخل ہونے سے پہلے شاہ پسند اور قاسم خان کے مکانات دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر میرے ساتھ آئیں۔ شاہ ولی خان کے اس جواب پر احمد شاہ ابدالی بڑا خوش ہوا اپنے گھوڑے کو اس نے ایڑ لگائی۔ شاہ پسند اور قاسم دونوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا پھر وہ شاہ ولی خان کے ساتھ آگے بڑھا۔ شاہ ولی خان اور احمد شاہ ابدالی کے پیچھے پیچھے عبداللہ' کامنی' قاسم اور ارزون بھی ہو لئے تھے اور پھر ان کے پیچھے پیچھے جہان خان اور برخوردار خان بھی اپنے گھوڑوں کو ادھر ہی ہانک چکے تھے۔

دو نئے بننے والے مکانوں کے سامنے شاہ ولی خان کے کہنے پر احمد شاہ رک گیا پھر شاہ ولی خان بولا اور کہنے لگا۔ پاشا یہ جو مکان بائیں طرف ہے یہ شاہ پسند کے لئے اور دائیں طرف والا مکان اس کے بھائی قاسم خان کے لئے ہے۔ احمد شاہ ابدالی اپنے گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے تھوڑی دیر تک ان حویلی نما دونوں بڑے بڑے مکانوں کو بڑے غور سے دیکھتا رہا جن کے اندر پھولوں کے مختلف درختوں کے باغیچے بھی لگے ہوئے تھے۔ تھوڑی دیر تک ان دونوں مکانوں کو بڑے غور سے دیکھنے کے بعد احمد شاہ ابدالی شاہ پسند کے قریب آیا اور بڑی محبت' چاہت اور رازدارانہ انداز میں کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے یہ جو سامنے تم دو مکان دیکھتے ہو ان میں سے جو مکان بائیں طرف ہے وہ تمہارا دائیں طرف والا مکان تمہارے عم زاد قاسم کا ہے۔ اب تم میری موجودگی میں کامنی کو لیکر اس مکان میں داخل ہو۔ کامنی اب مستقل طور پر تمہارے ساتھ رہے گی۔ اس لئے کہ تم اسے اور وہ تمہیں پسند کرتی ہے اور جب تم اپنے باپ کے قاتلوں سے انتقام لے چکو تو کامنی سے شادی کر کے اپنی خوش کن زندگی کی ابتدا کرنا۔ احمد شاہ ابدالی یہیں تک کہنے پایا تھا کہ قندھار شہر کا ناظم اعلیٰ احمد شاہ ابدالی کے قریب آیا اور اسے دو چابیاں تھماتے ہوئے کہنے لگا۔

پاشا یہ شاہ پسند اور اس کے بھائی قاسم خان کے مکانات کی چابیاں ہیں۔ آپ یہ

چابیاں خود انہیں عنائیت کریں تاکہ وہ اس عطا پر آپ کا شکریہ ادا کر سکیں۔ احمد شاہ ابدالی نے دونوں چابیاں لے لیں پھر وہ اپنے گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اس کی طرف دیکھتے ہوئے باقی لوگ بھی اپنے گھوڑوں سے نیچے اتر گئے تھے۔ اتنی دیر تک شہر کے زعماء اکابرین بھی وہاں پہنچ چکے تھے۔ جبکہ سلطنت کے قاضی القضا علامہ فیض اللہ خان پہلے ہی احمد شاہ ابدالی کے ساتھ وہاں پہنچے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے پہلے آگے بڑھ کر اس مکان کا قفل کھولا جو عبداللہ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ دروازہ کھولنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے قریب کھڑے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

عبداللہ میرے بیٹے میرے ساتھ کامنی کو لیکر اس مکان میں آؤ۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی اس حویلی میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے پیچھے عبداللہ اور کامنی بھی حویلی میں داخل ہوئے۔ باقی لوگ بھی ان کے پیچھے پیچھے حویلی میں داخل ہو گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی پہلے باغیچے میں گھوم پھر کر ہر چیز دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا پھر وہ سکونتی حصے کی طرف گیا۔ پھر وہ رک گیا اور اپنے قریب کھڑے قاضی القضا علامہ فیض اللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

میرے بزرگ۔ میرے محترم آپ عبداللہ اور اس کے بھائی قاسم کے لئے دعا کریں یہ دونوں بھائی اپنی نئی حویلیوں میں خوش و خرم اور بہترین زندگی بسر کر سکیں۔ جواب میں قاضی القضاء علامہ فیض اللہ نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے رقت آمیز انداز میں دعا کی اس کے بعد سب نے عبداللہ کو نئی حویلی پر مبارکباد دی۔ پھر احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر عبداللہ اور کامنی اپنی حویلی کے سکونتی حصے میں داخل ہو گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی وہاں سے نکلا اس کے اکابرین بھی اس کے ساتھ تھے جس طرح وہ عبداللہ اور کامنی کو حویلی میں لے کر آیا تھا اسی طرح وہ عبداللہ کے بھائی قاسم خان اور اس کی بیوی ارزون کو بھی حویلی میں لیکر گیا وہاں بھی ان دونوں کے لئے دعا کرائی۔ پھر احمد شاہ ابدالی اپنے محل کی طرف چلا گیا تھا۔

عبداللہ اور کامنی دونوں حویلی کے اندرونی حصے کا جائزہ لے ہی رہے تھے کہ

حویلی میں درویش عبیداللہ داخل ہوا اسے دیکھتے ہی عبداللہ نے شکووں اور گلوں بھری آواز میں کہا۔ عم عبیداللہ آپ کہاں چلے گئے تھے۔ میں نے آپ کو ادھر ادھر بہت تلاش کیا۔ آپ کہیں دکھائی ہی نہیں دیئے۔ اس پر عبیداللہ کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بیٹے میں ذرا مستقر میں رک گیا تھا۔ اسی بنا پر مجھے دیر ہوئی اس پر عبداللہ فوراً کہنے لگا عم عبیداللہ اب آپ مستقر میں قیام نہیں کریں گے۔ یہ حویلی اب آپ کے بیٹے کی ہے اور اس کے ساتھ والی حویلی میرے عم زاد قاسم کی ہے۔ آپ یہاں میرے اور کامنی کے ساتھ رہیں گے۔ درویش عبیداللہ جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کامنی بول پڑی اور کہنے لگی۔

عم عبیداللہ اب آپ کوئی بہانہ تراشنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ آپ یہیں میرے باپ کی حیثیت سے رہیں گے۔ آپ کی یہاں موجودگی میری خوشی، میری مسرت، میرے سکون اور اطمینان کا باعث ہو گی۔ جواب میں درویش عبیداللہ نے کچھ سوچا پھر کہنے لگا میرے بچو اگر تمہاری یہی ضد ہے تو میں تم دونوں کے ساتھ ہی رہوں گا۔ تینوں نے مل کر پہلے حویلی کا جائزہ لیا پھر اپنے گھوڑوں کو حویلی میں ایک طرف کو بنے ہوئے چھوٹے سے اصطبل میں باندھا وہاں دانے اور چارے کا بھی انتظام تھا جو انہوں نے گھوڑوں کے آگے ڈالا۔ خرجیں اور اس کے ساتھ بندھا ہوا سامان وہ اندر لے گئے تھے۔ ابھی وہ تینوں جا کر دیوان خانے میں بیٹھے ہی تھے کہ دیوان خانے میں قاسم اور ارزون دونوں میاں بیوی داخل ہوئے۔ کامنی عبداللہ اور درویش عبیداللہ نے بڑی گرم جوشی سے ان کا استقبال کیا۔ پھر ارزون ان کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی اور کہنے لگی۔

عبداللہ میرے عزیز بھائی اگر آپ پسند کریں تو آج کھانا اکٹھے بیٹھ کر کھائیں میں اور کامنی دونوں بہنیں مل کر کھانا تیار کرتی ہیں پھر اسی دیوان خانے میں بیٹھ کر کھاتے ہیں۔ اس پر عبداللہ گہری مسکراہٹ میں کہنے لگا۔ ارزون میری بہن آپ کی حیثیت میرے لئے ماں کی طرح ہے۔ آپ کی ہر خواہش آپ کی ہر تجویز میرے لئے حکم کا

درجہ رکھتی ہے۔ میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہو گی کہ ہم سب مل کے اور اکٹھے کھانا کھائیں۔ قسم خداوند کی آپ نے میرے دل کی بات کہی ہے۔ اب میں اور قاسم بھائی بازار جاتے ہیں ضروریات کی سب چیزیں لا کر آپ کو مہیا کرتے ہیں پھر آپ دونوں ملکر کھانا تیار کیجئے گا۔ اس پر قاسم اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا نہیں نہیں پسند میرے بھائی تم بیٹھو میں اور عم عبیداللہ جاتے ہیں۔ میں نے ابھی اپنے گھوڑے سے زین نہیں اتاری سارا سامان اس پر لاد کر لے آتے ہیں۔ اس پر درویش عبیداللہ اور قاسم گھریلو ضروریات کا سارا سامان خرید لائے۔ کامنی اور ارزون دونوں نے مل کر کھانا تیار کیا اور دیوان خانے میں بیٹھ کر کھانا اکٹھے کھایا۔ پھر قاسم اور ارزون دونوں آرام کرنے کے لئے اپنی حویلی میں چلے گئے تھے۔ اس طرح دن گزرنے لگے قاسم اور ارزون اکثر اوقات عبداللہ ہی کی حویلی میں گزر بسر کرتے جبکہ درویش عبیداللہ نے مستقل طور پر کامنی اور عبداللہ کے ساتھ رہائش اختیار کر لی تھی۔

گرما غلامی کی پگھل جانے والی زنجیروں، شمع شبستان کے سامنے ظلمت کی گھٹاؤں اور رخصت ہوتی خشک پتوں کی حزیں صداؤں کی طرح کوچ کر گیا تھا۔ سرما اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ ہاروت و ماروت کے طلسم دھاندلی مچاتی کف اڑاتی کرنوں کے ہجوم کی طرح پھیلنا وادیوں کی گل اندامی کے گاتے دنوں، جاگتی راتوں میں بپھرتی کڑکتی ٹوٹتی گرتی برق کی طرح چھانا شروع ہو گیا تھا۔ ایسے میں ایک روز عبداللہ کی حویلی کے صدر دروازے پر زور دار دستک ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد جب عبداللہ نے دروازہ کھولا تو وہ حیران رہ گیا اس کی حویلی کے صدر دروازے پر دو سوار اپنے گھوڑوں کی باگیں پکڑے کھڑے تھے۔ جونہی عبداللہ نے دروازہ کھولا ان میں سے ایک سوار بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے امیر شاید آپ ہمیں جانتے ہوں گے اس لئے کہ ہمیں پاشا نے ہرات کے سابق حکمران امیر خان کی تلاش میں روانہ کیا تھا۔ اس سوار کی اس گفتگو پر عبداللہ چونک سا پڑا۔ قبل اس کے کہ وہ سوار مزید کچھ کہتا عبداللہ ان دونوں کو مخاطب کر کے لگا تم دونوں اپنے گھوڑوں کو یہیں باندھ دو اور میرے دیوان خانے میں بیٹھ کر بل کے ساتھ گفتگو کرو۔ دونوں سواروں نے عبداللہ کے کہنے پر اپنے گھوڑوں کو باندھ دیا اتنی دیر تک عبداللہ نے دیوان خانے کا دروازہ کھول دیا تھا۔ پھر دونوں دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے۔ اتنی دیر تک حویلی کے دوسرے حصے سے درویش اللہ بھی آ گیا اور دیوان خانے میں داخل ہوا۔ ان دونوں سواروں نے عبیداللہ کو ر اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ بڑے گرم جوش انداز میں دونوں نے عبیداللہ کے مصافحہ کیا۔ اتنی دیر تک کامنی بھی وہاں آ گئی تھی اور وہ دیوان خانے کے ازے کی اوٹ میں ہو کر گفتگو سننے کی کوشش کرنے لگی تھی۔

جب درویش عبیداللہ بھی وہاں آ کر بیٹھ گیا تب آنے والے دو سواروں میں سے بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

امیر آپ ہمارے متعلق نہیں جانتے لیکن درویش عبیداللہ ہمیں خوب جانتے اور انتے ہیں اس لئے کہ ہمیں پاشا نے ہرات کے سابق حکمران امیر خان کی تلاش میں ا تھا۔ بس ہم دونوں امیر خان کو تلاش کرنے کے بعد ابھی ابھی ہرات کی طرف لوٹ رہے تھے۔

اس سوار کی اس گفتگو پر عبداللہ چونک سا پڑا۔ اس موقع پر درویش عبیداللہ بھی کہنا چاہتا تھا لیکن اس سے پہلے ہی عبداللہ بول پڑا اور مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

میرے عزیز کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہرات کا سابق حکمران امیر خان ان دنوں کہاں ہے۔ اس پر وہ سوار پھر بولا اور کہنے لگا۔ امیر! ہرات کا سابق حکمران ان دنوں ہرات کے شمال مغرب میں کاروخ کے ایک قصبے میں قیام کئے ہوئے ہے۔ اس کاروخ کی ائی آبادیوں اور وادیوں میں اس کی جاگیریں ہیں۔ اسی بنا پر اس نے وہاں قیام کر رکھا ہے اور چند روز تک وہ کاروخ اور خشک شہروں کے درمیان پڑنے والے کوہستانی سلسلے جسے بندی بابا کہہ کر پکارتے ہیں ان کے اندر شکار کھیلنے کے لئے نکلے گا۔ ہم اس کے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ معلومات لیکر لوٹے ہیں۔

امیر خان شکار کا بہت شوقین ہے۔ کاروخ اور خشک نام کے قصبوں کے در جو کوہستانی سلسلہ پڑتا ہے اور جس کا نام بندی بابا ہے وہاں ہرن اور چیتل کے جنگلی بکریاں بیشمار تعداد میں پائی جاتی ہیں۔ سرما کے موسم میں یہ امیر خان بندی بابا کوہستانی سلسلوں میں بکریوں کا شکار کر کے بڑا لطف اندوز ہوتا ہے۔ اے امیر اگر کوشش کریں تو شکار کے دوران بندی بابا کے کوہستانی سلسلوں میں آپ امیر خان اپنے ماں باپ کے قتل کا انتقام لے سکتے ہیں۔ اس سوار کے اس انکشاف پر نے دیکھا عبداللہ بے چارے کی حالت اداس شام پر مسلط تاریکیوں، صدیوں ویران ذہنوں میں تاریک وسوسوں کے طوفان، خیالات کی حسین وادیوں میں دل کو چین روح کو بے تاب کر دینے والے جذبوں جیسی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں اس لمحہ تخلیق کے اعجاز اور کن کے فسوں جیسی کیفیت طاری تھی۔ لگتا تھا مدتوں افسانوی ویرانوں میں ایک دم کوئی حدت شوریدہ اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔ عبداللہ تھو دیر تک وقت کے بیکراں سمندر میں غوطہ زن تاثرات، ذہن کے منڈھیر پر سادھے حروف راز کی طرح خاموش سوچتا رہا پھر وہ کسی گمبھیر سمندر میں اٹھتے طوفا کی طرح حرکت میں آیا اور ادراک کے ہر صفحہ کو ادھیڑتی ہوئی اپنی آواز میں درد عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

اے عم۔ میں اپنے ماں باپ کے اس قاتل سے انتقام ضرور لوں گا۔ میں بر سے اپنی مردہ آرزوؤں اور غم زدہ و حزیں جذبوں کو اس کے خلاف ضرور بیدار کر گا۔ میں اسے بتاؤں گا کہ اب تک بے کیف جلن لئے جو میں نگر نگر قریہ قریہ زخم کے مرہم کی تلاش میں سرگرداں رہا ہوں۔ تو اب میری اس سرگردانی کا انجام ہ میں ہرات کے اس سابق حکمران امیر خان کی قسمت میں پیڑ کا کوئی سایہ نہ رہنے د گا۔ اس کی زندگی کے دھندلکوں سے چراغ کی ہر روشنی چھین لوں گا۔ اس آرزوؤں کے صحن کو اداس سنسان اور خون آلود کروں گا اور اس کے لوح ذہن نقوش پر اپنے خدا کا نقیب بن کر نازل ہو جاؤں گا۔

عم عبداللہ میں آج اور ابھی ہرات شہر کے شمال مغرب میں کاروخ نام کے قصبے رخ کروں گا اگر میرے وہاں پہنچنے تک امیر خان بندی بابا کے کوہستانی سلسلوں کے ر شکار میں مصروف رہا تو میں اسی کوہستانی سلسلے میں اس سے انتقام لے لوں گا اگر کاروخ میں اپنی قیام گاہ کی طرف جا چکا ہوا۔ تب بھی میں اسے بخشوں گا نہیں۔ ے چھوڑوں گا نہیں۔ اسے اس کے گھر سے اٹھاؤں گا اور ذبح ہونے والے بکرے ی طرح اس کا حلقوم کاٹ کر رہوں گا۔

عبداللہ یہیں تک کہنے پایا تھا کہ درویش عبیداللہ بولا اور کہنے لگا شاہ پسند میرے بیٹے امیر خان اور کابل کے سابق حکمران نصیر خان سے انتقام لینا تمہارے اولین زائض میں شامل ہے لیکن میں تمہیں اکیلا نہیں جانے دوں گا۔ میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ شاہ پسند میرے بیٹے تم امیر خان کو اس کی شکل و صورت سے نہیں پہچانتے۔ میں اس قاتل کو اچھی طرح پہچانتا ہوں۔ اس کا قاتل چہرہ میرے لئے خوب شناسا ہے۔ میں تمہیں بتا سکوں گا کہ لوگوں کے ہجوم میں کون امیر خان تمہارے باپ کا قاتل ہے اس لئے بیٹے مجھے اپنے ساتھ جانے سے مت روکنا۔ دیکھ بیرم خان کے بیٹے تیرا باپ میری زیست میری زندگی کا سب سے بڑا محسن اور سب سے بڑا مربی تھا۔ تو جانتا ہے کہ میں ایک بے نوا شخص تھا۔ جس کا کوئی آگا تھا نہ پیچھا۔ تمہارے ماں باپ نے مجھے بیٹا سمجھ کر میری پرورش کی۔ سو اب اس احسان اس پرداخت کو سامنے رکھتے ہوئے بیٹے میں تیرے ساتھ اپنا حق ادا کروں گا۔ میں تیرے ساتھ جاؤں گا اور جب تو امیر خان سے انتقام لے رہا ہو گا تو میں اس کے سامنے آؤں گا اپنا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے لاؤں گا اور اسے بتاؤں گا کہ امیر خان وقت، تاریخ اور انتقامی جذبے یوں اپنے آپ کو دہراتے ہیں۔ دیکھ بیٹے مجھے اپنے ساتھ لے جانے سے انکار نہ کرنا۔

درویش عبیداللہ کی اس گفتگو کے سامنے عبداللہ کچھ کہنے ہی لگا تھا کہ درویش عبیداللہ پھر بولا اور آنے والے ان دونوں سواروں کو مخاطب کر کے کہنے لگا تم دونوں

جا کر آرام کرو۔ تمہاری بڑی مہربانی تمہارا بڑا شکریہ کہ تم دونوں نے امیر خان متعلق انتہائی اہم معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کے ساتھ ہی وہ دونوں سوار اپنی سے اٹھے باری باری عبداللہ اور درویش عبیداللہ سے انہوں نے مصافحہ کیا پھر دیوان خانے سے باہر نکل گئے تھے۔ جونہی وہ دونوں سوار نکلے دوسرے دروازے کامنی اندر آئی اور عبداللہ کے سامنے اور درویش عبیداللہ کے پہلو میں خالی نشست بیٹھ گئی تھی۔ تھوڑی دیر کے سوچ و بچار کے بعد عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

عم عبیداللہ میں نے تو یہ ارادہ کیا تھا کہ میں آپ کو حویلی میں چھوڑ کر جاؤں تاکہ میری غیر موجودگی میں آپ نہ صرف کامنی کا خیال رکھیں بلکہ میری غیر موجو میں اسے ضرورت کی ہر چیز مہیا کرتے رہیں لیکن آپ نے میرے ساتھ جانے کا ام کر کے مجھے عجیب تفکرات اور شش و پنج میں ڈال کر رکھ دیا ہے۔ عم عبیداللہ اب میرا یہی ارادہ ہے کہ آپ یہیں حویلی میں کامنی کے پاس رہیں میں اکیلا جبل بندی کا رخ کروں گا اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں امیر خان سے اپنے ماں باپ کے قتل کا بدلہ لئے بغیر واپس نہیں لوٹوں گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ جب خاموش ہوا تو اس بار کامنی ایک عزم ایک استقلال میں کہنے لگی۔ شاہ پسند میں آپ کے فیصلے سے اختلاف کرتی ہوں۔ درویش عبیداللہ کو آپ کے ساتھ جانا چاہیے۔ اس لئے کہ آپ امیر خان کو اس کی شکل صورت سے نہیں پہچانتے اور عم عبیداللہ اسے پہچانتے ہیں۔ رہا میری ذات کا خیال کہ آپ کے جانے کے بعد کون میری حفاظت کرے گا اور کون میری ضرورتوں کا خیال رکھے گا تو آپ اس کی کوئی فکر نہ کریں اس لئے کہ میں جب یہاں ہوں گی ہی نہیں تو میری ضرورتوں کا خیال رکھنے کی کسی کو کیا ضرورت ہے۔ اس پر عبداللہ نے چونک کر کامنی کی طرف دیکھا اور پوچھا تم یہاں کیوں نہ ہو گی تم کہاں جاؤ گی۔ اس پر کامنی اپنے بھرپور عزم اور کمال جرات مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی۔

شاہ پسند میری زیست کے رفیق میں آپ کے ساتھ جاؤں گی آپ مجھے اپنی زندگی ساتھی بنانے کے لئے چن چکے ہیں۔ اس لحاظ سے میں آپ کے لئے اور آپ میرے لئے میرے جسم کا ایک حصہ ہیں۔ پھر میں کیونکر آپ کو تنہا چھوڑ سکتی ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں حرب و ضرب کے سبھی فنون سے واقف اور ماہر ہوں۔ لہٰذا آپ کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ کے دشمن اب میرے دشمن ہیں آپ کے رفیق کے ساتھی اب میرے عزیز ہیں۔ لہٰذا میں آپ کو تنہا اور اکیلا نہیں جانے دوں

کامنی کے ان الفاظ پر عبداللہ نے کچھ سوچا پھر وہ کہنے لگا دیکھ کامنی میں تمہیں جانے سے روکتا نہیں لیکن تمہیں یہ ضرور آگاہ کرتا ہوں کہ یہ مہم بڑی کٹھن و گی۔ اس لئے کہ سردی کا موسم اپنے عروج پر آ چکا ہے۔ برفباری بھی شروع ہو ہے ایسے میں تم کیسے اور کیونکر میرا ساتھ دے سکو گی۔ میں جانتا ہوں تم تان کے جنوبی حصے کے میدانوں کے رہنے والی ہو برف سے بھی نا آشنا ہو۔ تم سردی برداشت نہ کر سکو گی۔ میرا تمہارے لئے یہی مشورہ ہے کہ تم اور عم للہ یہیں رہو میں اکیلا ہی امیر خان سے بدلہ لے لوں گا اور بہت جلد لوٹنے کی ش کروں گا۔ اس پر کامنی دوبارہ ایک عزم میں کہنے لگی۔

شاہ پسند آپ میری بالکل کوئی فکر نہ کیجئے۔ میں سردی اور برفباری کو اہمیت بغیر آپ کا ساتھ دوں گی اور آپ دیکھیں گے کہ یہ سردی یہ برفباری میرے میں رکاوٹ ثابت نہ ہو سکیں گے۔ اس پر عبداللہ ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے تم دونوں کا یہی فیصلہ ہے تو میں تم دونوں کے فیصلے سے اتفاق کرتا ہوں۔ دیکھو تھوڑی دیر تک ہم یہاں سے کوچ کریں گے اس لئے تم فوراً حرکت میں آؤ اور اکے علاوہ ضرورت کی ہر شے اور بستر گھوڑوں کی زینوں کے ساتھ باندھ دو۔ عم اللہ بھی اس سلسلے میں تمہاری مدد کرتے ہیں۔ میں اتنی دیر تک قاسم بھائی کے جاتا ہوں اسے اطلاع کرتا ہوں کہ میں اپنے باپ کے قاتلوں کے پیچھے جا رہا عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھنے ہی والا تھا کہ قاسم اور ارزون دونوں مسکراتے

ہوئے دیوان خانے میں داخل ہوئے پھر قاسم بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ پسند تمہیں میرے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے جو سوار تمہارے یہاں سے نکلے تھے میں اسی وقت ارزون کے ساتھ یہاں آ رہا تھا انہیں روک کر پورے حالات معلوم کر لئے ہیں۔ دیکھ میرے بھائی۔ اس انتقام میں میں تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ جبکہ عم عبیداللہ ہم دونوں بھائیوں کی غیر موجودگی میں ارزون اور کامنی کا خیال رکھیں گے۔ جواب میں عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔ قاسم بھائی آپ کو میرے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کامنی اور عم عبیداللہ پہلے ہی میرے ساتھ جانے کے لئے بضد ہیں اور مجھے اپنا فیصلہ منوانے پر مجبور بھی کر چکے ہیں۔ آپ اور ارزون بہن دونوں یہیں رہیں آپ دیکھیں گے کہ ہم تینوں بہت جلد امیر خان سے انتقام لیکر لوٹیں گے۔ اس پر قاسم کسی قدر حیرت میں عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

شاہ پسند میرے بھائی تم سردی اور برفباری کے موسم میں کامنی کو ساتھ لے جا کر کیا کرو گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ برف باری کی عادی نہیں ہے اور یہ مہم اس کے لئے انتہائی تکلیف دہ ہو کر رہ جائے گی۔ اس پر عبداللہ بولا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

قاسم بھائی۔ ان ساری دشواریوں اور تکلیفوں سے میں کامنی کو پہلے ہی آگاہ کر چکا ہوں اس کے باوجود یہ میرے ساتھ جانے پر بضد ہے اور میں اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ عم عبیداللہ کو میں اس لئے اپنے ساتھ لے جا رہا ہوں کہ یہ امیر خان کو پہچانتے ہیں اور اس کے قاتل چہرے سے آشنا ہیں۔ لہٰذا مجھے امیر خان سے انتقام لینے میں آسانی رہے گی۔ بس آخری فیصلہ یہی ہے کہ میں۔ عبیداللہ اور کامنی تھوڑی دیر تک یہاں سے کوچ کریں گے۔ آپ اور ارزون دونوں یہیں رہیں گے۔

اور ہاں قاسم بھائی پاشا نے مجھے کہا تھا کہ جب امیر خان یا کابل کے سابق حکمران نصیر خان کے خلاف انتقام کے لئے نکلوں تو انہیں ضرور مطلع کروں۔ اس لئے کہ

فاظت کی خاطر لشکر کے کچھ دستے میرے ساتھ روانہ کریں گے لیکن میں ایسا چاہتا۔ میرے دادا نے مجھ پر شرط عائد کی تھی کہ میں خود اپنے ماں باپ کے ے انتقام لوں اور اپنے پاؤں میں پڑے ہوئے لوہے کے کڑوں سے نجات کروں۔ سو میرے بھائی میری غیر موجودگی میں اگر پاشا میرے متعلق پوچھیں تو بھائی تم یہ کہہ کر ٹال دینا شاہ پسند اور کامنی دونوں عم عبیداللہ کے ساتھ اس ی جاننے والے کے ہاں قندھار شہر کے نواحی قصبوں کی طرف گئے ہوئے ہیں۔ جلد لوٹ آئیں گے۔ میں خود بھی پاشا کو بتا کر نہیں جاؤں گا اور میری غیر موجودگی م بھی پاشا پر یہ ظاہر نہ کر دینا کہ میں امیر خان سے انتقام کے لئے نکلا ہوں۔ کے مجبور کرنے پر قاسم اور ارزون نے اس فیصلہ کو تسلیم کر لیا۔ تھوڑی دیر تیاریاں ہوتی رہیں اس کے بعد عبداللہ کامنی اور درویش عبیداللہ اپنے اپنے وں پر سوار قندھار سے ہرات کی طرف کوچ کر گئے تھے۔



عبداللہ کے اندیشے اور خدشے درست ہوئے۔ اس لئے کہ وہ تینوں ابھی ہرات ے کافی دور ہی تھے کہ برفباری شروع ہو گئی تھی۔ زمین کا سینہ سفید اور ہر چیز خ رہ گئی تھی تاہم برفباری اور سردی کی مار کی پرواہ کئے بغیر کوچ اور قیام کرتے ایک روز وہ دن کا کچھ حصہ گزرنے کے بعد ہرات شہر کے شمال مغربی سمت نام کے قصبے کے قریب نمودار ہوئے۔ قصبے کے شمال مغرب میں اچانک عبیداللہ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے عبداللہ نی بھی اپنے گھوڑوں کو روک چکے تھے۔ پھر درویش عبیداللہ بولا اور عبداللہ کو کر کے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے اپنے دائیں طرف مشرق میں جو چھوٹا سا شہر اور اس کی ا تمہیں دکھائی دے رہی ہیں۔ یہ کاروخ شہر ہے اور ہمارے بائیں طرف لی سلسلہ ہے یہی جبل بندی بابا ہے۔ اس کوہستانی سلسلے کے اندر تھوڑا سا آگے

خشک نام کا شہر پڑتا ہے۔ کاروخ اور خشک شہروں کے درمیان یہ بندی بابا کا کوہستانی سلسلہ ہے اس کے اندر ہرن، چیتل اور جنگلی بکریاں ان گنت پائی جاتی ہیں اور یہ امیر خان شروع ہی سے جنگلی بکریوں، ہرن اور چیتل کے شکار کرنے کا شوقین اور دلدادہ ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ تم اور کامنی دونوں کاروخ کی کسی سرائے میں قیام کرو۔ میں پہلے جائزہ لیتا ہوں کہ امیر خان نے کاروخ میں اپنی حویلی میں قیام کر رکھا ہے یا اس وقت وہ شکار میں مصروف ہے۔ جو بھی کیفیت ہوئی میں تم دونوں کو سرائے میں اطلاع کروں گا اس کے بعد امیر خان کے خلاف حرکت میں آئیں گے۔

اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا میں اور کامنی کسی سرائے میں قیام نہیں کریں گے بلکہ میرا مشورہ یہ ہے کہ پہلے تینوں کسی سرائے کی طرف جاتے ہیں وہاں پیٹ بھر کر کھانا کھاتے ہیں۔ اس کے بعد عم عبداللہ تم امیر خان کا پتہ کرنے چلے جانا ہم دونوں سرائے ہی میں بیٹھ کر تمہارا انتظار کریں گے۔ اس کے بعد جو بھی کیفیت ہوئی اس کے مطابق حرکت میں آئیں گے۔ درویش عبداللہ اور کامنی دونوں نے عبداللہ کی اس تجویز کو بے حد پسند کیا پھر تینوں نے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگائی اور کاروخ شہر کی طرف بڑھنے لگے تھے۔

کاروخ شہر سے باہر ایک سرائے میں وہ داخل ہوئے گھوڑوں کو انہوں نے اصطبل میں باندھا ہلکی ہلکی برفباری اب بھی جاری تھی۔ تینوں نے پہلے سرائے میں بیٹھ کر پیٹ بھر کھانا کھایا۔ پھر درویش عبداللہ چمڑے کی ایک چادر سے اپنے جسم اور چہرے کو ڈھانپے پیدل ہی سرائے سے باہر نکل گیا تھا جبکہ عبداللہ اور کامنی دونوں سرائے میں بیٹھ کر درویش عبداللہ کی واپسی کا انتظار کرنے لگے تھے۔

عبداللہ اور کامنی کو درویش عبداللہ کا زیادہ دیر انتظار نہ کرنا پڑا تھا اس لئے کہ درویش عبداللہ جلد ہی لوٹ آیا۔ عبداللہ اور کامنی کے قریب آنے سے پہلے اس نے چمڑے کی چادر جو اس نے اپنے اوپر لے رکھی تھی اتار کر جھاڑی کیونکہ اس چادر پر خاصی برف جم چکی تھی پھر وہ چادر کو ایک طرف پھیلانے کے بعد ان دونوں کے

بابا اور ان کے درمیان بیٹھتے ہوئے بڑی راز داری میں کہنے لگا۔

سنو میرے بچو! میں امیر خان سے متعلق بڑی تفصیل کے ساتھ معلومات کر کے آرہا ہوں وہ اس وقت اپنی حویلی میں نہیں بلکہ کوہستان بندی بابا کے اندر جنگلی جانوروں کے شکار میں مصروف ہے۔ میں پہلے ہی تمہیں کہہ چکا ہوں کہ یہ امیر خان برفباری میں جنگلی بکریوں کے شکار کرنے کا بڑا شوقین ہے اور برفباری میں یہ لگا تار کئی روز کوہستانی سلسلو میں خیمہ زن ہو کر شکار کرتا ہے۔ میرے خیال میں اب وقت ضائع کئے بغیر جبل بندی بابا کا رخ کرنا چاہیے اور وہیں پر امیر خان سے نمٹ لینا چاہیے۔ عبداللہ اور کامنی دونوں نے درویش عبداللہ کی اس تجویز سے اتفاق کیا تینوں سرائے سے اٹھ کر اصطبل میں آئے اپنے گھوڑے انہوں نے نکالے تینوں نے چمڑے کی چادریں اپنے اوپر ڈال لیں پھر وہ کاروخ شہر کی اس سرائے سے نکل کر کوہستان بندی بابا کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔

وادیوں سے نکل کر جب وہ تینوں جبل بندی بابا میں داخل ہوئے تو عبداللہ نے درویش عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا درویش عبداللہ اس قدر طویل و عریض کوہستانی سلسلے کے اندر ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ امیر خان کہاں اور کس جگہ شکار میں مصروف ہے۔ اس پر درویش عبداللہ ہلکی دھیمی مسکراہٹ میں کہنے لگا شاہ پسند میرے بیٹے تم فکر مند نہ ہو۔ میں اس امیر خان کی ساری آماجگاہوں اور شکاریوں سے خوب واقفیت رکھتا ہوں۔ تمہیں اس سلسلے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اس وقت یہ کہاں خیمہ زن ہو گا کہاں یہ شکار کر رہا ہو گا۔ بس تم دونوں چپ چاپ میرے پیچھے پیچھے چلتے آؤ۔ اس کے ساتھ ہی درویش عبداللہ نے اپنے گھوڑے کی رفتار ایڑ لگا کر تیز کر دی تھی جبکہ عبداللہ اور کامنی بھی اپنے گھوڑوں کو ہانکتے ہوئے درویش عبداللہ کے پیچھے ہو لئے تھے۔

کوہستانی بندی بابا کے ایک بلند سلسلے پر ایک چٹان کے قریب آکر ایک ایسی جگہ درویش عبداللہ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا جہاں پر دو راستوں کے ملنے سے ایک

دوراہا بنتا تھا۔ تھوڑی دیر تک ان دونوں راستوں کو درویش عبیداللہ بڑے غور سے دیکھتا رہا پھر وہ عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ پسند ان دو راستوں کو غور سے دیکھو۔ ایک راستہ یہ ہے جس پر ہم شہر سے سفر کرتے ہوئے اس طرف آئے ہیں دوسرا راستہ اس دوراہے سے جدا ہو کر بائیں طرف کو جاتا ہے یہ راستہ کوہستانی سلسلے کے اندر ہی اندر بل کھاتے ہوئے میل آگے جا کر بائیں جانب ایک کوہستانی ندی کو عبور کرنے کے بعد کاروخ شہر کے باہر ہی باہر ایک لمبا کاوا کاٹتا ہوا اس شاہراہ سے جا ملتا ہے جو ہرات سے قندھار کی طرف جاتی ہے۔ اب تم دونوں اپنے سامنے مغرب کی طرف دیکھو کیا تمہیں کچھ نظر آتا ہے۔ اس پر عبداللہ اور کامنی دونوں بر قباری میں بڑے غور سے اپنے سامنے مغرب کی سمت دیکھنے لگے تھے۔ پھر عبداللہ چونک پڑا۔ کسی قدر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔ عم عبیداللہ یہ ہمارے سامنے کافی خیموں کا ایک پڑاؤ دکھائی دے رہا ہے۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو یہ پڑاؤ امیر خان ہی کا ہے۔ میرے خیال میں وہ اس وقت ضرور اپنے ساتھیوں کے ساتھ شکار میں مصروف ہو گا۔ جواب میں درویش عبیداللہ کے چہرے پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی وہ بھی کسی قدر خوشی اور اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ پسند بیٹے تمہارے اندازے درست ہیں۔ یہ پڑاؤ یقیناً امیر خان ہی کا ہے اب میری تجویز یہ ہے کہ تم اور کامنی دونوں یہاں کسی اوٹ میں اپنے گھوڑوں کو لے کر کھڑے رہو میرا گھوڑا ابھی اپنے پاس رکھو۔ میں پیدل آگے بڑھتا ہوں۔ دیکھتا ہوں امیر خان اسوقت کہاں ہے۔ اس کے بعد میں تمہیں آکر اس کے محل وقوع سے آگاہ کروں گا تاکہ تم اس پر ضرب لگا سکو۔ اس پر عبداللہ فوراً بولا اور کہنے لگا۔

نہیں عم عبیداللہ ایسا مناسب نہیں ہے۔ یہ کام میں خود کروں گا۔ میں آپ کی اس تجویز سے اتفاق نہیں کرتا اس لئے کہ امیر خان آپ کو جانتا اور پہچانتا ہے اب اگر اس کی یا اس کے ساتھیوں میں سے کسی کی نگاہ تم پر پڑ گئی تو امیرخان کو شک ہو جائے گا وہ آپ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ لہٰذا آپ کامنی کو لیکر اس راستے پر ذرا سا آگے چلے جائیں جو بائیں طرف آگے بڑھتے ہوئے کوہستانی ندی کی طرف جاتا ہے پھر کاروخ شہر سے باہر ہی قندھار کی طرف جانے والی شاہراہ سے جا ملتا ہے۔ میں امیر خان سے انتقام لیکر اسی شاہراہ پر آؤں گا پھر ہم تینوں یہاں سے کوچ کر جائیں گے۔ عم عبیداللہ میں کوشش کروں گا کہ کسی نہ کسی طرح امیر خان کو زندہ اپنے گھوڑے پر بٹھا کر لاؤں۔ میں آپ کی موجودگی میں اس سے انتقام لینا چاہتا ہوں تاکہ اسے یہ احساس ہو کہ جس کرب اور جس بے بسی کی حالت میں اس نے میرے ماں باپ کا خاتمہ کیا تھا اسی بے بسی میں وہ اپنے آپ کا خاتمہ ہوتے ہوئے بھی دیکھے اور آپ کا چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے رہے تاکہ اسے احساس ہو کہ وقت اور تاریخ کیسے اپنے آپ کو دوہراتے ہیں۔

عم عبیداللہ اب میری اس تجویز کے جواب میں کچھ مت کہنا۔ میرے یہاں کھڑے ہی کھڑے تم دونوں حرکت میں آؤ اور بائیں طرف جانے والے اس راستے پر آگے چلے جاؤ تمہارے جانے کے بعد پھر میں پڑاؤ کی طرف جاؤں گا۔ عبداللہ کی تجویز چونکہ معقول تھی لہٰذا جواب میں درویش عبیداللہ نے کچھ بھی نہ کہا اور وہ کامنی کو لیکر بائیں طرف آگے جانے والے راستے پر ہو لیا تھا۔ جبکہ عبداللہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر آگے بڑھ گیا تھا۔

آہستہ آہستہ آگے بڑھتے ہوئے عبداللہ اپنے سامنے نظر آنے والے خیموں کے قریب جا رکا۔ اتنی دیر تک خیموں کے اندر سے ایک جوان باہر نکلا وہ شاید خیموں کی حفاظت پر مامور تھا۔ عبداللہ کے قریب آیا اور استفہامیہ سے انداز میں اس سے پوچھنے لگا۔

اجنبی تم کون ہو کیا چاہتے ہو اور کیوں ہمارے پڑاؤ کی طرف آئے ہو۔ اس پر عبداللہ اپنے گھوڑے سے اتر کھڑا ہوا چند قدم آگے بڑھ کر اس جوان کے قریب آیا اور مخاطب کر کے کہنے لگا دیکھ بھائی میں ایک ضرورت مند ہوں اور ہرات کے سابق

حکمران امیر خان سے ملنا چاہتا ہوں مجھے خبر ہوئی کہ وہ اس وقت برفباری میں ایک کوہستانی بندی بابا کے اندر شکار میں مصروف ہیں۔ میں ان سے التجا کرنا چاہتا ہوں کہ میری حاجتمندی پر ترس کھاتے ہوئے مجھے اپنے مصاحبین میں شامل کر لیں۔ اس پر وہ جوان بولا اور کہنے لگا۔

اگر یہ فریاد تم اس وقت لیکر آتے جب امیر خان ہرات کے حکمران تھے تو وہ یقیناً تمہیں اپنے مصاحبین میں شامل کر لیتے۔ پر اب ان کے پاس کیا ہے۔ کاروخ شہر کے اطراف میں جو ان کی جاگیریں ہیں بس ان پر گزارا کر رہے ہیں اور بیس کے قریب تو ان کے پہلے ہی مصاحب ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے ہیں اور ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان میں سے ایک میں بھی ہوں اس پر عبداللہ بولا اور پوچھنے لگا۔

میرے بھائی کیا تم بتا سکو گے کہ گزشتہ کتنے دنوں سے امیر خان اس جگہ شکار میں مصروف ہیں اور کتنے ساتھی اور مصاحب ان کے ہمراہ ہیں۔ اس پر وہ جوان بے دھڑک بولا اور کہنے لگا گزشتہ کئی دنوں سے امیر خان اس جگہ شکار میں مصروف ہیں اور ان کے بیس کے بیس مصاحب اس وقت ان کے ساتھ یہاں موجود ہیں۔ اس پر عبداللہ پھر بولا اور پوچھنے لگا۔

میرے بھائی کیا تم بتا سکو گے کہ امیر خان اس وقت کہاں ہیں میں ان سے مل لیتا ہوں ہو سکتا ہے وہ میرے حال پر ترس کھا کر مجھے اپنے مصاحبین میں شامل ہی کر لیں میں شکار کا بہترین ماہر ہوں تلوار کا دھنی ہوں اور دوسرے فنون حرب و ضرب میں بھی خوب مہارت رکھتا ہوں۔ اس پر وہ جوان تھوڑی دیر تک بڑے غور سے عبداللہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بائیں طرف بلند ٹیلے پر کھڑے ایک شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا وہ اس ٹیلے پر امیر خان کھڑے ہیں تم ان سے مل لو۔ اگر وہ تمہیں اپنے مصاحبین میں شامل کرنا چاہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہے۔

عبداللہ چونکہ اپنا مقصد حاصل کر چکا تھا لہٰذا اس نے بڑی عاجزی اور انکساری کے ساتھ اس جوان کو سلام کیا۔ مڑ کر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے اس سمت ایڑ لگا دی تھی جہاں ایک شخص ٹیلے پر کھڑا تھا۔ قریب جا کر عبداللہ نے دیکھا ٹیلے پر کھڑا وہ شخص ڈھلی ہوئی عمر کا تھا اس نے اپنے جسم پر قیمتی پوستین پہن رکھی تھی اور برفباری سے بچنے کے لئے اس نے اس پوستین کے اوپر سرخ چمڑے کی موٹی چادر ڈال رکھی تھیں اور وہ اپنے سامنے برفباری میں جنگلی بکریوں کا شکار کرتے اپنے ساتھیوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس شخص کا جائزہ لینے کے بعد عبداللہ نے ایک بار مڑ کر پیچھے بھی دیکھا وہ جوان جس سے اس نے خیمے کے قریب گفتگو کی تھی وہ دوبارہ خیمے کے اندر چلا گیا تھا۔ لہٰذا عبداللہ بے دھڑک آگے بڑھا ٹیلے کے قریب اس شخص کے پاس آ کر عبداللہ گھوڑے سے اترا اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اگر میں غلطی پر نہیں تو آپ ہرات کے سابق حکمران امیر خان ہیں اور امیر خان نے ایک بار غور اور شک و شبہ سے بھرپور نگاہ عبداللہ پر ڈالی پھر وہ اپنا ہاتھ ایک دم تلوار کے دستے پر لے گیا اور کسی قدر سخت اور کڑکتی ہوئی آواز میں پوچھنے لگا تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ عبداللہ سر کو جھکاتے ہوئے بڑی نرمی میں کہنے لگا۔

آقا آپ کو مجھ سے خوفزدہ یا مشکوک ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک ایسے شخص کا بیٹا ہوں جو اپنی زندگی میں ہمیشہ آپ کا ممنون اور احسان مند رہا ہے۔ اس لئے کہ اس پر آپ کی بے پناہ عنایات رہی ہیں۔ میں اس وقت حاجتمند ہوں اس برفباری میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا کہ آپ مجھے اپنے مصاحبین میں داخل کر لیں اس لئے کہ ان دنوں میں بڑی کسمپرسی میں زندگی بسر کر رہا ہوں۔ میں آپ سے یہ گزارش کروں گا کہ میں شکار کا بہترین ماہر ہونے کے ساتھ حرب و ضرب کے فنون میں بھی اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر آپ مجھے آزمانا چاہیں تو آزما دیکھیں میں آپ کے سامنے جنگلی بکریوں کا شکار کر کے آپ پر اپنی مہارت ثابت کر سکتا ہوں۔

عبداللہ کی یہ گفتگو سن کر وہ شخص بولا اور کہنے لگا تمہارا اندازہ درست ہے۔ میں ہی ہرات کا سابق حکمران امیر خان ہوں۔ اس کے ساتھ ہی امیر خان نے اپنی تلوار کے دستے سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور پھر وہ کسی قدر نرم اور شفقت آمیز آواز میں بولا اور

کہنے لگا۔

پہلے یہ تو کہو کہ تم کس شخص کے بیٹے ہو جس پر میری عنایات رہی ہیں۔ اس پر عبداللہ بات کو ٹالنے کے انداز میں کہنے لگا آقا جس وقت آپ ہرات کے حکمران تھے اس وقت آپ کی مراعات بے شمار انسانوں پر تھیں۔ آپ کس کس کا نام سننا پسند کریں گے۔ بس میری تو گزارش ہے کہ آپ مجھے اپنے مصاحبین میں شامل کر لیں۔

عبداللہ کی یہ گفتگو سن کر امیر خان خوش ہوا اور اسے کہنے لگا تمہارے ہتھیار اور تمہارا جنگی لباس بتاتا ہے کہ تم اچھے شہسوار ہونے کے ساتھ ساتھ حرب و ضرب کے فنون میں بھی مہارت رکھتے ہو گے۔ میں تمہیں آج کے شکار میں آزماتا ہوں۔ اگر تم میری خواہشوں کے مطابق اترے تو میں تمہیں اپنا ذاتی محافظ مقرر کر دوں گا۔ وہ سامنے میرے ساتھ جنگلی بکریوں کا شکار کر رہے ہیں۔ تم بھی ان میں شامل ہو جاؤ اور اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرو۔

عبداللہ اپنے گھوڑے کو لیکر ذرا پیچھے ہٹا پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا پھر عبداللہ عبداللہ نہ رہا تھا۔ آندھی اور طوفان بن گیا تھا۔ اپنے گھوڑے کو ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے واپس موڑا اسے ایک سخت اور انگیخت کرنے والی ضرب لگائی اور امیر خان کی طرف اس کو سرپٹ دوڑا دیا تھا۔ امیر خان نے جب دیکھا کہ وہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے تو اس نے جان بچانے کے لئے اس ٹیلے سے ایک طرف بھاگا لیکن اس وقت تک عبداللہ اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ امیر خان کے قریب آ کر عبداللہ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور امیر خان کو اس کے لباس سے پکڑ کر گیند کی طرح اوپر اچھالا اور اپنے گھوڑے پر اپنے آگے سوار کر لیا تھا پھر وہ گھوڑے کو بھگاتا ہوا اس راستے پر ہو لیا تھا جس راستے پر اس نے درویش عبیداللہ اور کامنی کو آگے بڑھنے کے لئے کہا تھا۔ ذرا فاصلے پر مغرب میں امیر خان کے شکار کرتے ہوئے ساتھیوں نے عبداللہ کو یہ کارروائی کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ لہٰذا شکار ترک کر کے وہ اپنے گھوڑوں کی طرف بھاگے اور ان پر سوار ہو کر عبداللہ کے تعاقب میں لگ گئے

میر خان کو اپنے آگے دبوچے ہی دبوچے عبداللہ اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا یش عبیداللہ اور کامنی سے آن ملا پھر وہ بڑی تیزی میں انہیں مخاطب کرتے ہنے لگا۔ ہمیں فوراً دائیں طرف چٹانوں میں آڑ لیکر بیٹھ جانا چاہیے اس لئے کہ سامنے اس وقت بیٹھے ہوئے امیر خان کے ساتھی ضرور تعاقب میں آئیں گے۔ ی اس تجویز کے جواب میں درویش عبیداللہ اور کامنی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ ہوئے عبداللہ کے پیچھے ہو لئے تھے۔ تھوڑا سا آگے جا کر عبداللہ دائیں طرف ھائی میں مڑا۔ پھر اپنے گھوڑے سے وہ اتر گیا۔ امیر خان کو بھی اس نے ے سے اتارا۔ اس کے ہاتھ پاؤں رسی میں کس کر باندھ دیئے اور منہ پر کپڑا ا۔ تینوں گھوڑوں کو ایک چٹان کی اوٹ میں کھڑا کر کے باندھ دیا گیا اس کے اللہ کامنی اور درویش عبیداللہ ایک دوسرے کے قریب قریب ایک بلند چٹان اوٹ میں لیٹ گئے تھے۔ انہوں نے اپنی کمانیں سنبھال لیں تھیں۔ تیروں ے ہوئے ترکش اپنے قریب رکھ لئے تھے اور چلے پر تیر چڑھا کر تیار ہو گئے جونہی امیر خان کے ساتھ تعاقب کرتے ہوئے اس طرف آئیں انہیں تیروں ں کر کے رکھ دیں۔

وڑی دیر بعد امیر خان کے ساتھی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے اس ئے۔ چٹان کے اوپر لیٹے ہی لیٹے عبداللہ نے ان سواروں کو گنا وہ اٹھارہ کے ھے۔ پھر عبداللہ نے اپنے دائیں بائیں لیٹے ہوئے درویش عبیداللہ اور کامنی کو رتے ہوئے کہا تم دونوں تیار رہو۔ جوں ہی امیر خان کے ساتھی ہمارے تیروں ں آئیں ان پر تیز اور موسلا دھار تیر برساؤ تاکہ اس جگہ ان سب کا خاتمہ کر دیا جائے۔ عبداللہ کے کہنے پر درویش عبیداللہ اور کامنی بالکل تیار اور مستعد تھے۔

رجوں ہی تعاقب کرنے والے وہ گھڑ سوار نزدیک آئے عبداللہ کامنی اور

درویش عبیداللہ نے بارش کی طرح ان پر تیر برسائے اور آن کی آن میں ان سواروں کا انہوں نے خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر تینوں بے پناہ خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے چٹان سے نیچے اترے۔ سب سے پہلے عبداللہ نے مرنے والوں کی گنتی کی وہ اٹھارہ تھے۔ پھر عبداللہ درویش عبیداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عم عبیداللہ امیر خان کے پڑاؤ کے قریب جا کر میں نے اس کے ایک محافظ سے گفتگو کی تھی دوران گفتگو میں نے یہ معلوم کر لیا تھا کہ امیر خان کے ساتھ اس وقت کل بیس مصاحب ہیں عم عبیداللہ تم دیکھتے ہو کہ ان بیس میں سے ہم اٹھارہ کا خاتمہ کر چکے ہیں میرے خیال میں دو پڑاؤ کی حفاظت پر معمور ہوں گے کیا ہم ایسا نہ کریں کہ امیر خان کو لیکر اس کے پڑاؤ کی طرف جائیں اور وہاں اسے میں اپنا تعارف کرانے کے بعد موت کے گھاٹ اتاروں اس پر درویش عبیداللہ بولا اور خدشوں بھری آواز میں کہنے لگا۔

نہیں شاہ پسند میرے بیٹے ہمیں یہ خطرہ مول نہیں لینا چاہیے۔ ہو سکتا ہے امیر خان کے اس مصاحب نے تمہیں تعداد بتانے میں جان کر غلطی سے کام لیا ہو۔ میری مانو تو یہیں اس امیر خان کا خاتمہ کر دو۔ دیکھو بیٹے برفباری تیز ہو گئی ہے اور اب ہمیں مزید کسی خطرے میں نہیں پڑنا چاہیے۔ یہ جو راستے کے اطراف میں اٹھارہ لاشیں بکھری پڑی ہیں یہ بھی کسی وقت ہمارے لئے خطرے کا باعث بن سکتی ہیں۔

درویش عبیداللہ کی اس گفتگو کے جواب میں عبداللہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ کافی بھی بولی اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی عم عبیداللہ ٹھیک کہتے ہیں ہمیں مزید کسی خطرے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں امیر خان کے ساتھیوں اور مصاحبوں سے کوئی غرض و غائیت نہیں ہے ہمارا ہدف ہمارا مقصد صرف یہ امیر خان تھا جسے ہم حاصل کر چکے ہیں۔ میرے خیال میں آپ اسے یہیں موت کے گھاٹ اتار دیں اور پھر ہم واپس اس راستے پر چکر کاٹتے ہوئے اس شاہراہ پر جا چڑھیں جو ہرات سے قندھار کی طرف جاتی ہے۔

اس پر عبداللہ نے کچھ سوچا پھر وہ واپس مڑتے ہوئے کہنے لگا میں دونوں کی تجویز سے اتفاق کرتا ہوں آؤ پہلے امیر خان سے نپٹتے ہیں پھر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں سے کوچ کرتے ہیں۔ اس لئے کہ برفباری پہلے کی نسبت تیز ہو گئی ہے۔ جو کسی بھی وقت ہمارے لئے دشواری اور تکلیف کا باعث بن سکتی ہے۔

عبداللہ نے آگے بڑھ کر چٹان کے قریب پڑے ہوئے امیر خان کے ہاتھ پاؤں بندھے بازو سے پکڑ کر اس نے امیر خان کو اٹھایا ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے امیر خان کی تلوار کھینچ کر ایک طرف پھینک دی پھر عبداللہ امیر خان سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ امیر خان نے بولنے میں پہل کی اور عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

اجنبی تم کون ہو کیوں تم نے دھوکہ دہی سے کام لیکر میرے ساتھ فریب کیا کہ مجھے اٹھا کر یہاں لے آئے حالانکہ تم نے مجھ سے التماس کی تھی کہ تم حاجتمند ہو اور میرے مصاحبوں میں شامل ہونا چاہتے ہو۔ یہ کہ میری تمہارے باپ پر بڑی عنایات ہیں۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا یہ بات تو میں اب بھی کہتا ہوں کہ میرے باپ پر تمہاری بڑی عنایات تھیں اس قدر عنایات کہ تم نے میرے باپ کو ترسا ترسا کر موت کے گھاٹ اتارا اور میری ماں کو بھی موت کی وادی میں دھکیل دیا۔ اس پر امیر خان چونک کر بولا اور کہنے لگا۔

کھل کر کہو تم کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

امیر خان کیا تم کسی ایسے شخص کو جانتے ہو جس کا نام بیرم خان ہو جو ذات کا ترک ہو اور جس کی شادی سیستان کے ایک عرب گھرانے میں ہوئی تھی وہی بیرم خان جو پہلے تمہارے پاس اس کے بعد کابل کے حکمران نصیر خان کے پاس خازن کی حیثیت سے کام کرتا رہا تھا۔ امیر خان وہی بیرم خان جو ترک تھا جس کی بیوی سستان کی عرب تھی جس پر تم غلط نگاہ رکھتے تھے اور اسی کو حاصل کرنے کے لئے تم نے بیرم خان کا خاتمہ کرانا چاہا پر بیرم خان کی بیوی تمہیں ناپسند کرتی تھی وہ اپنے شوہر سے جنون کی حد تک محبت کرتی تھی لہٰذا اس ذی عزت خاتون نے اپنے آپ کو تمہاری خواہشوں

کے حوالے نہ کیا اور اپنے شوہر کی وفادار بن کر رہی جس کی بنا پر تم نے کابل کے حکمران نصیر خان کے ساتھ سازش کر کے ان دونوں کا خاتمہ کرا دیا۔ امیر خان کیا میں نے غلط کہا ہے۔

عبداللہ کی اس زہریلی گفتگو سے امیر خان زنگ آلود ماضی، گر سنہ صداؤں جیسا اداس، لاکھوں قرنوں کی آندھی مسافت، بے کارواں ایک مسافر کی طرح افسردہ پاؤں کے آبلوں اور درد کے الفاظ جیسا ویران ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں زخموں کے حروف جیسی اجنبیت اور ہونٹوں پر موسموں کے گرد سے اٹی ہوئی تشنگی کا پہرہ صاف دکھائی دینے لگا تھا۔

درویش عبیداللہ نے ابھی تک اپنا چہرہ ڈھانپا ہوا تھا۔ عین اسی لمحہ اس نے اپنے چہرے سے چرمی چادر ہٹا دی۔ اسے دیکھتے ہوئے امیر خان کی حالت اور زیادہ بری ہو گئی تھی۔ اس پر درویش عبیداللہ پوری ہولناکی اور غضب آلود آواز میں امیر خان کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

امیر خان کیا تم نے مجھے پہچانا میرا نام عبیداللہ ہے اور میں بیرم خان کے ایک ساتھی اور سائیس کے طور پر اس کے ساتھ کام کرتا رہا ہوں۔ میرے خیال میں تم نے مجھے پہچان لیا ہو گا۔ امیر خان نے کوئی جواب نہ دیا۔ لگتا تھا برف کی طرح اس کے ہونٹ منجمد ہو گئے ہوں۔ یا یہ کہ اس کے منہ سے کسی نے زبان تک ہی نکال لی ہو۔ وہ چپ اور خاموش رہ کر پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی درویش عبیداللہ اور کبھی عبداللہ کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس پر درویش عبیداللہ پھر بولا اور کہنے لگا۔

امیر خان یہ جو نوجوان تمہارے سامنے کھڑا تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تم سے گفتگو کر رہا ہے یہ اسی بیرم خان کا بیٹا اور فرزند عزیز ہے جو تمہارے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ امیر خان وقت اور تاریخ ایک نہ ایک روز اپنے آپ کو دہراتے ضرور ہیں۔ تم نے بیرم خان اور اس کی بیوی پر ظلم کرتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ آج تقدیر اگر ان کے خلاف ہے تو کل یہی تقدیر تمہاری ذات تمہاری زیست پر بھی شب خون مار

ہے۔ دیکھ امیر خان اپنے ساتھ بیس مصاحب رکھنے کے بعد بھی اس بر قباری اور ں میں تو آج بیرم خان کے بیٹے عبداللہ کے سامنے بالکل بے بس اور لاچار کھڑا بالکل ویسے ہی جیسے کبھی بیرم خان اور اس کی بیوی تمہارے سامنے بے بس اور تھے۔ دیکھ امیر خان مرنے کے لئے تیار ہو جا۔ جونہی درویش عبیداللہ نے اپنی ختم کی عبداللہ نے اپنی بھاری تلوار بلند کر کے گرائی جو امیر خان کو شانے سے انوں تک چیرتی چلی گئی تھی۔

امیر خان کا خاتمہ کرنے کے بعد عبداللہ تھوڑی دیر تک اپنے ہاتھ میں خون آلود تھامے امیر خان کی لاش کو دیکھتا رہا۔ لاش سے بہنے والا خون بڑی تیزی سے ں میں جمتا چلا جا رہا تھا۔ عبداللہ نہ جانے کب تک اس محویت میں ڈوبا رہتا کہ عبیداللہ بولا اور کہنے لگا۔

شاہ پسند۔ میرے بیٹے ہمیں زیادہ دیر یہاں رک کر اپنے آپ کو خطرات سے نہیں کرنا چاہیے۔ جس کام کے لئے ہم آئے تھے اسے ہم بخیر و خوبی ادا کر چکے آؤ اب یہاں سے واپس قندھار کی طرف کوچ کر چلیں اس پر عبداللہ چونکا برف تلوار خوب زور سے رگڑ کر اس نے صاف کی پھر تلوار نیام میں کرنے کے بعد اور کہنے لگا۔

م عبیداللہ یہاں سے ہم سیدھے قندھار نہیں جائیں گے بلکہ پہلے نادر آباد کا ریں گے۔ وہاں میں اپنے استاد محترم حسام الدین اور ان کے بھائی مجیر الدین لوں گا اس لئے کہ ان دونوں کے مجھ پر بڑے احسانات ہیں۔ آج جو کچھ میں خداوند قدوس کے فضل تمہاری شفقت، احمد شاہ ابدالی کی مہربانی کے بعد حسام اور مجیر الدین کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ لہٰذا میں قندھار کا رخ کرنے سے پہلے بار میں ان دونوں بھائیوں سے ملنا چاہتا ہوں۔ اس پر درویش عبیداللہ خوشی کا کرتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے جیسا تم چاہو گے ویسا ہی ہو گا پر آؤ اب یہاں سے کوچ

کریں۔ اس کے بعد چپ چاپ تینوں اپنے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور مرنے والے اٹھارہ کے اٹھارہ مسلح جوانوں کے گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے وہ کوہستانی بندی بابا کے اندر پیچ و بل کھاتے ہوئے راستے پر آگے بڑھ رہے تھے۔

کچھ دیر تک وہ اسی راستے پر سفر کرتے رہے یہاں تک کہ وہ راستہ بل کھاتا ہوا ایک ندی کے کنارے آگیا تھا۔ ندی کے کنارے وہ کچھ دور آگے بڑھے تھے کہ اب سامنے لکڑی کا ایک پل آگیا تھا۔ جو بری طرح برف سے اٹا ہوا تھا۔ اس پل کے ذریعے تینوں گھوڑوں کو اپنے آگے آگے ہانکتے ہوئے ندی کو عبور کر گئے۔

سب سے پہلے وہ ہرات شہر میں داخل ہوئے۔ وہاں گھوڑوں کے ایک سوداگر کے ہاتھ انہوں نے اٹھارہ گھوڑے فروخت کر دیئے، جس سے انہیں خاصی رقم حاصل ہو گئی تھی۔ پھر وہ اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے نادر آباد کا رخ کر رہے تھے۔



نادر آباد پہنچتے پہنچتے برف باری تھم گئی تھی۔ شام کے قریب عبداللہ کامنی اور درویش عبیداللہ کو لیکر نادر آباد شہر میں مجیر الدین کے لوہار خانے میں داخل ہوا لوہار خانے میں اس وقت مجیر الدین اکیلا آہنگری کے کام میں مصروف تھا جونہی اس نے عبداللہ کو اپنے گھوڑے کی باگ تھامے اپنے لوہار خانے میں داخل ہوتے دیکھا اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ہتھوڑی ایک طرف رکھ دی بڑی تیزی سے اٹھا اور بھاگ کر اس نے عبداللہ کو اپنے ساتھ لپٹایا اور اس کی پیشانی چوم لی۔

پھر مجیر الدین نے عبداللہ سے کوئی گفتگو نہیں کی بلکہ لوہار خانے سے جو بیچ کا دروازہ سکونتی مکان کی طرف جاتا تھا اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر وہ زور زور سے پکارنے لگا حسام الدین، حسام الدین میرے بھائی بھاگ کر آؤ دیکھو تو کون آیا ہے۔

تھوڑی دیر بعد حسام الدین تقریباً بھاگتا ہوا لوہار خانے میں داخل ہوا جونہی اس نے لوہار خانے میں عبداللہ کو دیکھا وہ بھی بھاگ کر آگے بڑھا بری طرح اس نے عبداللہ کو اپنے ساتھ لپٹایا پھر وہ علیحدہ ہونے کے بعد مجیر الدین کی طرف شکوؤں اور گلوں بھری

آواز میں کہنے لگا۔

مجیر الدین میرے بھائی تم نے ان تینوں کو یہاں لوہار خانے میں کیوں روک دیا ہے۔ اس پر مجیر الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا میرے بھائی میں نے تھوڑی روکا ہے۔ یہ تو ابھی ابھی آئے ہیں تو میں نے تمہیں ان کے آنے کی اطلاع کر دی ہے۔ اس پر حسام الدین بولا کو کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے تم نے یہ اچھا نہیں کیا تمہیں اس لوہار خانے کے راستے نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ ہمارے مکان کے صدر دروازے پر دستک دی ہوتی۔ بیٹے ہم دونوں بھائیوں کا گھر اب تمہارا اپنا گھر ہے اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

حسام الدین میرے محترم پہلے میں تم دونوں بھائیوں سے اپنے ان دونوں ساتھیوں کا تعارف کروا دوں پھر گفتگو کرتے ہیں۔ عبداللہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ درویش عبیداللہ بولا اور کہنے لگا۔

محترم حسام الدین اور مجیر الدین دونوں بھائیو میری بات غور سے سنو۔ تعارف میں خود ہی کراتا ہوں۔ عبداللہ کو آپ پہلے ہی جانتے ہیں۔ میرا نام عبیداللہ ہے لوگ عموماً مجھے درویش عبیداللہ کہہ کر پکارتے ہیں۔ یہ جو لڑکی ہمارے ساتھ ہے اس کا نام کامنی ہے۔ شاہ پسند اور یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ شاہ پسند نے اس سے ابھی شادی نہیں کی۔ شرط یہ رکھی ہے کہ جب وہ اپنے پاؤں میں پڑے ہوئے دونوں کڑوں سے نجات حاصل کر لے گا پھر اس لڑکی سے شادی کرے گا۔ یہ لڑکی انتہائی مخلص اور عبداللہ کے لئے انتہائی مہربان ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد درویش عبیداللہ تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ کہتا چلا گیا تھا۔ محترم حسام الدین اور مجیر الدین میں تم لوگوں کو یہ خوشخبری بھی دوں کہ لشکر میں شامل ہونے کے بعد اس عبداللہ نے تمہاری دی ہوئی تربیت کا بہترین عملی مظاہرہ کیا۔ مقابلے میں اس نے نہ صرف زال بیگ کو شکست دی بلکہ زال بیگ اور دلاور خان دونوں کو ایک ساتھ اس نے انتہائی ذلت آمیز شکست دی۔ دوسرے ساتھیوں نے اس

کے ساتھ مقابلہ نہیں کیا بلکہ وہ زال بیگ پوپلزئی کے حق میں دست بردار ہو تھے۔ یہ مقابلہ جیتنے کے بعد عبداللہ کو اب نا صرف یہ کہ شاہ پسند کا لقب مل چکا بلکہ اب یہ امیر لشکر بھی ہے اور احمد شاہ ابدالی اسے اپنے حقیقی بیٹوں سے بھی زیا عزیز اور قریب تر خیال کرتا ہے۔

درویش عبیداللہ جب خاموش ہوا تو حسام الدین اور مجیر الدین نے باری باری آگے بڑھ کر پرجوش انداز میں درویش عبیداللہ سے مصافحہ کیا اور باری باری دونوں نے کامنی کے سر پر دست شفقت بھی پھیرا پھر حسام الدین درویش عبیداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

درویش عبیداللہ مجھے آپ سے مل کر انتہائی درجے کی خوشی اور مسرت ہوئی ہے۔ اس لئے کہ جتنا عرصہ عبداللہ نادر آباد کے مکتب میں زیر تربیت رہا یہ تقریباً ہر روز ہی میرے سامنے آپ کی تعریف کیا کرتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ درویش عبیداللہ ہی ہے جس نے میرے لئے احمد شاہ ابدالی سے انصاف طلب کیا جس کے صلے میں اسے نادر آباد کے مکتب میں حرب و ضرب اور دینی تعلیم کے لئے بھیجا گیا۔ یہاں تک کہنے کے بعد حسام الدین رکا پھر وہ اپنے بھائی مجیر الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

مجیر الدین میرے بھائی لوہار خانے کو بند کر دو۔ ہماری بیٹی کامنی کو زنان خانے کی طرف لے جاؤ۔ میں درویش عبیداللہ اور شاہ پسند کو دیوان خانے میں لیکر جاتا ہوں۔ جواب میں مجیر الدین کہنے لگا۔

بھائی میں پہلے اپنی بیٹی کامنی کو زنان خانے میں لے جاتا ہوں۔ اتنی دیر تک آپ شاہ پسند اور درویش عبیداللہ کو دیوان خانے میں لے جائیں پھر میں تینوں کے گھوڑے اصطبل میں باندھ کر دانے چارے کا بھی بندوبست کر دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مجیر الدین کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا بیٹی تم میرے ساتھ آؤ۔ کامنی چپ چاپ مجیر الدین کے ساتھ ہو لی۔ مجیر الدین اسے اپنی حویلی کے زنان خانے کی طرف لے گیا تھا جبکہ حسام الدین درویش عبیداللہ اور عبداللہ کو دیوان خانے میں لے گیا تھا۔

کامنی کو زنان خانے میں چھوڑ کر مجیر الدین لوٹا اور تینوں کے گھوڑوں کو اصطبل میں باندھ کر زینیں اتارنے کے بعد ان کے دانے چارے کا بندوبست کر دیا تھا۔

اصطبل سے نکل کر جب مجیر الدین دیوان خانے میں عبداللہ کے سامنے آ کر بیٹھا تو اچانک درویش عبیداللہ کو کچھ یاد آیا اور مجیر الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مجیر الدین میرے بھائی عبداللہ مجھے احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں آپ دونوں بھائیوں کے متعلق تفصیل کے ساتھ بتا چکا ہے۔ آپ کے لوہار خانے میں داخل ہوتے ہی میں آپ سے ایک بات کہنا بھول گیا ہوں۔ مجیر الدین میرے محترم اگر آپ زحمت نہ کریں تو عبداللہ کے دائیں پاؤں میں جو لوہے کا کڑا ہے اسے کاٹ دیجئے۔ اس پر حسام الدین نے چونک کر درویش عبیداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھنے لگا۔

درویش عبیداللہ کیا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ عبداللہ نے اپنے ماں باپ کے ایک دشمن سے انتقام لے لیا ہے۔ اس پر درویش عبیداللہ خوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔

محترم حسام الدین آپ کا اندازہ درست ہے۔ ہم تینوں قندھار سے آپ کو ملنے کے لئے نہیں چلے تھے بلکہ ہم ہرات شہر کے نواح میں بندی بابا کے کوہستانی سلسلے سے اس طرف آ رہے ہیں۔ میں نے اپنے کچھ آدمی بھیج کر عبداللہ کے ماں باپ کے ایک قاتل کا پتہ کرایا تھا۔ یہاں آپ دونوں بھائیوں کو یہ بھی بتاتا چلوں کہ عبداللہ کے گلے میں جو لوہے کا تعویذ تھا وہ مقابلہ جیتنے کے بعد کھول دیا گیا تھا۔ اس میں اس کے ماں باپ کے دو قاتلوں کے نام درج تھے۔

ایک ہرات کا حکمران امیر خان اور دوسرا کابل کا سابق حکمران نصیر خان۔ امیر خان کو عبداللہ نے بندی بابا کے کوہستانی سلسلے میں موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے آپ کو اس قابل بنا دیا ہے کہ اس کے دائیں پاؤں میں جو لوہے کا کڑا ہے وہ کاٹ دیا جائے اس لئے کہ دو قاتلوں میں سے امیر خان زیادہ پر قوت اور طاقتور تھا۔ لہٰذا کڑا دائیں پاؤں کا کٹنا چاہیے اس کے بعد جب یہ کابل کے حکمران نصیر خان کا

خاتمہ کرے گا تب بائیں پاؤں کا کڑا بھی کاٹ دیا جائے گا اور ایسا کرنے کے بعد عبداللہ اپنے دادا کی ساری شرائط پوری کر جائے گا۔

مجیر الدین اور حسام الدین دونوں نے اپنی جگہ سے باری باری اٹھ کر نہ صرف یہ کہ عبداللہ کو مبارکباد دی بلکہ خوشی سے اس کی پیشانی بھی چومی۔ پھر مجیر الدین دیوان خانے سے نکلتا ہوا بولا میں ابھی اوزار لے کر آتا ہوں اور عبداللہ کے پاؤں میں پڑے ہوئے ایک کڑے کو کاٹتا ہوں۔ اس پر درویش عبیداللہ فوراً بولا اور مجیر الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

محترم مجیر الدین اگر آپ زحمت نہ سمجھیں تو آتی دفعہ کامنی کو بھی اپنے ساتھ لیتے آئیں میں چاہتا ہوں کہ یہ کڑا اس کی موجودگی میں کٹے اور وہ گواہ رہے کہ امیر خان کو قتل کرنے کے جواب میں یہ کڑا کٹا ہے۔ اس لئے کہ کامنی اب عبداللہ کے مستقبل کی ساتھی اور زندگی کی ہمسفر ہے۔ درویش عبیداللہ کی اس گفتگو سے مجیر الدین ہی نہیں حسام الدین کے چہرے پر بھی بڑی دلفریب مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر مجیر الدین مسکراتے ہوئے اور گردن اثبات میں ہلاتے ہوئے دیوان خانے سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد مجیر الدین لوٹا وہ اپنے ہاتھوں میں اوزار اٹھائے ہوئے تھا اس کے ساتھ کامنی بھی تھی اس لمحے کامنی کے چہرے پر پرسکون مسکراہٹ تھی۔ مجیر الدین آگے بڑھا عبداللہ کے قریب وہ زمین پر بیٹھ گیا پھر اس نے عبداللہ کے دائیں پاؤں میں پڑا ہوا لوہے کا کڑا کاٹ دیا تھا۔ اس کے بعد مجیر الدین نے سب سے پہلے عبداللہ کو مبارکباد دی۔ اس کے بعد حسام الدین درویش عبیداللہ اور کامنی باری باری عبداللہ کو اس کامیابی پر مبارکباد دے رہے تھے۔

دیوان خانے میں کامنی تھوڑی دیر تک میٹھی میٹھی نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ مجیر الدین کے کہنے پر زنان خانے کی طرف چلی گئی تھی۔ اس کے جانے کے بعد حسام الدین تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر اس نے درویش

اللہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

درویش عبیداللہ کامنی. جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے ہندو لڑکی ہو گی اور ستان میں ہی عبداللہ سے اس کی ملاقات ہوئی ہو گی۔ درویش عبیداللہ بولا اور کہنے محترم حسام الدین یہ کامنی ہندوستان کی ریاست بھرت پور کے راجہ سورج مل کی ماری ہے۔ یہ پہلے ہندو تھی اب اسلام قبول کر چکی ہے۔ اب یہ ایک مسلمان ہے انتہائی مخلص اور جانثار قسم کی لڑکی ہے۔ اس کے بعد درویش عبیداللہ نے ر کے نواح میں شالیمار اور محمود بوٹی کے درمیان عبداللہ کے کامنی کے لشکر پر آور ہونے اور اس کے بعد کامنی کی نفرت اور پھر محبت کی طویل داستان تفصیل ساتھ حسام الدین اور مجیر الدین دونوں بھائیوں کو سنا ڈالی تھی۔

پوری داستان سننے کے بعد حسام الدین نے پھر کچھ سوچا اور اس کے بعد وہ ش عبیداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا درویش عبیداللہ تم بچپن سے عبداللہ سرپرست اور نگران رہے ہو۔ کیا اس کے دادا نے یہ شرط بھی لگائی تھی کہ ں کڑے کٹوانے کے بعد ہی عبداللہ شادی کر سکتا ہے۔ اس پر درویش عبیداللہ اتے ہوئے کہنے لگا۔ محترم حسام الدین ایسی کوئی شرط عبداللہ کے دادا نے نہیں تھی۔ یہ تو عبداللہ نے خود اپنے آپ پر یہ شرط عائد کر رکھی ہے۔ وہ دونوں ں سے نجات حاصل کرنے کے بعد ہی شادی کرے گا۔ اس پر حسام الدین اس بار راست عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے میرے بچے میں جانتا ہوں تو ایک انتہائی سعادتمند اور بردار بیٹا ہے۔ دیکھ عبداللہ آج تک میں نے تم سے کوئی کام نہیں کہا۔ دیکھ بیرم کے فرزند کامنی کو دیکھتے ہوئے میں تجھے ایک نصیحت کرتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ یری اس نصیحت اس وصیت اور مشورے کا بھرم رکھو گے۔ اس پر عبداللہ فوراً لگا۔ محترم حسام الدین آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ آپ کہیں کیا کہنا چاہتے ہیں۔ پ کا کوئی حکم ٹالوں گا نہیں۔ اس پر حسام الدین مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ حکم

نہیں میرے بیٹے ایک مشورہ سمجھو اور وہ یہ کہ تم دوسرے کڑے کے کٹنے کا انتظار کیے بغیر کامنی سے شادی کر لو۔ میں تمہیں خوشی اور تمہارے گھر کو آباد دیکھنا چاہتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ تم انکار نہیں کرو گے اور دوسرے کڑے کے کٹنے کی شرط اپنی شادی پر عائد نہیں کرو گے۔

حسام الدین کی اس تجویز پر عبداللہ کے چہرے پر دھیمی دھیمی ہلکی ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ تھوڑی دیر وہ زیر لب مسکراتا رہا ساتھ ہی شاید کچھ سوچتا بھی رہا اس کے بعد اس نے کوئی فیصلہ کیا اور حسام الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ محترم حسام الدین میں آپ کی بات ہرگز نہیں ٹال سکتا۔ میں آپ سے صرف یہ گزارش کرتا ہوں کہ میں دوسرے کڑے کے کٹنے کی شرط شادی پر عائد نہیں کرتا لیکن میں صرف دو سال کی مہلت مانگتا ہوں۔ اس دو سال میں اگر نصیر الدین کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو گیا تو میں دو سال سے پہلے شادی کر لوں گا اور اگر میں ایسا نہ کر سکا تو دو سال گزرنے کے بعد ہر صورت میں کامنی سے شادی کر لوں گا۔ اس لئے کہ کابل کا سابق حکمران نصیرالدین ان دنوں روپوش ہے۔ میں اسے تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔ اگر میں اس کا خاتمہ کر سکا تو شادی کامنی سے پہلے ہی کر لوں گا۔ ورنہ دو سال بعد خداوند نے زندگی دی تو یہ شادی ہر صورت ہو کر رہے گی۔

اس پر حسام الدین کسی قدر اطمینان کرتے ہوئے کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بیٹے اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو میں تمہاری تجویز سے اتفاق کرتا ہوں اس پر مجیر الدین اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے بھائی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ میرے بھائی تم درویش عبیداللہ اور عبداللہ کو طہارت خانے میں لے جا کر ان کے ہاتھ منہ دھلواؤ میں اتنی دیر تک کھانا لیکر آتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی مجیر الدین اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گیا تھا۔ حسام الدین دونوں کو طہارت خانے میں لے گیا دونوں نے ہاتھ منہ دھویا۔ پھر جب وہ دیوان خانے میں آ کر بیٹھے تو مجیر الدین کھانا لے آیا اور ان سب کے سامنے چن دیا تھا۔ چاروں بیٹھ کر بڑے پر سکون ماحول میں کھانا کھانے لگے تھے۔

اس طرح عبداللہ نے کامنی اور درویش عبیداللہ کے ساتھ حسام الدین اور مجیر الدین کے یہاں ایک شب قیام کیا جبکہ دوسرے روز وہ نادر آباد سے قندھار کی طرف کوچ کر گیا تھا۔ امیر خان کے مصاحبوں کے اٹھارہ گھوڑوں کو بیچنے سے جو رقم حاصل ہوئی تھی وہ رقم بھی عبداللہ نے کوچ سے پہلے زبردستی حسام الدین اور مجیر الدین کو دے دی تھی۔



پنجاب کا حکمران بننے کے بعد احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور نے پہلا کام یہ کیا کہ پنجاب کے شورش زدہ صوبے میں اس نے جگہ جگہ امن و امان قائم کرنے کی کوشش کی۔ خواجہ عبیداللہ خان اور مرزا جان جو لاہور کی نظامت پر مقرر تھے انہیں نظامت کے عہدوں سے معزول کر کے فوجی عہدے دیے گئے اور انتظامی امور میں مشاورت کے لئے انہیں ذاتی عملے میں بھی شامل کر لیا گیا۔

دوسری طرف سازشی اور مفسدہ پرداز آدینہ بیگ کو احمد شاہ نے دو آبہ جالندھر کا ناظم مقرر کیا تھا لیکن یہ شخص پنجاب کے اندر دنگا فساد کھڑا کرنے کے لئے شوالک کے کوہستانی سلسلوں میں چھپا ہوا تھا اور چاہتا تھا کہ سکھوں کو اپنے ساتھ ملا کر احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور اور جہان خان کے خلاف میدان میں اترے۔

تیمور ہر صورت میں پنجاب کے اندر امن و امان قائم کرنے کا خواہاں تھا۔ لہٰذا اس نے قاصد آدینہ بیگ کی طرف روانہ کیا اور اسے کہلایا کہ وہ تیمور کے دربار میں پیش ہو عدم تعمیل کی صورت میں دو آبہ جالندھر کو مسخر کر کے تمام علاقے کو تباہ و برباد کر دیا جائے گا اور اگر ضرورت پیش آئی تو کوہستانی شوالک کے سلسلوں میں آدینہ بیگ کا بھی تعاقب کیا جائے گا۔

ان حالات میں آدینہ بیگ کو اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ رہا کہ تیمور کی بات مان جائے۔ لہٰذا اس نے اپنے ایلچی کو نام جس کا دل آرام تھا تیمور کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے لاہور روانہ کیا۔ دل آرام نے تیمور کے ساتھ طویل گفتگو کی جس

کے جواب میں تیمور نے چھتیس لاکھ روپے سالانہ کے عوض دو آبہ جالندھر کی فوجداری آدینہ بیگ کو بخش دی اور دربار میں آدینہ بیگ کی حاضری بھی معاف کر دی۔ چھتیس لاکھ روپے سالانہ خراج کی باقاعدہ ادائیگی کی ضمانت کے طور پر آدینہ بیگ کا ایلچی دل آرام لاہور ہی میں قیام کئے رہا۔

آدینہ بیگ کی اطاعت کے بعد ملک میں امن و امان قائم ہو گیا۔ شہروں میں انصاف کیا جانے لگا اور سڑکیں پھر سے محفوظ اور آباد ہو گئیں تھیں۔ یہاں تک کہ سکھوں کی طرف سے ایک طوفان اور انقلاب اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ اس طرح کہ امرتسر میں مقدس تالاب میں نہانے کے بہانے بے شمار سکھ جمع ہوئے پھر ان سکھوں نے آس پاس کے علاقوں میں شور و غوغا اور لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا۔ احمد شاہ ابدالی کے بیٹے اور پنجاب کے حکمران تیمور کی طرف سے اس علاقے میں امن امان قائم کرنے کا ذمے دار ایک جرنیل عطائی خان تھا۔ تیمور نے حاجی عطائی خان کی طرف پیغام بھجوایا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ چک گرو پہنچ جائے۔ اس لئے کہ جہان خان بھی لاہور سے ایک لشکر لے کر چک گرو پہنچنے والا ہے تاکہ متحدہ لشکر کے ساتھ سکھوں کی گوشمالی کا کام کیا جا سکے۔

دوسری طرف ایک جرار لشکر جمع کرنے کے لئے افغانستان کے دستور کے مطابق سپہ سالار اور تیمور کے نائب جہان خان نے نقارے کے ذریعے لاہور شہر بھر میں سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کرا دیا اور حکم دے دیا ہر وہ شخص جس کے پاس گھوڑا ہے بلالحاظ اس کے کہ وہ حکومت کا ملازم ہے یا نہیں جہاد پر جائے گا۔ جہان خان کی اس تدبیر سے لاہور شہر سے ایک کافی بڑا لشکر جمع ہو گیا جسے لیکر جہان خان امرتسر کی طرف روانہ ہوا۔

امرتسر کے نواح میں حاجی عطائی خان بھی اپنے لشکر کو لیکر جہان خان کے ساتھ آ ملا۔ لہٰذا جہان خان اس متحدہ لشکر کے ساتھ سکھوں پر حملہ آور ہوا۔ جہان خان اور سکھوں کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ سکھوں کی تعداد اس قدر زیادہ تھی کہ انہوں

ے جہان خان کے لشکر پر چاروں طرف سے حملہ کر دیا۔ سکھوں کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ ان خان کے لشکر کا ایک حصہ پسپا ہوا لیکن جہان خان کے غیرت دلانے پر اس کے ری میدان میں ڈٹ گئے اور بڑی دلجمعی کے ساتھ سکھوں کا مقابلہ کرنے لگے۔ ں نے جب طول پکڑا تو سکھ جی چھوڑنے لگے اور پھر جب ان کے لشکر کی اگلی یں درہم برہم ہو گئیں تو وہ بھاگ نکلے۔ جہان خان نے بھاگتے سکھوں کا دور تک ب کیا اور بہت سے سکھ بھاگ کر امرتسر کے گوردوارے میں داخل ہو گئے لیکن اں بھی جہان خان نے انہیں چین نہ لینے دیا اور ان کا خوب قتل عام کیا۔

اس طرح جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ ایک فاتح کی حیثیت سے امرتسر شہر میں ل ہوا۔ چند روز تک اس نے امرتسر شہر میں پڑاؤ کیے رکھا جب اس نے دیکھا کہ وں کی قوت ٹوٹ گئی ہے اور یہ کہ بچے کھچے سکھ اپنی جانیں بچانے کی خاطر گ گئے ہیں اور امرتسر میں امن قائم ہو گیا ہے تو وہ اپنا لشکر لیکر لاہور روانہ ہو گیا ۔

امرتسر میں گوردوارے پر حملے نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور سکھ افغانوں کے ف اور بھی مشتعل ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد ایک واقعہ پیش آیا جس سے صورت ل مزید خراب ہو گئی۔ اس طرح کہ دو افغان سوار جو سرہند سے امرتسر کی طرف آ ے تھے وہ ایک گاؤں بڈھا رام داس کے قریب قتل کر دیے گئے۔ اطلاع ملنے پر ان خان نے چند مسلح اہلکار روانہ کئے تاکہ گاؤں کے سرکردہ پر دباؤ ڈال کر ملزموں کا چلایا جائے۔ افغانستان کے دستور کے مطابق ان اہلکاروں نے گاؤں کے سرکردہ کو کھ تھا اس قدر اذیت دی کہ وہ تقریباً ادھ مرا ہو گیا اور موقع ملتے ہی جان بچا کر اگ گیا۔

یہ شخص اپنے علاقے کے سکھوں کا نہایت اہم شخص تھا اور اس کی بے عزتی کو ام سکھ فرقے کی توہین پر محمول کیا گیا۔ لہٰذا اس واقعے کے بعد پنجاب میں سکھوں ے چاروں طرف شہزادہ تیمور اور جہان خان کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔

اسی بغاوت کے دوران چند غیر ذمہ دار لوگوں نے شہزادہ تیمور سے ایک اور غیر دور اندیشی کا کام یہ کروایا کہ انہوں نے شہزادہ تیمور اور آدینہ بیگ کے تعلقات کو خراب کر کے رکھ دیا۔ آدینہ بیگ اور شہزادہ تیمور کے درمیان یہ طے پایا تھا کہ آدینہ بیگ چھتیس لاکھ روپے سالانہ خراج ادا کیا کرے گا۔ اس خراج کی ادائیگی کے لئے آدینہ بیگ کے دست راست دل آرام لاہور میں موجود تھا۔

اس کے باوجود چند مفسد لوگوں نے تیمور کو آدینہ بیگ کے خلاف بھڑکایا اور تیمور کو مشورہ دیا کہ آدینہ بیگ کے پاس بے شمار دولت ہے لہٰذا آدینہ بیگ کو بلا کرا سے قید کر لیا جائے اس کی بے حساب دولت ضبط کر کے انتظامی امور پر صرف کی جائے ناتجربہ کار اور ضرورتمند تیمور کو یہ مشورہ بہت پسند آیا اس نے جہان خان کو حکم دیا کہ آدینہ بیگ کو فوراً دربار میں پیش کیا جائے۔

تیمور کے حکم کے مطابق جہان خان نے ایک سفیر اس مقصد کے لئے آدینہ بیگ کی طرف روانہ کیا۔ آدینہ بیگ کو اس سے پہلے ہی تیمور کے ارادوں کا علم ہو چکا تھا۔ لہٰذا جب تیمور کا سفیر آدینہ بیگ کے پاس پہنچا تو آدینہ بیگ نے ایک طرف تو سفر کی تیاریوں کا بہانہ کر کے جہان خان کے قاصد کو ٹالے رکھا دوسری طرف وہ کوہستان شوالک کے کسی دشوار گزار مقام کی طرف جانے کی تیاریاں بڑی تیزی سے کرنے لگا تھا۔

آدینہ بیگ نے جب لاہور آنے میں تاخیر سے کام لیا تو جہان خان نے اس کے دست راست دل آرام کو لاہور میں قید کر دیا۔ لاہور کے سابق حکمران میر منوں کی بیوی مغلانی بیگم کو جب دل آرام کی قید کا علم ہوا تو اس نے ذاتی ضمانت دے کر دل آرام کو رہائی دلوائی اور لاہور سے فرار ہونے میں مدد دی تاکہ وہ آدینہ بیگ کی طرف بھاگ جائے اور زر ضمانت کی ادائیگی کا انتظام کرے اس مقصد کے لئے مغلانی بیگم نے اپنے جواہرات بھی آدینہ بیگ کی طرف بھیج دیے تھے۔ مغلانی بیگم یہ سب کچھ اس لئے کر رہی تھی کہ آدینہ بیگ بہرحال اس کا رشتہ دار تو تھا ہی۔

جہان خان کو جب اس واقع کی اطلاع ملی تو اس نے طیش میں آ کر مغلانی بیگم کو رکرنے کا حکم دیدیا۔ مغلانی بیگم کو جب علم ہوا کہ جہان خان نے اس کو گرفتار کا حکم دیا ہے تو وہ جہان خان کے حرم میں جا کر چھپ گئی تھی۔ غضبناک جہان نے اسے وہاں بھی نہ بخشا اور خوب زدوکوب کیا۔

مغلانی بیگم نے بہت کہا کہ وہ زر ضمانت میں اپنے جواہرات دیدیگی لیکن جہان و یقین نہ آیا اس کے حکم سے مغلانی بیگم کا سارا مال لوٹ لیا گیا اور تمام جائیداد رلی گئی۔

دوسری طرف جہان خان نے آدینہ بیگ کی آمد کے انتظار کے ساتھ ساتھ جنگی ں بھی مکمل کر لی تھیں۔ اس کی تجویز یہ تھی کہ آدینہ بیگ پر بے خبری میں حملہ ائے لیکن آدینہ بیگ بھی کچی گولیاں کھیلا ہوا نہیں تھا۔ بڑا سیانا۔ بڑا مفسد پرداز ڑا عیار شخص تھا اسے جہان خان کے ارادوں کا علم ہو رہا تھا لہٰذا خود آنے کے ے اس نے تحائف سے لدے ہوئے چند قاصد شہزادہ تیمور کی خدمت میں بھیجے ں کے دربار میں حاضری سے معافی چاہی دربار میں غیر حاضری کا عذر آدینہ بیگ یہ پیش کیا کہ سکھ پورے پنجاب میں شورش اور بغاوت پر آمادہ ہیں۔ لہٰذا اگر بیگ جالندھر سے نکل کر لاہور چلا آیا تو اس کی غیر موجودگی میں سکھ وہ شورش امنی پیدا کریں گے کہ اس کا فرو کرنا ناممکن ہو کر رہ جائے گا۔

لیکن آدینہ بیگ کی یہ ساری کوششیں رائیگاں گئیں۔ شہزادہ تیمور اس بات سے تھا کہ آدینہ بیگ ہر صورت میں دربار میں حاضر ہو۔ آدینہ بیگ کو جب تیمور کی ضد اور ہٹ دھرمی کا علم ہوا تو وہ بڑا محتاط ہو گیا ساتھ ہی اسے یہ بھی خبریں مل ں کہ جہان خان فوجی تیاریوں میں مصروف ہے تاکہ آدینہ بیگ پر حملہ آور ہو کر کا خاتمہ کر دے یہ حالات دیکھتے ہوئے آدینہ بیگ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ نالہ و کے کوہستانی سلسلے کی طرف چلا گیا تھا۔

اسی دوران ایک اور حادثہ نمودار ہوا وہ یہ کہ مرزا جان جو پنجاب کی ایک اہم

شخصیت تھا لاہور سے بھاگ کر کوہستان شوالک میں آدینہ بیگ کے پاس پہنچ گیا اس لئے کہ مرزا جان سے جہان خان کو خدا واسطے کا بیر ہو گیا تھا اور وہ ہر وقت مرزا جان کی تذلیل پر تلا رہتا تھا۔ مرزا جان کو جہان خان کی طرف سے چونکہ اپنی جان کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا لہٰذا پناہ کی خاطر وہ لاہور سے نکل کر کوہستان شوالک میں آدینہ بیگ کی طرف چلا گیا۔

اس واقعہ سے جہان خان کو آدینہ بیگ کے خلاف لشکر کشی کا ایک اور بہانہ ہاتھ آ گیا۔ اس دوران تک قندھار میں احمد شاہ ابدالی کو بھی پنجاب میں اٹھنے والی بغاوت اور شورشوں کا علم ہو گیا تھا اور ان پر قابو پانے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے ملتان کے حاکم مراد خان کو حکم دیا کہ وہ دس ہزار کا لشکر لیکر لاہور کی طرف روانہ ہو اور وہاں قابو پانے کے لئے جہان خان کی مدد کرے۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے ایک شخص سرفراز خان اور بلند خان کو جالندھر دو آب کا نائب مقرر کرنے کا حکم دیا۔ حکم ملتے ہی ملتان کا حاکم مراد خان دس ہزار کا لشکر لیکر لاہور پہنچ گیا۔ جہان خان نے اپنی طرف سے مزید لشکر مہیا کر کے ایک متحدہ لشکر تیار کر کے ترتیب دیا۔ اس لشکر کا سالار مراد خان کو مقرر کیا گیا جبکہ جالندھر دو آب کے نائب مقرر ہونے والے سرفراز خان اور بلند خان کو مراد خان کے نائب مقرر کئے گئے اور انہیں حکم دیا کہ آدینہ بیگ کے خلاف حرکت میں آئیں اور ہر صورت میں اسے شکست دے کر گرفتار کریں۔

دوسری طرف آدینہ بیگ نے بھی بڑی ہوشیاری سے کام لیا۔ اس نے پنجاب کے سارے سکھوں کے سرداروں سے رابطہ قائم کیا اور جہان خان کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے اس نے سکھوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ سکھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اس لئے کہ جہان خان کے ہاتھوں ان کے گوردوارے اور امرتسر کے مقدس مقامات کی توہین ہوئی تھی۔ لہٰذا وہ جہان خان کے خلاف آدینہ بیگ کا ساتھ دینے کے لئے بخوشی تیار ہو گئے تھے۔

ان حالات میں آدینہ بیگ کے لشکر کی نا صرف یہ کہ تعداد بڑھ گئی تھی بلکہ اس کی قوت میں اضافہ بھی ہو گیا تھا۔ سکھوں کے ساتھ مل جانے سے اس کے حوصلے بھی بلند ہو گئے تھے۔ لہٰذا پچیس ہزار کا ایک لشکر لے کر آدینہ بیگ ضلع ہوشیار پور میں دریائے ستلج کے کنارے ایک جگہ خیمہ زن ہو گیا۔

دوسری طرف آدینہ بیگ پر ضرب لگانے کے لئے مراد خان اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ دریائے بیاس کو پار کر کے جنوب مشرق کے رخ پر بڑی تیزی سے وہ آدینہ بیگ کی طرف بڑھا تھا۔ ہوشیار پور میں محل پور کے نزدیک دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے۔ خون ریز جنگ ہوئی۔ سکھوں کے لئے جنگ میں آدینہ بیگ کے سپاہیوں اور افغان فوجیوں میں تمیز کرنا چونکہ مشکل ہو رہا تھا لہٰذا یہ طے پایا کہ آدینہ بیگ کے لشکری اپنی پگڑیوں میں گھاس کے گچھے باندھ لیں۔

گو مراد خان اپنے ساتھ ہلکی توپیں بھی لے کر آیا تھا لیکن جب جنگ شروع ہوئی سکھوں نے اس قدر شدید حملے کئے کہ مراد خان اور اس کے لشکریوں کے پاؤں اکھڑ گئے اس جنگ میں بلند خان میدان جنگ میں کام آیا۔ مراد خان کے لشکر کا جب خاصہ نقصان ہو گیا تو مراد خان اپنی جان بچانے کی خاطر لاہور کی طرف بھاگ گیا۔ مراد خان کے بھاگنے کی وجہ سے اس کا بچا کھچا لشکر بھی بھاگ کھڑا ہوا۔ سکھوں نے دور تک اس لشکر کا تعاقب کیا اور قتل عام کیا یوں سکھوں نے مراد خان کے لشکر کو بدترین شکست دی اور اس کے لشکر کے سارے سازو سامان پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔

فتح مند سکھ جوش انتقام میں جالندھر شہر پر چڑھ دوڑے اور تمام شہر کو تاراج کر دیا۔ اب جالندھر جیسا شہر پورا کا پورا سکھوں کے رحم و کرم پر تھا۔ بالآخر آدینہ بیگ نے سکھوں کو سوا لاکھ روپیہ دیکر جالندھر شہر کے لوگوں کی جان بخشی کروائی۔ اس فتح سے سکھوں کے حوصلے اور بھی بلند ہو گئے انہوں نے پورے دو آبے کو تاراج کر دیا اور لوٹ مار اور یلغار کرتے ہوئے لاہور کے نواح تک پہنچ گئے۔ دوسری طرف آدینہ بیگ اپنے لشکر کے ساتھ جالندھر ہی میں مقیم رہا۔

سکھوں کے لاہور کے نزدیک یلغار کرنے سے صورت حال یہ پیدا ہو گئی کہ ہر

رات ہزار ہا سکھ لاہور کے نواحی علاقوں پر حملہ کر کے لوٹ مار کا بازار گرم کرتے رہتے مگر کسی کی ہمت نہ تھی کہ باہر نکل کر ان کا مقابلہ کرے۔ شہر کے دروازے رات کے دس بجے بند کر دیے جاتے تھے۔ یوں صورت حال روز بروز خراب ہوتی چلی جا رہی تھی اور پورا نظام درہم برہم ہو کر رہ گیا تھا۔

ان حالات میں پنجاب کے حاکم تیمور نے اپنے ایک اور سالار عبیداللہ کی زیر کمان پچیس ہزار سواروں پر مشتمل ایک اور لشکر سکھوں کی سرکوبی کے لئے لاہور سے روانہ کیا۔ سکھ اس لشکر پر بھی بری طرح ٹوٹ پڑے اور لاہور اور جالندھر کے درمیانی حصے میں اس لشکر کو بھی سکھوں نے نہ صرف یہ کہ بدترین شکست دی بلکہ اس لشکر کے اکثر لشکریوں کو انہوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ لشکر کا سپہ سالار عبیداللہ خان بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگا اور اس کے لشکر کا سارا سازو سامان سکھوں نے لوٹ لیا۔ احمد شاہ ابدالی تیمور کے پاس جو چند توپیں چھوڑ گیا تھا اس جنگ میں سکھوں نے وہ بھی عبیداللہ سے چھین لیں تھیں۔

اس شکست سے حالات مزید خراب ہو گئے۔ لاہور کے نواح میں تو سکھ پہلے ہی غارت گری شروع کئے ہوئے تھے۔ اب انہوں نے یہ کیا باری دو آب کو پار کرنے کے بعد بٹالہ اور قلعہ پور کے نواح پر بھی انہوں نے حملے شروع کر دیے اور ہر سو انہوں نے قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ اسی دوران ایک اور حادثہ بھی نمودار ہوا وہ یہ کہ کشمیر کا ناظم اعلیٰ ظفر خان بھی تیمور کی مدد کے لئے آیا اور ایک لشکر لیکر جالندھر کے قریب سکھوں پر حملہ آور ہوا۔ لیکن تیمور کی بدقسمتی کہ اس لشکر کو بھی سکھوں نے بدترین شکست دی اور ظفر خان بچے کھچے اور شکست خوردہ لشکر کو لیکر کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔

○

جالندھر دو آب کا فوجدار آدینہ بیگ بڑا تیز اور بڑا ہوشیار آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ وقتی طور پر اس نے پنجاب کے حکمران تیمور کے مختلف لشکروں کو پسپا ہونے پر

ر دیا ہے لیکن جہان خان کی بہتر اور زیادہ منظم سپاہ کا مقابلہ زیادہ عرصے تک وہ سکے گا اسے یہ بھی ڈر تھا کہ احمد شاہ ابدالی بذات خود بھی اپنے بیٹے تیمور کی کا بدلہ لینے کے لئے کسی وقت بھی پنجاب پر نازل ہو سکتا ہے اور اگر ایسا ہوا تو اس کے لئے روگ بن کر رہ جائے گا۔

آدینہ بیگ یہ بھی جانتا تھا کہ جہاں تک سکھوں کا سوال ہے ان کے عزائم بالکل تھے ظاہر ہے کہ ہر مرتبہ آدینہ بیگ کے لئے جنگ میں نہیں اتر سکتے تھے۔ وہ تو پنجاب پر آزاد خالصہ راج کا خواب دیکھ رہے تھے ان کا ایک ہی نعرہ تھا ”راج کا خالصہ باقی رہے نہ کوئی“ چونکہ سکھوں نے ہر طرف یلغار اور فتوحات کی مہم کر رہی تھی لہٰذا آدینہ بیگ کو خطرہ تھا کہ وقت آنے پر سکھ اس کے علاقے پر کرنے سے نہ چوکیں گے۔

آدینہ بیگ جہاں چالاک اور عیار تھا وہاں وہ بہت فہم فراست، سوجھ بوجھ اور دان انسان بھی تھا۔ آنے والے خدشات پر قابو پانے کے لئے اس نے یہ حل اس نے مرہٹوں کے ساتھ گفت و شنید کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔ آدینہ بیگ ٹوں کو یہ پیش کش کی کہ اگر وہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے سامنے پنجاب میں مدد کے لئے آئیں تو وہ مرہٹوں کے لشکر کو سفر کے دوران ایک لاکھ روپے اور قیام کے دوران میں پچاس ہزار روپے روزانہ ادا کرے گا۔

ہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ نے اس پیش کش کو قبول کر لیا ایک بہت بڑا لشکر ترتیب دیا اور اس لشکر کا سپہ سالار اس نے اپنے بھائی رگوناتھ راؤ کو بنایا ایک جرنیل ملہار راؤ ہولکر کو اپنے بھائی کا نائب مقرر کیا۔ اس طرح یہ لشکر طرف روانہ ہوا۔

ینہ بیگ کے ساتھ معاملہ طے پانے کے بعد مرہٹوں کا لشکر انبالہ اور مغلسرائے ہوا سرہند شہر کی طرف بڑھا تھا۔ سرہند شہر سے باہر ہی آدینہ بیگ اور سکھ اپنے لشکر لیکر مرہٹوں کے ساتھ مل گئے تھے۔

سکھ سرہند کے خلاف خاص طور پر مشتعل اور برہم تھے اس لئے کہ یہ وہی ش
تھا جہاں ان کے گرو بند سنگھ کے چھوٹے لڑکوں کو قتل کیا تھا۔ ان حالات میں سرہ
کے لوگوں پر اپنا غصہ اتارنے کے لئے سکھوں نے آدینہ بیگ سے وعدہ لے لیا تھا ک
سب سے پہلے وہ سرہند شہر میں داخل ہونے کے بعد لوٹ مار کریں گے۔

احمد شاہ ابدالی کی طرف سے سرہند کے حاکم عبدالصمد نے سرہند کے دفاع کے
انتظامات بیشک خوب مستحکم کر رکھے تھے لیکن جب مرہٹوں' ادینہ بیگ اور سکھوں کے
متحدہ لشکر سرہند شہر پر حملہ آور ہوا تو عبدالصمد خان زیادہ دیر تک دفاع نہ کر سکا۔ اس
متحدہ لشکر نے شہر کو فتح کر لیا اور عبدالصمد سمیت دوسرے سرکردہ لوگ اپنی جانیں
بچانے کی خاطر بھاگ گئے۔ شہر فتح ہونے کے بعد سب سے پہلے سکھ شہر میں داخل
ہوئے اور ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔ سکھوں کے بعد
مرہٹوں نے شہر کو لوٹا اور ہر طرف لوٹا مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا
سکھوں کے بعد مرہٹوں نے شہر کو لوٹا اور تیسرے دن نواحی دیہات کے باشندے شہر
چڑھ دوڑے اور جو کچھ ہاتھ لگا وہ لے بھاگے۔ روؤسا اور شرفا کے محل مٹی میں
دیئے گئے اور ان کے دروازے اور شہتیر تک لوٹ لئے گئے۔ خزانوں کی تلاش میں
ان محلات کے فرش تک اکھاڑے دیئے گئے اور جو کچھ ملا لوٹ لیا۔

سکھوں کے حصے میں سرہند کی فتح پر چونکہ زیادہ مال و دولت ہاتھ آیا تھا اس۔
قدرتی طور پر مرہٹوں کے دل میں ان کے خلاف حسد پیدا ہوا اور اسی حسد کے نتیجے
سکھوں اور مرہٹوں کے چند دستوں میں جھڑپ بھی ہو گئی تھی مگر ادینہ بیگ
کوششوں سے امن بحال ہو گیا۔ چونکہ لوٹ مار کے معاملات میں آئندہ بھی مرہٹوں
اور سکھوں کے درمیان ٹکراؤ کا خطرہ تھا لہٰذا ادینہ بیگ نے یہ طے کیا کہ پیش قد
کرتے وقت سکھ جن کی تعداد پندرہ ہزار کے قریب تھی مرہٹوں سے کم از کم دو
آگے رہا کریں گے۔

سرہند کی فتح کے بعد ادینہ بیگ نے ایک اور چال چلی وہ بڑا تیز فہم و فراست

ان تو تھا ہی۔ ساتھ ہی عیار اور فریب کار بھی تھا۔ مرہٹوں کے ساتھ اس نے ساز
ز کر لی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ مرہٹے کسی بھی وقت اسے دھوکہ دے سکتے ہیں لہٰذا
پنی مدد کے لئے کئی اور دروازے بھی کھلے رکھنا چاہتا تھا۔ اسی سوچ و بچار کے تحت
نے جہان خان کے نام ایک خط لکھا اور قاصدوں کے ذریعے وہ خط جہان خان کی
ف روانہ کیا۔ اس نے اس خط میں لکھا کہ مرہٹے اچانک پنجاب میں آ گھسے ہیں اور
طلقاً" ان کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور ہے۔

اس خط میں ادینہ بیگ نے جہان خان کو یہ بھی اطلاع دی تھی کہ مرہٹوں کی
ج بڑی تیزی سے پیش قدمی کر رہی ہیں اس لئے جہان خان کو چاہیے کہ فوراً ان
مقابلے کے لئے آگے بڑھے۔ ایسا کرنے سے ادینہ بیگ کا مقصد یہ تھا کہ جہان
کو اپنی فرمانبرداری کا فریب دے کر کم از کم اس کے ساتھ مصالحت کے دروازے
رکھے جائیں۔

ادینہ بیگ کے اس خط کے جواب میں جہان خان نے ایک بہت بڑا لشکر ترتیب
ر مرہٹوں' سکھوں اور ادینہ بیگ کے متحدہ لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے جمع کیا
جہان خان کی بدقسمتی کہ اس لشکر کو بھی اس متحدہ لشکر نے بدترین شکست دی۔
رت حال دیکھتے ہوئے جہان خان کو اپنی زندگی کے لالے پڑ گئے۔ اس لئے کہ
ں' سکھوں اور ادینہ بیگ کا لشکر بڑی تیزی سے لاہور کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس
علاوہ جہان خان کو یہ بھی خطرہ تھا کہ لاہور شہر اور اس کے گردو نواح میں جس
کھ ہیں وہ کسی بھی وقت اس کے خلاف اٹھ کر ایک شورش اور بلولے برپا کر
ہیں۔ لہٰذا ان حالات میں جہان خان نے تیمور کو مشورہ دیا کہ اپنے ساتھیوں اور
کھچے لشکر کو لیکر فوراً لاہور سے نکل کر افغانستان کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے
نے جہان خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا لہٰذا دریائے راوی کے اس پار پڑاؤ
کر دیا گیا تاکہ اپنے لشکر اور لواحقین کو وہاں جمع کرنے کے بعد افغانستان کی طرف
کیا جائے۔

آخر وہ وقت بھی آیا کہ تیمور اور جہان خان نے بے بسی سے دریائے راوی کے
کنارے سے افغانستان کی طرف کوچ کیا۔ مرہٹوں، سکھوں اور ادینہ بیگ کو بھی ا
کے لاہور چھوڑنے کا علم ہو گیا تھا لہٰذا انہوں نے بڑی تیزی سے ان کا تعاقب
ایمن آباد تک یہ تعاقب بھرپور طریقے سے جاری رہا لیکن تیمور اور جہان خان کس
کسی طرح اپنے لشکر اور لواحقین کو بچاتے ہوئے دریائے چناب کے کنارے پہنچ گ
وزیر آباد کے قریب جہان خان کے لشکریوں نے پہلے ہی دریا کے عبور کرنے کے لئے
کشتیوں کا پل باندھ دیا تھا لہٰذا تیمور اور جہان خان اپنے لشکر کو لیکر دریائے چناب
پار کر گئے۔

دریائے چناب کو پار کرنے کے بعد جہان خان نے کشتیوں کے اس پل کو آگ
دی۔ بارشوں کے باعث دریا سیلابی اور طغیانی حالت میں تھا۔ لہٰذا پل کے جل جا
کی وجہ سے مرہٹے، سکھ اور ادینہ بیگ تیمور اور جہان خان کا تعاقب نہ کر سکے ا
طرح تیمور اور جہان خان باحفاظت افغانستان کی طرف روانہ ہونے میں کامیاب
گئے۔ اس تعاقب کے دوران سکھوں کے ہاتھ کچھ افغان قیدی لگ گئے ان قیدیوں
سکھ امرتسر لے گئے اور ان سے سکھوں نے امرتسر میں اپنے گوردواروں کے
مقدس تالاب صاف کروائے جو گزشتہ جنگوں میں کوڑا کرکٹ سے بھر گئے تھے۔



ایک روز سورج غروب ہونے کے تھوڑی دیر بعد عبداللہ، کامنی اور درویش
عبیداللہ اپنی حویلی میں داخل ہوئے انہوں نے دیکھا حویلی میں روشنی ہو رہی تھی جو
وہ اپنے گھوڑوں سے اتر کر حویلی کے صحن میں داخل ہوئے اندر سے بڑی تیزی
ساتھ قاسم اور اس کی بیوی ارزون نکلے۔ ارزون بھاگ کر کامنی سے لپٹ گئی تھی
قاسم نے پہلے درویش عبیداللہ سے مصافحہ کیا پھر وہ عبداللہ کی طرف بڑھا۔ عبداللہ
اس نے گلے لگایا پھر وہ بڑی چاہت اور محبت میں عبداللہ کو مخاطب کرتے ہو
پوچھا۔

سن میرے عزیز بھائی تو جس مہم پر گیا تھا اس کا کیا ہوا۔ اس پر عبداللہ نے اپنے
ائیں پاؤں کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ قاسم میرے بھائی میری دائیں
نگ کی طرف دیکھو میں نے اسے لوہے کے کڑے سے نجات دیدی ہے۔ جس کا
طلب یہ ہے کہ میں نے ہرات کے سابق حکمران امیر خان کو قتل کر دیا ہے۔
عبداللہ کے اس انکشاف پر قاسم کچھ ایسا خوش ہوا کہ وہ دوبارہ عبداللہ سے لپٹ
یا اور لگاتار کئی بار اس نے عبداللہ کی پیشانی چوم لی۔ ارزون بھی قریب آ کر اس مہم
ں کامیابی پر عبداللہ کو مبارکباد دے رہی تھی۔ قاسم نے تینوں کے گھوڑوں کو پکڑ کر
طبل میں باندھا۔ ان کی زینیں اور دھانے علیحدہ کئے اور ان کے آگے چارہ ڈالدیا
رسارے دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے تھے۔ پھر ارزون بولی اور بڑی اپنائیت میں وہ
داللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔
شاہ پسند میرے بھائی جب سے آپ تینوں گئے ہیں میں ہر روز حویلی کو اسی طرح
ثن کرتی رہی ہوں اس کے اندر چراغ بھی جلاتی رہی ہوں۔ صحن اور دوسرے
راف میں برابر مشعلیں بھی روشن کرتی رہی ہوں۔ جواب میں عبداللہ نے ارزون کا
یہ ادا کیا اس کے بعد قاسم بولا اور عبداللہ سے کہنے لگا۔
شاہ پسند میرے بھائی احمد شاہ ابدالی عم عبیداللہ اور تم دونوں پر بے انتہا خفا اور
اض ہے۔ وہ کئی بار مجھے طلب کر کے تمہارے متعلق پوچھ چکا ہے اور ہر بار میں
اسے یہی جواب دیا کہ درویش عبیداللہ شاہ پسند اور کامنی کو اپنے کسی جاننے والے
، یہاں لے گیا ہے۔ پاشا نے کئی بار مجھ سے پتہ مانگا کہ درویش عبیداللہ کہاں لے
ہے لیکن میں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مجھے افسوس ہے کہ میں
یش عبیداللہ سے پتہ نہیں پوچھ سکا۔
پاشا ان دنوں بے حد برہم ہے۔ اس وجہ سے کہ پہلے تو ہندوستان سے یہ خبریں
ل تھیں کہ سکھوں نے تیمور اور جہان خان کو بدترین شکستیں دی ہیں لہٰذا تیمور
جہان خان اپنے بچے کھچے لشکریوں کے ساتھ لاہور چھوڑ کر قندھار کا رخ کر

رہے ہیں اور ابھی کل ہی پاشا کو یہ اطلاع ملی ہے کہ قلات کے والی نصیر خان نے بھی پاشا کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور اپنی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے ان دو وجوہات کی بنا پر پاشا دن میں کئی کئی بار تمہارے متعلق پوچھتے رہے ہیں اور تمہارا پتہ نہ ملنے کی وجہ سے وہ بے حد برہمی اور ناراضگی کا اظہار کرتے رہے ہیں میرے خیال میں تم پہلے کھانا کھاؤ اور پھر پاشا سے مل لو۔

عبداللہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا قاسم بھائی جتنی دیر تک ارزون بی بی اور کامنی مل کر کھانا تیار کرتی ہیں اتنی دیر تک میں پاشا سے مل لیتا ہوں۔ آپ سب لوگ بیٹھ کر باتیں کریں۔ درویش عبیداللہ بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے پاشا کے خیمے میں پہلے میں جاؤں گا۔ تمہارے وہاں داخلے سے پہلے پاشا کے غصے کو میں فرو کر لوں گا۔ اس کے بعد جب میں تمہیں بلاؤں پھر تم خیمے میں داخل ہونا۔ اب آؤ پاشا سے مل لیں۔ اس کے ساتھ ہی درویش عبیداللہ اور عبداللہ دونوں دیوان خانے سے نکل گئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد درویش عبیداللہ احمد شاہ ابدالی کے محل نما خیمے کے اس کمرے میں داخل ہوا جس میں وہ لوگوں سے ملاقات کیا کرتا تھا۔ خوش قسمتی سے اس وقت اس کمرے میں احمد شاہ ابدالی سوچوں میں گم اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ جوں ہی درویش عبیداللہ کھنکھارتا ہوا کمرے میں داخل ہوا احمد شاہ ابدالی چونک سا پڑا۔ لمحہ بھر کے لئے درویش عبیداللہ کو دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر خفگی اور ناپسندیدگی کے آثار نمودار ہوئے پر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو قابو پا لیا اور کسی قدر نرم مگر جواب طلب آواز میں عبیداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

درویش عبیداللہ تم عبداللہ اور کامنی کو لیکر کہاں غائب ہو گئے تھے۔ میں گزشتہ کئی دنوں سے ایک کرب ایک اذیت میں مبتلا ہوں مجھے خدشہ اور خطرہ ہو رہا تھا کہ کہیں عبداللہ پر کہیں کسی دشمن نے حملہ نہ کر دیا ہو۔ یا وہ کسی حادثے کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ درویش عبیداللہ عبداللہ اور کامنی کو لیکر کہیں جانے سے پہلے تمہیں کم از کم مجھ

بات کرنی چاہیے تھی۔ مجھ سے اجازت لینی چاہیے تھی مجھے بتا کر جانا چاہیے تھا کہ ان دونوں کو کہاں لیکر جا رہے ہو اور کب واپس لاؤ گے۔

احمد شاہ ابدالی کی اس جواب طلبی پر درویش عبیداللہ مدہم میٹھی آواز میں بولا اور نے لگا۔ پاشا اگر اجازت ہو تو آپ کے سامنے بیٹھ کر کچھ عرض کروں۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے سامنے ہاتھ مارا اور کسی قدر نرم آواز میں کہنے لگا۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ یش عبیداللہ احمد شاہ ابدالی کے سامنے بیٹھ گیا اور کہنے لگا پاشا بات یہ ہے کہ جو دو ں میں نے ہرات کے سابق حکمران امیر خان کا پتہ کرنے کے لئے بھیجے تھے وہ واپس ئے تھے اور انہوں نے مجھے اور عبداللہ کو اطلاع دی تھی کہ امیر خان کوہستان ی بابا کی وادیوں میں کاروخ نام کے شہر میں قیام کئے ہوئے ہیں وہاں اس کی بریں ہیں اور بندی بابا کے کوہستانی سلسلوں میں وہ برفباری میں شکار کرنے کی یاں کر رہا ہے۔ بس یہ خبر سنتے ہی پاشا شاہ پسند نے مجھ سے کہا کہ ہمیں فوراً پاشا کو ئے بغیر کوہستان بابا کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے اور وہاں امیر خان سے انتقام لینا ہے۔

پاشا یہ سب کچھ میری مرضی سے نہیں بلکہ آپ کے شاہ پسند کی مرضی سے طے تھا۔ شاہ پسند چاہتا تھا کہ اس مہم کی آپ کو خبر نہ کی جائے۔ اسے خطرہ تھا کہ اگر ی اطلاع آپ کو کر دی گئی تو آپ اس کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے دستے ادیں گے اس طرح وہ یہ سمجھتا تھا کہ امیر خان سے یہ انتقام صحیح معنوں میں اس کا م نہ ہوتا بلکہ ان حفاظتی دستوں کا ہوتا جو اس کے ساتھ روانہ کئے جاتے۔ لہٰذا اللہ اکیلا جا کر امیر خان سے انتقام لینا چاہتا تھا بس پاشا میں نے بھی آپ کے شاہ کی تجویز سے اتفاق کیا تو میں شاہ پسند اور کامنی آپ کو بتائے بغیر بندی بابا کے ستانی سلسلوں کی طرف روانہ ہو گئے۔

یہاں تک کہنے کے بعد درویش عبیداللہ جب تھوڑی دیر کے لئے رکا تو احمد شاہ لانے بڑی بے چینی اور بے تابی میں پوچھا۔ اچھا اگر یہ بات تھی تو پھر تم نے اس

مہم کا کیا کیا۔ کیا کوہستان بندی بابا کے سلسلوں میں امیر خان ملا اور کیا شاہ پسند نے اس سے انتقام لے لیا۔ اس پر درویش عبیداللہ نے اپنے ہونٹوں پر اطمینان بھری مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے کہا۔

پاشا یہ آپ کا شاہ پسند بھی کمال کا انسان ہے۔ جس وقت ہم کوہستان بندی بابا میں داخل ہوئے اس وقت برفباری اپنے عروج پر تھی اور امیر خان اپنے بیں مصاحبوں کے ساتھ برفباری میں جنگلی بکریوں کا شکار کر رہا تھا۔ شاہ پسند نے ہمیں اس شاہراہ کی طرف بھجوا دیا جو ہرات کے اوپر سے گھوم کر اس شاہراہ سے آملتی ہے جو قندھار کی طرف آتی ہے۔ خود وہ امیر خان کی طرف گیا جو ایک چٹان پر کھڑا اپنے شکار کرنے والے مصاحبوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ پاشا اس شاہ پسند نے دانشمندی اور شہزوری کا کچھ نہ پوچھے۔ شاہ پسند اپنا گھوڑا اس کے قریب لے گیا جس طرح شاہین فضاؤں کے اندر کبوتر کو اچکتا ہے اس طرح گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے شاہ پسند نے امیر خان کو اچک کر اپنے گھوڑے پر بٹھا لیا اور اس شاہراہ پر اپنے گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیا جس طرف اس نے ہمیں روانہ کیا تھا۔ اس منظر کو امیر خان کے مصاحب بھی دیکھ چکے تھے لہٰذا وہ بھی گھوڑوں پر سوار ہو کر شاہ پسند کے تعاقب میں لگ گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی نے ایک بار پھر بیتاب اور بے چین ہو کر درویش عبیداللہ کی بات کو کاٹ دیا اور پوچھنے لگا پھر کیا ہوا احمد شاہ ابدالی کی اس بیتابی پر درویش عبیداللہ کھل کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا وہی ہوا جو شاہ پسند چاہتا تھا۔ شاہ پسند امیر خان کو میرے اور کامنی کے پاس لایا اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ایک چٹان کے قریب ڈال دیا۔ خود ہم تینوں ایک بڑی چٹان کی اوٹ میں بیٹھ گئے جوں ہی امیر خان کے مصاحب ہمارے قریب آئے ہم نے ان پر ایسی تیر اندازی کی کہ ان سب کا خاتمہ کر دیا۔ اس کے بعد شاہ پسند نے امیر خان کی بھی گردن کاٹ دی۔ وہاں سے فارغ ہونے کے بعد شاہ پسند کے کہنے پر ہم نادر آباد چلے گئے وہاں شاہ پسند اپنے استاد حسام الدین اور اس کے بھائی مجیر الدین سے ملا۔ پاشا ہم نے ایک رات وہاں بسر کی صبح ہم نے وہاں سے

چ کیا۔ کوچ کرتے وقت پاشا شاہ پسند نے ایک ایسا کام کیا جو میرے دل کو بہت ۔ احمد شاہ ابدالی نے مسکراتے ہوئے پوچھا کون سا کام۔ درویش عبیداللہ کہنے لگا۔ پاشا امیر خان کے اٹھارہ مصاحبوں کو ہم نے تیر برسا کر ختم کر دیا تھا۔ مرنے ں کے اٹھارہ گھوڑوں کو لیکر ہم ہرات شہر آئے اور ایک سوداگر کے ہاتھ ہم نے وہ ارہ گھوڑے فروخت کر دیے۔ ان اٹھارہ گھوڑوں کی فروخت سے جو رقم ملی وہ نادر ے رخصت ہوتے وقت عبداللہ نے اپنے استاد حسام الدین کے حوالے کر دی۔ م الدین وہ رقم قبول نہیں کرتا تھا لیکن شاہ پسند نے بڑے اصرار اور بڑی التجا کر وہ رقم حسام الدین کو دی۔ پاشا جس وقت شاہ پسند وہ رقم اپنے استاد محترم حسام ین کو دے رہا تھا خدا گواہ ہے مجھے ایسا سکون ایسا اطمینان ہوا جس کا میں اظہار ں کر سکتا۔

درویش عبیداللہ کے اس انکشاف پر جہاں تھوڑی دیر قبل تک احمد شاہ ابدالی کے ے پر خفگی' ناراضگی اور غضبناکی' ناپسندیدگی کے آثار تھے وہاں اب اس کے چہرے سکراہٹ ہی مسکراہٹ اور مسرتیں ہی مسرتیں رقص کر رہی تھیں۔ پھر وہ درویش اللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ درویش عبیداللہ کیا تمہارے ساتھ شاہ پسند اور نی بھی لشکر میں آ گئے ہیں۔ اس پر درویش عبیداللہ کہنے لگا۔ بے شک پاشا وہ لشکر آ چکے ہیں۔ احمد شاہ ابدالی گلہ کرنے کے انداز میں پوچھنے لگا پھر وہ مجھ سے ملنے ں نہیں آیا۔ عبیداللہ پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا پہلے میں آپ کے کمرے داخل ہوا ہوں تاکہ آپ کا غصہ ٹھنڈا کروں۔ اس لئے کہ شاہ پسند کے بھائی قاسم بتا دیا تھا کہ آپ کئی بار میرا اور شاہ پسند کا پوچھ چکے ہیں اور آپ بڑے غصے اور اضگی کی حالت میں ہیں۔ لہٰذا شاہ پسند کو میں نے آپ کے کمرے کے دروازے پر ڑا کیا پہلے میں خود اندر آیا تاکہ آپ اگر ناراض اور خفا ہوں تو جس قدر ناراضگی رخفگی کا اظہار کرنا چاہتے ہیں مجھ سے کر لیں۔ شاہ پسند سے کچھ نہ کہیں۔

درویش عبیداللہ کی اس گفتگو پر احمد شاہ ابدالی نے ایک بلند اور بھرپور قہقہہ لگایا

پھر وہ اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔ درویش عبیداللہ تم بڑے ظالم انسان ہو
ہمارے بیٹے کو تم نے ہمارے کمرے کے باہر کھڑا کر دیا اور خود آ کر ہمارے ساتھ
گفتگو ہو گئے ہو۔ پھر احمد شاہ ابدالی اپنے کمرے کے دروازے پر آیا اس نے
عبداللہ وہاں بت کی طرح خاموش اور پرسکون کھڑا تھا۔ احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر
اسے دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر اس نے شاہ پسند کو اپنے ساتھ لپٹا
اور لپٹائے ہی لپٹائے وہ اسے اپنے کمرے میں لایا اور سامنے بٹھاتے ہوئے پھر
لگا۔

شاہ پسند۔ میرے بیٹے مجھے تم پر اور درویش عبیداللہ پر بے انتہا غصہ اور ناراضگی
تھی کہ تم دونوں مجھے بتائے بغیر کامنی کو ساتھ لیکر نہ جانے کہاں غائب ہو گئے ہو لیکن
یہ سن کر کہ تم نے اپنے دشمن امیر خان کا خاتمہ کر دیا ہے۔ میری ساری ناراضگی
سارے گلے، سارے شکوے جاتے رہے ہیں۔ بیٹے تجھے کم از کم مجھے بتا کر جانا چاہئے
تھا۔ اگر تو اپنے ساتھ محافظ دستوں کو نہیں لے جانا چاہتا تھا نہ سہی لیکن کم از کم مجھے
تو خبر ہوتی کہ تم کہاں ہو۔ تاکہ خدا نہ کرے اگر کوئی حادثہ پیش آئے تو میں تمہیں
تلاش تو کرنے والا ہوں۔ بیٹے دیکھ تیرا میرا تعلق، رابطہ اور رشتہ ایک حکمران اور ایک
امیر لشکر کا نہیں۔ بلکہ ایک باپ اور بیٹے کا ہے۔ تمہارے یوں غائب ہو جانے پر میں
پریشان اور فکر مند نہیں ہوں گا تو اور کون ہو گا۔

جواب میں عبداللہ کہنے لگا۔ پاشا میں آپ کے ان جذبات کی قدر کرتا ہوں اور
آپ کا شکر گزار ہوں پر پاشا میں آپ کو ایک اچانک تاثر دینا چاہتا تھا اس لئے میں
آپ کو بتائے بغیر چلا گیا۔ میں چاہتا تھا کہ واپس آ کر آپ کو امیر خان کے قتل کی
خوشخبری دوں۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے اپنی ٹانگ بڑھائی اور احمد شاہ ابدالی کو
مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاشا میری ٹانگ کی طرف دیکھئے۔ امیر خان کو قتل کرنے کے بعد میں نادر آباد
گیا تھا اور وہاں سے اپنے استاد محترم حسام الدین کے بھائی مجیر الدین سے میں

یں پڑا ہوا کڑا بھی کٹوا دیا ہے۔ اب بائیں ٹانگ کا کڑا رہ گیا ہے اور کابل کے
حکمران نصیر خان کا خاتمہ کرنے کے بعد میں اس ٹانگ کے کڑے سے بھی نجات
کر لوں گا۔ اس کے بعد مجھے اپنی ذات پر فخر ہو گا کہ میں نے اپنے دادا کی
شرائط اور ساری خواہشوں کو پورا کر دیا ہے۔

احمد شاہ ابدالی بے حد اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے
میرا سارا غصہ، شکوہ اور گلہ دور کر دیا ہے۔ میں تجھے امیر خان کے قتل اور
کے ایک کڑے سے نجات حاصل کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں۔ بیٹے اب میں اس
ع کی طرف آتا ہوں جس کی خاطر میں بڑی بے چینی سے تیرا انتظار کر رہا تھا۔
ند میرے بیٹے پہلی بری خبر یہ ہے کہ ہندوستان میں ہمارے خلاف بغاوت ہو چکی
سکھوں نے پنجاب میں جگہ جگہ شہر شہر قریہ قریہ بلوے اور بغاوتیں کھڑی کر دی
تیمور اور جہان خان کو سکھوں نے شکست دی ہے اور مجبور اور بے بس ہو کر
اور جہان خان دونوں اپنے بچے کھچے لشکر اور ساتھیوں کے ساتھ قندھار کا رخ
ہے ہیں۔

شاہ پسند میرے بیٹے دوسری بری خبر یہ ہے کہ قلات کے ولی نصیر خان نے ہمارے
بغاوت کر دی ہے۔ ہمارے جو آدمی قلات میں مقیم تھے انہیں نصیر خان نے
ر دیا ہے اور اپنی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کر دیا ہے۔ ان دو امور کی بنا پر
ند میرے بیٹے میں بڑی بے چینی، بڑی بے صبری سے تیرا انتظار کر رہا تھا۔ اب
و آ گیا ہے میرے بیٹے دیکھ میرا لائحہ عمل یہ ہے کہ کل ہم اپنے لشکر کو لیکر
ے کوچ کریں گے۔ پہلے ہم یہاں سے قلات کی طرف پیش قدمی کریں گے۔
یر خان سے نپٹنے کے بعد پھر ہم ہندوستان کا رخ کریں گے۔ پہلے ہم یہاں سے
کی طرف پیش قدمی کریں گے۔ باغی نصیر خان سے نپٹنے کے بعد پھر ہم ہندوستان
خ کریں گے اور وہاں سکھوں نے جو ادینہ بیگ اور مرہٹوں کے ساتھ مل کر ہمیں
ا پہنچایا ہے اس کی تلافی کریں گے۔ جواب میں عبداللہ کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ

خیمے کے اس کمرے میں شاہ ولی خان داخل ہوا۔ عبداللہ اور درویش عبیداللہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کر شاہ ولی خان سے ملے۔ پھر شاہ ولی خان عبداللہ کے پہلو میں بیٹھ گیا اور بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ لوٹ آئے ہو۔ پر یہ تو کہو تم کہاں چلے گئے تھے۔ جواب میں عبداللہ کے بجائے خود احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔

شاہ ولی خان میرے دوست میرے رفیق شاہ پسند کو مبارک دو۔ یہ مجھے بتائے بغیر ہرات کے سابق حکمران امیر خان کے پیچھے چلا گیا تھا اور اسے قتل کر آیا ہے۔ اس کی دائیں ٹانگ کی طرف دیکھو۔ اس نے دائیں ٹانگ کا کڑا کٹوا کر علیحدہ کر دیا ہے اس لئے کہ یہ اپنے ماں باپ کے ایک دشمن کا خاتمہ کر چکا ہے۔ اب اس کی بائیں ٹانگ میں کڑا رہ گیا ہے جو کابل کے سابق حکمران نصیر خان کے قتل کا منتظر ہے۔

شاہ ولی خان نے اس کارگزاری پر عبداللہ کو مبارک دی۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور کہنے لگا۔ شاہ ولی خان میرے دوست تمہارے آنے سے پہلے میں نے شاہ پسند کے ساتھ سارا معاملہ طے کر لیا ہے۔ کل لشکر یہاں سے کوچ کرے گا۔ شاہ ولی خان کل ہی کچھ قاصد تیمور اور جہان خان کی طرف روانہ کر دو اور انہیں بھی ہمارے لائحہ عمل سے آگاہ کر دو۔ شاہ پسند تم ایسا کرو تم سفر سے تھکے ہوئے آئے ہو تم اور درویش عبیداللہ دونوں جاؤ اور آرام کرو اس لئے کہ کل تم نے پھر سفر پر روانہ ہونا ہے لہٰذا دونوں جاؤ اور جا کر آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی درویش عبیداللہ اور عبداللہ اٹھے اور احمد شاہ کے کمرے سے نکل گئے تھے۔

عبداللہ اور درویش عبیداللہ جب اپنی حویلی کے دیوان خانے میں داخل ہوئے تو وہاں قاسم اکیلا بیٹھا ان دونوں ہی کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ جونہی عبداللہ اس کے سامنے آ کر بیٹھا قاسم نے بڑی بے چینی سے اسے مخاطب کر کے پوچھا۔

عبداللہ میرے بھائی پاشا نے کیا کہا۔ اس پر عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا پاشا نے کیا کہنا تھا بس وہ میری کارگزاری پر بے حد خوش ہوا اور مجھے مبارکباد دی کہ میں نے

رخان کو قتل کر کے اپنی ٹانگوں میں پڑے ہوئے ایک کڑے سے نجات حاصل کر لی ین اس موقع پر کامنی اور ارزون بھی دیوان خانے میں داخل ہوئیں وہ دونوں عبداللہ کی گفتگو سن کر خوش ہو گئیں تھیں پھر کامنی بولی اور کہنے لگی کھانا تیار میرے خیال میں پہلے کھانا کھا لیں۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

ہاں بھوک تو لگی ہے کھانا کھائیں اور ایک بات اور وہ یہ کہ کل میں یہاں سے ر کے ساتھ قلات کی طرف کوچ کر رہا ہوں اس لئے کہ قلات کے والی نصیر خان پاشا کے خلاف بغاوت کر دی ہے۔ وہاں سے شاید ہمیں ہندوستان کا رخ کرنا ے۔ کامنی میرے خیال میں تم یہیں رہو خواہ مخواہ میں تم کہاں قلات اور وہاں سے ستان کا چکر لگاتے ہوئے خوار ہوتی پھرو گی۔ میرے خیال میں قاسم بھائی کی روانگی بعد ارزون بہن بھی یہیں رہنا پسند کریں گی۔ تم دونوں اسی حویلی میں رہنا اور اری نگرانی اور نگہداشت کے لئے عم عبیداللہ کو بھی یہیں چھوڑ جاؤں گا۔ اس پر نی فوراً بولی اور کہنے لگی۔

میں تو یہاں نہیں رہوں گی میں تو آپ کے ساتھ لشکر میں رہوں گی۔ میں ارزون ن سے بات کر چکی ہوں یہ خود بھی قاسم بھائی کے ساتھ لشکر میں روانہ ہو رہی ۔ لہٰذا میں اکیلی پیچھے بیٹھ کر کیا کروں گی۔ اس پر درویش عبیداللہ بھی فوراً بولا اور ے لگا۔ کامنی ٹھیک کہتی ہے شاہ پسند میرے بیٹے میں بھی تمہارے ساتھ لشکر میں انہ ہونا پسند کروں گا۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

اگر آپ سب لوگوں کی یہی نیت ہے کہ سب لشکر میں شامل ہوں تو مجھے کیا راض ہے۔ بہرحال کھانا لاؤ بھوک لگی ہے۔ عبداللہ کا یہ جواب سن کر کامنی اور زون دونوں خوش ہو گئیں تھیں۔ بھاگی بھاگی وہ گئیں کھانا لیکر آئیں پھر وہ سب ے بیٹھ کر کھانا کھانے لگے تھے۔ دوسرے روز سب لشکر کے ہمراہ قندھار سے قلات طرف کوچ کر گئے تھے۔

○

تیمور اور جہان خان دریائے چناب کو عبور کرنے کے بعد کسی قدر مطمئن ہو گئے تھے اس لئے کہ دریا چناب چونکہ طغیانی پر تھا اور کشتیوں کا عارضی پل جو جہان خان نے بنوایا تھا وہ چونکہ جلا دیا گیا تھا لہٰذا سکھ اور مرہٹے ان کا تعاقب نہ کر سکے تھے اس لئے اب وہ بے خطرے سے ہو کر درمیانی رفتار سے آگے بڑھنے لگے تھے۔ تیمور اور جہان خان دونوں اپنے لشکر کے آگے آگے تھے دونوں کے گھوڑے ساتھ ساتھ چال بھاگ رہے تھے۔ گجرات سے چند میل آگے جا کر شہزادہ تیمور لگاتار جہان خان کی طرف بڑے غور سے دیکھنے لگا۔ جہان خان کا گھوڑا گو دلکی چال چلتے ہوئے تیمور کا ساتھ دے رہا تھا لیکن گھوڑے پر بیٹھے ہوئے جہان خان کی گردن برابر اس انداز میں جھکی ہوئی تھی جیسے وہ ان گنت تفکرات میں کھویا ہوا ہو۔ اس موقع پر تیمور نے جہان خان کو مخاطب کیا اور پوچھا۔

جہان خان میرے بزرگ دریائے چناب کو عبور کرنے کے بعد میں برابر دیکھ رہا ہوں تم کسی گہری سوچ میں غرق ہو۔ کیا بات ہے جس وقت مرہٹے اور سکھ ہمارا تعاقب کر رہے تھے اس وقت تم اس سوچوں میں غرق نہیں تھے۔ اب جبکہ ہمیں تعاقب کا بھی کوئی خطرہ اور ڈر نہیں رہا پھر تم کن تفکرات میں کھو گئے ہو۔ اگر تمہیں یہ خدشہ ہے کہ پاشا ہم دونوں سے جواب طلبی کریں گے کہ ہم لاہور کو چھوڑ کر قندھار کیوں روانہ ہوئے تو اس سلسلے میں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ ذمہ داری میں اپنے اوپر لوں گا۔ میں خود پاشا سے کہوں گا کہ میرے حکم پر جہان خان نے بچے کھچے لشکر کے ساتھ لاہور سے نکل کر قندھار کی طرف کوچ کرنا پسند کیا۔

تیمور کی اس گفتگو کے بعد بھی جہان خان تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر وہ کہنے لگا۔ تیمور میرے مہربان میری پریشانی اور فکر مندی کی وجہ یہ نہیں ہے۔ جہاں تک پاشا کا تعلق ہے وہ مجھ پر بڑے مہربان بڑے احسان کرنے والے ہیں۔ میں اس وجہ سے فکر مند نہیں کہ ہم نے لاہور کو چھوڑ کر قندھار کی طرف کوچ کیا۔ میری فکر مندی

پریشانی کی ایک اور ہی وجہ ہے جس نے میرا سکون درہم برہم کر کے رکھ دیا ہے۔ اس پر تیمور نے فکر مندی سے جہان خان کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

جہان خان میرے بزرگ تمہاری فکر مندی کی کیا وجہ ہے مجھ سے بھی کہو ہو سکتا ہے میں اس کا ازالہ کر سکوں۔ اس پر جہان خان ٹوٹتی ہوئی آواز میں کہنے لگا۔ اس کا ازالہ کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ تم کہو تو سہی شاید میں تمہارے لئے کچھ کر سکوں۔ تیمور نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ جواب میں جہان خان کہنے لگا۔

تیمور میرے عزیز آپ جانتے ہوں گے کہ میری ایک ہی بیٹی ہے جس کا نام ماہ رخ ہے۔ اس کی منگنی میں نے اپنے بھتیجے زال بیگ پوپلزئی کے ساتھ کر دی تھی۔ میں نہیں جانتا وہ زال بیگ کو پسند کرتی تھی یا نہیں تاہم وہ اس منگنی پر خاموش تھی اس کی خاموشی پر میں اور میری بیوی نے اس کی رضا مندی جانی اور ہم اس منگنی پر مطمئن اور خوش تھے۔

لیکن ہوا یوں تیمور کہ جب عبداللہ نادر آباد میں تربیت حاصل کرنے کے بعد زال بیگ کے ساتھ لشکر میں شامل ہوا اور جب دونوں کے درمیان مقابلہ ہوا اور عبداللہ نے زال بیگ اور دلاور خان دونوں کو بیک وقت شکست دے کر شاہ پسند کا لقب اور امیر لشکر کا عہدہ حاصل کیا تب سے میرے گھر میں ایک کہرام اور انقلاب برپا ہو گیا۔ شاہ پسند کی اس جیت کے بعد میری بیٹی ماہ رخ زال بیگ سے نفرت اور شاہ پسند سے محبت کرنے لگی۔

زال بیگ سے اپنی نفرت اور شاہ پسند سے اپنی محبت کا اظہار میری بیٹی نے چھپے الفاظ میں اپنی ماں سے کر دیا تھا لیکن میری بیوی کچھ عرصے تک اس معاملے کو ٹالتی رہی۔ اندر ہی اندر وہ ماہ رخ کو اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ زال بیگ پوپلزئی سے اپنی منگنی توڑنے کی کوشش نہ کرے لیکن ماہ رخ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ تیمور جس وقت ہم لاہور سے کوچ کر رہے تھے اس وقت میری بیوی نے مجھ پر انکشاف کیا کہ میری بیٹی ماہ رخ زال بیگ سے انتہا درجہ کی

نفرت کرتی ہے اور جیسی سخت قسم کی نفرت اسے زال بیگ سے ہے اسی قسم کی سخت محبت وہ شاہ پسند سے کرتی ہے۔ اب میرے لئے بڑی دشواری' بڑی اذیت ناک صورت حال اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔

تیمور آپ جانتے ہیں کہ شاہ پسند اور کامنی ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور عنقریب شاید وہ شادی کر لیں۔ ایسی صورت میں شاہ پسند میری بیٹی ماہ رخ سے شادی کرنے کی کیوں حامی بھرے گا۔ جبکہ میری بیٹی کی محبت اس سے یک طرفہ ہے۔ شاہ پسند نے آج تک میری بیٹی کو دیکھا ہی نہیں لہٰذا اس کی پسند یا ناپسند کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اب میں فکر مند ہوں کہ میری بیٹی کا کیا بنے گا۔ گو ابھی تک زال بیگ کو خبر نہیں ہوئی کہ ماہ رخ اس سے نفرت کرنے لگی ہے تاہم ایک نہ ایک روز اسے بہرحال ماہ رخ کی نفرت کا علم ہو جائے گا۔ تیمور مجھے اس چیز کی بھی پرواہ نہیں کہ زال بیگ کا کیا رد عمل ہو گا لیکن مجھے زیادہ فکر تو اس بات کی ہے کہ میری بیٹی ماہ رخ کا کیا بنے گا۔ اس لئے کہ اس کی محبت یکسر اور بالکل یک طرفہ ہے اور اگر شاہ پسند نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا تو میں سمجھتا ہوں کہ ماہ رخ زندہ نہ رہ سکے گی۔ اس پر تیمور نے جہان خان کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

جہان خان میرے محترم اتنے گہرے تفکرات میں اپنے آپ کو مت ڈالو۔ قندھار پہنچ کر تمہارے اس معاملے کی بات میں خود پاشا سے کروں گا مجھے امید ہے کہ تمہاری بیٹی ماہ رخ کی خاطر وہ کوئی نہ کوئی راہ' کوئی نہ کوئی راستہ' کوئی نہ کوئی حل ضرور نکالنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اب تم ان تفکرات ان پریشانیوں کو جھٹک دو اور پر سکون رہ کر قندھار تک سفر کرو۔ مجھے امید ہے کہ قندھار پہنچنے کے بعد تمہارے حالات پاشا کی رہنمائی میں ٹھیک اور درست ہو جائیں گے۔

تیمور کی اس تسلی اور تشفی سے جہان خان نے کسی حد تک اپنے آپ کو سنبھالا پھر وہ دوسرے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے اپنے سفر کو جاری رکھے ہوئے تھے۔

○

قندھار سے اپنے لشکر کے آگے آگے قلات کی طرف سفر کرتے ہوئے عبداللہ اپنا
ڑا بھگاتا ہوا شاہ ولی خان کے قریب آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ شاہ ولی
ے بزرگ قلات کی اس مہم میں عملی حصہ لینے سے قبل میں چاہتا ہوں کہ قلات
اس کے والی نصیر خان سے متعلق حالات کا علم ہو۔ کیا آپ میری خاطر نصیر خان
قلات سے متعلق کچھ تفصیل بتا سکتے ہیں۔ اس پر شاہ ولی خان بڑی شفقت اور
ں میں عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے کیوں نہیں۔ سنو
تمہیں جو تفصیل نصیر خان سے متعلق میں جانتا ہوں وہ بتاتا ہوں۔

نصیر خان کا شمار قلات کے ممتاز اور ہردلعزیز بروہی سرداروں میں ہوتا ہے وہ میر
للہ خان بروہی کا تیسرا اور سب سے چھوٹا بیٹا ہے اس کی ماں مریم بی بی التازئی
ے تعلق رکھتی تھی۔ اس کا دوسرا بھائی الناز خان جسے حاجی محمد خان بھی کہتے ہیں
اں کے بطن سے ہے۔ جبکہ اس کا تیسرا بھائی میر محبت خان دوسری ماں سے ہے
کا نام جاٹ گل ہے۔

قلات کے سابق حکمران اور نصیر خان کے والد میر عبداللہ خان کی وفات کے بعد
ت خان گدی نشین ہوا۔ اس نے قلات کو اپنا دارالخلافہ قرار دیا۔ مستونگ کا
حاجی محمد خان کو ملا۔ مگر حاجی محمد خان نے اپنے بھائی سے غداری کی اور دو سال
بد کی رات کو شہر کے پہریداروں کو رشوت دے کر شہر میں داخل ہو گیا اس نے
ت خان کو قید کر دیا اور بذات خود قلات کا حاکم بن بیٹھا۔

چھ عرصہ بعد محبت خان جیل سے بھاگ نکلا اور کافی دنوں تک بلوچ سرداروں
اد حاصل کرنے کی غرض سے مارا مارا ادھر ادھر گھومتا رہا اور دھکے کھاتا رہا۔
ہوا کہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے بھائی کے پاس قلات لوٹ آیا جس نے
ستونگ کا علاقہ دیدیا۔

ب ایران کے مرحوم شہنشاہ نادر شاہ کی فوجیں اس کے سپہ سالار پیر محمد اور
ان کی سرکردگی میں بندر عباس اور مکران کے ساحل سے بلوچستان میں داخل

ہوئیں تو میر محبت خان نے ان کا راستہ روکنے کی کوشش کی لیکن وہ شکست کھا گیا۔

اسی دوران میں نادر شاہ نے قندھار فتح کر لیا۔ حملہ آوروں کو مزاحمت کا خیال چھوڑ کر میر محبت خان اور حاجی محمد خان نادر شاہ کے پاس قندھار چلے گئے اور اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا چونکہ حاجی محمد خان ظالم اور عیاش شخص تھا اس لئے بروہی سردار اس سے متنفر ہو چکے تھے انہوں نے با اتفاق رائے نادر شاہ سے درخواست کی کہ میر محبت خان کو قلات کا ناظم مقرر کیا جائے۔ نادر شاہ نے ظالم اور عیاش حاجی محمد خان کو قید کر کے اس کی جگہ میر محبت کو قلات کا ناظم مقرر کر دیا۔ جبکہ موجودہ حکمران نصیر خان جو اس وقت چھوٹی عمر کا تھا' اس کی ماں مریم بی بی اور حاجی محمد خان کا لڑکا مراد علی یرغمال کے طور پر ایرانی شہنشاہ نادر شاہ نے اپنے دربار میں رکھ لئے۔

نادر شاہ کی وفات کے بعد نصیر خان جو جوان ہو چکا تھا رہا ہو گیا اور اپنے پاشا احمد شاہ کے ساتھ قندھار چلا آیا۔ جب افغانستان کی بادشاہت کے لئے احمد شاہ کا انتخاب ہوا تو اس موقع پر نصیر خان نے بروہی سرداروں کی نمائندگی کی اس نے احمد شاہ کے حق میں رائے دی کہ اس کی بالادستی تسلیم کر لی جائے۔ کچھ دنوں کے بعد نصیر خان کے بھائی محبت جان نے لقمان خان کی بغاوت میں حصہ لیکر احمد شاہ ابدالی کا اعتماد کھو دیا کیونکہ لقمان خان احمد شاہ کا دشمن خیال کیا جاتا تھا لہٰذا ہمارے پاشا احمد شاہ نے محبت خان کی جگہ نصیر خان کو قلات کا ناظم مقرر کر دیا۔

یوں نصیر خان کا شمار پاشا کے نور نظر سپہ سالاروں میں ہونے لگا۔ شاہ پسند تم جانتے ہو گے کہ اس نصیر خان نے پاشا کے ساتھ کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ خراسان اور ہندوستان کے مہمات میں اس نے بڑی نمک حلالی اور بہادری سے اپنا فرض سر انجام دیا۔ آج تک اس کے رویئے سے کبھی ظاہر اور مترشح نہ ہوا تھا کہ وہ ہمارے پاشا کی وفاداری سے منحرف ہو سکتا ہے۔

شاہ پسند میرے بیٹے میرا ذاتی خیال ہے کہ اس نصیر خان نے ہمارے پاشا کی بالادستی تسلیم کرنے میں دو باتوں کو پیش نظر رکھا۔ ایک تو اپنے علاقے کا تحفظ دوسرے

جنگ سے احتراز کی کوشش لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جب اس نصیر خان نے دیکھا ہو گا کہ ہندوستان میں تیمور اور جہان خان کی سرکردگی میں ہماری افواج کو شکست ہوئی ہیں اور تیمور اور جہان خان ہندوستان سے نکلنے پر مجبور ہو گئے ہیں تو اس نصیر خان نے ہماری بالادستی کا جوا گردن سے اتار پھینکنے کا تہیہ کر لیا ہو گا۔

شاہ پسند میرے بیٹے قلات کے والی نصیر خان کی سرکشی اور بغاوت کی وجہ کوئی بھی ہو مجھے امید ہے کہ ہم بہت جلد اس کی بغاوت کو فرو کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ شاہ پسند مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ ولی خان تمہاری مہربانی اور شکریہ کہ تم نے مجھے قلات کے والی نصیر خان کے متعلق اس قدر معلومات فراہم کیں۔ اس کے بعد وہ دونوں پہلو بہ پہلو خاموشی سے سفر کرنے لگے تھے۔



احمد شاہ ابدالی بڑی تیزی اور برق رفتاری سے نصیر خان کی طرف پیش قدمی کر رہا تھا راستے میں اس نے مخبروں نے اسے اطلاع دی کہ نصیر خان کو احمد شاہ ابدالی کے حملہ آور ہونے کا علم ہو گیا ہے اور وہ اپنے ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ مستونگ میں قیام کئے ہوئے ہے۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے بھی مستونگ کا رخ کیا پھر اس نے اپنے لشکر کو تین حصوں میں تقسیم کیا ایک حصہ اس نے اپنے پاس رکھا دوسرا عبداللہ کی سرکردگی میں دیا اور تیسرا شاہ ولی خان کی کمانداری میں رکھا گیا تھا۔ مستونگ کا رخ کرتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے شاہ ولی خان کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنے سے آگے روانہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی چاہتا تھا کہ اس کے مستونگ پہنچنے سے پہلے ہی شاہ ولی خان نصیر خان کو شکست دے کر راستہ صاف کر دے تاکہ ان علاقوں میں احمد شاہ کو زیادہ دیر قیام نہ کرنا پڑے اور وہ ہندوستان کے حالات کی طرف توجہ دے سکے۔ احمد شاہ کا یہ حکم پاتے ہی شاہ ولی خان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ بڑی برق رفتاری سے مستونگ کی طرف بڑھا تھا۔

شاہ ولی خان اپنے لشکر کے ساتھ مستونگ کے نواح میں پرانگیز نام کے قصبے کے

قریب ہی پہنچا تھا کہ قلات کا والی نصیر خان اپنے لشکر کے ساتھ اس کی راہ روک کر کھڑا ہوا۔ پرانگیز نام کے قصبے سے باہر کھلے میدانوں میں دونوں لشکر ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئے پھر شاہ ولی خان نصیر خان کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ حملے کی ابتدا شاہ ولی خان نے کی تھی اس لئے کہ وہ چاہتا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے پہنچنے سے پہلے ہی پہلے وہ نصیر خان کو شکست دے کر مار بھگائے اور مستونگ پر قبضہ کرے اور پھر جب احمد شاہ ابدالی مستونگ پہنچے تو متحدہ لشکر مستونگ سے نکل کر قلات کا رخ کرے اور کہیں بھی نصیر خان کو پاؤں جمانے کی مہلت میسر نہ آنے دی جائے۔

اپنے ان عزائم کی تکمیل کے لئے شاہ ولی خان برق کی قاش، لہو کی جوالا، الاؤ کی اجلی تمازت اور دھوئیں کے بسندیسوں کی طرح حرکت میں آیا اور والی قلات نصیر خان کے لشکر پر اس طرح حملہ آور ہوا کہ جس طرح پھیلے ہوئے ہست کے گوشوں پر سلگتے سرخ لاوے، قرطاس وقت پر زور طوفان کی کدورت اور حصار ظلمت شب میں تشنگی کا کرب نزول کرتا ہے۔

شاہ ولی خان کے حملہ آور ہوتے ہی دونوں لشکر کے درمیان جنگ زور پکڑ گئی تھی۔ دوسری طرف والی قلات نصیر خان بہ نفس نفیس اپنے لشکر کی سپہ سالاری اور کمانداری کر رہا تھا۔ شاہ ولی خان کے حملوں کو نصیر خان نے بڑے تحمل سے روکا اور کافی دیر تک اس نے اپنے لشکر کو دفاع تک ہی محدود رکھا۔ جارحیت پر اترنے کی اس نے کوئی کوشش نہ کی جب اس نے دیکھا کہ شاہ ولی خان اپنا پورا زور صرف کر چکا ہے اور اب کوئی مزید حربہ اس کے پاس نہیں رہا کہ وہ نصیر خان کو پسپا ہونے پر مجبور کر دے تو نصیر خان نے بھی اپنا رنگ دکھانا شروع کیا اس لئے کہ وہ دفاع سے نکل کر جارحیت پر اتر آیا تھا۔

پھر ایسا ہوا کہ والی قلات نصیر خان ہیولے ہیولوں کے عکسوں کے طوفان کی طرح حرکت میں آیا اور جس طرح مردہ سمندر کے گونگے لبوں پر کالی رات کی پرچھائیاں پھیلتی ہیں اور جس طرح بارش کے بعد آندھی زمین اپنے ہونے کا ادراک پیش کرتی

ہے ایسے ہی نصیر خان جنگل کے کسی فتنے کی طرح شاہ ولی خان کے لشکر پر طوفانی انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔ نصیر خان کا یہ حملہ ایسا زور دار اور ایسا ہولناک اور خونخوار تھا کہ شاہ ولی خان کے لشکر کی اگلی صفیں مکمل طور پر درہم برہم ہو کر رہ گئیں تھیں۔ بلکہ نصیر خان اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھانے کا عزم کئے ہوئے تھا۔ وہ اپنے لشکر کے ساتھ شاہ ولی خان کی اگلی صفوں کو بکھیرتا منتشر کرتا اور دائیں بائیں سمٹنے پر مجبور کرتا ہوا پچھلی صفوں پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

نصیر خان کے اس طرح حملہ آور ہونے سے شاہ ولی خان کے ہاتھوں سے اس کے اپنے لشکر کی تنظیم نکل گئی تھی۔ اس نے بہت کوشش کی کہ اپنی بکھرتی بگڑتی صفوں کو درست کر کے ایک بار پھر نصیر خان کے سامنے جم جائے لیکن وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہ ہوا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نصیر خان کے مقابلے میں شاہ ولی خان کو بدترین شکست ہوئی لہٰذا اپنے لشکر کو مزید نقصان سے بچانے کے لئے اس نے پسپائی کا حکم دیا اور بھاگتے ہوئے وہ احمد شاہ ابدالی سے جا ملا جو میدان جنگ سے اب صرف چند میل کے فاصلے پر پہنچ چکا تھا۔

شاہ ولی خان نے اپنے گھوڑے کو احمد شاہ ابدالی کے سامنے جا روکا اور اس لمحہ شاہ ولی خان جبر کی صورت طویل ہوتی خاموشی جیسا افسردہ، دروازوں پر جمی دست سیاح تلاشی آنکھوں جیسا اداس اور کھوکھلے پیڑ اور سناٹوں میں بجھتے چراغوں جیسا لٹا لٹا تھوڑی دیر تک وہ احمد شاہ ابدالی کے سامنے خاموش رہا۔ اس کی گردن جھکی رہی پھر خوف کے کنوئیں میں آوازوں کی بکھرتی قاشوں کی طرح بولا اور کہنے لگا۔

پاشا میں شرمندہ ہوں کہ قلات کے والی نصیر خان کے سامنے مجھے پسپا ہونا پڑا اپنی اس پسپائی اور شکست کے لئے میں کوئی بہانہ تراشی نہیں کروں گا بلکہ صاف کھلے دل سے یہ بات تسلیم کروں گا کہ نصیر خان مجھے شکست دینے میں کامیاب رہا گو اس کے لشکر کی تعداد بھی ہمارے لشکر سے زیادہ ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بہ نسبت اس نے لشکر کو میرے خلاف زیادہ بہتر طور پر استعمال کیا ہے۔ جس کی بنا

پر وہ میرے خلاف کامیاب اور کامران رہا۔

احمد شاہ ابدالی اپنے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھیرتے شاہ ولی خان کی اس گفتگو کو سنتا رہا جب شاہ ولی خاموش ہوا تو احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ شاہ ولی خان تجھے پریشان' خجل اور شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجاہد کی زندگی میں شکست اور کبھی فتح تو مقدر کا ایک کھیل ہے ہر جنگجو تخلیق کے نیزے کی انی سے تاریخ کے ماتھے پر اپنے ضمیر کی تحریروں کو ثبت کرتا ہے۔ کبھی وہ شبنم بن کر کلی کلی کے نفس اور گل گل کے جگر میں اتر جاتا ہے اور کبھی تخلیق کی یہی انی اسے خود اپنے ہی جگر میں اتارنی پڑتی ہے۔

شاہ ولی خان مجاہد اور صراف میں فرق ہے۔ مجاہد میدان جنگ میں خون کے پیالوں کا کھیل کھیلتا ہے جبکہ کاسہ زر کا صراف صرف اپنے نفع کو دیکھتا ہے۔ نقصان کو ہمیشہ پس پشت ڈالتا ہے۔ جبکہ میدان جنگ میں مجاہد کو دونوں ہی باتیں اپنے دامن میں سمیٹنا پڑتی ہیں۔ مجاہد کبھی کاہن کی مناجات راہب کا نیاز بت خانے کا ساز بن کر ساکت اور مہر بلب فضاؤں میں شہرت کے تکبر' عظمت کے پندار اور اقوام کی تقدیر پر ضرب لگا جاتا ہے اور کبھی وقت کے سینوں کا مکرو فریب خود اس کی عالی خواہشوں کو اسفل' زندگی کے سازوں کو بدترین دھوپ اور نگاہ ظاہربیں کے اجالوں کو باطن کے ظلمت زندان میں تبدیل کر دیتا ہے۔ شاہ ولی خان تمہیں پریشان اور مغموم ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

شاہ ولی خان پریشان تو تم اس وقت ہو جب قلات کے والی نصیر خان کے مقابلے میں ہمیں مکمل طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑا ہو۔ ابھی تو ہم نے اپنا ایک تیر آزمایا ہے۔ ابھی میرے ترکش میں بہت سے ایسے تیر ہیں شاہ ولی خان اگر تم نصیر خان کے خلاف ناکام رہے ہو تو قسم خداوند کی مجھے اس کا کوئی افسوس اور دکھ نہیں ہے۔ اب اسی کام میں میں اپنے بیٹے شاہ پسند کو آزماؤں گا اور دیکھتا ہوں یہ نصیر خان کے خلاف کیسے حرکت میں آتا ہے اور اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے پہلو میں

ے پر سوار عبداللہ کی طرف دیکھا اور پھر وہ بڑی نرمی اور شفقت میں کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے اپنے لشکر کو حرکت میں لاؤ پیش قدمی کرو اور والی قلات نصیر ے ٹکرا جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں مستونگ شہر کے نواح میں تم نصیر خان کے ساتھ اور موت کا کیا کھیل کھیلتے ہو۔ جواب میں عبداللہ نے اپنی گردن کو تھوڑا سا خم کر اپنی اطاعت اور فرمانبرداری کا اظہار کیا پھر وہ احمد شاہ ابدالی کے حکم کے ن اپنے لشکر کو حرکت میں لاتا ہوا نصیر خان کی طرف پیش قدمی کر گیا تھا۔

راستے میں عبداللہ نے تھوڑی دیر تک اپنے لشکر کو روک کر ماتحت کام کرنے لے چھوٹے سالاروں کو جنگ سے متعلق ضروری اور اہم ہدایات دیں اس کے بعد وہ اس نے پیش قدمی شروع کی یہاں تک کہ وہ مستونگ کے نواح میں پرانگیز کے ، میدانوں میں پہنچ گیا جہاں تھوڑی دیر پہلے والی قلات نصیر خان اور شاہ ولی خان درمیان خونریز معرکہ ہوا تھا۔

نصیر خان والئی قلات نے شاہ ولی خان کو شکست دینے کے بعد ابھی تک میدان ۔ میں ہی قیام کئے ہوئے تھا۔ عبداللہ جب اپنے لشکر کے ساتھ وہاں پہنچا تو نصیر نا اس کے ساتھ بھی جنگ کرنے کے لئے اپنے لشکر کی صفیں درست کر چکا تھا۔ داللہ کی پیش قدمی سے متعلق نصیر خان کے مخبروں نے اسے بروقت اطلاع کر دی ل۔ جوں ہی عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ نصیر خان کے لشکر کے سامنے نمودار ہوا نصیر خان اس کے لئے بھی شاہ ولی خان کی طرح حدیث حشر اور حساب' حکم طوق و سلاسل' برق تپاں کی قہرمانی چراغوں سے آندھیاں برپا کرنے کے جذبوں' زمین پر طوفان پیدا کرنے کے سے انداز میں حرکت میں آیا اور عبداللہ کے لشکر پر وہ رقصندہ اور رخشندہ لمحات کی بھوکی اور گرسنہ نگاہوں' تخیل کی نگینہ کاری' اندھیروں کی گھنی تہوں میں موت و مرگ کی رقصاں انگلیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

نصیر خان کے اس حملے سے ایسا لگتا تھا کہ گویا کائنات کے اندھیرے کی تہوں میں ہلکے لمحوں کی انگڑائی وقت کی نغمگی کے سیلاب' انگیز سکوت اور فضاؤں میں

رقصاں جگنو کے کھوجنے کی حدت اور پرکھنے کی لذت برپا ہو کر رہ گئی ہو۔ نصیر
چاہتا تھا کہ جس طرح پہلے خونخوار انداز میں شاہ ولی خان کے لشکر پر حملہ آور ہوا
اس نے شاہ ولی خان کے لشکر کی اگلی صفوں کو درہم برہم کر کے پچھلی صفوں پر ضر
لگائی تھی وہ عبداللہ کے لشکر کی حالت بھی ایسی ہی کرے لیکن عبداللہ نے یہاں مخت
انداز اپنایا تھا۔ اس لئے کہ جوں ہی نصیر خان عبداللہ کے لشکر پر حملہ آور ہوا عبدا
نے اپنے چند محافظ دستوں کے ساتھ زور دار تکبیریں بلند کیں جس کے جواب م
عبداللہ کی پہلے سے دی ہوئی ہدایت کے مطابق اس کا لشکر بڑی تیزی سے ا
گھوڑوں کو بھگاتا ہوا دائیں جانب ہٹ گیا تھا۔ اس طرح نصیر خان کے لشکر ک
تھوڑے حصے کا ٹکراؤ عبداللہ کے لشکر سے ہوا تھا جبکہ باقی لشکر کے سامنے سے عبدا
نے اپنے لشکر کو مکمل طور پر ہٹا لیا تھا اس طرح گویا وہ نصیر خان کا پہلا حملہ رائگا
گیا تھا۔

اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے بھی اپنے رد عمل کا اظہار کیا تھا جونہی وہ اپنے
کو لیکر دائیں طرف ہٹا اس نے پھر اپنے مخصوص انداز میں تکبیریں بلند کیں اور سا
ہی اس کا لشکر مشینی انداز میں دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ ایک حصہ نصیر خان کے لش
کے سامنے کی طرف سے حملہ آور ہوا اور اس کی کمانداری عبداللہ کا ایک ماتح
سالار کر رہا تھا جبکہ دوسرے حصے کو لیکر عبداللہ نے نصیر خان کے لشکر کے بائیں پہلو
مرمر کے تالاب میں رقص کرتے سرخ دھبوں، شبنم کے قطروں میں گھستی سورج ک
تیز شعاعوں، دھان کی بالیوں پر اترتی پرندوں کی ڈھاروں کی طرح نزول کیا تھا پھر
یوں حملہ آور ہوا تھا جیسے ابد تک نہ تھمنے والے سمندر، لفظوں کے اضطراب، نا
حروف کی سیاہ آندھیوں، دشت بے اماں میں فاصلوں کی ڈور سے الجھتی ساعتوں،
نام اور بے رنگ قصوں میں ایک جلوہ صد رنگ نے جوش مارنا شروع کر دیا ہو
عبداللہ اور اس کے ماتحت لڑنے والے اس کے لشکری اب نصیر خان کے لشکر
سامنے اور پہلو کے حصے پر ریگ ساحل پر برسوں کے نقوش مٹاتی آندھیوں، پرا

خوردہ گیتوں میں برہم ہوا کے تازیانوں اور سموں کی ضربوں سے خیموں کی دھجیاں
تے وقت کے بدترین طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو رہے تھے۔ اس دو طرفہ حملے
والی سوات نصیر خان کو ایک الجھن اور تفکرات میں ڈال کر رکھ دیا تھا۔
نصیر خان جب اپنی توجہ عبداللہ کے حملوں کو روکنے پر منعکس کرتا تو سامنے سے
آور ہونے والا عبداللہ کا لشکر اس کے لشکر کی اگلی صفوں کو ادھیڑنا شروع کر دیتا تھا
جب نصیر خان اس لشکر کی طرف دھیان دیتا تو پہلو پر آندھی اور طوفانوں کی طرح
آور ہونے والا عبداللہ اس کے لشکر کو موت کی تہہ جمانے لگ جاتا۔ اس طرح
رخان مکمل طور پر بٹ کر رہ گیا تھا۔
تاہم نصیر خان جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا۔ عبداللہ کے ساتھ جنگ کے دوران
نے بڑی تیزی سے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ مقابلہ کرنا
ع کر دیا تھا۔ اس طرح جنگ کی بھٹی پوری طرح بھڑک اٹھی تھی اور میدان جنگ
چاروں طرف موت اور مرگ کا ایک شور اور واویلا اٹھ کھڑا ہوا تھا۔
عین اس وقت جنگ جبکہ اپنے پورے شباب پر تھی اور دور دور تک عبداللہ نے
رخان کے لشکریوں کی لاشیں بکھیر دی تھیں نصیر خان کو یہ خبر پہنچی کہ احمد شاہ ابدالی
اپنے لشکر کے ساتھ میدان جنگ کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ خبر نصیر خان کے لئے
خطرناک تھی اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ وہ احمد شاہ ابدالی کا سامنا نہیں کر سکے گا۔
ہی اس نے دیکھا کہ احمد شاہ ابدالی کا لشکر میدان جنگ کے قریب پہنچ گیا ہے۔
رخان اپنے لشکر کو سمیٹ کر بھاگ کھڑا ہوا اور قلات کا رخ کیا۔
قلات اس کی ریاست کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں اسے دفاع کے بہترین انتظامات کر
کے تھے۔ مستونگ ریاست قلات کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ جو قلات سے ستر میل کے
لے پر شمال میں واقع تھا۔ نصیر خان اپنے لشکر کو لیکر قلات کی طرف بھاگا تو احمد شاہ
الی بھی اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ اس کے تعاقب میں لگ گیا۔ تعاقب قلات تک
رہا۔ نصیر خان قلات میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے لگا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنے سارے لشکر کے ساتھ قلات کا محاصرہ کر لیا اور توپوں سے شہر کی فصیل پر گولے برسانے شروع کر دیے۔ یہ محاصرہ چالیس روز تک جاری رہا یہاں تک کے نصیر خان ایسی آزادی اور خودمختاری سے تنگ دکھائی دینے لگا۔ جس میں وہ مکمل طور پر قلات شہر میں محصور ہو کر رہ گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے وزیر شاہ ولی خان ماضی میں والئی قلات نصیر خان کے ساتھ بڑے گہرے اور بڑے اچھے تعلقات تھے اور شاہ ولی خان نے نصیر خان کو اپنا منہ بولا بیٹا کہہ رکھا تھا۔ نصیر خان یہ ارادہ کر ہی رہا تھا کہ شاہ ولی خان کے ذریعے سے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صلح کی گفت و شنید شروع کرے کہ اسی دوران ایک قاصد کے ذریعے اسے شاہ ولی خان کا ایک خط ملا جس میں لکھا تھا۔

"اگر تم اس وقت بادشاہ کے حضور میں چلے آؤ تو میں بحیثیت وزیر تمہارا ضامن بن جاؤں گا کیونکہ میں نے تمہیں بیٹا کہا ہوا ہے لیکن اگر تم اس وقت نہ آئے میرے لئے بادشاہ کو جو ظل اللہ ہے روکنا مشکل ہو جائے گا۔"

نصیر خان نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر لیا لہذا اس نے اپنے ایک سردار اخوند محمد حیات خان کو اپنا سفیر بنا کر صلح کی گفت و شنید کے لئے شاہ ولی خان کی طرف روانہ کیا۔ شاہ ولی خان اخوند محمد حیات کو لیکر احمد شاہ ابدالی کے سامنے پیش ہوا۔ اخوند محمد حیات جب احمد شاہ ابدالی کے سامنے آیا تو احمد شاہ ابدالی نے اس سے پوچھا۔ نصیر خان خود سلام کے لئے کیوں حاضر نہ ہوا۔ جواب میں اخوند محمد حیات کہنے لگا۔

پاشا وہ آپ سے جان کی امان اور باعزت سلوک کا وعدہ چاہتا ہے اس کے بعد ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہو گا اس پر احمد شاہ ابدالی نے پوچھا اسے کس قسم یقین دہانی اور کس طرح کا وعدہ میری طرف سے چاہیے۔ اخوند کہنے لگا وہ چاہتا ہے اس کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا جائے جو اس سے کوتاہیاں ہوئی ہیں وہ نظر انداز کر دی جائیں احمد شاہ ابدالی کہنے لگا ہم نے اسے معاف کیا۔ احمد شاہ ابدالی کے ا

، اخوند محمد حیات پر حوصلہ ہوا وہ پھر بولا اور کہنے لگا۔ پاشا یوں نہیں بلکہ آپ ہاتھ رکھ کر اسے معافی کا وعدہ عطا فرمائیں اور اسے عزت بخشیں کہ آپ کا لی خان خود جا کر نصیر کو لائے اور آپ کے حضور پیش کرے۔ احمد شاہ ابدالی محمد حیات کی ان دونوں شرائط کو بھی منظور کر لیا اور قرآن کے ایک نسخے پر کے الفاظ تحریر کر کے شاہی مہر ثبت کی اور شاہ ولی خان کو دیگر نصیر خان کے کر دیا۔

طرح نصیر خان شاہ ولی خان کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر رخان کی پرانی دوستی اور خدمات کا خیال رکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے اسے عزت و تکریم دی۔ احمد شاہ ابدالی کے سامنے حاضر ہو کر نصیر خان گزارش ۔ ظل اللہ! میں آپ کے عتاب کو برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتا اس ہو گا کہ آپ اپنے غلام کو اپنے ساتھ قندھار لے جائیں قلات کی حکومت چاہیں سونپ دیں اس سلسلے میں میں کوئی اعتراض کھڑا نہیں کروں گا۔

د شاہ نہ تو خود قلات پر قبضہ کرنا چاہتا تھا نہ نصیر خان کے بجائے کسی اور کو ناظم بنانا چاہتا تھا وہ نصیر خان کی عاجزی اور انکساری سے بے حد خوش ہوا اور ربات ختم کر دی کہ قلات خدا نے تمہیں عنایت کیا ہے اور تمہارے ہی پاس ا۔

اس موقعہ پر احمد شاہ ابدالی والئی قلات نصیر خان کے درمیان مصالحت کا ایک ہوا۔ جو مندرجہ ذیل شرائط پر مبنی تھا۔

اول یہ کہ والی قلات نصیر خان نے احمد شاہ ابدالی کی بالادستی قبول کر لی۔

دوئم یہ طے پایا کہ جب کبھی احمد شاہ افغانستان سے باہر کسی مہم پر جائے گا تو نصیر خان شاہی لشکر کے لئے سواروں کے دستے مہیا کرے گا ان پر اخراجات اور اسلحہ کی فراہمی احمد شاہ ابدالی کے

ذمے ہوا کرے گی۔

سوئم یہ کہ احمد شاہ نے وعدہ کیا کہ نصیر خان کو کبھی یہ مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ افغانوں کے اندرونی اختلافات میں کسی ایک فریق کی جانبداری کرے۔

چہارم یہ کہ عہد نامے کی آخری شرط یہ تھی کہ نصیر خان والی قلات آئندہ احمد شاہ ابدالی کو کوئی خراج ادا نہیں کیا کرے گا۔

اس عہد نامے کو مزید مستحکم کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے نصیر خان کی چچا زاد بہن سے شادی کر لی۔ قلات کا مسئلہ بخیر و خوبی طے ہونے کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنی نئی بیوی کو لیکر قندھار کی طرف واپس چلا گیا تھا اس لئے کہ قلات میں قیام کے دوران اسے خبریں مل گئیں تھیں کہ تیمور اور جہان خان دونوں اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ قندھار پہنچ چکے ہیں۔ تاہم احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک جرنیل نورالدین برمے زئی کو ایک لشکر دے کر لاہور کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے حالات درست کرنے کی کوشش کرے۔



تیمور اور جہان خان کے پنجاب سے نکل جانے کے بعد پنجاب کی حالت بڑی دگرگوں ہو کر رہ گئی تھی۔ مرہٹے اور سکھ لاہور میں داخل ہو گئے تھے اور پنجاب پر انہوں نے اپنا تسلط جما لیا تھا۔ گو اپنے سامنے بھاگتے ہوئے تیمور اور جہان خان کا مرہٹوں اور سکھوں نے تعاقب کیا تھا لیکن دریائے چناب سیلاب آ جانے کی وجہ سے وہ تعاقب کو جاری نہ رکھ سکے تھے لیکن یہ کوئی مستقل رکاوٹ نہ تھی جو مہاراشٹر کے ان جنگجو سپاہیوں کو جو مہاراشٹر سے پنجاب تک پندرہ سو میل کے سفر میں نصف درجن دریا عبور کر چکے تھے۔ ہمیشہ کے لئے آگے بڑھنے سے روک دیے۔

چنانچہ پنجاب میں داخل ہونے کے سات مہینے بعد نومبر کے مہینے میں جب دریائے چناب کا پانی اتر گیا تو مرہٹوں کا ایک سردار تکوجی ہولکر مرہٹوں کے ایک لشکر

ھ حرکت میں آیا دریائے چناب کو اس نے عبور کیا۔ دریائے جہلم تک سارے کو اس نے تاراج کر ڈالا۔ اس کے بعد اس نے دریائے جہلم کو عبور کیا اور سندھ تک اس نے ہولناکی خونخواری برپا کر دی۔ پھر یہ تکوجی ہولکر دریائے و بھی پار کر گیا اور پشاور جا پہنچا۔ ہندوستان میں تیمور اور جہان خان کے نکل کے بعد کوئی ایسی قوت نہ تھی جو اس تکوجی ہولکر کو پشاور میں داخل ہونے سے کتی اس طرح پشاور سے لشکر صوبہ پنجاب کے آخری سرحدوں تک مرہٹوں اور نے ایک ہولناکی برپا کر کے رکھ دی تھی۔

ہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی اور مرہٹہ فوج کے سپہ سالار رگوناتھ راؤ ر میں کچھ عرصہ قیام کیا لیکن اسے جلد ہی احساس ہو گیا کہ سکھوں کی بڑھتی ت کے مقابلے میں مرہٹوں کا پنجاب پر تسلط برقرار رکھنا ناممکن ہے۔ کھ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر ہر طرف پھیلتے جا رہے تھے اور جاٹ دیہاتیوں کے ساتھ جوق در جوق شامل ہونے کی وجہ سے ان کی قوت میں روز افزوں وتا چلا جا رہا تھا اس کے علاوہ پونا میں اسوقت مرہٹوں کی مرکزی حکومت کی مالی ی اتنی اچھی نہ تھی کہ وہ دور دراز کے علاقوں میں طویل عرصے تک فوجیں ں اس کے علاوہ جنوبی ہند کی معتدل آب و ہوا میں رہنے والے یہ مرہٹے کے لئے پنجاب کی جھلسا دینے والی گرمی اور شدید سردی بھی ناقابل برداشت ں لئے رگوناتھ نے عقلمندی سے کام لیکر یہ مخصوص سرد علاقہ پچھتر لاکھ روپے راج کے عوض آدینہ بیگ کے حوالے کر دیا۔ آدینہ بیگ نے اپنی طرف سے ک خواجہ مقرر جان کو لاہور پر اپنا نائب مقرر کیا اور وہ خود حسب سابق دو آبہ میں قیام کر گیا۔ جہاں وہ پہلے سے احمد شاہ ابدالی کے دور میں فوجدار مقرر تھا۔ ح مرہٹے پنجاب کو آدینہ بیگ کے رحم و کرم پر چھوڑ کر واپس پونا کی طرف ئے تھے۔

نہ بیگ مرہٹوں کے جانے کے بعد صرف چار ماہ تک زندہ رہا۔ اس قلیل

عرصے میں اس نے سکھوں کی بیخ کنی کی انتہائی کوشش کی کہ وہ طاقتور نہ ہو جائیں لیکن چالیس سال کے مسلسل مظالم نے سکھوں کو بے حد جفاکش بنا دیا تھا۔ لہٰذا آدینہ بیگ اپنے مختصر عرصے میں انہیں کچلنے میں مکمل طور پر ناکام رہا۔ سکھ دوبارہ اپنی کمین گاہوں اور جنگلوں میں جا چھپے اور جب آدینہ بیگ مرگیا تو اپنے اوپر کئے گئے مظالم کا بدلہ لینے کے لئے پھر میدان میں کود پڑے۔

جب آدینہ بیگ کے مرنے کی خبر دہلی پہنچی تو دہلی کے مغل شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی کے وزیر غازی الدین نے ارادہ کیا کہ آدینہ بیگ کے مرنے کے بعد دہلی کی طرف سے کسی کو لاہور کا گورنر مقرر کیا جانا چاہیے۔ اسی دوران ایک اور حادثہ پیش آیا اور یہ کہ مرہٹوں کو بھی آدینہ بیگ کے مرنے کی خبر ہو گئی اور ان کے پیشوا بالاجی راؤ نے اپنے چند جرنیلوں کو ایک بہت بڑا لشکر دے کر دہلی کی طرف روانہ کیا۔ ان جرنیلوں میں اناجی، رگوناتھ راؤ، ملہار راؤ اور نرسوجی وغیرہ شامل تھے۔

مرہٹوں کا یہ لشکر دہلی کے نواح میں خیمہ زن ہوا اور اس کے سالاروں نے مطالبہ کیا چونکہ مرہٹوں ہی نے پنجاب سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو نکال کر آزاد کروایا تھا اور آدینہ بیگ کو وہاں کا ناظم مقرر کیا تھا اس لئے آدینہ بیگ کی موت کے بعد اس کا جانشین مقرر کرنا بھی مرہٹوں ہی کی ذمہ داری ہو گا۔ پھر ایسا ہوا مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی رگوناتھ راؤ نے دہلی کی حکومت سے صلاح و مشورہ کئے بغیر اپنے سالاروں میں سے اناجی، تکوجی ہولکر اور نرسوجی پنڈت کو لاہور کی طرف روانہ کر دیا۔

لاہور پہنچ کر تکوجی ہولکر اور نرسوجی پنڈت شمال مغرب کی طرف بڑھے بظاہر ان کا مقصد وہاں کے لوگوں کو ہراساں کرنا تھا پر وہ دریائے سندھ پار کر کے اپنے لشکر کے ساتھ پشاور کے علاقے میں گھستے چلے گئے اور وہاں انہوں نے چاروں طرف لوٹ مار کا بازار خوب گرم کیا۔

دوسری طرف مرہٹوں کے پیشوا بالاجی کا بھائی رگوناتھ راؤ دہلی ہی میں مقیم

رہ کر دہلی کے مغل حکومت سے بات چیت میں مصروف رہا۔ اس گفتگو کے نتیجے میں مغل وزیر غازی الدین نے مرہٹہ سردار کو خلعت دے کر خوش کیا اور تجویز پیش کی کہ اگر وہ لاہور جا کر پنجاب میں امن و امان بحال کریں تو انہیں سات یا آٹھ لاکھ روپیہ دیا جائے گا۔ یہ معاہدہ ہونے کے بعد رگوناتھ راؤ نے اپنے ایک نمائندے جنکوجی کو لاہور کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ وہاں کے انتظامات کو درست کرے۔ جنکوجی کے لاہور پہنچنے سے پہلے ہی تکوجی ہولکر اور نرسوجی پنڈت پشاور تک اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ کر خوب لوٹ مار کا بازار گرم کر چکے تھے۔ جنکوجی نے لاہور پہنچ کر اپنے ان دونوں جرنیلوں کو پشاور سے واپس لاہور طلب کر لیا۔

لیکن مرہٹے خاصی بڑی عسکری قوت رکھنے کے باوجود بھی پنجاب میں امن و امان قائم کرنے میں ناکام رہے۔ اس لئے کہ سکھوں کی وجہ سے بڑی بدنظمی طاری تھی۔ سکھ ہر روز اپنی قوت بڑھانے میں مصروف تھے اور پھر اس بدنظمی کے دور میں انہیں نہ صرف یہ کہ اپنی قوت بڑھانے کا موقع ملا بلکہ فتوحات حاصل کرنے کا بھی اچھا موقعہ حاصل ہو گیا تھا یہ گروہ در گروہ اپنی کمین گاہوں سے باہر نکلتے اور مرہٹوں پر شب خون اور چھاپے مار کر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا کر دوبارہ اپنی کوہستانی کمین گاہوں میں واپس چلے جاتے تھے۔

عین اس موقع پر جبکہ مرہٹے سکھوں کی طاقت کو کچل کر پنجاب میں امن و امان قائم کرنے کے لئے کوشاں تھے احمد شاہ ابدالی کا جرنیل نور الدین خان بامیزئی پنجاب میں داخل ہوا نور الدین نے دریائے سندھ کو عبور کیا اور ستمبر کے آخر میں سندھ ساگر دو آب میں داخل ہو گیا اگرچہ اس علاقے کو مرہٹوں نے فتح کر لیا تھا لیکن چونکہ مرہٹے اب پشاور سے سمٹ کر لاہور کی طرف جا چکے تھے لہٰذا اس علاقے میں کسی نے بھی نور الدین کی مزاحمت نہ کی۔

اس کے علاوہ اس علاقے میں زیادہ تر خٹک، گکھڑ اور مسلمان جاٹ آباد تھے جو احمد شاہ ابدالی کے حق میں تھے اور یہ سب لوٹ مار کے لالچ میں نور الدین کے لشکر

میں شامل ہو گئے تھے۔ نور الدین نے خوشاب کے مقام پر دریائے جہلم پار کیا اور مشرقی کنارے پر پیش قدمی کرتا ہوا بھیرہ کے متمول شہر جا پہنچا۔

مقامی آبادی کے تاوان دینے سے انکار پر نور الدین نے لوٹ مار قتل و غارتگری کا حکم دیدیا تھا اس کے بعد وہ میانی اور چک سانو آیا اور وہاں کی آبادی سے بھی وہی سلوک کیا۔ ان تباہ شدہ شہروں کے دہکتے ہوئے کھنڈرات کو پیچھے چھوڑ کر نور الدین گجرات شہر آیا شہر کو اس نے جی بھر کے لوٹا اس کے بعد وہ دریائے چناب کو پار کرنے کے بعد رچنا دو آب کے علاقے میں داخل ہو گیا تھا۔

آخر دریائے چناب کے کنارے سکھ نور الدین کے سامنے آئے دریائے چناب کے کنارے سکھوں اور نور الدین کے لشکر کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی جس میں نور الدین کو بدترین شکست ہوئی اور وہ دریائے چناب کو پار کر کے بھاگ کھڑا ہوا۔ قندھار میں احمد شاہ ابدالی کو جب نور الدین بامیزئی کی شکست کی خبر ملی تو اس نے ایک اور لشکر پنجاب میں سکھوں اور مرہٹوں کی قوت کو توڑنے کے لئے روانہ کیا۔ حسن ابدال کے قریب اس لشکر کا مقابلہ سکھوں سے ہوا اس جنگ میں بھی سکھ کامیاب رہے اور احمد شاہ ابدالی کا بھیجا ہوا لشکر شکست کھا کر منتشر ہو گیا۔

ان دو پے بہ پے شکستوں کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے سپہ سالار جہان خان کو ایک کافی بڑا لشکر دے کر پنجاب کی طرف روانہ کیا۔ جہان خان کے مقابلے میں مرہٹہ لشکر آیا۔ سکھوں نے بھی ان کی خوب مدد کی اس لئے کہ سکھ چاہتے تھے کہ مرہٹے احمد شاہ ابدالی کو شکست دے کر بھگا دیں اس کے بعد سکھ پنجاب میں مرہٹوں کا جینا اس قدر دو بھر کر دیں کہ مرہٹے تنگ ہو کر دکھن کی طرف بھاگ جائیں اور پنجاب پر سکھوں کی حکومت قائم ہو جائے۔ بہرحال جہان خان مرہٹوں اور سکھوں کے متحدہ لشکر کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی۔ بدقسمتی سے اس جنگ میں جہان خان کو شکست ہوئی اس جنگ میں جہان خان کے بہت سے سپاہی اور سالار مارے گئے۔ جہان خان کا بیٹا بھی جنگ میں کام آیا۔ جہان خان خود بھی اس جنگ میں زخمی ہوا اور

کھانے کے بعد دریائے سندھ کو عبور کر کے پشاور کی طرف بھاگ گیا۔

○

قندھار کے قصر شاہی کے ایک کمرے میں احمد شاہ کے سامنے قاضی القضا فیض ان لشکر کے قاضی ادریس شاہ ولی خان اور برخوردار بیٹھے ہوئے تھے کہ عبداللہ رے میں داخل ہوا اور بڑی انکساری میں اس نے احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر چچا پاشا کیا آپ نے مجھے طلب کیا ہے۔ عبداللہ کو دیکھ کر احمد شاہ ابدالی استقبالیہ سکراہٹ اپنے لبوں پر بکھیرتا ہوا اپنے پہلو میں ایک خالی نشست پر ہاتھ رکھتے کہنے لگا۔ یہاں آ کر بیٹھو بیٹے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ عبداللہ آگے بڑھ کر اس ت پر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر عبداللہ کو مخاطب کر کے احمد شاہ کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے تمہارے آنے سے پہلے ہم جہان خان کو موضوع بنائے گفتگو ہے تھے۔ یہ تو تم جانتے ہو کہ اس سے پہلے نور الدین کی سرکردگی میں جو لشکر ہم مرہٹوں اور سکھوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا تھا اسے ناکامی ہوئی۔ اس کے بعد ے ایک لشکر کو ڈیرہ اسماعیل خاں کے مقام پر مرہٹوں سے مقابلے میں ناکامی کا منہ پڑا۔ اب تیسری بدترین خبر یہ آئی ہے کہ جہان خان کو بھی شکست ہوئی ہے اور وں سے شکست کھانے کے بعد وہ دریائے سندھ کو عبور کر کے پشاور کی طرف گیا ہے۔ بیٹے ایک تو تمہیں اس لئے طلب کیا ہے کہ دو روز بعد ایک لشکر کے ہم ہندوستان کی طرف رخ کریں گے تاکہ مرہٹوں اور سکھوں کی طاقت کو کچلا جا یہ پیغام تمہیں تمہاری حویلی میں بھی پہنچایا جا سکتا تھا لیکن تمہیں اس سے بھی لا ایک اہم اور ضروری کام کے لئے یہاں بلایا گیا ہے اور اسی مقصد کے لئے میں حضرات کو پہلے ہی طلب کر چکا ہوں۔ جو اس وقت یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس پر اللہ نے چونک جانے سے انداز میں احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھا وہ کچھ پوچھنا ہی ہتا تھا کہ احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور وہ کہہ رہا تھا۔

دیکھ شاہ پسند میرے بیٹے قلات کی طرف سے لوٹنے کے بعد جہان خان نے مجھ سے ایک ایسی بات کہی تھی جو اب تک میں تم سے کہہ نہ سکا حالانکہ مجھے تم سے اس موضوع پر اسی وقت بات کر لینی چاہیے تھی۔ بہرحال اب جبکہ جہان خان اس وقت یہاں نہیں ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس سے بہتر اور کوئی موقع اس موضوع پر تم سے گفتگو کرنے کا نہیں ہے۔ دیکھ بیٹے جہان خان کی ایک بیٹی ہے جس کا نام ماہ رخ ہے۔ اس کی منگنی پہلے جہان خان کے بھتیجے زال بیگ پوپلزئی سے ہوئی تھی لیکن جب تم سب نادر آباد سے اپنی تربیت مکمل کر کے لشکر میں شامل ہوئے تم نے ایک ساتھ دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی کو شکست دی تو جہان خان کا کہنا ہے کہ اس کی بیٹی ماہ رخ زال بیگ پوپلزئی سے نفرت کر کے تم سے محبت کرنے لگی۔

جہان خان کا کہنا ہے کہ یہ بات اس کی بیٹی نے مقابلے کے چند ہی روز بعد اپنی ماں سے کہہ دی تھی لیکن اس کی ماں جہان خان سے یہ بات چھپاتی رہی اور اندر ہی اندر اپنی بیٹی ماہ رخ کو سمجھا بجھا کر اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کرتی رہی کہ وہ زال بیگ سے شادی کرے لیکن جب لڑکی نے مکمل طور پر بغاوت کر دی اور زال بیگ سے شادی کرنے سے قطعی انکار کر دیا تو اس کی ماں نے اس کے ارادوں کی اطلاع جہان خان سے کر دی۔ اب جہان خان چاہتا ہے کہ تم ماہ رخ سے شادی کر لو اور جہان خان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو ماہ رخ خود کشی کر لے گی۔ اب بیٹے اس سلسلے میں تمہارا کیا خیال ہے تاکہ میں جہان خان کو کوئی معقول جواب دے سکوں۔ عبداللہ تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر پوچھنے لگا۔

پاشا کیا آپ کا یہ حکم ہے کہ ماہ رخ سے میں شادی کر لوں۔ اس پر احمد شاہ نے عبداللہ کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا نہیں بیٹے۔ نہیں میں نے صرف تمہاری تجویز طلب کی ہے۔ جو فیصلہ تم کرو گے وہ آخری ہو گا اور کوئی اس فیصلے کو تبدیل نہیں کر سکے گا اور یہ بھی سن رکھو کہ مجھ سمیت تم پر کوئی دباؤ بھی نہیں ڈال سکتا کہ تم ماہ رخ سے شادی کرو نہ کرو یہ کلی طور پر تماری مرضی تمہاری خواہش پر منحصر ہے۔ اس پر عبداللہ

بولا اور کہنے لگا۔

پاشا۔ آپ جانتے ہیں جب سے دلاور خان اور زال بیگ مقابلے میں مجھ سے ہارے ہیں تب سے وہ میرے ساتھ عداوت رکھے ہوئے ہیں۔ اگر میں جہان خان کی بیٹی ماہ رخ سے شادی کرتا ہوں جو اب تک زال بیگ پوپلزئی کی منگیتر رہی ہے تو زال بیگ پوپلزئی ضرور میرے خلاف برانگیختہ ہو گا اور وہ جو پہلے سے کدورت اپنے دل میں میرے لئے رکھتا ہے وہ اور بڑھ جائے گی اس طرح میری اور اس کی دشمنی اور عداوت میں ماہ رخ سے شادی کرنے کی وجہ سے اضافہ ہی ہو گا جبکہ میں ایسا نہیں چاہتا۔

پاشا دوسری بات یہ ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ میں کامنی سے شادی کا وعدہ کر چکا ہوں اور میں پہلے تو اس سے شادی نصیر خان کا خاتمہ کرنے کے بعد کرنا چاہتا تھا لیکن اب جبکہ بیچ میں ماہ رخ ٹپک رہی ہے تو میں فی الفور کامنی سے شادی کر لوں گا تاکہ اسے یہ احساس نہ ہو کہ اس زندگی کے کسی لمحے میں اسے چھوڑ ہی نہ دوں۔ پاشا کامنی سے شادی کرنے کے بعد پھر میں ماہ رخ کے موضوع پر آپ سے گفتگو کر سکوں گا وہ بھی کامنی سے مشورہ کرنے کے بعد۔ فی الحال اس موضوع پر میں آپ سے کوئی فیصلہ کن بات نہیں کہہ سکتا۔

عبداللہ کی یہ بات سن کر احمد شاہ ابدالی بے حد خوش ہوا۔ پھر وہ عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ شاہ پسند تم نے میرا جی خوش کر دیا ہے۔ دیکھ بیٹے پرسوں ہم لشکر کو لیکر ہندوستان کی طرف روانہ ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم روانگی سے پہلے کامنی سے شادی کر لو۔ بیٹے میں اپنے بچوں کی طرح تمہارا گھر آباد اور تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ جہاں تک میرا ذاتی خیال ہے یہ شادی آج شام تک ہو جانی چاہیے تاکہ تم جب ہندوستان روانہ ہو تو کامنی بھی تمہاری بیوی کی حیثیت سے تمہارے ساتھ ہو۔ اس پر عبداللہ نے ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہا۔ پاشا میں آپ کی رائے سے اتفاق کرتا ہوں اس پر احمد شاہ ابدالی نے کھل کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

تو پھر یہ شادی آج ہی ہو گی اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے برخوردار خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ برخوردار خان شاہ پسند کی شادی کے سارے انتظامات میں تمہارے ذمے لگاتا ہوں۔ اس شادی پر اٹھنے والے سارے اخراجات میں خود برداشت کروں گا اور شام سے پہلے پہلے شاہ پسند اور کامنی کی شادی ہو جانا چاہیے۔ تم جاؤ اور شادی کے انتظامات کرو۔ اس کے ساتھ ہی سب لوگ اٹھ کر احمد شاہ ابدالی کے قصر کے اس کمرے سے نکل گئے تھے۔

⊙

احمد شاہ ابدالی کے قصر سے نکل کر عبداللہ جب اپنی حویلی کے دیوان خانے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا دیوان خانے میں کامنی بے چاری اکیلی سر جھکائے بیٹھی تھی وہ بڑی پریشان تھی۔ عبداللہ نے اس کی طرف غور سے دیکھا اور جائزہ لیا۔ اس نے کامنی کی آنکھوں کی انجانی تھکن میں بے رس ماضی' آنسوؤں کی نمی جیسی افسردگی' آہوں کی پیچ تابی' بھٹکتے آوارہ طیور جیسی بے کیف سی جھلک تھی۔ وہ بے چاری تاروں کے اجلے جھروکوں میں لرزتی شب کے اندر تقدیر کے عذاب کی طرح نہ جانے کن ہلاک کر دینے والے خیالات میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ یوں لگ رہا تھا جیسے تنہائیوں کے شہر میں اڑتے خار مغیلان یا گردش دوراں کے تیور میں درد کے جوش مارتے ہوئے فاصلے عبداللہ تھوڑی دیر تک اسے غور سے دیکھتا رہا پھر وہ اسے مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کامنی! کامنی کیا بات ہے۔ کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے۔ کسی نے تمہاری دل شکنی کی ہے۔ کہو تم کیوں اداس' افسردہ اور پریشان ہو۔ اس موقع پر شاید عبداللہ کے ہمدردی میں ڈوبے الفاظ کی وجہ سے کامنی بے چاری پھٹ سی پڑی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بھاگی بری طرح وہ عبداللہ کی ٹانگوں سے لپٹ گئی اور کہنے لگی۔ میں خدا کے نام پر آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ آپ مجھے چھوڑیئے گا نہیں۔ اگر آپ مجھ سے شادی نہ کرنا چاہیں تو مجھے اپنے گھر میں لونڈی اور

ادی کی حیثیت سے رکھ لیں۔ پر مجھے اس گھر سے نکالئے گا نہیں مجھے کسی اور گھر نہ ہج دیجئے گا۔ اس پر عبداللہ نے بڑے پیارے انداز میں اسے اس کے دونوں بازوؤں پکڑ کر اوپر اٹھایا۔ پھر وہ حیرت زدہ سے انداز میں اس سے پوچھنے لگا۔ کیا ہوا کامنی یں میں تمہیں کیوں چھوڑوں گا۔ پھر کامنی کے جواب دینے سے قبل ہی عبداللہ ے لیکر ایک نشست پر بیٹھ گیا اور دوبارہ پوچھنے لگا کہو کامنی تمہیں کیا ہوا۔ یہ جو اظ تم نے مجھ سے کہے ہیں کس بنا پر کہے ہیں۔ کامنی نے اپنے آپ کو کچھ سنبھالا وہ کہنے لگی۔

آپ کے جانے کے بعد میں پاشا کے حرم میں گئی تھی۔ وہاں یہ باتیں ہو رہی ں کہ پاشا کے سپہ سالار جہان خان کی بیٹی ماہ رخ جس کی منگنی زال بیگ پوپلزئی ہو چکی تھی وہ آپ کے زال بیگ اور دلاور خان کے مقابلے کے جیتنے کی وجہ سے بیگ کو ترک کر کے آپ کو پسند کرنے لگی ہے۔ پاشا کے حرم میں یہ گفتگو بھی ہو تھی کہ آپ سے چاہت اور محبت کا اظہار ماہ رخ نے اپنی ماں سے بھی کر دیا ہے اس کی ماں نے اس کا ذکر جہان خان سے بھی کیا ہے۔ جہان خان نے پاشا سے رش کی ہے کہ شاہ پسند سے کہا جائے کہ وہ ماہ رخ سے شادی کرے۔ اسی بنا پر نے آپ سے التجا کی ہے کہ پاشا ضرور آپ سے ماہ رخ سے شادی کرنے کے لئے گے لہٰذا اگر آپ ماہ رخ سے شادی کرنا چاہیں تو مجھے تو کوئی اعتراض نہیں بس میری آپ سے اتنی گزارش ہے کہ آپ مجھے نہ چھوڑیئے گا۔ گھر سے گا نہیں۔ اگر آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے تو ایک باندی اور لونڈی اور کنیز کی حیثیت سے مجھے گھر میں رکھ لیں۔ اس پر عبداللہ نے بڑے پیارے انداز انی کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے اور انتہائی چاہت میں ڈوبی ہوئی آواز اکامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

دیکھو کامنی میں کسی ماہ رخ کو نہیں جانتا کہ وہ کیسی ہے یا کیوں مجھے پسند کرتی میں صرف کامنی کو جانتا ہوں اور میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ دنیا ادھر کی ادھر ہو

جائے میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا۔ سنو کامنی جہان خان یا اس کی بیٹی ماہ رخ تو دور کی بات ہے اگر خود پاشا بھی مجھ سے کہے کہ کامنی کو چھوڑ کر ماہ رخ سے شادی کر لو تو میں ہرگز اسے تسلیم نہ کروں گا۔ اس لئے کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں تم میری پہلی چاہت ہو اور تمہارے ساتھ شادی کرنے کا میں وعدہ کر چکا ہوں جسے میں اپنی موت تک نبھاؤں گا اور کبھی کسی بھی صورت تم سے بدعہدی نہیں کروں گا۔

عبداللہ کے یہ الفاظ سن کر کامنی جہاں تھوڑی دیر قبل تک ستاروں کے ٹھٹھرے پروں، داستان گو کے منجمد ہونٹوں، کسی ویران الاؤ کی مرتی تمازت، ٹلتے اندھیروں کی ٹوٹتی زنجیروں جیسی اداس ندی میں بہتے تنکوں، بیکراں صحراؤں میں خشک ہوتے پھولوں جیسی افسردہ ہو رہی تھی وہاں اب اس کی حالت انجمن گل بدناں، محفل لالہ رخاں جیسی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کے آذرکدہ حسن، کرنوں کے نقاب جیسے حسین چہرے، دہکتی آگ کی طرح سلگتے مستی شفق جیسے رخساروں پر چاند چہروں، کلائیوں کے گجروں جیسی عطر بیزی، ہری گھاس سے کھیلتی وقت کی سرگوں، گلابی کرنوں جیسی شادابی، برگ نیلوفر سے لپٹتی موتیے کی نرم خوشبو جیسی کشش اور جھلملاتے نیلے بدنوں اور وقت کے سنہرے حصاروں جیسی خوشی پھیل اور بکھر گئی تھی۔

پھر کامنی حرکت میں آئی آگے بڑھ کر اس نے بڑے پیارے انداز میں اپنا سر عبداللہ کے شانے پر رکھ دیا اور اپنے دونوں مرمریں بازو اس نے عبداللہ کی گردن کے گرد لپٹتے ہوئے کہا اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ کامنی شاہ پسند کے لئے اور شاہ پسند کامنی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ اس لمحے کامنی کی آواز ایسی پر کشش ایسی خوش کن تھی جیسے کہر آلود فضاؤں سے پرے یا نیلگوں جھیلوں سے اس پار سے بہتے دریا کی لہروں کی آوازیں سنائی دی ہوں۔ یا سمندر کی کشادہ پیشانی دریاؤں کی نمی سے نا آشنا زمینوں کی کھوئے ہوئے پرندوں کی صدائیں اپنی شناخت کرا گئی ہوں۔ یا سرشک گلوں میں کسی کنگن کی کھنک گونجی ہو۔ یا وقت کی مسافت میں سمٹے فاصلوں میں کسی حدی خواں کی آواز سنائی دی ہو۔ یا سنگریزوں کے بے نیاز سکوت میں بیلوں کے نم آلود چہروں کی

سراہٹ اپنی موجودگی کا پتہ دے گئی ہو۔

کچھ دیر تک عبداللہ کے گلے میں اپنی باہیں ڈالے اس کے شانے پر اپنا سر رکھے پرسکون انداز میں کامنی خاموش رہی جبکہ عبداللہ مسکراتے ہوئے بڑے پیارے انداز میں اسے دیکھے جا رہا تھا۔ پھر کامنی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے بڑے پیارے انداز میں کہا۔ اب آپ میرا گلا گھونٹ دیں تو مجھے فخر ہو گا اس بات کا کہ مجھے شاہ پسند نے محبت کی ہے۔ میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ اس وقت میں اپنے آپ کو کیا محسوس کر رہی ہوں۔ میں اس وقت اپنے آپ کو دنیا کی خوش قسمت۔ دنیا کی سب سے زیادہ اپنی خوشی، اپنی جھولی میں خوشیاں سمیٹنے والی لڑکی محسوس کر رہی ہوں۔ بس آپ کے منہ سے میں ایسے ہی الفاظ سننے کے لئے ایک عرصے سے بے چین اور بیتاب تھی۔ اب مجھے آپ کی طرف سے کچھ نہیں چاہیئے میں سمجھتی ہوں مجھے سب کچھ ہی مل گیا ہے۔ اس پر عبداللہ پھر مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

کامنی اگر تم اجازت دو تو میں ایک بات کہوں۔ اس پر کامنی علیحدہ ہو گئی اور گلوں اور شکوؤں سے بھرپور انداز میں کہنے لگی کچھ کہنے کے لئے آپ کو مجھ سے اجازت لینے کی تو ضرورت نہیں اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ کامنی تو جانتی ہے میں ابھی پاشا کے پاس گیا تھا۔ پاشا نے بھی مجھ سے ذکر کیا تھا کہ جہان خان کی بیٹی ماہ رخ مجھے پسند کرتی ہے۔ لہٰذا پاشا نے میرا عندیہ مجھ سے طلب کیا تھا۔ میں نے پاشا کو جواب دیا کہ ماہ رخ سے مجھے کیا کرنا چاہیے۔ یہ میں کامنی سے پوچھ کر بتاؤں گا۔ ساتھ ہی کامنی میں نے پاشا سے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ میں کامنی کو مزید انتظار میں نہیں ڈالوں گا بلکہ آج ہی میں اس سے شادی کرنا پسند کروں گا۔ میرا یہ فیصلہ سن کر پاشا بے حد خوش ہوا اس موقعہ پر شاہ ولی خان، برخوردار خان، قاضی القضا علامہ فیض اللہ لشکر کے قاضی ادریس بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ لہٰذا ان سب کی موجودگی میں پاشا نے برخوردار کو میری اور تمہاری شادی بندی کے انتظامات

کرنے کا حکم دیدیا ہے اور میں تم پر یہ بھی انکشاف کروں آج شام سے پہلے بڑی
بڑی دھوم بڑی شان و شوکت کے ساتھ میری اور تمہاری شادی کر دی جائے گی۔
عبداللہ کے اس انکشاف پر کامنی نے عجیب سے پر کشش اور حیرت انگیز انداز
میں عبداللہ کی طرف دیکھا پھر وہ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے خوشیوں سے بھرپور
انداز میں کہنے لگی آج شام' میری اور آپ کی شادی ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی
شرم و حیا کے باعث کامنی نے اپنا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ لیا تھا پھر
اٹھ کھڑی ہوئی اور خوشیوں سے بھرپور کسی ہرنی کی طرح بھاگتی اور پھلانگتی ہوئی
دوسرے کمرے کی طرف چلی گئی تھی۔

اسی روز قندھار شہر میں پورے تزک و احتشام' پوری شان و شوکت کے ساتھ
عبداللہ اور کامنی کی شادی کر دی گئی تھی۔ شادی کے انتظامات خود احمد شاہ ابدالی نے
برداشت کئے تھے۔ اس شادی پر احمد شاہ نے جہاں کامنی اور عبداللہ کو ان کے لئے
عمدہ اور بہترین کپڑوں کے دو صندوق مہیا کئے۔ وہاں اس نے دونوں کو شادی پر بھاری
رقوم کے علاوہ زیورات قیمتی جواہرات اور دوسری بہت سی انمول اشیاء بھی تحفے میں
دیں تھیں اس طرح عبداللہ اور کامنی کی شادی کے دو روز بعد لشکر قندھار سے
ہندوستان کی طرف کوچ کر گیا تھا۔



ہندوستان کی طرف کوچ کرتے ہوئے بہت سے قاصد مختلف خطوط لے کر احمد
شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ پہلا خط ہندوستان کی افواج کے سپہ سالار نجیب
الدولہ کی طرف سے ملا۔ ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی اس نجیب الدولہ روہیلہ کو اپنا
نمائندہ سمجھتا تھا۔ اس نجیب الدولہ کو مرہٹوں نے دہلی سے نکال کر سکرتال کے مقام پر
ایک طرح سے نظربند کر رکھا تھا اور اذیتیں دے رہے تھے۔ نجیب الدولہ نے احمد شاہ
ابدالی سے اسلام کے نام پر مرہٹوں کے خلاف مدد مانگی تھی۔

دوسرا قاصد جے پور اور مارواڑ کے ہندو راجاؤں مادھو سنگھ اور اوجے سنگھ کی

طرف سے حاضر ہوا اس نے بھی احمد شاہ ابدالی سے درخواست کی کہ ہندوستان آ کر
ان کے علاقوں کو مرہٹوں سے محفوظ رکھنے میں مدد دیے۔ تیسرا قاصد شہنشاہ شاہ عالم
گیر ثانی کی طرف سے آیا۔ اس قاصد کے پاس شاہ عالمگیر ثانی کا ایک خفیہ خط تھا جس
میں شاہ عالمگیر ثانی نے اپنے ظالم وزیر غازی الدین سے جان چھڑانے کی خاطر اس کی
بہت سی شکایات احمد شاہ ابدالی کو لکھ بھیجیں تھیں۔

ان سارے خطوط اور قاصدوں کو نگاہ میں رکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے بڑی
تیزی سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ اس کے پاس اس وقت چالیس ہزار سپاہ پر
مشتمل ایک بہترین اور تجربہ کار لشکر تھا۔ راستے ہی میں جہان خان بھی اپنے سولہ ہزار
کے لشکر کے ساتھ اس سے آ ملا۔ اس کے علاوہ بنوں کے علاقے کے دو ممتاز سردار
ایک مروت قبیلے کے آچوخیل شاخ کے بیگو خال گروہ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ دوسرا
اناں زکاخیل تھا جسے شاہ نے اس کے طاقت ور اور ظالم مخالف قبیلوں کے مقابلے میں
سرداری حاصل کرنے میں کبھی مدد دی تھی۔ بہرحال یہ دونوں سردار بھی اپنے چھوٹے
چھوٹے لشکروں کو لیکر احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ ابھی ہندوستان کی سرحد ہی پر پہنچا تھا کہ اسے
خبر ملی کہ مرہٹوں کا ایک جرنیل صباجی اٹک شہر پر قابض ہو گیا ہے اور شہر کو اس نے
لوٹ لیا ہے۔ یہ خبر سنتے ہیں احمد شاہ ابدالی نے اپنے سپہ سالار جہان خان کو اس کا
سولہ ہزار کا لشکر دے کر صباجی کی سرکوبی کے لئے فوراً اٹک کی طرف روانہ کیا۔

اٹک شہر سے باہر صباجی اور جہان خان کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی جس میں
مرہٹوں کے جرنیل صباجی کو شکست ہوئی۔ صباجی اپنے لشکر کے ساتھ بھاگ کھڑا ہوا۔
اس فتح سے جہان خان کے حوصلے بلند ہو گئے لہٰذا اس نے مرہٹہ جرنیل کا تعاقب کیا
اور قلعہ رہتاس کے قریب پھر اس نے مرہٹوں کو جا لیا۔ بھاگتے ہوئے مرہٹوں کا جہان
خان نے خوب قتل عام کیا۔ جہان خان کے اس قتل عام کی وجہ سے مرہٹے ایسے خوف
زدہ ہوئے کہ وہ سر پر سینگ رکھ کر بھاگے راستے میں لاہور میں قیام کرنے کے بجائے

وہ سیدھے بٹالہ سرہند اور جالندھر سے ہوتے ہوئے دہلی کی طرف چلے گئے تھے۔

مرہٹوں کو شکست دینے اور ان کا تعاقب کرنے سے جہان خان کے ہاتھ تین ہزار اونٹ' ایک ہزار گھوڑے اور بہت سے سونے چاندی کے سکے ہاتھ لگے۔ اس جنگ میں مرہٹوں کی بہت بڑی تعداد بھی ماری گئی۔

مرہٹوں کی نسبت سکھوں نے بے پناہ قوت اور صبر و شجاعت کا مظاہرہ کیا۔ جہان خان دریائے چناب کے کنارے آ کر رک گیا تھا اور احمد شاہ ابدالی کا انتظار کرنے لگا تھا۔ اتنی دیر تک احمد شاہ ابدالی بھی اپنے لشکر کے ساتھ آ پہنچا۔ پھر متحدہ لشکر نے لاہور کی طرف کوچ کیا۔ لاہور شہر سے باہر احمد شاہ ابدالی اور سکھوں کے درمیان ایک ہولناک معرکہ ہوا۔ یہ انتہائی خون ریز جنگ تھی جو کافی دیر جاری رہی۔ اس جنگ میں سکھوں کو بدترین شکست ہوئی اور احمد شاہ ایک فاتح کی حیثیت سے لاہور شہر میں داخل ہوا۔

مرہٹوں کے مظالم اور قتل و غارتگری کی وجہ سے لاہور میں اس وقت کوئی حاکم نہ رہا تھا۔ اس لئے احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر جہان خان نے ہر جانب اپنے آدمی مقرر کر دیئے۔ اس نے لاہور میں جگہ جگہ جناد مقرر کئے اور لوگوں کو آگاہ کیا کہ مسجدوں میں احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور کے نام کا خطبہ پڑھا جائے اور اسی کے نام سے سکے جاری ہوں۔ یہ بھی حکم جاری کیا گیا کہ کوئی بھی لشکری کسی شہری کو نہ ستائے۔ احمد شاہ ابدالی نے لاہور شہر میں داخل ہونے کے بعد شاہ ولی خان کے بھتیجے کریم داد خان کو لاہور کا گورنر مقرر کیا۔ جبکہ گجرات اورنگ آباد پسرور۔ ایمن آباد اور سیالکوٹ کے ضلعوں کا فوجدار اپنے ایک معتمد عالیہ ذی خان کو مقرر کر دیا۔

لاہور میں چند یوم قیام کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے جہان خان کو مقدمتہ الجیش کے طور پر سرہند کی طرف روانہ کیا لہٰذا جہان خان بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتا ہوا سرہند پہنچا اس کے پیچھے پیچھے اپنے لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی بھی سرہند کی طرف روانہ ہوا۔ ہوندل کے نزدیک احمد شاہ ابدالی نے دریائے بیاس کو پار کیا اور سر

ہند سے باہر خضر آباد کے مقام پر اس نے پڑاؤ کر لیا تھا۔

○

دوسری طرف ہندوستان کی سلطنت کے وزیر غازی الدین کو جب احمد شاہ ابدالی کی پیش قدمی کی خبر ہوئی تو وہ اتنا دہشت زدہ اور برافروختہ ہوا کہ اس نے ہندوستان کے شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی کو قتل کر دیا۔ اس لئے کہ شاہ عالمگیر ثانی نے احمد شاہ کو خط لکھ کر حملہ آور ہونے کی دعوت دی تھی۔ شاہ عالمگیر ثانی کو قتل کرنے کے بعد غازی الدین نے اپنے پرانے حریف انتظام الدولہ کا بھی گلا گھونٹ کر مروا دیا۔ ان واقعات کی خبر پا کر احمد شاہ بے حد مشتعل اور برافروختہ ہوا۔

مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ نے احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے سارے لشکروں کا سپہ سالار اور کماندار اپنے بھائی رگوناتھ کے بجائے ایک نامور اور نہائی تجربہ کار جرنیل داتا جی کو بنایا۔ جس وقت احمد شاہ ابدالی سرہند کی طرف کوچ کر رہا تھا اس وقت داتا جی اپنے لشکر کے ساتھ سکرتال کے مقام پر پڑاؤ کئے ہوتے تھا اور یہیں اس نے مغل شہنشاہ کے سپہ سالار نجیب الدولہ کو نظر بند کر رکھا تھا۔

داتا جی کو خبریں پہنچ چکیں تھیں کہ احمد شاہ سرہند سے جنوب کی طرف بڑھے گا اور نجیب الدولہ جیسے داتا جی نے نظر بند کر رکھا ہے اس کی مدد کے لئے ضرور آئے گا۔ لہٰذا داتا جی نے یہی فیصلہ کیا کہ احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں کو دہلی میں داخل نہ ہونے دیا جائے اور آگے بڑھ کر ان کی راہ روک دی جائے۔ اپنے اس مقصد کی برآوری کے لئے داتا جی نے دسمبر کے مہینے میں پانی پت کے نزدیک رامر گھاٹ پر جمنا کو عبور کیا اور تمام غیر ضروری سامان اور عورتیں اور بچے اپنے دو جرنیلوں گوبند پنڈت اور نکوجی کے ساتھ ایک محفوظ شہر کنج پورہ کی طرف روانہ کر دیئے۔

دریائے [illegible] کو عبور کرنے کے بعد داتا جی نے ایک بہت بڑا ہراول لشکر تیار کیا اور اسے اپنے آگے روانہ کیا تاکہ وہ کم از کم احمد شاہ ابدالی کے ہراول دستوں اور [illegible] احمد شاہ کے لشکر سے ٹکرائے اس لئے کہ داتا جی چاہتا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کی

قوت کا اندازہ لگائے۔ ساتھ ہی داتا جی نے چند دستے اپنے ہراول دستے کی حفاظت کے لئے گھات میں بھی بٹھا دیئے۔ تاکہ اگر اس کے ہراول لشکر کو پسپائی کا منہ دیکھنا پڑے تو گھات میں بیٹھے ہوئے دستے احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر اچانک حملہ آور ہو کر اس کی شکست کو فتح میں تبدیل کر دیں۔ اپنے اس ہراول لشکر کا سپہ سالار داتا جی نے اپنے ایک نامور اور انتہائی تجربہ کار جرنیل بھوئٹے کی کمان میں دیا تھا۔ یہ ہراول لشکر تھانیر کے نزدیک تراوڑی کے تاریخی مقام پر آ کر خیمہ زن ہوا تھا تاکہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر سے ٹکرائے۔

داتا جی کا لشکر ابھی دریائے جمنا کو عبور کر ہی رہا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے طلایہ گر دستوں نے اسے خبر کر دی کہ داتا جی ہراول لشکر کی آڑ میں افغانوں کی قوت کا اندازہ لگانا چاہتا ہے اور وہ اپنے ہراول لشکر کی حفاظت کے لئے مزید دو لشکر بھی گھات میں بٹھانے کا عزم کئے ہوئے ہے۔ یہ خبریں ملنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے فوراً شاہ ولی خان' جہان خان' برخوردار اور عبداللہ کو اپنے خیمے میں طلب کیا۔ جب یہ چاروں احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں داخل ہوئے تو احمد شاہ نے ان چاروں کو پوری صورت حال سے آگاہ کیا اور ان سے مشورہ طلب کیا۔ اس پر سب سے پہلے شاہ ولی خان نے بولتے ہوئے کہا۔

پاشا آپ بھی اپنی طرف سے ایک ہراول لشکر ترتیب دیجئے جو مرہٹوں کے ہر اول لشکر سے ٹکرائے لیکن اپنے اس ہراول لشکر کی حفاظت اور مدد کے لئے دو مزید لشکر گھات میں بٹھا دیں تاکہ اگر ہمار ہراول لشکر پر مرہٹوں کا زیادہ زور پڑے تو گھات میں بیٹھے ہوئے لشکر اپنے مقدمتہ الجیش کی مدد کر کے مرہٹوں کو بھاگنے اور پسپا ہونے پر مجبور کر دیں۔

شاہ ولی خان جب خاموش ہوا تو عبداللہ بولا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ پاشا اگر مرہٹے ہمارے خلاف کوئی چال اور فریب کاری سے کام لے رہے ہیں تو ہمیں بھی ان کے خلاف ایسی ہی جنگی چال چلنی چاہیے۔ میں شاہ ولی خان کی

بڑے اتفاق کرتا ہوں کہ ہمیں بھی مرہٹوں کے ہراول لشکر کے مقابلے میں اپنا ہراول لشکر ترتیب دے کر اس کا مقابلہ کرنا چاہیے اور دو لشکروں کو گھات میں اول لشکر کی مدد کرنی چاہیے لیکن میرے ذہن میں ایک مختلف طریقہ کار بھی ہے کہ جیسا کہ آپ نے بتایا ہے کہ مرہٹے تراوڑی کے تاریخی میدان کی طرف ے اور یہیں ان کا ہراول لشکر ہمارے ساتھ ٹکرانا چاہتا ہے لہٰذا میری تجویز یہ تراوڑی کے میدان میں مرہٹوں کی آمد سے پہلے ہی ہمیں اپنے ہراول لشکر کو پہنچا دینا چاہیے اور ہراول لشکر سے تھوڑا سا پیچھے دائیں بائیں دو مزید لشکر گھات لگا دینا چاہیے۔ جنگ جب اپنے عروج پر آئے اور ہراول لشکر دیکھے کہ مرہٹوں کی میں بیٹھے ہوئے لشکری بھی اس پر حملہ آور ہو گئے ہیں تب وہ پیچھے ہٹتے ہوئے شروع ہو جائے یہاں تک کہ مرہٹوں کے لشکر کو اس جگہ لے آئے جہاں پہلے ارے دو لشکر گھات میں بیٹھے ہوئے ہوں گے اور جوں ہی مرہٹوں کا لشکر وہاں دائیں بائیں سے ہمارے گھات میں بیٹھے ہوئے لشکر اور سامنے کی طرف سے راول لشکر ان پر حملہ آور ہو جائے اس طرح ہم دشمن کو کچل کر رکھ دیں گے۔

پاشا میں یہاں یہ بھی گزارش کروں کہ مرہٹے جہاں جنگ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں بہترین تیغ زن بھی ہیں۔ ہندوستان کی سرزمین میں کم از کم وہ ناقابل شکست کے جاتے ہیں۔ میرے خیال میں مرہٹوں کا سپہ سالار داتا جی ہم سے ٹکرانے کے پہلے جو اپنا ہراول لشکر روانہ کر رہا ہے تو میرے خیال میں اس سے اس کے دو مقاصد ہوں گے۔ اول یہ کہ وہ ہماری قوت کا اندازہ لگانا چاہتا ہے۔ دوئم یہ اس صورت میں اپنے ہراول لشکر کو فتح مند دیکھنا چاہتا ہے تاکہ ہراول لشکر کی فتح سے اس کے دوسرے لشکریوں پر اچھے اثرات پڑیں اور اس فتح سے اس کے کے حوصلے بلند ہوں اور وہ بہترین انداز میں ہمارا مقابلہ کر سکیں۔

یہاں تک کہنے کے بعد عبداللہ خاموش ہو گیا۔ احمد شاہ ابدالی کو شائد اس کی

تجویز پسند آئی تھی اس لئے کہ اس لمحے اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے کچھ سوچا اس کے بعد وہ فیصلہ کن انداز میں بولا اور کہنے لگا۔

سنو میرے رفیقان دیرینہ شاہ پسند نے جو تجویز پیش کی ہے وہ قابل عمل بھی ہے اور میرے دل کو لگی بھی ہے۔ لہٰذا اب میرا بھی فیصلہ سنو جہان خان کی سرکردگی میں اس وقت جو سولہ ہزار کا لشکر ہے وہی ہراول لشکر کے طور پر کام کرے گا اور جہان خان ہی اس لشکر کی کمانداری کرے گا۔ ابھی اور اسی وقت جہان خان اپنے اس لشکر کے ساتھ تراوڑی کے میدان کی طرف کوچ کرے گا۔ مرہٹوں کی آمد سے پہلے ہی پہنچ تراوڑی کے میدان میں جا کر پڑاؤ کرے گا۔ جہان خان کے پیچھے پیچھے شاہ پسند اور برخوردار خان بھی اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ تراوڑی کے میدان کی طرف بڑھیں گے اور جہان خان سے تھوڑا سا پیچھے گڑھے کھود کر اپنے اپنے لشکر کو لیکر گھات میں بیٹھ جائیں گے۔ اب جہان خان یہ کام کرے گا کہ مرہٹوں کے ساتھ جنگ کی ابتدا کرے گا۔ جب جنگ اپنے عروج پر آئے اور جہان خان دیکھے کہ گھات میں بیٹھے ہوئے مرہٹوں کے لشکر بھی اس پر وارد ہو گئے ہیں تو وہ پلٹے لیکن آہستہ آہستہ مرہٹوں کو یہ احساس نہ ہونے دے کہ وہ کسی جنگی چال کے تحت پسپا ہو رہا ہے اور تاثر دینے کی کوشش کرے کہ وہ مرہٹوں کے دباؤ کو برداشت نہیں کر سکا۔ لہٰذا پسپا ہوتے ہوئے جہان خان شاہ پسند اور برخوردار خان کے لشکر کے قریب مرہٹوں کو لے آئے۔ اس کے بعد مجھے امید ہے کہ شاہ پسند اور برخوردار کے حملہ آور ہونے سے مرہٹے تعداد میں خواہ کتنے بھی ہوں زیادہ دیر تک میدان جنگ میں ٹھہر نہیں سکیں گے۔ لہٰذا میرے رفیقو تم لوگ ابھی اور اسی وقت حرکت میں آؤ اور تراوڑی کے میدان کی طرف بڑھو۔ میں اور شاہ ولی خان بھی یہاں سے اپنا لشکر کا پڑاؤ اٹھا کر تراوڑی کے میدان کی طرف آہستہ آہستہ کوچ کریں گے تاکہ اگر اپنے ہراول لشکر کی شکست کے بعد مرہٹوں کا سپہ سالار اپنے سارے لشکر کے ساتھ ہمارے ہراول لشکر پر وارد ہونا چاہے تو میں آگے بڑھ کر اس کی راہ روک سکوں اب تم لوگ اپنے اپنے

ے ساتھ حرکت میں آؤ اور یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اس کے ساتھ ہی شاہ ولی جہان خان، عبداللہ اور برخوردار خان احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل کر عبداللہ جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو خیمے منی بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی سے اسی کا انتظار کر رہی تھی۔ جوں ہی خیمے میں داخل ہوا کامنی آگے بڑھی اور بڑے پیارے انداز میں اس نے کے دونوں ہاتھ اپنے گداز اور مضبوط ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پوچھا۔ پاشا نے اپنے خیمے میں کیوں طلب کیا تھا۔ اس پر عبداللہ مسکراتے ہوئے بولا اور کہنے ابھی اور اسی وقت اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تراوڑی کے میدانوں کی طرف ر رہا ہوں اس لئے کہ مرہٹوں کا ایک ہراول لشکر ہم سے ٹکرانے کے لئے ی کی طرف بڑھ رہا ہے۔ سب سے پہلے جہان خان اس لشکر سے ٹکرائے گا ر برخوردار خان اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ گھات میں رہیں گے اور مناسب ر مرہٹوں پر حملہ آور ہوں گے۔ اس پر کامنی بڑی بے چینی اور بڑی بے تابی کا کرتے ہوئے کہنے لگی میں بھی آپ کے ساتھ جا سکوں گی اس پر عبداللہ بڑے ے انداز میں اپنے دونوں ہاتھ چھڑا کر کامنی کے سرخ گلاب جیسے گال تھپتھپاتے کہنے لگا نہیں کامنی تم یہیں رہو گی وہاں تمہیں گھات میں بیٹھنا پڑے گا لہٰذا ہ اور برخوردار کے لشکر بلکہ جہان خان کے لشکر میں بھی کوئی عورت ساتھ نہیں ہی اور ہاں کامنی میری، برخوردار خان اور جہان خان کی روانگی کے بعد خود پاشا شاہ ولی خان بھی سارے لشکر کو لیکر تراوڑی کے میدانوں کی طرف آہستہ آہستہ کریں گے لہٰذا تمہیں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے پیچھے تم بھی پڑاؤ میں تراوڑی کے میدانوں میں پہنچ جاؤ گی۔ جواب میں کامنی کچھ کہنا اتی تھی کہ خاموش ہو گئی۔ اس لئے کہ ان کے خیمے کے دروازے پر ایک لڑکی ہوئی تھی اور کامنی اسے بڑے غور سے دیکھ رہی تھی۔ کامنی کی نگاہوں کے

تعاقب میں عبداللہ نے جب اس سمت دیکھا تو اس نے جائزہ لیا کہ خیمے کے دروازے پر بنفشے کے پھول جیسی لطیف وہ لڑکی نو عمر ہونے کے ساتھ ساتھ نور کے دائروں معطر پھولوں جیسی پر کشش' مترنم لہروں' زندگی کے حسن' تنہائی کی جنت جیسی فرحت بخش بنفشی شعاعوں' جوانی کے راگ' روحوں کے لمس جیسی حسین' محبت کی گرمی' لطیف سب نغموں جیسی پر سرور اور جوانی اور مسرت کے گیت جیسی کہر کے پردے میں چشم بصیرت جیسی خوبصورت تھی۔

پھر عبداللہ اور کامنی کے دیکھتے ہی دیکھتے وہ حسین اور خوبصورت نیلے دریا کی نرم رفتار' سبزے پر قلانچیں بھرتے غزال' جھیلوں میں تیرتے راج ہنس اور کہساروں میں پھیلتی کہر کی طرح آگے بڑھی اور عبداللہ اور کامنی کے نزدیک آئی پھر اپنی آواز کی پوری مٹھاس میں کہنے لگی۔

آپ دونوں میاں بیوی مجھے دیکھ کر پریشان اور فکر مند نہ ہوں۔ میرا نام ماہ رخ ہے اور میں سپہ سالار جہان خان کی بیٹی ہوں۔ میں آپ دونوں کو آپ کی شادی پر مبارکباد دیتی ہوں۔ میں نے بھرپور طریقے سے آپ دونوں کی شادی میں شرکت کی تھی لیکن میں نے وہاں سب لوگوں کی موجودگی میں آپ لوگوں سے اپنا تعارف کرانا مناسب نہ سمجھا تھا۔ عبداللہ نے ایک بار غور سے ماہ رخ کی طرف دیکھا پھر اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

ہم دونوں میاں بیوی اپنے خیمے میں تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ میں ابھی اور اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ تڑاوڑی کی طرف روانہ ہو رہا ہوں۔ لہٰذا تم میری بیوی کامنی کے پاس بیٹھ کر آرام سے گفتگو اور بات چیت کرو۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ جلدی جلدی تیار ہوا پھر وہ کامنی پر الوداعی نگاہ ڈالتا ہوا جب رخصت ہونے لگا تو کامنی خیمے کے دروازے تک اسے رخصت کرنے آئی۔ جب عبداللہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تب کامنی پلٹی اور ابھی تک خیمے کے وسط میں کھڑی ماہ رخ کے قریب آئی اور بڑی نرمی میں اسے مخاطب کر کے کہنے لگی۔ ماہ رخ میری بہن تم کھڑی کیوں

ماہ رخ کامنی کے اس انداز گفتگو سے خوش ہوئی پھر وہ کسی قدر بے تکلفی
تے ہوئے کامنی کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔
میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اس کے ماہ رخ بولی اور کامنی کو
کے بولی۔ کامنی میری بہن میں تمہاری شادی میں شریک تو ہوئی لیکن میں
ارف نہیں کروایا تھا۔ اب میں اس لئے حاضر ہوئی ہوں کہ تم سے اپنا
ی کراؤں اور تم کو شادی کی مبارکباد بھی دوں۔ اس پر کامنی خوشی کا اظہار
ے کہنے لگی۔ ماہ رخ میری بہن تم نے اچھا کیا مجھ سے ملنے آ گئیں اسی
نے تمہیں دیکھ بھی لیا اور خود شاہ پسند بھی تمہیں دیکھ چکے ہیں۔ شاہ پسند
ا تو میں نہیں جانتی مجھے تم سے ملاقات کا ایک تجسس ایک بڑی آرزو تھی
بڑی بے چینی سے کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔
یں میری بہن کامنی مسکراتے ہوئے کہنے لگی وہ اس لئے کہ لشکر ہی میں
یں نے قندھار شہر میں بھی شاہ پسند کے ساتھ تمہاری محبت کے چرچے سنے
ر میری یہ بڑی خواہش تھی کہ میں ماہ رخ کو دیکھوں جو شاہ پسند سے محبت
۔ کامنی کے اس اچانک انکشاف پر ماہ رخ شرمندہ سی ہو گئی تھی پھر وہ مجروح
یں کہنے لگی کامنی میری بہن آپ نے میرے اس انداز کو یقیناً ناپسند کیا ہو

ارا بولی اور کہنے لگی۔ میں تمہارے اس انداز کو کیوں ناپسند کرنے لگی۔
میری بہن پسند ناپسند دل کا معاملہ ہے میں سمجھتی ہوں اس پر کسی کو قابو
نے عبداللہ کو پسند کر کے اور محبت کر کے کوئی جرم نہیں کیا۔ اس پر ماہ رخ
ر کامنی کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگی۔ کامنی میری بہن یہ بار بار آپ کی
کی عبداللہ اور کبھی شاہ پسند کیوں کہتی ہیں۔ اپنا شوہر کہہ کر کیوں نہیں
ر کامنی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ اس لئے کہ جس وقت تم نے شاہ پسند
لیا کیا تھا وہ میرے شوہر نہیں تھے۔ شوہر تو میرے وہ اب ہوئے ہیں اور

میں ماہ رخ تمہیں یہ بھی بتا دوں میں شاہ پسند کو اپنی جان و روح سے بھی زیادہ عز اور قیمتی متاع خیال کرتی ہوں۔ ماہ رخ کہنے لگی اس میں کیا شک ہے میری بہن کا میری بہن آپ یہ مت خیال کیجئے کہ میں شاہ پسند کو آپ سے چھیننا چاہتی ہوں یہ اس سے انکار نہیں کہ میں نے شاہ پسند سے محبت کی ہے۔ میں انہیں اس وقت پسند کر رہی ہوں جب انہوں نے نادر آباد سے لشکر میں شامل ہونے کے بعد یہ وقت دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی کو بدترین شکست دی۔

کامنی میری بہن آپ کو معلوم ہو گا کہ میری منگنی میرے چچا زاد زال بیگ پوپلزئی کے ساتھ ہوئی تھی۔ میں خیال کرتی تھی کہ زال بیگ پوپلزئی سے کوئی جوا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ میں نے اس کے لئے اپنے ذہن میں ایک بلند معیار اک انتہائی اعلیٰ اور ارفع مقام متعین کر رکھا تھا لیکن جب شاہ پسند نے دلاور خان اور زال بیگ دونوں کو ایک ساتھ بڑی آسانی سے شکست دیدی تب وہ مقام وہ عظمت رفعت ساری پستی اور ذلت کا ڈھیر ہو کر رہ گئی۔ تب سے کامنی میری بہن میں پسند سے محبت کرنے لگی اور زال بیگ کے لئے میرے دل میں نفرت اور ناپسندید کے سوا کچھ نہ رہا۔ اب تم ہی بتاؤ کامنی میری بہن یہ دل میں آپ سے آپ ہونے والے جذبوں کو میں کیسے اور کیونکر روک سکتی تھی۔

ماہ رخ جب خاموش ہوئی تو تھوڑی دیر تک کامنی بھی خاموش رہ کر کچھ سو رہی پھر وہ بولی اور کہنے لگی۔ ماہ رخ میری بہن دیکھ میں تجھے مایوس اور نامراد نہ ہونے دوں گی۔ میں کسی مناسب موقع پر شاہ پسند سے بات کروں گی اور انہیں صورت میں اس امر پر آمادہ کرنے کی کوشش کروں گی کہ وہ تمہارے ساتھ شادی لیں۔ اس لئے کہ ہمارے یہاں مرد ایک وقت میں کئی بیویاں رکھ سکتا ہے۔ بادشا دیکھیں اس کے حرم میں کئی بیویاں ہیں۔ اس کے علاوہ لشکر میں اور بہت سے اپ سالار ہیں جو ایک سے زیادہ بیویاں رکھتے ہیں۔ پھر شاہ پسند نے ہی کیا جرم کیا ہے وہ ایک سے زائد بیوی نہیں رکھ سکتا۔ دیکھ ماہ رخ میں تجھے مایوس نہیں ہونے دو

تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ ایک روز جس خیمے میں تم بیٹھی ہو اسی خیمے میں تم کی بیوی کی حیثیت سے میرے ساتھ رہو گی۔

منی کی اس گفتگو سے ماہ رخ ایسی شاداں ایسی خوش اور ایسی مطمئن ہوئی کہ بڑھ کر بری طرح کامنی سے لپٹ گئی تھی۔ کامنی کا منہ اس کی پیشانی اس کے کی گردن بری طرح اس نے چوم لئے تھے پھر وہ علیحدہ ہوتے ہوئے کہنے لگی ن جو اندازے میں نے تمہارے متعلق لگا رکھے تھے ان سے تم بالکل مختلف خدا کی تم بڑی عظیم بڑی معتبر اور بڑی ذی عزت لڑکی ہو۔ تم نے مجھے اور بھنور کا شکار ہونے سے بچا لیا ہے۔ اگر تم مجھے اپنے ساتھ شاہ پسند کی حیثیت سے قبول کر لو تو میں اپنی پوری زندگی تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہ ں گی۔ اس پر کامنی اس کا گال تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگی۔

رخ میری بہن یہ تم پر کوئی احسان نہیں ہو گا۔ جس طرح مجھے شاہ پسند سے نے اور چاہنے کا حق دیا گیا تھا ایسے تمہیں بھی شاہ پسند کو چاہنے کا حق ہے اور تم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ اب تم ایسا کرو آرام سے بیٹھو میں خیمے میں بکھرا ں ترتیب دے لوں اور خیمے کی صفائی بھی ابھی کرنی ہے اس پر ماہ رخ بھی اٹھ ئی اور کہنے لگی نہیں میری بہن دونوں ملکر چیزوں کی ترتیب بھی دیتے ہیں اور یمے کی صفائی بھی کرتے ہیں۔ کامنی ماہ رخ کا یہ جواب سن کر خوش ہو گئی تھی ں اٹھ کر خیمے کی صفائی میں لگ گئیں تھیں۔

○

لڑوں کے ہراول لشکر کا سپہ سالار بھوئے جب اپنے لشکر کو لیکر ترّاوڑی کے یدانوں میں داخل ہوا تو اس کی آمد سے پہلے سے جہان خان اپنے لشکر کے اں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ بھوئے نے جب جہان خان کے لشکر کا اندازہ لگایا تو کر کے آگے اپنے گھوڑے پر سوار اس کے چہرے پر طنزیہ اور تفاخر آمیز ٹ نمودار ہوئی اس لئے کہ اس کے لشکر کے مقابلے میں جہان خان کے لشکر کی

تعداد نہ ہونے کے برابر تھی اور پھر بھوئیے کو یہ بھی حوصلہ تھا کہ ایک
گھات میں ہیں اور جوں ہی جنگ اپنے عروج پر آئے گی تو اس کے گھات
ہوئے دونوں لشکر بھی حملہ آور ہو کر جہان خان کے لشکر کو نیست و نابود کر
دیں گے۔ جہان خان کے لشکر کا جائزہ لیتے ہوئے بھوئیے کی حالت ایسی ہو گئی
وہ جنگ سے پہلے ہی فتح کے نشے میں کھو کر رہ گیا ہو۔

بھوئیے چونکہ لشکر کی زیادہ تعداد رکھنے کے نشے میں بھی کھو سا گیا تھا
نے حملہ آور ہونے کی ابتداء کرنے کا ارادہ کر لیا پھر وہ بکھری پھٹی تصویروں
اداس فضاؤں میں گرم لفظوں کی بجتی نوبت' بے جہت و بے مہار آندھیوں
پیاسے غراتے بھیڑیوں کی طرح اپنے لشکر کو حرکت میں لایا اور بیکران
اندھے خشک گرداوز' رات بھر نفرتوں کی مثال بنتی رات اور دشت در دشت
مسافتوں کی طرح جہان خان کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

دوسری طرف جہان خان نے بھی اپنی زندگی کا وسیع حصہ جنگوں میں
اس نے لڑائیوں کا سرد و گرم سب کچھ دیکھ رکھا تھا۔ پیش قدمی کرنے پسپا
سارے گر وہ خوب جانتا تھا۔ کافی دیر تک اس نے بھوئیے کے حملوں کو
اس طرح وہ بھوئیے کے لشکر پر یہ ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اسے پسپا کرنا
نہیں جتنا بھوئیے نے سمجھ لیا ہے۔ اس کے بعد جہان خان نے اپنا رنگ
کیا۔ اس نے اپنے لشکریوں کو ابھارا جگہ جگہ اس کے کہنے پر صف در صف
تکبیریں بلند کی گئیں پھر جہان خان کے حکم پر اس کے لشکر ذلت و پس
پچھاڑتے چنگھاڑتے طوفانوں' سکوت سے لبریز طلسم خزان میں اداس نوحوں
دنیا مسمار کرتے جذبوں اور روح کی نزہت گاہوں میں موت کی جوش مارتی
طرح حملہ آور ہوا تھا۔

کافی دیر تک جنگ ہوتی رہی مرہٹوں کے سپہ سالار بھوئیے نے جب
کہ جہان خان آسانی سے پسپا اور شکست ماننے والا نہیں ہے تو اس نے

ی طرف قاصد ان لشکروں کی طرف بھجوائے جو کچھ فاصلہ رکھ کر پیچھے گھات میں
ے ہوئے تھے ان قاصدوں کے ذریعے بھوئیے نے ان دونوں لشکروں کو بھی جنگ
شامل ہونے کا حکم دیدیا تھا یہ حکم ملتے ہی گھات میں رہنے والے دونوں لشکر بھی
زار بھیڑیوں اور اندھی رتوں کی طرح جہان خان کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔

ان دونوں نئے لشکروں کا حملہ آور ہونا تھا کہ جہان خان بڑی تیزی سے پسپا
ے لگا اب بھوئیے کو یقین ہو گیا تھا کہ تھوڑی دیر تک پسپا ہونے والا جہان خان
پنے لشکر کو لیکر الٹے پاؤں بھاگے گا اور وہ ان کا بدترین تعاقب کرتے ہوئے بڑی
ی سے ان کا قتل عام کرے گا لیکن اسے یہ خبر نہیں تھی کہ جہان خان بڑی تدبیر
دانشمندی سے مرہٹوں کو بھڑکتے ہوئے جہنم کی طرف گھسیٹتا لئے جا رہا تھا۔

جہان خان کا تعاقب کرتے ہوئے مرہٹے جب اس جگہ آئے جہاں دائیں بائیں
پند اور برخوردار خان اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ گھات میں بیٹھے ہوئے تھے تو
ب سے پہلے عبداللہ گھات سے نکل کر مرہٹوں کے دائیں پہلو پر حملہ آور ہوا۔
ہٹے سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ان کے ساتھ ایسا بھی معاملہ در پیش آ سکتا ہے۔
عبداللہ نے کمال سے انداز میں حملہ آور ہوا تھا۔ اس کے حملوں میں جلال
ئیں جمال' خشونت آمیز سردی بلندیاں' موجوں کے شور' بجلی کی کڑک کو تحلیل
تی ازلی پہنائیاں' ابدی گہرائیاں' غم کو مسرت' بدبختی کو خوش بختی' روحوں کو
عانیت مایوسی کو شرف' تنہائیوں کو جنت' مایوسی کے بھنور کو فتح مندی کی شادمانی سے
راب کرتے ان گنت بے شمار جذبے تھے۔

عبداللہ جب اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے دائیں بازو پر حملہ آور ہوا تو اس
ے مرہٹوں کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے ان پر کسی نے بھڑکتی ہوئی آگ اور کھولتا
پانی ڈالنا شروع کر دیا ہو۔ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے اندر دور تک
تا چلا گیا تھا اور جس طرف سے وہ گزرا اپنے پیچھے مرہٹوں کی لاشوں کے ڈھیر لگاتا
گیا تھا۔

عبداللہ کے حملہ آور ہونے کی وجہ سے مرہٹے تھوڑا سا بائیں جانب کو ہٹے لیکن ان کا بائیں جانب ہٹنا تھا کہ ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا اس لئے کہ برخوردار اپنے لشکر کے ساتھ گھات سے نکل کر مرہٹوں کے بائیں بازو پر شدید نفرتوں کی رو' ہیجان آفریں سمندر رفتار دینے والی وحشت اور زندگی کی تہوں میں پوشیدہ اور فضاؤں کے ذروں میں نفور کر جانے والی بے انت حدت اور ماورائے فطرت حقیقتوں پر تباہی کی غم انگیزی دینے والی عفر-تیوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

تھوڑی دیر تک جہاں مرہٹوں کے سپہ سالار بھوئے کے چہرے پر فتح مندی شادابی اور کامیابیوں اور کامرانیوں کا نشہ تھا وہاں اب اس کے چہرے اس کی آنکھوں میں دور دور تک ویرانیاں موجیں مارنے لگی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ جہان خان یوں اسے اپنی گھات اپنے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسا دے گا۔ بھوئے کے لئے اب ایک مصیبت اور کھڑی ہو گئی تھی کہ وہ منظم طریقے سے پسپائی بھی اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ سامنے سے جہان خان اس کی صفوں کو ادھیڑ رہا دائیں طرف سے عبداللہ نے مرہٹوں کا قتل عام شروع کر رکھا تھا اور بائیں جانب برخوردار زندگی کو خون آلود کرنے کا کام شروع کر چکا تھا۔

تزاوڑی کے وسیع و عریض تاریخی میدان میں یوں لگتا تھا جیسے وہاں لاہ مسائل کا بحر بیکراں مجروح اہرلوں کے پھندوں' ویران و ہولناک بے کیفیوں' آ فشاں پھٹنے کی آوازوں کا ایک بحران اٹھ کھڑا ہوا ہو۔

بھوئے زیادہ دیر تک عبداللہ' جہان خان اور برخوردار کے جان لیوا حملوں کا دباؤ اور زور برداشت نہ کر سکا۔ اس نے جب دیکھا کہ تین اطراف سے اس کے لشکر کا قتل عام شروع ہو چکا ہے تو وہ پہلے پسپا ہوا پھر پیٹھ پھیر کر ایسے بھاگا کہ واپس مڑ کر نہ دیکھا۔ جہان خان' عبداللہ اور برخوردار خان نے بڑی خونخواری سے اس کا تعاقب کیا۔ اور دور تک انہوں نے مرہٹوں کے لشکر کی پشت پر حملہ آور ہوتے ہوئے لمحہ لمحہ ان کے لشکر کی تعداد کم کی پھر جہان خان' عبداللہ اور برخوردار لوٹ آئے تھے۔

ہوئے اپنے بچے کھچے لشکر کے ساتھ اپنے بڑے لشکر میں جا شامل ہوا تھا۔ مرہٹوں کے سپہ سالار داتا جی کو اپنے ہراول لشکر کے کماندار بھوئے کی شکست کا بے حد دکھ اور صدمہ ہوا تھا۔



تزاوڑی کے تاریخی میدان میں جس وقت مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد جہان خان' عبداللہ اور برخوردار خان واپس احمد شاہ ابدالی کی طرف آ رہے تھے اور احمد شاہ ابدالی ایک جگہ پڑاؤ کر کے ان تینوں کا استقبال کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ جمال خان' دلاور خان اور عبدالخالق خان' زال بیگ پوپلزئی کے خیمے میں داخل ہوئے۔ جب وہ آ کر زال بیگ کے سامنے بیٹھ گئے تب زال بیگ اپنے خیمے سے باہر نکلا ایک بار بڑا رازدارانہ سا چکر اس نے اپنے خیمے کے گرد لگایا پھر وہ اندر آیا اور تینوں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

میرے ساتھیو تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں اپنے خیمے میں بلایا ہے۔ اس پر دلاور خان بولا اور کہنے لگا۔ زال بیگ ہم کیا جانیں تم نے کیوں بلایا ہے۔ بہرحال جس غرض کے لئے تم نے بلایا ہے کہو۔ معاملہ کیا ہے۔ اس پر زال بیگ بڑی دھیمی اور رازدارانہ آواز میں کہنے لگا۔

میرے ساتھیو میرے رازدارو تم تینوں جانتے ہو کہ میری چچا زاد اور میری منگیتر ماہ رخ نے میرے ساتھ منگنی توڑ دی ہے اور میرے چچا جہان خان نے باقاعدہ مجھے اس کی اطلاع بھی کر دی ہے۔ منگنی توڑنے کی وجہ یہ ہے کہ شاہ پسند نے مجھے مقابلے میں شکست دیدی تھی۔ میرے چچا کا کہنا ہے کہ ماہ رخ اسی روز سے مجھ سے نفرت اور شاہ پسند سے محبت کرنے لگی تھی۔ جس روز شاہ پسند نے مجھے اور دلاور خان کو مقابلے میں شکست دی تھی۔ دیکھو میرے ساتھیو میرے لئے یہ قابل برداشت ہے کہ ماہ رخ میرے بجائے شاہ پسند کی بیوی بنے شاہ پسند پہلے ہی کامنی سے شادی کر چکا ہے اب اگر ماہ رخ بھی اس سے شادی کرتی ہے تو یہ ہمارے منہ پر انتہائی ذلت کا بھرپور

تمانچہ ہو گا۔ لہٰذا میں کسی بھی صورت ماہ رخ کو شاہ پسند کا ساتھی نہیں بننے دوں گا۔
میرے ساتھیو مجھے یہ بھی خبریں مل گئی ہیں کہ ماہ رخ شاہ پسند کے خیمے میں جانے لگی ہے اور یہ کہ کامنی نے اس کے ساتھ یہ وعدہ بھی کر لیا ہے کہ وہ شاہ پسند کو اس بات پر آمادہ کرے گی کہ وہ ماہ رخ سے شادی کرے۔ لہٰذا میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں ماہ رخ کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا۔ اس پر دلاور خان تڑپ کر بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ زال بیگ اتنا بڑا ظلم مت کرنا۔ ہم جو شاہ پسند کو کامنی کے ہاتھوں قتل کرانے کا چکر چلا چکے تھے۔ اسے ہی نہیں نبھا سکے۔ اگر ہم نے ماہ رخ کو قتل کر دیا تو یاد رکھنا پاشا ہم چاروں کو زندہ زمین میں دفن کر دے گا۔ دلاور خان کے خاموش ہونے پر زال بیگ پوپلزئی پھر بولا اور کہنے لگا۔

دلاور خان تم ماہ رخ کی بات کرتے ہو میں تو اپنے دل میں یہ بھی ارادہ کیے ہوئے ہوں کہ ماہ رخ کے ساتھ شاہ پسند اور کامنی کو بھی قتل کر دینا چاہیے کیونکہ شاہ پسند ہی میری تباہی اور بربادی کا باعث ہے۔ نہ وہ مجھ سے اور تم سے مقابلہ جیتتا نہ ماہ رخ مجھ سے منگنی توڑ کر اسے پسند کرنے لگتی۔ اس بار عبدالخالق بولا اور کہنے لگا۔

زال بیگ تمہاری باتیں بچکانہ اور بے بنیاد سی لگتی ہیں۔ اگر ہم نے کامنی اور شاہ پسند پر بھی ہاتھ ڈالا تو یاد رکھنا پاشا ہم سب کو ہی نہیں بلکہ ہمارے خاندانوں اور نسلوں تک کا خاتمہ کر کے رکھ دے گا۔ لہٰذا شاہ پسند اور کامنی کے قتل میں ہم کسی بھی صورت تمہارا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ رہا سوال ماہ رخ کے قتل کرنے کا تو اس میں کسی حد تک تم حق بجانب ہو اس لئے کہ ماہ رخ نے تمہارے ساتھ منگنی توڑ کر تمہاری بے عزتی کی ہے۔ اسے کسی بھی صورت یہ حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ تمہارے ساتھ منگنی توڑ کر شاہ پسند سے محبت کرنے لگے۔

عبدالخالق کے خاموش ہونے کے بعد جمال خان بھی بولا اور اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ دیکھ زال بیگ عبدالخالق ٹھیک کہتا ہے ہم ماہ رخ کے قتل

نہارے ساتھ ہیں لیکن اگر تم نے اس قتل کا رخ شاہ پسند اور کامنی کی طرف پھر یاد رکھنا ہم کسی صورت تمہارا ساتھ نہیں دیں گے۔ اس لئے کہ ہم پاشا ں اپنے خاندان اور نسلوں کا قتل عام نہیں کرانا چاہتے۔

ں ساری گفتگو کے بعد زال بیگ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر وہ فیصلہ کن ں بولا اور کہنے لگا۔ میرے ساتھیو اگر تمہاری یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ میں اور کامنی پر ہاتھ نہیں ڈالوں گا لیکن ایک بات میری یاد رکھو۔ شاہ پسند جہان ر برخوردار خان مرہٹوں کو شکست دینے کے بعد واپس آ رہے ہیں اور پاشا ان تقبال کی تیاریاں کر رہا ہے۔ میرا اندازہ ہے کہ مرہٹے یوں ہی نہیں بیٹھیں گے جنگوں کی تیاری کریں گے اس کے لئے احمد شاہ اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ آگے ا اور میرے خیال میں دریائے جمنا کو عبور کر کے دہلی کی طرف بڑھے گا۔ لہٰذا ت لشکر دریائے جمنا کو عبور کرنے والا ہو گا ہم ماہ رخ کو قتل کرنے کے بعد ی طرف بھاگ جائیں گے۔ تم جانتے ہو قندھار پر اس وقت پاشا کا بیٹا سلیمان ات پر پاشا کا دوسرا بیٹا تیمور حکومت کر رہا ہے۔ وہ دونوں ہی ہمارے حق میں ہیں۔ ماہ رخ کو قتل کرنے کے بعد ہم قندھار واپس جائیں گے اپنے اپنے قبیلے لح جوانوں کو بڑی تیزی سے اکٹھا کر کے ایک لشکر ترتیب دیں گے اور قندھار ہی خود مختار حکومت کا اعلان کر دیں گے۔ اس معاملے میں اگر پاشا کے بیٹے یا تیمور نے کسی قسم کی مداخلت کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے خلاف صف آرا ہو انوں کا بھی خاتمہ کر دیا جائے گا اور جب تک پاشا ہندوستان میں حالات درست کے بعد قندھار واپس جائے گا اس وقت ہم ہرات اور دوسرے شہروں پر قبضہ کے بعد اپنی عسکری حیثیت کو خوب مضبوط اور مستحکم کر چکے ہوں گے۔ پھر مضبوط اور جرار لشکر لیکر پاشا کے مقابل آئیں گے اور مجھے امید ہے کہ اگر ہم کریں تو پاشا کو شکست دیکر ہم ہمیشہ کے لئے ہندوستان کی طرف بھاگ جانے پر کر دیں گے۔ کہو کیسا خیال ہے۔ اس پر دلاور خان بولا اور کہنے لگا۔ اگر ایسا ہے

تو اس معاملے میں ہم تینوں تمہارا پورا پورا ساتھ دیں گے۔ ماہ رخ کو قتل
بعد واپس قندھار جائیں گے بڑی تیزی سے لشکر ترتیب دے کر خودمختار
اعلان کر دیں گے۔ میرے خیال میں اگر ہم کوشش کریں تو ہم پاشا کے م
اسے پسپا ہونے پر بھی مجبور کر سکتے ہیں۔ اس پر زال بیگ فیصلہ کن انداز
ساتھیو بس یہی آخری فیصلہ ہے۔ کہ جس وقت لشکر جمنا کو عبور کر رہا ہو اس وق
رخ کو قتل کر کے ہم قندھار کی طرف چلے جائیں اور وہاں پاشا کے خلاف بغاو
سرکشی کرنے کے لئے زور و شور سے تیاریاں شروع کر دیں۔ اب آؤ پاشا کے
مل کر جہان خان' شاہ پسند اور برخوردار خان کے استقبال میں شامل ہوں تاکہ ا
چاروں پر کسی طرح کا شک و شبہ نہ کریں۔



عبداللہ جہان خان اور برخوردار خان جب اپنے لشکر کے ساتھ احم
ابدالی کے لشکر میں ایک فاتح کی حیثیت سے آ کر ملے تو احمد شاہ ابدالی اس
لشکریوں اور دیگر سرداروں نے بڑی گرم جوشی سے ان تینوں اور ان کے لشکر
استقبال کیا۔ تھوڑی دیر تک وہیں پڑاؤ ہوا سارے لشکر نے مل کر کھانا کھایا اس
بعد متحدہ لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی نے دہلی کی طرف پیش قدمی شروع کی تھی۔
آگے بڑھتے ہوئے بوریا کے مقام پر احمد شاہ ابدالی نے دریائے جمنا کے کنار
کشتیوں کا پل تعمیر کرایا اس پل کے ذریعے وہ دریائے جمنا کو اپنے لشکر کے ساتھ
کر گیا تاکہ دہلی کی طرف کوچ کر سکے۔

جس وقت احمد شاہ ابدالی کا سارا لشکر دریائے جمنا کو عبور کر چکا اور دریائے
کے مشرقی کنارے پر احمد شاہ ابدالی کے لشکر نے پڑاؤ کر لیا۔ اس کے بعد احمد
ابدالی' شاہ ولی خان' عبداللہ' جہان خان' برخوردار خان اور کچھ دوسرے چھوٹے سا
دریائے جمنا کے کنارے ایک جگہ جمع ہوئے اور مرہٹوں کے ساتھ آئندہ پیش آ
والی جنگ کے متعلق صلاح و مشورہ کرنے لگے تھے۔

ان لوگوں کو دریا کے کنارے بیٹھ کر گفتگو کرتے تھوڑی دیر ہوئی تھی کہ چند
تے ہوئے ان کے قریب آئے۔ انہیں دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی گھبرا گیا اور
ے اٹھ کھڑا ہوا۔ احمد شاہ ابدالی کو دیکھتے ہوئے شاہ ولی خان' عبداللہ' جہان
ر برخوردار خاں بھی گھبراہٹ میں کھڑے ہو گئے۔ آنے والے لشکری تھوڑے
ر رک گئے۔ ان میں سے ایک آگے بڑھا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے
ا۔ پاشا میں ایک انتہائی بری خبر لیکر آیا ہوں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی چند قدم
اس کے قریب گیا اور پوچھنے لگا۔
تم کیا بری خبر لیکر آئے ہو کیا مرہٹوں نے کسی اور سمت حملہ کر دیا ہے یا وہ کسی
راستے سے ہو کر دہلی شہر میں داخل ہو گئے ہیں اس پر وہ سپاہی بولا اور کہنے لگا۔
یہ بات نہیں ہے۔ میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے سپہ سالار جہان خان کی
ی اور بیٹی ماہ رخ کو قتل کر دیا گیا ہے۔

یہ خبر سن کر جہاں ایک طرف جہان خان گم سم اور پتھر ہو کر رہ گیا تھا وہاں
ری طرف احمد شاہ ابدالی' شاہ ولی خان' عبداللہ اور برخوردار خاں بھی سراسیمہ سے
کر رہ گئے تھے۔ یہ خبر سننے کے بعد چند لمحوں تک احمد شاہ ابدالی نے عجیب سے
از میں اپنے سپہ سالار جہان خان کی طرف دیکھا پھر اس آنے والے سپاہی کو مخاطب
ر کے پوچھا۔ سارے حالات تفصیل سے سناؤ۔ جہان خان کی بیوی اور بیٹی ماہ رخ کو
س نے قتل کیا ہے اور ان کی لاشیں کہاں ہیں۔ اس پر سپاہی بولا اور کہنے لگا۔

پاشا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے ہمارے ذمے لشکر کے کوچ کرنے کے بعد پڑاؤ پر
آخری نگاہ رکھنے اور کوئی چیز رہ نہ جانے کی صورت میں اسے سمیٹ لینے کا حکم دے
رکھا ہے۔ جس وقت لشکر نے دریائے جمنا کے مغربی کنارے سے پل کے ذریعے مشرقی
کنارے کی طرف کوچ کیا تو ہم پڑاؤ کے اردگرد گھومتے رہے پھر ایک جگہ درختوں کے
ایک جھنڈ میں جہان خان کی بیوی اور بیٹی کی لاشیں ملیں۔ ان کے ساتھ دو زخمی سپاہی
بھی تھے جو ان دونوں ماں بیٹی کے خیمے سے باہر پہرہ دیا کرتے تھے۔ ان میں سے ایک

تو مرچکا تھا دوسرے میں ابھی جان باقی تھی اور ہو سکتا ہے کہ قاتل اسے بھی مردہ کر چلے گئے تھے۔ جس سپاہی میں ابھی دم باقی تھا اس سے ہم نے جب پوچھ گچھ کی اس نے بتایا کہ زال بیگ پوپلزئی نے ماہ رخ کو جہان خان کی بیوی کو قتل کر دیا ہے اس کے ساتھ دلاور خان' عبدالخالق اور جمال خان بھی تھے۔ اس سپاہی کا کہنا تھا ان تینوں نے زال بیگ کو کئی بار منع کیا کہ وہ ماہ رخ کو قتل نہ کرے اگر وہ اس سے انتقام ہی لینا چاہتا ہے تو اسے لشکر سے اٹھا کر کہیں لے جائے لیکن قتل نہ کرے۔ اس سپاہی کا کہنا تھا کہ زال بیگ نے ان تینوں کی بات نہ مانی اور اس نے ماہ رخ کے ساتھ ساتھ اس کی ماں کو بھی موت کے گھات اتار دیا۔ اس زخمی سپاہی نے بتایا کہ زال بیگ نے رات کے پہلے حصے میں ہی جس وقت جہان خان اپنے خیمے سے نکل کر لشکر کی طرف کوچ کی تیاریوں میں مصروف تھا ماہ رخ اس کی ماں اور دونوں محافظوں کو قتل کر دیا تھا۔

اس سپاہی نے یہ بھی بتایا کہ قتل کرنے کے بعد جس وقت زال بیگ بھاگنے لگا تو دلاور خان اس کے ساتھ جانے پر آمادہ نہ تھا۔ عبدالخالق اور جمال خان بھی اس کے ساتھ نہیں جانا چاہتے تھے پر زال بیگ نے دھمکی دی کہ اگر تم میرے ساتھ نہ گئے تو میں تم پر یہ الزام لگاؤں گا کہ ماہ رخ اور اس کی ماں کے قاتل تم تینوں ہو۔ یہ دھمکی دینے کے بعد زال بیگ تینوں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ وہ کہاں گئے ہیں یہ کسی کو کوئی پتہ نہیں ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد وہ سپاہی تھوڑی دیر رکا پھر وہ دوبارہ احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ پاشا ہمارے کچھ ساتھی دونوں ماں بیٹی اور مرنے والے دونوں سپاہیوں کی لاشوں کو ادھر ہی لیکر آ رہے ہیں۔ اس پر احمد شاہ مغموم سی آواز میں کہنے لگا تم لاشوں کو یہاں ہمارے قریب رکھوانے کا بندوبست کرو۔ اس پر وہ سپاہی پیچھے ہٹ گیا اور اپنے ساتھیوں کو بھی اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ جب وہ سپاہی چلے گئے تب احمد شاہ ابدالی نے بڑی ہمدردی بڑی نرمی سے جہان خان کی طرف دیکھا۔ اس نے

دیکھا کہ جہان خان کی آنکھوں سے اس سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ قندھار اور ہرات سے لیکر دہلی تک اپنی آنکھوں کے سامنے خون کی آندھیاں اور لہو کے طوفان دیکھنے والا وہ سپہ سالار اس سے ریت کی دیوار دکھائی دے رہا تھا۔ اپنی بیٹی اپنی بیوی کی موت پر از خود اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی آگے بڑھا۔ جہان خان کو اس نے اپنے ساتھ لپٹا لیا اور اسے تسلی دینے لگا تھا۔ اتنی دیر تک شاہ ولی خان' عبداللہ اور برخوردار خان بھی آگے بڑھے اور جہان خان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ بھی اسے تسلی دے رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک جب جہان خان نے اپنے آپ کو کسی قدر سنبھال لیا تب احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔ جہان خان میرے بھائی میرے رفیق میرے دوست فکر مند نہ ہو۔ قاتل خواہ کہیں بھی چھپ جائیں وہ زمین کی تہہ میں کیوں نہ اتر جائیں کوہستانوں کی کھوہ میں کیوں نہ پناہ لے لیں میں انہیں تلاش ضرور کروں گا۔ سن جہان خان تمہاری بیٹی ماہ رخ کو قتل کیا ہے۔ اگر دلاور خان' جمال خان اور عبدالخالق نے زال بیگ پوپلزئی کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ تو پھر ان تینوں کو تو میں کچھ نہیں کہوں گا لیکن جہان خان تمہارے بھتیجے زال بیگ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ اس نے تمہاری بیٹی تمہاری بیوی کو قتل کر کے ہمارے جسم پر نہ مندمل ہونے والا زخم لگایا ہے اور اس کا انتقام بہرحال میں اس سے لیکر رہوں گا۔ یہاں تک کہتے کہتے احمد شاہ ابدالی کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ کچھ سپاہی ماہ رخ اس کی ماں اور دونوں سپاہیوں کی لاشیں وہاں لے آئے تھے۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی سب کے ساتھ مل کر ان کی تجہیز و تکفین کا بندوبست کرنے لگا تھا۔

○

مرہٹوں کے سردار داتا جی کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ اس نے جو ہراول لشکر اپنے بہترین جرنیل بھوسنے کی سرکردگی میں تراوڑی کے تاریخی میدانوں کی طرف روانہ کیا تھا اسے بدترین شکست ہوئی تھی اور داتا جی ہر حالت میں اپنی اس شکست کا

انتقام احمد شاہ ابدالی کے لشکر سے لینا چاہتا تھا۔ لہٰذا دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد داتا جی اپنے لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے سامنے آیا اور پڑاؤ کیا۔ یہاں پڑاؤ کر کے داتا جی نے اپنے لشکر کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ داتا جی نے اپنے پاس رکھا دوسرے حصے کی کمانداری اپنے جرنیل ملہار راؤ ہولکر کو دی۔ تیسرے حصے کا سالار جنکوجی کو چوتھے حصے کا سالار اپنے جرنیل صباجی کو اور پانچویں حصے کا سالار اپنے بہترین جرنیل بھوئیٹے کو مقرر کیا تھا۔

لشکر کی یہ ترتیب دینے کے بعد داتا جی نے وسط میں لڑنے کے لئے ملہار راؤ ہولکر اور جنکوجی کو رکھا اپنے لشکر کے دائیں طرف اس نے صباجی کو اور بائیں طرف بھوئیٹے کو مقرر کیا۔ مرہٹوں کے لشکر کی ترتیب کو دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی بھی ان کے سامنے صف آرا ہوا اور اپنے لشکر کو اس نے بڑے سوچ و بچار کے بعد پانچ کے بجائے چھ حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے پاس رکھا دوسرا شاہ ولی خان کے ماتحت' تیسرا عبداللہ کو دیا' چوتھا جہان خان' پانچواں برخوردار اور چھٹا حصہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک نئے اور ابھرتے ہوئے جرنیل قلندر خان کے حوالے کیا تھا۔ یہ قلندر خان اس سے پہلے عبداللہ کی کمانداری میں کام کرتا رہا تھا۔ اپنے لشکر کے وسطی حصے میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ ولی خان' قلندر خان کو رکھا۔ دائیں طرف جہان خان بائیں طرف برخوردار خان کو جبکہ خود احمد شاہ ابدالی اور عبداللہ نے اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ اپنی صفوں کے پیچھے رہے تھے اور انہوں نے مرہٹوں کے خلاف کارگر ضرب لگانے کے لئے آپس میں کوئی نیا صلاح مشورہ کر لیا تھا۔ دوسری طرف داتا جی بھی اپنے لشکر کے حصے کے ساتھ پیچھے رہ کر اپنے لشکریوں کو ہدایات جاری کر رہا تھا۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے احمد شاہ ابدالی اور عبداللہ نے اپنے لشکر کے گرد ایک چکر لگایا اس موقع پر احمد شاہ نے دیکھا کہ مرہٹوں کے لشکر کے وسطی حصے اور دائیں بائیں لڑنے والے حصوں کے درمیان کافی فاصلہ تھا۔ تھوڑی دیر تک احمد شاہ

سوچتا رہا پھر وہ اپنے پہلو میں گھوڑے پر سوار عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے

پسند میرے بیٹے ادھر دیکھو مرہٹوں کے لشکر کی طرف ان کے وسطی حصے اور
لے حصوں کے درمیان اس قدر بڑا اور وسیع فاصلہ ہے۔ آخر مرہٹوں کے
داتا جی نے اپنے لشکر کے ان تینوں حصوں کے درمیان اتنا فاصلہ کیوں رکھا
ں پر عبداللہ نے بھی مرہٹوں کے لشکر کی طرف غور سے دیکھا کچھ دیر وہ جائزہ
ہر وہ احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔
شا مرہٹوں کے تینوں لشکروں کے درمیان فاصلہ دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں
ت آتی ہے۔ اس پر احمد شاہ ابدالی نے چونک کر عبداللہ کی طرف دیکھا اور
ہی بات ہے بیٹے۔ شاہ پسند کہنے لگا۔
اتا میرا دل کہتا ہے کہ جب جنگ اپنے عروج پر آئے گی تو لشکروں کے درمیان
ں نے خلا رکھا ہے اسی خلا کو استعمال کرتے ہوئے داتا جی دو کام کریں گے
ا اپنے لشکر کے ہر حصے کو خلاؤں کو استعمال کرتے ہوئے مدد کر سکتا ہے۔
ے ہمارے اپنے حصے پر اچانک ضرب لگا کر وہ اس حصے کو پسپا ہونے پر مجبور کر
ہے۔ عبداللہ کی یہ بات سن کر احمد شاہ ابدالی کی آنکھوں میں ایک غیر معمولی چمک
ا پھر مسکراہٹ میں اس نے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
ا پسند۔ میرے بیٹے تمہاری یہ تجویز میرے دل کو لگی ہے۔ میرا بھی دل یہی
ہ کہ یہ مرہٹوں کا سردار داتا جی ایسا ہی کرے گا۔ لہٰذا ہمیں بھی اپنے لشکر کے
صوں اور طرفین میں فاصلہ رکھنا چاہیے تاکہ داتا جی اگر اس خلا کو استعمال کر
لے محاذ پر ضرب لگانے کے لئے آئے تو ہم بھی ایسی خلاؤں کو استعمال کرتے
سامنا کر سکیں۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی نے شاہ ولی خان' قلندر خان'
خان اور برخوردار خان کو اپنے اپنے لشکروں کے درمیان خلا رکھنے کا حکم دیدیا
ا کے بعد احمد شاہ ابدالی اور عبداللہ پشتی حصے میں اپنے اپنے لشکر کی طرف

چلے گئے تھے۔

جنگ کی ابتداء کرنے سے پہلے مرہٹوں کے سپہ سالار داتا جی نے بلند آواز اپنے لشکریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سنو دیوتاؤں کے محافظوں اور پاسبانوں اپنے ماضی کے افعال اور اعمال کو ا طرف رکھ دو اور دوردیش سے آنے والے افغانوں پر اس طرح حملہ آور ہو کر ا خود اپنی جان کے لالے پڑ جائیں۔ سنو بھارت ماتا کے رکھوالو جو زندگی کا طلب گار ہے موت اسی کے منہ پر طمانچہ مارتی ہے۔ جو جنگ سے پہلو تہی کر کے بچاؤ ہاتھوں بکتا ہے مرگ اسی کے جسم سے فاسد خون نکالتی ہے۔ اسے زندگی کی را میں گم کر کے ظلمت کی خلیج میں دھکیل دیتی ہے۔ سنو میرے ہم سفر! شباب اثرات سے مغلوب ہو کر ان حملہ آور افغانوں کو ننگ و ذلت کے شبستانوں دھکیل دو۔

سنو! آج اگر تم دریائے جمنا کے کنارے ان افغانوں کے سامنے چھاتی تان کھڑے ہوئے تو میں تنبیہہ کرتا ہوں کہ دکن تک کوئی قوت ان افغانوں کو تم تعاقب کرنے سے روک نہ سکے گی۔ لہٰذا دیوتا تمہیں بہترین موقع فراہم کر رہے کہ اپنی پوری ایمانداری اپنے پورے خلوص کے ساتھ ان افغانوں پر نزول کرو انہیں اس قدر بے بس اور مجبور کر دو کہ یہ تمہاری زمینوں سے نکل کر بھاگنے مجبور ہو جائیں۔ سب ایک بار ہند ماتا کی جے کا نعرہ لگاتے ہوئے آگے بڑھو اور افغانوں کو بتاؤ کہ ہم ان کے سامنے ریت کے گھروندے اور مٹی کے کھلونے نہیں جنہیں یہ لمحوں میں توڑ کر رکھ دیں گے۔"

اپنے سپہ سالار داتا جی کے اس حکم پر مرہٹوں نے یک زبان ہو کر بھارت ما جے کا بلند نعرہ لگایا پھر وہ حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھے تھے۔

سب سے پہلے مرہٹوں کے لشکر کا وسطی حصہ ملہار راؤ ہولکر اور جنکوجی سرکردگی میں آگے بڑھ کر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے وسطی حصے پر ظلمت و انتہا

شیاں کرتی خونی فطرت' بغض و عداوت شرانگیزی کے طوفان' غیض و غضب اور نی کی تصویر اور حرص و طمع کی آندھیوں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔

شاہ ولی خان اور قلندر خان نے بڑی جرأتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملہار راؤ جنکوجی کے اس خوفناک اور درندہ صفت حملے کو روک دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک ں لشکروں کے وسطی حصے ایک دوسرے کے خلاف ریز جنگ کرتے رہے شاہ ولی اور قلندر خان نے مرہٹوں کے وسطی حصے کے حملے کو روکنے کے بعد جوابی روائی کرنا شروع کی تھی جس کے تحت شاہ ولی خان اور قلندر خان ملہار راؤ ہولکر جنکوجی کے لشکر پر سمندر کی گہرائی' فلک کی بلندی' بیداری کے پیغام' انقلاب کے ر' ہنگامہ آرائیوں کے طوفانوں کی طرح ملہار راؤ ہولکر اور جنکوجی کے لشکر پر الی حملہ کر رہے تھے۔

دونوں لشکر کے وسطی حصے کے آپس میں ٹکرانے کے بعد سب سے پہلے جہان ن حرکت میں آیا اور دائیں پہلو کی طرف سے مرہٹوں کے اس لشکر پر حملہ آور ہوا جرنیل صباجی کی کمانداری میں آگے بڑھا تھا۔ جہان خان انحطاط و زوال کے ل' فراق و ہجر کے لمحوں' زادگی کے اسرار سے بھرپور جذبوں کے ساتھ صباجی کے پر حملہ آور ہوا تھا اور پہلے ہی حملے میں جہان خان نے صباجی کی اگلی صفوں کو ر کر رکھ دیا تھا۔

جہان خان کے تقریباً ساتھ ہی ساتھ برخوردار خان بھی اپنے لشکر کو حرکت میں رات کے منڈلاتے سایوں' سمندر کے شور اور ہوا کے واویلے کی طرح وہ ان کے جرنیل بھوبئے پر حملہ آور ہوا جو اس سے پہلے تراوڑی کے میدانوں میں نا خان' عبداللہ اور برخوردار کے ہاتھوں بدترین شکست اٹھا کر بھاگا تھا۔

اب صورت حال یہ تھی کہ دونوں لشکروں کے سارے پہلو ایک دوسرے سے گئے تھے۔ مرہٹوں کے لشکر کے پیچھے ان کا سپہ سالار داتا جی برابر اپنے لشکریوں کو ت جاری کر رہا تھا جبکہ احمد شاہ ابدالی اور عبداللہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ پشت

پر کھڑے گہری نگاہوں سے جنگ کا جائزہ لے رہے تھے۔

اچانک احمد شاہ ابدالی اور عبداللہ دونوں چونک پڑے اس لئے کہ مرہٹوں کا پ سالار داتا جی اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ وسطی لشکر اور دائیں بائیں کے لشکروں کے درمیان جو اس نے فاصلے رکھے تھے ان خلاؤں میں داتا جی اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا اور بڑی تیزی سے اپنی اگلی صفوں کی طرف آیا تھا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

عبداللہ میرے بیٹے تیرا کہنا درست تھا۔ مرہٹوں کے سپہ سالار داتا جی نے اپنے لشکروں کے درمیان جو فاصلے رکھے تھے اور اسی مقصد کے لئے رکھے تھے کہ اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھ کر ہمارے لشکر پر ضرب لگا سکے۔ لہٰذا میرے بیٹے اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آؤ اور داتا جی کو آگے بڑھنے سے روک دو۔ میں اپنے لشکر سے پیچھے ہو کر ایک لمبا کاوا کاٹتا ہوں اور دشمن کے پہلو پر ضرب لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس طرح مجھے امید ہے کہ دشمن کو ہم دریائے جمنا کے کنارے زیادہ دیر تک میدان جنگ میں جمنے نہ دیں گے۔

احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر عبداللہ بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ جہان خان اور شاہ ولی خان کے لشکروں کے درمیان جو خلا رکھا گیا تھا اس میں اپنے لشکر کو تیزی سے آگے بڑھاتا ہوا اگلی صفوں کے قریب آیا۔ تو اس وقت تک عبداللہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ اگلی صفوں تک پہنچ چکا تھا۔ داتا جی چاہتا تھا کہ شاہ ولی خان یا جہان خان دونوں میں سے کسی ایک پر ضرب لگائے اور یوں احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں خلا پیدا کرنے کے بعد اپنے لئے فوائد حاصل کرے لیکن اسے ناکامی ہوئی اس لئے کہ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ اس کی راہ روک کھڑا ہوا تھا۔

داتا جی کو شاید کسی نے بتا دیا تھا کہ اس کے سامنے آنے والا شاہ پسند ہے جس نے تراوڑی کے میدانوں میں اس کے جرنیل بھوئیے کو شکست دینے میں سب سے بڑا کردار ادا کیا تھا۔ عبداللہ نے دیکھا اس کے سامنے آنے والے مرہٹے تمام کے تمام

تقریبا بڑے بڑے برچھوں اور نیزوں سے لیس تھے۔ داتا جی اپنا برچھا بری طرح گھماتا ہوا عبداللہ کی طرف بڑھا شاید وہ عبداللہ کا خاتمہ کر کے اس کے لشکر کو پسپا ہونے پر مجبور کرنا چاہتا تھا۔ عبداللہ بھی داتا جی کو اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ چکا تھا۔ جوں ہی داتا جی نے برچھا گھما کر عبداللہ پر وار کیا۔ عبداللہ نے اس کے برچھے کو اپنی اس ڈھال پر روکا جو نئی طرز پر مجیر الدین نے اسے بنا کر دی تھی۔ داتا جی کا برچھا جب اس ڈھال پر پڑا تو میدان جنگ میں ایک عجیب سا کھنکھناتا ہوا شور پیدا ہوا۔ جواب میں عبداللہ نے جب مجیر الدین کی بنا کر دی ہوئی آگے سے سانپ کی زبان جیسی دو منہ والی تلوار کو حرکت میں لاتے ہوئے داتا جی پر برسائی تو داتا جی نے بھی اس وار کو اپنی ڈھال پر لیا لیکن داتا جی نے محسوس کیا کہ عبداللہ کی تلوار کے برسنے سے اس کی ڈھال بیچ میں تھوڑی سی پھٹ گئی تھی اور عبداللہ کا وار روکتے ہوئے داتا جی کا بازو بھی لرز اور کانپ گیا تھا۔

عبداللہ کے حملوں کی سختی دیکھتے ہوئے داتا جی ایک طرف ہٹ گیا اس کے اور عبداللہ کے درمیان داتا جی اور عبداللہ کے لشکری حائل ہو گئے تھے۔ اب عبداللہ اپنے لشکریوں کے ساتھ آدم گیر جذبوں کے تحت وجدان و شباب کے موسم' حدت و جذبات کی خزاں' شب کی خاموش فضاؤں میں ستاروں کی سی پھیلتی دھول اور صبح صادق کی سی مضطرب بے چین روحوں کی طرح مرہٹوں پر حملہ آور ہونے لگا تھا۔

دوسری طرف خود احمد شاہ ابدالی بھی بے کار نہیں بیٹھا تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ جنگ اپنے عروج پر آ گئی ہے اور میدان جنگ لہو لہو ہونے لگا ہے اور مرہٹے اپنی پوری شدت اور بڑی خونخواری سے اس کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے ہیں تو وہ بھی اپنے لشکر کو حرکت میں لایا۔ دائیں طرف مڑتے ہوئے اپنے لشکر کو باہر ہی باہر اس نے ایک لمبا کاوا کاٹا وہ مرہٹوں کے لشکر کے اس سمت حملہ آور ہوا جہاں ان کے جرنیل بھوئیے کا لشکر برسرپیکار تھا۔ احمد شاہ ابدالی بھوئیے کے لشکر پر بڑی قوت' نا امیدی' خوف' تلخی کی آندھیوں' رنج و غم کی کھلیان' ہوا کی آہ و زاری عناصر کی نالہ و

ماتم کی طرح کچھ اس انداز میں حملہ آور ہوا کہ بھوئیے کے لشکر کے اندر احمد شاہ ابدالی دور تک گھستا چلا گیا تھا۔ بالکل یوں جیسے کوئی تیز منہ کا تیر پانی کی تیز دھار کو چیرتا ہوا نکل جاتا ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے بھوئیے کے لشکر میں دور تک لاشوں کے انبار لگاتے ہوئے تباہی اور بربادی کے سے برپا کر دیئے تھے۔

عبداللہ کے خلاف داتا جی کے دل میں ایک کدورت' غصہ اور غضب پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ اِسے عبداللہ کے تیز اور جان لیوا حملوں کی وجہ سے پیچھے ہٹنا پڑا تھا لیکن داتا جی اس تاک میں تھا کہ کوئی موقعہ ملے تو وہ عبداللہ پر حملہ آور ہو کر اس کا خاتمہ کر دے اور یوں میدان جنگ کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کرے۔ جس وقت عبداللہ مرہٹوں کے ساتھ اپنے اردگرد لڑتے محافظو دستوں کے ساتھ پوری طرح جنگ میں مصروف تھا داتا جی نے اس موقع کو غنیمت جانا اپنے محافظ دستوں کے ساتھ وہ طوفانی انداز میں آگے بڑھا اور عبداللہ کی پشت کی طرف اس نے بڑے تیز اور جان لیوا حملے شروع کر دیئے تھے۔ اپنے پہلے ہی حملے میں داتا جی نے عبداللہ کے محافظ دستوں کے کئی محافظوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا لیکن اس موقع پر کوئی زندہ دل افغان حرکت میں آیا اس نے جب دیکھا کہ داتا جی اس کے سالار عبداللہ پر اس کی پشت کی طرف سے حملہ کرنا چاہتا ہے تو اس نے اپنے گلے میں لٹکتی ہوئی بندوق نکالی اس میں کوئی بھری اور گھوڑے پر بیٹھے ہی بیٹھے یوں تاک کر اس نے گولی ماری کہ گولی داتا جی کی آنکھ کو چیرتی ہوئی نکل گئی تھی داتا جی اپنے گھوڑے سے گرا اور دم توڑ گیا تھا۔

ایک دوسرا زندہ دل مجاہد آگے بڑھا اپنے گھوڑے سے کودا اپنی برچھا نما تلوار اس نے بلند کی اور زمین پر گرے ہوئے داتا جی کا سر کاٹ کر اس نے ہوا میں لہرا دیا تھا۔

داتا جی کے میدان جنگ میں کام آنے کے بعد قریب تھا کہ اس کے لشکر میں بددلی اور بے حوصلگی پیدا ہو جاتی کہ اس کی جگہ مرہٹوں کے جرنیل جنکوجی نے آلی
ے خوفناک انداز میں جس سے پہلے داتا جی عبداللہ پر حملہ آور ہوا تھا اسی طرح بھی عبداللہ پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت تک عبداللہ مڑ چکا تھا لہٰذا وہ جنکوجی بڑھا اور جنکوجی پر ایسا زبردار وار کیا کہ گو جنکوجی نے عبداللہ کے وار کو اپنی پر روکا تھا لیکن یہ وار ایسا زور دار تھا کہ عبداللہ کی برچھا نما تلوار جنکوجی کی پڑنے کے بعد پھسلی۔ جنکوجی کے شانے پر گری اور جنکوجی کے شانے کے ے کو کاٹتی ہوئی نکل گئی تھی۔ زخم میں تکلیف کی شدت سے جنکوجی کراہ اٹھا ہٹوں نے جب دیکھا کہ ان کا دوسرا جرنیل جنکوجی بھی زخمی ہو گیا ہے تو وہ دیر تک مزید وہاں رکے کہ کہیں عبداللہ دوسرا وار کر کے جنکوجی کا خاتمہ نہ کر مرہٹے طوفانی انداز میں آگے بڑھے اور جنگ کرتے ہوئے وہ عبداللہ اور کے درمیان حائل ہو گئے۔ کچھ مرہٹے جنکوجی کو اٹھا کر پچھلی صفوں کی طرف لے گئے تھے۔

مرہٹوں کے سپہ سالار داتا جی کے مرنے اور جنکوجی کے بری طرح زخمی ہونے ر جنگل کی آگ کی طرح آناً فاناً لشکر میں پھیل گئیں تھیں۔ مرہٹے جو اس پہلے زندگی اور موت کا کھیل کھیلتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں پر حملہ آور ہے تھے جی چھوڑ بیٹھے۔ دوسری طرف داتا جی کے مرنے اور جنکوجی کے زخمی کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے تھے اور انے پہلے کی نسبت اور زیادہ ہولناکی اور خونخواری سے حملہ آور ہونا شروع کر دیا مرہٹوں کے لشکر کی کمانداری اب ان کا جرنیل ملہار راؤ ہولکر کر رہا تھا جبکہ اور بھوئیے اس معاملے میں اس کی مدد اور معاونت کر رہے تھے۔ ملہار راؤ نے جب دیکھا کہ عنقریب مرہٹوں کے مقدر میں بدترین شکست لکھی جانے والی اس نے بہتر اسی کو جانا کہ میدان جنگ سے اپنے بچے کھچے لشکر کو لیکر فرار ہو ۔ لہٰذا اندر ہی اندر جنگ کرتے ہوئے ملہار راؤ نے صباجی اور بھوئیے کو احکامات ائے کہ فی الفور پسپا ہونے کے انتظامات کیے جائیں پھر وہ وقت بھی آیا کہ ملہار

راؤ ہولکر اپنے بچے کھچے لشکر کو لیکر میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا۔

لیکن احمد شاہ ابدالی بھی مرہٹوں کو یوں آسانی سے میدان جنگ چھوڑ کر نہیں دینا چاہتا تھا۔ لہٰذا اپنے لشکر کے سارے حصوں کو اس نے یکجا کیا اور مر تعاقب شروع کر دیا۔ چالیس میل تک یہ تعاقب جاری رہا اور احمد شاہ ابدالی جرنیل کے ساتھ مرہٹوں کا قتل عام کرتا رہا۔ داتا جی کے علاوہ اور بہت سے سردار بھی جنگ میں کام آئے تھے۔ یوں چالیس میل تک مرہٹوں کا تعاقب کر بعد احمد شاہ ابدالی واپس اپنے پڑاؤ میں آ گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں مرہ یہ بدترین شکست تھی جو دریائے جمنا کے کنارے ہوئی۔

○

جن دنوں احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کے ساتھ جنگوں میں بری طرح مصروف دہلی کے وزیر غازی الدین حرکت میں آیا۔ مغل شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی کو اس نے ہی قتل کر دیا تھا۔ اب اس نے دوسرا یہ کام کیا کہ محی الملک کو جو شہنشاہ اورنگ کے سب سے چھوٹے بیٹے کام بخش کا پوتا تھا ہندوستان کا شہنشاہ بنا کر تخت نشین دیا۔ اس کے بعد جب جمنا کے کنارے احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو بدترین شکست تو غازی الدین کو اپنی جان کی فکر ہوئی وہ جانتا تھا کہ مرہٹوں کو شکست دینے کے بع احمد شاہ ابدالی دہلی میں داخل ہو گا اور مغل شہنشاہ کو قتل کرنے کے جرم میں اس کی گردن کاٹ کر رکھ دے گا۔ لہٰذا غازی الدین دہلی سے بھاگ نکلا اور بھرت پور کے راجہ سورج مل کی طرف گیا۔ سورج مل نے اپنے ایک شہر کمیر میں جہاں ایک مضبو قلعہ تھا غازی الدین کو پناہ دی اور اس کی حفاظت کے لئے وہاں پانچ ہزار سپاہیوں ایک لشکر مقرر کر دیا تھا۔

جن دنوں غازی الدین نے مغل شہنشاہ کو قتل کیا تھا اس وقت مغل شہنشاہ کا بی صوبہ بہار میں دریائے سون کے مشرقی کنارے گوٹھالی کے مقام پر مقیم تھا۔ باپ کے قتل کی خبر سنتے ہی اس نے شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کیا اور اپنی بادشاہت کا اعلان کر

اس شاہ عالم ثانی کو جب خبر ہوئی کہ غازی الدین نے محی الدین الملک کو ان کا شہنشاہ بنا کر شاہ جہان ثانی کے لقب سے تخت نشین کرا دیا ہے تو اس نے ے احمد شاہ ابدالی کے نام ایک خط لکھا جس میں شاہ عالم ثانی نے احمد شاہ ابدالی رخواست کی کہ ہندوستان کا تخت و تاج اس کے حوالے کیا جائے۔ شاہ عالم ثانی زید لکھا کہ غازی الدین بھرت پور کے جاٹوں کے ساتھ مل کر دہلی کی سلطنت کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے اور اگر ایسا ہوا تو پھر ہندوستان میں دکن کی مرہٹہ قوت رکنے والا کوئی بھی نہیں رہے گا۔

شاہ عالم ثانی نے مزید لکھا تھا کہ اگر اسے ہندوستان کا شہنشاہ بنا دیا جائے تو بیشتر اور سردار اس کی اطاعت قبول کر لیں گے اور مالوہ اور گجرات بھی مغل سلطنت واپس آ جائیں گے۔ مرہٹوں کے بارے میں اس نے لکھا کہ وہ یا تو اطاعت قبول لیں گے یا ختم ہو جائیں گے۔ بھرت پور کے راجہ سورج مل کا ذکر کرتے ہوئے عالم ثانی نے تلخ الفاظ میں لکھا۔

لوگوں نے آپ کے کان بھرے ہیں کہ بھرت پور کا یہ ہندو راجہ سورج مل دستان کی کنجی ہے پر میں پوچھتا ہوں اس حقیر آدمی کو کب سے اتنی اہمیت ہو گئی کہ ہندوستان کی کنجی بن جائے۔ یہ سب ایک شخص ناگر مل کے تراشے ہوئے افسانے ہیں۔ مغل سلطنت کی گردش سے فائدہ اٹھا کر ان لوگوں نے شاہی علاقوں کا مالیانہ ط کر لیا اور خزانے کو خالی کر دیا اور اس طرح سے سرداروں اور امرا ان کے ساتھ گئے۔

شاہ عالم ثانی نے احمد شاہ ابدالی کے نام مزید لکھا کہ بلی چوہا پکڑنے میں ضرور شیر ا ہے لیکن شیر کے سامنے چوہا بن جاتی ہے۔ جونہی میں شاہ عالم ثانی کے لقب سے شاہ کی حیثیت سے منظر عام پر آؤں گا اور ملکی انتظامات کی جانب توجہ دینا شروع لوں گا یہ سورج مل خود ہی ان سارے علاقوں کو چھوڑ دینے پر آمادہ ہو جائے گا جو نی میں دہلی کی سلطنت کے تھے اور زبردستی اس نے قبضہ کر رکھا تھا۔

شاہ عالم ثانی کا یہ خط احمد شاہ ابدالی کو اس وقت ملا جس وقت اس نے مرہٹوں کو جمنا کے کنارے بدترین شکست دی تھی لیکن اس خط پر احمد شاہ ابدالی نے کوئی کام جاری نہ کیا۔ مرہٹوں کو شکست دینے کے چند یوم تک اس نے دریائے جمنا کے کنارے ہی قیام کئے رکھا پھر دہلی شہر میں داخل ہوئے بغیر وہ جنوب کی طرف بڑھا دہلی سے پانچ میل کے فاصلے پر خضر آباد میں احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیا۔ یہاں اس نے بھرت پور کے راجہ سورج مل جے پور کے راجہ مادھو سنگھ اور مارواڑ کے راجہ جے سنگھ کی طرف اپنے قاصد بھجوائے اور انہیں پیغام بھیجا کہ وہ احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہو کر خراج پیش کریں۔

جے پور کا راجہ مادھو سنگھ اور مارواڑ کا راجہ وجے سنگھ تو احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور باقاعدہ خراج ادا کیا اس لئے کہ دونوں راجاؤں نے خط لکھ کر احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے اور مرہٹوں کی طاقت کو کچلنے کی درخواست کی تھی لیکن بھرت پور کا راجہ سورج مل انتہائی مغرور اور طاقت کے نشے میں غرق تھا اس نے احمد شاہ ابدالی کے پیغام کا کوئی جواب نہ دیا۔ سورج مل کا یہ رویہ دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ خضر آباد سے کوچ کیا اور شیر گڑھ کے راستے وہ سورج مل کے علاقوں میں داخل ہوا۔ سورج مل ان دنوں اپنے ایک قلعے ڈنگ میں قیام کئے ہوئے تھا۔ احمد شاہ ابدالی اس قدر برق رفتاری اور تیزی سے ڈنگ نام کے اس قلعے کی طرف بڑھا کہ سورج مل کو وہاں سے بھاگنے کا موقعہ نہ ملا اور احمد شاہ ابدالی نے آگے بڑھ کر اس کا محاصرہ کر لیا تھا۔

اس دوران تک مرہٹے جو شکست کھا کر بھاگ گئے تھے انہیں دکن سے کمک مل گئی لہٰذا وہ پھر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرنے لگے تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے جس وقت ڈنگ کے قلعے کا محاصرہ کر رکھا تھا مرہٹے اپنے جرنیل ملہار راؤ ہولکر کی سرکردگی میں پھر حرکت میں آئے اور ریواڑی کی طرف انہوں نے پیش قدمی شروع کی۔ احمد شاہ ابدالی کو ان کی ساری نقل و حرکت کی خبریں پہنچ

نہیں۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے فی الفور عبداللہ کی سرکردگی میں ایک لشکر ریواڑی طرف بھجوایا۔ عبداللہ اس قدر اچانک اور تیزی کے ساتھ ریواڑی کے مقام پر کرنے والے مرہٹوں کے لشکر پر وارد ہوا کہ رات کی تاریکی میں اس نے مرہٹوں ہولناک شب خون مارا۔ اس شب خون میں عبداللہ نے ملہار راؤ ہولکر کو رات کی کی میں شکست دی۔ اندھیرے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملہار راؤ اپنے لشکر کے ھ ریواڑی سے ریواڑی گھاٹ کی طرف بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

اسی دوران احمد شاہ ابدالی کو یہ خبر ملی کہ مرہٹوں کا جرنیل جنکوجی جو دریائے جمنا کنارے جنگ میں زخمی ہوا تھا ٹھیک ہو چکا ہے اور وہ اپنے کمک لیکر ملہار راؤ لکر کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔ اب مرہٹوں کا یہ متحدہ لشکر بہادر گڑھ میں نمودار ہوا احمد اہ ابدالی کو خطرہ ہوا کہ اس کی غیر موجودگی میں مرہٹے آگے بڑھ کر دہلی پر قبضہ ہی نہ رلیں۔ ڈگ کا محاصرہ کر دیا اور اپنے پورے لشکر کے ساتھ بڑی تیزی سے ریواڑی ی جانب بڑھا۔

اس دوران احمد شاہ ابدالی کو مزید خبریں ملیں کہ مرہٹوں کا لشکر بہادر گڑھ سے ھ کر قطب مینار کے نزدیک کالکا دیوی کے مندر کے نزدیک پڑاؤ کیے ہوئے ہے۔ یہ بریں سن کر احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کی رفتار تیز کر دی تاکہ آگے بڑھ کر مرہٹوں کو دہلی میں داخل ہونے سے روک سکے۔ دوسری طرف مرہٹوں کے دونوں جرنیل لہار راؤ ہولکر اور جنکوجی کو جب یہ خبر ملی کہ احمد شاہ ابدالی ڈگ کا محاصرہ ترک کر کے بڑی تیزی سے دہلی کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو وہ ایسے خوفزدہ ہوئے کہ سوں نے دریائے جمنا عبور کیا اور گنگا کے دو آبے میں داخل ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی و بھی ان کے اس طرح فرار ہونے کی خبر مل چکی تھی تاہم اس نے دہلی کی طرف باری رکھا اور دھن کوٹ سے ہوتے ہوئے وہ ایک بار پھر خضر آباد پہنچ گیا۔

گنگا دو آب میں داخل ہونے کے بعد مرہٹوں کے دونوں جرنیل ملہار راؤ ہولکر ور جنکوجی دونوں سکندر آباد شہر میں نمودار ہوئے۔ سکندر آباد شہر پر انہوں نے حملہ

کیا اس کو فتح کیا اور جی بھر کر انہوں نے شہر کو لوٹا۔ یہاں پر انہیں بہت سی دولت اور خوراک کا سامان بھی ملا۔ جس سے انہیں خوب تقویت ملی اور اپنے لشکر کے ساتھ وہ اسکندر آباد سے باہر کھلے میدانوں میں پڑاؤ کر گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی ایک بار پھر حرکت میں آیا۔ عبداللہ' جہان خان اور قلندر خان کو مرہٹوں کی سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ جہان خان کے پاس وہ لشکر تھا جو ہمیشہ زیادہ تر اسی کی کمانداری میں رہتا تھا۔ جبکہ عبداللہ کی کمانداری میں بھی اس کے پاس رہنے والا لشکر تھا۔ قلندر خان عبداللہ کے نائب کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ بہرحال یہ تینوں جرنیل اپنے اپنے لشکر کے ساتھ سکندر آباد شہر میں اس جگہ نمودار ہوئے جہاں مرہٹوں کا لشکر پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ سکندر آباد شہر کے باہر ہولناک رن پڑا۔ مرہٹوں نے اپنی پوری طاقت اور قوت صرف کرتے ہوئے جہان خان' عبداللہ اور قلندر خان کے ساتھ جنگ کی لیکن اس کے باوجود مرہٹوں کو بدترین شکست ہوئی۔ جہان خان' عبداللہ اور قلندر خان نے بے شمار مرہٹوں کو سکندر آباد کے باہر کھلے میدانوں میں کاٹ کر رکھ دیا۔ مرہٹوں کے کئی بڑے بڑے سردار مثلاً آنند رام' شیتاجی' کھاراڈے اور اس کا بیٹا فقیر جی کھاراڈے مارے گئے تھے۔ اس جنگ سے مرہٹوں کے جرنیل ملہار راؤ ہولکر اور جنکوجی کی کمر توڑ کر رکھ دی تھی ان کے اوسان خطا ہو کر رہ گئے تھے۔ سکندر آباد سے باہر کھلے میدانوں میں شکست کھانے کے بعد ملہار راؤ ہولکر اور جنکوجی اپنے بچے کھچے لشکر کو لیکر آگرہ کی طرف بھاگ گئے تھے۔

شکست کے بعد مرہٹوں کے جرنیل ملہار راؤ ہولکر کے دوست راجہ کیشو راؤ نے اپنے پیشوا بالاجی راؤ کے نام ایک خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا۔

"احمد شاہ ابدالی کا لشکر جگہ جگہ ہندوستان کی ہر قوت کو شکست دے رہا ہے۔ احمد شاہ کے پاس ایک جرار لشکر ہے اس کے علاوہ اس کے پاس بے انتہا گولہ اور بارود ہے جس کی بنا پر اس کی مکمل مزاحمت ناممکن ہے۔ ہم اسے شکست نہیں دے سکتے بلکہ تاخیری حربے استعمال کر کے دکھن سے کمک پہنچنے کا انتظار کر رہے ہیں۔ اگر کمک

تو ہم متحد ہو کر دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

ننے میں آیا ہے کہ کابل سے ایک لشکر ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کی مدد کے روانہ ہو چکا ہے اگر آپ نے فی الفور کمک روانہ نہ کی تو یہ جانیں کہ احمد شاہ الی پورے ہندوستان پر غالب ہو کر رہ جائے گا۔

بھرت پور کا راجہ سورج مل' جے پور کا راجہ مادھو سنگھ مارواڑ کا راجہ وجے سنگھ ر اودھ کا مسلمان حکمران شجاع الدولہ سب اس وقت احمد شاہ ابدالی اور اس کے کر سے خوفزدہ ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکری ہمارے نامور جرنیل داتا جی جیسے زمودہ سردار کو قتل کر کے بہت مغرور ہو گئے ہیں۔ ملہار راؤ کی فوجیں انہیں ہراساں رنے کی کوشش کر رہی ہیں لیکن احمد شاہ ابدالی کا لشکر مغلوں کی طرح نہیں ہے۔ احمد شاہ ابدالی کے لشکری انتہائی خونخوار اور جنگجو ہیں اور حملہ کرنے اور لڑنے دونوں میں تیز ہیں۔ انہوں نے دہلی کی مغل حکومت کو بالکل بے بس کر دیا ہے۔ اب تو مغل حکومت کا خاتمہ ہی ہوا چاہتا ہے۔"

سکندر آباد میں مرہٹوں کو بدترین شکست دینے کے بعد جہان خان' عبداللہ اور قلندر خان پھر احمد شاہ ابدالی سے آملے تھے۔ عبداللہ جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا خیمے کے پردے کی اوٹ میں کامنی بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے جب عبداللہ کو اپنے خیمے کی طرف آتے دیکھا تو وہ دروازے کے پردے کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ عبداللہ بڑی تیزی سے خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے دیکھا خیمہ بالکل خالی پڑا ہوا تھا۔ کامنی نہیں تھی اس نے سارے خیمے کا جائزہ لیا پر وہ پردوں کی طرف آنا بھول گیا تھا۔ اس لئے وہ کامنی کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کامنی پردے کے پیچھے چھپ کر اس کی ساری حرکات و سکنات کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے جب اندازہ لگایا کہ عبداللہ اس کے لئے بڑا بے چین اور بے تاب ہو رہا ہے تو وہ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی کو روک رہی تھی۔ اس موقع پر عبداللہ بے چارہ مایوس ہو کر خیمے سے نکلنے ہی لگا تھا کہ کامنی ایک دم پردے کے پیچھے سے نمودار ہوئی اور

عبداللہ کا بازو پکڑ کر کھینچتی ہوئی خیمے کے اندر لے گئی تھی۔

کامنی کے اس پیار بھرے رویئے سے عبداللہ کے چہرے پر بڑی پیاری اور خوش مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ کامنی عبداللہ کو کھینچتی ہوئی خیمے میں ایک طرف لگی نشست پر لے گئی۔ عبداللہ کو اس نے اپنے پہلو میں بٹھایا۔ پھر وہ عبداللہ کا ہاتھ بڑے پیارے انداز میں اپنے ہاتھ میں لیکر سہلاتے ہوئے کہنے لگی۔ سکندر آباد میں مرہٹوں شکست دینے پر میں آپ کو مبارک باد دیتی ہوں۔

میں آج پاشا کے حرم میں گئی تھی وہاں بہت سی خاتون جمع تھیں سب میری ذات پر رشک اور حسد کر رہی تھی۔ وہ کہہ رہی تھی کہ میں خوش قسمت ہوں جو شاہ پ کی بیوی بنی ہوں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ شاہ پسند نے جس میدان کا رخ کیا ہے وہاں پاشا کے لئے اس نے فتوحات حاصل کیں ہیں یہ ساری گفتگو اس وقت ہو رہی تھی جب سکندر آباد سے پاشا کے طلایہ گردستے یہ خبر لے کر آئے تھے کہ آپ نے جہان خان اور قلندر خان کے ساتھ مل کر مرہٹوں کو بدترین شکست دی ہے۔ میں حرم میں مزید بیٹھنا چاہتی تھی اتنے میں یہ خبریں بھی آئیں کہ آپ تھوڑی دیر تک لشکر میں پہنچنے والے ہیں اس لئے میں جلدی سے اپنے خیمے میں آ گئی۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ کامنی میری بیوی بن کر تو ہی خوش قسمت اور خوش بخت نہیں ہے بلکہ میں بھی تیرے ساتھ شادی کر کے اپنے آپ کو خوش قسمت اور خوش بخت کہہ سکتا ہوں۔ اس پر کامنی نے تیز نگاہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھا وہ کیسے۔ عبداللہ کہنے لگا۔ میں دو لحاظ سے اپنے آپ کو خوش قسمت کہہ سکتا ہوں۔ ایک اس طرح سے کہ میری بیوی بھرت پور کی راجکماری رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاں تک میرا خیال ہے کہ ہندوستان کی سرزمین میں بہت کم لڑکیاں ایسی ہیں جو کامنی جیسی خوبصورت، قد آور ہوں گی۔ اس پر کامنی کھلکھلا کر ہنستے ہوئے کہنے لگی۔

آپ میری اس طرح تعریف اس لئے کر رہے ہیں کہ اب میں آپ کی بیوی

ہ نا؟ اس پر عبداللہ کھل کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا یہ بات نہیں بلکہ میں یان کر رہا ہوں۔ اگر میں نے تمہاری کم تعریف کی ہے تو میں زیادہ تعریف ے لئے بھی تیار ہوں۔

ا پر کامنی نے بڑے پیارے انداز میں اپنا گداز بھرا بھرا اور خوشبو میں بسا ہوا اللہ کے منہ پر رکھ دیا اور انتہائی میٹھی اور شیریں آواز میں کہنے لگی۔ ھے آپ کے منہ سے اپنی ذات کے لئے کوئی تعریفی جملہ سننے کی ضرورت اور نہیں ہے۔ میں انتہائی خوش قسمت اور انتہائی سعادت مند لڑکی ہوں کہ میں د کی بیوی ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ شاہ پسند کی بیوی ہونا ہی لئے سب سے بڑی بات ہے۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا دیکھ کامنی تو میری ہے تو میری تعریف کر نہ کر۔ تو مجھے بھلی مجھے اچھی لگتی ہے۔ تو میری زندگی نہیں یرے جسم کا بھی ایک حصہ ہے اور تیرے بغیر زندگی بسر کرنے کا اب خواب تک را اور نامکمل خیال کرتا ہوں۔ دیکھ کامنی اب ان باتوں کو چھوڑ مجھے سخت بھوک ہے مجھے کھانے کو کچھ دیجیے۔ جواب میں کامنی بڑے پیارے انداز میں کہنے لگی۔ بھی میں نے آپ کو بھوکا بھی رہنے دیا ہے۔ آج میں کھانے کو وہ کچھ آپ کو ا گی کہ آپ خوش ہو جائیں گے۔ پھر کامنی نے اپنے دونوں ہاتھوں سے عبداللہ دونوں ہاتھ تھامے اور اسے پکڑ کر اوپر اٹھاتے ہوئے کہنے لگی پہلے آپ اٹھیے ہاتھ دھویئے پھر میں آپ کو کھانا دیتی ہوں۔ عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا۔ کامنی نے اسے خیمے ملحقہ طہارت خانے میں لے جا کر خود اس کا منہ ہاتھ دھلوایا پھر وہ اندر سے نیا اس لے کر آئی وہ لباس جو عبداللہ نے پہن رکھا تھا جنگ میں حصہ لینے کی وجہ سے ون آلود ہو چکا تھا کامنی نے اس کا لباس تبدیل کروایا۔ اس کے بعد وہ اس کے امنے کھانا رکھنے لگی تھی۔ کھانے میں تازہ بھنا ہوا گوشت اور بالکل تازہ پنیر تھا۔ داللہ نے گوشت کا ایک لقمہ لگایا۔ پھر انگلی سے پنیر کا جائزہ لیتے ہوئے کہنے لگا۔ کامنی اس قدر تازہ پنیر تم نے کہاں سے حاصل کر لیا۔ اس پر کامنی بولی اور کہنے لگی۔

میں نے آپ سے کہا نہ کہ میں پاشا کے حرم میں گئی تھی- وہاں پاشا کے حکم سے آپ کے لئے تازہ پنیر دیا گیا اور میں خیمے میں لے کر آئی تھی کہ اوپر سے آپ آ گئے اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا اس کا مطلب ہے کہ تم نے اب تک کھانا نہیں کھایا کامنی کہنے لگی آپ کھا لیں میں بعد میں کھا لوں گی- عبداللہ کہنے لگا یہ بات ہے تو میں بھی نہیں کھاتا- ورنہ میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ- اس پر کامنی عبداللہ کے سامنے بیٹھ گئی پھر دونوں میاں بیوی بڑے پرسکون ماحول میں بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے-

○

احمد شاہ ابدالی انوپ شہر میں اپنے لشکر کے ساتھ قیام کئے ہوئے تھا کہ مرہٹوں کے سپہ سالار ملہار راؤ ہولکر نے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صلح کے لئے گفتگو کرنے کی پیش کش کی- احمد شاہ ابدالی نے اس پیش کش کو اپنے لئے غنیمت جانا اس لئے کہ وہ بہ یک وقت مرہٹوں اور سورج مل کی قوتوں سے نہیں ٹکرانا چاہتا تھا وہ چاہتا تھا کہ مرہٹوں سے صلح ہو جائے اس کے بعد وہ پہلے بھرت پور کے راجہ سورج مل کو مکمل طور پر اپنا مطیع اور فرمانبردار کرے اس کے بعد اگر مرہٹے سر اٹھائیں تو ان کو ایسا کچلے کہ آئندہ پھر کبھی وہ احمد شاہ ابدالی کے سامنے سر اٹھانے کی کوشش نہ کریں-

دوسری طرف مرہٹے بھی احمد شاہ ابدالی کے ساتھ بڑا خطرناک کھیل کھیل رہے تھے- ایک طرف ملہار راؤ ہولکر نے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صلح کی گفت و شنید شروع کر دی دوسری طرف دکن سے مرہٹوں کا ایک بہت بڑا لشکر احمد شاہ ابدالی سے مقابلہ کرنے کے لئے روانہ ہو چکا تھا- سارے دریا طغیانی پر آ چکے تھے اور احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا-

اس سیلابی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مرہٹوں کا نیا جرنیل سدا شیو بھاؤ اپنے جرار لشکر کے ساتھ گوالیار پہنچا- دریائے جمنا کو عبور کر کے وہ دھول پور آیا اور اس نے مزید پیش قدمی جاری رکھی-

مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ نے اپنے بھائی رگوناتھ راؤ کو نظر انداز کر کے اس

سدا شیو بھاؤ کو اپنے لشکر کا سپہ سالار اعظم چنا تھا- سدا شیوا بھاؤ پیشوا کا قریبی رشتہ دار اور عزیز تھا- اس کا انتخاب اس بنا پر ہوا تھا کہ وہ تمام فوجی اور سول عہدیداروں میں بے انتہا ہر دلعزیز اور مقبول تھا- اس کے علاوہ سدا شیوا بھاؤ مالی اور انتظامی امور میں اعلیٰ درجے کی صلاحیت رکھتا تھا اور حیرت انگیز تنظیمی قابلیت کا ماہر تھا- جو لشکر سدا شیوا دکن سے لیکر احمد شاہ ابدالی کا مقابلہ کرنے کے لئے آیا تھا اس میں مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کا سترا سالہ بیٹا وشواس راؤ بھی شامل تھا جو مرہٹہ فوج کا برائے نام سپہ سالار تھا-

جب برسات کا موسم اپنے عروج پر آ گیا- دریا سیلابی کیفیت اختیار کر گئے اور نقل و حرکت دشوار ہو گئی تو ملہار راؤ ہولکر نے اچانک احمد شاہ ابدالی کے ساتھ صلح کی گفتگو منقطع کر دی اور اس وقت تک سدا شیوا بھاؤ بھی اپنے لشکر کے ساتھ ملہار راؤ ہولکر کے پاس پہنچ گیا- اس موقع پر سورج مل بھی اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں سے مل گیا- اب بھرت پور کے راجہ سورج مل کے مل جانے سے احمد شاہ ابدالی کے خلاف مرہٹوں کی طاقت اور قوت میں بے حد اضافہ ہو گیا تھا-

ملہار راؤ ہولکر اور سورج مل کے ملنے کے بعد سدا شیوا بھاؤ نے اپنے لشکر کے ساتھ آگرہ کی طرف کوچ کیا- جولائی کے مہینے کے وسط میں مرہٹوں کا لشکر آگرہ پہنچا اور اگلے دو روز میں اس نے بڑی برق رفتاری سے دہلی پر قبضہ کرنے کے لئے کوچ کیا- خود سدا شیو بھاؤ پیچھے پیچھے رہا- جبکہ اس نے ہراول لشکر کے طور پر ملہار راؤ ہولکر، جنکوجی شنڈے، بلونت اور سورج مل کے علاوہ مغل شہنشاہ کے سابق وزیر غازی الدین کی سرکردگی میں ایک لشکر دہلی کی طرف روانہ کیا- اس لشکر نے بڑی تیزی سے پیش قدمی کرتے ہوئے دہلی شہر کا محاصرہ کر لیا سدا شیو بھاؤ بھی اس لشکر کے پیچھے پیچھے ادہ بھی فوراً دہلی پہنچ گیا- دہلی میں کوئی مزاحمت کرنے والی قوت نہ تھی- لہٰذا مرہٹوں نے بغیر کسی جنگ کے دہلی شہر پر قبضہ کر لیا تھا- احمد شاہ ابھی تک انوپ شہر میں تھا- دریاؤں سے گھرا ہوا تھا اور وہاں سے احمد شاہ ابدالی کے لئے کوچ کر کے دہلی آنا

انتہائی دشوار اور مشکل تھا۔

مرہٹے دہلی کی لوٹ مار کر کے جو دولت حاصل کرنے کی خواہش رکھتے تھے اس میں انہیں خاصی مایوسی ہوئی اس لئے کہ دہلی کی تمام دولت تو پہلے ہی نادر شاہ پھر احمد شاہ اور اس کے بعد مغل شہنشاہ کا وزیر غازی الدین بٹور چکے تھے۔ اس کے باوجود سدا شیو بھاؤ نے دہلی شہر سے بہت کچھ حاصل کیا۔ اس نے شاہ جہان کے دیوان خاص کی چاندی کی چھت اتار کر سکے ڈھال لئے۔ چند یوم تک مرہٹوں کے لشکر نے دہلی میں قیام کیا۔ یہاں مرہٹوں کے سپہ سالار سدا شیو بھاؤ نے اپنی طرف سے اپنے ایک جرنیل نارہ شنکر پنڈت کو دہلی کا ناظم مقرر کیا پھر اپنے لشکر کے ساتھ سدا شیو بھاؤ دہلی سے نکلا اور بڑی تیزی اور برق رفتاری کے ساتھ وہ کنج پورہ کی طرف بڑھا تھا۔

کنج پورہ وہ شہر تھا جہاں احمد شاہ ابدالی کے خوراک اور جانوروں کے چارے کے بہت بڑے ذخائر تھے۔ در حقیقت یہ شہر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے لئے سامان رسد کا مرکز بنا ہوا تھا۔ بھاؤ اس شہر پر حملہ آور ہو کر بہ یک وقت دو فائدے اٹھانا چاہتا تھا ایک یہ کہ ہندوستان آنے کے بعد جو خوراک اور چارے کی کمی محسوس کر رہا تھا اس کی کمی کو کنج پورہ پر قبضہ کر کے وہ پورا کر لینا چاہتا تھا۔ دوسرے احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکر کو خوراک اور جانوروں کے چارے سے محروم کر کے وہ انہیں اپنے سامنے بالکل بے بس اور مجبور کر دینا چاہتا تھا۔

کنج پورہ کی حفاظت کے لئے احمد شاہ ابدالی نے صرف دس ہزار سپاہیوں پر مشتمل چھوٹا سا ایک لشکر مقرر کیا ہوا تھا۔ اس کی کمانداری احمد شاہ ابدالی کا ایک چھوٹا سالار سردار عبدالصمد محمد زئی کر رہا تھا۔ جس وقت مرہٹے کنج پورہ کی طرف بڑھے تو عبدالصمد محمد زئی سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے شہر سے باہر نکل کر مرہٹوں کی راہ روک۔ چاہی اسے امید تھی کہ وہ مرہٹوں کو اپنے ساتھ الجھائے رکھے گا اتنی دیر تک احمد شا۔ ابدالی بھی اس کی مدد کے لئے پہنچ جائے گا لہٰذا کنج پورہ سے مرہٹوں کو مار بھگایا جا۔ گا لیکن کنج پورہ شہر کے باہر مرہٹوں نے عبدالصمد کو بدترین شکست دی اس کے لشکر

حصہ کام آیا خود عبدالصمد محمد زئی بھی اس جنگ میں مارا گیا لشکر کا خاتمہ کرنے کے مرہٹے خوشیاں مناتے اور نعرے مارتے ہوئے کنج پورہ شہر میں داخل ہوئے۔

اس شہر پر قبضہ کرنے کے بعد مرہٹوں کے ہاتھ دو لاکھ من غلہ' دس لاکھ روپے الیت کا دیگر سامان اور ساڑھے چھ لاکھ روپے نقد آئے وہ تین ہزار گھوڑے بہت اونٹ اور توپیں بھی مرہٹوں کے ہاتھ لگیں۔ اس کے علاوہ مرہٹہ سپاہیوں نے کنج شہر میں داخل ہو کر ہر گھر کو لوٹا شہر کو تاراج کیا شہر سے مرہٹہ لشکریوں کو بہت حاصل ہوا انہوں نے یہاں کے لوگوں کا قتل عام کیا اور لوگوں کے سر نیزوں پر اکر بازاروں میں گشت کرایا گیا۔

کنج پورہ پر قبضہ کرنے کے بعد مرہٹوں کے سپہ سالار سدا شیو بھاؤ نے ایک بار پھر لی کا رخ کیا۔ وہاں اس نے کٹھ پتلی شہنشاہ شاہ جہان کو تخت سے محروم کر کے غازی ین کے ہاتھوں مرنے والے مغل شہنشاہ شاہ عالمگیر ثانی کے بیٹے کو جو اس وقت بہار مقیم تھا بلا کر شاہ عالم ثانی کے لقب سے تخت نشین کر دیا۔ اس طرح مرہٹے پوری رح دہلی' کنج پورہ ان کے گردو نواح کے علاقوں پر قابض ہو کر احمد شاہ ابدالی کے تھ فیصلہ کن جنگ کرنے کے لئے بھرپور تیاریاں کرنے لگے تھے۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ ابھی تک انوپ شہر کے باہر پڑاؤ کئے ئے تھا۔ غیر معمولی بارشیں ہونے کی وجہ سے سارے ہی دریا سیلابی حالت میں ے لہٰذا وہ کسی طرف بھی پیش قدمی کرنے کے قابل نہ تھا۔ ایک روز جبکہ زور دار رش ہو رہی تھی اور اولے بھی پڑ رہے تھے عبداللہ جب خیمے میں داخل ہوا تو اس نے کھا خیمے کے وسط میں کامنی کے سامنے ایک ایسی نو عمر نو خیز اور خوبصورت لڑکی ی ہوئی تھی جس کا نازک جسم' نرم باہیں' حسین گردن' سڈول بازو' سیاہ گیسو' شگفتہ ' نیلی نشیلی آنکھیں' رسیلے جستون' دراز مہین پلکیں' گلابی رس دار لب' مسکراتے ب عارض' کشادہ جبیں' بلند قامتی' اسے تمام شوخی تمام مستی' تمام بجلی' تمام جادو ئے ہوئے تھے۔ خیمے میں داخل ہونے کے بعد اس لڑکی نے ایک بار نگاہ اٹھا کر

عبداللہ کی طرف بڑے غور اور انہماک سے دیکھا۔ عبداللہ نے جائزہ لیا اس لڑ
نگاہوں میں بجلیوں کی جھلمل' اس کے دیکھنے کی اداؤں میں ایک شبنمی لطافت تھ
اس لڑکی کا لباس بھیگا ہوا تھا۔ لگتا تھا وہ باہر بارش میں بھیگتی رہی ہو اور کامنی کے پ
آ کر اس نے پناہ لی ہو۔ عبداللہ جب نزدیک گیا تو کامنی جب عبداللہ کے استقبال
لئے اپنی جگہ سے اٹھی تو وہ لڑکی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ کامنی کے قریب جا کر عبد
کھڑا ہوا تھا کہ کامنی نے اس لڑکی کا تعارف کراتے ہوئے کہا یہ میری چچا زاد بہن
ہے۔ یہ بھی ابھی یہاں داخل ہوئی ہے۔ مجھے اپنے حالات سنا رہی تھی کہ اوپر
آپ آ گئے۔ پھر کامنی نے وینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ وینا میری بہن دیکھ یہ دا
طرف والا پردہ اٹھا کر اندر چلی جا وہاں میرے بہت سے لباسوں میں سے کوئی سا
پہن لے پھر میرے پاس آ کر بیٹھ وینا نے ایک بار باری باری گہری نگاہوں سے ع
اور کامنی کی طرف دیکھا پھر وہ دائیں طرف پردہ اٹھا کر اندر بنے ہوئے توشک
کی طرف چلی گئی تھی۔

وینا کے جانے کے بعد عبداللہ کامنی کے سامنے بیٹھ گیا اور غور سے اس
طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا اب کہو یہ وینا کون ہے۔ جواب میں کامنی مسکراتے
کہنے لگی۔

آپ فکر مند نہ ہوں۔ اجنبی اور غیر نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ہمیں کوئی خ
ہے۔ دراصل آپ جانتے ہیں کہ مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی رگوناتھ
لئے میرا رشتہ مانگا گیا تھا لیکن اس وقت میرے پتا جی نے میرا رشتہ اسے دینے
انکار کر دیا تھا۔ اب میرے پتا جی نے اپنے تعلقات احمد شاہ ابدالی کے خلاف
کن جنگ کرنے کے لئے مرہٹوں کے ساتھ استوار کر لئے ہیں۔ وینا یہ بھی بتا رہی
کہ مرہٹوں کا جو لشکر ان دنوں دہلی اور اس کے گردونواح میں یلغار کئے ہوئے ہے
میں میرا باپ بھی اپنے لشکر کے ساتھ بہ نفس نفیس بھی شامل ہے۔
مرہٹوں کے ساتھ جب ہمارے تعلقات استوار ہوئے تو مرہٹوں کے پیشوا

ایک بار پھر میرا رشتہ اپنے بھائی رگوناتھ کے لئے مانگا اس پر میرے باپ نے
یا کہ میری بیٹی گھر سے بھاگ چکی ہے اور اس نے احمد شاہ ابدالی کے ایک
شاہ پسند سے شادی کر لی ہے۔ بالاجی راؤ کا جو وفد میرا رشتہ مانگنے آیا تھا اس
ہیں ہمارے محل میں میری چچا زاد بہن وینا پر پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا انہیں وینا
آئی کہ انہوں نے جا کے پیشوا بالاجی راؤ سے وینا کے حسن اور اس کی
تی کی تعریف کی۔ لہٰذا بالاجی راؤ نے اپنے بھائی رگوناتھ کے لئے وینا کا رشتہ
۔ جونہی یہ رشتہ مانگا گیا میرے باپ نے اس رشتے کے لئے ہاں کر لی اور یہ
کہ احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان سے مار بھگانے کے بعد وینا اور رگوناتھ کی شادی
جائے گی۔

نہیں چاہتی کہ اس کی شادی رگوناتھ سے ہو۔ اس لئے کہ میری طرح وہ بھی
پسند کرتی ہے۔ وہ ایک انتہائی اوباش اور عیاش قسم کا انسان ہے جس کا کوئی
جس کا کوئی اخلاق نہیں ہے۔ لہٰذا جس وقت میرے پتا جی اپنے لشکر کے ساتھ
کے ساتھ مل کر دہلی کی طرف گئے۔ وینا جنگ میں حصہ لینے کے لئے ان کے
شامل ہوئی پھر موقع پا کر یہاں انوپ شہر کی طرف بھاگ آئی اور ابھی ابھی
خیمے میں داخل ہوئی ہے۔ وہ ہم سے پناہ چاہتی ہے مجھے امید ہے کہ آپ اسے
یں بھیجیں گے۔ اس پر عبداللہ بڑی ہمدردی اور بڑی چاہت کے اظہار میں

وینا تمہاری چچا زاد بہن ہے اور وہ ہم سے پناہ چاہتی ہے تو میں کیوں اسے
نکالوں گا۔ تم جب تک اور جس وقت تک چاہو اسے یہاں رکھ سکتی ہو اور
مستقل تمہارے پاس رہنا چاہے تو اس پر بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔
کہ بہرحال وہ تمہاری چچا زاد ہے اور تم پر کوئی حق رکھتی ہے۔
ل تک کہتے کہتے عبداللہ رک گیا اس لئے کہ وینا اپنا بدن اچھی طرح صاف
اپنے بال سنوارنے اور لباس تبدیل کرنے کے بعد توشک خانے سے نکلی تھی۔

عبداللہ نے ایک بار پھر اس کا جائزہ لیا۔ وہ کامنی کے نئے لباس میں گلوں کا روپ
پھولوں کا نکھار، کلیوں کا امید خمار، کھلتی چاندنی کا یقین بھرا رس، گلابی پنکھڑیوں کی
کاری لگ رہی تھی۔ اس کے عارضوں کی شکرین اور شیرنی ملاحتیں اسے انار کی سرخ
اور شگفتہ و حسین گدگدی بنائے ہوئے تھیں۔

وینا جب پھر کامنی کے پاس آ کر بیٹھ گئی تب عبداللہ بولا اور کامنی کو مخاطب کر
کے اس نے پوچھا۔ یہ تو تم نے بتایا نہیں یہ کس کے ساتھ آئی ہے اور کیا خیمے
باہر جو گھوڑا کھڑا ہے وہ اسی کا ہے۔ اس پر کامنی چونک جانے کے انداز میں کہنے لگ
مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا کہ اس گھوڑے کو اصطبل میں باندھ کر اس کے دانے
چارے کا انتظام کر دیں۔ جہاں تک اس کے آنے کا تعلق ہے تو یہ بے چاری دھکے
کھاتی اکیلی اپنی جان بچا کر یہاں آئی ہے۔ یہاں تک کہنے کے بعد کامنی ذرا رکی پھر
مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ بالکل ویسے ہی جیسے میں آپ کے پاس تن تنہا آئی تھی
اس پر عبداللہ کے ہونٹوں پر بھی ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا میں پہلے
اس کے گھوڑے کو اصطبل میں باندھتا ہوں اس کے دانے چارے کا انتظام کرتا ہوں
میرے خیال میں یہ خود بھی بھوک محسوس کر رہی ہو گی اور میں اس کے لئے کھانے
بندوبست بھی کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ کامنی اور وینا کی طرف سے کو
جواب کا انتظار کئے بغیر خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔

عبداللہ کے جانے کے بعد وینا تھوڑی دیر خیمے کے دروازے کی طرف دیکھا پھر
بڑی رازداری سے کامنی کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی۔ کامنی میری بہن تم یہاں خوش
ہو۔ اس پر کامنی بولی اور کہنے لگی پہلے یہ کہو کہ تمہیں میرے شوہر پسند آئے۔ اس
وینا تھوڑی دیر کے لئے کہیں کھو سی گئی پھر وہ کہنے لگی ہاں۔ تم نے اپنے لئے واقعی
ایسے شوہر کا انتخاب کیا ہے جو تمہارے شایان شان ہے اس پر کامنی نے بڑے غو
سے وینا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اب تم اپنی کہو تمہارا کیا ارادہ ہے تم یہاں میرے پاس پہنچ تو گئی ہو یہاں جتنا
چاہو تم رہو نہ مجھے اعتراض ہو گا نہ میرے شوہر اس معاملے میں تم سے کوئی
ں کریں گے۔ پر یہ کہ تمہارے ذہن میں منزل تو ہونی چاہیے۔ اس پر وینا
نہ انداز میں کہنے لگی۔ میرے سامنے اس وقت کوئی منزل نہیں۔ بس میری بہن
ے سامنے صرف تم تھیں اور میں نے یہ سوچ رکھا تھا کہ میں اپنی جان بچا کر
ے پاس جاؤں گی اور وہاں جو بھی حالات ہوں گے انہیں برداشت کر لوں گی۔
پر کامنی نے کچھ سوچا وہ کہنے لگی۔

دیکھ وینا میری بہن تو ایک کام کر چند ہفتے بیشتر میرے اور شاہ پسند دونوں میاں
کے ساتھ بڑا خوشگوار حادثہ پیش آیا تھا اور وہ یوں کہ ایک لڑکی جس کا نام ماہ رخ
ہ شاہ پسند کو محبت کرنے اور انہیں چاہنے لگی تھی اس لڑکی کی پہلے اس شخص سے
ی بھی ہو چکی تھی لیکن اس کے باوجود وہ میرے شوہر کو اس قدر جنونی انداز میں
کرنے لگی کہ میرے شوہر کے نہ ملنے کی صورت میں وہ اپنے آپ کا خاتمہ کرتی
نظر آتی تھی لیکن بدقسمتی سے چند ہفتے پیشتر اس کے منگیتر نے اسے موت کے
ت اتار دیا۔ موت سے پہلے ہی وہ میرے پاس آئی تھی اور میں نے اس سے وعدہ
تھا کہ وہ میرے شوہر سے ملتی رہے میں بھی اپنے شوہر کو اس بات پر آمادہ کروں گی
وہ تمہارے ساتھ شادی کر لیں لہٰذا ہم دونوں دو بہنوں اور شاہ پسند کی بیوی کی
بت سے بہترین زندگی بسر کریں گے دیکھ وینا اگر تو چاہے اگر تو پسند کرے تو ماہ رخ
جگہ لے سکتی ہے۔

اس پر وینا کھوئے کھوئے سے انداز میں کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی
ئی میری بہن تم کیسی گفتگو کرتی ہو۔ میں نے تو سنا تھا تم نے اپنے شوہر شاہ پسند کو
، جہاں ٹوٹ کر نفرت کی تھی وہاں اپنے تن، من، دھن کی گہرائیوں سے ان سے
ت اور چاہت بھی کی تھی۔ تب ہی انہوں نے تمہیں اپنا لیا۔ لیکن مجھے وہ کیسے اور
کر اپنائیں گے صرف اس بنا پر کہ میں تمہاری چچا زاد ہوں۔ اگر ایسا ہوا بھی تو

میرے لئے ان کے دل میں کوئی مقام نہ ہو گا کوئی عزت کوئی وقار نہ رہے گا اس پر کامنی مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔ تم فکر مند کیوں ہوتی ہو میری بہن۔ تم یہاں میرے پاس رہو۔ آہستہ آہستہ تم شاہ پسند کو اپنی طرف مائل کر کے انہیں اپنے ساتھ محبت میں ملوث کرنے کی کوشش کرو اور جب ایسا ہو تو میں شاہ پسند سے بات کر کے تم دونوں کی شادی کا انتظام کروا دوں گی۔ دیکھ وینا میں اب ایک ہندو لڑکی نہیں میں اپنے دل کی گہرائیوں سے اسلام قبول کر چکی ہوں اور لشکر کے اندر جو قاضی ہیں ان کا نام ادریس ہے ان کے پاس میں زیر تربیت رہی ہوں لگا تار دو سال تک وہ مجھے اسلام سے متعلق تبلیغ کرتے رہے ہیں۔ یہاں رہتے ہوئے میں اسلام کے متعلق تفصیل سے تمہیں بتاتی رہوں گی۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تم نے کچھ عرصہ یہاں پر میرے ساتھ گزار کر بھرت پور چلے جانا ہے تو پھر تمہیں کچھ زحمت کرنے کی ضرورت نہیں بس جتنے دن یہاں گزارنا چاہتی ہو گزارو پھر واپس چلی جانا۔

اور اگر تم واپس نہیں جانا چاہتیں اور ہمیشہ کے لئے یہاں رہنا چاہتی ہو تو سنو۔ اسلام میں ایک شخص بہ یک وقت ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے۔ ہمارے پاشا یعنی احمد شاہ ابدالی کے حرم میں اس وقت کئی بیویاں ہیں۔ شاہ پسند کے علاوہ جتنے بھی سپہ سالار ہیں سب کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں۔ لہٰذا شاہ پسند بھی اگر میرے علاوہ تمہیں بھی بیوی بنا کر رکھ لیں گے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ تم شاہ پسند کو اپنے شوہر کی حیثیت سے پسند کرو۔ اس پر وینا بولی اور جذبات میں ڈوبی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔

دیکھ کامنی میری بہن جہاں تک شاہ پسند کی شخصیت کا تعلق ہے اس جیسا جوان' توانا اور خوبصورت اور بھرپور جسم کا مرد میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا میں سمجھتی ہوں وہ اگر مجھے اپنی بیوی بنانے پر رضا مند ہو جائیں تو میری خوش بختی' میری سعادتمندی ہو گی لیکن ایسا کیوں کر ہو گا میری بہن تمہارے ہوتے ہوئے وہ کیوں مجھ سے محبت کرنے لگیں گے کیوں مجھے چاہنے لگے۔ کامنی وینا کو حوصلہ دیتے ہوئے کہنے

فکر مند نہ ہو۔ میں شاہ پسند واپس آتے ہیں تو ان کے ذہن میں یہ بات ڈال کہ وہ وینا کا مطالعہ کریں اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وینا کی طبیعت ان سے ملتی ہے تو ے شادی کر لیں۔ میرے خیال میں وہ میری بات ٹالیں گے نہیں۔ اس دوران م بھی وینا انہیں اپنی طرف مائل کرنے کی کوشش کرو۔ مجھے امید ہے کہ تم ایسا میں کامیاب ہو جاؤ گی۔ اس لئے کہ تم نو عمر ہو جوان ہو خوبصورت ہو اور رتی اور حسن تو بڑے بڑے رکے ہوئے کاموں کو کر دکھاتا ہے۔ اس پر وینا تقریباً نتے ہوئے کہنے لگی۔

کامنی میری بہن تم کہتی ہو تو میں ایسا ہی کر لیتی ہوں لیکن مجھے امید نہیں کہ اس کامیاب ہوں اس لئے کہ مجھے محبت اور الفت کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس پر ں قہقہہ لگاتے ہوئے کہنے لگی تم کیا سمجھتی ہو کہ مجھے اس الفت اور محبت کا تجربہ کیا میں نے پہلے کہیں سے سیکھ کر اپنے آپ کو شاہ پسند کے ساتھ محبت میں دوچار تھا۔ محبت ایک ایسا جذبہ ہے جو آپ سے آپ پیدا ہوتا ہے اور پھر اپنے ارتقا اور رج کی طرف بھاگتا چلا جاتا ہے۔ وینا میری بہن شاہ پسند بڑے اچھے انسان ہیں۔ ے رحمدل اپنی بیوی کا خیال رکھنے والے ہیں۔ مجھے آج تک انہوں نے اف تک ں کہا میری ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہیں اور پھر جہاں تک شخصیت کا تعلق ہے رے خیال میں پاشا کے لشکر میں کوئی سالار کوئی بھی جوان ان جیسا نہیں۔ نہ یت میں نہ دلیری بہادر اور جرات مندی میں۔ کامنی کی اس گفتگو کے جواب میں نا کچھ کہنے ہی والی تھی پر خاموش رہی اس لئے کہ عبداللہ خیمے میں داخل ہوا تھا۔

عبداللہ کے آنے پر وینا بیچاری سمٹ کر ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ عبداللہ کامنی کے پاس آ کر بیٹھا اور کامنی کے سامنے اس نے ایک گٹھری رکھتے ہوئے کہا میں لشکر کے مطبخ میں گیا تھا اور وینا کے لئے گرم گرم کھانا لیکر آیا ہوں اس کے گھوڑے کو ں نے اصطبل میں باندھ کر اس کے دانے چارے کا انتظام کر دیا ہے۔ زین اتار کر ں نے وہیں رکھ دی ہے۔ کامنی نے گٹھری کھول کر دیکھی عبداللہ واقعی وینا کے لئے

گرم گرم کھانا لایا تھا- یہ کھانا کامنی نے وینا کے سامنے رکھتے ہوئے کہا- کھانا کھاؤ میری بہن تمہیں بھوک بھی لگی ہو گی اس پر وینا کچھ شرمانے لگی اس پر کامنی اسے تسلی اور ڈھارس دیتی ہوئی کہنے لگی اگر تم یہاں کھانا کھاتے ہوئے شرم محسوس کرتی ہو تو جاؤ توشک خانے میں جا کر کھا لو- وینا نے فوراً کھانا اٹھایا اور خیمے کے جس حصے میں اس نے لباس تبدیل کیا تھا وہاں جا کر کھانا کھانے لگی تھی-

وینا کے جانے کے بعد کامنی تھوڑی دیر تک خاموش رہی بڑے پیار' بڑے میٹھے انداز میں عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی- اگر آپ برا نہ مانیں میرے ساتھ ناراض نہ ہوں تو میں آپ سے ایک بات کہوں- اس پر عبداللہ مسکرا کر کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا- میں تم سے کبھی ناراض ہوا ہوں جو تم یوں میرے ساتھ بات کرنے کے لئے پیش بندی کر رہی ہو- اس پر کامنی بولی اور کہنے لگی نہیں- آج معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں آپ کے ناراض ہونے اور خفا ہونے کی توقع ہے اس پر عبداللہ کہنے لگا اگر ایسا معاملہ ہے تو وہ بات ہی مت کہو- کامنی کہنے لگی نہیں- بات بھی وہ ضرور کہنی ہے اور آپ کی ناراضگی اور خفگی سے بھی بچنا ہے- اس پر عبداللہ کھل کر مسکراتے ہوئے کہنے لگا اچھا اگر یہ معاملہ ہے تو کہو میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں کہ ناراض اور خفا نہیں ہوں گا- عبداللہ کی اس گفتگو سے کامنی کو کچھ حوصلہ ہوا پھر وہ بولی اور کہنے لگی- میں آپ سے یہ کہوں کہ وینا واپس جانے کے لئے یہاں نہیں آئی بلکہ وہ ہمیشہ کے لئے میرے اور آپ کے پاس رہے گی- گزشتہ ہفتوں میں آپ جانتے ہیں کہ جہان خان کی بیٹی ماہ رخ بھی آپ کو پسند کرنے لگی تھی اور آپ سے محبت کرتی تھی لیکن اس کی بدقسمتی کہ زال بیگ نے اسے ہلاک کر دیا- آپ جانتے ہیں کہ وہ ہم دونوں کو شادی کی مبارکباد دینے ہمارے خیمے میں بھی آئی تھی- آپ اٹھ کر چلے گئے تھے بعد میں میری اس کے ساتھ تفصیل سے گفتگو ہوئی اور میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ میں کوشش کروں گی کہ شاہ پسند تمہارے ساتھ بھی شادی کر لیں وہ بے چاری میری ان باتوں سے بے حد خوش ہوئی تھی- مجھے لپٹ کر

ار کرنے لگی تھی- شاہ پسند آپ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ ہیں اور میری حیات کی ل متاع ہیں آپ کے بغیر میں زندہ رہنے کا سوچ بھی نہیں سکتی لیکن میں ماہ رخ کو ہی آپ میں حصہ دار بنانے پر تیار ہو گئی تھی حالانکہ کوئی بھی بیوی پسند نہیں کرتی کہ ئی بھی عورت کوئی لڑکی اس کے شوہر میں حصہ دار ہو- شاہ پسند اب ایسی ہی ایک ضرورت اور آن پڑی ہے- میں چاہتی ہوں کہ آپ وینا کو بھی اپنا لیں- آپ دیکھتے ہیں کہ لشکر میں بے شمار سالار ہیں جن کی ایک سے زائد بیویاں ہیں خود پاشا کے حرم میں بھی ایک سے زائد بیویاں ہیں- پھر آپ اگر ایک سے زائد بیویاں رکھ لیں گے اور وہ بھی میری رضا مندی اور خوشنودی سے تو اس میں حرج ہی کیا ہے اگر آپ وینا سے شادی کرتے ہیں تو قسم خداوندی کی اس میں میری خوشی اس میں میرا اطمینان ہو گا اس طرح میں اور وینا دونوں ملکر آپ کی خدمت کر سکیں گی-

کامنی کی اس گفتگو پر عبداللہ تھوڑی دیر تک بڑی حیرت بڑے استعجاب سے کامنی کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا کامنی تم بھی بڑی عجیب وغریب اور انوکھی عورت ہو- میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی بیوی یہ چاہتی ہی نہیں کہ کوئی اس کے شوہر میں شراکت کرے یا ساجھی رکھنے کی کوشش کرے جبکہ تم اپنی مرضی سے وینا کو میری بیوی بنانا چاہتی ہو- اس پر کامنی بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگی- ایسا میں خود اپنی مرضی اور خوشی سے کر رہی ہوں اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اور وینا مل کر آپ کے لئے گھر کا بہترین اور پرکشش ماحول مہیا کریں گے- مجھے امید ہے کہ نہ آپ مجھے ٹالیں گے اور نہ ہی میری اس پیش کش کو ٹھکرانے کی کوشش کریں گے- جواب میں عبداللہ نے پھر کچھ سوچا اور کہنے لگا-

دیکھ کامنی میں تیری یہ بات ماننے کے لئے تیار ہوں پر میری ایک شرط ہے- کامنی نے چونک کر پوچھا کیسی شرط- عبداللہ کہنے لگا وہ یہ کہ پہلے میں وینا کا اچھی طرح مطالعہ کروں گا- اگر میں دیکھوں گا کہ وہ طبیعت' مزاج و اطوار میں میری خواہش میری مانگ پر پورا اترتی ہے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس سے شادی کر

لوں گا تمہارا کہا ٹالوں گا نہیں۔ اس پر کامنی بے چاری ایسی خوش ہوئی کہ ایک بار اس نے چور نگاہوں سے اس توشک خانے کی طرف دیکھا جس میں وینا کھانا کھا ر[ہی] تھی پھر وہ آگے بڑھ کر بری طرف شاہ پسند سے لپٹ گئی تھی۔ شاہ پسند کا گال اس نے چوما پھر کہنے لگی میں آپ کا یہ احسان ایک بیوی کی حیثیت سے کبھی نہ بھول سکوں گی مجھے آپ کی یہ شرط منظور ہے آپ بھلے جتنا عرصہ چاہیں وینا کا مطالعہ کریں اس کے مزاج اس کی طبیعت کا جائزہ لیں جب وہ آپ کو پسند آئے آپ اس سے شادی کر لیں۔ عبداللہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اتنے میں باہر سے کسی نے اسے آوا[ز] دی عبداللہ فوراً اپنی جگہ سے اٹھا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔

تھوڑی دیر تک باہر کسی سے باتیں کرنے کے بعد عبداللہ لوٹا اس وقت تک و[ینا] کھانا کھانے کے بعد کامنی کے پاس آ کر بیٹھ گئی تھی اور باتیں کرنے لگی تھی۔ عبداللہ ان دونوں کے پاس آیا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ تم دونوں بہنیں بیٹھ کر آپس میں گفتگو کرو۔ مجھے پاشا نے بلایا ہے میں جاتا ہوں دیکھتا ہوں کیا معاملہ ہے۔ اس پر کامنی بڑی پیار بھری چاہت میں بولی جلدی آئیے گا۔ ہم دونوں بڑی بے چینی سے آپ کا انتظار کریں گی۔ جواب میں عبداللہ کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ اپنے خیمے سے نکل گیا تھا۔



عبداللہ جب احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں داخل ہوا تو اس وقت احمد شاہ ابدالی کے سامنے شاہ ولی خان۔ جہان خان' برخوردار خان اور کبھی عبداللہ کے ماتحت کام کرنے والا سالار قلندر خان بیٹھے ہوئے تھے۔ خیمے میں داخل ہونے کے بعد عبداللہ نے احمد شاہ ابدالی سے سلام کہا پھر وہ ایک خالی نشست پر جو شاہ ولی خان اور جہان خان کے درمیان تھی اس پر جا کر بیٹھ گیا تھا۔ عبداللہ کے آنے اور پھر اپنی نشست پر بیٹھنے کے بعد احمد شاہ ابدالی بولا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو رفیقان دیرینہ تمہیں یہاں جمع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ لگتا ہے ان علاقوں میں اس سال بارشوں کا سلسلہ خلاف معمول انتہائی طویل ہو گیا ہے دریا ابھی تک [د]ریا طغیانی میں ہیں اور انہوں نے نقل و حرکت کو ناممکن اور دشوار بنایا ہوا ہے۔ تم [سب] کے کانوں میں یہ خبریں بھی پہنچ چکی ہوں گی کہ مرہٹے نہ صرف یہ کہ دہلی پر قابض ہو چکے ہیں بلکہ وہ کنج پورہ پر بھی قبضہ کر چکے ہیں اور ہمارا جس قدر وہاں خوراک' اسلحہ اور بارود کا ذخیرہ تھا وہ سارا مرہٹوں نے اپنے قبضے میں کر لیا ہے۔

سنو میرے ساتھیو اب اس انوپ شہر میں قیام ہمارے لئے بیکار ہے۔ اگر ہم نے زیادہ عرصہ یہاں قیام کئے رکھا تو مرہٹے دن بدن شیر ہوتے جائیں گے ان کی حرص و ہوس بڑھتی چلی جائے گی اور وہ ہمیں کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے دہلی سے نکل کر پنجاب اور لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد ہماری واپسی کی ساری راہیں بھی مسدود کر دیں گے۔ لہٰذا میرا یہ فیصلہ ہے کہ آج ہی لشکر کے ساتھ یہاں سے کوچ کیا جائے گا۔ اس کوچ کے سلسلے میں تم میں سے کسی کو اعتراض ہو تو بولے۔

احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک خاموش رہ کر سارے ساتھیوں کے جواب کا انتظار کرتا رہا۔ جب سب خاموش رہے کسی نے کچھ نہ کہا تب احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور کہنے لگا۔ تمہاری خاموشی اس بات کی تائید کرتی ہے کہ تم میری تجویز سے متفق ہو اس سلسلے میں میں تم سب کا شکر گزار ہوں جہاں تک کوچ کا تعلق ہے آج ہی تھوڑی دیر بعد ہم یہاں سے کوچ کریں گے۔ لشکر کی ترتیب جو میں نے تجویز کی ہے وہ کچھ اس طرح ہو گی جو لشکر اس سے پہلے شاہ پسند کے ماتحت کام کر رہا ہے وہ مقدمتہ الجیش اور ہراول لشکر کہلائے گا۔ جو لشکر میرے پاس ہو گا وہ قلب لشکر ہو گا۔ شاہ ولی خان کے ماتحت لڑنے والا لشکر میسرا اور جہان خان کا لشکر میمنہ ہو گا۔ ایک لشکر قلندر خان کی ماتحتی میں ہو گا جو دوسرے لشکروں کی نسبت تعداد میں چھوٹا ہو گا اور یہ عقبی لشکر کہلائے گا یہ محفوظ دستوں کے طور پر بھی کام کرے گا اور جہاں کہیں بھی جنگ کے دوران کمک کی ضرورت پیش آئی قلندر خان اس حصے میں پہنچ کر اپنے لشکر کی تقویت کا باعث بنے گا۔ اب تم لوگ اٹھو اور لشکر کے کوچ کا انتظام کرو۔ اس کے

ساتھ ہی سارے سالار اٹھ کر احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

○

احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ انوپ شہر سے کوچ کیا۔ جب وہ دریائے جمنا کے کنارے آئے تو جمنا دریا اس وقت اپنی پوری طغیانی پر تھا اور جمنا کو عبور کئے بغیر احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔

احمد شاہ ابدالی دعاؤں اور عبادت کی تاثیر کا بڑا قائل تھا۔ اس نے جب دیکھا کہ دریائے جمنا اپنی پوری سیلابی کیفیت میں ہے تو دریائے جمنا کے کنارے پڑاؤ کرنے کے بعد اس نے دو دن روزہ رکھا اور خدا سے مدد اور اعانت کی دعا کی۔ پھر وہ باغپت کے نزدیک دریا کے ایک گھاٹ پر پہنچا وہاں اس نے ایک تیر پر قرآنی آیات پڑھ کر دریا میں پھینکا۔ اس کے ساتھ ہی بسم اللہ پڑھتے ہوئے بلند آواز میں اللہ و اکبر کی تکبیریں بلند کرتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے اپنے گھوڑے کو دریائے جمنا کی سر پٹختی طغیانی میں ڈال دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کے پیچھے پیچھے اس کے سارے سالاروں اور سارے لشکریوں نے گھوڑے ڈالدیے تھے۔ یوں احمد شاہ ابدالی کی سرکردگی میں اس کا سارا لشکر ایک عجیب سے جوش ایک عجیب سے ولولے میں دریائے جمنا کی طغیانیوں کا سینہ چیرتا ہوا دریا کو پار کر کے دوسرے گھاٹ پر جا اترا تھا۔

جس وقت احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جمنا کو عبور کر رہا تھا اس وقت مرہٹوں کا سپہ سالار اعظم سدا شیو بھاؤ پانی پت کے تاریخی میدانوں کے قریب کورو کیشتر کے مقدس مقام پر غسل کے لئے آیا ہوا تھا۔ کورو کیشتر وہ جگہ ہے جہاں قدیم دور میں ہندوستان کے کورو پانڈو کے درمیان مہا بھارت کی عظیم جنگ ہوئی تھی۔ یہ جگہ پانی پت کے تاریخی میدان سے کوئی زیادہ دور نہ تھی۔

سدا شیو بھاؤ کو جب خبر ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی دریائے جمنا کو عبور کرنے کے بعد سونی پت کے میدانوں کا رخ کر رہا ہے تو وہ کورو کیشتر سے پانی پت کے میدانوں میں پہنچ گیا جہاں اس کا لشکر پہلے ہی پڑاؤ کیے ہوئے تھا۔ پانی پت میں پہنچنے کے بعد سدا

بھاؤ نے ایک لشکر جو اس کا ہراول لشکر کہلاتا تھا۔ سونی پت کے میدانوں کی طرف ایا تاکہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو آگے بڑھنے سے روک دیا جائے۔ احمد شاہ ابدالی بھی سدا شیو بھاؤ کے اس ہراول لشکر کی پیش قدمی کی خبر ہو گئی تھی لہٰذا اس لشکر پٹنے کے لئے احمد شاہ ابدالی عبداللہ کو ہراول لشکر کے طور پر اس کی راہ روکنے لئے روانہ کر دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کا حکم پاتے ہی جمنا کے کنارے سے عبداللہ خزاں پوش کڑے ن، لفظوں کے بھڑکتے شعلوں، صدیوں کے دھواں دھواں اندیشوں میں فہم و ادراک ے نشتر کی طرح سونی پت کے میدانوں میں داخل ہوا۔ دوسری طرف مرہٹوں کا ہر ل لشکر یہ امید بھی نہیں کر سکتا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کا کوئی لشکر اس قدر برق فتاری اور تیزی سے سونی پت کے میدان میں اس پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش ی کرے گا۔ مرہٹوں کا وہ لشکر اپنی ہی دھن میں مست سونی پت کے میدانوں میں ہوئے رہا تھا کہ عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے اس ہراول لشکر پر تقدیر ے دکھ کے کانٹوں، بھاگوں میں لکھی راکھ، موت کے بستر پر انگڑائیاں لیتے آتش فشاں ی طرح حملہ آور ہوا۔ مرہٹوں کے اس مقدمتہ الجیش کے اگلی صفوں کی حالت بداللہ نے ننگ و بدکاری کے جہنم، بیوہ کی بدنصیبی، یتیم کی لاچارگی، بدبختوں کی ہوں، غم زدوں کی سسکیوں جیسی بنا کر رکھ دی تھی۔

عبداللہ کا یہ حملہ ایسا خوفناک، ایسا جاندار اور ایسا خونخوار اور اچانک تھا کہ سونی ت کے ان میدانوں میں عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ بادلوں کی طرح بلند پروازی میں ت، ہواؤں کی سی شہ زوری، کوہستانوں کی سی سنگینی کی طرح مرہٹوں کے اس ہر ل لشکر کے اندر گھستا چلا گیا تھا اور اس کا قتل عام کرتے ہوئے اس نے مرہٹوں کے ل کا سکون اور چین اور مرہٹوں کا صبر و تحمل، اضطراب و عتاب میں تبدیل کر کے رکھ یا تھا۔ سونی پت کے میدانوں میں عبداللہ نے اپنے مقدمتہ الجیش کے ساتھ مرہٹوں ے اس ہراول لشکر کو بدترین شکست دیتے ہوئے دور تک اس کا تعاقب کیا۔ آدھے

سے زیادہ لشکر کو عبداللہ نے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی بچے کھچے اور ز
مرہٹے بڑی مشکل سے پانی پت میں خیمہ زن اپنے بڑے لشکر تک پہنچ سکے تھے
عبداللہ سونی پت کے میدانوں میں مرہٹوں کے ہراول لشکر کے پڑاؤ کی ہر شے کو ب
ہوا واپس دریائے جمنا کے کنارے اپنے لشکر میں پہنچ گیا تھا۔ سونی پت کے میدان
میں عبداللہ کے ہاتھو مرہٹوں کے ہراول لشکر کی بدترین شکست سے احمد شاہ ابدالی
لشکریوں کے حوصلے مزید بلند ہو گئے تھے۔ اس حالت میں احمد شاہ ابدالی نے دریا
جمنا کے کنارے سے مشہور تاریخی میدان پانی پت کی طرف کوچ کیا۔ مرہٹوں کا
سالار اعظم سدا شیو بھاؤ پہلے ہی پانی پت کے میدانوں میں پڑاؤ کئے ہوئے تھا۔ احمد ش
ابدالی بھی پانی پت کے میدانوں میں داخل ہوا اور مرہٹوں کے پڑاؤ سے پانچ میل ک
فاصلے پر اس نے بھی اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا تھا۔

آخر کار پانی پت کے اس تاریخی میدان میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کا سالا
اعلیٰ اعظم سدا شیو بھاؤ ہندوستان کی تقدیر کا فیصلہ کرنے کے لئے ایک دوسرے کے
مقابلے میں صف آرا ہونے کے لئے بڑی تیزی سے تیاریاں کرنے لگے تھے۔

اسی پانی پت کے یادگار میدان میں ہندوستان کی قسمت کا پہلے بھی ایک بار فیصلہ
ہو چکا تھا۔ جب 1526ء میں ظہیر الدین محمد بابر نے ابراہیم لودھی کو شکست دے کر
ہندوستان کی سرزمین میں مغل شہنشاہیت کی بنیاد رکھی تھی اب پھر اسی میدان میں احمد
شاہ ابدالی اور سدا شیو بھاؤ اپنے عہد کی سب سے فیصلہ کن بڑی خوفناک اور خونخوار
جنگ لڑنے کے لئے ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہونے کو پر تول رہے تھے۔

مرہٹوں کی قوت اور ان کے طریقہ جنگ کا اندازہ لگانے کے لئے احمد شاہ ابدالی
نے یہ ترکیب نکالی کہ اپنے لشکریوں اور اپنے سپہ سالاروں کو اس نے یہ ہدایات
جاری کر دیں کہ اپنا پڑاؤ نہ چھوڑا جائے اور اس قدر آگے بڑھ کر دشمن پر ضرب نہ
لگائی جائے کہ کمک پہنچانا مشکل ہو جائے۔

مرہٹوں نے احمد شاہ ابدالی کے اس طریقہ کار کو اس کی بزدلی پر محمول کیا ان کا

تھا کہ احمد شاہ ابدالی ان سے ٹکرانے سے جی چرا رہا ہے اور کوئی نہ کوئی بہانہ
کر کے وہ میدان جنگ چھوڑ بھاگنے پر تیار ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ مرہٹوں کو
غلط فہمی ہو گئی تھی کہ دہلی اور کنج پورہ کی شکستوں کے بعد جہاں مرہٹوں کے
بے حد بلند ہو چکے ہیں وہاں احمد شاہ ابدالی کے سپاہیوں کے حوصلے انتہائی پستی
ڈوبے ہوئے ہیں۔ درحقیقت مرہٹے یہ غلط طور پر توقع کرنے لگے تھے کہ احمد شاہ
ان سے لڑے بغیر چپکے سے افغانستان کھسک جائے گا لیکن ان کی آنکھیں اس
کھلیں جب ان کے مخبروں نے انہیں یہ خبریں دیں کہ احمد شاہ ابدالی بڑی تیزی
اپنے پڑاؤ کے سامنے طویل جنگ کرنے کے لئے مورچہ بندیاں کر رہا ہے۔

اپنے پڑاؤ کو مستحکم اور مضبوط کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کو اس
ح ترتیب دیا جس طرح جنگ لڑی جاتی تھی۔ قلب کے طور پر احمد شاہ ابدالی خود
میسرہ کی طرف اس نے شاہ ولی خان کو رکھا۔ میمنہ پر جہان خان کو' برخوردار کے
میں جو لشکر آیا تھا اسے احمد شاہ ابدالی نے اپنی پشت پر ناگہانی مدد کے لئے رکھا
قلندر خان کو بالکل عقبی حصے میں محفوظ دستوں کے طور پر رکھا گیا تھا جبکہ عبداللہ
کمانداری میں ایک بڑا لشکر دے کر جہان خان کے ایک طرف صف آرا کر دیا گیا
تاکہ وہ مقدمتہ الجیش کی حیثیت سے جہاں احمد شاہ ابدالی چاہے وہاں بوقت ضرورت
کر ضرب لگا سکے۔

مرہٹوں کو جب یہ غلط فہمی ہو گئی کہ احمد شاہ ابدالی ان کے ساتھ جنگ کرنے سے
جی چرا رہا ہے اور یہ کہ وہ میدان جنگ میں نہیں نکلنا چاہتا تو انہوں نے چھوٹے
چھوٹے لشکر ترتیب دیکر احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر شب خون مارنے کی تیاریاں شروع
کر دیں۔ سب سے پہلا شب خون احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر مارا گیا وہ کوئی اتنا کارگر
ثابت نہ ہوا تاہم یہ شب خون اس حصے میں مارا گیا تھا جہاں شاہ ولی خان تھا پھر کچھ
وقفہ ڈال کر کر اس حصے پر مرہٹوں نے ایک زوردار شب خون مارا شاہ ولی خان
نے پوری قوت سے اس شب خون کا مقابلہ کیا۔ شاہ ولی خان کے کچھ لشکری اس جنگ

میں کام آئے جبکہ کئی مرہٹے بھی اس شب خون کے دوران میدان جنگ میں کر رہے تھے۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے ساتھ اپنی جنگ کی ابتدا کی یہ جا اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب و غریب' نرالی اور انوکھی تھی۔ اس لئے کہ یہ جا وقفے وقفے سے لڑی جاتی پھر دونوں لشکر پیچھے ہٹ جاتے۔ احمد شاہ ابدالی کا طریقہ یہ تھا کہ سامنے کی طرف سے وہ برخوردار کے ساتھ مرہٹوں پر خود ضرب لگاتا۔ بر کو ساتھ لیکر مرہٹوں کے دائیں جانب شاہ ولی خان نزول کرتا اور مرہٹوں کے با بازور پر جہان خان پوری قوت سے ٹوٹ پڑتا۔ پہلے روز جب احمد شاہ ابدالی نے جا کا یہ طریقہ کار شروع کیا اور جوں ہی جنگ اپنے عروج پر آئی عبداللہ بھی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا۔

میدان جنگ سے دور ہی دور رہتے ہوئے عبداللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ایک لمبا چکر لگایا پھر اس نے بڑے خونخوار انداز میں اپنا رخ بدلا پھر وہ مرہٹوں کے لشکر کی پشت پر ان کے قریب جا نمودار ہوا تھا۔

مرہٹوں کا پورا لشکر اس وقت سامنے کی طرف سے احمد شاہ ابدالی ایک طرف سے شاہ ولی خان دوسری طرف سے جہان خان کے ساتھ میدان جنگ میں بری طرح مصروف تھا۔ وہ گمان بھی نہیں کر سکتے تھے کہ احمد شاہ ابدالی کا پسندیدہ جرنیل شاہ پسند ان کے عقب میں ان کے پڑاؤ کو بھی نیست و نابود کر سکتا ہے۔

مرہٹوں کے پڑاؤ کے نزدیک نمودار ہونے کے بعد عبداللہ نے اپنے لشکر کی صفوں کو خوب ایک دوسرے کے نزدیک کر لیا تھا پھر اس نے اپنے لشکریوں کو مخصوص اشارہ کیا اس کے بعد وہ خیالات کی گہرائی' معانی کی رقت و جدت' آہنگ کے طلسم اور رات کے سکوت میں پھیلتے موت کے سیاہ نقاب کی طرح مرہٹوں کی اس پڑاؤ پر وارد ہوا تھا۔

عبداللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے پڑاؤ پر طوفان خیز بادلوں' کائنات کے

لو ایک ہیجان میں بدلتے بادو باران کی تیز طوفانوں' زندگی کے راحت و اطمینان رمیوں کے تھپیڑوں موت کے کرب کی ایک فعال قوت اور نیستی کی تاریکیوں ٹیں مارتے بے آب و گیاہ صحراؤں کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ پڑاؤ کی حفاظت لئے مرہٹوں نے جو لشکر مقرر کر رکھا تھا عبداللہ نے لمحوں کے اندر اس کا قتل عام ا۔ پڑاؤ کے اندر خوراک اور ہتھیاروں کی صورت میں جس قدر ذخیرہ تھا عبداللہ ٹ لیا۔ اس کے بعد اس نے پڑاؤ کو آگ لگا دی۔ عبداللہ پڑاؤ کی ہر چیز سمیٹ پنے لشکر کی طرف واپس ہو لیا جبکہ چند ہی لمحوں بعد مرہٹوں کا وہ پڑاؤ جلتے تپتے ان کی صورت اختیار کر گیا تھا۔

مرہٹوں کے سردار سدا شیو بھاؤ چونکہ اس وقت احمد شاہ ابدالی کے ساتھ جنگ ی طرح مصروف تھا لہٰذا وہ اپنے لٹتے ہوئے اور جلتے پڑاؤ کی حفاظت کے لئے کر سکا اور عبداللہ بڑی کامیابی کے ساتھ اس کے پڑاؤ کی ہر شے لوٹ کر واپس شکر میں آ گیا تھا۔ عبداللہ کے اس کارنامے سے احمد شاہ ابدالی اور اس کے ں کو بڑی تقویت ہوئی۔ جہاں اس سے پہلے احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے لئے ے اور دیگر ضروریات کی کمی محسوس کر رہا تھا۔ وہاں وہ اب مطمئن تھا کہ اس لہ مرہٹوں کے پڑاؤ سے انہیں ہر وہ چیز میسر آ گئی تھی جس کی وہ کمی اور ضرورت ں کرتے تھے تاہم اس روز جنگ شام کے قریب بغیر کسی فیصلے تک جاری رہی اور ں لشکروں نے سورج غروب ہوتے ہی جنگ بند کر دی تاہم احمد شاہ ابدالی نے چھوٹے چھوٹے لشکر مرہٹوں کے لشکر کے اطراف میں پھیلا دیئے تھے تاکہ انہیں ے کسی قسم کی رسد اور کمک نہ پہنچ پائے۔

گزشتہ دن کی جنگ میں اپنی قوت کا اندازہ کر لینے کے بعد مزید یہ کہ اپنے پڑاؤ کی ٹے لٹنے اور چاروں طرف سے رسد اور کمک بند ہو جانے کی وجہ سے مرہٹوں کے سالار سدا شیو بھاؤ کے حوصلے کسی قدر پست ہو گئے تھے۔ ان حالات میں اس نے ھ کے حکمران شجاع الدولہ سے التجا کی وہ کسی بھی قیمت پر احمد شاہ ابدالی سے اس

کی صلح کرا دے۔ صلح کے لئے سدا شیو بھاؤ نے ایک سادے کاغذ پر زعفرانی رنگ میں اپنی ہتھیلی کا نشان لگا کر بھیجا اور ہندوؤں کی مقدس چیزوں کی قسم کھا کر شجاع الدولہ کو یقین دلایا کہ مرہٹوں کے سفیر کی حیثیت سے جو فیصلہ وہ کرے گا مرہٹے اس کے پابند رہیں گے۔

احمد شاہ ابدالی شاید مرہٹوں کی شرائط پر غور کرتا لیکن ہندوستان کی مغل افواج کا سپہ سالار نجیب الدولہ کسی بھی صورت مرہٹوں کے ساتھ صلح کرنے کے لئے تیار نہ تھا وہ احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور گزارش کی کہ یہ مرہٹے جس طرح ماضی میں وعدوں اور عہد ناموں کے پرخچے اڑاتے رہے ہیں اسی طرح اس بار بھی عہد شکنی سے باز نہ رہیں گے لہٰذا کسی بھی شرط پر ان سے صلح نہیں کرنا چاہیے۔ نجیب الدولہ کی بات مانتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کے ساتھ صلح کرنے سے انکار کر دیا۔

مرہٹوں کے پاس اب سوائے جنگ کے اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تھا اس لئے کہ خوراک اور چارے کی قلت کی وجہ سے مرہٹوں کی زندگی ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی۔ اس صورت حال میں مرہٹوں کے بڑے بڑے سالار اور سردار اپنے سالار سدا شیو بھاؤ کے پاس جمع ہوئے اور اسے اپنی حالت زار سے آگاہ کیا انہوں نے سدا شیو بھاؤ کو آگاہ کیا کہ پانی پت میں اناج بالکل نایاب ہو چکا ہے اور اگر چند دن تک معاملہ یونہی رہا تو مرہٹہ فوج بھوکوں مرنے لگے گی۔ مرہٹہ سرداروں نے سدا شیو بھاؤ کو یہ بھی مشورہ دیا کہ فاقہ کشی کی موت سے تو لڑ کر مر جانا بہتر ہے۔ بہرحال ہوگا وہی ہے جو تقدیر میں لکھا ہے۔

اس صورت حال سے مجبور ہو کر سدا شیو بھاؤ نے جنگ لڑنے کا فیصلہ کر لیا اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ جنگ کے لئے تیار ہو جائیں۔ ایک بار پھر اس نے خط اودھ کے نواب شجاع الدولہ کی طرف روانہ کیا جس میں اس نے لکھا کہ اب کن لمحہ کا موقعہ گزر جائے گا۔

شجاع الدولہ یہ خط لیکر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ احمد شاہ ابدالی اپنی گہری نیند سو رہا تھا۔ شجاع الدولہ نے اسے جگا دیا اور مرہٹوں کا خط پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے عزائم سے بھی آگاہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے خط کا جواب دینے کے بجائے اپنے لشکر کو جنگ کے لئے تیار ہونے کا حکم دیدیا اور صف بندی شروع کر دی تھی شاید وہ ہر صورت میں مرہٹوں کے ساتھ دو دو ہاتھ کر کے ہندوستان میں ان کی ترکتاز اور یلغار کو ختم کر کے امن قائم کرنے پر تلا ہوا تھا۔

مرہٹوں نے اپنے لشکر کی ترتیب کچھ اس طرح رکھی کہ لشکر کا وسطی حصہ سدا شیو بھاؤ نے اپنے پاس رکھا۔ دائیں طرف کے لشکر کا کماندار ملہار راؤ ہولکر کو بنایا گیا بائیں طرف کے لشکر کی کمانداری راماجی گائیکواڑ کے حوالے کی گئی تھی۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی نے بھی اس بار مرہٹوں کے ساتھ جنگ کے لئے لشکر کی ترتیب تبدیل کر دی تھی اس بار قلب یعنی لشکر کا درمیانی حصہ شاہ ولی کی کمانداری میں دیا گیا تھا۔ لشکر کے بائیں حصے کی کمانداری عبداللہ کے سپرد کی اور جبکہ لشکر کا دایاں حصہ برخوردار خان کی کمانداری میں رکھا گیا تھا۔ خود احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے حصے کے علاوہ جہان خان کے لشکر کے حصے کے ساتھ پشت میں رکے رہا۔ چھوٹے سردار قلندر خان کو بھی اپنے ساتھ رکھ لیا تھا۔ شاید لشکر کی یہ ترتیب تبدیل کر کے احمد شاہ ابدالی پانی پت کے میدانوں میں اپنے پیدائشی سپاہی ہونے کا ثبوت دے کر مرہٹوں کو بدترین شکست دینے پر تلا ہوا تھا۔

مرہٹوں کے سپہ سالار سدا شیو بھاؤ نے جنگ کی ابتدا اپنے لشکر کے بائیں حصے کے سالار داماجی گائیکواڑ کو کرنے کا حکم دیا تھا۔ داماجی یہ حکم ملتے ہی اپنے دل کی تمنا، روح کی امیدوں' اپنی تمام شیطانی آدرشوں کے ساتھ آگ کی لپٹوں کے دھندوں خوں کی لہروں سے اٹھتے تاثرات' دہکتی آتش کے الاؤ اور شب کے کی لمبی مسافت کی طرح آگے بڑھا اور ایک عذاب دردناک' تشنہ دہن زمین پر بادلوں اور حشر برپا کرتی طغیانیوں کے ساتھ برخوردار کے لشکر پر حملہ آور ہوا

تھا۔

واماں جی شاید برخوردار کو کانٹوں کی چٹان سمجھ کر تاریکی میں روشنی کے متلاشی کی طرح برخوردار کے لشکر پر ٹوٹا تھا اور چاہتا تھا کہ برخوردار خان کو پسپا پر مجبور کرے لیکن برخوردار خان داماجی کے مقابلے میں پتھر و فولاد کی گتھی، دھوپ میں جلتے صحرا کا نوحہ، دھواں دھواں غبار میں تلملاتی مضطرب لہروں جیسا ہوا۔ داماجی کے مقابلے میں برخوردار نے پسپا ہونے کے بجائے ایک جگہ جم کر کے حملے کو روکا تھا اس کے بعد برخوردار خان لہو میں طوفان اٹھاتے انداز میں لشکر کو للکارتے ہوئے جوابی حملہ کرنے لگا۔ پھر تھوڑی دیر بعد برخوردار خان اپنے کے ساتھ داماجی کے لشکر پر تنہائی کے تہہ خانوں میں ٹھنڈی گہری کہر کی چادر، کے ہیولوں، چنگھاڑتے ناچتے شعلوں اور درد و الم کی آگ کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔ طرح سدا شیو بھاؤ کے لشکر کے دایاں پہلو اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا دایاں بری طرح ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو گئے تھے۔

برخوردار خان اور داماجی گائیکواڑ کے ٹکرانے کے بعد خود مرہٹوں کا سپہ سالار شیو بھاؤ بھی طاقت اور قوت کے خزانے اور حرکت کرتے ناگ پھنی کے دیوکی اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھا۔ سدا شوبھاؤ کے کہنے پر لشکر میں بھجن۔ گیت اشلوک اور منتر پڑھے جانے لگے تھے۔ سنکھ زور زور سے پھونکے جانے لگے تھے حملہ آور ہونے کے لئے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے سدا شیو بھاؤ نے اپنے لشکر ا آواز میں مخاطب کرتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

"سنو مہا بھارت کے سپوتوں، شکتی سے بھرپور اپنے ہاتھوں میں بجلی کے لئے ہوئے ان حملہ آوروں کو دیوتاؤں کی بجر (قربانی) بنا کر رکھ دو۔ یاد رکھو پرش فانی ہے۔ اس کی شکتی اور پراکرتی عارضی ہے۔ سنو یہ جسم نہیں آتما امر ہوتی آتما کو نروان (نجات) اس وقت حاصل ہوتا ہے جب وہ خواہشوں کے جال سے جاتی ہے یہی آواگون ہے۔

سنو میرے ہم وطنوں ان حملہ آوروں کی زندگی کی دیواریں گرا دو۔ آگے بڑھ کر حملہ آور ہو دکھ کے بھورے سائے بن کر ان کے جیون کو دھواں دھواں تاریکی بنا کر رکھ دو۔ چتا کی سلگتی آگ کی طرح آگے بڑھ کر حملہ آور ہوتا اور احمد شاہ اور اس کے لشکریوں کے دل کی کٹھورتا کو درد و الم میں تبدیل کر کے رکھ دینا۔ آوروں کی حالت اپنے تیز اور جان لیوا حملوں سے کائی لگی دیواروں، لکھوری پاگل کا مناؤں کی اندھی ہواؤں، یادوں کے اجڑے بھیانک کھنڈروں، اندھیری کے سناٹے میں یادوں کے پرانے گنبدوں جیسی بنا کر رکھ دینا۔"

سدا شیو بھاؤ کے یوں اشتعال دلانے پر اس کے لشکری عداوت کے ریتیلے، نفرت کے طوفان، وقت کے لامحدود سمندر میں درد ناک سموں، لا متناہی میں گھنے بھیانک اندھیروں اور نا ختم ہونے والے کروہ کرودھ میں ول کے بھنور کی طرح آگے بڑھ کر شاہ ولی خان کے لشکر پر حملہ آور ہوئے

یہ حملہ ایسا تیز اور جان لیوا تھا کہ لگتا تھا کہ سدا شیو بھاؤ اور اس کے لشکری کے سیاہ ہیولوں، مشکل درد ناک سموں، نامرادیوں کے دھندلے سایوں کی شاہ ولی خان کے لشکر میں دور تک گھستے چلے جائیں گے لیکن شاہ ولی خان نے جوانمردی بڑی ہمت و پامردی کا مظاہرہ کیا اور سدا شیو بھاؤ کے اس ہولناک حملے کو کر رکھ دیا۔ سدا شیو بھاؤ کا شاہ ولی خان کے لشکر پر حملہ آور ہوتا تھا کہ احمد شاہ کے لشکر میں ایک انقلاب اور ایک خوفناک کروٹ نمودار ہوئی اور وہ اس طرح براللہ جسے دشمن کے میسرہ سے ٹکراتا تھا اچانک وہ تلاطم اور ولولوں، ہیجان و کرنوں کے نشتر، خونی انگڑائی اور تیزابی تلخیوں کی طرح اپنے دائیں طرف بڑھا اپنے لشکر کے ساتھ وہ مرہٹوں کے قلب لشکر جس کی کمانداری سدا شیو بھاؤ کر رہا تھا کے وسطی حصے پر بجھی بجھی شام، سہمی سہمی پرچھائیوں میں موت کے پیغام اور کی حشر سامانیوں میں ہنگامہ آہ و فغان کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔

مرہٹوں کا میمنہ جس کی کمانداری ان کا سپہ سالار ملہار راؤ ہولکر کر رہا تھا اس نے جب دیکھا کہ عبداللہ اس کے ساتھ ٹکرانے کے بجائے قلب لشکر پر حملہ آور ہو گیا ہے تو اس نے اس موقع کو غنیمت جانا وہ چاہتا تھا کہ عبداللہ کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر اس کے لشکر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچائے لیکن لگتا تھا احمد شاہ ابدالی نے سارے انتظامات خوب سوچ سمجھ کر کئے تھے اور وہ ہر صورت میں جنگی بصارت اور عسکری مماثلت میں دشمن کو اپنے سامنے زیر اور مغلوب کر لینے پر تلا ہوا تھا۔

جوں ہی عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ مڑتے ہوئے مرہٹوں کے قلب لشکر پر حملہ آور ہوا اور مرہٹوں کے جرنیل ملہار راؤ ہولکر نے چاہا کہ عبداللہ کی پشت پر حملہ آور ہو عین اسی وقت پشت پر انتظار میں کھڑے احمد شاہ ابدالی نے ایک زبردست قدم اٹھایا وہ اس طرح کہ اپنے لشکر کو بڑی تیزی کے ساتھ لیکر اس جانب بڑھا جس جانب جنگ سے پہلے عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ صفیں درست کئے کھڑا تھا۔ پھر وہاں آتے ہی احمد شاہ ابدالی دشمن کے میمنہ جس کی کمانداری ملہار راؤ ہولکر کر رہا تھا اس پر سیل آتش و آہن، بحر خون کی طغیانیوں، فضا کی برہم نبض، جمود و خموشی کی تہوں سے جھوم کے اٹھنے والے تند و طوفانوں کی طرح حملہ آور ہو گیا تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں احمد شاہ ابدالی نے ملہار راؤ ہولکر کے لشکر کو سر سے لیکر پاؤں تک ہلاتے ہوئے خون آلود کرنا شروع کر دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کے یوں جنگ میں کودنے کے ساتھ ہی جہان خان بھی حرکت میں آیا اپنے لشکر کے ساتھ ایک لمبا چکر کاٹتے ہوئے وہ اس سمت آیا جہاں داماجی گائیکواڑ برخوردار کے ساتھ برسرپیکار تھا۔ پھر داماجی گائیکواڑ کے لشکر کے وسطی حصے پر جہان خان پرانے جنگوں کو گراتی نظروں کی بجلیوں، طوفانوں کا کلیجہ ہلاتی برق کوہسار اور ضمیر آدم پر ضرب لگاتے شعلہ نگاہ کی طرح ٹوٹ پڑا تھا۔

دونوں لشکروں کے پوری طرح ایک دوسرے سے ٹکرانے اور سارے

ے جنگ میں کودنے کی وجہ سے میدان جنگ وحشت کے مہیب جنگل، کرب آلود یوں کے ہجوم، غموں کے نایافت شہر، وحشت و سراسیمگی کی آماجگاہ کی صورت اختیار ر گیا تھا ایسے میں عبداللہ اپنے جانفروش محافظ دستوں کے ساتھ مرہٹوں کے قلب لر کے اس حصے کی طرف بڑھا جہاں مرہٹوں کا سپہ سالار سدا شیو بھاؤ چلا چلا کر اپنے لریوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ عبداللہ خواہشوں کے عفریت، حسرتوں کے تلاطم، رگی کے عذاب اور گریزپا ساعتوں کی طرح اپنے سامنے آنے والے مرہٹوں کے توں کو کاٹتا اور چیرتا ہوا سدا شیو بھاؤ کے سر پر پہنچ گیا اور اس پر جان لیوا حملہ کیا۔
ا شیو بھاؤ نے عبداللہ کے حملے کو اپنی ڈھال پر روکا لیکن عبداللہ نے اس تیزی کے ھ اپنی تلوار علیحدہ کرتے ہوئے دوسرا وار کیا کہ تیزی سے گرتی عبداللہ کی تلوار ، سامنے سدا شیو بھاؤ اپنا دفاع نہ کر سکا اور عبداللہ کی تلوار مرہٹوں کے سپہ سالار ا سدا شیوا بھاؤ کی گردن کاٹتی چلی گئی تھی۔ سدا شیوا بھاؤ کا دھڑا اور سر علیحدہ ہو کر ن پر گر گئے تھے۔ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی کے کسی منچلے سپاہی نے اپنے ڑے سے کود کر سدا شیو بھاؤ کا سر اپنے نیزے پر بلند کرتے ہوئے مرہٹوں کو دکھانا ع کیا۔ پھر وہ سر اس نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے جا کر پھینک دیا تھا۔

اس موقع پر مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بیٹے وشواس راؤ نے جو مرہٹوں کے لشکر کا برائے نام سپہ سالار تھا حرکت میں آتے ہوئے اپنے قلب لشکر کو سنبھالنا لیکن احمد شاہ ابدالی کا ایک گمنام لشکری وشواس راؤ پر ٹوٹ پڑا اور اپنے پہلے ہی میں وشواس راؤ کی اس نے گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔ اپنے پیشوا بالاجی راؤ کے وشواس راؤ اور اپنے سپہ سالار اعلیٰ سدا شیو بھاؤ کے مرنے کی وجہ سے مرہٹوں ندر ایک طرح کی سراسیمگی اور کم حوصلگی کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

وشواس راؤ اور سدا شیو بھاؤ کے مرنے کے بعد مرہٹے جی چھوڑ بیٹھے۔ تھوڑی ل انہوں نے جنگ کی پھر وہ میدان جنگ سے شکست اٹھاتے ہوئے بھاگ کھڑے ئے۔ احمد شاہ ابدالی نے دور تک اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کرتے ہوئے جی

بھر کران کا قتل عام کیا۔

اس جنگ میں مرہٹوں کو بہت زیادہ جانی اور مالی نقصان اٹھانا پڑا۔ میدان جنگ میں اٹھائیس ہزار مرہٹے کام آئے۔ ہزارہا مرہٹے میدان جنگ کے باہر فرار ہوتے ہوئے مارے گئے اور بہت سے سپاہی سردی سے اکڑ کر ہلاک ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ بے انتہا مال غنیمت آیا۔ قریباً پانچ ہزار مرد عورتیں اور بچے جنہیں سردار اور دیگر اعلیٰ عہدیداروں کے بیٹے اور دیگر رشتہ دار بھی شامل تھے قیدی بنا لئے گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں نے خوبصورت برہمن عورتیں صرف ایک تومان (تقریباً دس روپیہ) کے عوض ہندوستانی سپاہیوں کے ہاتھ فروخت کیں۔ اس کے علاوہ بے شمار جواہرات نقد روپیہ' اسلحہ اور گھوڑے احمد شاہ ابدالی کے ہاتھ آئے لیکن احمد شاہ ابدالی نے اپنی اس عظیم اور شاندار فتح سے کوئی سیاسی فائدہ نہ اٹھایا۔ وہ اس وقت چاہتا تو مرہٹوں کا پورا خاتمہ کرنے کے بعد نا صرف مرہٹوں کی سلطنت پر قبضہ کر سکتا تھا بلکہ پورے ہندوستان پر اپنی بادشاہت قائم کر سکتا تھا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔

مرہٹوں کا تعاقب ترک کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی واپس پانی پت کے میدان میں آیا۔ سب سے پہلے اس نے شیخ بو علی قلندر کے مزار پر حاضری دی اور اپنے حق میں دعا مانگی اس موقع پر وہ ایک بیش بہا چغہ زیب تن کئے ہوئے تھا جو کوہ نور اور دیگر جواہرات سے مزئین تھا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پانی پت کے میدانوں میں چند دن تک اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا پھر وہ دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ دہلی سے سولہ میل کے فاصلے پر شہر کے معززین نے احمد شاہ ابدالی اور اس کے لشکریوں کا استقبال کیا جبکہ دہلی میں مرہٹوں کا گورنر نارو شنکر مرہٹوں کی شکست کی خبر سنتے ہی دہلی چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا۔

پانی پت کی لڑائی نے شمالی ہندوستان میں مرہٹوں کی روز افزوں طاقت کو پوری طرح کچل کر رکھ دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کی فتح کے بعد ہندوستان کی مغل سلطنت پوری

ح احمد شاہ ابدالی کے رحم و کرم پر تھی لیکن احمد شاہ ابدالی نے اس موقع پر کوئی
ہ نہ اٹھایا اس کی کئی وجوہات تھیں۔

اول یہ کہ احمد شاہ ابدالی اپنے ملک اور اہل وطن سے شدید لگاؤ رکھتا تھا۔ اسے منظور نہیں تھا کہ مستقل طریقے سے ہندوستان میں آباد ہو جائے۔

دوئم یہ کہ وہ جانتا تھا کہ اتنے بڑے ملک پر قندھار سے حکومت نہیں کی جا سکتی ، کے علاوہ اس ملک کو پورے طریقے سے مسخر کرنے کے لئے اسے کئی سال مسلسل ی کرنا پڑتی جس کے لئے قندھار سے اس کو کوئی کمک نہیں پہنچ سکتی تھی کیونکہ بیچ ں پنجاب کا صوبہ پڑتا تھا جہاں سکھوں کی طاقت ہر وقت اس کے اقتدار کی راہ میں ز طریقے سے حائل ہو سکتی تھی۔

ہندوستان میں اس کی دلچسپی صرف پنجاب تک محدود تھی۔ جہاں وہ اپنے اقتدار کو اور بھی زیادہ مستحکم کرنا چاہتا تھا تاکہ ضرورت پڑنے پر وہ شمالی ہندوستان تک آسانی ے پہنچ سکے اور اس کو کوئی رکاوٹ پنجاب میں نہ ہو۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ وہ رف پنجاب ہی میں اپنے ناظم مقرر کرے اور اس نے ایسا ہی کیا۔



دہلی پہنچنے پر احمد شاہ ابدالی نے کسی سے کوئی تعارض نہ کیا۔ شاہ عالم ثانی جسے مرہٹوں نے دہلی کا شہنشاہ مقرر کیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے بھی اسے مغل شہنشاہ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔

گو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو بدترین شکست ہوئی تھی لیکن اب بھی وہ کافی طاقتور تھے اور اس حقیقت سے احمد شاہ ابدالی بھی خوب واقف تھا۔ وہ جانتا تھا کہ کسی نہ کسی صورت میں مرہٹے اپنی شکست کا انتقام لیں گے۔ ابھی احمد شاہ ابدالی نے دہلی ہی میں قیام کئے ہوئے تھا کہ اسے خبر ملی کہ مرہٹوں کا پیشوا بالاجی راؤ خود ایک بہت بڑا لشکر لے کر گوالیار کے نواح میں پہنچ گیا ہے۔ گوالیار میں پہنچ کر جب بالاجی راؤ کو یہ خبریں ملیں کہ احمد شاہ ابدالی دہلی میں قیام کئے ہوئے ہے اور مرہٹوں کے

ساتھ جنگ پر آمادہ اور تیار ہے تو اس نے جنگ کرنے کے بجائے مصالحت کرنی شروع کر دی اور اپنا ایک سفیر صلح کی گفت و شنید کے لئے احمد شاہ ابدالی کی طرف روانہ کیا۔ احمد شاہ ابدالی نے جواب میں جو بالا جی راؤ کو خط لکھا وہ اس کی شرافت اور نیک نیتی کا ثبوت ہے۔ احمد شاہ ابدالی نے لکھا۔

”کوئی ایسی وجہ نہیں معلوم ہوتی کہ ہمارے اور آپ کے درمیان عداوت اور دشمنی قائم رہے یہ صحیح ہے کہ پانی پت کے میدان میں ہمارے لشکریوں کے ہاتھوں آپ کا بیٹا اور آپ کا چچا زاد بھائی سدا شیو بھاؤ مارے گئے ہیں لیکن یہ سب کچھ سدا شیو بھاؤ کی ہٹ دھرمی سے ہوا کیونکہ اس نے جنگ کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ چھوڑا تھا۔ بہرحال ہمیں آپ کے نقصان پر تاسف ہے اور ہماری خواہش ہے کہ آپ ماضی کے افسوسناک واقعات کو بھول کر ہمارے ساتھ پائیدار دوستی کی بنیاد رکھیں گے۔“

احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے درمیان صلح کے لئے شرائط طے ہو ہی رہی تھیں کہ بالاجی راؤ سخت بیمار پڑ گیا۔ لہٰذا وہ اپنے لشکر کو لیکر گوالیار سے نکل گیا اور واپس دکن چلا گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی ابھی اپنے لشکر کے ساتھ دہلی ہی میں مقیم تھا کہ اسے ایک بدترین خبر قندھار سے اس کے مخبروں نے پہنچائی۔

بدترین خبر یہ تھی کہ جمال خان، دلاور خان، زال بیگ پوپلزئی اور احمد شاہ ابدالی کا بھتیجا عبدالخالق لشکر سے بھاگ کر قندھار پہنچ گئے تھے۔ ہندوستان پر حملہ آور ہونے سے پہلے احمد شاہ ابدالی نے قندھار پر اپنے بیٹے سلیمان اور ہرات پر اپنے بیٹے تیمور کو حکمران مقرر کیا تھا قندھار پہنچ کر جمال خان، عبدالخالق، دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی نے اپنے اپنے قبائل میں سے مسلح جوانوں کو اپنے ساتھ ملانا شروع کیا اور آہستہ آہستہ چاروں نے مل کر ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور احمد شاہ ابدالی کے خلاف انہوں نے علم بغاوت بلند کر دیا تھا۔

لہٰذا یہ چاروں باغی حرکت میں آئے اپنے لشکر کے ساتھ قندھار شہر پر حملہ آور ہوئے قندھار میں احمد شاہ ابدالی کے بیٹے سلیمان کے پاس چھوٹا سا ایک لشکر تھا جس

ساتھ وہ چاروں باغیوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور قندھار چھوڑ کر محفوظ مقام کی طرف گیا جبکہ قندھار شہر پر چاروں باغیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔ زال بیگ پوپلزئی ایک ان کی حیثیت سے قندھار شہر میں داخل ہو گیا تھا۔

○

زال بیگ پوپلزئی اور اس کے ہمنواؤں کی بغاوت کا سنتے ہی احمد شاہ ابدالی نے کے نواح میں اپنے سالاروں کا ایک ہنگامی اجلاس طلب کیا جس میں شاہ ولی خان، ان خان، عبداللہ اور برخوردار خان احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں آئے تو احمد شاہ الی انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

میرے عزیزان وطن تمہیں زال بیگ پوپلزئی اور اس کے ساتھیوں کی قندھار میں ت کا علم ہو چکا ہو گا۔ انہوں نے میرے بیٹے سلیمان کو قندھار سے نکال باہر کیا اور قندھار میں زال بیگ پوپلزئی نے اپنی حکومت کا اعلان کر دیا ہے۔

عبداللہ میرے بیٹے تم آج بلکہ اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کی طرف نہ ہو جاؤ تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی باقی ماندہ لشکر کے ساتھ قندھار کا رخ کروں مجھے امید ہے کہ میرے پہنچنے تک تم زال بیگ پوپلزئی اور اس کے ساتھیوں کی ت فرو کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ جواب میں عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

پاشا مجھے امید ہے کہ میں انشاء اللہ آپ کے قندھار پہنچنے تک چاروں باغیوں کی بی کر چکا ہوں گا۔ عبداللہ کا یہ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی بے حد خوش ہوا ی دیر تک خاموش رہ کر وہ کچھ سوچتا رہا اس بار اس نے جہان خان کو مخاطب تے ہوئے کہنا شروع کیا۔

جہان خان میں جانتا ہوں زال بیگ پوپلزئی تمہارا بھتیجا ہے لیکن یہ بات سن و اس نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے مجھے یہ بھی خبریں ملی ہیں کہ دلاور خان الخالق خان اور جمال خان اس بغاوت میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے لیکن اس ل بیگ نے انہیں ڈرا دھمکا کر اس بغاوت میں شامل کیا ہے اور وہ تینوں ہرگز ایسا

نہیں چاہتے تھے۔ دیکھ جہان خان میں آج ہی شاہ پسند کو اس کے لشکر کے حصے کے ساتھ قندھار کی طرف روانہ کر رہا ہوں اگر شاہ پسند کے ساتھ مقابلے میں زال بیگ مارا گیا تو تم کوئی دکھ اور افسوس نہ کرنا۔ اس پر جہان خان نے اپنی جھکی ہوئی گردن ایک جھٹکے کے ساتھ اٹھائی اور احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

پاشا یہ آپ کیسی گفتگو کرتے ہیں قسم خداوند کی میں چاہتا ہوں کہ یہ زال بیگ خود میرے سامنے ہو اور میں اپنے ہاتھوں سے اس ظالم کے بچے کی گردن کاٹوں۔ پاشا جہاں یہ زال بیگ میرا بھتیجہ ہے وہاں آپ یہ بھی یاد رکھیئے کہ وہ میری بیٹی کا قاتل بھی ہے لہٰذا اس زال بیگ کا قتل مجھ پر واجب ہو چکا ہے اگر شاہ پسند بغاوت کی سرکوبی کرتے ہوئے اس کا خاتمہ کرتا ہے تو قسم خداوند کی میرے لئے یہ بڑی خوش آئند بات ہو گی کہ شاہ پسند نے ایک قاتل اور باغی کی گردن کاٹی۔ جہان خان کا یہ جواب احمد شاہ ابدالی کے لئے بڑی خوشی اور اطمینان کا باعث تھا۔ یہ جواب سن کر اس کے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر وہ عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے تم وقت ضائع نہ کرو ابھی اور اسی وقت اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کی طرف کوچ کر جاؤ۔ تمہارے پیچھے پیچھے میں بھی قندھار کا عزم کر ہوں احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم ملتے ہی عبداللہ اس کے خیمے سے نکل گیا تھا۔

عبداللہ جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کامنی خیمے میں نہیں تھی بلکہ خیمے کے وسط میں اکیلی وینا بیٹھی ہوئی تھی۔ جونہی عبداللہ خیمے میں داخل ہوا وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے خوبصورت چہرے اور گلابی ہونٹوں پر حسین اور دلفریب مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے اس نے عبداللہ کا خیر مقدم کیا۔ وینا کے قریب آ کر عبداللہ نے پوچھا کامنی کہاں گئی۔ اس پر وینا بولی اور کہنے لگی۔

میں آپ کو بتاتی ہوں کامنی کہاں گئی ہے پہلے میں آپ کو ایک خوشخبری سنانا چاہتی ہوں۔ اس پر عبداللہ وینا کے مزید نزدیک ہوا اور بڑے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے راز دارانہ انداز میں پوچھنے لگا کیسی خوشخبری وینا۔ اس پر وینا بولی

کہنے لگی اگر وہ واقعی آپ کے لئے خوشخبری ہو تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا اگر وہ واقعی خوشخبری ہوئی تو جو چیز بھی تم مجھ سے مانگو گی بشرطیکہ میرے بس میں ہو تو تمہیں دوں گا۔ اس پر وینا بڑے پیارے انداز میں عبداللہ کے نزدیک ہوئی اور اپنا خوبصورت چہرہ وہ عبداللہ کے کان کے نزدیک لے جاتے ہوئے بڑی رازداری اور سرگوشی میں کہنے لگی شاہ پسند آپ کے لئے خوشخبری یہ ہے کہ آپ ایک بچے کے باپ بننے والے ہیں۔

جواب میں عبداللہ بڑے پیارے انداز میں وینا کا گلاب سا گال تھپتھپاتے ہوئے کہنے لگا۔ وینا یہ تو واقعی تم نے خوشخبری کہی ہے اس کے ساتھ ہی اپنے لباس کے اندر سے عبداللہ نے نقدی کی ایک تھیلی نکالی پھر اس تھیلی کو وینا کے ہاتھوں پر رکھتے ہوئے یہ اس خوشخبری کا انعام ہے۔ پر یہ تو کہو کہ کامنی اس وقت کہاں ہے۔ اس پر وینا پھر بڑی رازداری میں پیار بھرے انداز میں کہنے لگی۔

آپ کی آمد سے پہلے میں کامنی بہن سے یہ کہہ رہی تھی کہ میں شاہ پسند سے کہوں گی کہ تم ان کے بچے کی ماں بننے والی ہو وہ بے چاری اس شرم کے باعث آپ کا سامنا نہیں کر رہی اس وقت وہ توشک خانے میں بیٹھی ہوئی ہے۔ عبداللہ تقریباً بھاگتا ہوا جب توشک خانے میں آیا وہاں واقعی کامنی سر جھکائے بیٹھی تھی جونہی اس نے عبداللہ کو توشک خانے میں دیکھا اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگ کر وہ بے چاری عبداللہ سے لپٹ گئی اور بڑے پیارے انداز میں اپنا سر اس نے عبداللہ کے کندھے پر رکھ دیا تھا۔ عبداللہ نے کامنی کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا کامنی میں تجھے اس متوقع ولادت پر پہلے سے مبارکباد دیتا ہوں۔ عبداللہ کے ان الفاظ سے کامنی کچھ شرما سی گئی تھی۔ اس وقت تک وینا بھی وہاں پہنچ گئی تھی۔ پھر کامنی کا ہاتھ پکڑ کر عبداللہ باہر لایا تینوں خیمے کے وسط میں بیٹھ گئے پھر عبداللہ ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اچھا تم دونوں بہنیں میری بات غور سے سنو میں ابھی اور اسی وقت اپنے لشکر

کے ساتھ قندھار روانہ ہو رہا ہوں۔ اس لئے کہ وہاں زال بیگ پوپلزئی نے ا
ساتھیوں کے ساتھ بغاوت کر دی ہے اور قندھار پر اس نے قبضہ کر لیا ہے۔ پاشا چا
ہے کہ میں اپنے لشکر کے ساتھ قندھار کا رخ کروں اور زال بیگ پوپلزئی کی بغاوت
فرو کروں۔ اب تم دونوں بہنیں یہ بتاؤ کہ تم میرے ساتھ قندھار روانہ ہو گی یا ہا
لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ قندھار روانہ ہو گی۔ کامنی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ و
اس سے پہلے بول پڑی اور کہنے لگی۔

جب آپ اپنے لشکر کے ساتھ قندھار روانہ ہو رہے ہیں تو ہم دونوں بہنیں یہاں
کیا کریں گی ہم دونوں آپ کے ساتھ روانہ ہوں گی اور پیچھے نہیں رہیں گی۔ کامنی نے
بھی وینا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ وینا ٹھیک کہتی ہے۔ ہم دونوں بہنیں آپ کے ساتھ
روانہ ہوں گی اس پر عبداللہ کہنے لگا اگر یہ بات ہے تو اپنا سامان سمیٹو تھوڑی دیر تک
یہاں سے کوچ ہو گا۔ کامنی اور وینا دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ اپنا سامان وہ سمیٹنے لگی
تھیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کے نواح سے قندھار کی
طرف کوچ کر گیا تھا۔



عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ جب قندھار شہر کے نزدیک پہنچا تو عبدالخالق اور
جمال خان دونوں اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے کئے کی معافی طلب کی
عبداللہ نے فراخدلی سے کام لیتے ہوئے عبدالخالق اور جمال خان دونوں کو معاف کر دیا
جبکہ دلاور خان یہ سمجھتا تھا کہ شاید عبداللہ اسے نہ معاف کرے گا اور نہ ہی زندہ
چھوڑے گا لہٰذا وہ قندھار سے نکل کر ہرات کی طرف بھاگا اور وہاں حاکم ہرات احمد
شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور کی خدمت میں حاضر ہو کر امان طلب کی۔ تیمور نے اسے امان
دیدی اور دلاور خان نے اپنی گزشتہ کوتاہیوں اور غلطی کی معافی مانگ لی۔ اب باقی
زال بیگ رہ گیا تھا وہ بڑی تیزی سے عبداللہ کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لئے تیاریاں
کرنے لگا تھا۔

عبداللہ جب قندھار سے نزدیک ہوا تو اچانک ایک بوڑھی خاتون اس کے سامنے
اور اس کے گھوڑے کی باگ پکڑتے ہوئے انتہائی انکساری اور عاجزی سے عبداللہ
کنے کے لئے کہا۔ عبداللہ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا پھر وہ بڑی نرمی میں اس
خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ خاتون آپ نے میرا گھوڑا کیوں روکا ہے
آپ کو کسی کے خلاف شکایت و نالش ہے اگر ایسا ہے تو کہئے اگر آپ پر کسی نے
کیا ہے تب بھی کہئے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ ظالم کو اس کے کئے کی سزا ضرور دوں

وہ بوڑھی خاتون تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی اور عبداللہ اس کی
ف غور سے دیکھتا رہا۔ عبداللہ نے جائزہ لیا اس خاتون کی گرد آلود پلکیں، دھول سے
ہوئی پیشانی، کھوئی کھوئی آنکھیں اور اس کے کرب ذات کا اظہار کر رہی تھیں۔
خاتون کا لٹا لٹا چہرہ شکن آلود قبا، ان گنت دکھی داستانوں کا مکمل ایک اظہار تھا۔
ڑی دیر تک وہ خاتون غموں کی نایافت لہروں اور سوچوں کے بے انت اعتکاف کی
ح خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی پھر اس نے عبداللہ کے گھوڑے کی باگ چھوڑ دی
ر لرزتے لہجے کانپتی آواز میں وہ بے چاری کہنے لگی۔

شاہ پسند میرے بیٹے میرا ایک بیٹا جو میرے لئے بے چراغ شب میں کرن کرن
لاتی سوچوں جیسا نرم، میرا فرزند جو ماں کے نرم آنچل جیسا میرے لئے شفیق میرا بیٹا
برسات بھرے بادلوں جیسا مہربان تھا اسے زال بیگ نے ناحق اور بغیر کسی قصور کے
ل کر دیا ہے اس کو قتل کر کے اس زال بیگ نے میری زندگی کے رنگوں اور خوابوں
ں زہر گھول دیا ہے۔

شاہ پسند میرے بیٹے میں اپنی فریاد لے کر احمد شاہ ابدالی کے بیٹے سلیمان کی
ت میں حاضر ہوئی لیکن اس قاتل نے سلیمان کو بھی قندھار شہر سے نکال باہر کیا
وہ میرا انتقام نہ لے سکا۔ اس کے لئے میں احمد شاہ ابدالی کے دوسرے بیٹے تیمور
خدمت میں ہرات جا کر حاضر ہوئی لیکن اس نے بھی قاتل کے خلاف کارروائی

کرنے سے معذوری ظاہر کر دی۔ عبداللہ میرے بیٹے قاتل زال بیگ پوپلزئی احمد شاہ ابدالی کے سپہ سالار جہان خان کا بھتیجا ہے کوئی بھی اس پر ہاتھ نہیں ڈالتا۔ لہٰذا میں اپنے بیٹے کے قتل کی فریاد لئے جگہ جگہ دھکے کھانے پر مجبور ہوں۔

اس بوڑھی خاتون کی یہ باتیں سن کر عبداللہ بے چارہ پس سا گیا تھا۔ وہ اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اچانک کامنی اپنا گھوڑا عبداللہ کے قریب لائی پھر کامنی اپنے گھوڑے سے اتری اور عبداللہ کے گھوڑے کو روکنے والی اس معمر خاتون کو گلے لگاتے ہوئے وہ انتہائی دکھ اور تکلیف دہ احساس میں کہنے لگی۔ اماں آپ یہاں کس نے آپ کو دکھ دیا ہے۔ کون آپ کی تکلیف کا باعث بنا ہے۔ یہ صورتحال دیکھتے ہوئے عبداللہ اپنے گھوڑے سے چھلانگ لگا کر اتر گیا تھا۔ اتنی دیر تک وینا بھی اپنے گھوڑے سے اتر کر کامنی کے ساتھ اس بوڑھی خاتون کو سنبھالنے لگی تھی۔ گھوڑے سے نیچے اتر کر عبداللہ نے کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا یہ خاتون کون ہے اور تم کیسے انہیں جانتی ہو۔ اس پر کامنی بے چاری دکھ بھری آواز میں کہنے لگی آپ انہیں پہچانتے یہ آپ کے استاد محترم حسام الدین کی ماں آمنہ خاتون ہیں۔

عبداللہ فوراً اس خاتون کے پاؤں پر گر گیا اور اس کے دونوں پاؤں پکڑتے ہوئے کہنے لگا اماں آپ سے میری ملاقات نہیں ہوئی جب میں محترم حسام الدین کے یہاں جایا کرتا تھا تو لوہار خانے میں ہی مل لیا کرتا تھا۔ مجھے دکھ ہے کہ میں آپ کو پہچان نہیں سکا۔ مجھے معاف کر دیجئے۔ میں اس قابل تھا کہ اپنے گھوڑے پر آپ کو سوار کراتا اور خود اپنے گھوڑے کی باگ پکڑ کر آپ کی شکایت اور نالش سنتا۔ کہو ماں تمہارے کس بیٹے کو زال بیگ پوپلزئی نے قتل کیا ہے۔ اس پر آمنہ خاتون روتے اور آنسو بہاتے ہوئے کہنے لگی شاہ پسند میرے بیٹے اس زال بیگ پوپلزئی نے تیرے استاد حسام الدین کو قتل کر دیا ہے اس بنا پر کہ اس نے تجھے ایسی تربیت دی جسے کام میں لاتے ہوئے تو نے مقابلے میں زال بیگ پوپلزئی کو شکست دے کر شاہ پسند کا لقب حاصل کر لیا۔

حسام الدین کی ماں آمنہ خاتون کے اس انکشاف پر عبداللہ کی حالت اچانک اجاڑ تنہائیوں کی قیامت غم فراق کے قصے۔ ادھ کھلے ہونٹوں کے پیاسے گیت ہو گئی تھی۔ لگتا تھا اس کے ضبط کی ساری فصیلیں گر گئی ہوں۔ اس کی آنکھوں شب کی سلوٹوں میں زرد پتوں کی خشک کہانیاں اور آگ کے دریا۔ لہو کی ندیاں ٹھاٹھیں مارنے لگی تھیں۔ جبکہ اس کے چہرے پر سنسان بازاروں، انقلاب نو کی علامتیں، شام الم کے لمحات کرب جیسی کیفیت طاری ہو گئی تھی لگتا تھا اس کا باطن جلتا ہوا گرا، بازو بریدہ اور سوختہ مقدر جیسا ہو کر رہ گیا ہو۔ تھوڑی دیر تک وہ کچھ سوچتا رہا پھر وہ حسام الدین کی ماں آمنہ خاتون سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک طرف سے مجیر الدین اپنی ماں کے قریب نمودار ہوا۔ مجیر الدین کو دیکھتے ہی عبداللہ بھاگ کر آگے بڑھا اور مجیر الدین سے لپٹ گیا تھا۔ مجیر الدین نے شاہ پسند کی پیشانی چومی اسے پیار کیا اس موقعہ پر اپنے بھائی کے دکھ اور غم کی وجہ سے مجیر الدین کی آنکھوں میں آنسو امنڈ رہے تھے۔ مجیر الدین کا ہاتھ تھامے عبداللہ آمنہ خاتون کے سامنے آیا اور کھولتے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔

اماں۔ زال بیگ پوپلزئی نے آپ کے بیٹے کو نہیں میرے باپ کو قتل کر دیا ہے۔ آپ کا بیٹا حسام الدین میرے لئے ایک شفیق باپ، ایک محترم اور نرم خو استاد جیسا تھا۔ اس نے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح میرا خیال رکھا۔ میری بہترین تربیت میری بہترین پرداخت کی۔ دیکھ اماں زال بیگ پوپلزئی کہیں بھی چلا جائے میں تمہارے ساتھ وعدہ کرتا ہوں میں اس کا تعاقب کروں گا اور اپنے محترم حسام الدین کا انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔

اس پر آمنہ خاتون بولی اور کہنے لگی شاہ پسند میرے بیٹے زال بیگ کا جہان خان کا بھتیجا ہونا کہیں تمہارے انصاف کی راہ میں حائل نہ ہو جائے۔ اس پر عبداللہ چھاتی تانتے ہوئے کہنے لگا۔ اماں آپ کیسی باتیں کرتی ہیں۔ جہان خان تو بہت دور کی بات، قسم خداوند قدوس کی اگر میرے محترم حسام الدین کے قتل میں احمد شاہ ابدالی کا بیٹا

بھی ملوث ہوتا تو میں اس کی بھی گردن کاٹ کر رکھ دیتا۔ اماں تم دیکھتے جانا میں اس زال بیگ پوپلزئی کا کیا حشر کرتا ہوں۔ عبداللہ نے مجیر الدین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا مجیر الدین میرے بزرگ جب تک میں زال بیگ سے انتقام نہیں لے لیتا اس وقت تک آپ اماں کے ساتھ میرے لشکر ہی میں مقیم رہیں گے۔ جواب میں مجیر الدین کچھ کہنے ہی والا تھا کہ اسی لمحہ عبداللہ کے سامنے احمد شاہ ابدالی کا بیٹا سلیمان اپنے چند محافظوں کے ساتھ نمودار ہوا۔

عبداللہ کو دیکھتے ہی سلیمان آگے بڑھا اور عبداللہ سے لپٹ گیا پھر وہ کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بھائی تم بڑے وقت پر پہنچے ہو۔ میں قندھار سے نکل کر اپنے بچے کھچے ساتھیوں کے ساتھ ادھر ادھر سرگرداں تھا۔ قندھار پر تو زال بیگ پوپلزئی کب کا قابض ہو چکا ہے۔ اس نے اپنی حفاظت کے لئے ایک بہترین لشکر بھی تیار کر لیا ہے۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا سلیمان میرے بھائی تم فکر مند نہ ہو۔ میں اس زال بیگ کو کیفر کردار تک پہنچا کر ہی دم لوں گا۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے اپنے لشکر کو قندھار کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیدیا تھا۔ سلیمان، مجیر الدین اور آمنہ خاتون لشکر میں اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ عبداللہ جب قندھار شہر کے نزدیک پہنچا تو زال بیگ پوپلزئی نے شہر میں محصور رہ کر مقابلہ کرنے کے بجائے شہر سے باہر کھلے میدانوں میں جنگ کرنے کو ترجیح دی۔ لہٰذا وہ اپنے لشکر کے ساتھ قندھار شہر سے نکل کر گمراہیوں کے اندھیروں، جہل و ظلمات کے جبر، مہیب شب کے ہراس اور ساحلوں پر چیختی پاگل شام کی طرح عبداللہ کے لشکر پر حملہ آور ہو گیا تھا۔

گو زال بیگ پوپلزئی کے لشکر کی تعداد عبداللہ کے لشکر کی تعداد سے کہیں زیادہ تھی پھر بھی عبداللہ نے بڑے نظم بڑے ضبط اور بڑے تحمل سے کام لیتے ہوئے زال بیگ پوپلزئی کے حملے کو روکا۔ پھر وہ جوابی کارروائی پر اتر آیا اور ازل و ابد پر محیط وقت کے کالے سمندر، کرنوں کے ہجوم، ریاضت کے خلوص اور ایک انوکھی لگن اور تڑپ کے ساتھ زال بیگ پوپلزئی کے لشکر پر حملہ آور ہوا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کی جنگ کے

بداللہ نے زال بیگ اور اس کے لشکر کی حالت ندامت کی تھکن میں مقید ں، درد کی تحریروں، کرب کی تفسیروں، یادوں کے خرابوں، جہنم کی مجبور تنہائیوں کر کے رکھ دی تھی پھر ایسا موقعہ بھی آیا عبداللہ نے بے دریغ زال بیگ پوپلزئی شکر کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔

زال بیگ پوپلزئی نے جب دیکھا کہ تھوڑی دیر تک اسے بدترین شکست کا سامنا پڑے گا تو اپنے لشکریوں کو بتائے بغیر چھپتا چھپاتا میدان جنگ سے بھاگ کھڑا ہوا ے لشکریوں کو خبر ہو گئی کہ زال بیگ انہیں چھوڑ کر بھاگ گیا ہے لہٰذا لشکر میں پھیل گئی۔ لشکری ادھر ادھر بھاگنے لگے عبداللہ نے اپنے لشکر کے ساتھ ان کا تعاقب کیا اور دور تک ان کا قتل عام کرتا چلا گیا۔ تاہم زال بیگ پوپلزئی کہیں ش ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جبکہ عبداللہ نے اپنے لشکر کو شہر سے باہر پڑاؤ نے کا حکم دیدیا تھا۔

اس موقع پر احمد شاہ ابدالی کے بیٹے سلیمان نے بڑی مہارت اور دانشمندی کا ن دیا۔ اس نے اپنے کچھ آدمی زال بیگ پوپلزئی کے تعاقب میں روانہ کئے اور یہ چکر دیا کہ اگر وہ عبداللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے کیے کی خلوص کے ساتھ مانگ لے تو میں شاہ پسند سے ہر صورت میں اس کے لئے معافی نامہ حاصل کر گا۔ زال بیگ پوپلزئی چونکہ تنہا رہ گیا تھا لہٰذا وہ اس چکر میں آ گیا اور سلیمان کے یوں کے ساتھ وہ سلیمان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلیمان اسے خوشی خوشی اللہ کے پاس لے آیا۔ عبداللہ اس وقت اپنے خیمے کے سامنے مجیر الدین اس کی آمنہ خاتون، کامنی اور وینا کے ساتھ بیٹھا تھا کہ سلیمان نے زال بیگ پوپلزئی کا پکڑ کر عبداللہ کے سامنے کھڑا کیا پھر احمد شاہ ابدالی کے بیٹے سلیمان کی حالت کسی لینے والے سانپ کی سی ہو گئی اور وہ قہر آلود انداز میں زال بیگ پوپلزئی کی طرف تے ہوئے عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بھائی یہ زال بیگ پوپلزئی ہے۔ اس نے مجھے قندھار سے بھاگنے

پر مجبور کیا۔ شاہ پسند میرے بھائی یہ وہی زال بیگ ہے جس نے جہان خان کی بیٹی ا
رخ کو قتل کیا۔ شاہ پسند میرے عزیز یہ وہی زال بیگ ہے جس نے تمہارے استا
محترم حسام الدین کو قتل کیا۔ شاہ پسند میرے بھائی یہ وہی پوپلزئی ہے جس نے تمہار
پاشا کے خلاف علم بغاوت بلند کیا۔ زال بیگ پوپلزئی کی طرف دیکھتے ہوئے عبداللہ ک
چہرے پر انتہا درجے کی قہرمانیاں برس گئیں تھیں۔ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپ
تلوار نکالی اور ایک ہی وار میں اس نے زال بیگ پوپلزئی کی گردن کاٹ کر رکھ دی پ
کٹا ہوا سر بالوں سے پکڑ کر اپنے پاس کھڑی ہوئی آمنہ خاتون کے قدموں میں پھینک
ہوئے کہا اماں یہ میرے استاد محترم حسام الدین کے قاتل کا سر ہے میں نے جو انصاف
کرنے کا وعدہ آپ سے کیا تھا وہ میں نے پورا کر دیا۔ اس پر آمنہ خاتون آگے بڑھ
بڑے پیارے انداز میں اس نے عبداللہ کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

شاہ پسند میرے بیٹے میرے بچے تو نے واقعی جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دکھایا۔ اس
کے ساتھ ہی شاہ پسند نے اپنے گھوڑے کی زین سے نقدی کی ایک بھاری تھیلی نکا
اور مجیر الدین کو تھماتے ہوئے کہا مجیر الدین میرے بزرگ نقدی کی یہ تھیلی اپنے
رکھو یہ کسی ضرورت کے وقت تمہارے کام آئے گی۔ مجیر الدین نقدی کی تھلی
ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ پر اس موقع پر کامنی بولی اور مجیر الدین کو مخاطب کر کے کہنے لگی
میرے محترم۔ میرے بزرگ۔ آپ میرے اور شاہ پسند کے باپ کی جگہ ہیں۔ بیٹا جب
اپنے باپ کو کوئی چیز دیتا ہے تو ہچکچاہٹ تو محسوس نہیں کرتا آپ یہ تھیلی لیتے ہوئے
کیوں ہچکچا رہے ہیں۔ آپ کا شاہ پسند پر حق بنتا ہے اس لئے کہ آپ کے شاہ پسند پر
بڑے احسانات ہیں۔ کامنی کے یوں حوصلہ دلانے پر مجیر الدین نے نقدی کی وہ تھیلی
لے لی تھی۔

اس کے بعد عبداللہ اپنے لشکر کے ساتھ قندھار شہر میں داخل ہوا۔ مجیر الدین
اور اس کی ماں آمنہ خاتون نے چند روز تک اس کے یہاں قیام کیا پھر وہ نادر آباد کی
طرف روانہ ہو گئے تھے۔ چند ہی یوم بعد احمد شاہ ابدالی بھی اپنے لشکر کے ساتھ

پہنچ گیا تھا۔

○

قندھار میں قیام کے دوران احمد شاہ ابدالی اپنی ایک دیرینہ خواہش کی تکمیل کے
جوش و خروش سے کام کرنے لگا۔ احمد شاہ ابدالی کا عرصے سے یہ ارادہ تھا کہ
ار کی از سر نو تعمیر کی جائے نیا شہر بسانے کی تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لئے احمد
ابدالی نے قندھار کے مشرق کی جناب موضع گندھب کے نزدیک ایک نہر کھدوانے
رادہ کیا اور یہ طے پایا کہ نیا قندھار اسی نہر کے کنارے مغربی سمت تعمیر ہو گا۔

لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ یہ علاقہ علی کوزئی قبیلے کی ملکیت تھا اور چونکہ اس قبیلے
لوگوں نے اپنی زمینیں چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا اس لئے احمد شاہ ابدالی کو اس
ے میں نیا شہر آباد کرنے کا اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ اسی اثنا میں احمد شاہ ابدالی کی
ہ جس کا تعلق علی کوزئی قبیلے سے تھا فوت ہو گئی تاہم علی کوزئی قبیلے نے احمد شاہ
والدہ کو اپنے علاقے میں دفن کرنے کی اجازت دیدی تھی جہاں ابھی تک وہ علاقہ
ضے ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنی توجہ مغرب کی سمت منعطف کی اور موضع
ا کے نزدیک ایک قلعہ تعمیر کرانا چاہا اس کا ارادہ تھا کہ قلعہ تعمیر کرنے کے بعد اس
ے اردگرد میں ایک مثالی شہر آباد کرے گا جو احمد شاہی قندھار کے نام سے موسوم کیا
ائے گا لیکن اس علاقے پر بارک زئی آباد تھے اور وہ وہاں قلعہ تعمیر کرنے پر رضامند
ہ ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی یہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنی خواہش کی تکمیل کے لئے قوت استعمال
رے اس لئے اس نے کسی اور مناسب قطعہ زمین کی تلاش شروع کر دی تھی۔ اسی
دران پوپلزئی قبیلے کے لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مجوزہ شہر کی تعمیر کے
لے اپنا علاقہ پیش کیا۔ احمد شاہ ابدالی پوپلزئی قبائل کی اس پیش کش پر بے حد خوش
ہا اور ان کی جاگیر میں ایک مناسب قطعہ زمین منتخب کر کے نئے دارالحکومت کی بنیاد

رکھی جس کا نام احمد شاہی قندھار اور بعد میں اسے اشرف البلاد بھی کہا جانے لگا۔
احمد شاہ ابدالی نے تمام قبیلوں کو دعوت دی کہ یہاں اپنے مکانات تعمیر کریں ا حکم دیا بعد کی توسیعات کے لئے زمین چھوڑ کر شہر کے گرد ایک مضبوط فصیل تعمیر جائے یہ کام خاص طور پر برجوں کی تعمیر کے ماہر ہندوستانی صناعوں کے سپرد کیا گیا تھا جب برجوں کے ستونوں کی بنیاد رکھنے کا کام ختم ہو گیا تو معماروں کے سربراہ برجوں کے بنانے کا کام روک دیا جبکہ احمد شاہ کی خواہش تھی کہ برجوں کی تعمیر تیزی دکھائی جائے لیکن اس دوران معماروں کا سربراہ قندھار چھوڑ کر نیشاپور کی جانب فرار ہو گیا تھا۔

تاہم برجوں کے کام کو التوا میں ڈال کر دوسرے ماہرین سے تعمیر کا دوسرا کام کرایا گیا لیکن چھ ماہ بعد ہندوستانی معماروں کا وہ سربراہ نیشاپور سے قندھار لوٹ آیا اور احمد شاہ ابدالی سے کہنے لگا چونکہ آپ برجوں کی تعمیر میں جلد بازی سے کام لے رہے تھے جبکہ میں چاہتا تھا کہ کم از کم ستونوں پر چھ ماہ بعد برج تعمیر کئے جائیں تاکہ ان کی پختگی ٹھیک ٹھاک رہے۔ احمد شاہ ابدالی معماروں کے سربراہ کے اس طرح چھ ماہ کے لئے نیشاپور کی طرف بھاگ جانے پر بے حد خوش ہوا اسے دوبارہ تعمیر کی اجازت دیدی۔

جب شہر پناہ معہ تمام برجوں اور فصیلوں کے تیار ہو گئی تو احمد شاہ ابدالی نے ملک بھر میں اپنے ہرکاروں اور منادوں کو بھیج کر لوگوں کو دعوت دی کہ وہ اس نئے شہر میں آ کر اپنے لئے مکانات تعمیر کرائیں۔

مکانات کے بنانے کے لئے احمد شاہ نے لوگوں کو مفت زمینیں فراہم کرنی شروع کیں اور شہر کی سرکاری عمارتوں کو بھی بنانا شروع کر دیا۔ شہر میں ایک خوبصورت نہر بھی بنائی گئی اور تمام تعمیرات پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا گیا چونکہ اس تعمیر میں اندرون اور بیرون ملک دونوں طرح کے ماہر تعمیرات کام کر رہے تھے اس لئے تمام عمارتیں نہایت خوبصورت، مضبوط پائیدار بنیں، قلعے کی تعمیر پر خاص توجہ دی گئی اور قلعہ کو بہت مستحکم اور مضبوط بنایا گیا۔

ہ وہ حملہ آوروں کی توپوں کے گولوں کا موثر طور پر دفاع کر سکے۔ اور میں شگاف پیدا نہ ہوں۔ قلعہ کا دروازہ بھی نہایت مضبوط لکڑی اور فولاد کی ے بنایا گیا اس طرح احمد شاہ ابدالی نئے قندھار کی تعمیر کا کام مکمل کرنے میں رہا جس کا نام احمد شاہی قندھار اور بعد میں اشرف البلاد رکھا گیا۔ احمد شاہ ے اس اقدام سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تعمیرات کے کاموں میں کس قدر کھتا تھا۔



مد شاہ ابدالی چونکہ نئے شہر اشرف البلاد کی تعمیر میں بری طرح مصروف تھا لہٰذا غیر حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سکھوں نے ایک بار پھر اس کے صوبہ میں ہلچل مچا کر رکھ دی تھی۔ چاروں طرف قتل و غارت، لوٹ مار، تباہی و کا ایک ہولناک کھیل انہوں نے شروع کر دیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی چاہتا تھا کہ ان سے اس کے ساتھ آنے والا لشکر کچھ عرصہ قندھار میں اپنے اہل خانہ کے آرام کر لے۔ لہٰذا اس نے اپنے جرنیل نور الدین برے زئی کو پنجاب کی مہم پر کیا۔

لہٰذا نور الدین برے زئی کی سرکردگی میں قندھار سے ایک لشکر پنجاب کی طرف ہوا۔ نور الدین برے زئی احمد شاہ ابدالی کا وہی جرنیل ہے جو اس سے پہلے بھیرہ اور چوک سادھو کو تاراج کرتا ہوا۔ پنجاب میں داخل ہوا تھا۔ اس بار جب نور برے زئی اپنے لشکر کے ساتھ دریائے چناب کے کنارے آیا تو سکھ سردار سنگھ جو احمد شاہ ابدالی کی غیر موجودگی میں گجرانوالہ پر قابض ہو چکا تھا نور الدین کا روک کھڑا ہوا۔ دریائے چناب کے کنارے چڑت سنگھ اور نور الدین برے زئی درمیان ہولناک جنگ ہوئی بدقسمتی سے اس جنگ میں نور الدین کو شکست ہوئی نور الدین سیالکوٹ کی طرف بھاگا اور اپنے لشکر کے ساتھ وہاں ایک قلعے میں ہو گیا تھا۔

چڑت سنگھ نے بھاگتے ہوئے نور الدین اور اس کے لشکریوں کا تعاقب ک
جس قلعے میں جا کر نور الدین نے پناہ لی تھی چڑت سنگھ نے اس قلعے کا محاصرہ کر
اس قلعے کے نواح میں چونکہ تمام علاقے پر سکھوں کا قبضہ تھا اس لئے نورا
برمے زئی کو خوراک اور جانوروں کے لئے چارے کی قلت کا سامنا کرنا پڑا او
میں محصور رہ کر دن بدن اس کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔

ان حالات میں نور الدین بالکل مایوس ہو گیا لہٰذا ایک روز وہ اپنے لشکری
بتائے بغیر بھیس بدل کر قلعے سے نکلا اور جموں کی طرف بھاگ گیا اس کے بھاگ
کے بعد اس کے لشکریوں نے ہتھیار ڈال دیے تاہم چڑت سنگھ نے لشکریوں سے
تعارض نہ کیا اس نے انہیں واپس جانے کی اجازت دیدی تھی۔

اس طرح نور الدین برمے زئی کی یہ مہم مکمل طور پر سکھوں کے خلاف ناکا
نامراد رہی تھی۔ اس لئے کہ دریائے چناب کے کنارے لڑی جانے والی پہلی ہی
میں سکھوں کے ہاتھوں اسے شکست ہو گئی تھی۔

نور الدین برمے زئی کی شکست کی خبریں جب لاہور پہنچیں تو لاہور میں اح
ابدالی کی طرف سے لاہور شہر کا حاکم خواجہ عبیداللہ سکھوں سے انتقام لینے پر آ
اس نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کیا اور سکھوں کی سرکوبی کے لئے گوجرانوالہ کی ا
روانہ ہوا۔ سکھوں پر حملہ آور ہونے سے پہلے عبیداللہ نے چند روز تک ایمن
میں قیام کیا۔ یہاں وہ پڑاؤ کر کے اپنی قوت کو مجتمع کرنا چاہتا تھا تاکہ پوری تیاری
سکھوں پر حملہ آور ہو جائے لیکن عبیداللہ نے ایمن آباد میں پڑاؤ کر کے ایک غلط
اٹھایا اس لئے کہ اس کے یہاں قیام کی وجہ سے سکھوں کو اس کے خلاف تیا
کرنے کا موقعہ مل گیا۔ چڑت سنگھ کی مدد کے لئے بہت سے سکھ سردار مثلاً جا
ہری سنگھ بھنگی، جے سنگھ کنہیا، لہنا سنگھ، صوبہ سنگھ اور گجر سنگھ وغیرہ اپنے ا
لے کر گوجرانوالہ پہنچ گئے تھے۔

ایمن آباد سے کوچ کرنے کے بعد عبیداللہ نے آگے جا کر گوجرانوالہ کا

ہو گیا تو ان سارے سکھ سرداروں نے لگاتار عبیداللہ کے لشکر پر شب خون مارنے
ع کر دیے تھے۔ ان شب خونوں کی وجہ سے عبیداللہ کا اس قدر نقصان ہوا کہ وہ
جنگ جاری رکھنے کے قابل نہ رہا یہ حالت دیکھتے ہوئے عبیداللہ اپنا توپ خانہ اور
سازو سامان وہیں چھوڑ کر اپنے باقی بچے کھچے لشکر کے ساتھ واپس لاہور بھاگ
ا۔

عبیداللہ کا توپ خانہ ہاتھ لگ جانے سے سردار چڑت سنگھ اور اس کے حلیفوں
طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا تھا۔ اس لئے کہ پہلے ان کے پاس توپ خانہ نہیں
۔ اب جو انہوں نے عبیداللہ کے توپ خانے پر قبضہ کیا تو اس کی وجہ سے ان کی
ت میں خوب اضافہ ہوا اور انہوں نے پنجاب بھر میں اپنی قوت بڑھانا شروع کر دی
تا۔

پنجاب میں لگاتار فتوحات حاصل کرنے کے بعد سکھوں کے حوصلے ایسے بلند
ئے کہ وہ اپنے ایک سردار جسا سنگھ کی کمانداری میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر لاہور
ا طرف بڑھے اور وہاں کے سرکردہ لوگوں سے ساز باز کر کے شہر میں داخل ہو گئے۔
ہور کا حاکم عبیداللہ لاہور شہر کے قلعے میں محصور ہو گیا۔ لاہور میں داخل ہونے کے
د سکھوں نے اپنے سردار جسا سنگھ کو سلطان القوم کا خطاب دے کر اس کے شاہ
ہور ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد سکھوں نے اپنا ایک دستہ لاہور شہر میں
ھوڑا اور باقی لشکر کو لے کر وہ جالندھر کی طرف بڑھے۔

پھر سکھوں کی طاقت اور قوت میں ایسا اضافہ ہوا کہ لاہور سے لے کر جالندھر پھر
آگے دریائے بیاس ستلج پر سارے علاقے یکے بعد دیگرے فتح کر لئے اس طرح
ریائے سندھ سے لیکر دریائے ستلج تک سکھوں نے اس علاقے پر اپنا پورا پورا تسلط
ئم کر لیا تھا۔

پنجاب میں اس قدر کامیابیاں حاصل کرنے کے بعد اکتوبر کے مہینے میں سکھوں
نے امرتسر میں اپنا دیوالی کا تہوار منایا اس موقع پر ان کے ایک عام اجتماع میں ایک

قرارداد منظور کی گئی کہ پنجاب کو بیرونی حملہ آوروں سے نجات دلانے کے لئے احم
ابدالی کے جملہ پنجابی حلیفوں کے علاقے پر قبضہ کر لیا جائے ان میں نزدیک ترین عا
داس پڑتا تھا۔

یہ عاقل داس سکھوں کے اختلافی فرقے 'نرنجیانی' کا گرو تھا۔ اس کا علاقہ جنڈ
امرتسر سے بارہ میل مشرق کی جانب تھا۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد سکھوں کے سردار
سنگھ نے ایک قاصد کے ذریعے ایک خط عاقل داس کی طرف روانہ کیا اور مطالبہ
کہ وہ سکھوں کے اجتماعی فیصلے کو قبول کرتے ہوئے ان کے ساتھ مل جائے ورنہ ا
کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔

عاقل داس نے سکھوں کے اس اجتماعی فیصلے کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا او
ایک تیز رفتار قاصد احمد شاہ ابدالی کی طرف روانہ کیا اور اس سے مدد کی درخواس
کی۔ سکھوں کے سردار جسا سنگھ کو جب عاقل داس کے اس رویے کی خبر ہوئی تو
اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا اور جنڈیالے کا اس نے محاصرہ کر لیا تھا۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی کو پنجاب کے اندر جگہ جگہ سکھوں کی کارروائیوں
پہلے ہی علم ہو چکا تھا۔ اس لئے کہ اس کے طلایہ گرد دستے مجرپل پل کی خبریں قندھا
میں احمد شاہ ابدالی تک پہنچا رہے تھے۔ عاقل داس کا خط ملنے سے پہلے ہی احمد شاہ
ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ قندھار سے پنجاب کی طرف کوچ کر چکا تھا۔ عاقل داس کا
خط احمد شاہ ابدالی کو اس وقت ملا جب احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ پنجاب کے
قلعہ رہتاس تک پہنچ چکا تھا۔

یہ خط ملتے ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنی پیش قدمی کی رفتار تیز کر دی دوسری طرف
سکھوں کو بھی احمد شاہ ابدالی کے آنے کی خبر ہو گئی تھی۔ لہٰذا وہ جنڈیالہ کا محاصرہ ختم کر
کے ایک دم غائب ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی جب جنڈیالہ پہنچا تو عاقل داس احمد شاہ
ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اور سکھوں کے محاصرہ کرنے کی پوری داستان احمد شاہ
ابدالی کو کہہ سنائی۔ سکھ جب بھاگ گئے تو عاقل داس نے احمد شاہ ابدالی کو تنبیہ

ے انکشاف کیا۔

سکھوں کا یوں اپنے سردار جسا سنگھ کی سرکردگی میں جنڈیالہ کا محاصرہ فی الفور
، یہاں سے چلے جانا ایک چال بھی ہو سکتا ہے۔ عاقل داس نے خطرہ ظاہر کیا
جسا سنگھ یہ چاہتا ہو کہ جنڈیالہ کے لوگ خطرے کی موجودگی سے غافل ہو کر
ے دروازے کھول دیے گئے اور اس طرح سکھوں کو اندر آنے کا موقع مل
۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی کے کہنے پر عاقل داس نے چاروں طرف اپنے جاسوس
دیے تاکہ سکھوں کے لشکر کا پتہ چلایا جا سکے۔ خود احمد شاہ ابدالی نے بھی
وس پھیلا دیئے تھے۔

سری طرف سکھوں کے جنڈیالہ کا محاصرہ اٹھا لینے کی بھی کئی وجوہات تھیں ایک
احمد شاہ ابدالی کی آمد کی خبر سن کر وہ اپنے بال بچوں کو لاکھی جنگل رائے پورہ
روال کے قریب محفوظ مقامات پر بھیجنا چاہتے تھے انہیں معلوم تھا کہ احمد شاہ
ے لشکر نے ماضی میں متھرا اور بندرابن کو اور اس کے بعد پانی پت کے میدان
اندار فتح حاصل کرنے کے بعد ان شہروں کو خوب لوٹا اور تاراج کیا تھا بلکہ
ای عورتوں اور بچوں کو بھی قیدی بنا کر لے گئے تھے۔

سکھوں خطرہ تھا کہ شکست کی صورت میں ان کے بال بچوں کا بھی یہی حشر ہونا
دوسری یہ کہ غیر ضروری سامان سے گلو خلاصی کر کے وہ احمد شاہ ابدالی کو زیادہ
یادہ تنگ کرنے کا ارادہ کئے ہوئے تھے۔ تیسرے یہ کہ وہ سرہند کے گورنر زین
ے اپنے ایک سردار دیال سنگھ کا بدلہ لینا چاہتے تھے۔ زین خان چونکہ ان دنوں
لہ کے نزدیک اپنے ایک دوست بیکن خان کے پاس قیام کئے ہوئے تھا لہٰذا زین
ے انتقام لینے کے لئے جنڈیالہ سے ہٹ کر سکھ ملیر کوٹلہ کے آس پاس جمع
لگے تھے تاکہ زین خان کے لشکر کو شکست دینے اور اسے قتل کرنے کے بعد اپنا
لے سکیں۔

احمد شاہ ابدالی کو جب خبر ہوئی کہ سکھ جنڈیالہ سے ہٹ کر زین خان پر حملہ آور

ہونے کے لئے مالیر کوٹلہ کے اطراف میں جمع ہو رہے ہیں تو وہ اپنے لشکر کو بڑی تیزی کے ساتھ حرکت میں لایا وہ جنڈیالہ تکوان سے ہوتا ہوا مالیر کوٹلہ پہنچ گیا اپنی روانگی کے ساتھ ہی اس نے تیز رفتار قاصدوں کے ذریعے زین خان حاکم سرہند کو مطلع کر دیا کہ وہ اپنا سارا لشکر لے کر دشمن کا راستہ روک کھڑا ہو یہ حکم ملتے ہی زین خان اپنے دوست بیکن خان کے ساتھ اپنی ساری عسکری قوت کو حرکت میں لایا اور احمد شاہ ابدالی کے حکم کے مطابق سکھوں کی راہ روک کھڑا ہوا۔

سکھ ابھی زین خان پر حملہ آور نہیں ہونا چاہتے تھے بلکہ پہلے وہ اپنے بچوں اور عورتوں کو کسی محفوظ مقام پر پہنچا کر ہی زین خان پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے لہٰذا زین خان جب اپنے لشکر کے ساتھ ان کی راہ روک کھڑا ہوا تو یہ بات سکھوں کے لئے غیر متوقع تھی۔ مالیر کوٹلہ سے تقریباً چھ میل شمال میں احمد شاہ ابدالی کی ہدایت کے مطابق زین خان سکھوں کی راہ روک کھڑا ہوا پھر اس نے ٹوٹ کر سکھوں پر حملہ کر دیا تھا۔ سکھ بھی سنبھلے اور جوابی کارروائی کے طور پر انہوں نے زین خان کے لشکر پر حملہ کر دیا تھا۔ سکھوں کو امید تھی کہ زین خان زیادہ دیر تک سکھوں کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ اس لئے کہ سکھوں کہ لشکر کے مقابلے میں زین خان کے لشکر کی تعداد بہت کم تھی۔

اپنے اسی عزم میں سکھ سوچوں کے زہر، دل کی کدورت، اپنی ذات کی پوری اندھی مسافتوں، اپنے وقار استقامت اور شجاعت اور دلیری سے زین خان کے لشکر پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ وہ تین اطراف سے زین خان کے لشکر پر جنگل کی دھاڑتی ہواؤں اور صحرا سے اٹھتی قضا کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ دوسری طرف زین خان کے حوصلے بھی بلند تھے اسے امید تھی کہ اگر وہ سکھوں کے ساتھ جنگ کو طول دیتا جائے تو تھوڑی دنوں تک احمد شاہ ابدالی بھی مالیر کوٹلہ پہنچ جائے گا لہٰذا سکھ دو طرفہ حملے میں پیس کر رکھ دیے جائیں گے۔ اسی بنا پر زین خان بھی کم لشکر ہونے کے باوجود سکھوں کے مقابل ڈٹ گیا تھا۔ وہ سکھوں کا زور دار حملہ روکنے کے بعد جوابی حملے پر اتر آیا اور ویران اندھیری راتوں میں آندھیوں کے مہیب جھکڑوں بے حسی کے طلسم

بانی کی بیکراں آتش اور آخر شب کی سسکتی تنہائیوں کی طرح سکھوں پر ٹوٹ نا سکھوں کا لڑنے کا انداز کچھ ایسا تھا کہ زین خان کو پیش نہیں گئی۔ تھوڑی سکھوں نے تین اطراف سے زین خان کے لشکر کا ایک طرح سے قتل عام دیا تھا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے زین خان نے اندازہ لگایا کہ اگر اس نے ابدالی کے انتظار میں جنگ کو طول دینے کی کوشش کی تو سکھ اس کے سارے ل عام کر دیں گے۔ لہٰذا زین خان اپنے لشکر کو لیکر پسپا ہوا اور بھاگ کر سرہند میں جا کر محصور ہو گیا تھا۔

ین خان کی اس شکست سے سکھ شیر ہو گئے تھے وہ چاہتے تھے کہ آگے بڑھ کر کے قلعہ کا محاصرہ کر لیں اور ہر صورت میں زین خان کو شکست دے کر اسے ر کے اسے قتل کریں پر اسی وقت انہیں یہ خبریں پہنچ گئیں کہ احمد شاہ ابدالی ر کے ساتھ بڑی تیزی سے مالیر کوٹلہ کی طرف بڑھ رہا ہے لہٰذا سرہند کی طرف ے بجائے سکھ آگے پیش قدمی کرنے لگے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے متوقع حملے نظر سکھوں نے اپنی عورتوں اور بچوں کو درمیان میں رکھا۔ ان کے گرد ایک گھیرا بناتے ہوئے آگے بڑھنے لگے تھے۔

مد شاہ ابدالی کو سکھوں کے ہاتھوں سرہند کے حاکم زین خان کی شکست کی خبر ملی بڑا دکھ اور افسوس ہوا۔ لہٰذا سکھوں سے نپٹنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے شاہ ان کو اپنے لشکر کے ساتھ حکم دیا کہ تیزی سے سکھوں کا تعاقب کر کے ان کے ضرب لگائے سکھوں کا حلقہ توڑ کر ان کی عورتوں اور بچوں پر گرفت کی جائے کہ احمد شاہ ابدالی کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔

اہ ولی خان نے بڑی برق رفتاری سے سکھوں کا تعاقب کیا اور انہیں سرہند کے ی جا لیا۔ شاہ ولی خان نے اپنے لشکر کی پوری قوت کو مجتمع کرتے ہوئے سکھوں کیا لیکن شاہ ولی خان سکھوں کا حلقہ توڑنے میں بری طرح ناکام رہا۔ احمد شاہ کو جب اس کی خبر ہوئی تو شاہ ولی خان کی مدد کے لئے جہان خان کو بھی اس کے

لشکر کے ساتھ روانہ کیا گیا۔اب ایک طرف سے جہان خان' دوسری طرف سے شاہ ولی خان سکھوں پر ٹوٹ پڑے لیکن سکھوں نے ایسی دلیری اور شجاعت سے مقابلہ کیا کہ نہ تو انہوں نے شاہ ولی خان اور جہان خان کو اپنا حلقہ توڑنے کی اجازت دی اور نہ ہی انہوں نے شاہ ولی خان اور جہان خان کے لشکریوں کو انہوں نے اپنے اندر گھسنے دیا بلکہ بڑے تیز اور خونخوار حملے کرتے ہوئے انہوں نے شاہ ولی خان اور جہان خان دونوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اسی نئی صورت حال کی اطلاع جب احمد شاہ ابدالی کو ہوئی تو اس نے تیز رفتار قاصد سرہند کے حاکم زین خان کی طرف روانہ کیے اور حکم دیا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ ایک بار پھر حرکت میں آئے اور سکھوں کے سامنے کی طرف جم جائے اور ان کی پیش قدمی کو روک دے تاکہ ایک طرف سے جہان خان دوسری طرف سے شاہ ولی خان بھی سکھوں پر ٹوٹ پڑے اور اگر سکھ واپس آنا چاہیں تو پیچھے سے خود احمد شاہ ابدالی پہنچ کر سکھوں کی صفوں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دے گا۔

لیکن زین خان نے قاصد کے ہاتھ احمد شاہ ابدالی کو پیغام بھجوایا کہ سکھوں کے سامنے آنا کوئی معمولی بات نہیں ہے جو لشکر بھی سکھوں کے سامنے آیا سکھ اسے روند اور پیس کر رکھ دیں گے اور اس کے ایک لشکری کو بھی زندہ نہیں رہنے دیں گے۔ اس نے کہلا بھیجا کہ سکھ اس وقت زخمی سانپ کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں اور جو بھی ان کے سامنے آیا اسے ڈستے چلے جائیں گے۔ ان حالات میں زین خان نے سکھوں کے سامنے آنا پسند نہ کیا اور احمد شاہ ابدالی کو اپنی بے بسی اور لاچارگی کا پیغام بھجوا دیا۔ احمد شاہ ابدالی زین خان کا یہ پیغام سن کر کسی قدر برہم ہوا اس نے دوبارہ زین خان کی طرف قاصد بھجوایا کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ سرہند سے نکلے اور سکھوں کے سامنے ان کی پیش قدمی کو روکے ساتھ ہی احمد شاہ نے یہ بھی پیغام بھجوایا کہ وہ اپنے جرنیل شاہ پسند کو اس کے حصے کے لشکر کے ساتھ روانہ کر رہا ہے اور شاہ پسند بھی اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ سکھوں کے سامنے جم کر ان کی پیش قدمی روکنے کی

ش کرے گا۔

زین خان کو جب یہ اطلاع ملی کہ سکھوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے شاہ پسند اپنے لشکر کے ساتھ آ رہا ہے تو اسے کسی قدر حوصلہ ہوا لہٰذا وہ اپنے لشکر کے نکلا اور شاہ پسند کا انتظار کرنے لگا۔ شاہ پسند یعنی عبداللہ جب اپنے لشکر کے زین خان کے پاس پہنچا تو ان دونوں کے درمیان طے پایا کہ دونوں بڑی برق ی سے چکر کاٹتے ہوئے سکھوں کے سامنے آئیں بائیں طرف سے زین خان اور طرف سے عبداللہ اپنے اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کی پیش قدمی روکنے کی ں کریں۔ دونوں جرنیلوں میں جب یہ طے پا گیا تو دونوں بڑی تیزی کے ساتھ لشکروں کو حرکت میں لائے اور سکھوں کے سامنے آنے کی کوشش کرنے لگے

زین خان اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کے بائیں پہلو کے ساتھ ہوتا ہوا ان کے آیا تھا اور ان پر ایک زور دار حملہ کیا تھا لیکن اس کے اس حملے کا خونخوار انے کوئی اثر نہ لیا تھا۔ دوسری طرف دائیں پہلو کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا اہ پسند بھی سکھوں کے سامنے آیا اور سکھوں کے دائیں پہلو کے اگلے حصے پر وہ آگ' موجوں کے بھنور' فسوں بار امنگ' تاریک رات میں ستاروں کے نزول' خوابوں کی کڑک' طوفانوں کے زور کی طرح جوش مارتی حقیقت اور جلوہ در جلوہ ر رنگ تیرگی کے رقص اور اندھیروں کے تلاطم میں انہونی بلاؤں کے ہجوم کی ملہ آور ہوا تھا۔

کھ بھی بڑے تیز' بڑے جنگجو اور جنگ کا وسیع تجربہ رکھنے والے تھے وہ جانتے اگر انہوں نے شاہ پسند سے ٹکراتے ہوئے اپنی پوری قوت صرف کرنے کی ا کی تو دائیں بائیں پہلو سے ان پر شاہ ولی خان اور جہان خان پہلے ہی ضرب لگا یں تو سامنے کی طرف سے شاہ پسند انہیں چکی کے پاٹوں کی طرح پیس کر رکھ ۔ لہٰذا سکھوں نے شاہ پسند سے بچاؤ اور گریز کرتے ہوئے اپنی ساری توجہ اپنی

ساری قوت کو زین خان اور اس کے لشکریوں پر صرف کر دی تھی۔

جس وقت عبداللہ سکھوں پر پیچ کھاتے دھوئیں کے ناگوں' موت کے شعلوں کے پیرہن اور چڑھتے دریا کی خونی موجوں کی طرح حملہ آور ہو رہا تھا اس وقت سکھ کمال جراتمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سنگین حصار کی صورت میں اختیار کر گئے تھے۔ انہوں نے شاہ پسند کو اپنا حصار توڑنے کی اجازت نہ دی تھی تاکہ حصار کے اندر ان کی عورتیں اور بچے کہیں غیر محفوظ نہ ہو جائیں پھر شاہ پسند کو نظر انداز کرتے ہوئے سکھ زین خان اور اس کے لشکریوں کے لئے ہمہ عقوبت ہمہ قیامت' موت کی ظلمت کا طلسم و فسوں بن کر ظلمتوں کے بسیط طوفانوں' شعلہ فشاں' برق ساماں مرگ' صاعقہ بدوش شدتوں کی طرح حملہ آور ہونے لگے۔ وہ قرن اور نرسنگھ کی مہیب آوازوں میں اپنی نقد جانفروشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے زین خان کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔

میدان جنگ زمین کے چیتھڑے اڑاتے' آسمان کے بدن پر خنجر چلاتے طوفانوں کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ جنگ میں کام آنے والے اور مرنے والوں کی تلواریں ڈھالیں۔ نیزے اور برچھے میدان جنگ میں جگہ جگہ بکھرنے لگے تھے۔

سکھوں نے اب اپنی پوری توجہ زین خان کے لشکر پر مبذول کر دی تھی۔ شاید وہ چاہتے تھے کہ زین خان کو اپنی راہ سے ہٹا کر وہ اپنا راستہ صاف کرتے ہوئے ایک طرف نکل بھاگنے میں کامیاب ہو جائیں لہٰذا وہ زین خان کے لشکر پر کچھ اس مہارت سے حملہ آور ہوئے جس طرح کسل انگیز برفیلی ہوائیں خویش اور بیگانہ کو نظر انداز کرتے ہوئے ہر شے میں گھستی چلی جاتی ہیں' جس طرح برق وش و شعلہ رو تیغ اور تیغ نصیب تلوار نامہربان آغوش میں گھستی ہے' لمحوں کے اندر انہوں نے زین خان کے لشکر کی حالت ماتم سرائے اور طوفان زدہ مچھلیوں کی سراسیمگی جیسی کر کے رکھ دی تھی۔

جس وقت سکھ عبداللہ اور اس کے لشکریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ زین خان اور اس کے لشکر پر حملہ آور ہوئے تھے اس وقت

ت کی طرف سے عبداللہ ادائے مراسم مرگ' تقادیم کہنہ اور قدیم اساطیری
رح حملہ آور ہوا تھا اور انہیں ناقابل تلافی جانی نقصان پہنچایا تھا لیکن اس
سکھ زین خان اور اس کے لشکریوں کے ساتھ حیات و موت کی کشمکش کا
تے ہوئے بڑی آسانی کے ساتھ زین خان کے لشکر کو ایک طرف ہٹاتے ہوئے
طرح آگے نکل گئے جیسے ریت سے پانی نکلتا ہے' جیسے رازوں کو عیاں کرتے
ندوں کا پھیلاؤ جیسے صحرا کی سختیوں کا بہاؤ جیسے طوفان و سیلاب کا آہنگ۔ بس
ح سکھ بھی زین خان کو پیچھے ہٹاتے ہوئے اپنی راہ بناتے ہوئے بائیں پہلو کی
ں گئے تھے۔ زین خان اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹنے پر مجبور ہو گیا تھا اس
کھوں نے کچھ اس طرح ٹوٹ کر اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر زین خان کے
لہ کیا تھا کہ زین خان ان کے دباؤ اور ان کی قوت ٹکراؤ کو برداشت نہ کر سکا
بچاؤ کی خاطر اسے پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔

ی سکھ اپنے آپ کو بچا کر اور زین خان کے لشکر کو پیچھے ہٹاتے ہوئے بائیں
ے میں کامیاب ہو گئے تھے تاہم شاہ ولی خان' جہان خان اور عبداللہ ان کے
ر ضرب لگاتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے جبکہ ان کی دیکھا دیکھی زین
مت بھی بڑھی اور وہ بھی آگے بڑھ کر سکھوں کے پہلوؤں پر ضرب لگانے لگا
ان سارے حملوں کی پرواہ کئے بغیر سردار جسا سنگھ اور چڑت سنگھ برابر اپنے
وں اور قافلے والوں کی ہمت بڑھا رہے تھے اور اپنا آپ بچاتے ہوئے آگے
ے تھے۔ اپنے بچے اور عورتوں کو انہوں نے ویسے ہی ایک سنگین حصار کے
ا ہوا تھا اور حملہ آوروں کو وہ ان تک نہ پہنچنے دے رہے تھے۔

وں فریق اسی طرح لڑتے ہوئے موضع گوہل آ پہنچے۔ سکھوں کو یہاں بھی پناہ
ا شہر کے لوگوں نے سکھوں کو اس لئے پناہ نہ دی کہ اگر انہوں نے انہیں پناہ
یں ہر صورت میں احمد شاہ ابدالی کے انتقام کا نشانہ بننا پڑے گا۔ لہٰذا انہوں
ے دروازے بند کر لئے اور سکھوں کو پناہ دینے سے انکار کر دیا۔

یہاں سے روانہ ہو کر سکھوں کا وہ قافلہ نما لشکر سہ پہر کے قریب سی نام کے ایک دیہات کے قریب سے گزرا سکھ چاہتے تھے کہ اس گاؤں میں گھس کر مورچے سنبھال لیں اور تعاقب کرنے والے احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کریں لیکن یہ گاؤں مالیر کوٹلہ کے افغانوں کی ملکیت تھا جن کے ساتھ جنگجو رانگڑھ بھی قیام کئے ہوئے تھے۔ رانگڑوں نے پوری طرح افغانوں کا ساتھ دیا اور افغانوں کی ہدایت پر سکھوں کو گھیر لیا اور ان کی خوب لوٹ مار اور قتل عام شروع کر دیا۔ رانگڑھ ڈھول پیٹتے ہوئے باہر نکلے اور سکھوں کے لشکر کے ایک پہلو پر ٹوٹ پڑے تھے۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے سکھوں کے سردار جسا سنگھ اور چڑت سنگھ نے رانگڑھوں پر ایک ناقابل تلافی ضرب لگائی جسے رانگڑھ برداشت نہ کر سکے اور بھاگ کر اپنے گاؤں میں داخل ہو گئے۔ اس کشمکش میں شاہ ولی خان' جہان خان اور عبداللہ نے سکھوں کے لشکر پر اس قدر زور دار ضربیں لگائیں تھیں کہ ان کی صفوں میں کئی شگاف پڑ گئے اور احمد شاہ ابدالی کے لشکری سکھوں نے بڑی بہادری' جوانمردی اور دلیری سے احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں اور مشتعل رانگڑھ دیہاتیوں کا مقابلہ کیا۔

اس گاؤں سے مایوس ہونے کے بعد سکھ لشکر پھر آگے بڑھا۔ باسی نام کے ایک گاؤں کے پاس پانی کا ایک تالاب تھا سکھ اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر لڑتے ہوئے سخت پیاس محسوس کر رہے تھے۔ لہٰذا جنگ ترک کر کے دونوں لشکر پانی پر ٹوٹ پڑے اس طرح جنگ کچھ دیر کے لئے ملتوی ہو گئی تھی۔ اس کے بعد جب سکھوں نے پھر پیش قدمی شروع کی تو جنگ کا ایک بار پھر آغاز ہو گیا مگر اس میں کوئی شدت پیدا نہ ہو سکی اس لئے کہ سکھ لشکر کے برنالہ تک پہنچتے پہنچتے شام ہو چکی تھی پیچھے سے گو احمد شاہ ابدالی بھی اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ کر سکھوں پر ضربیں لگانے لگا تھا لیکن یہاں احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیدیا ایک تو اس کی فوج بری طرح تھک چکی تھی اور دشمن کا مزید تعاقب ناممکن تھا۔

دوسرے احمد شاہ ابدالی کے سپاہیوں نے چھتیس گھنٹے لگا تار سکھوں کا تعاقب

ہوئے قریباً ڈیڑھ سو میل کا سفر طے کیا تھا اور سکھوں جیسے سخت جان دشمن لسل کئی گھنٹے جنگ جاری رکھی۔ اس جنگ کے دوران عبداللہ' شاہ ولی خان اور خان نے تقریباً دس ہزار سکھوں کو تہہ تیغ کیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی کا لشکر سکھوں کا ب کرتے ہوئے ایک خشک ریتیلے ریگستان پہنچ گیا۔ احمد شاہ ابدالی نے تعاقب کر دیا اس لئے کہ اسے ڈر تھا کہ کہیں سکھ تازہ دم کمک لے کر اس کے لشکریوں ٹ پڑیں لہٰذا وہ کوئی غیر ضروری خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں تھا۔

ایک دن میں دس ہزار جانوں کا نقصان سکھوں کے لئے ایک عظیم سانحہ کی ی رکھتا تھا۔ اس لئے اس لڑائی کو سکھوں نے وڈا گھالوہ یعنی عظیم قتل عام کا نام ا۔

سکھوں کا لشکر نامعلوم منزل کی طرف بچ کر نکل گیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی تعاقب کر کے برنالہ شہر کی طرف آیا۔ برنالہ شہر اس وقت پٹیالہ کے سردار آلا سنگھ کی میں شامل تھا۔ آلا سنگھ نے اس وقت جبکہ احمد شاہ ابدالی برنالہ کی طرف بڑھ رہا ائی گڑھ میں ایک قلعے میں قیام کر رکھا تھا جب اسے احمد شاہ ابدالی کے اپنے شہر کی طرف پیش قدمی کرنے کا علم ہوا تو وہ بڑی برق رفتاری کے ساتھ اپنے چند دستوں کے ساتھ ہوائی گڑھ کے قلعے سے نکلا اور احمد شاہ ابدالی کی طرف بڑھا۔

احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہو کر آلا سنگھ نے چھ لاکھ پچیس ہزار روپے رقم پیش کی اس میں سے ایک لاکھ پچیس ہزار روپیہ محض اس مقصد کے لئے گھ نے پیش کیا کہ اسے سر اور داڑھی کے بالوں سمیت اپنے حضور میں آنے کی ت دیدے۔

احمد شاہ ابدالی نے آلا سنگھ کو ملاقات کا شرف بخشا' آلا سنگھ نے احمد شاہ ابدالی یہ وعدہ بھی کیا کہ وہ آئندہ مالیانے کا ایک حصہ احمد شاہ ابدالی کو باقاعدگی سے ارہے گا۔ آلا سنگھ کی اطاعت سے خوش ہو کر احمد شاہ ابدالی نے اس کے علاقے پر ر کرنے کا خیال ترک کر دیا تاہم آلا سنگھ کو اس کے امتحان کی خاطر کچھ عرصہ تک

ایک خیمے میں بند رکھا گیا بعد میں شاہ ولی خان کی سفارش پر اسے رہا کر دیا گیا۔ ب
سے نکل کر احمد شاہ ابدالی سرہند شہر میں آیا یہاں چند روز اس نے قیام کیا۔ زین
کو اس نے بدستور سرہند کا گورنر رہنے دیا پھر احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ لا
کی طرف روانہ ہوا۔ لاہور جاتے ہوئے احمد شاہ ابدالی اپنے ساتھ سکھوں کے
ہوئے سروں سے بھری ہوئی پچاس گاڑیاں اور ایک کثیر تعداد قیدیوں کی لے گیا
تھا۔ ایسا اس نے اس لئے کیا تھا کہ جہاں جہاں سے وہ گزریں سکھ کٹے ہوئے سر
اور اپنے قیدیوں کا نظارہ کریں اور آئندہ خوفزدہ ہو کر احمد شاہ ابدالی کے خلاف بغاو
اور سرکشی پر آمادہ نہ ہوں۔

احمد شاہ ابدالی نے چند روز تک اپنے لشکر کے ساتھ لاہور شہر میں قیام کیا۔ یہ
سے قندھار واپس جانے سے پہلے وہ سکھوں کی طاقت اور قوت کو بالکل توڑ کر رکھ
دینا چاہتا تھا لہٰذا ایک بار پھر وہ تازہ دم ہو کر اپنے لشکر کے ساتھ لاہور سے نکلا
امرتسر پہنچا۔ یہاں پہنچ کر اس نے حکم دیا کہ ہرمندر نام کے سکھ گردوارے اور ا
کی ملحقہ عمارات کو بارود سے اڑا دیا جائے اس کے بعد اس نے سکھوں کے مقد
تالاب کو بھی پٹوا کر رکھ دیا تھا۔

امرتسر کی تباہی و بربادی کے بعد احمد شاہ ابدالی یہ سمجھنے لگا تھا کہ سکھوں کی طاق
کو اس نے یکسر ختم کر کے رکھ دیا ہے لہٰذا قندھار جانے سے پہلے وہ مرہٹوں کے سا
بھی اپنے معاملات درست کرنا چاہتا تھا۔ مرہٹوں کا پیشوا بالاجی راؤ تو چند روز بیمار رہ
مر چکا تھا اب اس کی جگہ اس کا بیٹا مادھو راؤ تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی کے وقت
اس مادھو راؤ کی عمر صرف سترہ سال تھی۔ یہ ایک ناتجربہ کار لڑکا تھا اس کے علاوہ جس
وقت احمد شاہ ابدالی پنجاب میں سکھوں کے ساتھ الجھا ہوا تھا مادھو راؤ جنوبی ہندوستان
کے معاملات میں ایسا پھنسا ہوا تھا کہ شمالی ہند کی سیاست سے کوئی دلچسپی ہی نہ رکھ
تھی۔

اس کے باوجود احمد شاہ ابدالی مرہٹوں سے مصالحت اور صلح جوئی کا بے ان

خواہشمند تھا چونکہ وہ جانتا تھا کہ مرہٹوں کے بغیر پنجاب پر چین سے حکومت کرنا ناممکن ہے۔ سکھوں کی سرکوبی کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو صلح کی گفتگو کرنے کی پیش کش کی۔

اس پیش کش پر مرہٹوں نے اپنے دو سفیر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں روانہ کیے۔ ایک باپوجی' دوسرا پرشوتم' باپوجی مارچ کے وسط میں احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا اور اس کے کچھ ہی دن بعد پرشوتم بھی اپنے پیشوا جی کی اجازت ملنے پر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ کچھ دن تک مرہٹوں کے سفیروں اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان صلح کی گفتگو ہوتی رہی اس گفتگو میں شاہ ولی خان' جہان خان' عبداللہ اور برخوردار خان بھی شامل تھے۔ گو احمد شاہ ابدالی مرہٹوں کی کسی بھی شرط کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا اس لئے کہ وہ ان سے کوئی معاہدہ بغیر کسی پیشگی شرط کے کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف شاہ ولی خان مرہٹوں کو خالی ہاتھ بھیجنے کے حق میں نہ تھا۔ لہٰذا اس نے احمد شاہ ابدالی کو ترغیب دی کہ اگر ہم مادھو راؤ کو مرہٹہ سلطنت کا سربراہ تسلیم کر لیں تو میرا خیال ہے کہ ہمارے ایسا کرنے سے آئندہ مرہٹے پنجاب پر حملہ آور نہیں ہو سکیں گے اس طرح ایک صوبے کی حیثیت سے پنجاب میں ہمارے لئے امن و سکون قائم ہو جائے گا۔

احمد شاہ ابدالی نے شاہ ولی خان کی اس تجویز کو بے حد پسند کیا لہٰذا احمد شاہ نے دونوں سفیروں کی معرفت ان کے پیشوا مادھو راؤ کی بادشاہت کا پروانہ اور ایک سادہ کاغذ پر زعفرانی رنگ میں اپنی ہتھیلی کا نشان لگا کر بھیجا۔ یہ ایک طرح سے مرہٹوں کے پیشوا مادھو راؤ کے نام امن و صلح کا پیغام تھا۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے بیش بہا خلعت' قیمتی جواہرات اور بہت سے ہاتھی گھوڑے بھی مادھو راؤ کو "تحفتاً" روانہ کیے۔ اس طرح مادھو راؤ کے ساتھ اس طرح کا سلوک کر کے احمد شاہ ابدالی نے مرہٹوں کو آئندہ کے لئے پنجاب کی سیاست سے بالکل بے دخل کر کے رکھ دیا تھا۔

ہندوستان کے معاملات کو کسی قدر درست کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے کشمیر

کی طرف دھیان دیا۔ کشمیر پر احمد شاہ ابدالی نے اپنے ایک جرنیل خواجہ کچک کو کشمیر کا حکمران اور ایک سکھ سکھ جیون کو اس کا مددگار مقرر کیا ہوا تھا۔ کچھ عرصے تک کشمیر کا معاملہ بخیر و خوبی چلتا رہا پھر سکھ جیون حرکت میں آیا اس نے کشمیر کے حکمران خواجہ کچک کو پہلے قید کر دیا اس کے بعد کشمیر سے نکال باہر کیا اور وہ ہندوستان کے مغل شہنشاہ کے وزیر غازی الدین سے جوڑ توڑ کرنے لگا۔ غازی الدین نے اندر ہی اندر سازش کر کے مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی سے سکھ جیون کو کشمیر کا حاکم مقرر کرا دیا تھا۔ یہ سراسر اصولوں کی خلاف ورزی تھی اس لئے کہ کشمیر پر احمد شاہ ابدالی کا قبضہ تھا اور احمد شاہ ابدالی ہی کشمیر پر کسی کو حاکم مقرر کرنے کا مجاز تھا۔

سکھ جیون گو ایک بڑا انسانیت پسند روشن خیال حکمران ثابت ہوا۔ وہ بڑا سخی اور مذہبی معاملات میں بے حد وسیع النظر تھا۔ اس کے حکم سے کشمیر میں مسلمانوں کے تمام مکاتب اور باغات کی درستگی کی گئی اور ان کی مناسب دیکھ بھال کا انتظام ہوا۔ وہ روزانہ بہت سے مسلمانوں کو کھانا کھلاتا تھا اور ہر ماہ کی بارہ اور پندرہ کو بلا تخصیص مذہب غربا کی ایک بڑی تعداد کو اپنے ہاتھوں سے کھانا تقسیم کیا کرتا تھا۔

درویشوں اور فقیروں سے اسے خاص طور پر دلچسپی اور لگاؤ تھا۔ اس کے علاوہ وہ بڑا علم پرور اور عدل کا بھی مربی تھا۔ اس کے دور میں ہر ہفتے ایک عام مشاعرہ ہوتا جس میں کشمیر کے تمام شاعر شرکت کرتے اور اپنا اپنا کلام پیش کرتے۔ اس نے کشمیر کی ایک مستند تاریخ لکھوانے کا بھی اہتمام کیا۔

اس مقصد کے لئے اس نے چوٹی کے علماء کا انتخاب کیا ان میں سے ہر ایک کی مدد کے لئے دس دس ممتاز علما مامور ہوئے۔ اس طرح سکھ جیون نے کشمیر کی بہتری کے لئے اور بھی بہت سے کام سرانجام دیئے۔

لیکن احمد شاہ ابدالی سکھ جیون کو کسی بھی صورت برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اول یہ کہ اس نے احمد شاہ ابدالی کے کشمیر کے والی خواجہ کچک کو مار بھگایا تھا۔ دوئم یہ کہ کشمیر چونکہ احمد شاہ ابدالی کی سلطنت میں شامل تھا اس کے باوجود سکھ

نے احمد شاہ ابدالی کو نظرانداز کر کے مغل حکومت سے سازباز کر کے اپنے لئے ر کی امارت حاصل کر لی تھی۔ سکھ جیون کے یہ دونوں ہی کام احمد شاہ ابدالی کو نظر نہ بھائے تھے۔

سکھ جیون سے نپٹنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ایک راس نے اپنے جرنیل نور الدین برے زئی کی کمانداری میں تیار کیا جسے کشمیر پر آور ہو کر سکھ جیون کو مار بھگانا تھا۔ کشمیر پر حملہ آور ہونے والے نور الدین ے زئی کے لشکر کو فتح مند کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی نے دوسرا کام یہ کیا کہ اس جموں کے راجہ رنجیت دیو کو فوراً" حکم دیا کہ وہ لاہور میں اس کی خدمت میں پیش ۔ رنجیت دیو کو جونہی احمد شاہ ابدالی کا پیغام ملا وہ اپنے بیٹوں کے ساتھ احمد شاہ دالی کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا۔ احمد شاہ ابدالی نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کو م دیا کہ وہ کشمیر پر حملہ آور ہونے میں اس کے جرنیل نور الدین برے زئی کی نہ رف مدد کرے بلکہ رہنمائی کا سامان بھی فراہم کرے۔ احمد شاہ ابدالی کے حکم کا اتباع رتے ہوئے جموں کے راجہ رنجیت دیو نے اپنے بیٹے برج راج دیو کو نور الدین کے راہ کر دیا تاکہ وہ کشمیر پر حملہ آور ہونے میں نور الدین کی مدد کرے۔

نور الدین برے زئی جموں کے راجہ رنجیت دیو کے بیٹے برج راج دیو کی رہبری ں جب کشمیر پر حملہ آور ہوا تو سکھ جیون حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے پہلے ے تیار تھا۔ اس نے تمام پہاڑی دروں پر دفاع کے استحکامات کر لئے تھے لیکن اس کے باوجود نور الدین برے زئی اس زور دار طریقے سے حملہ آور ہوا کہ ان دروں کے ذریعے سے وہ کشمیر میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا۔ وے سوس چیرہ کے مقام پر سکھ جیون اور نور الدین برے زئی کے درمیان گھمسان کا رن پڑا۔ سکھ جیون کے لشکر کی کمانداری اس کا ایک رشتہ دار کر رہا تھا جو زیادہ دیر تک نور الدین برے زئی کا مقابلہ نہ کر سکا اور میدان چھوڑ کر بھاگ گیا۔

یہ صورت حال دیکھ کر سکھ جیون بھی فرار ہو گیا لیکن راستے میں اسے ایک

شخص نے پکڑ لیا اور نور الدین کے حوالے کر دیا۔ نور الدین نے سکھ جیون کی آنکھیں نکلوا کر اسے احمد شاہ ابدالی کے پاس لاہور بھجوا دیا اور احمد شاہ ابدالی نے سکھ جیون کی گردن کاٹ کر رکھ دی۔ کشمیر فتح کرنے کے صلے میں احمد شاہ ابدالی نے نور الدین برے زئی کو کشمیر کا حاکم مقرر کر دیا جبکہ جموں کے راجہ رنجیت دیو کو کشمیر فتح کرنے میں نور الدین برے زئی کی رہنمائی کرنے کے صلے میں کشمیر سے اسے سالانہ آٹھ ہزار بوری چاول ملنے کا حکم احمد شاہ ابدالی نے جاری کیا تھا۔



سکھوں کے گزشتہ قتل عام سے سکھوں کے حوصلے پست نہ ہوئے تھے۔ تین ماہ نہ گزر پائے تھے اور احمد شاہ ابدالی نے بھی لاہور ہی میں قیام کیا ہوا تھا کہ انہوں نے ایک بہت بڑا لشکر تیار کر لیا اور زین خان کے خلاف سرکشی کرنے کے لئے انہوں نے سرہند کا رخ کیا۔ زین خان اپنے لشکر کے ساتھ مقابلے کے لئے نکلا لیکن سکھوں نے اسے بدترین شکست دی لہٰذا زین خان بھاگ کر سرہند کے قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔

زین خان کی شکست سے سکھ شیر ہو کر ہر طرف پھیل گئے اور ہر سمت انہوں نے سرکشی شروع کر دی تھی۔ سردار جسا سنگھ اور ایک دوسرے سکھ سردار تارا سنگھ نے جالندھر دو آب کو تاراج کر دیا اور سردار چڑت سنگھ نے بھنگی سنگھ سردار کو ساتھ ملا کر لاہور کے شمال اور شمال مغرب میں تباہی مچانی شروع کر دی تھی۔

اس کے علاوہ ستمبر کے وسط میں سکھوں کا ایک جرار لشکر پانی پت کرنال کے نواح میں خیمہ زن ہوا لیکن بیساکھی کا تہوار چونکہ نزدیک آ گیا تھا لہٰذا کچھ مدت کے لئے سکھ لشکری اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے اس کے بعد اکتوبر کے دوسرے ہفتے میں وہ امرتسر میں جمع ہوئے اس وقت ان کی سوار اور پیادہ فوج کی تعداد ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ اس قدر لشکر تیار کرنے کے بعد سکھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ احمد شاہ ابدالی سے اپنے گھالو گھارا یعنی عظیم قتل عام کا انتقام ضرور لیکر رہیں گے۔

ان کی سرکشی اور یلغار کی خبر پاتے ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے کچھ سفیر اپنے

ے بنا کر صلح کی گفت و شنید کے لئے سکھ سرداروں کی طرف روانہ کئے تاکہ خرابے کی نوبت نہ آئے لیکن سکھوں نے احمد شاہ ابدالی کے سفیروں سے کوئی تک نہ کی بلکہ انہیں لوٹ کر اپنے لشکر سے بھاگ جانے پر مجبور کر دیا تھا۔

صلح کی تمام کوششوں کو رائیگاں جاتے دیکھ کر احمد شاہ ابدالی اکتوبر کے مہینے میں الی سے ایک دن پہلے لاہور سے کوچ کر کے امرتسر پہنچا۔ اگلے روز صبح سکھوں کا رصف آرا ہو کر احمد شاہ ابدالی پر حملہ آور ہوا۔ صبح سے لیکر شام تک خونریز جنگ ی رہی اور رات کی تاریکی پڑنے پر بلا کسی فیصلے کے جنگ ختم ہو گئی۔ سکھوں نے رچہ اس جنگ میں بہترین شجاعت اور عزم کا اظہار کیا تھا اور خود احمد شاہ ابدالی بھی ن کی شجاعت اور دلیری سے متاثر ہوا تھا لیکن سکھوں کو یقین تھا کہ امرتسر میں بھی یں احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں بدترین شکست ہو گی۔ لہٰذا کچھ سکھ راتوں رات ہی اہ لینے کی خاطر لاکھی کے جنگل کی طرف چلے گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی بھی اپنی لشکری ت میں مزید اضافہ کرنے کے لئے امرتسر سے لاہور واپس چلا آیا۔

احمد شاہ ابدالی کے امرتسر سے لاہور چلے آنے کے بعد لاکھی جنگل کی طرف بھاگنے والے سکھ پھر امرتسر میں آ جمع ہوئے تھے۔ اتنی دیر تک احمد شاہ ابدالی بھی اپنے لشکر کی تعداد بڑھانے اور رسد کا وافر سامان مہیا کرنے کے بعد ایک بار پھر اپنے لشکر کو لے کر امرتسر کی طرف بڑھا۔ سکھوں کو جب احمد شاہ ابدالی کے امرتسر کی طرف آنے کی خبریں ملیں تو وہ ایک بار پھر لاکھی کے جنگل میں جا کر روپوش ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے لاکھی کے جنگل تک ان کا تعاقب کیا اور اس تعاقب میں جب احمد شاہ ابدالی ماجھا کے علاقے میں شکار کھیل رہا تھا تو سکھوں نے اس پر حملہ کر دیا لیکن ان کا مقابلہ کرنے کے لئے احمد شاہ ابدالی کا لشکر تیار تھا۔ ماجھا کے علاقے میں سکھوں اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان ایک ہولناک اور خون ریز جنگ ہوئی جس میں سکھوں کو شکست ہوئی اور وہ لاکھی کے جنگل کی طرف بھاگ گئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی ان کے پیچھے پیچھے ان کا شکار کرتا ہوا لاکھی کے جنگل میں داخل

ہوا۔ یہاں بھی اس نے سکھوں پر زور دار حملے کیے۔ ان گنت سکھوں کو اس نے موت کے گھاٹ اتارا کچھ کو اس نے قیدی بنا لیا۔ اس کے بعد شاید سکھوں میں مقابلے کی سکت نہ رہی تھی اور وہ لاکھی جنگل کے دور دراز علاقوں کی طرف پناہ لینے کی خاطر بھاگ گئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی ایک بار پھر سکھوں کی سرکوبی کرنے کے بعد اپنے لشکر کے ساتھ لاہور واپس آگیا تھا۔

سکھوں کے ساتھ اس جنگ میں احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کا ایک حصہ لاہور میں اپنے پڑاؤ ہی میں چھوڑ گیا تھا اور لشکر میں جس قدر عورتیں بچے تھے وہ بھی اس پڑاؤ میں رکھے گئے تھے۔ لاکھی جنگل سے احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ جب لاہور کے نواح میں اپنے پڑاؤ میں داخل ہوا اور عبداللہ اپنے خیمے کے دروازے پر آیا تو اس نے دیکھا حسین و جمیل پرکشش وینا خیمہ کے دروازے پر کھڑی تھی جب عبداللہ خیمے میں داخل ہونے لگا تو وینا اس کی راہ روک کھڑی ہوئی اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ خیمے میں داخل ہونے سے پہلے میں آپ کو ایک خوش خبری سناتی ہوں پر آپ یہ بتائے کہ وہ خوش خبری سنانے پر آپ مجھے کیا انعام دیں گے۔ اس پر عبداللہ نے بڑے غور سے وینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تم خوش خبری سناؤ کیا ہے یہ خیمہ پورے کا پورا تمہارا ہی ہے اور اس کے اندر جس قدر نقدی ہے اس کی بھی تم مالک ہو پھر تمہیں کیا چاہیے۔ اس پر وینا نے ہار مانتے ہوئے کہا آپ نے بات ہی ایسی کہہ دی ہے کہ مزید کچھ مانگنے کی اب ضرورت ہی محسوس نہیں ہوتی بہرحال میں آپ کو یہ خوشخبری سناؤں کہ آپ کے ہاں بیٹا ہوا ہے میں اور کامنی دونوں بہنوں نے اس کا نام آپ کی آمد سے پہلے ہی بیرم خان رکھ دیا ہے مجھے امید ہے کہ آپ اس نام کو پسند کریں گے اس لئے کہ یہ آپ کے مرنے والے باپ کا نام ہے۔ یہ ایک خوشخبری ہے اور شاہ پسند دوسری خوش خبری یہ ہے کہ میں نے سچے دل سے اسلام قبول کر لیا ہے اب میں آپ اور کامنی کی طرح مسلمان ہوں اور خدائے واحد کی بندگی اور عبادت کرنے والی ہوں۔ اس پر عبداللہ کو وینا کے اس انکشاف پر ایسا والہانہ پیار آیا کہ اس نے آگے بڑھ کر وینا کی پیشانی چوم لی اور کہنے لگا وینا تو نے مجھے دو خوشخبریاں دے کر بڑی تھکاوٹ ہی نہیں رفع کر دی بلکہ مجھے ایسی خوشیاں دی ہیں جن کی کوئی انتہا جن کوئی انت نہیں ہے۔ وینا پھر بڑے پیارے انداز اور نرم لہجے میں کہنے لگی۔

اب آپ باہر کیوں کھڑے ہیں اندر آ جائیں۔ اندر آنا آپ کے لئے منع تو نہیں ہے۔ عبداللہ مسکراتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اندر خیمے کے ایک کونے میں قالین کے اوپر دو تین توشک نیچے اوپر بچھائے گئے تھے اور ان کے اوپر کامنی لیٹی ہوئی تھی اس کے سامنے اس کا بچہ تھا۔ ان کے قریب ہی عبداللہ کے چچا زاد بھائی قاسم کی بیوی ارزون بیٹھی ہوئی تھی۔ عبداللہ جوں ہی اس طرف آیا ارزون اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی اور عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

عبداللہ میرے بھائی میں آپ کو بیٹے کی پیدائش پر مبارکباد دیتی ہوں۔ عبداللہ جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ خیمے میں اس کا چچا زاد بھائی قاسم خان اپنے بیٹے کی انگلی پکڑے داخل ہوا۔ عبداللہ نے پہلے جھک کر قاسم کے بیٹے کو پیار کیا پھر قاسم نے عبداللہ کو گلے لگاتے ہوئے اس کی پیشانی اس کے گال چومے۔ پھر وہ اس کے کان میں کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بھائی میرے عزیز میں تمہیں بیٹے کی پیدائش پر مبارکباد دیتا ہوں۔ بیٹے کا نام تمہاری غیر موجودگی میں ہی بیرم خان رکھ دیا گیا ہے۔ میرے خیال میں تمہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں گا۔ اس پر عبداللہ اپنے سامنے لیٹی ہوئی کامنی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔

اس سے بہتر اس سے اچھا نام میرے لئے کیا ہو سکتا ہے۔ مجھے فخر ہے کہ میرے بیٹے کا نام بیرم خان رکھا گیا ہے۔ عبداللہ جب خاموش ہوا تو ہاتھ کے اشارے سے کامنی نے وینا کو پاس بلایا۔ وینا جب اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی اور اپنا کان کامنی کے منہ کے پاس لے گئی۔ کامنی بڑی راز داری میں وینا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ دیکھ وینا پہلے شاہ پسند کے غسل کا بندوبست کرو۔ ان کا لباس تبدیل کراؤ اور انہیں کھانا دو۔ پھر انہیں ساتھ لے کر میرے پاس آ کر بیٹھو۔ وینا بلا جھجک آگے بڑھی اور عبداللہ کا

بازو پکڑتے ہوئے کہا آپ میرے ساتھ آئیے۔ پہلے غسل کیجئے۔ لباس تبدیل کیجئے پھر میں آپ کو کھانا دیتی ہوں۔ عبداللہ چپ چاپ وینا کے ساتھ ہو لیا تھا۔ پہلے اس نے غسل کیا وینا نے اس کا لباس تبدیل کرایا اس کے بعد اسے کھانا دیا پھر وہ سب کامنی کے ساتھ بیٹھ کر خوشی خوشی آپس میں باتیں کرنے لگے تھے۔

عین اس موقع پر درویش عبیداللہ خیمے میں داخل ہوا۔ پہلے وہ بغلگیر ہو کر عبداللہ سے ملا پھر اسے بیٹے کی مبارکباد دی پھر وہ ان کے قریب ہی بیٹھ گیا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے جہاں تمہیں بیٹے کی پیدائش کی خوشخبری ملی ہے وہاں میں تمہارے لئے ایک اور خوشخبری لے کر آیا ہوں اس پر عبداللہ نے چونک کر درویش عبیداللہ کی طرف دیکھا اور پوچھا عم کیسی خوشخبری جواب میں درویش عبیداللہ کہنے لگا۔

میں نے تمہارے دوسرے بدترین دشمن کابل کے سابق گورنر نصیر خان کو تلاش کر لیا ہے۔ اس پر عبداللہ نے بڑی بے چینی' بڑی بے تابی میں درویش عبیداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس وقت کہاں ہے کہ میں اس پر حملہ آور ہو کر اسے ٹھکانے لگا سکوں۔ اس پر درویش عبیداللہ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ عبداللہ میں نے جو آدمی اس کے تلاش کرنے کے لئے روانہ کیے تھے وہ لوٹ آئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ گجرات شہر کے کابلی گیٹ سے جب اندر داخل ہوں تو سامنے ایک اونچی اور کافی بلند سطح مرتفع آتی ہے۔ پرانے لوگوں کا کہنا ہے کہ یہاں کبھی کوئی قدیم شہر تباہ و برباد ہوا تھا۔ جہاں پر اونچان شروع ہوتی ہے اس سے کچھ آگے اونچائی پر جائیں تو دائیں ہاتھ پر ایک قلعہ نما مکان آتا ہے یہ مکان ایک ایسے شخص کا ہے جس پر نصیر خان ماضیٔ میں بہت احسانات کرتا رہا ہے۔ لہٰذا نصیر خان اسی مکان میں گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہے چونکہ پنجاب کے چند ضلعوں کا مالیہ نصیر خان کے ذمے تھا لہٰذا اس نے اس نے کروڑوں روپیہ کمایا ہے۔ اس کی مالی حالت بہت اچھی ہے جس کی بنا پر اس نے اپنی حفاظت کے لئے ایک دستہ مسلح سپاہیوں کا

ہوا ہے۔ یہ محافظ اس مکان کی دیواروں اور چھتوں پر بنے ہوئے برجوں میں ہمہ نصیر خان کی حفاظت کے لئے پہرہ دیتے رہتے ہیں۔ لہٰذا عبداللہ میرے بیٹے نصیر سوچ سمجھ کر ہاتھ ڈالنا۔

اور ہاں عبداللہ میرے بیٹے نصیر خاں کا پتہ لگانے والے میرے آدمی یہ بھی کہہ تھے کہ گجرات کے کابلی گیٹ سے باہر ایک سرائے ہے اس سرائے کا نام ہی سرائے ہے اس سرائے کے مالک کا نام عبدالصمد ہے اور یہ سرائے کا مالک لصمد بھی میرے آدمیوں کا کہنا ہے کہ نہ صرف نصیر کا جاننے والا ہے بلکہ وہ نصیر کا احسان مند بھی ہے۔ رات کے وقت یہ نصیر خان سنا ہے کہ اکثر اس سرائے ہی آ کر کچھ دیر کے لئے قیام کرتا ہے لوگوں کے ساتھ وہاں جوا کھیل کر دل بہلاتا ہے۔ اب دیکھ میرے بیٹے میں نے ساری تفصیل تم سے کہہ دی ہے۔ اب جس طرح مناسب سمجھو اس نصیر خان سے انتقام لو۔

اور ہاں اس سارے معاملے کی خبر میں احمد شاہ ابدالی کو بھی کر چکا ہوں لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے تمہیں اپنے خیمے میں طلب کیا ہے۔ وہ اس وقت اپنے خیمے میں اکیلا ہی ہے اور بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔ درویش عبیداللہ کے یہ الفاظ سنتے ہی عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کامنی اور وینا قاسم اور ارزون کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ لوگ سب بیٹھیں میں ذرا پاشا سے مل کر آتا ہوں۔ اس طرح عبداللہ اور درویش عبیداللہ دونوں خیمے سے نکل گئے تھے۔

عبداللہ اور درویش عبیداللہ جب احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں داخل ہوئے تو احمد شاہ ابدالی واقعی اس وقت اپنے ملاقات کے کمرے میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا جوں ہی عبداللہ اور درویش عبیداللہ خیمے میں داخل ہوئے اپنے قریبی نشستوں پر ہاتھ مارتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے ان دونوں کو وہاں بیٹھنے کے لئے کہا۔ دونوں بیٹھ گئے تو احمد شاہ بولا اور عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے کیسی خوش قسمتی کہ درویش عبیداللہ نے اپنے جو آدمی نصیر

خان کو تلاش کرنے کے لئے لگا رکھے تھے انہوں نے نصیر خان کو تلاش کر لیا ہے
درویش عبیداللہ نے تمہیں بتا دیا ہو گا کہ نصیر خان ان دنوں گجرات شہر کے کالی گر
کے اندر ایک قلعہ نما مکان میں قیام کئے ہوئے ہے۔ میرے خیال میں اب جبکہ
نے مرہٹوں کی قوت ختم کر دی ہے سکھوں کی طاقت بھی توڑ پھوڑ کر رکھ دی ہے تو
اپنے لشکر میں سے چند دستے اپنے ساتھ لے کر گجرات شہر کی طرف جاؤ اور نصیر خا
کا خاتمہ کر کے اپنی بائیں ٹانگ کو بھی لوہے کے کڑے سے نجات دلاؤ یہاں تک ک
کے بعد احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہو
کہہ رہا تھا۔

دیکھ شاہ پسند بیٹے اس بار یہ ضد نہ کرنا کہ نصیر خان کا خاتمہ کرنے کے لئے
اکیلے ہی جاؤ گے جس طرح تم ہرات کے سابق حکمران امیر خان کا خاتمہ کرنے کے
لئے چلے گئے تھے۔ دیکھ بیٹے نصیر خان نے اپنی حفاظت کے لئے مسلح دستے رکھے ہو
ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں لہٰذا اس سے انتقام لینے کے ل
تمہارا اکیلے جانا حماقت پر مبنی ہو گا۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

پاشا میں آپ کے مشورے آپ کی ہمدردی کا بے حد ممنون ہوں آپ بے فک
رہیں۔ میں اپنے لشکر سے چند دستے اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا اور اگر نصیر خان نے
میرا مقابلہ کرنے کی کوشش کی تو میں اسے اس طرح ماروں گا جس طرح بھیڑئے
لومڑیوں کو گھیر کر ان کا شکار کرتے ہیں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی نے خوشی کا اظہار کرتے
ہوئے پوچھا۔

تم نصیر خان کا خاتمہ کرنے کے لئے گجرات شہر کی طرف کب تک روانہ ہو گے
اس پر عبداللہ کہنے لگا۔ آج رات میں اپنے خیمے میں آرام کروں گا۔ اس پر احمد شا
ابدالی فوراً" اس کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا ہاں عبداللہ میرے بیٹے مجھے یہ تو خیال ن
نہ رہا کہ تمہیں خداوند قدوس نے ایک فرزند دیا ہے۔ میں تمہیں بیٹے کی پیدائش پ
مبارکباد دیتا ہوں۔ میری طرف سے میری بیٹی کامنی کو بھی مبارکباد دینا۔ ہاں تم کہہ

تھے کہ آج رات تم خیمے میں آرام کرو گے۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔
آج کی شب میں اپنے بیٹے اور کامنی کے ساتھ گزاروں گا اور اگلے روز میں صبح
ح اپنے چند دستوں کو لے کر گجرات شہر کی طرف کوچ کر جاؤں گا۔ درویش
للہ بھی میرے ساتھ جائیں گے کیونکہ یہ نصیر خان کو اس کی شکل سے پہچانتے
لہٰذا مجھے اس کا خاتمہ کرنے میں آسانی رہے گی۔ اس پر احمد شاہ ابدالی اپنی خوشی
اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو میرے بیٹے تمہیں ضرور آج کی رات اپنے خیمے میں اپنی بیوی اور بچے کے
پرسکون رات گزارنی چاہیے اور اگلے روز تم اپنے چند محافظ دستے لے کر
ت کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ یہ ایک معاملہ تو طے ہوا۔ اب مجھے تمہارے ساتھ
ا معاملہ بھی طے کرنا ہے۔ اس پر عبداللہ نے چونک کر پاشا کی طرف دیکھا اور
قدر پریشان لہجے میں پوچھا۔ دوسرا معاملہ کون سا ہے پاشا۔ احمد شاہ ابدالی
اتے ہوئے کہنے لگا۔

دوسرا معاملہ وینا کا معاملہ ہے میرے بیٹے۔ وینا یعنی کامنی کی چچا زاد بہن جس
تمہارے اور کامنی کے ساتھ تمہارے خیمے میں قیام کر رکھا ہے۔ میں نے سنا ہے
سچے دل سے مسلمان ہو چکی ہے اور وہ تمہیں پسند بھی کرتی ہے۔ دیکھو بیٹے جب
نہیں پسند کرتی ہے تو میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم وینا سے بھی شادی کر لو۔
پر عبداللہ گردن جھکاتے ہوئے کہنے لگا پاشا آپ کا اندازہ درست ہے۔ وینا واقعی
ام قبول کر چکی ہے اور اس نے اپنے آپ کو واقعی اس جہت میں ڈھال لیا ہے کہ
اسے اپنی زندگی کا ساتھی بنا لوں۔ پاشا میں آپ کے مشورے کے مطابق عنقریب
سے شادی کر لوں گا۔ عبداللہ کا یہ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی اور درویش عبیداللہ
ؤں کے چہروں پر بے پایاں مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر احمد شاہ ابدالی فیصلہ کن
از میں بولا اور کہنے لگا۔ بیٹے بس میں انہی موضوعات پر تمہارے ساتھ گفتگو کرنا
نا تھا۔ اب تم جاؤ اپنے خیمے میں جا کر آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ اور

درویش عبیداللہ بھی احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکل گئے تھے۔

عبداللہ اور درویش عبیداللہ دونوں ایک ساتھ خیمے میں داخل ہوئے۔ تا ارزون ان کا بیٹا اور وینا اسی طرح کامنی کے اردگرد بیٹھے گفتگو کرتے ہوئے اس کا دل بہلا رہے تھے۔ عبداللہ بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گیا جبکہ درویش عبیداللہ نے وینا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ وینا میری بیٹی میری بچی کھانے کو کچھ مل سکتا ہے۔ بھوک لگی ہے۔ اس پر وینا نے بڑی نرمی سے کہا۔ عم عبیداللہ آپ اس قدر انکساری اور عاجزی سے کیوں گفتگو کرتے ہیں۔ آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو کھانا دیتی ہوں۔ درویش عبیداللہ چپ چاپ وینا کے ساتھ ہو لیا تھا۔ خیمے کے ایک کونے میں لے جا کر وینا نے عبیداللہ کے سامنے کھانا رکھ دیا جب وہ وہاں سے ہٹنے لگی تو درویش عبیداللہ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کو کہا جب وینا بیٹھ گئی تو درویش عبیداللہ نے بڑی راز داری سے کہا۔ وینا میری بیٹی میری بچی میں تیرے لئے ایک خوشخبری رکھتا ہوں۔

وینا نے کسی قدر حیرت سے درویش عبیداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ عم عبیداللہ کیا میرے لئے بھی کوئی خوشخبری ہو سکتی ہے۔ درویش عبیداللہ اپنے منہ میں بڑا سا نوالہ ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ کیوں نہیں۔ تیرے لئے تو بے شمار خوشیاں منتظر ہیں۔ دیکھ بیٹی عنقریب عبداللہ تیرے ساتھ شادی کرنے والا ہے۔ جہاں تو اس سے محبت کرتی ہے اس کو چاہتی ہے وہاں وہ بھی اب تمہیں پسند کرنے لگا ہے۔ اس پر وینا کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ کرنوں سے تراشا اس کا جسم خوابوں کے صنم کدے میں افکار کے پھول اور نکہت احساس بن کر کانپ لرز اٹھا تھا۔ اس کی مہہ نیم شب آنکھوں میں اس سمے آبشاروں کی نغمگی ۔ گیان کی روشنی۔ آتما کے وجدان اور گیتوں کے آشرم کھڑے ہو گئے تھے۔

شبنم کے موتیوں جیسے اس کے چہرے پر نمکی کے سکوت میں نشوں کے طوفان سیٹیاں بجاتی ہوائیں۔ روشنی کی اڑان میں لکھ پرش۔ آتما کے راز اور اس کے فکرو

میں پرماتما کے اسرار۔ نروان کی روشنی۔ ستاروں کی زر کار کلیاں اپنی نمود کا رنے لگی تھیں۔

تھوڑی دیر تک وینا بڑے غور سے درویش عبیداللہ کی طرف دیکھتی رہی پھر وہ چھن چھن' چوڑیوں کی کھنک جیسی اپنی آواز میں درویش عبیداللہ کو مخاطب کر نے لگی۔ عم عبیداللہ آپ نے مجھے یہ خبر سنا کر میری زندگی کے کڑے وقت کی میں حقیقت کی افشاں' وقت کی راہوں میں میرے لئے خوش لمس نوید' اور سندر بن میں مشک و عنبر بھر دیئے ہیں۔ عم عبیداللہ یہ خبر سن کر کہ شاہ پسند چاہتے ہیں مجھے اس قدر خوشیاں نصیب ہوئی ہیں جتنے بن میں پھول' جتنی ساگر کی جتنی افراط کی خواہشیں' جتنی کیسر کی پنکھڑیاں' جتنی ہنسی کی مدھر تانیں' عم آپ نے مجھے نرم جھرنوں کی ان گنت نمکی میں ڈبو دیا ہے اور یہ خبر سنا کر نے میرے اوہام کی کشمکش کو ایقان کی جستجو میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔ عم اس کے لئے میں آپ کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔

اس پر درویش عبیداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ وینا میری بیٹی اس کے لئے میرا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شکر گزار تو تمہیں عبداللہ کا ہونا جس نے احمد شاہ ابدالی کے سامنے اقرار کیا ہے کہ عنقریب وہ وینا سے شادی گا۔ احمد شاہ ابدالی نے میرے سامنے عبداللہ سے کہا تھا کہ وینا بہت اچھی اور رت لڑکی ہے۔ شاہ پسند وہ تمہیں چاہتی بھی ہے تم سے محبت بھی کرتی ہے۔ اس پسند کہنے لگا پاشا میں جانتا ہوں وہ لڑکی مسلمان ہو چکی ہے اور میں آپ کو یقین ہوں کہ میں عنقریب اس سے شادی کر لوں گا۔ وینا میری بیٹی تیری زندگی میں اس کر میں سمجھتا ہوں کوئی خوشی ہو ہی نہیں سکتی۔ وینا بے پناہ خوشی کا اظہار ئے ہوئے کہنے لگی۔ عم عبیداللہ آپ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ آج میری خوشیوں کا کوئی کوئی انتہا نہیں ہے۔ پھر دونوں خاموش ہو گئے۔ جب عبیداللہ نے کھانا کھا لیا تو تن اٹھا کر ایک طرف رکھ آئی۔ پھر وہ دونوں اٹھ کر کامنی کے نزدیک بیٹھ کر ان

کی گفتگو میں شامل ہو گئے تھے۔ دوسرے روز عبداللہ اپنے چند محافظ دستوں کو سا
لاہور سے تاجروں کے بھیس میں گجرات شہر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔

○

مرہٹوں اور سکھوں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی دہلی سلطنت کے معاملات بھی اپنی موجودگی میں طے کر دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس مق کے لئے اس نے مغل شہنشاہ دہلی کے سپہ سالار رنجیب الدولہ اور نئے شہنشاہ شا ثانی کے نمائندوں کو لاہور طلب کیا۔ احمد شاہ ابدالی کا پیغام ملتے ہیں نجیب الدولہ ف لاہور پہنچا جبکہ شاہ عالم ثانی کے دو نمائندے بھی لاہور میں احمد شاہ ابدالی کی خد میں حاضر ہوئے۔

احمد شاہ ابدالی کے ان لوگوں کے ساتھ مختصر سے مذاکرات ہوئے جن کے نتی میں احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم ثانی کو ہندوستان کے مغل شہنشاہ کی حیثیت سے برقرا رکھا۔ اس کے علاوہ اس نے یہ بھی منظور کر لیا کہ وہ ہندوستان میں والیان ریاس میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے انہیں شاہ عالم ثانی کی اطاعت کی ترغیب دے لیکن وہ اس مقصد کے لئے کوئی فوجی مدد دینے پر تیار نہ تھا۔ مغل بادشاہ کی طرف۔ نجیب الدولہ اور اس کے نمائندوں نے احمد شاہ ابدالی کو چالیس لاکھ روپیہ سالانہ خرا دینے کا بھی وعدہ کیا۔

لاہور ہی میں قیام کے دوران احمد شاہ ابدالی نے مختلف علاقوں پر اپنے والی ا حکمران بھی مقرر کئے۔ لاہور پر کابلی مل کو حاکم مقرر کیا گیا۔ سرہند پر زین خان بدستو حاکم رہا۔ ستلج اور بیاس کے درمیانی پہاڑی علاقے پر راجہ گھمن چندر، کھڑوچ کو کا کو حاکم بنایا گیا۔ جالندھر دو آب پر ایک شخص سادات خان کو حاکم مقرر کیا گیا۔ قل نور کا حاکم خواجہ عبیداللہ مقرر ہوا۔ باری دو آب پر مراد خان کو گورنر مقرر کیا گیا رچنا اور سندھ ساگر بشمول پشاور تک کے علاقے جہان خان کی زیر نگرانی رکھے گئے جبکہ کشمیر پر پہلے ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے جرنیل نور الدین برے زئی کو حاکم مقر

○

لہ اپنے محافظ دستوں کے ساتھ ایمن آباد اور پھر سوہدرہ میں تھوڑی دیر رنے کے بعد ایک روز شام ڈھلے گجرات شہر پہنچا۔ اس بار درویش عبیداللہ س کا چچا زاد بھائی قاسم بھی اس کے ساتھ تھا چونکہ وہ سوداگروں کے بھیس ذا ان پر کسی کو شک نہ ہوا۔ کابلی گیٹ کے سامنے عبدالصمد کی سرائے میں ہوئے۔ گھوڑوں کو اصطبل میں باندھنے کے بعد اپنے ساتھیوں کو اصطبل کے ب جگہ جمع کر دیا۔ پھر عبداللہ اور قاسم دونوں بھائی سرائے کے مالک کے پاس آئے جو انہیں اپنی سرائے میں داخل ہوتے ہوئے ابھی تک بڑے انہماک کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس آنے کے بعد عبداللہ اسے ر کے کہنے لگا۔

لوگ سوداگر ہیں۔ دہلی سے کابل کی طرف جانا ہے۔ صرف ایک شب آپ کی میں ہم قیام کریں گے۔ اس کے لئے آپ میرے ساتھیوں کو مناسب کمرے نے کے ساتھ ساتھ ہمارے گھوڑوں کے دانے اور چارے کا بھی انتظام کر بدالصمد نے ایک بار بڑے غور سے عبداللہ اور قاسم کو باری باری دیکھا پھر کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا۔

اس سے پہلے کبھی آپ لوگوں کا میری سرائے میں آنا نہیں ہوا ورنہ کابل سے یا دہلی اور دہلی یا لاہور سے کابل جانے والے قافلے عموماً" میری سرائے میں ہی رتے ہیں۔ کیا آپ لوگوں نے سوداگری کا نیا کام شروع کیا ہے۔ اس پر عبداللہ ثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا تمہارا اندازہ درست ہے۔ عبدالصمد شائد اپنے ان کی خاطر پھر بولا اور پوچھنے لگا۔

کابل میں تم لوگوں کی رہائش کہاں ہے۔ اس پر عبداللہ نے اپنے اس آقا کے ا کا پتہ بتا دیا جس کی بچپن میں وہ ریوڑ چرایا کرتا تھا۔ پتہ سن کر سرائے کا مالک

عبدالصمد کسی قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر وہ عبداللہ اور قاسم کے ساتھ اور ان ساتھیوں کے آرام اور گھوڑوں کے دانے چارے کا وہ انتظام کرنے لگا تھا۔ ا دوران درویش عبیداللہ بڑی احتیاط برت رہا تھا اس نے برابر اپنے چہرے کو ڈھان رکھا تھا کہ اچانک اگر کسی موقع پر کابل کا سابق حکمران نصیر خان داخل ہو جائے اسے پہچان نہ پائے۔

مغرب اور عشاء کے درمیانی حصے تک عبداللہ اور اس کے ساتھی سرائے کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ جبکہ سرائے کے مالک عبدالصمد نے ان سب گھوڑوں کے لئے چارہ بھی فراہم کر دیا تھا پھر اصطبل کے باہر ایک سوچی سمجھی تج کے تحت عبداللہ اور اس کے ساتھی ایک گول دائرے میں بیٹھ گئے اور مل کر آ میں گفتگو کرنے لگے تھے جبکہ درویش عبیداللہ اپنے چہرے کو ڈھانپے ادھر ادھر ٹہلنے تھا۔

تھوڑی دیر بعد جب گجرات شہر کی مسجدوں میں عشاء کی اذانیں بلند ہونا شر ہوئیں تو درویش عبیداللہ تقریباً" بھاگتا ہوا عبداللہ کے پاس آیا اور اس کے کان قریب اپنا منہ لے جا کر کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بیٹے جو شخص اس وقت سرائے صدر دروازے سے اندر داخل ہوا ہے یہی کابل کا سابق حکمران نصیر خان ہے۔ یہ پاتے ہی عبداللہ اور قاسم دونوں بھائی اپنی جگہ پر چونک کر اٹھ کھڑے ہوئے دونو نے بڑے غور سے کابل کے سابق حکمران نصیر خان کی طرف دیکھا نصیر خان آگے آ چل رہا تھا اس کے دائیں بائیں ہتھیار بند ساتھی تھے۔ پیچھے بھی اس کے محافظ د کے سپاہی تھے جو پوری طرح تلواروں اور خنجروں سے مسلح تھے۔ اپنے محافظ دستے ساتھ کابل کا سابق حکمران نصیر خان سرائے کے سامنے والے بڑے کمرے میں داخل ہوا ایک میز پر وہ بیٹھ گیا جب کہ اس کے مسلح پہرے دار اس کمرے کے چاروں طرف اس کی حفاظت کے لئے پہلے سے متعین جگہوں پر جا کھڑے ہوئے تھے۔

عبداللہ نے اپنے محافظ دستے کے سپاہیوں کو نصیر خان کے پہرہ داروں کے قریب ان پر نگاہ رکھنے کے لئے حکم دیا۔ عبداللہ کا یہ حکم سنتے ہی اس کے سپاہی جو ؤں کے بھیس میں تھے اور اپنے لباس کے نیچے وہ پوری طرح مسلح تھے نصیر خان افظوں کے قریب جا کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد عبداللہ نے درویش عبیداللہ ان میں تھوڑی دیر کچھ سرگوشی کی۔ اس کے بعد وہ اپنے بھائی قاسم کو لے کر ے کے اس بڑے کمرے میں داخل ہوا جس میں نصیر خان اپنے دو معتمد علیہ ں کے علاوہ سرائے کے مالک عبدالصمد کے ساتھ بیٹھا باتیں کر رہا تھا۔ عبداللہ م دونوں ان کے قریب گئے۔ عبداللہ نصیر خان کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ گر میں غلطی پر نہیں تو تم کابل کے سابق حکمران نصیر خان ہو۔ اس انکشاف پر ن چونک کر اپنی جگہ اٹھ کھڑا ہوا اس کے دونوں معتمد علیہ نے اپنی تلواریں م کر لیں تھیں۔ سرائے کا مالک عبدالصمد بھی بدک کر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ۔ جواب میں عبداللہ اور قاسم نے بھی ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلواریں بے لیں تھیں۔ اس دوران تک عبداللہ کے محافظ دستے کے تین سپاہی بھی قریب آ ے ہو گئے تھے۔ پھر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

نو نصیر خان اپنے ان ساتھیوں سے کہو کہ تلواریں نیام میں کر لیں۔ ورنہ یہ اہ اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ دیکھو نصیر خان میرا اصل نام عبداللہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا ایک جرنیل ہوں۔ لوگ مجھے عموماً" شاہ پسند کے نام نتے ہیں۔ شاہ پسند کے یہ الفاظ سن کر سرائے کے مالک عبدالصمد کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہوئی پھر وہ کہنے لگا اگر آپ احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ تو میں آپ کو اپنی سرائے میں خوش آمدید کہتا ہوں۔ آپ نے سرائے میں ونے کے بعد یہ کیوں کہا کہ آپ سوداگر ہیں اور لاہور سے کابل کی طرف جا ں۔ احمد شاہ ابدالی کا جرنیل شاہ پسند تو ہمارے لئے بڑا ذی عزت اور قابل ہے۔ اس لئے کہ اس نے ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کے لئے بہترین کارہائے سرانجام دیے ہیں۔ اس موقع پر کابل کے سابق حکمران نصیر خان نے کہا جانے

والی نگاہوں اور گھورتے ہوئے انداز میں سرائے کے مالک عبدالصمد کی طرف دیکھ جس پر عبدالصمد بے چارہ شرمسار سا ہو کر چپ ہو گیا تھا۔ شاید نصیر خان کو یہ با ناگوار لگی تھی کہ وہ احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند کی تعریف کر رہا تھا۔ پھر نص خان عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو شاہ پسند اگر تم مجھے احمد شاہ ابدالی کے حکم پر گرفتار کرنے کے لئے آئے تو ایسا کرنے میں تمہیں خاصی ناکامی اور نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اس لئے کہ ج کمرے میں میں اس وقت بیٹھا ہوا ہوں اس کے چاروں طرف میرے محافظ پھیلے ہو ہیں جو میرا اشارہ پاتے ہیں تمہارا کام تمام کر سکتے ہیں۔

اس پر عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا دیکھ نصیر خان اس بات کا فیصلہ تو بعد ہو گا کہ کام میرا تمام ہوتا ہے یا تمہارا لیکن میں نے ابھی تم سے اپنا پورا تعارف کرایا۔ اس پر نصیر خان نے چونک کر عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اب جب میں جان چکا ہوں کہ تم احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند ہو۔ مجھے گرفتار کرنے لئے آئے ہو تو اس سے زیادہ نہ کوئی تمہارا تعارف ہو سکتا ہے اور نہ ہی میں تعارف کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ اس پر عبداللہ طنزیہ سے انداز میں کہنے لگا لیک میں تمہارے ساتھ مزید تعارف کی ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ یہاں تک کہتے کہ عبداللہ رک گیا کیونکہ اس کے کہنے پر شاید درویش عبیداللہ نے اپنا کام شروع کیا تھا وہ اس موقع پر نصیر خان کے قریب آیا اور نقاب جو چہرے پر ڈال رکھا تھا اٹھا دیا۔ ن خان درویش عبیداللہ کو دیکھ کر مزید بدک گیا تھا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے تھیں۔ درویش عبیداللہ کو دیکھتے ہی اس ہاتھ اپنی تلوار کے دستے پر چلا گیا تھا۔ وہ بھری آواز میں درویش عبیداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ تم یہاں؟ کیا تم تک زندہ ہو؟ جواب میں درویش عبیداللہ کہنے لگا۔

دیکھ نصیر خان زندہ نہ ہوتا تو تیرے سامنے کیسے آ جاتا۔ میں تیرے سامنے لئے آیا ہوں تجھے میں نے اپنے چہرے کی جھلک اس لئے دکھائی ہے تاکہ تجھ پر یہ

نج ہو جائے کہ خداوند قدوس انسان کو دنیا میں بھی مکافات عمل سے گزار دیتے دیکھ نصیر خان تاریخ اور وقت پھر اپنے آپ کو دہرا رہے ہیں اور ماضی کے مظالم چہروں سے نقاب ہٹا کر ظلم کرنے والے کی طرف استفہامیہ انداز میں دیکھ رہے اب اس ٹکراؤ کا کیا انجام ہوتا ہے۔ نصیر خان یہ تو اب وقت ہی بتائے گا۔ اس یر خان قہر بھرے انداز میں بولا اور کہنے لگا۔ ایسا وقت آنے سے پہلے درویش اللہ میں تیری گردن ہی کاٹ کر رکھ دوں گا۔ اس موقع پر نصیر خان اپنی تلوار بے کرنے ہی لگا تھا کہ عبداللہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔ نصیر خان اطمینان اس قدر جذبات میں نہ آؤ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ پہلے میرا دوسرا تعارف تو سن ۔ میں کون ہوں تم سے ملنے کیوں آیا ہوں اس موقع پر نصیر خان کے وہ دو متعمد لیہ جو اس کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے بھی اپنی تلواریں بے نام کرنا چاہیں یکن عبداللہ کے تین ساتھی جو ان کے پیچھے آ کر کھڑے ہو گئے تھے انہوں نے ان ونوں کو ایسا کرنے سے روک دیا تھا۔ اپنی بے بسی دیکھتے ہوئے نصیر خان نے عبداللہ ی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

کہو تم اپنا دوسرا تعارف کس طرح کہا چاہتے ہو۔ پر وقت مت ضائع کرنا ورنہ یرے مسلح دستے کے جو جوان اس کمرے کے اردگرد کھڑے ہیں میں انہیں اشارہ کروں گا وہ تجھے اور اس درویش عبیداللہ اور تمہارے دیگر ساتھیوں کو لمحوں کے اندر ہنم واصل کر کے رکھ دیں گے۔ عبداللہ بولا اور کہنے لگا دیکھ نصیر خان جذباتی پن کی ت مت کر۔ جہنم کون واصل ہوتا ہے یہ فیصلہ وقت کرے گا۔ پہلے تعارف تو سن۔ یکھ تیرے میرے درمیان ایک رشتہ ہے اس پر نصیر خان نے چونک کر عبداللہ کی طرف دیکھا یہ تو کیا کہہ رہا ہے تیرے میرے درمیان کیسا اور کون سا رشتہ ہے۔ بداللہ کہنے لگا وہی رشتہ جو ایک قاتل ایک مقتول۔ ایک ظالم اور ایک مظلوم۔ ایک جابر اور ایک مجبور۔ ایک زبردست اور زیردست کے درمیان ہوتا ہے۔ نصیر خان یری بات غور سے سن۔ تو کسی ایسے شخص کو ضرور جانتا ہو گا جس کا نام بیرم خان

ہو۔ بیرم خان کا نام سنتے ہی نصیر خان کی حالت کچھ ایسی ہو گئی تھی جیسے اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی ہو۔ عبداللہ تھوڑی دیر تک اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لیتا رہا۔ دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔

دیکھ نصیر خان بیرم خان کا نام سن کر تیرے چہرے پر ہوائیاں کیوں اڑنے لگی ہیں۔ مزید سن کہ میں اس بیرم خان کا بیٹا عبداللہ اور شاہ پسند ہوں جسے تو نے اس کی بیوی کے ساتھ قتل کر دیا تھا۔ نصیر خان میرے دادا نے میرے گلے میں طوق اور ٹانگوں میں بھی لوہے کے کڑے ڈال دیئے تھے اور میرے دادا کی نصیحت یہ تھی کہ جوان ہو کر پہلے میں گلے کا طوق توڑوں وہ میں نے توڑا۔ میرے دادا کا دوسرا حکم یہ تھا کہ میرے پاؤں کے دونوں آہنی کڑے اس وقت کاٹے جائیں جب میں اپنے باپ کے قاتل ہرات کے سابق حکمران امیر خان اور کابل کے سابق حکمران نصیر خان کو قتل کر دوں۔ دیکھ نصیر خان میں ہرات کے سابق حکمران امیر خان کو پہلے ہی قتل کر کے اپنی دائیں ٹانگ سے لوہے کا کڑا ہٹوا چکا ہوں تو میری بائیں ٹانگ کی طرف غور سے دیکھ اس پر ابھی تک لوہے کا کڑا ہے اور یہ اس وقت ہٹے گا جب میں تیری گردن ماروں گا۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار نکال لی تھی۔ اس موقع پر نصیر خان بدک کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ اس کے دونوں معتمد علیہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے انہوں نے جیسے ہی اپنی تلواریں بے نیام کرنا چاہیں ان کے پیچھے کھڑے عبداللہ کے محافظ حرکت میں آئے اپنی تلواریں انہوں نے بلند کیں دونوں معتمد علیہ کی گردنیں کاٹ کر رکھ دیں تھیں۔ سرائے کے اس کمرے میں مرنے والوں کی چیخیں بلند ہوئیں اور پھر خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

اپنے ان دونوں ساتھیوں کے مرنے کی وجہ سے نصیر خان کچھ مزید پریشان دکھائی دے رہا تھا تاہم اس نے اپنا بھرم قائم رکھنے کی خاطر عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔ سن بیرم خان کے بیٹے اس بھرم اس دھوکے میں مت رہنا کہ عبدالصمد کی اس سرائے میں تم میری گردن کاٹنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ دیکھ میں اب اپنے

رہنے کے سپاہیوں کو اشارہ کرتا ہوں اس کے بعد تیرا کیا انجام ہوتا ہے یہ گجرات پر چھانے والی رات اور اس کی تاریکی انتہائی بے بسی اور لاچارگی سے دیکھے گی۔ کے ساتھ ہی نصیر خان نے اپنے ساتھیوں کو حملہ آور ہونے کا مخصوص اشارہ کر لیکن نصیر خان کا اشارہ ملنے کے باوجود ان کے ساتھیوں میں سے کوئی بھی آگے بڑھ عبداللہ، قاسم اور درویش عبیداللہ پر حملہ آور نہ ہو سکا اس لئے کہ نصیر خان کے داروں کے پیچھے عبداللہ کے ساتھیوں نے انہیں اپنے خنجروں پر رکھ لیا تھا اور ں اپنی جگہ نہ چھوڑنے کی دھمکی دیدی تھی۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے نصیر خان چہرے پر مردنی چھا گئی تھی۔ اس موقع پر عبداللہ نے پھر نصیر خان کو مخاطب کرتے ئے کہنا شروع کیا۔ میں پورے انتظام کرنے کے بعد عبدالصمد کی سرائے میں داخل تھا۔ اس میں شک نہیں سرائے میں داخل ہونے کے بعد میں نے عبدالصمد سے ٹ بولا تھا کہ ہم سوداگر ہیں اور تجارت کی غرض سے کابل سے لاہور اور لاہور کابل آتے جاتے رہتے ہیں۔ اصل مقصد تجھ سے انتقام لینا تھا اس لئے کہ ہمارے وں نے خبر دیدی تھی کہ تو گجرات کے کابلی دروازے کے اندر کہیں رہتا ہے اور ہر ز عشاء کے قریب کابلی دروازے سے باہر عبدالصمد کی سرائے میں آکر جوا کھیلتا ۔ دیکھ نصیر خان تجھ سے انتقام لینے کے لئے میں نے کیسے تجھ پر نزول کیا۔

سن نصیر خان اگر تیری گردن ہی کاٹنی ہوتی تو احمد شاہ ابدالی گجرات شہر کے اپنے م کو بھی حکم دے سکتا تھا کہ تیری گردن کاٹ کر تیرا کٹا ہوا سر اس کے سامنے پیش دے لیکن نصیر خان میں نے عزم کر رکھا تھا کہ میں ہرات کے سابق حکمران امیر ن اور تیری گردن خود کاٹ کر اپنی ٹانگوں کو لوہے کے کڑوں سے بے نیاز کروں گا۔ نصیر خان اب سنبھل میں تجھ سے تیرے مظالم کا حساب لینے لگا ہوں۔ میں تجھ سے پنے باپ بیرم خان کے قتل کا انتقام لینے لگا ہوں۔ اس موقع پر اگر تو کسی کو اپنی مدد لے لئے پکار سکتا ہے تو پکار دیکھ خدا پہلے ہی تیرے جیسے ظالموں کی مدد نہیں کرتا۔ اگر ل شہر میں تیرا کوئی سنگی ساتھی ہے تو اسے بھی بلا دیکھ۔ نصیر خان انتہائی بے بسی سے

عبداللہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عبداللہ آگے بڑھا۔ اس کے آگے بڑھنے سے نصیر خا نے اس پر اپنی تلوار کا وار کر دیا تھا۔ عبداللہ نے اپنی ڈھال پر نصیر خان کا وار روکا اس کی تلوار بلند ہو کر جو گری تو نصیر خان کو پیٹ تک کاٹتی چلی گئی تھی۔ نصیر خان ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی اور پھر اس کی لاش فرش پر گر گئی تھی۔ اس موقع پر با کھڑے پہریداروں میں سے نصیر خان کا کوئی زیادہ ہی چاہنے والا پہریدار حرکت میں اور اس نے پوری قوت سے خنجر عبداللہ کے دے مارا تھا وہ خنجر عبداللہ کی ران زخم لگاتا ہوا نکل گیا تھا اور جس نصیر خان کے محافظ نے خنجر چلایا تھا اس کے پیچ کھڑے ہوئے عبداللہ کے ساتھی نے اسی لمحہ اپنی تلوار حرکت میں لاتے ہوئے اس گردن کاٹ کر رکھ دی تھی۔

عبداللہ کی ران میں خنجر لگنے سے خون بری طرح بہہ نکلا تھا اور اس کا لبا رنگین ہونے لگا تھا۔ عبداللہ کے خنجر لگنے پر قاسم اور درویش عبیداللہ دونوں پریشا ہو گئے تھے۔ دونوں بھاگ کر آگے بڑھے۔ درویش عبیداللہ قاسم کی طرف دیکھتے ہو کہنے لگا۔ قاسم میرے بیٹے تو خنجر نکال۔ میں بھاگ کر مرہم پٹی کا سامان لاتا ہوں ا کے ساتھ ہی درویش عبیداللہ بھاگتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ اس موقع پر عبداللہ بلند آوا میں بولا اور اپنے محافظ دستے کے سپاہیوں کو حکم دیتے ہوئے کہنے لگا نصیر خان کے سارے محافظوں کا خاتمہ کر دو اس کے ساتھ ہی اس کے سپاہی حرکت میں آئے او نصیر خان کے سارے محافظوں کا انہوں نے خاتمہ کر کے رکھ دیا تھا۔

اتنی دیر تک قاسم بھاگ کر آگے بڑھا۔ ایک جھٹکے کے ساتھ اس نے عبداللہ ک ران سے خنجر نکال لیا تھا۔ عبدالصمد بھی بھاگتا ہوا شاید اپنی سکونتی حصے کی طرف چلا گیا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد عبدالصمد اور درویش عبیداللہ اکٹھے ہی دوبارہ وہاں لوٹے دونوں مرہم پٹی کا سامان اٹھائے ہوئے تھے۔ قاسم نے دونوں کا مرہم پٹی کا سامان دیکھا اور عبدالصمد کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ مرہم پٹی کا جو سامان عبدالصمد لے کر آیا ہے وہ زیادہ بہتر ہے اسے ہی ہم استعمال کریں گے اس کے ساتھ نا

مد سے قاسم خان نے مرہم پٹی کا سامان لے لیا اور وہ عبداللہ کے زخم پر مرہم پٹی باندھنے لگا تھا۔ جب قاسم مرہم پٹی سے فارغ ہوا اور عبداللہ کو اس نے موٹی مدی لکڑی سے بنی ہوئی ایک کرسی پر بٹھا دیا تب عبدالصمد عبداللہ کے سامنے آیا ڑی عاجزی اور انکساری میں کہنے لگا۔

شاہ پسند۔ میرے عزیز۔ میرے بیٹے یہ مت خیال کرنا کہ میں اس نصیر خان کا کوئی یا چاہنے والا ہوں یا اس سے میرا تعلق یا رابطہ ہے۔ خدا کی قسم میرا اس سے تعلق اور واسطہ نہیں کہ بس میری سرائے میں کبھی آتا ہے تھوڑی دیر بیٹھ کر تا ہے۔ اس سے زیادہ میرا اس سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ قسم خداوند کی اگر مجھے یہ خبر ہوتی کہ یہ تمہارے بیرم خان کا قاتل ہے اور تم لوگوں کو یہ مطلوب ہے تو ود اس ظالم کے بچے کی گردن کاٹ کر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں اس کا سر ر دیتا۔ یہاں تک کہنے کے بعد عبدالصمد جب خاموش ہوا تو عبداللہ جس کے پر ران کے زخم کی وجہ سے ہلکا ہلکا کرب نمودار ہو رہا تھا زبردستی مسکراتے کہنے لگا۔

عبدالصمد تمہیں اپنی صفائی میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب میں نے نصیر خان پر ظاہر کیا تھا ں احمد شاہ ابدالی کا جرنیل شاہ پسند ہوں تو تم خوش ہوئے تھے اور میری تعریف شروع کی تھی۔ یہ تعریف نصیر خان کو نہ بھائی تھی۔ اس نے تمہاری طرف گھور یکھا جس کی وجہ سے تم بے چارگی کا اظہار کرتے ہوئے چپ اور خاموش ہو گئے تمہارا اس انداز نے ہی عبدالصمد مجھ پر ثابت کر دیا تھا کہ تم میرے دشمن نہیں ت ہو۔ مطمئن رہو ہم تم سے کوئی تعارض نہیں کریں گے۔ عبداللہ کا یہ جواب ر عبدالصمد خوش ہو گیا تھا اور آگے بڑھا اور عبداللہ کی پیشانی پر ایک بوسہ دیتے کہنے لگا۔

شاہ پسند جو الفاظ آپ نے میرے لئے استعمال کئے ہیں قسم خداوند کی یہ ایسے

ہیں کہ ان کی قیمت نہیں ادا کی جا سکتی۔ میں بے حد خوش ہوں کہ آپ نے مجھ پر شک نہیں کیا اس لئے کہ میں ان لوگوں میں سے نہیں جو احمد شاہ سے غداری کر سکے ہیں۔ اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو آپ کے آرام کے لئے میری سرائے ہی نہیں خود میرا سکونتی مکان بھی حاضر ہے۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا نہیں عبدالصمد تیری سرائے میں داخل ہونے قیام کرنے اور ہمارے گھوڑوں کے دانے چارے بندوبست کرنے کے سلسلے میں جو تیری رقم ہمارے ذمے بنتی ہے وہ بول۔ ہم تمہیں ا کریں گے اور ابھی اور اسی وقت یہاں سے لاہور کی طرف کوچ کر جائیں گے۔ جہا احمد شاہ ابدالی بڑی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا ہو گا۔

اس پر گجرات کے کابلی دروازے کی اس سرائے کا مالک عبدالصمد بڑی انکسار بڑی عاجزی میں بولا اور کہنے لگا کیا ایسا ممکن نہیں آپ لوگ آج کی رات میر سرائے میں معزز مہمانوں کی حیثیت سے گزاریں قسم خدا کی اپنی سرائے میں تم لوگو کی خدمت کرنا میں اپنے لئے سعادت مندی جانوں گا اور ہاں آپ نے جو یہ کہا آپ سرائے میں قیام اور گھوڑوں کے چارے کے کیا اخراجات بنتے ہیں تو اس لئے گزارش کروں کہ ان خدمات کے عوض اگر میں آپ سے کوئی معاوضہ کوئی ر لوں تو وہ مجھ پر حرام۔ عبداللہ تھوڑی دیر تک خوش کن انداز میں عبدالصمد کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

عبدالصمد۔ میرے بزرگ تیری مہربانی۔ تیرا بڑا شکریہ کہ تو ہمارے ساتھ ا سلوک، ایسا رویہ رکھ رہا ہے۔ دیکھ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں ضرور تیر سرائے میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ قیام کرتا لیکن میرا واپس جانا انتہائی اہم ا ضروری ہے۔ اس پر سرائے کا مالک عبدالصمد پھر بولا اور کہنے لگا۔

شاہ پسند میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری ران کا زخم کافی گہرا ہے اور یہ تمہیں گھوڑ کی پیٹھ پر لاہور تک سفر نہ کرنے دے گا اگر تم آج ہی رات اپنے ساتھیوں کے سا گجرات سے لاہور سفر کرنے کے لئے بضد ہو تو اس کے لئے میں تمہیں اپنی ذاتی

یا کرتا ہوں جس میں تم آسانی سے لاہور تک سفر کر سکو گے۔ اس پر عبداللہ جھٹ ا اور کہنے لگا میں ایک شرط پر تمہاری بگھی قبول کرنے کے لئے تیار ہوں۔ عبدالصمد دی سے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا کیسی شرط۔ عبداللہ نے کہا شرط یہ ہے کہ تم ہم سے بگھی کی قیمت وصول کرو۔

عبدالصمد تھوڑی دیر تک ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں عبداللہ کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر نے لگا۔ آپ کو بگھی کی قیمت ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بگھی کو ہانکنے والا اور ں کے ساتھ میرے دو آدمی آپ کے ہمراہ بگھی کو لیکر لاہور جائیں گے اور وہاں پ کو چھوڑ کر بگھی واپس لے آئیں گے۔ کہیئے یہ کیسا رہے گا اس پر عبداللہ کہنے لگا ں اگر تم زحمت محسوس نہ کرو تو یہ ٹھیک ہے اور تمہارے ایسا کرنے سے بھی میں مارا انتہا درجے کا مشکور ہوں۔ اب تم سب سے پہلا کام یہ کرو کہ ہمارے لئے بگھی ا بندوبست کرو اور اگر اس وقت کسی آہنگر کا انتظام کر سکو تو اس کے لئے بھی میں مارا شکر گزار ہوں۔

اس پر عبدالصمد استفہامیہ سے انداز میں عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا اہ پسند رات کے اس وقت تم آہنگر سے کیا کام لو گے۔ اس پر عبداللہ اپنی بائیں نگ آگے پسارتے ہوئے کہنے لگا۔ میری اس ٹانگ کی طرف دیکھو عبدالصمد اس میں ہے کا ایک کڑا ہے ایسا ہی کڑا اس سے پہلے میری دائیں ٹانگ پر بھی تھا اور ان ونوں کڑوں سے رہائی حاصل کرنے کی شرط یہ تھی کہ میں اپنے ماں باپ کے دونوں اتلوں کو قتل کروں۔ پہلا قاتل ہرات شہر کا سابق حکمران امیر خان تھا جسے میں نے ل کر کے اپنی دائیں ٹانگ کو آہنی کڑے سے نجات دی۔ اب میں تمہارے سامنے وسرے قتل یعنی نصیر خان کو قتل کر چکا ہوں اب میں حق رکھتا ہوں کہ اپنی بائیں انگ کے اس کڑے کو بھی کٹوا کر علیحدہ کر دوں۔ لہٰذا اگر تم کسی آہنگر کا بندوبست کرو جو لوہے کے اس کڑے کو کاٹ کر علیحدہ کر دے تو اس کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں گا۔

شاہ پسند آپ کو بار بار میرا شکریہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میری سرائے کے باہر ایک آہنگر بیٹھتا ہے وہ گھوڑوں کی نعل بندی کا کام کرتا ہے۔ گجرات شہر کا وہ مانا ہوا آہنگر ہے۔ میری سرائے کے پچھواڑے میں ہی رہتا ہے۔ ابھی اسے بلاتا ہوں وہ اوزار لے کر آتا ہے اور آپ کی ٹانگ کے اس کڑے کو کاٹ دے گا۔ ساتھ ہی میں بگھی کا انتظام کرتا ہوں اس کے ساتھ ہی عبدالصمد وہاں سے ہٹ گیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سرائے کا مالک عبدالصمد آہنگر کو لے آیا۔ شاید راستے میں عبدالصمد نے اسے کام کی نوعیت سمجھا دی تھی۔ اس نے اپنی چھوٹی سی آئرن رکھی عبداللہ کی ٹانگ پکڑ کر لوہے کا کڑا اس نے آئرن پر رکھا پھر اس نے وہ کڑا اپنی چند ہی ضربوں سے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ لوہے کا کڑا کٹنے کے بعد عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اپنے لباس کے اندر سے چند سکے نکال کر اس نے اس آہنگر کو تھمائے اس پر عبدالصمد اعتراض کرتے ہوئے کہنے لگا ان کی کیا ضرورت تھی میں خود ہی ادا کر دیتا۔ عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ عبدالصمد تم شاہ پسند کے کہاں کہاں کام آؤ گے۔ بس یہ کرو کہ بگھی تیار کرا دو تاکہ ہم یہاں سے کوچ کر جائیں۔ اس پر عبدالصمد اپنے بڑے پیارے انداز میں کسی قدر اپنے سر کو خم کرتے ہوئے کہنے لگا۔ بگھی سرائے کے صحن میں تیار کھڑی ہے آپ جس وقت چاہیں کوچ کر جائیں۔ عبداللہ نے پرشوق نگاہوں سے عبدالصمد کی طرف دیکھا پھر کہنے لگا یہ جو لاشیں تمہاری سرائے میں بکھری پڑی ہیں ان کا کیا ہو گا۔ کوئی جگہ بتاؤ تاکہ میرے ساتھی وہاں گڑھا کھود کر انہیں دفن کر دیں۔ عبدالصمد خوش ہو کر کہنے لگا اگر آپ جاتے جاتے یہ کام کر جائیں تو میں سمجھتا ہوں یہ آپ کا مجھ پر احسان ہو گا۔ میری سرائے سے تھوڑی ہی دور ایک قبرستان ہے میرے خیال میں ان سب لاشوں کو اٹھا کر وہاں لے جاتے ہیں اور وہاں دفن کر دیتے ہیں۔ عبداللہ نے اس سے اتفاق کیا پھر وہ عبدالصمد سے کہنے لگا میرے ساتھی یہ لاشیں اٹھا کر قبرستان کی طرف لے جاتے ہیں تم ان کی رہنمائی کرو اور تدفین مکمل کرنے کے بعد واپس آ جاؤ عبدالصمد خوشی خوشی اس کے لئے تیار ہو گیا

عبداللہ کے کہنے پر اس کے ساتھی نصیر خان اور اس کے ساتھیوں کی لاشوں کو اٹھا برستان کی طرف لے گئے تھے جبکہ عبداللہ' قاسم اور درویش عبیداللہ وہیں بیٹھ کر ا انتظار کرنے لگے تھے۔

تھوڑی دیر بعد عبدالصمد عبداللہ کے سارے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ گیا۔ پھر للہ کے کہنے پر اس کے محافظ دستے کے سپاہیوں نے اصطبل سے گھوڑے نکالے۔ للہ عبدالصمد کے ساتھیوں کے ساتھ بگھی میں بیٹھ گیا۔ عبدالصمد نے سب کے ر مصافحہ کیا اس کے بعد عبداللہ' قاسم اور درویش عبیداللہ اپنے سارے ساتھیوں ساتھ گجرات سے لاہور کی طرف کوچ کر گئے تھے۔



عبداللہ کے چچا زاد بھائی قاسم کی بیوی ارزون بھاگتی ہوئی عبداللہ کے خیمے میں ل ہوئی۔ اس وقت کامنی اور وینا دونوں اکٹھی بیٹھی باہم گفتگو کر رہی تھیں ارزون بدحواسی کے عالم میں اور بھاگتے ہوئے خیمے میں داخل ہوتے دیکھ کر کامنی اور وینا ں کسی قدر پریشان ہو گئیں اور اپنی جگہ پر وہ اٹھ کھڑی ہوئیں اور ارزون ان کے ب آئی اور کسی قدر بدحواسی میں وہ ان دونوں کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

کامنی اور وینا میری دونوں بہنو میں تمہارے لئے ایک بری خبر لے کر آئی ہوں ں پر کامنی بیچاری کا رنگ پیلا ہو گیا تھا اپنا دایاں ہاتھ اس بیچاری نے پہلے ہی دل پر ھ لیا اور ارزون کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی ارزون میری بہن شاہ پسند سے لق کوئی اچھی اور خیر کی خبر سنانا کامنی کے ان الفاظ سے بیچاری وینا کے چہرے پر ں ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس کے چہرے کی سرخی پیلاہٹ میں تبدیل ہو گئی تھی وہ ارزون کو مخاطب کر کے کچھ پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ ارزون خود ہی بول پڑی اور نے لگی۔

سنو میری بہنو خبر اتنی بھی بری اور اہم نہیں ہے۔ جس قدر تم نے خیال کر لیا ہے۔ میں تم سے یہ کہنے آئی تھی کہ تھوڑی دیر تک شاہ پسند اور قاسم دونوں بھائی

اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر میں داخل ہونے والے ہیں اور اس مہم کے دوران شاہ پسند زخمی ہو گیا ہے اس پر بیچاری وینا نے چونکتے ہوئے ارزون سے پوچھا ارزون میری بہن خطرے کی تو کوئی بات نہیں ارزون کہنے لگی۔ شاہ پسند کے ساتھیوں میں سے کچھ سوار آگے آگے لشکر میں داخل ہوئے ہیں اور انہوں نے پاشا کو شاہ پسند کے زخمی ہونے کی خبر دی ہے اور پاشا کے پاس اس وقت میرے باپ شاہ ولی خان بھی بیٹھے ہوئے تھے لہٰذا مجھے میرے باپ ہی نے شاہ پسند کے زخمی ہونے کی تفصیل بتائی اس پر کامنی بیچاری نے مغموم سی آواز میں پوچھا ارزون میری بہن شاہ پسند کیسے زخمی ہوئے۔

ارزون کے بولنے سے پہلے ہی وینا بیچاری نے بڑی بے چین سی آواز میں پوچھا ارزون میری بہن کیا تم بتا سکو گی کہ شاہ پسند کے زخم کہاں آیا ہے جواب میں ارزون بولی اور کہنے لگی آنے والے سواروں کا کہنا ہے کہ گجرات شہر میں جس وقت شاہ پسند کابل کے سابق حکمران نصیر خان کو قتل کرنے والا تھا اس وقت نصیر خان کے کسی ساتھی نے شاہ پسند کو خنجر دے مارا تھا وہ خنجر شاہ پسند کی ران میں کھب گیا تھا آنے والے سواروں کا کہنا ہے کہ زخم کی مرہم پٹی اسی وقت کر دی گئی تھی لیکن شاہ پسند چونکہ گھوڑے پر سفر کرنے کے قابل نہیں تھا لہٰذا اسے بگھی میں ڈال کر یہاں لایا جا رہا ہے ارزون کی زبان سے یہ خبر سن کر کامنی اور وینا دونوں بیچاریوں کی گردنیں جھک گئی تھیں ان کے چہرے پر ڈھیروں تفکرات پریشانیوں اور دکھ رقص کرنے لگے تھے یہ صورتحال دیکھتے ہوئے ارزون ان کی تسلی اور تشفی کے لئے آگے بڑھی دونوں کو اکٹھا کر کے اس نے اپنے ساتھ لپٹایا پھر وہ کہنے لگی۔

سنو میری بہنوں زیادہ فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم شاید اس بنا پر زیادہ پریشان ہو رہی ہو کہ شاہ پسند گھوڑے پر سفر کرنے کے بجائے بگھی میں کیوں آ رہا ہے؟ تو ران کے زخم کی وجہ سے وہ گھوڑے پر نہ بیٹھ سکتا تھا اس بنا پر اسے بگھی میں یہاں لایا گیا ہے وہ بالکل ٹھیک ہے فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے یہاں تک کہتے کہتے

ارزون کو خاموش ہو جانا پڑا اس لئے کہ خیمے کے باہر ان تینوں کو کافی شور سنائی دیا تھا جب وہ تینوں بھاگتی ہوئی خیمے کے دروازے کے پاس آئیں تو انہوں نے دیکھا خیمے کے دروازے کے قریب ہی ایک بگھی رکی تھی اور اس میں سے برخوردار خان اور شاہ ولی خان عبداللہ کو سہارا دے کر نیچے اتار رہے تھے تب ہی خود احمد شاہ ابدالی بھی کھڑا تھا اور سارے کام کی نگرانی کر رہا تھا۔ شاہ پسند جب نیچے اترا تو احمد شاہ ابدالی نے گلے لگا کر اس کی پیشانی چومی یہ سارا معاملہ کامنی اور وینا ارزون کے ساتھ بڑے انہماک کے ساتھ دیکھ رہی تھیں پھر ان تینوں نے دیکھتے ہی دیکھتے قاسم اور درویش عبیداللہ عبداللہ کو سہارا دے کر خیمے کی طرف لانے لگے تھے ان کے پیچھے پیچھے احمد شاہ ابدالی شاہ ولی خان برخوردار خان اور جہان خان بھی خیمے کی طرف آ رہے تھے اس بنا پر کامنی وینا اور ارزون تینوں ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

عبداللہ کو جب خیمے کے اندر لایا گیا تو احمد شاہ ابدالی نے دیکھا اس لمحہ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کامنی اور وینا دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ احمد شاہ ابدالی ان دونوں کے قریب آیا اور بڑی شفقت اور پدرانہ بات میں کہنے لگا۔ میری بچیو فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں تم دونوں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ رہا ہوں اور یہ آنسو ہمارے لئے بڑے قیمتی اور ناقابل برداشت ہیں میری بچیو شاہ پسند بالکل ٹھیک ہے تم فکر مند نہ ہو میں جانتا ہوں تم شاہ پسند کو دونوں اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتی ہو بس ران پر ایک زخم ہے جس کی بنا پر یہ گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں تک نہیں آ سکا میرے خیال میں ارزون تم دونوں کو اس حادثے کی اطلاع کر چکی ہو گی احمد شاہ ابدالی کے یوں تسلی دینے پر کامنی اور وینا دونوں نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔

عبداللہ کو خیمے میں اس کے بستر پر لٹا دیا۔ کامنی' وینا' ارزون تینوں اس کے پاس بیٹھ گئی تھیں۔ اور ایک طرف قاسم اور درویش عبیداللہ بیٹھ گئے تھے اس موقع پر احمد شاہ ابدالی خیمے میں داخل ہونے والے لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں جا کر آرام کریں۔ شاہ پسند کے پاس اس وقت کامنی' وینا اور

ارزون قاسم اور درویش عبیداللہ کے پاس کوئی نہ رہے۔ شاہ پسند کو آرام اور سکون کی ضرورت ہے احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم سنتے ہی سب لوگ خیمے سے باہر نکل گئے احمد شاہ ابدالی بھی خیمے سے باہر نکل کر تھوڑی ہی دور آگے گیا ہو گا کہ اس کے خیمے کے باہر پہرہ دینے والا ایک محافظ بھاگتا ہوا سامنے آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاشا بھرت پور کے راجہ سورج مل کی طرف سے اس کے دو سفیر اور قاصد آئے ہیں اور وہ کسی اہم کام کے سلسلے میں آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں میں نے ان دونوں کو آپ کے خیمے میں ملاقات کے کمرے میں بٹھا دیا ہے اس پر احمد شاہ ابدالی بولا اور پہریدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خان سے کہو فوراً" میرے خیمے میں پہنچیں وہ پہریدار بھاگتا ہوا ان تینوں کو بلانے چلا گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا جب اپنے خیمے کے دروازے تک آیا تو اس وقت تک شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خان وہاں پہنچ چکے تھے ان تینوں کو لے کر احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے کے اس کمرے میں داخل ہوا جہاں وہ اہم لوگوں سے ملاقات کیا کرتا تھا وہاں بھرت پور کے راجہ سورج مل کے سفیر پہلے ہی اندر بیٹھے ہوئے تھے۔ احمد شاہ ابدالی کے داخل ہوتے ہی وہ فوراً" اٹھ کھڑے ہوئے احمد شاہ ابدالی ان کے سامنے شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خان کے ساتھ بیٹھ گیا پھر اس نے ان دونوں قاصدو کو بھی بیٹھنے کے لئے کہا جب وہ بیٹھ گئے تب احمد شاہ ابدالی نے انہیں مخاطب کیا اور پوچھا۔

جہاں تک مجھے بتایا گیا ہے کہ تم بھرت پور کے راجہ سورج مل کے قاصد ہو کہو اس نے تمہیں کس مقصد اور کس کام کے سلسلے میں میری طرف روانہ کیا ہے اس پر ان قاصدوں میں سے ایک بولا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اے بادشاہ آپ نے ٹھیک سنا کہ ہمیں بھرت پور کے راجہ سورج مل نے بھجوایا ہے اس نے ہمیں آپ کی طرف یہ گزارش دے کر روانہ کیا ہے کہ اس کی بیٹی کامنی اور بھتیجی وینا جو یرغمال کی حیثیت سے اس وقت آپ کے لشکر میں ہیں انہیں واپس کر دیا جائے اس پر احمد شاہ ابدالی نے چونک کر ان دونوں قاصدوں کی طرف دیکھا اور کسی قدر ناپسندیدگی اور خفگی کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

یہ تم نے کیسے جان لیا کہ کامنی اور وینا دونوں میرے لشکر میں یرغمالی ہیں کیا میرا کوئی آدمی ان دونوں کو اٹھا کر لایا تھا یا یہ کہ وہ یہاں سے نکلنا چاہتی ہیں اور کوئی انہیں جانے نہیں دے رہا اس پر دوسرا قاصد بولا اور کہنے لگا اے بادشاہ جہاں تک بھرت پور کے راجہ سورج مل نے ہمیں تفصیل بتائی ہے اس کے مطابق کامنی' وینا آئیں تو اس لشکر میں اپنی خوشی سے تھیں لیکن اب انہیں یہاں سے نکلنے نہیں دیا جا رہا اس پر احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔

تمہارا بھرت پور کا راجہ سورج مل احمق اور بیوقوف ہے اسے خبر ہی نہیں کہ کامنی اس کے پاس سے بھاگ کر میرے جرنیل شاہ پسند کے پاس آئی تھی اس لئے کہ وہ شاہ پسند سے محبت کرتی تھی اسے چاہتی تھی اور اس نے اپنی خوشی سے اسلام قبول کر کے شاہ پسند سے شادی کر لی اور اب کامنی کے بطن سے شاہ پسند کا ایک بیٹا بھی ہے۔ رہی بات سورج مل کی بھتیجی وینا کی تو اس کی شادی بھی اس کی مرضی کے خلاف سورج مل مرہٹوں کے سپہ سالار رگھوناتھ سے کرنا چاہتا تھا جبکہ وینا اسے ناپسند کرتی تھی لہٰذا وہ بھی بھاگ کر میرے لشکر میں آ گئی اور اپنی چچا زاد بہن کامنی کے ساتھ رہنے لگی اس دوران وینا بھی شاہ پسند کی محبت میں گرفتار ہو گئی اور خود کامنی نے بھی اسے ایسا کرنے کے مواقع فراہم کئے تھے اس لئے کہ کامنی چاہتی تھی کہ وینا بھی اس کے شوہر کی بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہے سورج مل کے قاصدو مجھے غور سے سنو۔

جہاں تک کامنی کا تعلق ہے وہ پہلے ہی میرے جرنیل شاہ پسند کی بیوی ہے اور اس کے ایک بیٹے کی ماں ہے جہاں تک وینا کا تعلق ہے تو میں تم پر انکشاف کروں کہ وینا بھی عنقریب شاہ پسند سے شادی کر لے گی لہٰذا تم کامنی اور وینا میں سے کسی کو بھی اپنے ساتھ نہ لے جا سکو گے اس پر ایک قاصد بولا اور پوچھنے لگا۔

اے بادشاہ کیا ایسا ممکن ہے کہ ہم کامنی اور وینا سے مل کر خود ان سے گفتگو کریں اور یہ جانیں کہ وہ واقعی اپنی خوشی سے یہاں رہ رہی ہیں تاہم ہم واپس جا کر اپنے راجہ سورج مل کو اطمینان دلا سکیں اس سے وہ بات کہہ سکیں جو ہم نے خود کی اسے وہ تبدیلی کہہ سکیں جو ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی اس پر احمد شاہ ابدالی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ہاں ایسا ممکن ہے۔ تم دونوں میرے ساتھ آؤ میں تم دونوں کی ملاقات کامنی اور وینا سے کرواتا ہوں اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے سے باہر چل دیا دونوں قاصد اس کے ساتھ ہو لئے ان کے پیچھے پیچھے شاہ ولی خان' برخوردار خان اور جہان خان بھی عبداللہ کے خیمے کی طرف جا رہے تھے۔

سورج مل کے دونوں قاصدوں کے علاوہ شاہ ولی خان' برخوردار اور احمد شاہ ابدالی عبداللہ کے خیمے میں داخل ہوئے۔ انہیں دوبارہ اپنے خیمے میں دیکھتے ہوئے کامنی' وینا' قاسم' ارزون اور درویش عبیداللہ جو عبداللہ کے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اس موقع پر عبداللہ بھی تفکر کی نگاہوں سے احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھ رہا تھا اس موقع پر شاید وہ احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کچھ پوچھتا کہ احمد شاہ قریب آیا اور کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کامنی میری بیٹی تم اور وینا میری بات غور سے سنو یہ میرے ساتھ جو دو اجنبی اشخاص ہیں یہ تمہارے باپ سورج مل کے قاصد ہیں انہیں تمہارے باپ سورج مل نے تمہیں اور وینا کو لانے کے لئے میرے لشکر میں بھیجا ہے ان دونوں کا کہنا ہے کہ سورج مل کا خیال ہے کہ کامنی اور وینا دونوں کو احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں یرغمال بنا کر رکھا گیا ہے لہٰذا سورج مل نے تم دونوں کی واپسی کا مطالبہ کیا ہے میں نے ان دونوں قاصدوں کو بتایا ہے کہ کامنی اور وینا یہاں میرے لشکر میں یرغمال نہیں بلکہ وہ دونوں اپنی خوشی سے شاہ پسند کے ساتھ رہ رہی ہیں کامنی شاہ پسند کی بیوی اور اس کے ایک بچے کی ماں ہے جبکہ وینا شاہ پسند کی عنقریب بیوی بن جانے والی ہے۔ پر ان

ا تقاضا تھا کہ ہمیں موقع فراہم کیا جائے کہ ہم خود اس سلسلے میں کامنی اور وینا اطمینان کر لیں تاکہ جو کچھ ہم دیکھیں وہی سورج مل سے کہہ دیں۔ میری بیٹی یہ قاصد تم دونوں بہنوں کے سامنے ہیں اب دونوں انہیں بتاؤ کہ تم اپنی خوشی اور مندی سے رہ رہی ہو یا کسی نے تمہیں شاہ پسند کے خیمے میں یرغمال بنا کر رکھا ہے۔

یہ سب کچھ سننے کے بعد کامنی اور وینا دونوں کے چہروں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ رہی تھی انہوں نے گہری نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر کوئی کرنے کے بعد کامنی بولی اور کہنے لگی۔ میرے باپ کی طرف سے آنے والو۔ سنو منے جو بچہ لیٹا ہوا ہے وہ میرا بیٹا ہے۔ میں پاشا کے امیر لشکر شاہ پسند کی بیوی اور شاہ پسند کا وہ بیٹا میرے ہی بطن سے ہے۔ میں نے اپنی خوشی اپنی چاہت اور کو سامنے رکھتے ہوئے شاہ پسند سے شادی کی ہے۔ یہی معاملہ وینا کا بھی ہے۔ ب یہ بھی شاہ پسند کی بیوی بن کر اسی خیمے میں رہے گی۔

وینا جو اب تک وقت کے راہو اور پیاس سے بے کل ندی کے کنارے جیسی ں کھڑی تھی کامنی کی اس گفتگو پر اس کی حالت ہنسی کی مدھر تانوں جیسی ہو کر رہ گی۔ کامنی تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر وہ بولی اور ان قاصدو کو مخاطب کر کے گی۔

سنو۔ میرے باپ سورج مل کی طرف سے آنے والے دونوں قاصدوں! ہمیں نہ لشکر میں جبری رکھا گیا ہے نہ ہی ہم یہاں یرغمال ہیں۔ یوں جانوں کہ میں اور وینا اپسند سے مل کر اپنے من کا مول تک باندھنا بھول گئیں ہیں۔ دونوں ہی شاہ پسند اتھوں بے دام بک چکی ہیں۔ یوں جانو یہ لشکر ہی اب ہماری جنم بھومی ہے۔

سنو۔ دونوں قاصدو! شاہ پسند سے ملاقات سے پہلے میری اور وینا کی حالت اذیت توکل' تحریص کے زہر' سفاک لمحوں کی مبارزت' میں کڑے وقت کی رسم لہو بار' کے سندر بن میں اعصاب شکنی' اور کڑی دھوپ میں کچے رنگوں کے اندر شوریدہ

مزاجی جیسی تھی۔ شاہ پسند سے ملنے کے بعد اور اس کے ساتھ رہتے ہوئے اب میں اور وینا دونوں حنا کے پتوں' کسم کے پھولوں جیسی پر سکون' شبنم کے موتیوں بھری مانگ جیسی شاداب' کومل سپنوں کی بارات اور رنگوں کے جھلمل بارش جیسی خوش و خرم ہیں۔

دونوں قاصدو واپس جا کر میرے باپ سورج مل سے کہنا کہ میں اور وینا دونوں کسی دیوی کے چرنوں کسی دیوتا کے مندر میں رہنے کے لئے پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ میں اور وینا کسی شمشان کی آگ میں جل مرنے اور چتا کی آتش میں بھسم ہونے کو نہ پیدا ہوئی تھیں۔ اب اس سرزمین کے ایکا دیشی اور پورن ماشی تہواروں' گنگا اور جمنا کے قدیم پہلوانوں' رام چندر اور کرشن کی جے سے ہمارا کوئی تعلق کوئی واسطہ نہیں ہے۔

ہم دونوں نے نیک نیتی اور دل کی تہہ سے اسلام قبول کر لیا ہے۔ ہم اب مسلمان ہیں اور اس خدا کو مانتے ہیں جو وحدت الوجود اور ہمہ اوست ہے۔ اور ہماری اس تبدیلی اور ہمارے اس انقلاب نے ہمیں ذلت و نکبت کی لمبی رات سے نکال کر بخارات کا آفتاب عطا کیا ہے۔ ظنون اور شکوک کی راہوں سے نکال کر کھنکتی ہنسی کی گونج عطا کر دی ہے۔

دونوں قاصدو تمہارے اطمینان' تمہاری راحت کے لئے میں یہ بھی کہوں کہ میرے باپ سے جا کر یہ بھی کہنا کہ شاہ پسند جو اپنے دشمنوں کے لئے طغیانی جرأت' بشر گزیدہ' بادلوں کی گرج' بجلیوں کی چمک اور لہو کی دھول اڑاتا ایک طوفان ہے۔ وہاں وہ میرے اور وینا کے لئے خوابوں کی نگر میں نروان کی روشنی' گلابی حدت کے ہالے میں اجلی ہنسی' زیست کی خوشبو اور سرمگین دھند میں زندگی کا سہاگ اور شبنم کے لبوں پر ناچتی کرنوں میں راحتوں اور خوشیوں کا ایک طلسم ہے۔

میرے باپ سے جا کر کہنا اب ہمارا تعلق بھرت پور سے نہیں رہا۔ نہ ان سے کوئی تعلق اور واسطہ ہے۔ اب شاہ پسند ہی میرے اور کامنی کے لہو کی گردش' ہم دونوں کے دلوں کی صندلی تحریر۔ ہم دونوں کی روح کی دیو مالا کا قصہ۔ ہم دونوں کے بخت کی تعمیر اور دونوں کی تقدیر کا لذت فشاں لمس ہے۔ میرے باپ سے جا کر کہنا کہ مجھے اور وینا کو واہمہ بن کر گونجتی کالی رات' دھوپ چھاؤں کا کھیل' سوکھے پتوں کی سرسراہٹ اور خزاں کی رت کا کوئی لٹا ہوا لمحہ سمجھ کر فراموش کر دے۔ یہ سمجھ لے کہ میں نے اس کے ہاں اور وینا نے اس کے بھائی کے ہاں جنم ہی نہیں لیا تھا۔

یہاں تک کہنے کے بعد کامنی رکی تھوڑی دیر خاموش رہی پھر وہ ان دونوں قاصدوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگی۔ سنو میرے باپ کے دونوں قاصدوں جو کچھ میں نے کہا ہے یہ تمہاری تسلی کے لئے کافی ہے یا تم میرے منہ سے کچھ اور بھی سننا چاہتے ہو۔ اس پر ایک قاصد بولا اور بڑی حیرت اور پریشانی میں کامنی کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ راجکماری جو کچھ آپ نے کہا ہے کیا یہ سب کچھ آپ نے اپنے پورے ہوش و حواس میں کہا ہے۔ اس پر کامنی نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگی۔ یقیناً" میں نے جو کچھ کہا ہے اپنے ہوش و حواس ہی میں کہا ہے۔ وہ قاصد اس بار وینا کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ وینا دیوی جو کچھ راجکماری کامنی دیوی نے کہا ہے کیا آپ بھی اس سے اتفاق کرتی ہیں۔ جواب میں وینا ہلکی ہلکی مسکراہٹ میں کہنے لگی جو کچھ میری بہن نے کہا وہ صرف اس کے دل کی نہیں بلکہ میرے دل کی بھی آواز ہے۔ یہ خیمہ ہمارے لئے اب اجنبی اور پرایا نہیں ہمارا اپنا گھر ہے اور قسم خداوند کی اس خیمے میں جو آ کر سکون ملا وہ سکون مجھے اور کامنی کو بھرت پور کے راج محل میں بھی میسر نہ آیا تھا۔

دونوں قاصد کامنی کی گفتگو سن کر پہلے ہی حیرت زدہ ہو رہے تھے اب جو انہوں نے وینا سے بھی ایسی ہی گفتگو سنی تو ان کی تعجب خیزی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ پھر ان دونوں نے بڑے راز دارانہ آپس میں کوئی مشورہ کیا پھر ایک قاصد آگے بڑھا۔ عبداللہ کے قریب آ کر وہ بیٹھا اور بڑے مودبانہ انداز میں وہ عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔ شاہ پسند اس موقع پر میں اگر آپ سے کوئی سوال کروں تو آپ

جواب دینا پسند کریں گے۔ لشکر میں داخل ہونے کے بعد مجھے پتہ چلا تھا کہ آپ ایک مہم کے سلسلے میں گئے ہوئے تھے جہاں آپ زخمی ہوئے ہیں۔ اگر آپ تکلیف کی شدت میں نہ ہوں تو میں اپنے اطمینان اور بھرت پور کے راجہ سورج مل کی تسکین کے لئے آپ سے کچھ پوچھنا چاہوں گا۔ اس پر عبداللہ نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کچھ کہنا ہی چاہا تھا کہ اس کے بولنے سے پہلے ہی کامنی بول پڑی اور قاصد کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

جب میں اور وینا دونوں بہنیں تمہاری باتوں اور تمہارے سوالات کا جواب دے چکی ہیں تو پھر ان سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ یہ زخمی ہیں انہیں سکون اور آرام کی ضرورت ہے تم اگر مزید کچھ پوچھنا چاہتے ہو تو مجھ سے یا وینا سے سوال کر لو۔ انہیں آرام کرنے دو۔ اس پر عبداللہ نے مسکرا کر کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا پوچھنے دو کیا پوچھتا ہے میں اس کے سوالوں کا جواب ضرور دوں گا۔ عبداللہ کی اس گفتگو سے اس قاصد کو کچھ حوصلہ ہوا پھر وہ عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

شاہ پسند اگر میں آپ سے یہ پوچھوں کہ کیا آپ واقعی کامنی اور وینا دونوں سے پیار کرتے ہیں اور کیا آپ نے اب تک اپنی رضا مندی اور اپنی مرضی سے ہی کامنی سے شادی کی ہے اور آئندہ بھی اپنی خوشی اپنی چاہت کو سامنے رکھتے ہوئے وینا سے شادی کریں گے۔ اس پر جہاں احمد شاہ ابدالی' شاہ ولی خان' جہان خان' برخوردار خان' قاسم اور درویش عبیداللہ بڑی حیرت سے عبداللہ کی طرف دیکھ رہے تھے وہاں عبداللہ نے تھوڑی دیر کے لئے غور سے قاصد کی طرف دیکھا پھر اپنے ہونٹوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

سورج مل کے قاصد اگر تو میری زبان سے ہی کچھ سننا چاہتا ہے تو سن۔ جہاں کامنی میری ذات کے شہر کے لئے ایک خواب گورہ راحت' میرے دل کے لئے جمال کی ترنم ریزی' میری روح کے لئے سوچوں کا گلاب اور میرے جسم کے لئے لذت کی

ین ہے۔ وہاں وینا میری آنکھوں کے لئے سکون کی روشنی کا پیغام' میری سوچوں کے لئے محبت کا پرچار' نروان کا حسن' میرے ذہن کے لئے یادوں کی مخمل پر ریشمی لمحہ اور یری جان کے لئے حلقہ در حلقہ پھیلی خوشیوں کی دھنک لہر ہے۔

عبداللہ کا یہ جواب سن کر وہ قاصد شاید مطمئن ہو گیا تھا اس لئے کہ وہ اپنی جگہ ے اٹھا۔ اپنے ساتھی قاصد کے پاس آیا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا کیا تم مزید چھ سوال شاہ پسند سے کرنا چاہتے ہو اس پر دوسرا ساتھی عجیب سے مطمئن انداز میں ہنے لگا اب مزید پوچھنے کے لئے کیا رہ گیا ہے۔ کامنی' وینا اور پھر شاہ پسند کی باتیں ن کر میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ یہ تینوں ایک دوسرے کے لئے پیدا ہوئے تھے۔ و کامنی اور وینا نے بھرت پور میں جنم لیا۔ جبکہ یہ شاہ پسند کابل ہرات کی طرف پیدا وا لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ ازل سے جنم جنم سے ایک دوسرے کے لئے تھے۔ یک دوسرے کے لئے ہیں اور ایک دوسرے کے لئے رہیں گے۔ اب ہمیں مزید ہاں رک کر وقت برباد نہیں کرنا چاہیے۔ میرے خیال میں ہمیں یہاں سے کوچ کر انا چاہیے اور جا کر اپنے مہاراج سورج مل سے کہنا چاہیے کہ وہ کامنی اور وینا ونوں کو بے تعبیر خواب' آرزو کیا ہوا چہرہ' ختم ہوتی جھاگ' پرندوں کا گیت اور رات کے عناصر ایک غنودگی سمجھ کر فراموش کر دے۔ اس لئے کہ کامنی اور وینا کا اب اس ے کوئی تعلق نہیں رہا یہ دونوں ہمیشہ اور سدا کے لئے شاہ پسند کی ہو کر رہ گئی ہیں۔

اس موقع پر عبداللہ نے اشارے سے کامنی کو اپنے نزدیک بلایا۔ کامنی گھٹنوں کے بل شاہ پسند کے قریب بیٹھ گئی پھر اپنا گال وہ عبداللہ کے منہ کے قریب لے گئی۔ بداللہ نے تھوڑی دیر تک کامنی کے کان میں کچھ سرگوشی کی جسے سن کر کامنی کے ہرے پر بڑی پرسکون اور خوشگوار مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کامنی اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کامنی نے اس موقع پر وینا کے کان میں بھی کچھ کہا۔ جسے سن کر وینا بھی پھول کی طرح کھل اٹھی تھی۔ پھر کامنی اور وینا دونوں خیمے کے اندر بنے ہوئے توشک خانے میں داخل ہو گئیں تھیں۔

سنو سورج مل کے قاصدوں تم دونوں چونکہ کامنی اور وینا کے دیس سے آئے ہو لہٰذا میں پسند نہیں کرتا کہ تم خالی ہاتھ جاؤ تم دونوں کے لئے یہ نقدی کی تھیلیاں ہیں تاکہ یہاں سے رخصت ہوتے وقت تمہیں یہ احساس ہو کہ تمہارے ساتھ شاہ پسند کے خیمے میں اچھا سلوک کیا گیا ہے اور بھرت پور پہنچ کر تم میں یہ احساس بھی رہے کہ کامنی اور وینا دونوں شاہ پسند کے خیمے میں کس قدر خوش اور پرسکون ہیں۔ اب میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے تم جا سکتے ہو۔ عبداللہ کی یہ گفتگو سن کر سب خوش ہو گئے تھے۔ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی بولا اور شاہ ولی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

شاہ ولی۔ میرے بھائی تم دونوں قاصدوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور انہیں بھلے طریقے سے رخصت کرو۔ اپنے پاس سے بھی ان دونوں کو انعام دے کر رخصت کرو اور جس قدر رقم تم ان کو مہیا کرو گے میں تمہیں ادا کر دوں گا۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم پا کر شاہ ولی خان دونوں قاصدوں کو لے کر خیمے سے باہر نکل گیا تھا۔ شاہ ولی خان کے جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے برخوردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

برخوردار میرے عزیز تم لشکر کے مطبخ کی طرف جاؤ وہاں مطبخ میں کام کرنے والوں کو میری طرف سے حکم دو کہ چھوٹے چوزوں کا شوربہ کافی مقدار میں تیار کر کے شاہ پسند کے خیمے میں بھیجا جائے اور ساتھ ہی کالی مرچیں اور نمک بھی پیس کر اس شوربے کے ساتھ روانہ کیا جائے تاکہ اس شوربے میں یہ دونوں چیزیں ڈال کر شاہ پسند اور اس کے ساتھ بیٹھ کر کامنی اور وینا بھی پرسکون ماحول میں پیئں۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم پا کر برخوردار بھی خیمے سے نکل گیا تھا۔

برخوردار کے جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی عبداللہ کے قریب بیٹھ گیا۔ عبداللہ کی بائیں ٹانگ ننگی کر کے اس نے اس کی ٹانگ پر تھوڑی دیر کے لئے ہاتھ پھیرا۔ پھر اس کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ عبداللہ میرے بیٹے میں تم سے بیان نہیں کر سکتا کہ میں کتنا خوش ہوں۔

تم نے اپنی گردن کو طوق سے نجات دلائی۔ اب تم نے اپنی دونوں ٹانگوں کے ے بھی اتار پھینکے ہیں۔ میرے بیٹے یہ مت پوچھو کہ آج میں کتنا خوش کتنا مطمئن ـ تمہاری بائیں ٹانگ پر لوہے کا کڑا دیکھ کر میں کڑھتا تھا لیکن تم نے کابل کے ن حکمران نصیر خان کا خاتمہ کر کے اس کڑے سے بھی نجات حاصل کر لی ہے۔ ے بیٹے۔ میرے بچے اس مہم پر کامیابی اور بائیں ٹانگ کے کڑے سے نجات ل کرنے پر میں تمہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں۔

احمد شاہ ابدالی کے ان الفاظ سے عبداللہ ایسا متاثر ہوا کہ تھوڑی دیر تک وہ ے غور سے احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھتا رہا پھر کہنے لگا۔

پاشا میں شاہ پسند کی حیثیت سے جو کچھ بھی آج ہوں وہ سب اللہ کے فضل اور ے کے طفیل اور اس درویش عبیداللہ کی مہربانیوں کے باعث ہے۔ اگر آپ کے ی کابل کے نواح سے مجھے گرفتار کر کے آپ کے سامنے پیش نہ کرتے اور آپ سامنے رقص درویش کر کے درویش عبیداللہ آپ سے میرے متعلق انصاف طلب کرتا تو میں عبداللہ کی حیثیت سے آج شاہ پسند اور امیر لشکر نہیں بلکہ کابل کے ی کوہستانی سلسلوں میں انتہائی بے بسی اور لاچارگی کی زندگی بسر کرنے والا کوئی اہا کوئی گڈریا ہوتا۔ پاشا میں آپ کا ممنون اور مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے ایک اہے سے امیر لشکر اور شاہ پسند بنا کے رکھ دیا۔ اس پر احمد شاہ ابدالی مسکراتے ئے عبداللہ سے کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے اس میں میری ذات کا کوئی کمال کوئی فخر نہیں ہے۔ چرواہے ے امیر لشکر اور شاہ پسند بننا یہ سب کچھ تمہاری اپنی کوششوں' تمہاری اپنی جدوجہد' ہاری دلیری' تمہاری شجاعت اور جراتمندی کا نتیجہ ہے۔ میرے بیٹے' میرے بچے ں روز ایک چرواہے لڑکے کی صورت میں کابل کے نواح میں تم میرے سامنے پیش ئے تھے اور تم نے لکڑی کے ستون پر رکھی ہوئی چربی پر تیر اندازی کر کے اسے مار رایا تھا اس روز ہی میں نے تمہاری ذات سے متعلق اندازہ لگا لیا تھا کہ تم بڑے ہو

کر ضرور کوئی غیر معمولی انسان بنو گے اور میرے بیٹے نادر آباد سے واپس آنے کے بعد جب تم نے ایک ساتھ دلاور خان اور زال بیگ پوپلزئی کو بدترین شکست دی تو جو اندازے جو امیدیں میں نے تمہارے متعلق قائم کر رکھی تھیں وہ سب کی سب پوری ہو گئیں۔ شاہ پسند آج میں تمہیں ٹانگوں کے دونوں کڑوں سے نجات حاصل کرنے پر اپنے دل کی پوری خوشی اور طمانیت سے ایک بار پھر مبارکباد دیتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی اپنی جگہ پر اٹھ کھڑا ہوا اور مزید کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے میں اب جاتا ہوں مجھے امید ہے کہ کامنی اور وینا دونوں اس زخمی حالت میں تمہارے سکون تمہاری راحت کا باعث بنیں گی۔ شاہ پسند پہلے میرا ارادہ تھا کہ جونہی تم اپنی گجرات کی مہم سے لوٹو گے تو میں لاہور سے قندھار کی طرف کوچ کر جاؤں گا لیکن تمہارے زخم کی وجہ سے میں چند دن رکوں گا جب تمہارا زخم مندمل ہو جائے گا پھر ہم قندھار کی طرف کوچ کریں گے۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی عبداللہ کے خیمہ سے نکل گیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر بعد برخوردار خان چند سپاہیوں کے ساتھ عبداللہ کے خیمہ میں نمودار ہوا وہ چوزوں کا شوربہ اور دو برتنوں میں علیحدہ پسی ہوئی کالی مرچیں اور نمک لے کر آیا تھا۔ وہ تینوں چیزیں برخوردار نے کامنی کے حوالے کر دیں پھر وہ اپنے ساتھ آنے والے سپاہیوں کے ساتھ باہر نکل گیا تھا۔ کامنی اور وینا دونوں حرکت میں آئیں۔ مٹی کے پیالوں میں انہوں نے چوزوں کا شوربہ ڈال کر کالی مرچ اور نمک ملایا پھر وہ شاہ پسند' قاسم' درویش عبیداللہ اور ارزون کو وہ شوربہ پلانے کے ساتھ ساتھ دونوں بہنیں خود بھی عبداللہ کے دائیں بائیں بیٹھ کر پرسکون ماحول میں پینے لگیں تھیں۔

وسط دسمبر تک عبداللہ کا زخم بالکل ٹھیک ہونے کے بعد احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آیا لاہور سے اس نے پڑاؤ اٹھا کر کوچ کیا اور دریائے ستلج کی طرف بڑھا۔ پھر وہ دریائے ستلج کے کنارے کنارے بھاولپور پہنچا اور وہاں سے ملتان

ر ڈیرہ اسماعیل خان سے ہوتے ہوئے درہ گومل سے گزر کر غزنی کا رخ کر رہا تھا۔
اب کی جھلتی ہوئی گرمی نے احمد شاہ ابدالی کی صحت پر بہت خراب اثر ڈالا تھا اس
ے غزنی پہنچ کر کچھ عرصہ صاحب فراش رہا۔ اس کے چہرے پر بڑی تعداد میں دانے
ں آئے تھے۔ یہی حال اس کے سپاہیوں اور سالاروں کا بھی ہوا۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی
ا اپنے لشکر کے ساتھ چند یوم تک غزنی میں قیام کیا اس کے بعد وہ اپنے لشکر کے
ھ اپنے دارالحکومت قندھار کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ جونہی پنجاب چھوڑا سکھ پھر اپنی کمین گاہوں اور گھاتوں سے نکل آئے۔ احمد شاہ ابدالی کے حملہ آور ہوتے وقت جہاں وہ حشرات الارض اور کیڑے مکوڑوں کی طرح ادھر ادھر پھیل گئے تھے۔ احمد شاہ کے جانے کے بعد وہ پھر مسلح ہو کر امرتسر میں جمع ہونا شروع ہو گئے۔

اس مرتبہ سکھوں نے اپنے آپ کو دو گروہوں میں تقسیم کیا ایک گروہ کا نام انہوں نے "بڈھا دل" یعنی بوڑھوں کی فوج اور دوسرے گروہ کا نام "ترونا دل" یعنی جوانوں کی فوج کا نام رکھا۔

یہ دونوں بڑے بڑے گروہ مزید بارہ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں تقسیم تھے جنہیں بارہ سالاں کہہ کر سکھ پکارنے لگے تھے۔ بڈھا دل نے سب سے پہلے جو کام شروع کیا وہ یہ تھا کہ صوبہ میں مختلف جگہوں پر اس گروہ کے سکھوں نے اپنے مرکز قائم کئے۔ جہاں سکھوں کے دشمنوں کو بدترین سزائیں دی جانے لگیں تھیں۔ دوسرا گروہ جس کا نام ترونا دل تھا اس کے ذمہ سب سے پہلا کام یہ لگایا گیا کہ امرتسر کے مقدس تالاب جنہیں احمد شاہ ابدالی نے بھروا دیا تھا پہلے انہیں صاف کیا جائے۔ اس کے بعد کوئی دوسرا کام کیا جائے۔ لہٰذا دوسرا گروہ جس کا نام ترونا دل تھا اس نے امرتسر کے مقدس تالابوں کی صفائی کا کام شروع کر دیا تھا۔

ترونا دل تو امرتسر میں تالابوں کی صفائی ہی میں مصروف رہا جبکہ بڈھا دل اپنے سردار جسا سنگھ کی کمانداری میں حرکت میں آیا۔ جسا سنگھ سکھوں کے اس گروہ کو لے کر جالندھر دو آب کی طرف بڑھا۔ جسا سنگھ چاہتا تھا کہ پہلے جالندھر دو آب پر قبضہ کرے اور اس دو آب میں اپنی قوت کو خوب مستحکم اور مضبوط کرنے کے بعد پھر

ے علاقوں پر حملہ آور ہو کر پورے پنجاب میں سکھوں کی حکومت اور سلطنت کر دی جائے۔

بہرحال جسا سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ جالندھر دو آب کی طرف بڑھا۔ جالندھر دو ب پر احمد شاہ ابدالی کی طرف سے سادات خان حاکم تھا۔ سادات خان کو جب خبر ئی کہ سکھ اس پر حملہ آور ہو کر جالندھر دو آب کو اس سے خالی کرانا چاہتے ہیں تو وہ ک لشکر لے کر سکھوں کے مقابل آیا تاکہ سکھوں کے ان ارادوں کو خاک میں ملا ے لیکن سادات خان ایسا کرنے میں ناکام رہا۔

اس لئے کہ جونہی سادات خان اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کے مقابل آیا۔ سکھ ہیروں کے گہرے ویران کنوؤں' تاریکیوں کے بے انت تہ خانوں کی طرح سادات ن اور اس کے لشکریوں پر وارد ہوئے۔ غلامی کی حمد کی خمار انگیز و سرشاری' وٹیوں کے لامتناہی سلسلے کی طرح وہ سادات خان کے لشکر میں خونریزی کرتے ہوئے ھس گئے اور چاروں طرف انہوں نے نفرت ملی کراہت' شیطان کے لائے بدروح راہوں اور سمتوں کی لامتناہیت کا ایک سلسلہ قائم کر دیا تھا۔ سادات خان نے اپنی طرف سے بڑی کوشش کی کہ کسی نہ کسی طرح سکھوں کو روک کر اور انہیں پسپا کر کے جالندھر دو آب سے ان کو نکال باہر کرے لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا سکھوں نے سادات خان کو بدترین شکست دی اس کے لشکر کے ایک حصہ کو تہہ تیغ کر دیا۔ سادات خان بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر بھاگنے میں کامیاب ہوا تھا۔ اس طرح احمد شاہ ابدالی کے پنجاب چھوڑنے کے بعد سکھوں نے جالندھر دو آب کے خلاف جو پہلی کارروائی کی اس میں وہ پوری طرح کامیاب رہے تھے اور جالندھر دو آب پر قبضہ کرنے کے بعد انہوں نے نا صرف یہ کہ اپنے لشکر میں بڑی تیزی سے اضافہ کرنا شروع کر دیا تو بلکہ اپنے لئے رسد کا سامان کے ڈھیر لگانا شروع کر دیئے تھے۔

جالندھر دو آب پر قبضہ کرنے کے بعد جسا سنگھ نے چند روز تک اپنے لشکریوں کو آرام کرنے کا موقع فراہم کیا پھر وہ لساڑا شہر کی طرف بڑھا۔ جہاں کا حاکم دیوان داس تھا۔

مبیر داس اور سکھوں کے درمیان ہولناک جنگ ہوئی سادات خان کی طرح
شمیر داس بھی چاہتا تھا کہ اپنے علاقوں سے سکھوں کو نکال باہر کرے وہ بھی اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ احمد شاہ ابدالی نے چونکہ سکھوں کی قوت کو یکسر توڑ پھوڑ کر رکھ دیا ہے لہٰذا سکھ اس کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے لیکن سادات خان کی طرح سکھوں نے شمیر داس کی بھی ساری غلط فہمیاں دھو نکال کر رکھ دی تھیں۔

شمیر داس جب اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کے مقابل آیا تو سکھ خاک ناچتے ذروں، تعصب کے مرض لا علاج اور تحریف ابلیس کی طرح شمیر و تمنی اوہام، کھنڈروں کی بھربھری زمین میں حلقہ در حلقہ خونی رقص اور طوفانی انداز میں شمیر داس پر حملہ آور ہوئے اور لمحوں کے اندر انہوں نے شمیر داس کے لشکر کی حالت پیس کر لکڑی کے برادے کی طرح کر کے رکھ دی تھی۔ شمیر داس زیادہ دیر تک سکھوں کا مقابلہ نہ کر سکا۔ بھاگ کھڑا ہوا اس طرح سکھوں نے جالندھر دو آب اور شمیر داس کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے بعد اپنی چھوٹی سی ریاست کی ابتداء کر دی تھی۔

اس نئی ریاست کے انتظام و انصرام درست کرنے کے بعد سکھ مزید پھیلنا شروع ہوئے اور اب انہوں نے اپنی اس ریاست سے نکل کر دوسرے علاقوں پر حملہ آور ہوتے ہوئے اپنے چاروں طرف شور قیامت کی گونج، نہ بجھنے والی پیاس، طوائف رقص اور برق کے نادیدہ لیکوں کی طرح پھیلنا اور بکھرنا شروع کر دیا تھا۔ جہاں بھی وہ وارد ہوتے اس علاقہ میں ریزہ ریزہ گمشدگی کی تمیں برساتے۔ ریگتی چیختی اجل کی طرح ہر شے پر وارد ہوتے اور اپنے سامنے آنے والے ہر دشمن کو وہ پکوڑوں کے کرکرے بدن کی طرح توڑتے چلے جاتے تھے اس طرح سکھوں نے بڑی تیزی سے مختلف علاقوں پر قبضہ کرتے ہوئے اپنی ریاست میں اضافہ کرنا شروع کر دیا تھا۔

○

سکھوں کی شورش اور ان کی خونی سرگرمیوں کا احوال جب احمد شاہ ابدالی کے جاسوسوں نے اس تک پہنچایا تو احمد شاہ ابدالی نے اپنے جرنیل جہان خان کو سکھوں کی

وبی کا حکم دیا۔ جہان خان کے زیر کمان ایک بہت بڑا لشکر تھا۔ جسے لے کر جہان
ن دریائے سندھ جہلم اور چناب کو عبور کرنے کے بعد رچنا دو آب میں داخل ہوا۔
ہوں کے ساتھ مقابلہ کرنے سے پہلے جہان خان نے اپنے لشکر کے ساتھ جموں کا
خ کیا جموں کا راجہ رنجیت دیو چونکہ احمد شاہ ابدالی کا جانثار اور وفادار تھا لہٰذا جہان
ن چاہتا تھا کہ جموں پہنچ کر رنجیت سنگھ سے کمک اور رسد کا سامان حاصل کرے اس
ے بعد خوب خم ٹھونک کر سکھوں کے مقابل آئے۔ اس مقصد کے لئے جہان خان
، اپنے لشکر کے ساتھ سیالکوٹ آیا۔

لیکن جہان خان کی بدقسمتی کہ سکھ سرداروں کو جہان خان کے ارادے کا پہلے ہی
ہو چکا تھا لہٰذا سکھوں کا سردار چڑہٹ سنگھ بڑی تیزی کے ساتھ اپنے لشکر کو ساتھ
، کر گوجرانوالہ سے سیالکوٹ کی طرف بڑھ گیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے اپنے دوسرے
، سرداروں مثلاً "جھنڈا سنگھ' اور گوجر سنگھ کو بھی اپنی مدد کے لئے بلا لیا تھا۔ یہ سکھ
ردار بھی اپنے اپنے لشکر کو لے کر جہان خان کے خلاف چڑہٹ سنگھ کی مدد کے لئے
انہ ہو گئے تھے۔

اس ساری صورتحال کے باوجود جہان خان کے حوصلے بڑے بلند تھے اس لئے کہ
جنگ کا وسیع تجربہ رکھتا تھا اور ماضی میں کئی معرکوں میں وہ سکھوں کو بدترین شکست
ے چکا تھا لیکن جہان خان یہ امید نہیں رکھتا تھا کہ سکھ اچانک اس پر حملہ آور ہو
اسے درہم برہم کرنے کی کوشش کریں گے۔ جہان خان جس وقت سیالکوٹ کے
ح میں اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کئے ہوئے تھا تو سکھ جو پہلے سے جہان خان کی
ات میں تھے۔ ہڈیاں چٹخاتے لاوے، شعلوں اور شراروں کی طرح رات کی تاریکی
جہان خان کے پڑاؤ کی طرف بڑھے اور جس طرح افق کی نیلم افروز پہنائیوں پر
ق سے مغرب تک پھیلتے سرخ طوفان ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہیں اسی طرح سکھ
جہان خان کے لشکر پر حملہ آور ہوئے اور جہان خان کے لشکر کے چاروں طرف
ں نے خون کا کھیل شروع کر دیا تھا۔ سکھوں کے اس حملہ سے لگتا تھا جیسے ان کی
ی بوندیں لاوا بن کر ابلنے لگی ہوں۔ اپنے پہلے ہی حملہ میں سکھوں نے جہان خان

کے لشکر میں استبداد مردم بیزاری اور تشدد و تباہ کاری کا نہ ختم ہونے والا کھیل شروع کر دیا تھا۔

سکھوں نے جب جہان خان پر شب خون مارا تو جہان خان سمجھ گیا کہ سکھ اچانک حملہ آور ہو کر اس کے خلاف اپنے لئے فوائد حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ رات کی تاریکی میں بڑی تیزی سے جہان خان نے اپنے لشکر کو سمیٹا اپنی زندگی کے پورے تجربے اور پورے جلال و جمال کے ساتھ اس نے اپنے لشکریوں کو سکھوں کی شب خون سے کسی قدر بچا کر ایک جگہ جمع کیا پھر جہان خان رات کی تاریکی میں اپنی حیات کی ساری معراج اپنی زندگی کے سارے کمال کے ساتھ موت کے وقار اور سعی لامحدود کی طرح سکھوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ رات کی تاریکی میں سیالکوٹ شہر سے باہر لگتا تھا جیسے اجل کی صبح و شام پر ظلمت دہر اپنی خون آلود چادر پھیلانے لگی ہو۔ رات بھر جہان خان شیر کی طرح دھاڑتا ہوا سکھوں سے ٹکراتا رہا۔ گو سکھوں نے اسے تین اطراف سے گھیر رکھا تھا لیکن اس کے باوجود جہان خان نے بڑی ہمت جوانمردی کا مظاہرہ کیا اور رات بھر اس نے سکھوں کو اپنے سامنے روکے رکھا۔

لیکن جہان خان کی بدقسمتی کہ جب صبح طلوع ہوئی تو سکھوں کے ایک خونخوار دستے نے جہان خان پر ناگہانی حملہ کر دیا جہان خان کے محافظ دستوں کی اکثریت کو اس دستے نے تہہ تیغ کر دیا۔ یہاں تک کہ کچھ سکھ جہان خان پر بھی حملہ آور ہوئے۔ جہان خان نے اپنا پورا پورا دفاع کیا لیکن اس حملہ میں جہان خان کا گھوڑا مارا گیا اور جہان خان گھوڑے کے ساتھ زمین پر گر گیا۔

جہان خان کو اپنے گھوڑے سمیت زمین پر گرتے دیکھ کر سکھوں نے با آواز بلند واہ گروجی کی فتح کے نعرے لگانے شروع کر دیئے تھے اور چاروں طرف یہ افواہ پھیلا دی تھی کہ انہوں نے جہان خان کو اس کے گھوڑے سمیت قتل کر دیا ہے۔ جہان خان کے لشکر میں اس خبر کا پھیلنا تھا کہ اس کے لشکری جی چھوڑ بیٹھے حالانکہ جہان خان کی سرکردگی میں وہ اپنے سروں پر کفن باندھ کر جنگ کر رہے تھے اور ممکن تھا تھوڑی دیر مزید جنگ رہتی تو جہان خان سکھوں کو بدترین شکست دیتا لیکن جب جہان

ان کے مرنے کی خبر جہان خان کے لشکر میں پھیلی تو افراتفری کا شکار ہو گئے اور پھر س کے بعد سکھ تیغ بدست ہو کر جہان خان کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔

اس طرح جہان خان کے لشکر کو بدترین شکست ہوئی اسے بھاری جانی نقصان ٹھانا پڑا۔ جہان خان گھوڑے سے گرنے کے بعد اپنے لشکر کو سنبھالا دینا چاہتا تھا لیکن ب اس نے دیکھا کہ اس کے لشکری اس کی موت کی خبر کیوجہ سے بددل ہو کر بھاگنا شروع ہو گئے ہیں تو جہان خان بھی بھاگ نکلا جس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے لشکر کا نام مال و اسباب اور لشکر میں شامل جہان کے رشتہ دار اور لواحقین سکھوں کے ہاتھ آ گئے۔

چونکہ اس زمانے کے سکھ عورتوں پر ہاتھ اٹھانا مردانگی اور عزت کے خلاف سمجھتے تھے اس لئے انہوں نے جہان خان کے ساتھ آنے والی خواتین اور اس کے رشتہ دار اور لواحقین کو کچھ نہ کہا ان سب کے بحفاظت انہوں نے جموں کے راجہ رنجیت دیو کی طرف بھجوا دیا تھا اس طرح سیالکوٹ سے باہر لڑی جانے والی اس جنگ یں جہان خان کو بدترین شکست ہوئی۔ جہان خان پشاور کی طرف بھاگ گیا اس کے شکر کا بڑا حصہ تباہ و برباد کر دیا گیا اور جہان خان کی اس شکست اور اپنی فتح سے سکھوں کے حوصلے پہلے کی نسبت کہیں زیادہ بلند اور مضبوط ہو گئے تھے۔

○

سیالکوٹ کے باہر کھلے میدانوں میں جہان خان کو بدترین شکست دینے کے بعد سکھ پنجاب میں شیر ہو گئے تھے۔ لہٰذا اب انہوں نے مالیر کوٹلہ کا رخ کیا جہاں کا حاکم بیکن خان تھا۔ بیکن خان کو سکھوں کے حملہ کی اطلاع ہو گئی تھی لہٰذا اس نے مالیر کوٹلہ سے باہر نکل کر سکھوں کا مقابلہ کیا شروع شروع میں سکھوں کے مقابلہ میں بیکن خان کا پلہ بھاری بھی رہا لیکن بیکن خان کو یہ خبر نہ تھی کہ سکھوں نے کچھ لشکر پہلے ہی سے گھات میں بٹھا رکھے تھے۔ لہٰذا جنگ جب عروج پر آئی تو گھات میں بیٹھے ہوئے لشکر بھی جنگ میں مصروف سکھوں کے لشکر سے آ ملے تھے۔ اس طرح سکھ

چاروں طرف سے گرجتی دھاڑتی آندھیوں' ہزاروں گزند دیتے طوفانوں' کی طرح بیکن خان اور اس کے لشکریوں پر ٹوٹ پڑے تھے چاروں طرف سے سکھ ویرانیاں پھیلاتے بگولوں' زندگی کے ہر حصار کو توڑتی قضا' ستم کی آگ اور موت کے خون کی بارش کی طرح بیکن خان کے لشکر پر نزول کرتے ہوئے اس کا قتل عام کرنے لگے تھے۔ سکھوں کے حملوں اور ان کی پیش قدمی سے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے انہوں نے آندھیوں اور ہواؤں کی رفتار پر قابو پا کر اجل اور مرگ کو اپنا غلام بنا کر رکھ لیا ہو۔

مالیر کوٹلہ سے باہر بیکن خان کو بدترین شکست ہوئی بیکن خان کے سارے لشکر کا سکھوں نے خاتمہ کر دیا تھا۔ اس کے بعد سکھ مالیر کوٹلہ میں داخل ہوئے۔ مالیر کوٹلہ کے ہر گھر کو سکھوں نے لوٹا اور اپنے لئے جہاں انہوں نے دولت کے انبار حاصل کیے وہاں انہوں نے رسد کا بھی بے شمار سامان حاصل کر لیا تھا۔

مالیر کوٹلہ پر قبضہ کرنے کے بعد سکھوں کے لشکر نے اپنے سپہ سالار جسا سنگھ کی سربراہی میں سرہند کے مشہور اور تاریخی شہر کا رخ کیا جس کا حاکم احمد شاہ ابدالی کی طرف سے زین خان کو مقرر کیا گیا تھا۔



سرہند شہر کی بدقسمتی کہ زین خان شروع شروع میں تو بہت اچھا اور منصف پسند حکمران ثابت ہوا تھا لیکن بعد میں نجانے اس کی مٹی کیوں پلید ہوئی کہ یہ اپنی ظالمانہ کارروائیوں پر اتر آیا اور لوگ نہ صرف اس سے نفرت کرنے لگے بلکہ یہ اپنے سارے علاقوں میں غیر مقبول ہو کر رہ گیا۔

زین خان نے حکمرانی کے پرانے اصول و روابط بالائے طاق رکھ دیئے اس نے اپنے لشکر کے سپاہیوں کو تنخواہیں تک دینا بند کر دیں تھیں اور اپنی عملداری کے کسانوں کو لوٹنا شروع کر دیا تھا۔ اس طرح جو اناج حاصل ہوتا وہ سپاہیوں میں ان کی تنخواہ کے بقدر ایک تہائی تقسیم کر دیا جاتا۔ اس نے سرہند کے کوہستانی سرداروں سے یارانہ گانٹھ رکھا تھا اور ان کے ساتھ مل کر وہ ہر وقت دولت جمع کرنے کی فکر میں لگا

ہتا تھا۔ زین خان کی یہی بے عقلی ظالمانہ رویہ اور اس کی حماقت اس کے لئے زاب اور بربادی کا ایک دعوت نامہ بن کر رہ گئی تھی۔

مالیر کوٹلہ پر قبضہ کرنے کے بعد سکھوں نے سرہند کے شہر کا رخ کیا سرہند شہر پہنچ ر بڈھا دل اور تردنا دل دونوں متحد ہو گئے۔ چڑہٹ سنگھ' جھنڈا سنگھ' گنڈا سنگھ' تارا نگھ اور جسا سنگھ اس لشکر کے سپہ سالار تھے اس کے علاوہ پٹیالے کا آلا سنگھ بھی اپنے ونوں جرنیلوں ہمت سنگھ اور چین سنگھ کی کمانداری میں ایک بہت بڑا لشکر لے کر لھوں کی مدد کے لئے سرہند پہنچ گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کی طرف سے سرہند کے حکمران زین خان کی کم عقلی اور بے خبری ا یہ عالم تھا کہ جس وقت سرہند شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے سکھ لشکر بڑی تیزی ے پیش قدمی کر رہا تھا۔ ان حالات میں زین خان بالکل بے خبر سرہند شہر کے باہر پنے لشکر کے ساتھ مالیانہ وصول کرنے کے بہانے دیہات کو لوٹ رہا تھا سکھوں کے نے کی خبر پا کر وہ اپنے لشکر کے ساتھ سرہند شہر کی طرف بھاگا تاکہ شہر میں محصور ہو ر سکھوں کا مقابلہ کرے لیکن سکھوں نے اسے ایسا نہ کرنے دیا۔ ہڈلاڈا کے مقام پر لھوں کا لشکر زین خان اور اس کے لشکر کی راہ روک کھڑا ہوا۔ ہڈلاڈا کے مقام پر ین خان اور سکھوں کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی جس میں زین خان نے اپنی رف سے سکھوں سے بچ کر سرہند شہر کی طرف بھاگنے کی پوری کوشش کی لیکن لھوں نے اسے ناکام بنا کر رکھ دیا۔

سکھ چاروں طرف سے زین خان کے لشکر پر فاقہ کشوں کی گرسنگی' ہواؤں کے نون اور ظلم کی بھتات کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔ وہ زین خان کے لشکریوں کا یوں قتل رنے لگے تھے جس طرح ستاروں کے جنون میں جبر کی ارزانیاں اور اجالوں کی وازوں میں شعلہ زن ظلمت وقت اپنا رنگ دکھانے لگتی ہیں۔ زین خان زیادہ دیر تک سکھوں کے آگے ٹھہر نہ سکا اور سکھوں نے نہ صرف یہ کہ زین خان کے سارے لشکر ا خاتمہ کر دیا بلکہ انہوں نے زین خان کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

زین خان کے قتل اور اس کے لشکر کو شکست دینے کے بعد مشتعل سکھ سرہند شہر کی طرف بڑھے اور شہر میں داخل ہو گئے بلا تخصیص انہوں نے شہر کی لوٹ مار کی افغانوں کے مکانات کو انہوں نے منہدم کر کے زمین سے ملا دیا اور اپنے گرو گوبند سنگھ کی پیش گوئی کو پورا کرنے کے لئے سکھ سرداروں نے گدھے منگوا کر اس زمین اپنے ہاتھ سے ہل چلایا۔ سکھوں کے ہاتھ سرہند شہر سے بے حساب مال و دولت آ اور سب سے بڑی بات یہ کہ سرہند جیسے بڑے اور تاریخی شہر پر بھی ان کا قبضہ ہو گ تھا۔

بعض تاریخوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ سکھوں نے مفتوحہ علاقوں کے حصے بخر کرنے شروع کر دیئے تھے ایک روایت ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی سکھ منتشر ہو گئے اور ادھر ادھر پھیلنے شروع ہو گئے ہر سوار رات دن مارا مارا سفر کر کے راستے میں جتن بھی گاؤں یا قصبے پڑتے سب میں ہتھیار یا لباس میں سے کوئی چیز پھینکتا جاتا یہاں تک کہ کچھ فاصلہ طے کرنے کے بعد تقریباً" بالکل ننگا ہو جاتا اور جہاں تک اس کا لباس اور دوسری اشیاء گرتی جاتیں یہ سب گاؤں اور قصبے اس کی ملکیت قرار پاتے تھے اس طرح پنجاب میں سکھوں نے فتوحات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ قائم کر کے ہر طرف تباہی اور بربادی کا بازار گرم کر دیا تھا۔

پنجاب کے ہر حصہ پر کسی نہ کسی سکھ نے قبضہ کر لیا لیکن سرہند کے منحوس شہر کو قبول کرنے کے لئے کوئی تیار نہ ہوا اس الجھن کا سکھوں نے یہ حل نکالا کہ اس شہر کے سرکردہ لوگوں کو حکم دیا کہ وہ خود ہی اپنے لئے اپنا حاکم منتخب کر لیں۔ سرہند کے لوگوں نے سکھ سردار بھائی بڑھا سنگھ کو اپنا حاکم مقرر کر لیا اور پھر خیر و برکت کی دعاؤں سے سرہند شہر بڑھا سنگھ کی تحویل میں دے دیا گیا لیکن چند ہی دن بعد پٹیالہ کے سردار آلہ سنگھ نے پچیس ہزار روپے کے عوض سرہند شہر بڑھا سنگھ سے خرید کر اپنی ملکیت میں کر لیا۔

سکھوں پر فتح اور کامیابی کا ایسا نشہ سوار ہوا کہ پنجاب کے مشرقی حصوں پر قبضہ

نے کے بعد انہوں نے بوریا کے مقام پر دریائے جمنا کو عبور کیا اور گنگا جمنا کے دو میں گھس گئے۔ اس علاقہ میں بھی انہوں نے چاروں طرف تباہی و بربادی مچا رکھ دی۔ سب سے پہلے انہوں نے سہارن پور کو لوٹا۔ ہر گھر میں انہوں نے تباہی ۔ یہاں سے انہیں بے شمار دولت اور رسد کا سامان ملا۔ اس کے بعد سکھوں ِاملی اور کاندھلہ شہروں پر بھی تباہی اور بربادی برپا کر کے رکھ دی تھی۔ اس طرح ی پنجاب سے نکل کر سکھ مزید مشرق میں بھی حملہ آور ہو کر اپنے لئے فوائد حاصل نے لگے تھے۔

اس قدر فتوحات حاصل کرنے کے بعد سارے سکھ سرداروں اور سپہ سالاروں آپس میں مشورہ کیا کہ جب تک لاہور فتح ہو کر سکھوں کی عملداری میں شامل ہوتا اس وقت تک پنجاب پر ان کا قبضہ مستحکم اور مضبوط نہیں ہو سکتا۔ سارے سرداروں نے اس پر اتفاق کیا کہ سب سے پہلے لاہور پر قبضہ کرنا چاہیے۔ اس بعد آس پاس کے دوسرے علاقوں کو فتح کر کے سندھ سے لے کر ستلج تک سکھوں پنی حکومت قائم کر لینی چاہیے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد سکھوں کا متحدہ لشکر لاہور ی طرف بڑھا اور شہر کا انہوں نے محاصرہ کر لیا۔

لاہور شہر پر حملہ آور ہونے کے لئے سکھوں کو ایک بہانہ بھی مل گیا اور وہ اس ا کہ کچھ عرصہ پہلے لاہور میں کچھ گائیں کھلے عام ذبح کی گئیں تھیں۔ سکھوں نے محاصرہ کرنے کے بعد لاہور شہر کے حاکم کابلی مل سے مطالبہ کیا کہ لاہور شہر میں روز پہلے چونکہ گائیں ذبح کی گئیں تھیں لہٰذا کابلی مل کو چاہیے کہ ان تمام ں کی گردن مار دی جائے جنہوں نے گائے ذبح کی ہے اور آئندہ کے لئے گائے کا ممنوع قرار دیا جائے۔

سکھوں کے اس مطالبے کے جواب میں لاہور کے حاکم کابلی مل نے یہ عذر پیش کہ وہ احمد شاہ ابدالی کا ملازم ہے اس نے اگر ایسا کوئی حکم دیا تو احمد شاہ ابدالی اسے ٹے گا۔ بہرحال سکھوں کو خوش کرنے کے لئے کابلی مل نے چند سرکردہ شہریوں کے

مشورے سے دو یا تین قصابوں کے ہاتھ اور ناک کاٹ کر سکھوں کے سامنے پیش دیئے۔ اس کے علاوہ کابلی مل نے سکھوں کو بھاری خراج ادا کرنے کا وعدہ بھی کر بہرحال گفت و شنید کے تحت یہ طے پایا کہ سکھوں کا ایک نمائندہ لاہور شہر میں ر گا اور کابلی مل اسے باقاعدہ خراج ادا کرتا رہے گا۔ یہ لاہور شہر پر سکھوں کے قبضے ایک طرح سے آغاز تھا۔



نادر آباد شہر میں مجیر الدین ایک روز اپنے لوہار خانے میں کام میں مصروف تھا عبداللہ اپنے گھوڑے کی باگ تھامے لوہار خانے میں داخل ہوا۔ اسے دیکھتے ہی الدین کے چہرے پر بے پایاں خوشیاں بکھر گئی تھیں۔ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہتھوڑا اور دونوں اس نے ایک طرف پھینک دیئے اور اٹھ کر وہ عبداللہ کی طرف بھاگا اور ا پوری قوت سے بے چارہ عبداللہ سے لپٹ گیا تھا۔ پھر وہ علیحدہ ہوا اور بڑی شفقت میں عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ شاہ پسند اپنے اس معمولی لوہار خانے م میں تمہیں خوش آمدید کہتا ہوں۔ شاہ پسند تم قابل ستائش ہو کہ شاہ پسند اور احمد ش ابدالی کا امیر لشکر بننے کے باوجود بھی تم نے ہمیں فراموش نہیں کیا۔ اس پر عبداللہ بڑی نرمی بڑی چاہت میں کہنے لگا۔

مجیر الدین میرے بزرگ میں آپ لوگوں کو کیسے فراموش کر سکتا ہوں۔ یہ گھر میرے استاد کا گھر ہے۔ میرے ایسے محترم۔ ایسے مشفق اور مربی کا گھر ہے جس کے مجھ پر اس قدر احسانات ہیں جو میں زندگی بھر نہیں اتار سکتا۔ عبداللہ کے خاموش ہو جانے پر مجیر الدین پھر بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے اکیلے ہی آئے ہو۔ عبداللہ کہنے لگا نہیں ساتھ میرے بیوی بچے بھی ہیں۔ اس پر مجیر الدین کہنے لگا۔ بیٹے اپنے بھائی کی مرگ کی وجہ سے میں تمہیں کامنی سے شادی پر مبارکباد بھی نہ دے سکا۔ نہ ہی تمہیں شادی کی خوشی میں کوئی تحفہ پیش کر سکا۔ کہو اس سے تمہارے کتنے بچے ہیں۔ اس پر عبداللہ بولا اور

لگا۔ کامنی سے میرا ایک ہی بیٹا ہے جس کا نام میں نے اپنے باپ کی نسبت سے خان رکھا ہے اور ہاں میں آپ پر یہ بھی انکشاف کروں کہ میں نے دوسری شادی کر لی ہے اس پر مجیر الدین چونکا اور کسی قدر پریشان لہجے میں پوچھا۔ بیٹے کامنی ہوتے ہوئے تمہیں دوسری شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس پر عبداللہ بولا کہنے لگا۔

مجیر الدین میرے بزرگ میری دوسری بیوی کا نام وینا ہے اور وہ کامنی کی چچا زاد ہے۔ وینا سے میری شادی صرف دو ہفتے قبل ہوئی ہے اور میں آپ سے یہ بھی رش کروں کہ یہ شادی کامنی کے اصرار اور اس کی رضامندی پر ہوئی ہے۔ اس کہ وینا بھرت پور سے بھاگ کر لشکر میں ہمارے پاس آگئی تھی اس لئے کہ وینا کا ورج مل اس کی شادی زبردستی مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے بھائی رگھوناتھ سے چاہتا تھا جبکہ وینا اسے ناپسند کرتی تھی۔ پھر ہمارے پاس قیام کے دوران وینا میری مائل ہو گئی بلکہ یوں کہیں کہ خود کامنی نے اسے میری طرف مائل کیا۔ لہٰذا ی کے کہنے پر میں نے وینا سے شادی کی ہے۔ میرے محترم میرے بزرگ میں ینا سے شادی کر کے کامنی کی حق تلفی نہیں کی بلکہ کامنی کی خوشنودی حاصل کی

عبداللہ کا جواب سن کر مجیر الدین خوش ہو گیا تھا۔ پھر وہ کسی قدر پریشانی سے لله کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ بیٹے اگر تمہاری دونوں بیویاں اور بچہ ساتھ ہے نہیں بلاؤ تم انہیں کہاں کھڑا کر آئے ہو۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا۔ وہ دونوں بچے ساتھ اونٹ پر سوار ہیں اور اونٹ میں نے باہر ہی کھڑا کیا ہے۔ اس پر مجیر الدین اہوں سے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

تم بڑے ظالم ہو بیٹے انہیں یوں تم اجنبیوں کی طرح باہر کیوں کھڑا کر آئے ہو۔ ری بیٹیاں ہیں۔ میری بچیاں ہیں۔ میرے گھر پر ان کا پورا پورا حق ہے۔ تمہیں یے تھا کہ گھر پر دستک دیئے بغیر اپنی بیویوں کے ساتھ میرے گھر میں صدر

دروازے سے داخل ہو جاتے۔ تمہیں لوہار خانے کی طرف آنے کی ضرورت ۃ
تھی۔ بیٹے تم بھی کبھی کبھی عجیب حرکتیں کرتے ہو۔ بہرحال آؤ انہیں اندر ۔
آئیں۔ عبداللہ نے اپنا گھوڑا وہیں کھڑا رہنے دیا پھر وہ اور مجیر الدین لوہار خا
باہر آئے۔

مجیر الدین نے دیکھا لوہار خانے سے باہر اونٹ کھڑا تھا جس پر سرخ رنگ کا
تھا اور اس میں کامنی۔ وینا اور کامنی کا بیٹا بیرم خان بیٹھے ہوئے تھے۔ اونٹ پ
ہی بیٹھے بیرم خان کو دیکھتے ہوئے کامنی اور وینا دونوں نے ایک ساتھ مجیر الد
سلام کہا۔ مجیر الدین نے ان کے سلام کا جواب دیتے ہوئے عبداللہ کی طرف
ہوئے کہا۔

عبداللہ میرے بیٹے اپنے اونٹ کو بٹھاؤ تاکہ میری بیٹیاں اونٹ سے اتریں ا
میں داخل ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ آگے بڑھا۔ اونٹ کی نکیل اس نے
پھر بڑے پیارے اور شفقت آمیز انداز میں اپنے اونٹ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہ
اس کا سر نیچے جھکایا تو اونٹ آہستہ آہستہ نیچے جھکا پھر اپنی اگلی ٹانگیں دوہری کیں
پچھلی ٹانگوں کو جھکا کر وہ بڑے آرام اور سکون سے بیٹھ گیا تھا۔ اونٹ کو بٹھانے
بعد عبداللہ محمل کی طرف آیا۔ باری باری کامنی اور وینا کو سہارا دے کر اس نے
اتارا۔ کامنی نے نیچے اترنے کے بعد اپنے بیٹے بیرم خان کو بھی اٹھا لیا تھا۔ اس
پر مجیر الدین پھر بولا اور عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

عبداللہ میرے بیٹے تم اونٹ کو لے کر آؤ میں تمہارے گھوڑے کو اصطبل
باندھتا ہوں۔ پھر تم سب کو ایک ساتھ میں اپنی ماں کے پاس لیکر جاؤں گا۔ وہ تم
کو دیکھ کر بے انتہا خوش ہو گی۔ مجیر الدین کے کہنے پر عبداللہ نے اپنے اونٹ
اٹھایا۔ لوہار خانے میں داخل ہوا۔ کامنی' وینا دونوں اس کے ساتھ ہو لیں تھیں
ان کے اندر داخل ہونے کے بعد مجیر الدین نے پہلے لوہار خانے کا بیرونی دروازہ بند
پھر وہ عبداللہ کے ساتھ ہو لیا۔ اونٹ اور گھوڑے دونوں کو انہوں نے اصطبل

. زین اور کجاوہ اتار کر ان کے چارے کا بندوبست کیا پھر مجیر الدین' عبداللہ'
ر وینا تینوں کو لیکر دیوان خانے میں آیا وہاں ان تینوں کو بٹھایا اور کہنے لگا آپ
ہیں میں ماں کو اطلاع کرتا ہوں وہ آپ لوگوں کی اچانک آمد پر بے حد خوش
۔ اس کے ساتھ ہی مجیرالدین مکان کے اندرونی حصے کی طرف چلا گیا تھا۔

ر الدین کے بعد اچانک کامنی نے عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ہم
ل ہاتھ اس دیوان خانے میں آ کر بیٹھ گئے ہیں۔ جبکہ ہمارا سارا سامان اونٹ
ے اور گھوڑے کی زین کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ میرے خیال میں آپ
ساتھ چلئے دونوں مل کر سارا سامان یہاں لے آئیں۔ اس پر وینا بولی کامنی
ن تم بیٹھو میں خود ان کے ساتھ جاتی ہوں اور سارا سامان لے آتے ہیں اور
کامنی جو کچھ ہم نے مجیر الدین اور ان کے اہل خانہ کے لئے بنایا ہے اور
ں وہ یہیں دیوان خانے میں اماں کے حوالے کر دینا۔ کامنی جواب میں کچھ کہنا
ی پر خاموش ہو گئی اس لئے کہ مجیر الدین اپنی ماں آمنہ خاتون کے ساتھ
انے میں داخل ہوا تھا۔

نہ خاتون کو شاید مجیر الدین نے وینا کے متعلق بھی تفصیل سے بتا دیا تھا اس
دیوان خانے میں آتے ہی آمنہ خاتون نے کامنی اور وینا دونوں کو باری باری
ر پیار کیا پھر کچھ دیر تک وہ کامنی کے بچے کو پیار کرتی رہی۔ اس کا چہرہ چومتی
ں کے بعد وہ عبداللہ کے پاس آئی اور بڑے پیار سے عبداللہ کے سر پر ہاتھ
پھر عبداللہ کے قریب ہی بیٹھتی ہوئی بولی۔ عبداللہ میرے بیٹے جب تم یہاں
و مجھے بڑا حوصلہ ہوتا ہے۔ تمہارے یہاں آنے سے میں سمجھتی ہوں کہ میرا
ا الدین لوٹ آیا ہو۔ عبداللہ بڑی شفقت میں آمنہ خاتون کے کندھے پر ہاتھ
دئے کہنے لگا۔ اماں میں بھی تو آپ کا بیٹا ہوں اس پر آمنہ خاتون بڑے پیار
اللہ کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگی اس میں کیا شک ہے بیٹے۔ عبداللہ
ور آمنہ خاتون کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

اماں میں ابھی حاضر ہوتا ہوں اصطبل میں ہمارا سامان رہ گیا ہے وہ میں لے آؤں۔ پھر آ کے آپ کے پاس بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد عبداللہ اپنے قریب ہی بیٹھی وینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا وینا آؤ۔ سامان لے آئیں۔ وینا چپ چاپ اٹھی اور عبداللہ کے ساتھ ہو لی تھی۔ دونوں میاں بیوی اصطبل میں آئے پہلے انہوں نے اونٹ کے کجاوے کا جائزہ لیا۔ کجاوے کے ساتھ دو ڈھالیں۔ دو تیر کمان اور دو تلواریں لٹک رہی تھیں اور دو چمڑے کے بڑے بڑے تھیلے بھی کجاوے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔ انہوں نے سارا حربی سامان کجاوے کے ساتھ ہی رہنے دیا جبکہ انہوں نے چمڑے کے دونوں بڑے بڑے تھیلے اتار لئے تھے۔ عبداللہ اس دوران اپنے گھوڑے کی زین کی طرف بڑھا۔ گھوڑے کی زین کے ساتھ اس کا سارا جنگی اسلحہ بندھا ہوا تھا اور گھوڑے کی زین کے ساتھ بھی چمڑے کا ایک بہت بڑا تھیلا تھا۔ وہ عبداللہ نے اتار لیا۔ پھر عبداللہ وینا کے پاس آیا اسے بڑے پیار بڑی محبت میں کہنے لگا وینا تم ایک تھیلا پکڑو دوسرا مجھے دیدو۔ اس پر وینا کہنے لگی کوئی ضرورت نہیں اتنا بوجھ نہیں میں خود اٹھا لوں گی۔ آپ میرے آگے آگے چلئے۔ وینا کے یوں پیار بھرے انداز میں گفتگو کرنے پر عبداللہ خاموش رہا پھر دونوں میاں بیوی آگے پیچھے اصطبل سے نکل کر دیوان خانے میں داخل ہوئے اور تینوں بڑے بڑے تھیلے دونوں نے لا کر کامنی کے سامنے رکھ دیے تھے۔ اس کے بعد عبداللہ پھر آ کر آمنہ خاتون کے پہلو میں بیٹھ گیا تھا۔ اسی دوران عبداللہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی مخصوص اشارہ کامنی اور وینا کو کیا جس پر کامنی اور وینا دونوں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور کامنی کے سامنے جو چمڑے کے بڑے بڑے تھیلے پڑے ہوئے تھے ان میں سے کپڑے نکال نکال کر علیحدہ کرنے لگی تھی۔

تھوڑی دیر تک کامنی اور وینا کپڑے نکالتی رہیں پھر وہ کپڑے تہہ کر کے انہوں نے آمنہ خاتون کی گود میں لا رکھے اس پر آمنہ خاتون نے بڑی حیرت سے باری باری کامنی اور وینا کی طرف دیکھا پھر وہ پوچھنے لگی میری بچیو یہ کیا ہے۔ اس پر کامنی بولی

لگی اماں ہم نے آپ سب لوگوں کے لئے کپڑے بنائے تھے بس یہ ہماری
انکار نہ کیجئے گا۔ اس پر آمنہ خاتون نے کامنی کے بجائے اپنے پہلو میں بیٹھے
ی طرف گھورتے ہوئے پوچھا۔

راللہ میرے بیٹے یہ کیا۔ اس پر عبداللہ فوراً" مسکراتے ہوئے بولا اور کہنے لگا
آپ کا بیٹا ہوں۔ بیٹے اپنی ماؤں کو دیتے ہی ہیں۔ یہ آپ پر کوئی احسان' بوجھ
نیں ہے بلکہ آپ جیسی ماں کا مجھ جیسے بیٹے پر حق ہے کیا آپ مجھے ماں کا حق
رنے نہیں دیتیں۔

نہ خاتون کی گردن اس موقع پر جھک گئی تھی پھر وہ انتہائی بے بسی کا اظہار
وئے کہنے لگی بیٹے تم نے گفتگو ایسی کر دی ہے کہ میں بول ہی نہیں سکتی۔ پر
کہوں گی کہ تم تینوں نے مل کر تکلف کیا ہے۔ بیٹے اس کی کیا ضرورت تھی
رشتے ان چیزوں سے تو نہیں ہوتے۔ اس بار کامنی بولی اور کہنے لگی۔

ں یہ چیزیں کوئی رشتہ مضبوط کرنے کے لئے نہیں ہیں بلکہ شاہ پسند آپ کے
یں اور وینا دونوں آپ کی بیٹیاں ہیں۔ یہ آپ کا ہم پر حق ہے جو ہم ادا کر
ں۔ اس پر کامنی مڑی۔ چمڑے کے تھیلے سے اس نے نقدی کی دو تھیلیاں
یک اس نے عبداللہ کی گود میں لا کر رکھ دی اور دوسری اس نے آمنہ کی گود
ں کے اوپر رکھتے ہوئے کہا اماں یہ آپ کی دونوں بیٹیوں کی طرف سے رقم
آپ نے انکار کیا تو یاد رکھیے میں اور وینا یہ سمجھیں گی کہ آپ ہمیں غیر اور
فتی ہیں۔ یہ بھی آپ کا ہم پر حق ہے جو ہم ادا کر رہی ہیں۔ اس پر آمنہ
را" بولی اور کہنے لگی۔

نی میری بیٹی میری بچی میں یہ کپڑے تو رکھ لیتی ہوں پر نقدی رہنے دو میری
ادہ بوجھ ہے۔ اس بار وینا بولی اور کہنے لگی اماں آپ بوجھ کی بات کیوں کرتی
آپ کے بیٹے حسام الدین کا ہمارے شوہر پر یہ احسان نہیں ہے کہ انہوں نے
ترین تربیت دی اور آج یہ انہی کی دی ہوئی تربیت کی وجہ سے احمد شاہ ابدالی

کے لشکر میں شاہ پسند اور امیر لشکر جیسے اعلیٰ و ارفع مقام پر فائز ہیں۔ آمنہ خاتون بے چاری کچھ نہ کہہ پائی بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے اس نے قبول کر لی تھی۔

اس کے بعد عبداللہ نے نقدی کی وہ تھیلی سنبھالی جو کامنی نے اس کی گود میں رکھی تھی پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر مجیر الدین کے پہلو میں آ کر بیٹھا پھر وہ تھیلی اس نے مجیر الدین کی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

مجیر الدین میرے محترم۔ میرے بزرگ جو تھیلی میری بیوی کامنی نے اماں کو دی ہے وہ اماں کے لئے ہے جو وہ اپنے اخراجات کے لئے کام میں لائیں گی۔ یہ جو نقدی کی تھیلی میں نے آپ کی گود میں رکھی ہے یہ آپ کے لئے ہے تاکہ آپ نقدی سے اپنے لوہار خانے کی حالت بہتر کریں اس میں دو ایک ملازم رکھیں جو کام میں آپ کی مدد کریں۔

مجیر الدین نے ایک بار حیرت سے عبداللہ کی طرف دیکھا پھر اس نے اپنی گود میں رکھی ہوئی تھیلی اٹھائی اس کا منہ کھول کر اس نے دیکھا پھر وہ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا عبداللہ میرے بیٹے اتنی بڑی رقم یہ میں قبول نہیں کروں گا جو نقدی کی تھیلی میری بیٹی کامنی نے اماں کو دی ہے ہمارے لئے وہی کافی ہے۔ اس پر عبداللہ ضد پر اتر آیا اور کہنے لگا۔

مجیر الدین میرے محترم آپ کیسی بھی ضد کر لیں یہ نقدی کی تھیلی بہرحال آپ کو رکھنا ہو گی۔ اگر آپ نے نہ رکھی تو میں یہاں سے رخصت ہوتے وقت یہ نقدی کی تھیلی آپ کے گھر کے صحن میں پھینک کر چلا جاؤں گا۔ ایسا کرنے سے بہتر نہیں ہے کہ آپ اپنے بیٹے کے ہاتھوں سے خوشی خوشی یہ تھیلی قبول کریں۔ یہ بھی آپ کا حق ہے میں نے آپ کے گھر کا نمک کھایا ہوا ہے۔ کیا میرا اتنا بھی حق نہیں بنتا کہ اس گھر کے لئے کچھ کروں۔ اس پر مجیر الدین نے انتہائی بے بسی سے نقدی کی وہ تھیلی کھول کر اپنی ماں کو دکھاتے ہوئے کہا۔ اماں یہ دیکھو اتنی بڑی رقم۔ کیا یہ عبداللہ کی طرف سے زیادتی نہیں ہے اس پر آمنہ خاتون بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔

ؤ میں کیا کہوں میں تو یہ سمجھتی ہوں کہ ان تینوں میاں بیوی نے ہم سب کو خرید ہی رکھ لیا ہے۔ کمرے میں تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر آمنہ خاتون بولی اور کہنے بیٹے اب تم تینوں میاں بیوی آئے ہو تو کچھ دنوں تک رکو گے اس پر عبداللہ کہنے اماں میں دو دن سے زیادہ نہیں رکوں گا۔ اس لئے کہ میں احمد شاہ ابدالی سے صرف ہی دن کی اجازت لے کر آیا ہوں اس کے بعد واپس مجھے قندھار جانا ہو گا چونکہ ستان میں سکھوں کی وجہ سے حالات ٹھیک نہیں ہیں اور احمد شاہ کسی بھی وقت لشکر کے ساتھ کوچ کر سکتا ہے۔ لہٰذا میں زیادہ دن یہاں قیام نہیں کر سکتا۔

اس پر آمنہ خاتون بولی اور کہنے لگی بیٹے کچھ دن تو رکتے۔ میں تمہارے لئے ری بیوی اور بچوں کے کچھ سامان ہی بنا لیتی۔ اس پر عبداللہ فوراً" بولا اور کہنے اماں اگر آپ نے کچھ سامان ہمارے لئے بنایا تو میں آپ سے خفا ہوں گا۔ آپ بھی نہیں کریں گے۔ آپ ماں ہیں اور ہم تینوں آپ کے بچوں کی جگہ ہیں۔ ہمارا ن بنتا ہے کہ آپ کی خدمت کریں لہٰذا آپ ہماری رخصتی کے لئے کچھ نہیں کریں ۔ اس پر آمنہ خاتون نے انتہائی بے بسی سے اپنے بیٹے مجیر الدین کی طرف دیکھتے ئے کہا۔

مجیر الدین میرے بیٹے۔ اٹھو بازار جاؤ سودا سلف لاؤ۔ کھانا تیار کریں بچوں کو ب لگی ہو گی مجیر الدین جب سودا سلف لانے کے لئے نکلنے لگا تو کامنی بولی اور آمنہ ن کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔ اماں جتنے دن ہم یہاں ہیں میں اور وینا دونوں مل کر نا تیار کریں گی۔ آپ کو اور بچوں کو زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کے ہ ہی آمنہ خاتون اٹھ کھڑی ہوئی اور کامنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ تم ں بہنیں میرے ساتھ آؤ۔ بچے کو بھی لے آؤ۔ وینا نے بھاگ کر بیرم خان کو اٹھا پھر وہ دونوں آمنہ خاتون کے ساتھ کمرے سے نکل گئیں تھیں۔ عبداللہ بھی اپنی سے اٹھ کھڑا ہوا اور مجیر الدین کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا میں آپ کے ساتھ ہوں دونوں مل کر سودا لاتے ہیں۔ مجیر الدین اور عبداللہ بھی بازار جانے کے لئے

کمرے سے نکل گئے تھے۔

اس طرح عبداللہ' کامنی' وینا اور بیرم خان نے دو روز تک مجیر الدین کے یہاں قیام کیا اور تیسرے روز صبح ہی صبح وہ نادر آباد سے قندھار جانے کے لئے کوچ کر رہے تھے۔ نادر آباد سے چند میل آگے جا کر جہاں چھوٹی سی ایک صحرائی پٹی شروع ہو جاتی تھی وہاں کامنی اور وینا دونوں چونک سی پڑیں اس لئے کہ ان کے اونٹ کے آگے اپنے گھوڑے پر سوار عبداللہ بڑی مدھر بھری دھن میں اور اپنی سریلی آواز میں گانے لگا تھا اس کے گانے کا مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

میں خوش ہوں
چنار کے نیلگوں سبز پیڑوں کے جھرمٹ
قریہ قریہ پھیلی کسانوں کی محبت کی خوشبو
زمین پر فصلوں کے گھونگھٹ اٹھاتی زمین کی طرح
وقت کے کھردرے ہاتھوں میں
کندھوں پر خواہشوں کی صلیب اٹھائے لمحے
شام پر یلغار کرتی رات
رات کو مسمار کرتا دن
وحشتناک داستانوں کی ساعتیں
تاریخ کی کوکھ سے جنم لیتے
تخلیقی جذبوں سے بھرپور
تغیر و تبدل کے اعمال
میرے رفیق۔ میرے شناسا تھے
وقت کی بے محیط خونی آندھیوں میں
میں اپنی کھوئی ہوئی نسل کا آخری فرد رہ گیا تھا
کائنات کے دل کی دھڑکنوں کے اسیر لمحوں
بساط وقت کے حقیر ذروں
تنہائی کے آفتاب میں خوابوں کی مقتل گاہ کی طرح میں تنہا اکیلا تھا
اب اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ
میں لہروں پر بہتی خوشبو کی روشنی
کالی راتوں کے دروازوں پر دستک دیتی
قدیم صداقتوں' نیند کی بستی جیسا پرسکون ہوں
اپنے ان دونوں ساتھیوں کے ساتھ
میں پیڑوں سے لپٹی بیلوں کے شرمیلے بدن
تنہائیوں میں چپکے چپکے
اجنبی لمحوں کی خوشبو کی طرح
شاداب و خوشگوار ہوں
کاش اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ
میرے لئے وقت شیشے کی تلوار کی طرح ٹھہر جاتا
لمحے شرماہٹوں کے نقاب کی طرح رک جاتے
گھڑیاں صندلی چہروں کے خطوط کی طرح منجمد اور ساکت ہو کر رہ جاتیں

اونٹ کے محمل میں سوار کامنی اور وینا دونوں کے چہروں پر عبداللہ کا گیت سن کر پایاں خوشی بکھری ہوئی تھی اس لئے کہ ان دونوں ہی کے حوالے سے اپنے گیت عبداللہ اپنے سکون اپنی خوشگواری کا ذکر کر رہا تھا۔ اچانک عبداللہ گاتے گاتے گیا وینا اور کامنی دونوں کے چہروں پر پریشانی پھیل گئی پھر اچانک جب کامنی نے کا پردہ ہٹا کر سامنے دیکھا تو وہ دنگ رہ گئی سامنے کی طرف سے دس بارہ سوار گھوڑوں کو سرپٹ بھگاتے اور دھول اڑاتے ہوئے ان کی طرف آ رہے تھے عین

اس موقع پر عبداللہ نے مڑ کر دیکھا اور بلند آواز میں کامنی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کامنی اور وینا دونوں مجھے غور سے سنو یہ آنے والے سوار مجھے دوست نہیں دشمن لگتے ہیں۔ تم دونوں اپنے محمل کا پردہ گرا دو نکلنے کی کوشش مت کرنا میں ان سے نمٹنے کی کوشش کرتا ہوں تم پرسکون رہنا گھبرانا نہیں اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے اپنی پشت پر لٹکتا ہوا تیروں سے بھرا ہوا ترکش اتار کر اپنے گھوڑے کی زین کے ساتھ لٹکا لیا تھا اپنی بھاری کمان بھی اس نے زین کے پہنے سے لٹکا لی تھی پھر اس کی دونوں ہاتھوں کی گرفت اپنی ڈھال اور تلوار پر مضبوط ہو گئی تھی۔

عین اس موقع پر اونٹ کے محمل میں سوار کامنی حرکت میں آئی اور وینا کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

وینا میری بہن دیکھ اس وقت ہمارے اونٹ کے کجاوے کے ساتھ ہماری دو ڈھالیں بندھی ہوئی ہیں تو دونوں ایک اپنے بائیں ہاتھ میں اور ایک دائیں ہاتھ میں تھام لے دائیں ہاتھ والی ڈھال کو تو اپنے سامنے رکھنا تاکہ اگر تجھ پر کوئی حملہ آور ہو تو اپنا دفاع کر سکے بائیں طرف والی ڈھال میرے اور بیرم کے سامنے رکھنا تاکہ ہم دونوں بھی دشمن کے حملہ آوروں اور تیر اندازوں سے محفوظ رہیں اور تیرے بائیں ہاتھ والی ڈھال کی اوٹ میں رہ کر میں اپنے دشمنوں پر ایسی تیر اندازی کروں گی کہ انہیں شاہ پسند کے نزدیک نہیں آنے دوں گی۔

دیکھ وینا میری بہن فکر مند نہ ہونا گھبرانا مت میں جانتی ہوں کہ تیری زندگی میں ایسا لمحہ پہلی بار آ رہا ہے۔ اس لئے کہ تو نے اپنی زندگی میں کبھی جنگوں یا لڑائیوں میں حصہ نہیں لیا۔ میں ایسے لمحوں ایسے کرب ایسے حادثوں سے شناسا ہوں اس لئے کہ میں اکثر و بیشتر جنگوں میں حصہ لیتی رہی ہوں۔ دیکھ میری بہن فکر مند نہ ہونا میں اور تم دونوں اس شاہ پسند کی بیویاں ہیں جو شام کے بے انت اندھیروں' کڑے وقت میں بھی تاریکیوں کے تیز جھکڑوں کی صورت اختیار کر سکتا ہے۔ جو ظلمتوں کے بھنور' گھنے سناٹوں اور گہرائیوں میں ڈوب جانے والے خوابوں میں بھی برسوں کی صداقتوں

کی طرح ابھرنے کا فن جانتا ہے۔ جو طلسماتی سنسانیوں میں ریگستانوں میں منڈلاتے منحوس گدھوں کے خلاف وقت کے بدترین طوفانوں کی طرح حرکت میں آتے ہوئے ہماری حفاظت کر سکتا ہے۔

دیکھ وینا میری بہن حوصلہ رکھنا میں اور تم دونوں شاہ پسند کی بیویاں ہی نہیں بلکہ اس کے بازو بھی ہیں۔ جہاں وہ ضرورت کے وقت ہمارے سر پر سایہ دار چھت بن کر ہماری حفاظت کرتا ہے وہاں میری بہن اس کی حفاظت کرنا اس کی مدد کرنا ہمارا بھی فرض ہے۔ کامنی جب خاموش ہوئی تو وینا نے ایک عزم کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

کامنی میری بہن تو فکر مند نہ ہو میں گھبرانے والی نہیں۔ شاہ پسند کی خاطر اس کی سلامتی اس کی نگہبانی اس کی حفاظت کے لئے قسم پیدا کرنے والے خداوند کی اگر مجھے اپنے ہی خون میں غوطہ لگانا پڑا تو دریغ نہیں کروں گی۔ کامنی تو پریشان نہ ہونا۔ شاہ پسند ہم دونوں کی روح۔ ہم دونوں کی جان۔ ہم دونوں کا رہبر۔ ہم دونوں کی منزل ہی نہیں بلکہ وہ ہم دونوں کے جسموں کا حصہ بھی ہے۔ ہم دونوں کے جنم جنم کا ساتھی بھی ہے۔ ہم دونوں کے جسموں کا مالک بھی ہے۔ پھر ہم کیونکر اسے دشمنوں کے مقابلے میں اکیلا چھوڑ سکتے ہیں۔ وینا کی یہ گفتگو سن کر کامنی کے چہرے پر گہری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

پھر وینا فوراً" حرکت میں آئی اونٹ کے کجاوے کے ساتھ بندھی ہوئی دونوں ڈھالیں اس نے کھولیں۔ ایک ڈھال اس نے اپنے داہنے ہاتھ میں لے لی۔ دوسری ڈھال اس نے بائیں ہاتھ میں لے لی۔ دائیں ہاتھ والی ڈھال اس نے اپنے سامنے کر لی اور بائیں ہاتھ والی ڈھال اس نے بیرم خاور کامنی کے آگے رکھ لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی کامنی بھی طوفانوں کی طرح حرکت میں آئی اونٹ کے کجاوے کے ساتھ بندھا ہوا تیروں بھرا ترکش اس نے اپنے نزدیک کر لیا پھر وینا نے جو اس کے سامنے ڈھال رکھی ہوئی تھی اس ڈھال کی اوٹ میں اپنا سر رکھ کر اس نے کمان سنبھالی اور اس پر ایک تیر چڑھا لیا تھا پھر اچانک کامنی کو کچھ خیال گزرا کجاوے کے اندر سے اس نے

ایک خنجر نکالا۔ محمل کا پردہ ایک جگہ سے اس نے پھاڑ دیا تھا شاید اس لئے کہ وہ اس پھٹے ہوئے حصے سے دشمن پر تیر اندازی کر سکے۔

سامنے کی طرف سے آنے والے وہ گھڑ سوار ریگستان میں اپنے گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ریت اڑاتے ہوئے عبداللہ کے سامنے آن رکے تھے۔ عبداللہ نے اپنے گھوڑے کو روک لیا تھا ساتھ ہی وینا اور کامنی نے بھی اپنے اونٹ کو روک لیا۔ وہ سوار عبداللہ کے سامنے آئے پھر ان میں سے ایک جو ان کا سرخیل ان کا سرکردہ تھا عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو عبداللہ تمہاری ہر کوشش تمہاری ہر جدوجہد تمہاری ہر سعی صحرائی پٹی میں ختم ہو جائے گی۔ ہم جانتے ہیں کہ اس وقت تم اکیلے ہو اور تمہارے ساتھ تمہاری دونوں بیویاں اور تمہارا بچہ بیرم خان ہے۔ دیکھ شاہ پسند اس صحرائی پٹی میں آج تیری تیری بیویاں اور بچے کی زندگیوں کا آج آخری لمحہ اور آخری گھڑی ہو گی۔ اس پر عبداللہ نے فوراً ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کی۔ بائیں ہاتھ میں ڈھال سنبھالی پھر وہ گونجتی ہوئی آواز میں بولا اور کہنے لگا۔

پہلے یہ کہو کہ تم کون ہو مجھ سے کیا چاہتے ہو۔ میری تمہاری کیا دشمنی ہے۔ اس پر وہ شخص پھر بولا اور کہنے لگا۔ شاہ پسند تو کیا سمجھتا تھا کہ ہرات کے سابق حکمران امیر خان کو قتل کرنے کے بعد تو یوں ہی امن اور سکون کے ساتھ چلتا پھرے گا۔ ہرگز نہیں ہم ایک مدت سے آس لگائے بیٹھے تھے کہ کب تو ہمیں اکیلا اور تنہا ملے اور ہم تم سے امیر خان کے قتل کا انتقام لیں اور آج اس صحرائی پٹی میں تو دیکھتا ہے کہ ہم تیرے سامنے دس پوری طرح مسلح سوار کھڑے ہیں۔ کیا تجھے امید ہے کہ تو آج اس صحرائی پٹی سے ہمارے ہاتھوں بچ نکلے گا۔ دیکھ یہ صحرائی پٹی آج تیری نہیں تیری دونوں بیویوں اور بچے کی بھی قبر گاہ بنے گی۔ اس پر عبداللہ انتہائی غصے اور قہرمانی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو امیر خان کے قتل کا انتقام لینے کی خاطر میری راہ روکنے والو۔ پیچھے ہٹ جاؤ

ورنہ پچھتاؤ گے سنو امیر خان سے انتقام لینا میرا حق بنتا تھا۔ اس لئے کہ وہ اور کابل کا سابق حکمران نصیر خان دونوں میرے ماں باپ کے قاتل تھے۔ میں نے امیر خان کو ہی قتل نہیں کیا بلکہ میں کابل کے سابق حکمران نصیر خان کو بھی ہندوستان کے شہر گجرات میں موت کے گھاٹ اتار چکا ہوں۔

سنو امیر خان کے حمائتیوں میں نے اپنی بے کسی اور بے بسی کی زندگی میں بھیگے درختوں کو ہلا دینے والی تاریکیوں کے بے انت جھکڑ' آندھیوں کے دوش پر زخمی پرندوں کو اڑا لے جانے والی فاصلوں کی ان گنت رتیں دیکھ رکھی ہیں۔ مجھ سے بچ کے رہو۔ مجھ سے ٹکراؤ گے تو اکاس بیل کی طرح پھیلوں گا اور تمہاری نیند سے خالی آنکھوں میں خون کے رقص کرتے جھرنے لہو لہو اندھے خواب بھر کے رکھ دوں گا۔

سنو میری راہ روکنے والو ان اجنبی ویرانوں کے فاصلوں میں لپٹی خاموشیوں میں چپ چاپ میری راہ سے ہٹ کر اپنی کسی اور منزل کی طرف چلے جاؤ ورنہ جب میں تم لوگوں کے خلاف اپنی تلوار حرکت میں لے آؤں گا تو تم پچھتاؤ گے۔ میں قدم قدم رقص کرتی جراحتوں کی بغاوتوں کو تمہارے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ تمہاری زندگی کی راتوں میں سونے سنسار بھر دوں گا اور تمہارے پیچھے ایسی مرگ ایسی موت لگاؤں گا جو دریا دریا جنگل جنگل تم لوگوں کو ڈھونڈھتی بھٹکتی رہے گی۔ اب بھی وقت ہے میری راہ چھوڑ دو۔ جب میری تلوار تم پر برس کر تمہاری ہلاکت کا سامان کرے گی تو تمہارے لواحقین اور تمہارے رشتہ دار خشک درخت کے پتوں کی طرح باہیں پھیلا کر سب کی لاشوں پر بین کرتے پھریں گے۔

راہ روکنے والوں کا سرکردہ پھر بولا اور کہنے لگا۔ دیکھ شاہ پسند تو ایسا تو قادر قدرت نہیں ہے کہ تو اکیلا ہم دس کا مقابلہ کرے اور ہم دس کو پچھاڑ کر ہم دس کو خون میں نہلا کر نکل جائے۔ ہم ان ویرانوں' ان صحراؤں میں تیرے توسن تخیل کو لخت لخت کر دیں گے۔ تجھ پر تیرے لواحقین پر ستم کی آگ کا ایسا ایندھن پھینکیں گے کہ تیری سسکیاں آہوں میں بدل جائیں۔ تیری حریت کے سارے جذبوں کو شاہ پسند ان

ویرانوں میں ہم ٹوٹی کرنوں، بکھرے پتوں، برستی بوندوں، بدبختی کے گھمبیر طلسم میں لپیٹ کر رکھ دیں گے۔ شاہ پسند تیرا ہمارا کیا مقابلہ ایک طرف تو اکیلا دوسری طرف دس۔ جب ہم دس کی تلواریں تم پر برسیں گی تو سوچ لو تمہارا کیا انجام ہو گا تمہارا جسم کی بوٹی بوٹی ان صحراؤں میں بکھر جائے گی اور پھر چیلوں اور کوؤں کی خوراک بن جائیں گی۔

راہ روکنے والوں کے سرکردہ کی اس گفتگو پر عبداللہ کا چہرہ ایسے جذبوں سے بھرپور ہو گیا تھا جیسے تعمیر کے گلدانوں میں خار، کھلیانوں میں قحط کے ڈھیر، نشیمن پر بجلیاں اور زندگی کی ایک رات کے سونے سنسار میں ہزاروں طوفان ابل پڑے ہوں اس کی جوان سلگتی نظروں کی آنچ میں تقدیر کی مسلسل تلاش میں تفکرات کے اندر اوہام، قریہ گناہ خیر میں لہو لہو اضطراب، خون خون پیچ و تاب اور شہر حسد کی بے زبان تیرگی میں شورشوں کا آغاز اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

پھر عبداللہ اجاڑ ویرانوں میں نور کے آبشاروں، سایوں کے آنگن میں شب کے سرد ہاتھوں کی طرح حرکت میں آیا اپنے گھوڑے کو اس نے ایک بری طرح ا... کرنے والی ایڑ لگائی تھی اور وہ ان دس کی طرف بڑھا تھا۔ اونٹ کے محمل میں بیٹھی ہوئی کامنی اور وینا دونوں بے چاری انتہائی پریشانی اور فکر مندی میں عبداللہ کو حملہ آور ہوتے دیکھ رہی تھیں۔ جبکہ راہ روکنے والے اپنی تلواریں سونت کر مستعد ہو... تھے ان کے قریب جا کر عبداللہ نے اچانک اپنے گھوڑے کو دائیں طرف موڑا... شخص ان میں سے سب سے دائیں طرف تھا اس پر ایسی تلوار برسائی کہ اس کا سر... کر دیا پھر اس نے طوفانی انداز میں اپنے گھوڑے کو موڑا اور موڑتے ہی موڑتے... خنجر نکال کر تاک کر ان میں سے ایک کو مارا اور اس کا خنجر ان میں ایک کا دل چیر... ہوا نکل گیا تھا اور وہ بے دم سا ہو کر گھوڑے سے نیچے گر گیا تھا۔ عبداللہ ایک بار... اپنا حملہ مکمل کرنے کے بعد اونٹ کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔

عبداللہ کے اس حملے اور اپنے دو ساتھیوں کے مارے جانے کی وجہ سے راہ

روکنے والے بھوکے بھیڑیوں کی طرح غضبناک ہو گئے تھے لہٰذا ایک دوسرے کی طرف انتہائی جستجو اور مبارزت طلب نگاہوں سے دیکھتے ہوئے انہوں نے کچھ فیصلہ کیا۔ پھر وہ ایک ساتھ عبداللہ پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھے تھے عین اس موقع پر اونٹ کے محمل میں بیٹھی کامنی حرکت میں آئی۔ ڈھال کی اوٹ میں اپنے آپ کو رکھتے ہوئے لگا تار اس کی طرف سے دو تیر سنساتے ہوئے آئے اور ان حملہ آوروں میں سے دو کو ڈھیر کر کے رکھ گئے تھے۔ باقی چھ بچنے والوں نے حملہ آور ہونے کے بجائے اپنے گھوڑوں کو ایک جگہ روک لیا تھا اور تیروں سے بچنے کے لئے انہوں نے اپنے سامنے اپنی ڈھالیں کر لیں تھیں۔

اس موقع پر حملہ آوروں میں سے ایک نے اپنا خنجر نکالا اور تاک کر اس سمت مارا جہاں سے تیر برسائے گئے تھے لیکن اس کا نشانہ خطا گیا وہ خنجر محمل کے کسی حصہ میں پیوست ہونے کے بجائے اونٹ کو لگا اس پر اونٹ بری طرح بلک اٹھا اور کامنی اور وینا کے درمیان بیٹھا ہوا عبداللہ کا بیٹا بیرم خان اونٹ سے نیچے ریت پر گر گیا تھا۔ بیرم خان کے گرتے ہی کامنی پر گویا سودا اور جنون طاری ہو گیا تھا اس نے محمل کا پردہ ہٹایا اور اونٹ سے وہ ریت پر کود گئی تھی اور ایک جھٹکے سے اس نے اپنے بچے کو اٹھا لیا تھا اس موقع پر ایک سوار بچے اور کامنی پر اپنی تلوار برسانے کے لئے آگے بڑھا تھا لیکن عبداللہ اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس کی راہ روک کھڑا ہوا قبل اس کے کہ عبداللہ اس پر اپنی تلوار سے وار کرتا اونٹ کے محمل کے اندر سے وینا حرکت میں آ چکی تھی اس نے کمان سنبھالتے ہوتے تیر چلایا اور تیر آگے بڑھنے والے دشمن کے جسم میں پیوست ہو کر اسے گھوڑے سے نیچے گرا گیا تھا۔

اپنے پانچویں ساتھی کے بھی موت کے گھاٹ اتر جانے سے باقی پانچ بچنے والے عجیب سی سراسیمگی کی حالت میں کھڑے تھے ان کی اس پریشانی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے عبداللہ اپنے گھوڑے کو کامنی کے نزدیک لایا کامنی کا بازو پکڑ کر بچے سمیت اس نے کامنی کو اٹھا کر اپنے پیچھے بٹھایا پھر وہ گھوڑے کو اونٹ کے قریب لایا اور کامنی

مخاطب کرتے ہوئے کہا کامنی میرے پیچھے میرے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے دوبارہ اونٹ پر بیٹھ جاؤ تاکہ میں ان حملہ آوروں کے خلاف حرکت میں آسکوں۔ کامنی بڑی جراتمندی اور دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بچے کو سنبھالتی ہوئی عبداللہ کے پیچھے کھڑی ہوگئی حملہ آوروں کے تیروں یا خنجروں سے کامنی کو محفوظ رکھنے کے لئے عبداللہ نے اس کے سامنے اپنی ڈھال کرلی تھی اس موقع پر وینا بھی حرکت میں آئی۔ محمل کا پردہ ہٹا کر اس نے کامنی سے بچے کو لے لیا تھا ایک ہاتھ سے اس نے کامنی کو سنبھالا کامنی نے اپنے دوسرے ہاتھ سے کجاوے کو پکڑا پھر وہ چھلانگ لگا کر محمل کے اندر گھس گئی تھی اس دوران تک عبداللہ انتہائی چوکس رہا تھا تاکہ سامنے سے راہ روکنے والے حملہ آور نہ ہو جائیں۔

محمل میں گھسنے کے بعد کامنی نے پھر کمان سنبھال لی تھی اور تیر اپنی گرفت میں لے لئے تھے جبکہ پہلے کی طرح وینا نے ایک ڈھال اپنے سامنے ایک کامنی کے سامنے کرلی تھی۔ اس موقع پر عبداللہ پھر باقی پانچ بچنے والوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو میری راہ روکنے والو۔ ویرانوں کی اس صحرائی پٹی میں تم نے دیکھا تم میں سے پانچ کو ہم تینوں میاں بیوی نے مل کر موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اب باقی تم پانچ بچتے ہو اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ تم پانچوں کے سامنے اب میں اکیلا ہی جم جاؤں گا۔ یاد رکھو ان ویرانوں کی صحرائی پٹی سے اب اگر تم نے بھاگنا بھی چاہا تو میں شاہ پسند تمہیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں تمہارا تعاقب کروں گا اس وقت تک جب تک تمہیں موت کے کھلیاں میں نہیں پھنکتا۔ میں تمہارا پیچھا کروں گا سائے کی طرح اس وقت تک جب تک میں اپنی اس سانپ کی زبان جیسی اور چوڑے پھل کی تلوار سے تم لوگوں کے حلقوم نہیں کاٹ دیتا۔

اپنے پانچ ساتھیوں کے مرجانے کی وجہ سے باقی بچنے والے پانچوں کی حالت پہلے ہی ذہنوں کے کھلے نیلام، زبان کی عام بولی، تذلیل کے داغوں، مژدہ مایوس جیسی ہو رہی تھی۔ عبداللہ کے ان الفاظ نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور عبداللہ کی اس دھمکی سے

ان کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں اور اجاڑ نگاہوں میں غوطے کھاتے جذبے جوش مارنے لگے تھے۔ عبداللہ پھر بولا اور انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔ سنو میری راہ روکنے والے بدترین انسانوں، میں تم پر حملہ آور ہونے لگا ہوں اگر تم میرا اکیلے کا مقابلہ کرسکتے ہو تو کر دکھاؤ۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ شاہ پسند کی راہ روکنے کا انجام کیا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ نے کسی عجیب اور انوکھے سے شہ سوار کی طرح اپنے گھوڑے کو ایک سخت ایڑ لگائی تھی اور حملہ آور ہونے کے لئے وہ آگے بڑھا تھا۔

عین اس وقت جبکہ عبداللہ بائیں ہاتھ میں ڈھال تھامے اور اپنے دائیں ہاتھ میں خون آلود تلوار فضا میں بلند کئے حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا کامنی نے پھر اپنا کام دکھایا۔ ڈھال کی اوٹ میں ہو کر اس نے لگا تار دو تیر اور برسائے اور ان پانچوں میں سے دو کو اور ڈھیر کر کے رکھ دیا۔ اس وقت تک عبداللہ بھی حملہ آور ہو چکا تھا اور اپنے حملے میں اس نے عجیب سے خرق عادت انداز میں دو کی گردنیں کاٹ کر رکھ دی تھیں باقی ایک بچا تھا جو اپنے گھوڑے کو موڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ عبداللہ نے تعاقب کیا اس کا گھوڑا صحرا کی اس پٹی کے اندر سائیں سائیں کرتا ہوا بھاگنے والے کے پیچھے لگ گیا تھا جلد ہی عبداللہ نے اسے جا لیا اپنی تلوار لہرائی اور اس کی پشت کی طرف سے ایسی برسائی کہ اس بھاگنے والے کے شانے سے لیکر پیٹ تک عبداللہ کی تلوار اسے کاٹتی چلی گئی تھی۔ فضا کے اندر اس آخری مرنے والے کی ایک ہولناک چیخ بلند ہوئی پھر چاروں طرف ایک ویرانی اور گہرا سکوت چھا گیا تھا۔

آخری دشمن کا بھی خاتمہ کرنے کے بعد عبداللہ بڑی تیزی سے اپنے گھوڑے کو بھگاتا ہوا مڑا۔ اونٹ کے قریب آیا ایک تیز جست کے ساتھ وہ اپنے گھوڑے سے نیچے کودا۔ اونٹ کی نکیل پکڑی اونٹ کا سر نیچے جھکا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اپنے منہ سے عجیب سی آوازیں نکالتے ہوئے اس نے اونٹ کو ریت پر بٹھا دیا اونٹ کے بیٹھتے ہی کامنی اور وینا دونوں نے محمل کا پردہ اٹھایا اور دونوں اونٹ سے نیچے

اتریں- وینا نے بیرم کو اٹھایا ہوا تھا دونوں تقریباً" بھاگتی ہوئی عبداللہ کے قریب آئیں ایک ساتھ وہ عبداللہ سے لپٹ گئیں- پھر کامنی نے عبداللہ کے دائیں گال پر اور وینا نے عبداللہ کے بائیں گال پر بوسہ لے لیا تھا- اس موقع پر عبداللہ مسکراتے بولا اور کہنے لگا-

تم دونوں مجھے یوں چوم رہی ہو گویا تم دونوں میری شوہر ہو اور میں اکیلا تمہاری بیوی ہوں- اس پر کامنی اور وینا نے مل کر ایک بھرپور بلند قہقہہ لگایا- اس کے بعد عبداللہ نے بڑی سنجیدگی میں کہا تم دونوں بچے کو لیکر یہاں بیٹھو اونٹ کے خنجر لگا ہوا ہے میں اس کے زخم پر مرہم لگا کر پٹی باندھوں- ورنہ اس کا زخم بگڑ بھی سکتا ہے- اس پر کامنی فوراً" حرکت میں آئی اور کہنے لگی- میں خود آپ کے ساتھ اونٹ کے زخم پر پٹی باندھنے میں مدد کرتی ہوں- کامنی بھاگ کر کجاوے کے قریب گئی کجاوے سے لٹکتے ہوئے چمڑے کے تھیلے سے اس نے مرہم پٹی کا سامان نکالا- زخم پر مرہم لگائی پھر مرنے والوں میں سے ایک کا لباس پھاڑ کر انہوں نے اونٹ کے زخم پر کس کر کپڑا باندھ دیا تھا-

جب تک عبداللہ اور کامنی دونوں ملکر اونٹ کے زخم پر پٹی باندھتے رہے وینا بھی حرکت میں آئی اس نے بچے کو اونٹ کے کجاوے پر بٹھا دیا تھا پہلے اس نے عبداللہ سے اس کی تلوار لی اسے مرنے والوں کے لباس سے رگڑ کر خوب صاف کیا پھر اسے ریت پر بھی رگڑ کر خوب چمکا دیا اس کے بعد اس نے اس مرنے والے کے سینے سے عبداللہ کا خنجر نکالا جسے عبداللہ نے تاک کر خنجر مارا تھا وہ خنجر بھی مرنے والوں کے کپڑوں اور ریت سے وینا نے صاف کیا پھر وہ عبداللہ کے قریب آئی بڑے پیارے اور چاہت بھرے انداز میں اس نے پہلے تلوار عبداللہ کے کمر سے لٹکتے ہوئے میان میں ڈالی اس کے بعد خنجر بھی میان میں ڈال دیا تھا- اتنی دیر تک عبداللہ اور کامنی اونٹ کی مرہم پٹی سے بھی فارغ ہو چکے تھے پھر وینا بولی اور عبداللہ کو مخاطب کر کے پوچھنے لگی-

مرنے والوں کا کیا کریں اس پر عبداللہ مسکراتے ہوئے کہنے لگا میں ذرا پہلے ان کی تلاشی لے لوں اس کے بعد ان کے اوپر ریت ڈال دیتے ہیں- عبداللہ نے سب کی تلاشی لی ان سے عبداللہ کو کافی نقدی بھی ملی اس کے علاوہ عبداللہ نے ان سب کے ہتھیاروں پر بھی قبضہ کر لیا تھا پھر تینوں نے مل کر گھسیٹ گھسیٹ انہیں ایک جگہ جمع کیا اس کے بعد ان کے اوپر انہوں نے ریت ڈال دی تھی- پھر بیٹھے ہوئے اونٹ پر عبداللہ نے باری باری کامنی اور وینا کو سوار کروایا پہلے کی طرح بچے کو دونوں نے اپنے درمیان رکھ لیا تھا اونٹ کو عبداللہ نے اٹھایا اس کی نکیل اس نے اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دی پھر وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور جس طرح پہلے خوشی اور مسرت میں گاتا گاتا ہوا سفر کر رہا تھا اسی طرح وہ گانا گانے لگا تھا- کامنی اور وینا دونوں خوشی اور مسرت بھرے انداز میں اپنے چہروں میں گہری مسکراہٹیں لئے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں- اس طرح ایک بار وہ پھر قندھار کی طرف جانے والی شاہراہ پر سفر کر رہے تھے-



لاہور کے مشرق میں سہارنپور تک خونی یلغار کرنے کے بعد سکھوں نے مغرب کی طرف کے علاقوں کی طرف بھی دھیان دیا- چناب کے مشرق میں احمد شاہ ابدالی کی حکومت برائے نام رہ گئی تھی اس کا اقتدار صرف لاہور کے قلعے اور شہر تک محدود تھا- آس پاس کا تمام علاقہ سکھوں کے زیر کمان آ چکا تھا- موسم گرما جب اپنی شدت پر آیا تو سکھوں کا سردار چڑہت سنگھ دیگر سرداروں کے ساتھ دریائے چناب کو پار کر کے گجرات شہر کی طرف بڑھا- گجرات شہر کا حاکم رحمت خان اور اس کا دیوان شیو ناتھ سکھوں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے- لہٰذا انہوں نے سکھوں سے صلح کر لی- سکھوں نے ان دونوں کی دوستی کو قبول کیا اور شہر اس طرح سکھوں کے ہاتھوں لٹنے سے بچ گیا تھا-

گجرات پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد سکھ پھر واپس لاہور کی طرف چلے گئے

تھے۔ ان کی غیر حاضری سے قلعہ رہتاس کے فوجدار سربلند خان نے گجرات کے حاکم چوہدری رحمت خان اور دیوان شیوناتھ کو سکھوں سے دوستی کرنے کی سزا دینے کا عزم کیا۔ سربلند خان احمد شاہ ابدالی کا چچا تھا اور وہ قلعہ رہتاس کا حاکم تھا۔ جونہی سکھوں کا سردار چڑہٹ سنگھ اور گوجر سنگھ بھنگی گجرات پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد لاہور کی طرف واپس گئے سربلند خان اپنے لشکر کے ساتھ قلعہ رہتاس سے نکلا۔ دریائے جہلم کو پار کر کے وہ گجرات پر حملہ آور ہوا گجرات پر اس نے قبضہ کر لیا اس کے حاکم چوہدری رحمت خان اور اس کے دیوان شیوناتھ دونوں کو سربلند خان نے قتل کر دیا تھا۔

سکھوں کے سردار چڑہٹ سنگھ اور گوجر سنگھ بھنگی کو جب پتہ چلا کہ قلعہ رہتاس کا حاکم سربلند خان ان کی غیر موجودگی میں گجرات شہر پر حملہ آور ہوا اور وہاں کے حاکم اور اس کے دیوان کو قتل کر گیا ہے۔ تو وہ دونوں اپنے لشکر کے ساتھ حرکت میں آئے۔ دونوں سکھ سرداروں نے اپنے لشکر کے ساتھ دریائے چناب کو عبور کیا اور گجرات پر انہوں نے دوبارہ قبضہ کر لیا اس لئے کہ سکھوں کی آمد کا سن کر سربلند خان گجرات سے نکل کر قلعہ رہتاس کی طرف بھاگ گیا تھا۔ گجرات کا انتظام درست کرنے کے بعد سکھوں نے مزید پیش قدمی کی اور دریائے جہلم کو عبور کرنے کے بعد وہ قلعہ رہتاس کی طرف بڑھے۔ سربلند خان کے حوصلے بہت بلند تھے وہ چاہتا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان میں وارد ہونے سے پہلے ہی پہلے وہ سکھوں کے خلاف کوئی بڑا معرکہ سرانجام دے جس میں وہ سکھوں کو شکست دے کر اپنے لئے خوب نام پیدا کرے۔ اپنی اسی خواہش کی تکمیل کے لئے سربلند خان نے قلعہ رہتاس سے باہر نکل کر سکھوں کا مقابلہ کرنے کا اردہ کیا۔

جوں ہی سکھوں کا لشکر قلعہ رہتاس کے قریب نمودار ہوا سربلند خان قلعے سے باہر نکلا اور اپنے لشکر کے ساتھ ان کی راہ روک کھڑا ہوا۔ دونوں لشکر جب ایک دوسرے کے آمنے سامنے آئے تو سکھوں کے سردار چڑہٹ سنگھ اور گوجر سنگھ بھنگی

ں دھوئیں کے ٹیڑھے مرغولوں سیاہ رات کے پھیلاؤ' وقت کی غالب تہذیب میں
لاب کے اسباب و علل کی طرح سربلند خان کے لشکر پر حملہ آور ہو گئے تھے۔
ری طرف سربلند خان بھی ہار ماننے والا نہیں تھا وہ احمد شاہ ابدالی سے اپنے رشتے
لاج رکھنے پر اترا ہوا تھا لہٰذا اس نے بھی بگولوں کے رقص' جمال سحر' شوریدہ دریا
طرح سکھوں پر جوابی حملہ کیا لیکن سکھوں کے حملے میں ایسی سختی' ایسا بھیانک پن
مہیب جراتمندی تھی کہ سربلند خان زیادہ دیر تک سکھوں کے حملے کو نہ روک
۔ سردار چڑہٹ سنگھ اور گوجر سنگھ بھنگی نے دائیں بائیں سے حملہ کرتے ہوئے سر
خان پر اس قدر زور ڈالا کر مجبورا" سربلند خان کو پسپا ہونا پڑا اور اپنے لشکر کے
ز وہ شکست قبول کرتے ہوئے بھاگ کر رہتاس کے قلعے میں محصور ہو گیا تھا۔

سربلند خان جب قلعہ رہتاس میں محصور ہو گیا تو سکھوں نے قلعے کا محاصرہ کر لیا
چار ماہ تک محاصرہ کرنے کے باوجود بھی قلعہ فتح نہ ہوا تو سربلند خان قلعے کی فصیل
اوپر سے تیر' کھولتا ہوا پانی' انگارے برسا کر ان کو قلعے کے قریب نہ آنے دے رہا
۔ سکھوں نے فریب کاری سے کام لیتے ہوئے قلعے کو فتح کرنے کا عزم کر لیا۔ انہوں
اپنے لشکر کو سمیٹا اور قلعہ رہتاس سے چل دیئے۔

سربلند خان سکھوں کے فریب میں آگیا وہ یہ سمجھا کہ سکھ محاصرہ چھوڑ کر چلے
یں لہٰذا وہ اپنا لشکر لے کر قلعے سے نکلا تاکہ اچانک سکھوں کی پشت سے حملہ آور
ر انہیں ناقابل تلافی نقصان پہنچائے لیکن دوسری طرف سکھ سردار چڑہٹ سنگھ
وجر سنگھ بھنگی بھی ایسے عیار تھے جب انہوں نے دیکھا کہ سربلند خان قلعے سے
ر ان کے قریب پہنچ گیا ہے تو وہ دونوں زوال اور انحطاط کی لہروں کی طرح
۔ غلامی اور مجبوری کی علامتوں' شدید موسم کی پوری تحقیر و تذلیل کی طرح سر
ان کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔

قلعہ رہتاس کے نواح میں سربلند خان اور سکھ سرداروں کے درمیان ہولناک
ہوئی۔ اس جنگ میں احمد شاہ ابدالی کے چچا سربلند خان کو بدترین شکست ہوئی

اس کے لشکر کا بڑا حصہ سکھوں نے تہ تیغ کر دیا اور سربلند خان کو زندہ گرفتار کر لیا لیکن چونکہ سربلند خان احمد شاہ ابدالی کا چچا تھا لہٰذا سکھوں نے اس کا بڑا لحاظ کیا اور بڑے حسن و سلوک سے پیش آئے اور اسے معافی دے کر رہا کر دیا۔ اس طرح قلعہ رہتاس کی فتح سے جہلم اور دریائے سندھ کا تمام درمیانی علاقہ سکھوں کے قبضے میں آ گیا تھا۔

جس وقت سکھوں کا سردار چڑہٹ سنگھ اور گجر سنگھ بھنگی شمال مغرب کی فوجی مہمات میں مصروف تھے اور وہ قلعہ رہتاس کو فتح کرنے کے بعد دریائے سندھ تک کے علاقے کو روندتے چلے گئے تھے اس وقت ایک اور سکھ سردار ہری سنگھ اور اس کا بیٹا ہیرا سنگھ اپنے ایک جرنیل گنڈا سنگھ کو لے کر ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ جنوب کی طرف بڑھے۔ دریائے چناب کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے دریائے سندھ کے کنارے آئے۔ اس طرح انہوں نے دریاؤں کے کنارے تقریباً" ڈھائی سو میل کا سفر طے کیا۔ پہلے یہ ڈیرہ غازی خان میں داخل ہوئے وہاں پر انہوں نے چاروں طرف خوب تباہی مچائی اور ڈیرہ غازی خان کو فتح کیا۔ اس کے بعد یہ ڈیرہ اسماعیل خان میں داخل ہوئے۔ ڈیرہ اسماعیل خان کے اطراف میں بھی تباہی اور بربادی کا کھیل کھیلنے کے بعد انہوں نے ڈیرہ اسماعیل کو بھی فتح کر لیا تھا۔ ڈیرہ غازی خان' ڈیرہ اسماعیل پر فتوحات حاصل کرنے کے بعد یہ سکھ سردار مڑے اور ملتان کی طرف بڑھے۔ ملتان بھی انہوں نے بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ملتان شہر اور اس کے نواح میں انہوں نے کئی مسجدوں کو گرا کر زمین بوس کر دیا اس طرح جنوب میں ملتان تک سکھوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کو جب خبریں ملیں کہ جالندھر کے بعد سرہند' مالیر کوٹلہ' سہارن پور اور پھر گجرات' جہلم اور دریائے سندھ تک کے سارے علاقے کو روندنے کے بعد سکھوں نے ڈیرہ اسماعیل خان' ڈیرہ غازی خان اور ملتان کو بھی فتح کرتے ہوئے یہاں کے سارے علاقے کو برباد کر ڈالا ہے اور یہ کہ انہوں نے مسجدیں گرا کر تباہی اور

ں پھیلائی ہے اور مسلمانوں کو اپنا قیدی بنا لیا ہے تو احمد شاہ اپنے لشکر کے ساتھ رے پنجاب کی طرف کوچ کرنے کے لئے نکلا۔

اپنے کوچ سے پہلے احمد شاہ ابدالی نے اپنے قاصد قلات کے والی میر نصیر خان کی ، روانہ کئے اور اسے سکھوں کے خلاف جہاد میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ میر خان ان دنوں حج پر جانے کی تیاری کر رہا تھا احمد شاہ ابدالی نے اسے لکھا۔

"مجھے ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان و ڈیرہ غازی خان سے اطلاع آئی ہے کہ ں نے جگہ جگہ مسلمانوں کو شکست دے کر ملتان کے علاقے پر بھی قبضہ کر لیا . انہوں نے لاتعداد مسجدیں شہید کر دیں ہیں اور مسلمانوں کو قیدی بنا کر لے گئے . اس صورت میں جب کہ سکھ ایسے مظالم ڈھا رہے ہیں تم کیسے حج پر جانے کا کر سکتے ہو۔"

میر نصیر خان تم کو چاہیے کہ قلات سے سیدھا پنجاب کا رخ کرو میں بھی قندھار پنجاب کا رخ کر رہا ہوں تم گوجرانوالہ شہر سے باہر ایمن آباد کے مقام پر مجھ سے ۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ اس طرح ہم دونوں مل کر سرکش اور باغی سکھوں کی بیخ کنی کر سکیں گے۔

احمد شاہ ابدالی نے مزید لکھا۔

میر نصیر خان یقین جانو کہ ان سکھوں کے خلاف جہاد حج سے افضل ہے۔ تم ے لئے بیٹے کا درجہ رکھتے ہو اور مسلمان بھائی بھی ہو اس لئے فوراً" آؤ تاکہ ہم سکھوں کا جلد از جلد خاتمہ کر سکیں۔

احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم ملتے ہی نصیر خان فی الفور تیار ہوا۔ اس نے ملتان۔ ڈیرہ عیل خان اور ڈیرہ غازی خان مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل جانے کی خبریں پہلے ہی الی تھیں۔ لہٰذا اس نے قلات کے علماء سے جہاد کا فتویٰ حاصل کیا اور پھر احمد شاہ الی کے حکم کے مطابق وہ قلات سے گوجرانوالہ کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی اپنے جرار لشکر کے ساتھ قندھار سے نکل کر پنجاب کی طرف

روانہ ہوا اور گوجرانوالہ سے باہر ایمن آباد کے مقام پر اس نے آ کر اپنے لشکر کا پڑاؤ کر لیا۔ ایمن آباد ہی میں قلات کا والی میر نصیر خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی سے آن ملا تھا۔ میر نصیر خان کے آنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ایمن آباد سے لاہور کی طرف کوچ کیا۔ ایمن آباد میں جہان خان بھی اپنے شکست خوردہ لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی سے آن ملا تھا۔

متحدہ لشکر کے ساتھ احمد شاہ ابدالی دریائے راوی کو پار کر کے لاہور پہنچا۔ جہان خان نے لاہور کے حاکم کابلی مل کی شکایت کی اور اس پر سکھوں سے سازش کا الزام لگایا اور اس پر یہ بھی الزام دھرا کہ اس نے لاہور شہر کے کچھ قصابوں کو گائے ذبح کرنے کی بنا پر سکھوں کے حوالے کر دیا لیکن احمد شاہ ابدالی نے جب تحقیقات کی تو پتہ چلا کہ لاہور کا حاکم کابلی مل سکھوں کے ساتھ نہیں ملا ہوا ہے۔ پھر لشکر کے قاضی ادریس کی سفارش پر قصابوں والا قصہ بھی رفع دفع کر دیا گیا۔ لہٰذا کابلی مل بدستور لاہور کا حاکم رہا اور اس کا بھانجا امیر سنگھ لاہور کی افواج کا بخشی مقرر ہوا۔

جس وقت احمد شاہ ابدالی نے اپنے متحدہ لشکر کے ساتھ ایمن آباد سے لاہور کی طرف کوچ کیا تھا۔ سکھ سردار اپنے اپنے لشکر کو لے کر اپنے اپنے علاقوں میں جا کر روپوش ہو گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے لاہور پہنچ کر اپنی جنگی مجلس کا اجلاس طلب کیا اس اجلاس میں احمد شاہ ولی خان، عبداللہ، جہان خان، برخوردار کے علاوہ قلات کے والی میر نصیر خان نے بھی حصہ لیا۔ جب تمام سردار احمد شاہ ابدالی کے خیمے میں جمع ہو گئے تو احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کے خلاف حرکت میں آنے کے لئے سب سے تجویز طلب کی۔ سب سے پہلے قلات کے والی میر نصیر خان کو موقع دیا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کرے۔

قلات کا والی میر نصیر خان اپنی جگہ سے اٹھا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاشا ہم سب یہاں آپ کے احکامات کی تعمیل کے لئے حاضر ہوئے ہیں۔ آپ جہاں بھی جانے کا حکم دیں گے ہم وہاں پہنچیں گے اور جس طرح آپ چاہیں یسے ہی دشمن پر کاری ضرب لگائیں گے۔

اگر ہمارے مقابلے پر آنے والا دشمن فولاد کا کوئی کوہستانی سلسلہ بھی ہوا تب بھی پ کے حکم کے مطابق اس کے سامنے آئیں گے اور اسے لخت لخت کر کے رکھ گے۔

پاشا سکھوں کی تو کوئی حقیقت ہی نہیں ہے۔ سکھ تو ایسے بزدل ہیں کہ انہیں کھلم ارے سامنے آ کر مقابلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی۔ وہ تو چوروں کی طرح ہیں اور بھیڑیوں کی طرح گھات سے حملہ کر کے غائب ہو جاتے ہیں اگر وہ باقاعدہ باندھ کر ہمارے ساتھ جنگ آزما ہوں تو یقیناً" انہیں بدترین شکست دیں۔

اب بھی آپ دیکھتے ہیں کہ سکھ آپ کے لشکر سے ہراساں ہو کر بھاگ کھڑے ہیں اور لڑائی میں ذلیل حربے استعمال کرتے ہیں۔ وہ پیش قدمی یا پڑاؤ کے آپ کے لشکر پر ناگہانی حملہ کر کے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ طرح آپ کے لشکر کی صفوں میں انتشار پھیلے۔ ہمیں چاہیے کہ ان پر فی الفور حملہ کر کے ان کی صفوں کو درہم برہم کر دیں اور ان کی پوری طرح بیخ کنی کر ن کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا ڈالیں تاکہ آئندہ کے لئے صوبہ پنجاب میں یہ لئے درد سر نہ بنیں۔

یر نصیر خان جب اپنی بات مکمل کر چکا تو احمد شاہ ابدالی، ولی خان، عبداللہ، جہان ر برخوردار سے بھی ان کی رائے طلب کی۔ سب نے باری باری میر نصیر خان یز سے اتفاق کیا اور اس کی تائید کی۔ اس پر احمد شاہ ابدالی نے نصیر خان کو کر کے کہنا شروع کیا۔

صیر خان سکھ اس وقت لاکھی کے جنگل میں اپنے لشکروں کے ساتھ روپوش ہیں ی کا جنگل لاہور شہر سے تقریباً" ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر ہے۔ اس جنگل میں ہے نہ جانوروں کا چارہ۔ وہاں فوج کشی میں سارے لشکر کے تباہ ہونے کا خطرہ

لہٰذا ہمیں لاکھی کے جنگل کے اطراف میں پڑاؤ کر کے سکھوں کا محاصرہ نہیں کر چاہیے۔ اس طرح ہمارے ہی لشکر کا نقصان ہو گا ہمیں چاہیے کہ لاکھی کے جنگل پر پہنچتے ہی سکھوں پر بری طرح ٹوٹ پڑیں اور ان کا قلع قمع کر دیں۔

سب سالاروں نے احمد شاہ ابدالی کی اس تجویز سے اتفاق کیا اور قلات کے وال میر نصیر خان نے پیش کش کی کہ سکھوں کے خلاف اس مہم کو میرے سپرد کر دیا جا وہ اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں کی سرکوبی کے لئے لاکھی کے جنگل کا رخ کرے گا او اس نے احمد شاہ ابدالی کو یقین دلایا کہ وہ ہر صورت میں سکھوں کا قلع قمع کر کے ہ واپس لوٹے گا۔ احمد شاہ ابدالی نے میر نصیر خان کی اس تجویز سے اتفاق کیا لہٰذا میر نص خان سکھوں سے نپٹنے کے لئے لاہور شہر سے لاکھی کے جنگل کی طرف روانہ ہو گی تھا۔

سکھ سرداروں کو بھی علم ہو گیا تھا کہ احمد شاہ ابدالی کی مدد کے لئے آنے والا قلات کا والی میر نصیر خان ان کی سرکوبی کے لئے لاکھی جنگل کا رخ کر چکا ہے۔ لہٰذا میر نصیر خان کا مقابلہ کرنے کے لئے انہوں نے لاکھی جنگل میں اپنے لشکر کو حملہ آور ہونے کے لئے تیار کر لیا تھا۔ میر نصیر خان جب لاکھی کے جنگل کے قریب پہنچا تو سکھ سردار اپنے لشکروں کے ساتھ لاکھی کے جنگل سے نادریافت ریت کی پیاس، سفاک موج آتش، صداؤں کے خلاؤں میں آنے والے موسموں کی نوحہ گری کی طرح نمودار ہوئے اور بے بسی کے زہر، کالے موسموں کے باسیوں، نیستی کے خوف اور دل کے ج کی برستی زنجیروں کی طرح وہ نصیر خان کے لشکر پر ٹوٹ پڑے تھے۔

دوسری طرف قلات کا والی نصیر خان بھی بے صداؤں کے عکس میں رات کے بھاری کواڑوں پر دستک دیتی آندھیوں، پھڑپھڑاتی دھوپ کی پیلی کرنوں کی طرح آگے بڑھا تھا اور درد کے خونی ہیولوں، تازہ لہو کے عکس، آئینوں میں ابلتے جگنو کے جوش کی طرح سکھوں کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا۔

لاکھی کے جنگل کے باہر دونوں لشکروں کے ٹکرانے سے میدان جنگ لق و دق ت کے کہرام، تعصب کی خونخواری کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ میدان جنگ کی مٹی اہشوں کی پیاس کی طرح انسانی خون کی پروردہ ہونے لگی تھی۔ چاروں طرف لہو ملی ول کے گرد و غبار انسانی چیخوں کا ایک انقلاب سا ابل پڑا تھا۔

قلات کے والی میر نصیر خان کی امیدوں کے خلاف سکھ انتہائی جراتمند اور دلیر ت ہوئے۔ میر نصیر خان کا اندازہ تھا کہ لاکھی جنگل کے باہر سکھ زیادہ دیر تک اس کا ابلہ نہیں کر سکیں گے وہ الٹے پاؤں بھاگتے ہوئے جنگل میں داخل ہونے کی کوشش یں گے اور نصیر خان ان کا تعاقب کر کے ان کا خوب قتل عام کرے گا لیکن یہاں معاملہ اس کی امیدوں کے برخلاف پڑ رہا تھا۔ سکھ میدان جنگ میں یوں چٹانوں کی ح جم گئے تھے جیسے انہوں نے پیچھے نہ ہٹنے کی قسم کھا لی ہو۔ نصیر خان نے بہتیرا زور یا کہ سکھوں کو پسپا کرنے کی کوشش کرے یا کم از کم ان پر اپنی برتری ثابت کرے ن سکھوں نے ایسا نہ ہونے دیا۔

پھر وہ لمحہ بھی آیا کہ سکھ واہ گرو کی فتح کے نعرے بلند کرتے ہوئے جوش اور بے سے اس خونخواری اور درندگی میں میر نصیر خان کے لشکر پر حملہ آور ہوئے کہ بے اس حملے میں سکھوں نے بڑے بڑے بلوچ سرداروں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ ھوں کے ہاتھوں مرنے والے بلوچ سرداروں میں زیادہ نمایاں سردار، گہرام خان ن، سردار احمد خان بلیجی، میر عبدالنبی رئیسانی، احمد خان بلیجی کا بیٹا۔ سب جنگ میں آ گئے تھے۔

بلوچوں کے بڑے سرداروں کا خاتمہ کرنے کے بعد سکھوں کے خاص دستے والی ت میر نصیر خان کے محافظ دستوں پر ٹوٹ پڑے تھے۔ سکھوں کا یہ حملہ ایسا ارانہ تھا کہ انہوں نے محافظ دستوں کی کئی صفوں کو الٹ پلٹ کر کے رکھ دیا اور نصیر خان کے قریب پہنچ گئے۔ پھر ایک سکھ نے میر نصیر خان پر وار کیا لیکن خوش ن سے وار میر نصیر خان پر پڑنے کے بجائے اس کے گھوڑے پر پڑا اور میر نصیر خان ہ گھوڑے سمیت نیچے گر گیا۔

اس موقعہ پر دو بہادر بلوچ جوان محمد حسین اور میر شکارہ اگر آگے بڑھ کر میر خان کی مدد نہ کرتے تو سکھ یقیناً" میر نصیر خان کو ہلاک کر دیتے۔ جوان میر نصیر کو کر لشکر کے پیچھے پڑاؤ کی طرف لے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کی مزید جنگ کے بعد می خان کا لشکر پسپا ہو گیا۔ سکھوں کو مکمل طور پر فتح مندی حاصل ہوئی اس جنگ سکھوں نے میر نصیر خان کے لشکر کا تعاقب نہیں کیا بلکہ وہ واپس مڑے اور لاکھی جنگل میں واپس ہو گئے تھے۔

لاہور شہر کے باہر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ کیے ہوئے احمد شاہ ابدالی کو جب ا کے جنگل سے باہر سکھوں کے ہاتھوں نصیر خان کی بدترین شکست کا علم ہوا تو اس یہ خبر بڑے دکھ اور کرب کے ساتھ سنی۔ اس خبر کے ملتے ہی احمد شاہ ابدالی نے ولی خان' عبداللہ' جہان خان اور برخوردار خان کو اپنے خیمے میں طلب کیا جب چاروں احمد شاہ ابدالی کے سامنے آ کر بیٹھ گئے تو احمد شاہ انہیں مخاطب کرتے ہو بولا اور کہنے لگا۔ سنو میرے رفیقو تم لوگوں نے لاکھی کے جنگل سے باہر سکھوں ہاتھوں والی قلات میر نصیر خان کی بدترین شکست کا علم بھی ہو چکا ہو گا۔ اس جنگ بڑے بڑے بلوچ سردار مارے گئے ہیں۔ خود میر نصیر خان بھی بڑی مشکل سے جان کر وہاں سے بھاگا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ نصیر خان کی اس شکست کا بدلہ سکھوں لیا جائے بولو تمہارا اس سلسلے میں کیا خیال ہے۔ چاروں نے مل کر کوئی فیصلہ کیا ا کے بعد شاہ ولی خان' احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ پاشا ہم چاروں آپ تجویز سے اتفاق کرتے ہیں اور ہم چاروں اس بات پر متفق ہیں کہ لاکھی جنگل سے میر نصیر خان کی اس شکست کا بدلہ سکھوں سے ضرور لینا چاہیے۔ اس پر احمد ابدالی فوراً" بولا اور کہنے لگا۔

میرے عزیزو اگر تم مجھ سے اتفاق کرتے ہو تو پھر سنو۔ ابھی تھوڑی دیر تک ل یہاں سے کوچ کرے گا۔ لشکر کا قلب شاہ پسند کی کمانداری میں ہو گا جبکہ یہ لا جنگل کے سامنے والے حصے پر حملہ آور ہو گا لشکر کا میسرہ شاہ ولی خان کی سرکردگی

ہ گا اور یہ لاکھی کے جنگل کے دائیں طرف سے حملہ آور ہو گا۔ لاکھی کے جنگل کے ئیں طرف سے جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں پر نزول کرے گا۔ جبکہ میں پنے حصے کے لشکر کے ساتھ برخوردار کو لے کر لاکھی جنگل سے ذرا ہٹ کر گھات میں بیٹھا رہوں گا اور لشکر کے جس حصے میں بھی میری ضرورت محسوس ہوئی میں فوراً" اں رسد اور کمک لے کر پہنچنے والی بات کروں گا۔

شاہ ولی خان' عبداللہ' جہان خان اور برخوردار نے احمد شاہ ابدالی کی اس تجویز ے اتفاق کیا۔ لہٰذا تھوڑی دیر بعد لشکر کو کھانا کھلایا گیا اس کے بعد احمد شاہ ابدالی پنے لشکر کے ساتھ لاہور سے لاکھی کے جنگل کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

لاکھی کے جنگل میں پناہ لینے والے سکھ سرداروں کو بھی خبر ہو گئی تھی کہ احمد شاہ دالی اپنے پورے لشکر کے ساتھ لاہور سے لاکھی جنگل کی طرف کوچ کر چکا ہے اور کہ احمد شاہ ابدالی کا ارادہ ہے کہ لاکھی کے جنگل کو گھیر کر وہاں پناہ لینے والے ھوں کا پوری طرح قتل عام کر دیا جائے۔ یہ خبریں ملتے ہی سکھ حرکت میں آئے اور ت کی تاریکی میں وہ لاکھی جنگل سے نکل کر امرتسر کی طرف چلے گئے۔

احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ جب لاکھی جنگل کے قریب پہنچا تو اسے اس ، جاسوسوں نے خبر دی کہ سکھ لاکھی جنگل کو خالی کر کے امرتسر کی طرف چلے گئے ا۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی بھی لاکھی جنگل سے بڑی تیزی کے ساتھ امرتسر کی طرف ا۔

جاسوسوں نے احمد شاہ ابدالی کو اطلاع دی تھی کہ سکھ امرتسر کی طرف لاہور سے ں میل مشرق میں گرونام کے ایک قصبے کے پاس جمع ہو رہے ہیں۔

اس قصبے کے قریب سکھوں کے کافی گردوارے تھے جن کی بڑی بڑی عمارتیں ں جنہیں احمد شاہ ابدالی نے کئی بار منہدم کیا تھا لیکن سکھ ہر مرتبہ نئی عمارتیں تعمیر لیتے تھے۔ احمد شاہ ان عمارتوں کو پھر تباہ و برباد کرنے کے لئے بڑی تیزی سے رنام کے اس قصبے کی طرف بڑھا۔ دوسری طرف سکھوں کے مخبر بھی احمد شاہ ابدالی

کی حرکات و سکنات کی ایک ایک لمحے کی خبریں سکھوں تک پہنچا رہے تھے۔ سکھوں جب پتہ چلا کہ لاکھی کے جنگل سے احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ اب امرتسر رخ کر رہا ہے تو وہ امرتسر بھی خالی کر گئے اور کسی انجانی منزل کی طرف روانہ ہو گئے

احمد شاہ ابدالی جب اپنے لشکر کے ساتھ امرتسر پہنچا تو وہاں اسے کوئی مسلح سکھ دکھائی نہ دیا۔ سکھوں کی اس کارروائی سے احمد شاہ ابدالی بڑا مایوس ہوا لہٰذا اس ۔ سکھوں کا پتہ چلانے کے لئے چاروں طرف اپنے جاسوس روانہ کر دیئے لیکن اس ۔ جاسوس بھی ناکام لوٹے۔ امرتسر یا اس کے نواح میں سکھوں کا کوئی پتہ نہ چلا ا مایوسی کے عالم میں احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ لاہور واپس آ گیا تھا۔

لاہور واپس آ کر احمد شاہ ابدالی نے ابھی پڑاؤ ہی کیا تھا کہ اس کے جاسوسوں ۔ پھر خبر دی کہ بھرت پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ نے ایک بہت بڑ لشکر کے ساتھ دہلی کی مغل سلطنت کے علاقوں پر حملہ کر دیا ہے اور جواہر سنگھ کی م کے لئے پندرہ ہزار سکھ بھی اس کے لشکر میں شامل ہو گئے ہیں۔ جواہر سنگھ کی یلغار روکنے کے لئے دہلی کی مغل حکومت کے سپہ سالار نجیب الدولہ نے ایک لشکر تیار ک اور سرہند کے قریب ان کی راہ روک کھڑا ہوا اس طرح سرہند کے نواح میں سور مل کے بیٹے جواہر سنگھ اور نجیب الدولہ کے لشکروں میں وقفے وقفے سے ہلکی پھلک جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی دہلی کے مغل سلطنت کے سپہ سالار کو جواہر سنگھ اور سکھوں ۔ مقابلے میں تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا ایک تو وہ مسلمان تھا دوسرے یہ کہ نجیب الدو نے ماضی میں احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل رہ کر کئی کارہائے نمایاں انجام دیۓ تھے۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی کو جب پتہ چلا کہ جواہر سنگھ نے سکھوں کے ساتھ مل ک نجیب الدولہ کے ساتھ جنگ چھیڑ دی ہے اور یہ کہ جنگ سرہند کے قریب اور اس ۔ آس پاس کے علاقوں میں جاری ہے تو احمد شاہ ابدالی نے فوراً اپنے لشکر کے ساتھ

ہور سے سرہند کی طرف کرچ کر دیا تھا۔

چونکہ یہ تمام علاقہ دارالحرب تھا اس لئے احمد شاہ نے اپنے مجاہدین کو اس لاقے کی لوٹ مار کرنے کی پوری اجازت اور آزادی دیدی تھی۔ احمد شاہ ابدالی کا لشکر نہایت اطمینان سے ایک دن میں چار میل کا سفر کرتا ہوا پندرہ دن میں بٹالہ پہنچا جو سرہند سے چھپن میل شمال مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس سارے علاقے کو احمد شاہ بدالی کے لشکریوں نے خوب لوٹا جو بھی راستے میں سکھ ملتا اس کا قتل عام کیا جاتا اور وگ ان کے خوف سے بھاگ کر ادھر ادھر چھپنے لگے تھے۔ یہاں احمد شاہ ابدالی کے شکریوں کے ہاتھوں بے شمار مال غنیمت ہاتھ لگا۔ راستے کے تمام دیہات اور قصبوں کو تاراج کرتا ہوا احمد شاہ ابدالی کا لشکر دریائے بیاس کو عبور کرنے کے بعد پنجاب کے موجودہ ضلع ہوشیار پور کے قریب جا پہنچا تھا۔

یہاں چند روز تک احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ قیام کیا۔ اس نے اپنے جاسوس اور طلایہ گر دستے اطراف و اکناف میں پھیلا دیئے تھے تاکہ سکھوں کے متعلق کچھ خبر ملے لیکن جب اس سلسلے میں ناکامی ہوئی تو احمد شاہ ابدالی نے سرہند کی طرف جانے کے لئے اپنے لشکر کے ساتھ کوچ کر لیا تھا۔

سرہند کی طرف پیش قدمی کے لئے اپنے لشکر کی ترتیب احمد شاہ ابدالی نے کچھ اس طرح رکھی کہ سب سے آگے آگے ہراول لشکر کے طور پر اس نے جہان خان کو رکھا اس کے پیچھے قلات کا والی میر نصیر خان اپنے بلوچ لشکر کے ساتھ تھا۔ درمیان حصے میں خود احمد شاہ ابدالی۔ شاہ ولی خان اور برخوردار خان اپنے اپنے حصے کے لشکروں کے ساتھ تھے اور پشت پر عبداللہ کو اس کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا تھا تاکہ اگر پشت کی طرف سے اچانک سکھ حملہ آور ہوں تو عبداللہ بروقت ان کا جواب دیتے ہوئے اپنے لشکر کو نقصان سے بچا سکے۔

لشکر اسی طرح سرہند کے قریب پیش قدمی کر رہا تھا کہ ایک روز اچانک سکھوں کا لشکر روشنیوں کے لشکارے، شعلوں کی لپکتی زبانوں، غراتی ہوس لہو لذت اور جسم کے

درپر دستک دیتی آندھیوں کی طرح نمودار ہوا اور جہان خان کے لشکر کو انہوں نے ہدف بنایا۔ جہان خان باقی لشکر سے ہراول کے طور پر کافی آگے تھا سکھوں نے صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا اور جہان خان کے لشکر پر وہ شب کی دیواروں کو کر رسومات کی یلغار' ندی کی سوکھی سکڑی رگوں میں بقا کی تباہ کن جنگ' زمین انگ انگ میں آگ لگاتی وقت کی تباہ کن حدت کی طرح ٹوٹ پڑے تھے۔

جہان خان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنے لشکر کو نقصان بچائے اور سکھوں کے اس اچانک حملے کو روک دے لیکن سکھ بھی عجیب اور انو مٹی سے بنے ہوئے تھے وہ دیواروں پر بین کرتی بلیوں جیسی آوازیں نکالتے ہوئے جہ خان کے لشکر میں گھستے اپنی نا فعلیوں کی گھنی پیاس کے ساتھ بنجر بگولوں کی طرح ح آور ہوتے اور بے انت شیشوں کے جوش مارتے الاؤ کی طرح جہان خان کے ان گز لشکریوں کا صفایا کرتے ہوئے پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ جہان خان سکھوں کے اس اچانک حملے سے ابھی پریشان اور ششدر ہی تھا کہ جوابی کارروائی نہ کر پایا تھا کہ احمد شا ابدالی نے فورا" اس کے پیچھے پیچھے سفر کرنے والے قلات کے والی نصیر خان کو حکم د کہ وہ فورا" جہان خان کی مدد کو بڑھے اور سکھوں پر حملہ آور ہو۔

احمد شاہ ابدالی کا حکم ملتے ہی قلات کے والی میر نصیر خان نے ایک لمحہ بھی ضا نہ کیا۔ بڑی تیزی کے ساتھ اس نے لشکر کو آگے بڑھایا اور رعد کی سی کڑکتی آوازو جبر کے چابکوں کے شور' دہکتے دوزخوں میں ہمتوں کے سیل کی طرح وہ سکھوں پر حم آور ہوا تھا۔ پر سکھ جہان خان کے ساتھ ساتھ میر نصیر خان کے سامنے بھی سیسہ پلا ہوئی دیوار کی طرح جم گئے تھے۔ لگتا تھا کہ سکھوں نے اپنے جسم پر خونی عزم کی کینچلی مار رکھی ہو یا یہ کہ وہ ٹھہرے اندھیروں میں صدیوں کی پیاسی رہگذر کی طرح جم کر جنگ کرنے کا عزم کر چکے ہوں۔

تھوڑی دیر تک سکھ اسی انداز میں لڑتے رہے لیکن جب انہیں خبریں پہنچیں کہ تھوڑی دیر تک احمد شاہ ابدالی' شاہ ولی خان' برخوردار خان اور شاہ پسند بھی اپنے لشکر

کے ساتھ میدان جنگ کے قریب پہنچنے والے ہیں تو وہ جہان خان اور میر نصیر خان کے لشکروں میں ناقابل تلافی تباہی مچاتے ہوئے اپنے بائیں طرف جھکے اور تیر چلاتے وئے بھاگنے لگے تھے۔

جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ جہاں تھا وہیں جما رہا اس لئے کہ اس کے لشکر کا ڑا نقصان ہوا تھا اور وہ اپنے لشکر کا جائزہ لینے لگا تھا جبکہ میر نصیر خان نے سکھوں کا عاقب کیا چھ میل تک وہ تعاقب جاری رہا یہاں تک کہ جب سورج غروب ہو گیا تو یر نصیر خان نے اس خطرے کے تحت تعاقب ترک کر دیا کہ کہیں سکھ چاروں طرف سے پلٹ کر اسے گھیر کر ناقابل تلافی نقصان ہی نہ پہنچائیں۔ لہٰذا وہ اپنے لشکر کے ساتھ دوبارہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر سے آن ملا تھا۔ اس طرح سکھوں کے غائب ہو جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی ایک بار پھر سرہند شہر کی طرف بڑھنے لگا تھا۔

احمد شاہ ابدالی جب اپنے لشکر کے ساتھ سرہند شہر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ پورا شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکا تھا۔ گلیوں میں انسان تو انسان کوئی پرندہ سوائے الو کے نظر نہ آتا تھا۔ دوکانیں' اور بازار تو بدستور تھے لیکن دوکاندار ملک عدم کو سدھار چکے تھے۔ گو سرہند پر اس وقت سردار آلا سنگھ حاکم تھا لیکن جب اسے خبر ہوئی تھی کہ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ سرہند کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے تو وہ سرہند چھوڑ کر بھاگ گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے فیصلہ کیا کہ سردار آلا سنگھ سے تعارض کئے بغیر اسے سرہند کا حاکم تسلیم کر لیا جائے۔ اسے احساس ہو چکا تھا کہ کوئی سکھ حاکم ہی سرہند شہر پر تسلط برقرار رکھ سکتا ہے اور اس مقصد کے لئے آلا سنگھ سے کوئی بھی بہتر نہ تھا۔ اس لئے کہ وہ اس علاقے میں بڑی ریاست کا مالک تھا اس کے علاوہ دفاع کے لئے اس کے پاس اس کا اپنا ایک جرار لشکر بھی تھا۔ یہ ارادہ کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے اپنے تیز رفتار قاصد آلا سنگھ کی طرف روانہ کئے اور اسے سرہند کی طرف طلب کیا۔

آلا سنگھ احمد شاہ ابدالی کا حکم ملتے ہی سرہند میں احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ اس کے پہلے ہی بلاوے پر آ جانے سے احمد شاہ ابدالی بے حد خوش ہوا۔ آلا سنگھ کو اس نے بیش بہا خلعت اور راجہ کا خطاب مع طبل و علم کے عطا کیا۔ جب احمد شاہ ابدالی آلا سنگھ کو یہ انعامات دے چکا تب اس نے اس سے پوچھا آلا سنگھ یہ سرہند شہر کیسے تباہ ہوا۔ اس پر آلا سنگھ نے نہایت مودبانہ انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا پاشا۔ سرہند کو سکھوں نے تباہ و برباد کیا ہے۔ وہ آئندہ بھی لڑنے سے باز نہ آئیں گے کیونکہ انہیں ہر طرف سے کمک پہنچ رہی ہے لیکن پاشا اگر آپ مجھے سرہند اور اس کے اطراف و اکناف کا ایک سال کا مالیہ معاف کر دیں تو میں سرہند کو نہ از سر نو آباد کروں گا بلکہ اس میں پہلے سے بھی زیادہ رونق بھر کے رکھ دوں گا۔

اس پر احمد شاہ ابدالی نے آلا سنگھ کو مخاطب کر کے کہا۔ آلا سنگھ تمہاری طرح دوسرے سکھ سردار بھی میری اطاعت قبول کر لیتے تو پنجاب میں اقتدار کی کشکش ختم کرنے کے لئے میں انہیں بھی اسی طرح ان کے مقبوضہ علاقوں کا جائز حاکم تسلیم کر لیتا جس طرح تمہیں کر رہا ہوں اور انہیں یوں ہی نوازتا جس طرح میں نے تمہیں نوازا ہے۔ آلا سنگھ اب بھی اگر سکھ مجھ سے معافی مانگ کر میری اطاعت قبول کر لیں تو میں انہیں معاف کر دوں گا۔

اس پر آلا سنگھ شرمندہ سے لہجے میں جواب دیتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا یہ سکھ بھی عجیب مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ پچھلے سات سال کی مسلسل کشکش نے انہیں نہ صرف ان کے جنگی تجربوں میں اضافہ کیا ہے بلکہ ان کی روح میں فولاد بھر کر رکھ دیا ہے۔ اس کے علاوہ وہ آزادی کی نعمتوں کا بھی لطف اٹھا چکے ہیں۔ اس لئے انہیں آسانی سے ایک غیر ملکی کی اطاعت پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور پھر پاشا آپ کے لشکریوں سے تو سکھ ویسے ہی مشتعل ہیں کیونکہ آپ نے نہ صرف ان کا قتل عام کیا بلکہ بارہا ان کے مقدس مقامات کی بے حرمتی بھی کی تھی اس کے علاوہ آپ نے پورے پنجاب پر قبضہ کر لیا جبکہ سکھ پنجاب پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں سکھوں نے یہی افضل جانا کہ آپ کے بے وقعت اعزاز و اکرام کو ٹھکرا کر آزادی کی جدوجہد جاری رکھیں۔

بہر حال احمد شاہ ابدالی اور سرہند کے حکمران آلا سنگھ کے درمیان معاہدہ طے پا گیا ں معاہدے کے تحت سردار آلا سنگھ نے تسلیم کیا کہ وہ احمد شاہ ابدالی کو ساڑھے ن لاکھ روپے سالانہ خراج ادا کرتا رہے گا اس کے بعد احمد شاہ بھرت پور کے راجہ رج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کے خلاف مغل شہنشاہ کے سپہ سالار نجیب الدولہ کی مدد رنا چاہتا تھا کہ اسی دوران احمد شاہ ابدالی کو خبریں ملیں کہ جواہر سنگھ اور نجیب الدولہ ے درمیان صلح ہو گئی ہے اور یہ کہ جواہر سنگھ واپس بھرت پور کی طرف چلا گیا ہے لہ نجیب الدولہ اپنے لشکر کے ساتھ دہلی کا رخ کر رہا ہے۔

ان حالات میں جبکہ سکھ مقابل نہ آ رہے تھے۔ نجیب الدولہ کی جواہر سنگھ کے اتھ جنگ بھی ختم ہو چکی تھی۔ قلات کے والی میر نصیر خان نے احمد شاہ ابدالی کو ثورہ دیا کہ گرمی اور برسات کا موسم دہلی میں گزارا جائے اور ہندوستان کے مغل ہنشاہ شاہ عالم ثانی کو جو معاملات در پیش ہیں ان میں بھی اس کے ساتھ مل کر حل کیا جائے۔ نصیر خان کا یہ بھی خیال تھا کہ دہلی کے دوران قیام تمام ہندوستان امراء اور الیان ریاست سے دوستانہ تعلقات بڑھا کر ان سے سکھوں کے خلاف مدد حاصل کی ائے لیکن احمد شاہ ابدالی نصیر خان کی اس تجویز سے متفق نہیں تھا۔

اس لئے کہ احمد شاہ ابدالی کے سامنے ماضی کے تلخ تجربہ تھا۔ جب اس کے ینکڑوں ہم وطن ہندوستان کی گرمی میں ہیضے کی وبا میں مر گئے تھے۔ اس کے علاوہ نجاب میں مسلسل بارشوں اور سیلاب بھی احمد شاہ ابدالی کو یاد تھے۔ جنہوں نے اس کے لشکر کو بالکل بے بس اور لاچار کر کے رکھ دیا تھا۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں نے بھی اس پر زور دیا کہ ہندوستان میں مزید قیام کرنے کے بجائے قندھار کی طرف واپس چلنا چاہیے۔ لشکریوں نے احمد شاہ ابدالی سے یہ بھی گزارش کی کہ اگر احمد شاہ ابدالی ہندوستان کے اندر مزید کام کرنا چاہتا ہے تو گرمیاں جا کر کابل میں گزاری جائیں اور گرمیوں کے خاتمے کے ساتھ ہی ہندوستان میں وارد ہو کر بقیہ کام ختم کر لیا جائے۔

احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکریوں کی تجویز سے اتفاق کیا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ دہلی میں نہ اناج ہے اور نہ گھاس۔ اس لشکر کا تمام مال و اسباب لوٹ لیا جائے گا۔ لہٰذا اس نے فیصلہ کیا کہ کابل کی طرف کوچ کیا جائے گا اور اگر ضرورت ہوئی تو چار ماہ کے بعد دوبارہ ہندوستان آ کر یہاں کے الجھے ہوئے معاملات کو سلجھانے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ فیصلہ ہو جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے کابل کی طرف کوچ کر لیا تھا۔

اس دفعہ احمد شاہ ابدالی نے کوچ کرتے وقت اپنے لشکر کی ترتیب بدل کر رکھ دی تھی۔ پہلے وہ لشکر کے پچھلے حصے میں شاہ پسند کو اپنے لشکر کے ساتھ رکھتا تھا تاکہ اگر سکھ پشت کی طرف سے حملہ آور ہوں تو عبداللہ ان سے نپٹ سکے اور لشکر کے اگلے حصے میں جہان خان کو رکھا کرتا تھا لیکن جہان خان کو سیالکوٹ میں بدترین شکست دینے کے بعد سکھ اس کے خلاف شیر ہو گئے تھے اور جگہ جگہ وہ اسے پسپا کرنے اور شکست دینے میں کامیاب ہو جاتے تھے لہٰذا کابل کی طرف کوچ کرتے وقت احمد شاہ ابدالی نے عبداللہ کو اس کے لشکر کے ساتھ اپنے لشکر کے آگے آگے رکھا۔ لشکر کے پچھلے حصے میں شاہ ولی خان اور برخوردار خان کو رکھا۔ اگلے حصے میں عبداللہ کے لشکر کے پیچھے والئی قلات میر نصیر خان کو اس کے لشکر کے ساتھ رکھا گیا جبکہ خود عبداللہ اپنے اور جہان خان کے لشکر کے ساتھ وسطی میں رہا تھا۔

روپڑ کے مقام پر احمد شاہ ابدالی نے ستلج کو عبور ہی کیا تھا کہ سکھ سردار ایک بار پھر اپنے لشکروں کے ساتھ اس کے سامنے نمودار ہوئے اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کی راہ روک کھڑے ہوئے تھے۔ سکھوں نے جب احمد شاہ ابدالی نے لشکر کی راہ روکی تو وہ سمجھا کہ شاید وہ اس پر اچانک حملہ آور ہو کر غائب ہو جائیں گے لیکن سکھ ایک جگہ جمے رہے لگتا تھا کہ وہ احمد شاہ ابدالی کے ساتھ فیصلہ کن جنگ کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں۔ تاہم ان کے اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر کے آگے آگے عبداللہ اپنے حصے کے لشکر کے ساتھ تیار تھا۔ جبکہ میر نصیر خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے عبداللہ کے لشکر کے پہلو میں آن رکا تھا۔ کسی رد عمل کا

ار کرنے سے پہلے احمد شاہ ابدالی کو سکھوں کی طرف سے کسی حرکت کا انتظار تھا کہ لیا ارادہ رکھتے ہیں۔ تاہم ان کے اچانک حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر کے اگلے ، میں عبداللہ اور میر نصیر خان اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ بالکل تیار اور مستعد ۔

لیکن اچانک حملے کی نوبت ہی نہ آئی اس لئے کہ سکھ اپنے لشکر کی صفیں درست نے لگے تھے۔ لگتا تھا وہ دریائے ستلج کے کنارے احمد شاہ ابدالی کے ساتھ جم کر ، کرنے کا عزم رکھتے ہوں۔ سکھوں نے اپنے لشکر کے مرکزی حصے میں اپنے نامور ار جسا سنگھ کو رکھا۔ لشکر کے دائیں حصے پر کماندار کے طور پر سردار چڑہٹ سنگھ، ڑا سنگھ، لہنا سنگھ، بھنگی سنگھ اور جے سنگھ کو مقرر کیا گیا۔ لشکر کے بائیں حصے کی مائی ہری سنگھ لنگڑا، رام داس، گلاب سنگھ اور گجر سنگھ کے حوالے کی گئی تھی۔

سکھوں کے لشکر کی ترتیب کو دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے بھی فیصلہ کن جنگ نے کے لئے اپنے لشکر کو ترتیب دی۔ لشکر کے مرکزی حصے کی کمانداری احمد شاہ الی نے اپنے پاس رکھی اور برخوردار خان کو مرکز میں احمد شاہ ابدالی نے اپنے ساتھ ا۔ لشکر کے دائیں حصے کی کمانداری شاہ ولی خان کے سپرد کر گئی تھی اور جہان خان اس کے ماتحت رکھا گیا تھا جبکہ لشکر کا بایاں حصہ قلات کے والی میر نصیر خان کی نداری میں دیدیا گیا تھا۔ عبداللہ کو اس کے لشکر کے ساتھ علیحدہ رکھا گیا تھا اور احمد ہ ابدالی نے اسے حکم دیدیا تھا کہ جوں ہی سکھوں کے ساتھ جنگ شروع ہو وہ کسی ی جہت سے یا یہ کہ جہاں پر وہ دیکھے کہ لشکر میں کمزوری کے آثار نمودار ہوئے ، وہاں مدد کے لئے پہنچے اور سکھوں پر ناقابل برداشت ضرب لگائے۔ یہ سارے امات جاری کرنے کے بعد جنگ شروع ہونے سے پہلے احمد شاہ ابدالی نے والئی ت میر نصیر خان کو اپنے پاس بلایا اور اسے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

نصیر خان تم ان سکھوں کی جنگی چالوں سے واقف نہیں ہو۔ جنگ میں میری یت کے مطابق عمل کرنا۔ بے خبری۔ بے تحملی کا مظاہرہ نہ کرنا۔ میرے بیٹے میں

جانتا ہوں کہ تم میدان جنگ میں شیر کی مانند ہو لیکن سکھوں سے لڑتے ہوئے جلد بازی سے کام نہ لینا۔ ان کے سامنے چٹان کی طرح بس جمے رہو ان کو اپنے تیروں کی زد میں آنے دو۔ یاد رکھنا سکھ بڑے سرکش دلیر اور بہادر ہیں۔ یہ میدان جنگ میں آگ کے شعلوں کی طرح بھڑکتے ہیں ان کے آباؤ اجداد کے جنگ کرنے کا بھی یہی طور اور طریقہ تھا۔ وہ اکیلے دشمن پر تو بھوکے بھیڑیوں کی طرح جھپٹ پڑتے ہیں۔ اس لئے میرا تم کو مشورہ ہے کہ تم اپنی جگہ ہرگز نہ چھوڑنا۔ سکھوں کو اپنے قریب آنے دینا پھر انہیں اپنے تیروں کی باڑھ اور تلواروں کی دھار پر رکھ لینا۔

سکھوں کے سپہ سالار جسا سنگھ کے حکم پر سکھ سردار چڑہٹ سنگھ سکھوں کے لشکر کے دائیں حصے کا کماندار تھا وہ احمد شاہ ابدالی کے بائیں حصے پر حملہ آور ہونے کے لئے آگے بڑھا۔ جس کی کمانداری میر نصیر خان کر رہا تھا۔ سکھ نوحہ کناں ہواؤں' آندھیوں میں نالہ و فریاد کی کیفیت اور زمین کے سفاک عناصر کی قہرمانیوں کی طرح شور بلند کرتے واہ گرو کی فتح کے نعرے لگاتے ہوئے انجانے بے رحم راستوں' پر فریب وعدوں کے زہر' سیاہ کاروں کی خبیث روحوں اور ہوس کے صحرا کی طرح میر نصیر خان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ میر نصیر خان نے بھی اپنی پوری جلالت و صولت سے سکھوں کے اس حملے کو روکا پھر وہ کاروانوں کی اڑتی گرد اور موج طوفان کی طرح جوابی حملہ کرتے ہوئے سکھوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔

اس موقع پر میر نصیر خان اگر احمد شاہ ابدالی کی نصیحت کو ذہن میں رکھتا تو یقیناً" وہ سکھوں کے خلاف کامیابی حاصل کرتا لیکن جنگ کے جذبے اور جوش جہاد میں بہادر بلوچ سردار احمد شاہ ابدالی کی ہر نصیحت کو فراموش کرتا ہوا سکھوں پر چڑھ دوڑا۔ احمد شاہ ابدالی نے اپنے تیز رفتار قاصد میر نصیر خان کی طرف بھجوائے اور اسے نصیحت کی کہ سکھوں پر حملہ آور ہونے کے لئے پیش قدمی نہ کرے بلکہ اپنی جگہ پر جما رہے اور جو بھی سکھ اس پر حملہ آور ہوں اسے کاٹتا اور موت کے گھاٹ اتارتا رہے لیکن میر نصیر خان نے ایک نہ سنی اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ سکھوں پر حملہ آور ہونے کے

ہ آگے بڑھ گیا تھا۔ دراصل میر نصیر خان سکھوں کے جذبہ جہاد اور ان کے شجاعت ے واقف نہیں تھا۔ جونہی وہ آگے بڑھا سکھوں کا سردار چڑہٹ سنگھ اپنے لشکر کے تھ بے روک آندھیوں اور نا تھمنے والے طوفانوں کی طرح بلوچ سردار پر ٹوٹ پڑا۔ ر نصیر خان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ اپنے سامنے سے سکھوں کو مار انے میں کامیاب ہو جائے لیکن الٹا سکھوں نے اسے بے بس کر دیا تھا۔ اس لئے ۔ جس وقت چڑہٹ سنگھ نصیر خان کے ساتھ جنگ کو اپنے عروج پر لے آئے تھے۔ ہٹ سنگھ نے دانشمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ منے کی طرف وہ خود رہا اور میر نصیر خان کو اس نے بری طرح اپنے ساتھ جنگ میں ہوف رکھا جبکہ دوسرے لشکر کی کمانداری اس نے جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کے سپرد ی اور یہ جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ لشکر کے دوسرے حصے کے ساتھ میر نصیر خان کے لر کی پشت کی طرف آئے اور اس بری طرح حملہ کیا کہ میر نصیر خان کا سلسلہ ہی ہوں نے احمد شاہ ابدالی سے منقطع کر دیا تھا اب سکھوں نے ایک طرف سے بلوچوں ہ چاروں طرف سے گھیر کر ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اس موقع پر احمد شاہ رالی بے حد پریشان اور فکر مند تھا وہ کوئی قدم اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ اس وقت تک بداللہ حرکت میں آ چکا تھا اور اسے حرکت میں آتے دیکھ کر احمد شاہ ابدالی کے چہرے پرسکون مسکراہٹ اور طمانیت کی لہریں بکھر گئی تھیں۔

اپنے لشکر کو حرکت میں لانے کے بعد عبداللہ سکھوں کے سردار جھنڈا سنگھ اور نا سنگھ کی طرف بڑھا جنہوں نے میر نصیر خان کی پشت کی طرف سے حملہ آور ہو کر یر خان کا رابطہ احمد شاہ ابدالی سے منقطع کر دیا تھا۔ قریب آ کر عبداللہ نے اپنی انپ کی زبان جیسی چوڑی اور چمکتی ہوئی تلوار فضا میں بلند کرتے ہوئے اپنی زور دار واز میں تکبیر بلند کی اور اس کی اس تکبیر کے جواب میں اس کا پورا لشکر اللہ اکبر کی داؤں سے گونج اٹھا تھا اس کے بعد عبداللہ جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کے لشکر پر تصور انہ' حیرت میں رقص لافانی دشت خاموشی میں فراز شوق اور جرم و سزا کی دنیا میں

ذوق خیر خواہی کی طرح حملہ آور ہوا تھا۔ عبداللہ کے اس حملے میں حیات نو کے جذبے، بیباک کرنوں کے تبسم کی لو، بوسوں سے محروم لبوں جیسی تازگی، خنجر کی چمک جیسی آبداری، روح کے تاروں پر مضراب کے رقص جیسا ایک تسلسل تھا۔ اپنے پہلے ہی حملے میں عبداللہ نے جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کے لشکر کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور اپنے سامنے آنے والے سکھوں کا قتل عام کرتے ہوئے وہ جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کے لشکر میں کچھ اس طرح گھسا تھا جیسے وصال و ہجر کے قصوں میں رقص برق و باراں نزول کرتا ہے۔

جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ دونوں سکھ سرداروں نے ہر طرح سے پوری کوشش کی کہ پوری قوت اور طاقت کے ساتھ عبداللہ کا مقابلہ کریں اور حملے کو پسپا کر کے وہ میر نصیر خان کا رابطہ احمد شاہ ابدالی کے دوسرے لشکر سے نہ ہونے دیں لیکن عبداللہ نے ان کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیا تھا وہ لگاتار تکبیریں بلند کرتا ہوا جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کے لشکر پر ٹوٹ پڑا تھا اور اس کے لشکری اسی جیسا مظاہرہ کرتے ہوئے سکھوں پر بھڑکتے شعلوں کی طرح نزول کر رہے تھے۔ سکھوں نے تھوڑی دیر تک عبداللہ کا مقابلہ کیا اس کے بعد انہوں نے دیکھا کہ عبداللہ پوری طرح اپنے لشکر کے ساتھ ان پر حاوی ہوتا جا رہا ہے یہ صورت حال دیکھتے ہوئے جب انہوں نے پسپا ہونے کی کوشش کی تو عبداللہ نے اپنے حملوں میں مزید تیزی پیدا کرتے ہوئے ایک طرح سے سکھوں کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اس قتل عام میں عبداللہ نے جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کے لشکر کے تقریباً" تیسرے حصے کا خاتمہ کر دیا تھا۔ دونوں سکھ سرداروں نے جب دیکھا کہ عبداللہ بڑی تیزی سے ان کے لشکر کا خاتمہ کرتے ہوئے ان پر حاوی ہوتا چلا جا رہا ہے تو وہ اپنے لشکر کو سمیٹ کر بائیں طرف ہٹے اور اپنے لشکر کے دائیں حصے کے سالار چڑہٹ سنگھ سے جا ملے تھے۔

جھنڈا سنگھ اور لہنا سنگھ کو بدترین شکست دینے اور انہیں پسپا کرنے کے بعد عبداللہ نے میر نصیر خان کا رابطہ احمد شاہ ابدالی سے بحال کر دیا تھا۔ پھر عبداللہ اپنے

دائیں طرف لایا اور سردار چڑہٹ سنگھ کے لشکر کے پہلو پر اس نے ناقابل ضرب لگاتے ہوئے حملہ کیا تھا۔ عبداللہ کا یہ حملہ ایسا زور دار اور دباؤ ڈالنے والا چڑہٹ سنگھ اس دو طرفہ حملے کو برداشت نہ کر سکا۔ اس لئے کہ سامنے کی طرف پہلے ہی میر نصیر خان اس پر ضربیں لگا رہا تھا۔ میر نصیر خان کو یہ خبر پہنچ چکی تھی ث کی طرف سے عبداللہ نے حملہ آور ہو کر اس کے لشکر کو محفوظ کر دیا ہے ں کے حملوں میں اب مزید تیزی آ گئی تھی۔

جبکہ چڑہٹ سنگھ کے ایک پہلو پر اب عبداللہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ اور ہو چکا تھا اس طرح سامنے کی طرف سے چڑہٹ سنگھ پر میر نصیر خان کا دباؤ تھا پہلو سے عبداللہ کا۔ اس دباؤ میں چڑہٹ سنگھ کا لشکر ایک طرح سے پس کر رہ گیا ں نے فوراً" اس دباؤ سے بچنے کے لئے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیدیا تھا۔ ں کے سپہ سالار جسا سنگھ نے جب دیکھا کہ اس کے لشکر کے دائیں حصے کا کماندار سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ پسپا ہونا چاہتا ہے تو اس نے عام حملے کا اعلان کر دیا وسری طرف احمد شاہ ابدالی نے بھی شاہ ولی خان، جہان خان اور برخوردار خان کو آور ہونے کا حکم دیدیا تھا۔ جبکہ خود احمد شاہ ابدالی بھی سکھوں کے لشکر کے مرکز رف حملہ آور ہوا تھا جس کی کمانداری خود سکھوں کا سپہ سالار جسا سنگھ کر رہا تھا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ سکھوں نے دریائے ستلج کے کنارے جم کر لڑائی کی تھی۔ شام سکھوں اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان ہولناک جنگ ہوتی رہی۔ جب اندھیرا چھا اندھیرے کی آڑ میں سکھ میدان جنگ چھوڑ کر انجانی سمتوں کی طرف روپوش ہو تھے۔ احمد شاہ ابدالی نے دریائے ستلج کے کنارے قیام نہیں کیا بلکہ لشکر کا کوچ رکھا۔ لشکر کی حفاظت کے لئے اس نے دائیں بائیں پہلو پر نصیر خان اور عبداللہ رر کیا تھا جبکہ لشکر کے پچھلے حصے کی حفاظت کے لئے شاہ ولی خان کو مقرر کیا تھا۔ کے آگے اس بار احمد شاہ ابدالی خود تھا تاکہ اگر سامنے کی طرف سے سکھ حملہ ول تو وہ خود ان سے نپٹ سکے۔

اگلے روز طلوع آفتاب کے وقت سکھ پھر پلٹ کر آئے اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہوئے۔ آج انہوں نے فوج کی ترتیب بدل دی تھی۔ احمد شاہ ابدالی نے فوراً ہی اپنے لشکر کو رک جانے کا حکم دیا لشکر سے آگے تھوڑے سے فاصلے پر احمد شاہ ابدالی نے اس بار مختلف رنگوں کے جھنڈے گڑ دیئے اور خصوصیت کے ساتھ اس نے نصیر خان کو ہدایت کی کہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ ان جھنڈوں سے ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھائے گا۔ یہی حکم اس نے باقی لشکر کو بھی دیدیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی چاہتا تھا کہ اس کا کوئی سالار پیش قدمی کر کے سکھوں پر حملہ آور نہ ہو اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ جس اس کا لشکر پیش قدمی کرے گا تو سکھ پسپا ہوں گے پھر اچانک پلٹ کر ایسا حملہ کریں گے کہ اسے ناقابل تلافی نقصان پہنچائیں گے۔

کچھ دیر کے بعد جب سکھ جھنڈوں کے قریب آئے تو احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کو حملہ آور ہونے کا حکم دیا۔ اس بار لشکر کے وسطی حصے کی طرف سے خود احمد شاہ ابدالی حملہ آور ہوا تھا۔ دائیں طرف سے عبداللہ نے سکھوں پر نزول کیا تھا جبکہ بائیں طرف سے میر نصیر خان سکھوں پر ٹوٹ پڑا تھا۔ میر نصیر خان کی مدد جہان خان کر رہا تھا۔ عبداللہ کی مدد شاہ ولی خان کر رہا تھا جبکہ برخوردار خان احمد شاہ ابدالی کے ساتھ مل کر سکھوں کے لشکر کے وسطی حصوں پر ٹوٹا تھا۔

تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد سکھوں نے حسب دستور راہ فرار اختیار کی۔ احمد شاہ ابدالی نے تین میل تک ان کا تعاقب کیا جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو احمد شاہ ابدالی اپنے پڑاؤ میں واپس آ گیا۔ کچھ دیر بعد سکھوں کا لشکر پھر پلٹا اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہوا۔ وہ ادھر ادھر پھیل بکھر کر چاروں طرف سے احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر یورش کرتے ہوئے اسے تنگ کرنے کی کوشش کر رہے تھے تاکہ واپسی پر احمد شاہ ابدالی کے لشکر کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچائیں اور احمد شاہ ابدالی آئندہ ہندوستان کا رخ کرنے کی کوشش نہ کرے لیکن چونکہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے پڑاؤ کے اطراف میں اپنے متعدد لشکروں کے حصے پہلے سے ہی مقرر کر رکھتے تھے لہٰذا

وں کے اس حملے کو پسپا کر دیا گیا اور سکھ احمد شاہ ابدالی کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔

بہرحال احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ آگے بڑھتا رہا۔ جالندھر دوآب سے رتے ہوئے سکھ لگاتار سات دن تک روزانہ احمد شاہ ابدالی کو مختلف سمتوں سے آور ہو کر تنگ کرتے رہے وہ مختلف سمتوں سے بھاگتے ہوئے آتے اور تیر چلاتے غائب ہو جاتے۔ احمد شاہ ابدالی جب اپنے لشکر کے ساتھ دریائے بیاس کے کنارے تو یہاں پھر سکھوں نے ایک بار اس کی راہ روکی اور جم کر لڑنے کا ارادہ کیا لیکن بار بھی عبداللہ، شاہ ولی خان، میر نصیر خان، جہان خان اور برخوردار نے اس اری سے سکھوں پر حملہ کیا کہ سکھ ایک بار پھر میدان جنگ چھوڑ کر بھاگنے پر ہو گئے تھے۔

دریائے بیاس سے احمد شاہ ابدالی نے پھر دریائے راوی کی طرف کوچ کیا۔ وہ ر کی طرف نہیں گیا شاید اس کا لاہور میں قیام کرنے کا ارادہ نہیں تھا اور بغیر کسی کے وہ دریائے راوی کے کنارے آیا۔ دریائے راوی کو عبور کیا اور دم کئے بغیر وہ ئے چناب کے کنارے آن رکا تھا۔

دریائے چناب عبور کرتے وقت احمد شاہ ابدالی کو اپنے لشکر کا بھاری جانی نقصان داشت کرنا پڑا وہ اس طرح کہ احمد شاہ ابدالی نے اپنے آدمیوں کو کسی تنگ کی تلاش میں بھیجا جہاں سے دریائے چناب کو عبور کیا جائے۔ احمد شاہ ابدالی ا کہ یہ دریا بڑا خونی اور خونخوار ہے اور اس سے بچ کر نکلنا چاہیے۔ اس کے ں میں سے ایک نے آ کر بتایا کہ ذرا اوپر جائیں تو پہاڑ کے دامن میں دریائے آٹھ دھاروں میں بٹ جاتا ہے اور وہاں سے دریا کو عبور کرنا انتہائی آسان ہو

احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ مخبر کے بتائے ہوئے مقام پر پہنچا وہاں واقعی پانی آٹھ دھاروں میں تقسیم ہوتا تھا۔ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ چھ

دھاروں کو بڑی آسانی سے پار کر گیا لیکن باقی دو دھارے بڑے گہرے تھے اور ا
پانی انتہائی تیزی سے بہہ رہا تھا۔

ان دو دھاروں کے پانی کی رفتار احمد شاہ ابدالی نے دیکھا بے حد تیز تھی۔
لشکر اور باربرداری اس پانی سے گزرنے لگی تو پانی کے تیز دھاروں نے تباہی مچا
اور سینکڑوں مرد عورتوں' شاہی خزانے کے علاوہ ہزارہا سامان سے لدے ہوئے ا
گھوڑے خچر' بیل' بھینسیں بہا کر لے گیا۔

قاضی نور محمد جو خود احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل تھے ان کا کہنا ہے کہ
معلوم ہوتا تھا جیسے یوم حساب آن پہنچا ہو۔ قاضی نور محمد کا کہنا ہے میں اس و
گھوڑے پر سوار دریا پار کر رہا تھا میری داہنی طرف ہزارہا اونٹوں پر عورتیں
تھیں اتفاق سے ایک خوبصورت عورت ایک اونٹ سے گری اور میرے آ
گھوڑے پر آ رہی وہ سر تا کر گھوڑے پر تھی اور پاؤں پانی میں لٹک رہے تھے۔

میری اپنی زندگی چونکہ خطرے میں تھی لہٰذا میں نے اسے دور پھینکنے کی ہر
کوشش کی لیکن اس خوبصورت عورت نے اپنے دونوں بازو میری کمر کے گرد ڈال
مضبوطی سے پکڑ لیا اور میرے لئے اس کی گرفت سے آزاد ہونا مشکل ہو گیا۔ آخر
اس عورت کا کوئی عزیز آ گیا اس نے اپنے ساتھ لے لیا۔ تب اس عورت سے نجا
ملی۔ بہرحال دریائے چناب عبور کرتے وقت ایسی ابتری پھیلی کہ کسی کو کسی کا ہوش
رہا۔ باپوں نے بیٹیوں کو چھوڑ دیا ماؤں نے بچوں کو پانی میں پھینک دیا اس روز
جانی اور مالی نقصان ہوا کہ سکھوں کے ساتھ جنگ میں بھی اتنا نقصان نہ ہوا ہو گا۔

جس وقت دریائے چناب کے آٹھویں دھارے کو عبور کیا جا رہا تھا اس دھار
نے بھی احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں تباہی مچا دی۔ عورتیں اونٹوں پر بیٹھی تھیں ا
اونٹ جب اس تیز دھارے کو عبور کرنے لگے تو کہیں کہیں اس دھارے کی گہرا
اتنی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں تک نہ لگے اور اونٹ جب جھٹکے کے ساتھ نیچے گئے
کئی عورتیں اونٹوں سے گر کر پانی کا شکار ہو گئیں تھیں۔

اس آٹھویں دھارے کو عبور کرتے وقت عبداللہ اپنے گھوڑے پر سوار تھا جبکہ
ں کے پیچھے پیچھے اس کا اونٹ تھا۔ اونٹ پر کامنی' وینا اور بیرم خان بیٹھے ہوئے
ے۔ گھوڑے پر سوار عبداللہ نے اونٹ کی نکیل اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تھی۔

جب کامنی اور وینا کا اونٹ اس دھارے کے وسط میں آیا تو پانی اتنا گہرا ہو گیا کہ
ونٹ جو پہلے چلتا ہوا پانی کے دھارے کو عبور کر رہا تھا ایک دم نیچے دھنسا جس کی بنا
وینا دھڑام سے پانی کے تیز دھارے میں گر گئی تھی۔ وینا کے گرتے ہی کامنی بے
ری واویلا اور شور کرنے لگی تھی اور عبداللہ کو مدد کے لئے پکارنے لگی تھی۔ اس
ھارے میں جس قدر عورتیں گریں کوئی بھی انہیں بچا نہ سکا اور سب موت کا شکار
گئیں تھیں۔ عبداللہ نے جب دیکھا کہ وینا پانی میں گر کر بڑی تیزی سے بہہ کر نیچے
رہی ہے تو وہ ایک دم حرکت میں آیا۔ اپنے گھوڑے کے ساتھ بندھی ہوئی کمند کے
ل چکر کو اس نے کھولا اور پوری زور سے وینا کی طرف پھینکتے ہوئے کہنے لگا وینا
رے گھوڑے کی کمند کو مضبوطی سے پکڑ لو اور حوصلہ رکھو گھبرانا نہیں۔ عبداللہ کے
ھوڑے کی رسی عین وینا کے پاس آ کر گری وینا نے بڑی تیزی اور حاضر دماغی سے
م لیا اور کمند کی رسی کو اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا تھا۔ یہ صورت حال دیکھتے ہوئے
ونٹ پر بیٹھی ہوئی کامنی بے چاری نے دعائیہ انداز میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف
ائے شاید وہ وینا کی سلامتی کے لئے دعا مانگ رہی تھی۔

اس موقع پر کمند کی رسی کو پکڑتے ہوئے عبداللہ بھی پانی کے تیز دھارے کود گیا
۔ کامنی بیچاری نے جب عبداللہ کو پانی میں کودتے دیکھا تو وہ فکر مند ہو گئی۔ اس کا
ہلدی ہو گیا اور وہ بری طرح احتجاج کرتے ہوئے عبداللہ کو مخاطب کر کے کہنے
ا۔

یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ جان بوجھ کر آپ پانی کے دھارے میں کود رہے ہیں۔
نے جب کمند کی رسی پکڑ لی ہے تو آپ اپنے گھوڑے کو ہانکتے چلے جائیں۔ وینا
ی کو پکڑ کر کنارے سے لگ جائے گی۔

عبداللہ نے کامنی کی اس پکار کو سن لیا تھا لیکن اسے چونکہ وینا کے پاس جانے کی بے چینی تھی لہٰذا وہ مڑ کر کامنی کو جواب نہ دے سکا۔ نیچے جا کر کمند کی رسی کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے عبداللہ نے اپنا بایاں ہاتھ وینا کی بغل کے نیچے رکھا اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا اسے سہارا دیا پھر مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔

وینا تم اپنے حواس میں تو ہو۔ فکر مند مت ہونا۔ اپنے آپ کو شاہ پسند کے ساتھ دیکھ کر وینا کے چہرے پر کچھ رونق آ گئی تھی۔ پھر وہ گھبرائی ہوئی آواز میں کہنے لگی۔ شاہ پسند آج میں نے موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے جس وقت میں دریا کے اس تیز دھارے میں گری تھی میرے پاؤں زمین پر نہیں لگے تھے۔ میں تھوڑا بہت تیرنا جانتی ہوں لیکن اس تیز دھارے نے مجھے مکمل طور پر بے بس کر دیا تھا۔ اگر آپ تھوڑی دیر اور کمند کی رسی نہ پھینکتے تو میں اس تیز دھارے میں چھوٹے چھوٹے بننے والے منجدھار یقیناً" مجھے پانی کی تہہ میں لے جا کر غرق کر دیتے۔ آپ نے دیکھا اس سے پہلے جتنی بھی عورتیں اس پانی میں گریں ان میں سے کوئی بچی نہیں اور نہ انہیں کوئی بچانے کے لئے آیا۔

شاہ پسند میں آپ کی ممنون اور شکر گزار ہوں کہ آپ نے نہ صرف یہ کہ کمند کی رسی پھینک کر مجھے بچایا ہے بلکہ مجھے لینے کے لئے گھوڑے سے اتر کر میرے پاس آئے۔ اس پر عبداللہ احتجاج کرتے ہوئے کہنے لگا۔ وینا یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو۔ کیا تم میری بیوی نہیں ہو۔ کیا تمہاری حفاظت کرنا میرا فرض نہیں ہے۔ وینا بے چاری نے کمند کی رسی پکڑے پکڑے اپنا سر عبداللہ کے شانے پر رکھ دیا اور بڑی ممنونیت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی آپ کا فرض ہے اور مجھے فخر ہے کہ میرا شوہر شاہ پسند اپنے فرض کو خوب جانتا ہے۔

عبداللہ کا گھوڑا بدستور پانی کے اندر تیرتا رہا اس کی زین کے ساتھ چونکہ کمند کا ایک سرا بندھا ہوا تھا دوسرے سرے کو عبداللہ اور وینا دونوں نے پکڑ رکھا تھا لہٰذا گھوڑا تیرتے ہوئے با آسانی دونوں کو وہ تیز دھارا عبور کرا کے کنارے پر لے گیا تھا۔

یر تک کامنی بھی ایک ہاتھ سے اپنے سامنے بچے کو سنبھالے اور دوسرے ہاتھ ونٹ کو ہانکتی ہوئی اونٹ کو کنارے پر لے گئی تھی۔ دریائے چناب کے دوسرے ے پر جا کر احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کو پڑاؤ کرنے کا حکم دیا اور اپنے سالاروں بھی حکم جاری کیا کہ وہ اپنے اپنے لشکر کے نقصان کا اندازہ لگائیں اس طرح ئے چناب کے کنارے احمد شاہ ابدالی کا لشکر پڑاؤ کر گیا تھا۔

عبداللہ کا خیمہ جب نصب کیا جا چکا تو عبداللہ اپنے بیٹے بیرم اور کامنی اور وینا کو کر اپنے خیمے میں داخل ہوا۔ عبداللہ اور وینا دونوں کے لباس بری طرح بھیگے ے تھے۔ وینا کے چہرے پر ابھی تک بدحواسیاں اڑ رہی تھیں۔ کامنی وینا کی حالت ہوئے آگے بڑھی۔ وینا کے سر اور چہرے پر اس نے پیار سے ہاتھ پھیرا پھر وینا پیشانی اور اس کے گال چومے پھر کہنے لگی وینا تمہارے چہرے پر ابھی تک اسیاں ہیں۔ ہوش میں آؤ اس وقت تم دریائے چناب کے دھارے میں نہیں ہو۔ ے پر ہو اپنے خیمے کے اندر ہو۔ اس پر وینا بے چاری رونی سی آواز میں کہنے

کامنی میری بہن مجھے ابھی تک یقین نہیں آ رہا کہ میں دریائے چناب کے ے سے نکل چکی ہوں اور یہ کہ موت نے مجھے نہیں دبوچا اور اس وقت میں تی کے ساتھ اپنے خیمے میں موجود ہوں۔ اس پر کامنی نے پیار سے ہلکی سی ایک نہ وینا کے چہرے پر لگاتے ہوئے کہا۔ حماقت نہ کرو۔ تم اپنے خیمے میں ہو اب ای چھوڑو۔ اچھا تم یہیں رکو بیرم کو سنبھالو۔ تمہارے شاہ پسند کے لباس بھیگ ہیں میں تم دونوں کے لئے دوسرے لباس نکالتی ہوں۔

اس کے ساتھ ہی کامنی بھاگتی ہوئی باہر گئی اور اونٹ کے کجاوے کے ساتھ ے کا وہ بڑا سا بورا اتار لائی جن میں ان تینوں کے کپڑے رہتے تھے۔ اتنی دیر تک پسند بھی اپنے گھوڑے اور اپنے اونٹ کے ساتھ بندھا ہوا سارا سامان بھی اتار کر میں لے آیا تھا۔ اونٹ اور گھوڑے کو اس نے خیمے کے ایک طرف باندھ کر ایک

پہریدار کو دانہ چارہ مہیا کرنے کا حکم دیدیا تھا پھر وہ خیمے میں داخل ہوا اتنی دیر تک کامنی نے اس کے اور وینا کے لئے خشک لباس نکال لئے تھے پھر اس نے دونوں باری باری لباس تھمائے اور بڑے پیار۔ بڑی شیرینی میں کہنے لگی اب آپ دونوں جا لباس تبدیل کریں پھر میرے پاس آئیں۔ عبداللہ اور وینا دونوں ایک ساتھ خیمے کے اندر بنے ہوئے توشک خانے میں گئے لباس تبدیل کر کے وہ باہر آئے۔ وینا نے ا اور شاہ پسند کا بھیگا ہوا لباس پکڑ رکھا تھا۔ کامنی آگے بڑھی وینا سے اس نے دونوں بھیگے ہوئے لباس لے لئے پھر وہ وینا اور شاہ پسند کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔ آپ دونوں اب خشک لباس میں یہاں خیمے کے وسط میں بیرم کو لے کر گدے پر بیٹھیں میں یہ دونوں لباس دھو لیتی ہوں۔ اس پر عبداللہ نے فکر مندی سے کامنی کی طرف دیکھ ہوئے پوچھا کہاں دھوؤ گی۔ کامنی کہنے لگی دریا کے کنارے جا کر دھو لیتی ہوں۔ اس پ عبداللہ نے آگے بڑھ کر کامنی کا بازو پکڑ لیا اور ایک جھٹکے کے ساتھ اسے اپنی طرف کھینچا اور غصیلی سی آواز میں کہنے لگا۔

تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو پہلے ہی میں نے بڑی مشکل سے وینا کو دریائے چناب کے اس تیز دھارے سے نکالا ہے اب تم پھر اس دھارے کے کنارے جا کر لباس دھونا چاہتی ہو تاکہ تمہارا پاؤں پھسلے تم بہہ جاؤ اور ہم یہاں خیمے میں تمہارا انتظار کرتے رہیں۔ یہ دونوں لباس مجھے دیدو میں خود دریا کے کنارے جا کر انہیں کھنگال لا ہوں۔ کامنی نے دونوں لباس اپنی پشت پر کر لئے اور کہنے لگی نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اگر میں دریا کے کنارے نہیں جا سکتی تو آپ کیوں جائیں گے۔ جس طرح میرے لئے وہاں خطرہ ہے ایسے ہی آپ کے لئے بھی وہاں خطرہ ہے۔ میں آپ کو ہرگز وہاں نہیں جانے دوں گی۔ اگر آپ میرا اور وینا کا اس قدر خیال رکھ سکتے ہیں تو ہم دونوں دس گنا زیادہ آپ کا خیال رکھنے والی ہیں بس میں پانی منگوا کر یہاں خیمے کے با ہی دونوں لباس دھو لیتی ہوں۔ اس پر عبداللہ نے کہا۔

اچھا پھر یہیں رکو۔ اونٹ کے کجاوے کے ساتھ چمڑے کا ڈول بندھا ہوا ہے "

ں بھر لاتا ہوں اس سے تم دونوں لباس دھو لینا۔ اس پر کامنی کہنے لگی ہاں یہ ٹھیک ہے لیکن دریا تک میں آپ کے ساتھ جاؤں گی میں آپ کو اکیلا نہیں جانے دوں گی۔ ں پر عبداللہ نے پیار سے کامنی کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہنے لگا۔ اچھا پھر آؤ مجھے پتہ ہے کہ تم مانو گی نہیں۔ اپنی ضد ضرور کرو گی۔ عبداللہ کے ان الفاظ سے کامنی کے ہرے پر بڑی حسین اور پرکشش مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔ پھر دونوں میاں بیوی ریا کے کنارے گئے۔ عبداللہ نے چمڑے کا ڈول بھرا۔ خیمے کے سامنے آئے اور کامنی نے دونوں لباس دھو کر خیمے کی طنابوں پر خشک ہونے کے لئے ڈال دیئے تھے اس کے ند تینوں اپنے خیمے میں بیٹھ کر اپنے بچے کے ساتھ پیار کرتے ہوئے وقت گزارنے لگے تھے۔

عین چناب کے کنارے قیام کے دوران احمد شاہ ابدالی نے جہان خان کو اپنے آگے آگے روانہ کیا تاکہ احمد شاہ ابدالی کے پہنچنے سے پہلے وہ دریائے جہلم پر پل تعمیر کرنے کا کام کرے تاکہ دریائے چناب کی طرح خطرہ مول لئے بغیر وہ دریائے جہلم کو آسانی سے عبور کر سکیں۔ احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم پاتے ہی جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر گیا تھا۔ چند یوم بعد احمد شاہ ابدالی بھی لشکر کے ساتھ دریائے چناب کے کنارے سے جہلم کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

احمد شاہ ابدالی جب اپنے لشکر کے ساتھ دریائے جہلم کے کنارے آیا تو اس کی آمد تک جہان خان نے دریا پر کشتیوں کا پل تعمیر کر دیا تھا جس کے ذریعے احمد شاہ ابدالی بڑی آسانی سے دریائے جہلم کو عبور کر گیا اور قلعہ رہتاس کے پاس آ کر احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا تھا۔

قلعہ رہتاس میں قیام کے دوران قلات کے والی میر نصیر خان احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں کچھ مطالبات پیش کئے اور واپس جانے کی اجازت طلب کی۔ احمد شاہ ابدالی نے اس کے سارے مطالبات منظور کر لئے اور واپس جانے کی اجازت دیدی۔ نصیر خان کا سب سے بڑا مطالبہ یہ تھا کہ

شال شہر یعنی کوئٹہ کو اس کی عملداری میں شامل کر دیا جائے۔ احمد شاہ ابدالی نے بخوشی کوئٹہ کو نصیر خان کی عملداری میں دیدیا۔

احمد شاہ ابدالی نے قلات کے والی میر نصیر خان کو یہ بھی پیش کش کی کہ وہ پنجاب کے ضلع جھنگ، ملتان، ڈیرہ غازی خان کے علاوہ ڈیرہ اسماعیل کے علاقے بھی اپنی عملداری میں شامل کر لے لیکن نصیر خان نے ایسا کرنا پسند نہ کیا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ ان علاقوں کو لینے کے لئے اسے بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی کیونکہ سکھوں کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے ان اضلاع پر تسلط برقرار رکھنا امیر خان کے لئے کسی طرح بھی ممکن نہ تھا۔ قلعہ رہتاس سے نصیر خان اپنے لشکر کے ساتھ قلات کی طرف چلا گیا تھا جبکہ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ کابل کا رخ کر رہا تھا۔

○

احمد شاہ ابدالی ہندوستان سے نکلنے کے بعد پورا ایک سال تک اپنی سلطنت کے امور میں اس قدر مصروف رہا کہ وہ ہندوستان کی طرف دھیان نہ دے سکا۔ اس دوران دو قوتیں ابھر کر ہندوستان میں سامنے آئیں۔ ایک سکھ، دوسرے انگریز، انگریز اب تک پس پردہ پڑے ہوئے تھے لیکن اب ہندوستان پر قبضہ کرنے کے لئے انہوں نے اپنا رنگ دکھانا شروع کر دیا تھا۔

جہاں تک سکھوں کا تعلق ہے تو احمد شاہ ابدالی کے ہندوستان سے نکلتے ہی سکھوں نے امرتسر میں بیساکھی کا تہوار منایا اور اس موقع پر ان کا گورماتا کے نام سے ایک عام اجتماع ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ لاہور پر قبضہ کر لیا جائے۔ پنجاب کے دارالخلافہ پر قبضہ کرنے کے لئے آس پاس کے علاقوں پر مکمل فتوحات حاصل کر کے پنجاب میں سکھوں کی حکومت قائم کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے سکھ امرتسر سے ایک لشکر لے کر لاہور کی طرف بڑھے۔ احمد شاہ ابدالی کی طرف سے لاہور کا حاکم کابلی مل ان دنوں جموں گیا ہوا تھا۔ اس کی غیر موجودگی میں سکھوں کے سردار لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ لاہور پہنچے اور باغبان پورہ کے کچھ آدمیوں کی مدد سے جو قلعے میں ملازم تھے ایک چور دروازے کے ذریعے وہ لاہور کے قلعے میں داخل ہو کر قلعے پر قابض ہو گئے۔

کابلی مل نے جموں کی طرف جاتے ہوئے اپنے بھتیجے امیر سنگھ کو لاہور میں اپنا قائم مقام مقرر کیا تھا۔ امیر سنگھ کو جب پتہ چلا کہ سکھوں کے سردار لہنا سنگھ اور گوجر سنگھ قلعے میں داخل ہو گئے ہیں تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ نکلا تاکہ سکھوں کو لاہور کے قلعے سے نکال باہر کرے۔ سکھوں نے اپنے ایک جرنیل تارا سنگھ کو امیر سنگھ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیجا۔ دونوں میں جنگ ہوئی جس میں امیر سنگھ کو شکست ہوئی اور تارا سنگھ کامیاب رہا۔ امیر سنگھ کی شکست سے لاہور پر سکھوں کا قبضہ مکمل ہو گیا۔ سکھ اس فتح کو گرونانک کا عطیہ سمجھتے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک سردار بندا سنگھ کو لاہور کا والی مقرر کیا انہوں نے اپنے سکوں پر گرونانک کا نام اور اپنے والی ریاست بندا سنگھ کی مہر پر یہ شعر کندہ کرایا۔

دیے وہ فتح اور نصرت کے رنگ
یافت از نانک گرو گوبند سنگھ

لاہور کو فتح کرنے کے بعد سکھوں نے سرہند کی طرف دھیان دیا۔ سرہند کا حاکم آلا سنگھ احمد شاہ ابدالی سے مل چکا تھا اور اس نے نہ صرف یہ کہ احمد شاہ ابدالی کی اطاعت کرنے کا عہد کیا تھا بلکہ اس نے احمد شاہ ابدالی کو خراج دینا بھی قبول کر لیا تھا۔ سکھوں کی نظر میں آلا سنگھ کا یہ رویہ قومی تذلیل کے مترادف تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنے ایک جرنیل ہری سنگھ بھنگی کی سرکردگی میں ایک لشکر سرہند کی طرف بھیجا تاکہ آلا سنگھ سے جنگ کرے اور اس کا خاتمہ کر کے سرہند پر سکھوں کا قبضہ مستحکم کرے۔

پٹیالے سے آٹھ میل شمال کی طرف سرہند کے حاکم آلا سنگھ اور سکھوں کے جرنیل ہری سنگھ بھنگی کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی اس جنگ میں ہری سنگھ مارا گیا اور سرہند کا حاکم آلا سنگھ فتح مند رہا۔ سکھوں کو احساس ہوا کہ اگر وہ آپس میں ہی

لڑتے رہے تو ان کی قوت بٹ کر رہ جائے گی اور ان میں تفرقہ پیدا ہو گا لہٰذا ان کا سپہ سالار جسانگھ حرکت میں آیا اور اس نے سکھ سرداروں کی آلا سنگھ کے ساتھ مصالحت کروا دی تھی۔ اس مصالحت کے تھوڑے ہی دن بعد آلا سنگھ مر گیا۔ سکھوں نے اس کے پوتے عمر سنگھ کو سرہند کا حاکم مقرر کر دیا اور اس سے عہد لیا کہ وہ آئندہ احمد شاہ ابدالی کے بجائے سکھوں کا مطیع اور فرمانبردار بن کر رہے گا۔

سرہند پر قبضہ کرنے کے بعد سکھ پنجاب میں چاروں طرف پھیل گئے اور اپنا قبضہ مستحکم کرنے لگے۔ پنجاب میں پوری طرح قابض ہونے کے بعد سکھ گنگا اور جمنا کے دوآبہ میں جا گھسے اور پنجاب سے نکل کر مغلوں کی سلطنت پر بھی شب خون اور یلغار کرنے لگے تھے۔ نجیب الدولہ نے کئی بار ان کے خلاف حرکت میں آ کر انہیں مار بھگانے کی کوشش کی لیکن مغلوں کا سپہ سالار نجیب الدولہ سکھوں کے خلاف کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ سکھ اب پنجاب میں اس قدر طاقت اور قوت حاصل کر چکے تھے کہ وہ بھرت پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ اور مرہٹوں کی قوت کو بھی مقابلے کے لئے للکارنے لگے تھے۔



جہاں تک انگریزوں کی ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا تعلق ہے تو اب تک یہ کمپنی بالکل خاموشی کے ساتھ اندر ہی اندر کام کر رہی تھی۔ دراصل انگریز حالات کے رخ کا جائزہ لے رہے تھے اور پانی پت کی لڑائی تک وہ ہندوستان میں احمد شاہ ابدالی کی سرگرمیوں سے بالکل لاتعلق رہے۔ انگریز خود احمد شاہ ابدالی کی لشکری طاقت اور عسکری قوت سے ہراسان اور خوفزدہ تھے اس لئے کہ جب انہوں نے بنگال کے صوبیدار جعفر کو معزول کر کے اس کی جگہ اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا صوبیدار مقرر کر دیا تو اس تبدیلی کی اطلاع انگریزوں نے تحریری طور پر احمد شاہ ابدالی کو قندھار روانہ کی۔ جواب میں احمد شاہ ابدالی نے انہیں تنبیہہ کی کہ ہندوستان میں بنگال کے صوبیدار میر قاسم اور مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی کے مطیع اور اطاعت گزار بن کر رہیں

پر انگریزوں نے وعدہ کیا کہ انگریز جو اپنے آپ کو احمد شاہ ابدالی کا غلام سمجھتے ہیں ی ہدایت پر عمل کریں گے۔

لیکن انگریز بڑا عیار اور فریب کار تھا وہ اندر ہی اندر جہاں ہندوستان میں مغل ت کے خلاف کام کر رہا تھا وہاں احمد شاہ ابدالی کے مفادات کو بھی نقصان پہنچانے در پے تھا۔ انگریزوں نے مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی اور اودھ کے حاکم شجاع الدولہ یقین دلایا کہ انگریز ان دونوں کے وفادار ہیں اور یہ کہ اگر کوئی بیرونی طاقت ان پر آور ہوئی تو انگریز پوری قوت سے ان کا دفاع کریں گے اور ان کے مفادات کی ی طرح حفاظت اور حمایت کریں گے۔ دوسری طرف انگریزوں نے مرہٹوں اور ت پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ سے بھی گٹھ جوڑ کر لیا اور انہیں ں دلایا تھا کہ اگر وہ سب مل کر ہندوستان میں انگریزوں کا ساتھ دیں تو انگریز سب کو ر کر کے احمد شاہ ابدالی کے خلاف ان کا دفاع کریں گے۔ انگریزوں نے جہاں مغل شاہ شاہ عالم ثانی اور اودھ کے حاکم شجاع الدولہ کو بیرونی حملوں سے حفاظت کا یقین ا وہاں انہوں نے مرہٹوں اور جواہر سنگھ کو بھی اس بات کی ضمانت دی کہ اگر اس احمد شاہ ابدالی ہندوستان میں داخل ہوا اور وہ سکھوں سے نپٹنے کے بعد مرہٹوں یا ہر سنگھ سے ٹکرایا تو انگریز اس پر تندی سے حملہ آور ہوں گے کہ احمد شاہ ابدالی کو زین شکست دے کر وہ ہندوستان سے اس کو بھاگنے پر مجبور کر دیں گے۔

انگریزوں نے چونکہ مغل شہنشاہ سے بنگال، بہار اور اڑیسہ کی دیوانی حاصل کر ، انگریز سوداگروں کو اس علاقے میں ایک طرح کی اجارہ داری دلا دی تھی لہٰذا ریز اب بنگال، بہار اور اڑیسہ کو اپنی ملکیت سمجھنے لگے تھے اور اب وہ ہندوستان پر مت کرنے کا اپنا خواب شرمندہ تعبیر ہوتے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ملکی سیاست ں بڑی سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا تھا وہ چاہتے تھے کہ کسی بھی صورت دہلی پر ن کا قبضہ ہو جائے اور اس طرح وہ ہندوستان کے مالک بن جائیں اور آئندہ اگر کوئی رونی قوت ہندوستان پر حملہ آور ہو تو اسے مار بھگائیں۔ تاہم انگریز بڑی تیزی کے

ساتھ بنگال' بہار اور اڑیسہ میں فوجی طاقت کو بڑھا رہے تھے اُس لئے کہ ان تینوں صوبوں کو وہ اب اپنی ذاتی ملکیت سمجھنے لگے تھے۔

میر جعفر کو معزول کرنے کے بعد گو انگریزوں نے اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا حاکم مقرر کر دیا تھا لیکن انگریزوں کو میر قاسم بھی سخت ناپسند تھا انہوں نے اسے برائے نام اور ایک طرح کا کٹھ پتلی صوبیدار مقرر کر دیا تھا۔ جب میر قاسم نے پوری طرح بنگال میں انگریزوں کے اشارے پر کام کرنے سے انکار کر دیا تو انگریزوں نے پھر اس کے سسر یعنی میر جعفر سے گٹھ جوڑ کی اور میر قاسم کو معزول کر کے پھر میر جعفر کو بنگال کا صوبیدار بنا دیا گیا۔ اس پر میر قاسم بڑا برافروختہ ہوا۔ لہٰذا اس نے تمام احوال انگریزوں کی بددیانتی ان کی عیاری ان کی فریب کاریاں پوری تفصیل کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کو لکھ بھیجیں اور احمد شاہ ابدالی سے گزارش کی کہ وہ ہندوستان پر حملہ آور ہو اور انگریزوں کے ناپاک عزائم کا خاتمہ کر دے۔



میر قاسم کا خط ملنے سے قبل ہی احمد شاہ ابدالی کو پنجاب میں سکھوں کی سرگرمیوں کی خبر ہو چکی تھی۔ لہٰذا میر قاسم کا خط ملنے سے پہلے ہی وہ ہندوستان کی طرف کوچ کرنے کا عزم کر چکا تھا۔ نومبر کے آخری دنوں میں احمد شاہ ابدالی نے قندھار سے ہندوستان کی طرف کوچ کیا۔ دریائے سندھ کو عبور کرنے کے بعد بغیر کسی مزاحمت کے وہ قلعہ رہتاس چلا آیا۔ قلعہ رہتاس کے قریب سکھ سردار سنگھ اور کئی دوسرے سکھ سرداروں نے ایک بہت بڑا لشکر احمد شاہ ابدالی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ رہتاس کے نواح میں احمد شاہ ابدالی اور سکھوں کے درمیان خوفناک جنگ ہوئی جس میں احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کو بدترین شکست دی اور سکھ ادھر ادھر تتر بتر ہو گئے۔

قلعہ رہتاس سے احمد شاہ ابدالی نے پھر دریائے جہلم کی طرف پیش قدمی کی ایک بار راستے میں سکھ احمد شاہ ابدالی کے لشکر پر حملہ آور ہوئے احمد شاہ ابدالی اس قدر غضبناکی سے سکھوں پر حملہ آور ہوا کہ اکثر کو اس نے تہہ تیغ کر دیا باقی کو دھکیلتا ہوا پیچھے لے گیا تھا اور دریائے جہلم میں ڈبو کر رکھ دیا گیا تھا۔

اس طرح اپنا راستہ صاف کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے دریائے جہلم کو عبور کیا اور چار دسمبر کو گجرات پہنچا۔ گجرات شہر کے نواح میں احمد شاہ ابدالی نے چند روز قیام کر کے اپنے لشکر کو ستانے کا موقع فراہم کیا اس کے بعد اس نے شاہ دولہ کے پل سے دریائے چناب کو عبور کیا اور راوی دوآب میں داخل ہوا۔

چناب کو عبور کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے سیالکوٹ کا رخ کیا۔ چند میل آگے جا کر اس نے اورنگ آباد' پسرور' گجرات اور سیالکوٹ کے بڑے بڑے زمینداروں کو شرف باریابی بخشا۔ اس کے بعد احمد شاہ ابدالی نے پھر لشکر کی پیش قدمی جاری رکھی اور سکہ پہنچا۔ یہاں بھی احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کے ساتھ چند روز قیام کیا۔

ڈسکہ میں چند روز قیام کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے ایمن آباد کی طرف کوچ کیا۔ اس وقت تک سکھوں کے سردار صوبہ سنگھ' لہنا سنگھ' گجر سنگھ' ہیرا سنگھ اور عجائب سنگھ ایک بہت بڑا لشکر جمع کر کے لاہور شہر کے نواح میں خیمہ زن تھے۔ جب انہیں خبر ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی ایمن آباد پہنچ چکا ہے اور وہاں سے وہ جلد کوچ کر کے لاہور کا رخ کرنا چاہتا ہے تو سکھ فوراً منتشر ہو گئے۔

گجر سنگھ اور لہنا سنگھ قصور چلے گئے۔ صوبہ سنگھ' ہیرا سنگھ اور عجائب سنگھ نے پاک پٹن کا رخ کیا۔

احمد شاہ ابدالی کو جب لاہور کے نواح میں سکھوں کے جمع ہونے کی خبریں ملیں تو اس نے ایک لشکر جہان خان کی سرکردگی میں لاہور کی طرف روانہ کیا۔ برخوردار خان کو جہان خان کا نائب مقرر کیا گیا۔ یہ دونوں جرنیل راستے میں مقابلہ کرنے والے سکھوں کو مارتے کاٹتے ہوئے لاہور پہنچے اور بغیر کسی مزاحمت کے انہوں نے لاہور شہر پر قبضہ کر لیا۔

احمد شاہ ابدالی نے ابھی ایمن آباد میں ہی قیام کیا ہوا تھا کہ قلات کا والی میر نصیر

خان بھی اپنے لشکر کے ساتھ ایمن آباد میں اس سے آن ملا اس لئے کہ قندھار سے کوچ کرتے وقت احمد شاہ ابدالی نے میر نصیر خان کی طرف قاصد بھجوائے تھے کہ وہ فوراً ہندوستان کے حالات درست کرنے کے لئے ایمن آباد پہنچے لہٰذا احمد شاہ ابدالی کے حکم کے مطابق میر نصیر خان اپنے لشکر کے ساتھ ایمن آباد پہنچ گیا پھر متحدہ لشکر کو لیکر احمد شاہ ابدالی لاہور کی طرف کوچ کر گیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی جب لاہور کے نواح میں محمود بوٹی کے مقام پر اپنے لشکر کے ساتھ خیمہ زن ہوا تو لاہور کے شہریوں کا ایک وفد ایک رئیس رحمت اللہ کی سرکردگی میں احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رحمت اللہ بیگ نے احمد شاہ ابدالی سے گزارش کی کہ سکھوں کا سردار لہنا سنگھ بڑا رحمدل اور روشن خیال آدمی ہے اور ہندوستان میں وہ ہندو مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں کرتا۔ لوگوں سے عزت اور احترام سے پیش آتا ہے اور عیدالضحٰے کے موقع پر اس نے تمام قاضیوں مفتیوں اور مساجد کے اماموں کو پگڑیاں بھی عطا کی تھیں۔

یہ سن کر احمد شاہ ابدالی نے رحمت اللہ بیگ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا اگر وہ ایسا ہی منصف مزاج اور انسانیت پسند حاکم ہے تو پھر وہ بھاگ کیوں گیا۔ میری خدمت میں حاضر ہوتا تو میں تمہاری عرضداشت پر ضرور اسے لاہور کا حاکم مقرر کر دیتا۔ اگر اب بھی تم لوگ کہو تو میں لہنا سنگھ کی طرف قاصد بھجواتا ہوں اسے یہاں بلاتا ہوں اور اسے لاہور کا اپنی طرف سے حاکم مقرر کر دیتا ہوں۔ اگر اسے تم پسند کرتے ہو تو میں تمہاری پسند کا خیال ضرور رکھوں گا۔ رحمت اللہ بیگ کی سرکردگی میں لاہور کا وفد احمد شاہ ابدالی کا یہ فیصلہ سن کر بہت خوش ہوا۔ ان کی موجودگی میں احمد شاہ ابدالی نے لہنا سنگھ کو بلانے کے لئے اپنے قاصد روانہ کر دیئے تھے۔ وفد کا سربراہ رحمت اللہ بیگ جب احمد شاہ ابدالی کے خیمے سے نکلنے لگا تو احمد شاہ ابدالی نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا اور رحمت اللہ بیگ کو مخاطب کر کے پوچھا۔

رحمت اللہ تھوڑی دیر بیٹھو میں تم سے سکھوں کے متعلق کچھ معلومات حاصل

رنا چاہتا ہوں۔ اس پر رحمت اللہ نے کسی قدر پریشانی سے احمد شاہ ابدالی کی طرف یکھتے ہوئے پوچھا پاشا آپ کیسی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس پر احمد شاہ ابدالی لا اور کہنے لگا مجھے تفصیل کے ساتھ بتاؤ کہ سکھ کون ہیں ان کی پیداوار کیسے ہوئی ہوں نے کیسے جنم لیا۔ ان کے مذہبی رجحان اور اخلاقی اطوار کیسے اور کس قسم کے ں۔ احمد شاہ ابدالی کے اس سوال پر رحمت اللہ بیگ نے کچھ سوچا پھر وہ احمد شاہ دالی کو مخاطب کر کے کہہ رہا تھا۔

پاشا سکھ سنسکرت کے لفظ شیشیا سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں سیکھنے والا یا اگرد۔ یہ فرقہ گرو نانک کی وجہ سے وجود میں آیا۔ گرونانک تلونڈی رائے میں پیدا ا جسے اب ننکانہ صاحب کہتے ہیں۔ گرونانک نے برہمنوں کی لوٹ کھسوٹ کے خلاف حتجاج کیا اور ان کے دیوتا اور دیویوں کی پرستش سے انکار کر کے ایک خدا کی اعت کا پرچار کیا۔ اس نے ذات پات کے فرق کو اڑایا اور برہمنوں کی برتری کے ول کو ماننے سے انکار کر دیا۔

نانک کا خیال تھا کہ پنجاب کے لوگوں کی بدحالی کا ایک بڑا سبب عقائد کا اختلاف ی ہے اس لئے وہ خیالات اور روح کی یکرنگی پیدا کرنا چاہتا تھا۔ اس نے کوشش کی ۔ ایک ایسی مشترکہ سماجی تنظیم کی بنیاد پڑ جائے جو بھائی چارے اور مساوات پر مبنی ۔ اس مقصد کے لئے اس نے سنگت یعنی ملے جلے اجتماعات کی بنیاد ڈالی۔ ان تماعات میں اس کے شاگرد گرو کے بھجن گاتے اور روحانی فیضان حاصل کرتے۔ اس ے لنگر میں سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے اور ذات پات کی کوئی تمیز نہ تھی۔

ہندوستان کے دوسرے مصلحوں اور مذہبی پیشواؤں کی طرح گرونانک نے اپنی رگرمیوں کو صرف عبادت تک ہی محدود نہ رکھا بلکہ اس نے لوگوں میں ایک نیا شعور یدا کرنے کی کوشش کی اور حکمرانوں کے مظالم کے خلاف آواز بلند کی۔ گرونانک کا ں تھا۔

"حکمران قصائی ہیں اور شقاوت ان کی چھری' وہ لوگ جو عوام کی بہبود کا خیال

رکھے بغیر حکومت کرتے ہیں بیوقوف اور دیوانے ہیں۔ بادشاہ کو لازم ہے کہ عدل سے کام لے۔"

پنجاب کے تباہ حال عوام کو گرونانک کے اس پیغام میں امید کی ایک آخری جھلک نظر آئی اور انہیں تحریک ہوئی کہ بددلی اور محتاجی کی عادت ترک کر کے ایک خدا پر یقین رکھیں۔ سنگت یعنی ملے جلے اجتماع اور سنگت یعنی اجتماعی کھانوں کے باعث ایک ایسے غیر طبقاتی معاشرے کا تصور پیدا ہوا جس میں جمہوریت اور مساوات کا دور دورہ تھا۔ جلد ہی گرونانک کا نام آزادی اور خود اعتمادی کی علامت بن گیا اور ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا جس کی جرات اور استقلالی جنگ اور امن دونوں میں مثالی ہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد رحمت اللہ بیگ دم لینے کو تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر وہ سلسلہ کلام دوبارہ جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

پاشا۔ گرونانک سکھوں میں ہی نہیں بلکہ ہندو اور مسلمانوں میں بھی مقبول تھا۔ پاشا میں یہاں یہ بھی عرض کر دوں کہ یہ سکھ فرقہ ہی نہیں بلکہ ہندوؤں کے کچھ فرقے بھی مثلاً" برہمو سماج' آریہ سماج' یہ تمام فرقے اسلام سے متاثر ہوئے ہیں۔ انہوں نے گو اسلام نہیں قبول کیا لیکن ان سارے فرقوں نے اسلام کے سنہرے اصولوں کو ضرور قبول کیا ہے۔

گرونانک نے 1539ء میں دریائے راوی کے داہنے کنارے پر کرتہ پور میں وفات پائی۔ اس کی موت پر دونوں فریقین نے یہ دعوے کیا کہ وہ ان کا آدمی ہے۔ مسلمان کہنے لگے کہ وہ مسلمان تھا۔ ہندوؤں کا دعوے تھا کہ وہ ہندو تھا بالاخر اس مسئلے کا حل یوں نکلا کہ دونوں نے اس کی یاد میں اپنی اپنی طرز کے مزار تعمیر کیے۔ جن کے بیچ میں صرف ایک دیوار ہے مذاہب کی تاریخ میں یہ واقعہ بھی ایک طرح سے بے مثل ہے۔

پاشا سکھوں کے نو گرو ہوئے۔ پہلا گرونانک' دوسرا گرو انگد' تیسرا گرو امرداس'

تھا گرو رام داس' پانچواں گرو ارجن' چھٹا گرو ہررائے' ساتواں گرو ہرکش' آٹھواں رو تیغ بہادر' اور نواں گرو گوبند سنگھ۔

سکھوں کے گروؤں نے ایک منظم فرقے کی بنیاد رکھی اور امرتسر کو ان کے تباع کا مرکز بنایا۔ عوام کی رہنمائی کے لئے گرنتھ نام کی ایک مقدس کتاب بھی مرتب گئی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے اپنے پیروؤں میں ایک سپاہیانہ جذبہ پیدا یا۔

سکھوں کا پانچواں گرو ارجن سنگھ جہانگیر کے حکم پر مار ڈالا گیا۔ ستر سال بعد رنگ زیب نے نویں گرو تیغ بہادر کو تہہ تیغ کر دیا۔ اس سے سکھوں میں اپنے دفاع جذبہ پیدا ہوا۔ گرو ہرگوبند سنگھ پہلا گرو تھا جس نے انہیں تلوار کے مذہب سے اہ کیا۔ آخری گرو ہرگوبند سنگھ گرو نے خالصہ کی بنیاد رکھ کر تمام سکھوں کو ایک ح سے سپاہی بنا دیا تھا۔

آخری گرو گوبند سنگھ نے کھنڈوے پھول کی رسم جاری کی جس میں دودھاری ار سے سکھوں کو بپتسمہ دیا جاتا ہے جس کے بعد امرتا یعنی مقدس ملا ہوا پانی جس فولاد کے خنجر سے ہلایا جاتا اور اس کے بعد وہ پرشاد کھاتے تھے۔ اس رسم سے ہ میں ذات پات' امیر' غریب' استاد' شاگرد غرض یہ کہ ہر قسم کی تمیز اڑ گئی۔ گرو بند سنگھ نے خود یہ رسم ادا کی اور اس رسم سے سکھ فرقے میں ایک نئی روح دوڑ تھی۔

گرو گوبند سنگھ کی اس نئی تنظیم سے آس پاس کے حکمران سکھوں سے خوف انے لگے لہذا انہوں نے دہلی کی سلطنت سے ان کی سرکوبی کی درخواست کی۔ دہلی افواج سکھوں کے خلاف حرکت میں آئیں۔ گرو گوبند سنگھ نے مغلوں اور ان کے اروں کے خلاف چودہ لڑائیاں لڑیں آخری لڑائی ضلع ہوشیار پور کے مقام کے نزدیک لڑی گئی۔

اس لڑائی کے بعد گرو گوبند سنگھ کو اپنا گھر چھوڑ کر ستلج کے جنوب میں ایک

علاقے میں پناہ لینا پڑی اس کی ماں اور دو چھوٹے بیٹے سرہند کے نواب وزیر خان ہاتھ آ گئے جس کے حکم سے انہیں تہہ تیغ کر دیا گیا۔

1707ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد اس کے بیٹے بہادر شاہ نے سکھو سے دوستانہ تعلقات قائم کر لئے اس کے باوجود 1708ء میں جب گرو گوبند سنگھ بہاد شاہ سے گفت و شنید کے لئے دکن آیا ہوا تھا تو سرہند کے نواب کے ایک ایجنٹ گرو گوبند سنگھ کو خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔ گورو گوبند سنگھ کے بعد روحانی رہنمائی کا کا سکھوں کی مقدس کتاب گرنتھ صاحب سے لیا جانے لگا اور دنیاوی معاملات خالصہ عام اجتماع کے سپرد ہونے لگے۔

گرو گوبند سنگھ کی وفات کے بعد ان کا ایک شاگرد بندہ سنگھ ایک سیاسی رہنما حیثیت سے پنجاب میں ابھرا اور اس نے گورو کی جدوجہد کو جاری رکھا۔ سکھ پنجاب کے ہر علاقے سے جوق در جوق آ کر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے اور سرہند میں علم بغاوت بلند کیا۔ انہوں نے سرہند پر قبضہ کر لیا یہ سکھوں کا پہلا مفتوحہ علاقہ تھا ا فتح سے ستلج کے جنوبی کنارے سے دہلی کے نواح تک پورے ملک پر ان کا قبضہ ہو تھا۔

اس کے بعد سکھوں نے اپنی فتوحات کا دائرہ گنگا جمنا' دو آب اور مرکزی اور شما مشرقی پنجاب تک وسیع کر لیا ان کی اس جدوجہد آزادی سے مجبور ہو کر لاہور کے ا وقت کے گورنر اسلم خان نے ان کے خلاف جہاد کا اعلان کر دیا۔

لیکن لاہور کے گورنر کی مہم سکھوں کے خلاف ناکام رہی۔ سکھوں نے بلوال نزدیک اس کی فوج پر ناگہانی حملہ کر کے اسے شکست دی اس طرح سوائے لاہور راوی کے جنوب میں قصور تک پورا علاقہ سکھوں کے تسلط میں آ گیا تھا۔

لیکن سکھوں کی اس نوزائیدہ تنظیم کے مقابلے میں مغل حکومت ابھی تک بہت زیادہ طاقتور تھی۔ 1705ء میں آٹھ ماہ کے محاصرے کے بعد بندھا سنگھ پکڑا گیا ا لاہور لایا گیا جہاں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے گئے۔ اس کے ساتھ سات س

چورانوے دوسرے سرکردہ سکھ بھی موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ اس طرح پنجاب میں سکھوں کی حکومت جو بڑی تیزی سے عمل میں آئی تھی اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ پاشا اس کے بعد جو حالات پیش آئے اس کے آپ خود بھی چشم دید گواہ ہیں۔ یہاں تک کہنے کے بعد رحمت اللہ بیگ خاموش ہو گیا پھر وہ اپنے وفد کے ساتھ احمد شاہ ابدالی کے یہاں سے چلا گیا تھا۔



احمد شاہ ابدالی نے اپنے قاصد سکھوں کے سردار لہنا سنگھ کی طرف روانہ کئے تھے وہ لہنا سنگھ کا جواب لائے اور جواب یہ تھا کہ لہنا سنگھ نے احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہونے اور لاہور کی صوبیداری قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی۔

اس صورت حال پر احمد شاہ ابدالی نے اپنے لشکر کا سارا بھاری سامان لاہور چھوڑ کر دسمبر کے مہینے میں محمود بوٹی سے چک گرو یعنی امرتسر کوچ کیا۔ امرتسر پہنچ کر احمد شاہ ابدالی نے جہان خان کو اس کے لشکر کے ساتھ امرتسر چھوڑا۔ خود وہ جھنڈیالہ کی طرف کوچ کر گیا تھا تاکہ سکھوں کی سرکوبی کر سکے۔

احمد شاہ ابدالی نے جہان خان کو حکم دیدیا تھا کہ اگر امرتسر میں سکھ داخل ہونے کی کوشش کریں تو ان پر حملہ آور ہو کر تباہی مچا دے۔ جہان خان ابھی امرتسر میں خیمہ زن ہوا ہی تھا کہ خبر آئی کہ سکھوں کے سردار چڑہٹ سنگھ' لہنا سنگھ اور ہیرا سنگھ نے لاہور میں احمد شاہ ابدالی کے کیمپ پر حملہ آور ہو کر تمام مال و اسباب اور بار برداری لوٹ لیا ہے اور شہر کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ احمد شاہ ابدالی کو جب سکھوں کی اس حرکت کا پتہ چلا تو وہ اپنے لشکر کے ساتھ لاہور آیا لیکن اس وقت تک سکھ اس کا سارا سامان اور مال برداری لوٹ کر روپوش ہو چکے تھے۔ انہوں نے حسب دستور جنگ لڑنے سے احتراز کیا تھا تاہم وہ احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے گرد منڈلاتے رہے تھے جونہی موقعہ ملتا وہ لشکر پر جھپٹتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا وہ لے جاتے۔

یہ صورت حال دیکھتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے اپنی جنگی مجلس طلب کی جس میں

شاہ ولی خان، جہان خان، عبداللہ، میر نصیر خان بلوچ اور دیگر سالاروں نے حصہ لیا۔ آپس میں مشورہ کرنے کے بعد یہ طے پایا کہ پنجاب میں امن و امان قائم کرنے کے لئے سکھوں کے ساتھ صلح اور دوستی کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ اس فیصلے کے تحت احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کے سردار جھنڈا سنگھ، جساسنگھ، خوشحال سنگھ، چڑہت سنگھ، لہنا سنگھ اور دوسرے سکھوں کے سرداروں کو لکھ بھیجا کہ اگر آپ لوگ ہماری ملازمت اختیار کرنا چاہیں تو آ کر میرے لشکر میں شامل ہو جائیں اور اگر آپ لوگوں کا ارادہ جنگ کرنے کا ہو تو مردوں کی طرح کھل کر میرے سامنے آئیں اور میرے ساتھ جنگ کریں۔

لیکن سکھوں نے احمد شاہ ابدالی کی اس پیش کش کا مثبت جواب نہ دیا انہوں نے مصالحت کی بات چیت سے صاف انکار کر دیا اور احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہونے سے بھی انکار کر دیا۔ سکھوں نے ایسا اس لئے کیا تھا کہ وہ جانتے تھے کہ احمد شاہ ابدالی مستقل طور پر پنجاب میں قیام نہیں کریں گے آج نہیں تو کل وہ اپنے لشکر کے ساتھ لوٹ جائے گا اور اس کے جانے کے بعد ان کے مقبوضہ جات دوبارہ انہیں خودبخود ہی مل جائیں گے۔

اسی دوران احمد شاہ ابدالی کو خبر ملی کہ امرتسر میں سکھ جمع ہو رہے ہیں احمد شاہ ابدالی نے جہان خان کو ایک لشکر دے کر امرتسر کی طرف روانہ کیا اور حکم دیا کہ امرتسر اور اس کے گرد و نواح کے دیہات کو تباہ اور برباد کر دے۔ جہان خان اپنے لشکر کے ساتھ جونہی امرتسر پہنچا سکھوں کے سردار ہیرا سنگھ، جساسنگھ، لہنا سنگھ اور گجر سنگھ اس پر ٹوٹ پڑے اس اچانک حملے میں احمد شاہ ابدالی کے پانچ چھ ہزار سپاہی مارے گئے۔ کچھ زخمی بھی ہوئے اس صورت حال میں جہان خان کو اپنے باقی ماندہ لشکر کے ساتھ پیچھے ہٹنا پڑا تھا۔

یہ اندوہناک خبر سن کر احمد شاہ ابدالی نے باقی لشکر کے ساتھ بھی امرتسر کی طرف کوچ کیا۔ سکھوں کو جب خبر ہوئی کہ احمد شاہ ابدالی نے لاہور سے امرتسر کی طرف

کوچ کر چکا ہے تو انہوں نے چور راستے اختیار کرتے ہوئے امرتسر سے لاہور کی طرف کوچ کر لیا تھا۔ احمد شاہ ابدالی نے امرتسر پہنچ کر اس کی عمارات اس کے نواح میں تمام قلعوں کو منہدم کرنے کا حکم دیدیا۔ یہاں تین چار ہزار سکھ اس کے ہتھے چڑھ گئے ان کو اس نے تہہ تیغ کر کے رکھ دیا تھا۔

چک گرو یعنی امرتسر کو تباہ و برباد کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے دریائے بیاس کو عبور کیا اور جالندھر دوآب میں داخل ہوا۔ یہاں آس پاس کی متعدد ریاستوں کے والی اور سفیر احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسے نذرانے پیش کئے۔ سکھوں نے احمد شاہ ابدالی کو جالندھر دوآب میں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ وہ اس کی فوج کو برابر تنگ کرتے رہے اور اس کی بار برداری جو نصیر خان بلوچ کی تحویل میں تھی چھین لی۔ بار برداری خوراک اور دیگر سامان نصیر خان کی نگرانی میں لشکر کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔ بیس ہزار سکھ بے خبری کی حالت میں نصیر خان پر ٹوٹ پڑے۔

نصیر خان نے اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ سکھوں کو مار بھگائے اور احمد شاہ ابدالی کے لشکر کا سامان بچا لے لیکن سکھوں نے نصیر خان بلوچ کو اپنے سامنے مکمل طور پر بے بس کر دیا۔ کھلے میدان میں سکھوں نے نصیر خان کو شکست دے کر شاہی لشکر کا سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔

نصیر خان سے سامان چھیننے کے بعد سکھوں کو خبر ہوئی کہ تین سو اونٹوں پر مشتمل ایک قافلہ پھل اور دیگر سامان لے کر احمد شاہ ابدالی کے لشکر میں شامل ہونے والا ہے۔ سکھ فوراً حرکت میں آئے اس قافلے پر انہوں نے حملہ کیا اس قافلے کی حفاظت کے لئے جو افغان محافظ ساتھ تھے انہیں سکھوں نے حملہ آور ہو کر کاٹ دیا اور اونٹوں کے اس سارے قافلے پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس کے چند ہی دن بعد ایک اور قافلہ جو احمد شاہ ابدالی کے لشکر کے لئے اناج لے جا رہا تھا سکھ اس پر بھی حملہ آور ہوئے اور اس کے سارے سامان کو بھی لوٹ کر غائب ہو گئے۔ محافظوں کو انہوں نے تہہ تیغ کر دیا تھا۔

احمد شاہ ابدالی کا ارادہ تھا کہ سکھوں کے معاملات درست کرنے کے بعد دہلی کی طرف کوچ کرے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز جو دن بدن آکاس بیل کی طرح پھیلتے جا رہے تھے دہلی کی حکومت کے ساتھ مل کر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا خاتمہ کر دے لیکن ہندوستان آ کر احمد شاہ ابدالی کو مایوسی ہوئی اس لئے کہ دہلی کی حکومت نے کسی بھی سلسلے میں اس سے تعاون نہیں کیا تھا۔

وہ امید رکھتا تھا کہ دہلی کا مغل شہنشاہ شاہ عالم ثانی یا اس کے نمائندے ہندوستان میں اسے خوش آمدید کہیں گے اور سکھوں کی سرکوبی کے لئے اس سے تعاون کریں گے جس طرح کہ وہ ماضی میں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ تعاون کرتے رہے ہیں لیکن اس بار دہلی حکومت کا کوئی بھی نمائندہ احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر نہ ہوا۔ اس لئے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریزوں نے اندر ہی اندر احمد شاہ ابدالی کے خلاف سازباز کر لی تھی۔ انہوں نے اودھ کے حاکم شجاع الدولہ اور مغل شہنشاہ شاہ عالم اور اس کے کارکنوں کو سختی سے تنبیہہ کی تھی کہ وہ ان کا کوئی فرد یا نمائندہ نہ احمد شاہ ابدالی کا استقبال کرے نہ اس کی خدمت میں حاضر ہو اور نہ ہی سکھوں کی سرکوبی کے لئے اس سے کسی قسم کا تعاون کرے۔ جبکہ احمد شاہ ابدالی چاہتا تھا کہ سکھوں کے معاملے میں دہلی کی حکومت اس سے تعاون کرے اور سکھوں کی گوشمالی کرنے کے بعد احمد شاہ ابدالی مشرق کی طرف بڑھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس کی جڑوں سے اکھاڑ پھینکے۔

ان تکلیف دہ حالات میں احمد شاہ ابدالی پنجاب سے گزر کر اور دہلی میں داخل ہو کر دہلی کے حکمرانوں سے بات چیت نہیں کر سکتا تھا اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ دہلی پہنچا تو اس کے دہلی پہنچتے ہی اس کی غیر موجودگی میں سکھ پھر پنجاب میں شور شرابا کھڑا کر دیں گے اور اس کی واپسی کی ساری راہیں مسدود کر دیں گے۔ احمد شاہ ابدالی نے جب اندازہ لگا لیا کہ دہلی کی مغل حکومت کسی طرح بھی اس سے تعاون کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر واپس

قندھار جانے کا عزم کر لیا تھا۔

مزید یہ کہ ان تکلیف دہ حالات میں اس کے لشکری بھی بددل ہو گئے تھے۔ سکھ جب بھی موقع ملتا ان پر چھاپے مارتے ان کا سامان چھین لیتے اور ان کا قتل عام کرتے اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی کے لشکریوں نے جب دیکھا کہ ہندوستان کی مغل حکومت کسی بھی طور ان سے تعاون نہیں کر رہی تو انہوں نے احمد شاہ ابدالی پر دباؤ ڈالنا شروع کیا کہ ہندوستان کو اس کے حال پر چھوڑا جائے اور قندھار واپس چلا جائے۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی نے اپنے سارے لشکر اور سامان کو سمیٹا اور لاہور کی طرف بڑھا تاکہ چند روز وہاں قیام کرنے کے بعد قندھار کی طرف کوچ کر سکے۔

لاہور کے نواح میں احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے میں شاہ ولی خان' جہان خان' عبداللہ اور برخوردار کے ساتھ بیٹھا اپنے کوچ سے متعلق صلاح و مشورہ کر رہا تھا اور فیصلہ یہ ہوا تھا کہ احمد شاہ ابدالی اپنے لشکر کے ساتھ اسی روز قندھار کی طرف کوچ کر جائے گا۔ یہ فیصلہ ہونے کے بعد شاہ ولی خان' جہان خان' عبداللہ اور برخوردار خان اپنی جگہوں سے اٹھنے ہی والے تھے کہ احمد شاہ ابدالی کا ایک جاسوس اس خیمے میں داخل ہوا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاشا میں ایک بری خبر لے کر آیا ہوں۔ احمد شاہ ابدالی نے بڑے غور سے اپنے طلایہ گردستوں کے اس رکن کی طرف دیکھا پھر اس نے کسی قدر حیرت اور پریشانی میں پوچھا اب جبکہ میں اپنے لشکر کے ساتھ آج لاہور سے قندھار کی طرف روانہ ہو رہا ہوں تم میرے لئے کیسی اور کس قسم کی بری خبر لے کر آئے ہو۔ اس پر اس نے آنے والے جاسوس نے لمحہ بھر کے لئے بڑے غور سے عبداللہ کی طرف دیکھا دوبارہ وہ احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

پاشا۔ اس خبر کا تعلق امیر لشکر شاہ پسند اور اس کے اہل خانہ سے ہے۔ ان الفاظ پر عبداللہ تڑپ کر اس جاسوس کی طرف دیکھنے لگا تھا جبکہ احمد شاہ ابدالی کی حالت بھی عجیب ہو گئی تھی۔ انتہائی پریشانی کے عالم میں وہ اس جاسوس کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

کھل کر کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔ اس پر وہ جاسوس پھر بولا اور کہنے لگا۔

پاشا بھرت پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ نے شاہ پسند کی بیویوں کامنی اور وینا کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اسے بڑا دکھ بڑا قلق اور بڑا رنج ہے کہ کامنی اور وینا دونوں نے کیوں شاہ پسند سے شادی کر لی ہے اور یہ کہ انہوں نے کیوں اپنا پرانا دھرم ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ اس جاسوس کی بات کاٹتے ہوئے احمد شاہ ابدالی نے پوچھا انہوں نے میری دونوں بیٹیوں کو قتل کرنے کا کیا منصوبہ بنایا ہے۔ جاسوس کہنے لگا پاشا۔ اس مقصد کے لئے ہندوؤں کے تین پنڈت حرکت میں آئے ہیں۔ ہندو دھرم کے یہ پنڈت انتہائی متعصب اور انتہائی ضدی ہندو ذہنیت رکھنے والے ہیں۔ انہیں اس بات کا قلق ہے کہ کامنی اور وینا دونوں نے کیوں دھرم ترک کر کے اسلام قبول کر لیا ہے۔ انہوں نے رضا کارانہ طور پر اپنی خدمت سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کو پیش کیں ہیں کہ وہ کامنی اور وینا دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔ ان میں سے ایک پنڈت کا نام پرشوتم داس' دوسرے کا سندر داس اور تیسرے کا نندلعل ہے۔ پہلے پرشوتم داس ہماری بہن کامنی اور وینا پر حملہ آور ہو کر ان کا کام تمام کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر پرشوتم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا تو دوسرے دونوں پنڈت حرکت میں نہیں آئیں گے اور پرشوتم داس اگر یہ کام نہ کر سکا اور پکڑا گیا تو اس کی ناکامی کی صورت میں سندر داس اور نندلعل حرکت میں آئیں گے اور کسی نہ کسی طرح کامنی اور وینا دونوں کو موت کے گھاٹ اتار دیں گے۔

وہ جاسوس جب یہاں تک کہہ چکا تو احمد شاہ ابدالی نے پھر پوچھا اس وقت یہ تینوں ہندو پنڈت کہاں ہیں۔ کیا تم ان کے محل وقوع سے آگاہ کر سکتے ہو۔ تاکہ میں ان کا بندوبست کر سکوں۔ اس پر وہ جاسوس بولا اور کہنے لگا۔ پاشا لاہور شہر کے شاہ عالم دروازے کے سامنے لاہور کا سب سے بڑا سیتلا مندر ہے ان تینوں پنڈتوں یعنی پرشوتم داس' سندر داس' اور نندلعل نے سیتلا مندر کے بڑے پروہت رینا ناتھ کے پاس

قیام کیا ہوا ہے۔ آج رات کے کسی بھی لمحے پرشوتم داس آپ کی خدمت میں حاضر ہو گا اور آپ سے گزارش کرے گا کہ وہ سورج مل کی سرزمین سے آیا ہے وہ یہ بہانا کرے گا کہ کامنی اور وینا کو زبردستی یہاں رکھا گیا ہے اور آپ سے یہ بھی التجا کرے گا کہ کامنی اور وینا کا ارادہ جاننے کے لئے اسے ان دونوں سے علیحدگی میں گفتگو کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ بغیر کسی دباؤ کے اپنی نیت کا اظہار کر سکیں۔ اس طرح جب آپ اسے کامنی اور وینا سے علیحدگی میں ملنے کی اجازت دیں گے تو وہ علیحدگی میں کامنی اور وینا دونوں کو خنجر گھونپ کر ان کا خاتمہ کر دے گا۔ یہاں تک کہنے کے بعد جاسوس جب خاموش ہوا تو جہان عبداللہ کی حالت انتہائی غضبناک اور خونخوار ہو رہی تھی وہاں احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر انتقام کے غضبناک طوفان انگڑائیاں لینے لگے تھے۔ پھر وہ جاسوس کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کیا لاہور کے سیتلا مندر کا بڑا پروہت رینا ناتھ جانتا ہے کہ سورج مل کے وہ تینوں ہندو پنڈت کامنی اور وینا کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس پر وہ جاسوس کہنے لگا پاشاہ رینا ناتھ کو ان کے ارادوں کا علم نہیں انہوں نے صرف رینا ناتھ کے پاس قیام کیا ہوا ہے۔ اس پر احمد شاہ ابدالی فیصلہ کن انداز میں بولا اور کہنے لگا اس کا مطلب ہے کہ رینا ناتھ بے قصور ہے اسے سزا نہیں ملنی چاہیے۔ بہرحال تین پنڈت جن کے نام تم نے نندلعل' سندر داس اور پرشوتم داس بتائے ہیں اور جو رضا کارانہ طور پر کامنی اور وینا کو قتل کرنے کے لئے بھرت پور سے آئے ہیں وہ بچ کے نہیں جائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی نے برخوردار کی طرف دیکھا اور اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔

برخوردار تم ابھی اور اسی وقت اٹھو اور شاہ پسند کے خیمے کے اردگرد پہرہ دینے والوں کی تعداد بڑھا دو اور میری بیٹی کامنی اور وینا کو بتاؤ کہ وہ دونوں بہنیں خود بھی باہر نہیں نکلیں گی اور بچے کو بھی نہیں نکلنے دیں گی۔ جب تک ہم یہاں سے قندھار کی طرف کوچ نہ کر لیں۔ احمد شاہ ابدالی کا حکم پاتے ہی برخوردار خان اٹھا اور خیمے سے

باہر نکل گیا تھا۔

برخوردار کے جانے کے بعد احمد شاہ ابدالی نے بڑے غور سے عبداللہ کی طرف دیکھا پھر وہ کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے تم ایسا کر کہ اپنے خیمے میں جا کر کامنی اور وینا کے قریب ہی کہیں اوٹ اور گھات میں جا کر بیٹھ جا۔ پنڈت پرشوتم داس جب میرے پاس آئے گا اور مجھ سے علیحدگی میں کامنی اور وینا سے ملاقات کی خواہش کرے گا تو میں اسے اجازت دیدوں گا کہ وہ شاہ پسند کے خیمے میں جا کر کامنی اور وینا سے مل سکتا ہے۔ میرے کچھ آدمی بھی رازدارانہ طریقے سے پرشوتم داس کے خیمے میں داخل ہونے کے بعد تمہارے خیمے کے اردگرد پہرہ دیں گے اور پرشوتم داس کی ساری گفتگو سنیں گے تم بھی خیمے کے اندر گھات میں بیٹھ کر تیار رہنا اور جب دیکھو کہ پرشوتم داس کامنی اور وینا پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو گھات سے نکل کر پرشوتم داس کو پکڑ لینا پھر اس سے اس کے دونوں ساتھیوں کا بھی پتہ کریں گے جنہوں نے سیتلا مندر میں قیام کر رکھا ہے۔ ان دونوں کو بھی یہاں لا کر تینوں کے سر کاٹ کر رکھ دیں گے اس کے بعد یہاں سے قندھار کی طرف کوچ کریں گے۔

دیکھ میرے بیٹے۔ میرے بچے پریشان مت ہونا۔ میں جانتا ہوں تم کامنی اور وینا کو کس قدر چاہتے ہو۔ پر میں تمہیں یقین دلاتا ہوں یہاں قیام کے دوران کوئی بھی تمہیں، تمہاری بیویوں اور بچے کو گزند نہیں پہنچا سکتا۔ اگر کسی نے ایسا کرنے کی کوشش کی تو لکھ رکھو میں بھرت پور کی سرزمین کو ہی تہس نہس کر کے رکھ دوں گا۔ بیٹے اب تم اٹھو اور اپنے خیمے میں جا کر جس طرح میں نے کہا ہے اس کے مطابق اپنے انتظامات مکمل کرو۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ اپنی جگہ سے اٹھ کر خیمے سے نکل گیا تھا۔

عبداللہ جب اپنے خیمے میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کامنی اور وینا دونوں کچھ پریشان اور فکرمند تھیں۔ عبداللہ جب ان کے قریب آیا تو کامنی نے فکرمندی سی آواز

ں عبداللہ کو مخاطب کرتے ہوئے پوچھا خیریت تو ہے ابھی ابھی برخوردار ادھر آئے ے وہ نہ صرف یہ کہ ہمارے خیمے کے اردگرد پہرہ دینے والوں کی تعداد زیادہ کر گئے ں بلکہ ہم دونوں بہنوں کو یہ تنبیہہ بھی کر گئے ہیں کہ ہم دونوں میں سے کوئی بھی بچے کو لے کر باہر نہ نکلے گا۔ آپ کا چہرہ بھی اترا ہوا ہے کہیں پاشا کے ساتھ آپ کی وئی تکرار یا جھگڑا تو نہیں ہوا۔ اس پر عبداللہ نے فوراً" اپنے چہرے پر بشاشت سی بھیر دی اور کہنے لگا۔

میرا پاشا کے ساتھ کیوں جھگڑا ہونے لگا۔ اس پر کامنی نے اپنی بات پر روز دیتے وئے کہا اگر یہ بات ہے تو کیوں ہمارے خیمے پر پہرے میں اضافہ کیا گیا ہے اور رخوردار ہمیں باہر نہ نکلنے کی تنبیہہ کر گئے ہیں۔ اس پر عبداللہ آگے بڑھ کر کامنی اور وینا کے درمیان بیٹھ گیا۔ اپنے بیٹے بیرم خان کو اٹھا کر اس نے اپنی گود میں بٹھا لیا پھر ہ کسی قدر فکرمندی سی آواز میں بولا اور کامنی کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔

کامنی، وینا تم دونوں بہنیں کیا کسی ایسے پروہت کو جانتی ہو جس کا تعلق بھرت پور سے ہو اور جس کا نام پرشوتم داس ہو۔ عبداللہ کے اس سوال پر کامنی اور وینا دونوں نے ایک ساتھ پریشانی کی حالت میں عبداللہ کی طرف دیکھا پھر کامنی بولی اور پوچھنے لگی خیریت تو ہے میں اور وینا دونوں اس پرشوتم داس کو جانتے ہیں۔ یہ ہمارے راج مندر کا پروہت ہے اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔

سنو کامنی اور وینا اگر یہ بات ہے تو تمہارے بھائی جواہر سنگھ نے تین پروہت تم دونوں کو قتل کرنے کے لئے روانہ کیے ہیں۔ ایک پرشوتم داس، دوسرا سندر داس، تیسرا نندلعل۔ عبداللہ کے اس انکشاف پر کامنی اور وینا دونوں دنگ رہ گئیں تھیں۔ اس بار وینا بولی اور کہنے لگی۔

ان تینوں پروہتوں کو ہم اچھی طرح جانتے ہیں ان کا تعلق راج محل سے ہے۔ عبداللہ پھر بولا اور کہنے لگا بس یوں جانو کہ یہ تینوں پروہت تم دونوں کو قتل کرنے کے لئے اس لئے آ رہے ہیں کہ تم نے اپنا دھرم چھوڑ کر اسلام قبول کیا ہے اور مجھ سے

شادی کر لی ہے۔ اس پر کامنی بے پناہ غصے اور غضبناکی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی اگر یہ تینوں پروہت ہمیں قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر یہ بچ کر بھی نہ جائیں گے۔ میں خود ان کا خون کروں گی۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا تمہیں ایسا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ان میں سے سب سے پہلے پرشوتم داس احمد شاہ ابدالی کی خدمت میں حاضر ہو گا اور تم دونوں سے علیحدگی میں ملنے کی خواہش کرے گا۔ وہ یہ بہانہ کرے گا کہ کامنی اور وینا کو یہاں زبردستی رکھا گیا ہے اور یہ کہ دونوں سے اسے ملنے کا علیحدہ موقع فراہم کیا جائے تاکہ وہ بغیر کسی دباؤ کے ان سے یہ پوچھ سکے کہ وہ یہاں اپنی خوشی سے رہتی ہیں یا کسی نے انہیں زبردستی روک رکھا ہے اور جب اسے تم دونوں سے علیحدگی میں ملنے کا موقع فراہم کیا جائیگا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ تم دونوں کو چھرا گھونپ کر ہلاک کرنے کی کوشش کرے گا۔

اس بار وینا بے پناہ غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگی۔ قبل اس کے کہ وہ ہم دونوں بہنوں کو چھرا گھونپ کر ہلاک کرے ہم دونوں پہلے ہی اس کا حلقوں کاٹ کر رکھ دیں گے۔ اس پر عبداللہ کہنے لگا تم دونوں بہنوں کو کچھ نہیں کرنا پڑے گا۔ پہلے ایسا کرو جس جگہ تم دونوں بہنیں بیٹھی ہو یہاں ایک قطار میں تین گاؤ تکیے رکھ دو ان گاؤ تکیوں کے پیچھے میں پوری طرح مسلح ہو کر لیٹ جاؤں گا۔ میرے اوپر تم لوگ چادر ڈال دینا پھر دونوں بہنیں میرے سامنے رکھے ہوئے گاؤ تکیوں سے ٹیک لگا کر بیٹھ جانا اور بیرم کو اپنے درمیان بٹھا لینا۔ اسی پوزیشن میں جب پروہت پرشوتم داس تم دونوں سے علیحدگی میں ملنے کے لئے آئے گا اور جب وہ تم دونوں پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا تو میں اپنی اس گھات سے نکل کر اس سے نپٹ لوں گا اور ہاں جس وقت اس نے ہمارے خیمے میں آنا ہو گا پاشا اس سے پہلے ہی ہمیں اطلاع کر دیں گے۔ عبداللہ کی اس تجویز کو کامنی اور وینا نے بے حد پسند کیا پھر وہ عبداللہ کی تجویز کے مطابق انتظام کرنے کی ساری تیاریاں کرنے لگی تھی۔

○

احمد شاہ ابدالی اپنے خیمے میں شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار کے ساتھ بیٹھا پرشوتم داس کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہا تھا کہ تھوڑی ہی دیر بعد ایک پہریدار اندر آیا اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ پاشا بھرت پور کا ایک پروہت کہ نام جس کا پرشوتم داس ہے وہ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ اپنے پہریدار کے یہ الفاظ سنتے ہی معنی خیز انداز میں احمد شاہ ابدالی نے باری باری شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار خان کی طرف دیکھا ان تینوں نے اپنے لبوں پر ہلکی ہلکی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے بڑے ذومعنی انداز میں پاشا کی طرف دیکھا پھر احمد شاہ ابدالی بولا اور پہریدار کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اس پروہت کو اندر لاؤ۔

تھوڑی دیر بعد وہ پہریدار پرشوتم داس کو اندر لے کر آیا۔ پرشوتم داس آگے بڑھا احمد شاہ ابدالی کے سامنے آیا اور بڑی عاجزی بڑی انکساری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ پاشا میرا نام پرشوتم داس ہے میرا تعلق بھرت پور کے راج محل سے ہے۔ مجھے بھرت پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ نے آپ کی طرف روانہ کیا ہے۔ دراصل بھرت پور میں یہ خبریں گشت کر رہی ہیں کہ ہماری راجکماری کامنی اور اس کی چچا زاد بہن وینا دونوں کو آپ کے لشکر میں زبردستی روک کر رکھا گیا ہے مجھے جواہر سنگھ نے اس لئے بھیجا ہے کہ میں آپ سے گزارش کروں کہ مجھے کامنی اور وینا سے علیحدگی میں ملنے کا موقع فراہم کیا جائے تاکہ میں علیحدگی میں ان سے بات کر کے جان سکوں کہ وہ آپ کے لشکر میں اپنی مرضی سے رہ رہی ہیں یا کسی نے ان پر دباؤ یا زور ڈال کے یہاں رکھا ہوا ہے اور یہ کہ انہوں نے جو اپنا دھرم بدل لیا ہے وہ بھی اپنی خوشی اور رضا مندی سے کیا ہے یا ان دونوں کو کسی نے ایسا کرنے کے لئے مجبور کیا ہے اور مزید یہ کہ میں یہ بھی جان سکوں کہ انہوں نے آپ کے جرنیل شاہ پسند سے شادی اپنی مرضی سے کی ہے یا زبردستی دونوں کو اس کے پلے باندھ دیا گیا ہے۔ یہ ساری باتیں میں جاننے کے بعد واپس جواہر سنگھ کے پاس جاؤں گا اور جو حقیقت ہو گی کہہ دوں گا۔

یہاں تک کہنے کے بعد پرشوتم داس تھوڑی دیر کے لئے رکا پھر اس نے اپنی کمر کے ساتھ بندھی ہوئی ایک بڑی تھیلی کھولی تھوڑا سا احمد شاہ ابدالی کے قریب ہوا اس کے بعد اس نے اس تھیلی کا منہ کھولتے ہوئے اسے احمد شاہ ابدالی کے سامنے رکھ دیا۔ احمد شاہ ابدالی نے دیکھا وہ تھیلی زرو جواہرات سے بھری ہوئی تھی۔ تھیلی احمد شاہ ابدالی کے سامنے رکھنے کے بعد پرشوتم داس پھر سیدھا کھڑا ہوا اور کہنے لگا۔

پاشا اس تھیلی میں اس قدر زرو جواہرات ہیں جن کی قیمت نہیں لگائی جا سکتی میں کامنی اور وینا سے علیحدگی میں بات کروں گا اگر انہوں نے کسی دباؤ کے بغیر یہ کہہ دیا کہ انہیں زبردستی آپ کے لشکر میں رکھا گیا ہے تو میں آپ سے گزارش کروں گا کہ انہیں میرے ساتھ روانہ کر دیا جائے تاکہ میں ان دونوں کو بھرت پور لے جاؤں اور اگر انہوں نے مجھ پر یہ انکشاف کیا کہ انہوں نے اپنی مرضی اور رضا مندی سے شاہ پسند کے ساتھ شادی کی ہے تو پاشا زر و جواہرات کی یہ تھیلی میں ان دونوں کو دے کر یہاں سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اس تھیلی کو کامنی کے باپ سورج مل کی طرف سے ان دونوں کی شادی پر تحفہ کے طور پر میں کامنی اور وینا کے حوالے کر جاؤں گا۔ بس پاشا آپ سے میری گزارش یہی ہے کہ مجھے اب کامنی اور وینا سے علیحدگی میں ملاقات کرنے کا موقعہ فراہم کریں۔

پرشوتم داس جب خاموش ہوا تو احمد شاہ ابدالی نے مصنوعی انداز میں اپنے سر کو جھکاتے ہوئے سوچا پھر وہ کہنے لگا دیکھ پرشوتم داس تو ایک دھرمی آدمی ہے اور میں ایسے لوگوں کی عزت اور احترام کرتا ہوں اس میں شک نہیں کہ کامنی اور وینا اس وقت دونوں اپنے خیمے میں ہیں پر شاہ پسند اس وقت یہاں نہیں وہ لاہور شہر میں خرید و فروخت کے لئے گیا ہوا ہے۔ اس پر پرشوتم داس فوراً" احمد شاہ ابدالی کی بات کاٹتے ہوئے کہنے لگا۔

پاشا اس وقت اگر شاہ پسند لاہور شہر گیا ہوا ہے تو یہ اور بھی اچھا ہے اس کی غیر موجودگی میں کامنی اور وینا سے ملکر ان کی رائے جان سکوں گا اگر وہ یہاں موجود ہوا تو

سکتا ہے اس کے دباؤ کی وجہ سے کامنی اور وینا دونوں مجھ پر حقیقت حال کا انکشاف کر سکیں۔

اس پر احمد شاہ ابدالی ہار ماننے کے انداز میں کہنے لگا۔ اگر تم زور دیتے ہو تو میں اری ملاقات علیحدگی میں کامنی اور وینا سے کروانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اس کے تھ ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنی آنکھ کو ذرا دباتے ہوئے برخوردار کو مخصوص اشارہ کیا وہ کسی قدر بلند آواز میں پرشوتم داس کو بھی سنانے کی خاطر کہنے لگا۔

برخوردار تم ابھی اور اسی وقت جاؤ کامنی اور وینا سے سارا احوال بیان کرو اور سے کہو کہ ان کے راج محل کا پروہت پرشوتم داس ان سے علیحدگی میں مل کر ان رائے جاننا چاہتا ہے۔ ان دونوں کے خیمے میں اس وقت کوئی عورت یا پہرہ دینے لے ہوں تو انہیں پیچھے ہٹا دو۔ تھوڑی دیر بعد میں بھی پرشوتم داس کو لیکر ادھر ہی ہوں۔

احمد شاہ ابدالی کا اشارہ پاتے ہی برخوردار خان اپنی جگہ سے اٹھا اور عبداللہ کے میں آیا۔ اس وقت خیمے میں عبداللہ کامنی اور وینا کے ساتھ بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ میں آتے ہی برخوردار نے بڑے تیز لہجے میں کہا عبداللہ میرے بیٹے پرشوتم داس ارے خیمے میں آنے والا ہے لہٰذا اس کی آمد سے پہلے اپنی تیاری مکمل کر لو۔ جلدی میں تمہارے خیمے کے اردگرد پہرہ دینے والوں کو بھی پیچھے ہٹا دیتا ہوں۔ اس کے تھ ہی برخوردار خان باہر نکل گیا تھا۔ عبداللہ کامنی اور وینا بڑی تیزی سے حرکت آئے۔ کامنی اور وینا نے پہلے ہی تین گاؤ تکیے ایک قطار میں جما رکھے تھے ان کے عبداللہ لیٹ گیا۔ وہ پوری طرح مسلح تھا۔ تکیوں کی اوٹ میں اس نے اپنی تلوار ڈھال بھی رکھ لی تھی۔ جب وہ وہاں لیٹ گیا تو کامنی نے اس کے اوپر سیاہ رنگ ایک چادر ڈال دی تھی۔ پھر کامنی اور وینا دونوں گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئیں کامنی نے بچے کو اپنے اور وینا کے درمیان بٹھا دیا تھا۔

○

تھوڑی ہی دیر بعد پروہت پرشوتم داس خیمے میں داخل ہوا۔ کامنی اور وینا دونوں اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی تھیں۔ پرشوتم داس آگے بڑھا کامنی اور وینا کے نزدیک جا کر وہ کھڑا ہوا پھر طنزیہ سے انداز میں وہ ان دونوں کو مخاطب کر کے پوچھنے لگا۔ کیا تم دونوں بہنوں نے مجھے پہچانا۔ اس پر کامنی بولی اور کہنے لگی ہاں پہچانا۔ تم بھرت پور کے راج مندر کے پروہت ہو۔ اس پر پرشوتم داس پھر طنزیہ سے انداز میں کہنے لگا۔ شکر ہے تم دونوں نے مجھے پہچانا تو۔ میں تم سے یہ پوچھنے آیا ہوں کیا تم نے احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند سے اپنی مرضی کے مطابق شادی کی ہے؟ اس پر وینا بولی اور کہنے لگی ہاں ایسا ہی ہے۔ ہم دونوں نے انہیں پسند کرتے ہوئے ان سے محبت کرنے کے بعد ان سے شادی کی ہے۔ اس پر پرشوتم انتہائی کراہت اور نفرت کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔

یہ کیسی پاپ کی بات ہے کہ ایک مسلمان ہندو دھرم کی لڑکیوں کے رنگ گل کے سے حریری بدن' بوئے گل کے کتان جسم سے لطف اندوز ہوتا رہے۔ راج کماری اور اس کی چچا زاد بہن کے شفق زادوں کے گل زاد لعل لب کے فشار کی جرعہ نوشی کرتا رہے۔ یہ کتنی افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلمان جوان بھرت پور کے مہکتے لب اور شام کی شفق جیسے رخساروں کا لطف اٹھاتا رہے۔

یہ کیسی انہونی بات ہے کہ ایک مسلمان ہندو لڑکیوں کے دمکتے رخ' شوخی گفتار' آنکھوں کی موج سے بغلگیر ہوتا ہے اور ان کی قباؤں کے بند کھول کر بدن کی موج نور اور بکھری زلف کے عنبر سے نشاط شوق اور لذت شہد و شکر چراتا پھرتا رہے۔

یہاں تک کہنے کے بعد پروہت پرشوتم داس جب تھوڑی دیر کے لئے رکا تو اس کی ان باتوں کا جواب دیتے ہوئے کامنی کہنے لگی۔

دیکھ پروہت پرشوتم داس اس خیمے میں اس قسم کی گفتگو مت کر۔ ہم دونوں کا دھرم اب ہندو نہیں۔ ہم دونوں مسلمان لڑکیاں ہیں اور اپنی مرضی اور اپنی خواہش کے مطابق شاہ پسند سے شادی کی ہے۔ ہم دونوں چونکہ شاہ پسند کی بیویاں ہیں لہٰذا وہ

ہمارے جسم نہیں بلکہ جسم کے ہر اعضاء سے لطف اندوز ہو سکتا ہے۔ اس پر تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو۔ اس پر پرشوتم داس بری طرح بھڑک اٹھا اور کہنے لگا۔

یہ مت پوچھو کہ میں کون ہوتا ہوں اعتراض کرنے والا۔ میں ہندو دھرم کا پروہت ہوں اور میں تم دونوں کو ایسا نہیں کرنے دوں گا۔ میں تو آج اس خیمے میں خنجر کی چمک پر مقتل گاہ کا سا رقص لافانی شروع کروں گا۔ اس خیمے میں میں ظلم و جبر کی پیاس' کرب کا جنون کھڑا کروں گا اور تمہاری زیست کے لمحوں کو پر آشوب اور تمہارے دل کے پاتال میں برسوں سے گرجتی گونجتی چیخیں بھر کر رکھ دوں گا۔

اس کے ساتھ ہی پروہت پرشوتم داس حرکت میں آیا اپنے لباس کے اندر سے اس نے چوڑے بھاری پھل کا ایک خنجر نکالا جو کافی لمبا تھا پھر اس نے خنجر اپنے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ سنو کامنی اور وینا اس خنجر سے میں تم دونوں کے جسموں کو چیر کر یہاں سے بھاگنے کی کوشش کروں گا اگر میں بھاگ نہ سکا پکڑا گیا مارا گیا تب بھی سمجھوں گا کہ میں نے اپنا کام جو کرنا چاہا تھا وہ کر گزرا۔ پرشوتم داس اس سے آگے کچھ نہ کہہ سکا۔ اس لئے کہ کامنی اور وینا کی پشت پر گاؤ تکیوں کی اوٹ میں لیٹا ہوا عبداللہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ پرشوتم داس اسے دیکھتے ہوئے دنگ رہ گیا تھا۔ اس لئے کہ عبداللہ اس وقت اپنے جنگی لباس میں تھا اس کے ایک ہاتھ میں اس کی سانپ کی زبان جیسی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں اس کی ڈھال تھی۔ اسے دیکھتے ہوئے پرشوتم داس کانپنے لگا اور ہکلاتی ہوئی آواز میں پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے نمودار ہو گئے ہو۔ اس پر عبداللہ بولا اور کہنے لگا۔ میں ہی شاہ پسند ہوں۔ میں ہی کامنی اور وینا کا شوہر ہوں اور یہ جو بچہ ان دونوں کے درمیان بیٹھا ہے یہ میرا ہے جو کامنی کے بطن سے ہے دیکھ اس خیمے میں آ کر تیرا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ اس لئے کہ تیرے آنے کی وجہ کا علم ہمیں پہلے ہی ہو چکا تھا لیکن ہم تیرے سامنے تیرے گناہ گار ضمیر کے جرم کو ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اب جبکہ تیرا جرم ثابت ہو گیا ہے لہٰذا تو واجب القتل

ہے۔ پرشوتم داس اس موقع پر بجائے اس کے کہ آگے بڑھ کر شاہ پسند پر حملہ آور ہوتا۔ پیچھے بھاگا۔ شاید وہ چاہتا تھا کہ خیمے سے نکل کر کسی نہ کسی طرح اپنے آپ کو بچا کر بھاگ جائے۔

لیکن جونہی بھاگنے کے لئے پرشوتم داس مڑا۔ دنگ رہ گیا اس لئے کہ اسی لمحے خیمے میں احمد شاہ ابدلی' شاہ ولی خان' جہان خان اور برخوردار اور ان کے پیچھے کچھ مسلح جوان خیمے میں داخل ہوئے تھے۔ پرشوتم داس اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رہ گیا اس نے اپنے ایک ہاتھ میں خنجر دوسرے ہاتھ میں جواہرات سے بھری ہوئی تھیلی پکڑ رکھی تھی اور یہ دونوں چیزیں اس کے ہاتھوں سے گر گئی تھیں۔ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی بولا اور کہنے لگا۔

شاہ پسند میرے بیٹے آگے بڑھو۔ اس کا خنجر بھی اٹھا لو اور جو تھیلی گری ہے وہ بھی لے لو۔ اس تھیلی میں بہت سے قیمتی جواہرات ہیں تم ان کے مالک ہو۔ عبداللہ آگے بڑھا ششدر کھڑے پرشوتم داس کا خنجر اور جواہرات سے بھری تھیلی بھی اس نے لے لی۔ پھر وہ تھیلی اس نے پیچھے ہٹتے ہوئے کامنی کی گود میں رکھ دی۔ خنجر بھی اس نے وہیں پھینک دیا تھا۔ اس موقع پر احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور کہنے لگا۔

جہان خان اور شاہ ولی خان تم دونوں حرکت میں آؤ۔ پرشوتم داس کے ہاتھ پشت پر اور ٹانگیں باندھ دو اور اسے میرے خیمے میں لا کے رکھو۔ یہاں تک کہنے کے بعد احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک رکا پھر وہ دوبارہ بولا اور کہنے لگا۔ عبداللہ تم اور برخوردار دونوں ابھی اور اسی وقت سیتلا مندر کی طرف جاؤ وہاں سے اس کے جو دو ساتھی ہیں جن کے نام سندر داس اور نند لعل بتائے گئے ہیں ان کو بھی گرفتار کر کے یہاں لے کے آؤ۔ سندر داس اور نند لعل کے نام سن کر پرشوتم داس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ گئی تھیں وہ عجیب سے چونک جانے والے انداز میں احمد شاہ ابدالی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس دوران احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور کہنے لگا۔ شاہ پسند میرے بیٹے تمہارے خیمے سے باہر اس وقت کچھ مسلح دستے کھڑے ہوئے ہیں تم اور برخوردار ان

مسلح دستوں کو لے کر شہر کی طرف جاؤ شاہ عالم دروازے کے باہر جو سیتلا مندر ہے پہلے اس کا محاصرہ کر لینا پھر اس کے بڑے پروہت رینا ناتھ سے ملنا اس سے سندر داس اور نند لعل کا پوچھنا اگر وہ آسانی سے بتا دے تو ٹھیک ورنہ تم اس پر جبر بھی کر سکتے ہو اور اگر وہ نہ بتائے تو اس کا سر بھی قلم کر دو اور سندر داس اور نند لعل کو ہر صورت میں گرفتار کر کے میرے پاس لاؤ۔

احمد شاہ ابدالی کا یہ حکم پا کر شاہ ولی اور جہان خان دونوں پرشوتم داس کو باہر لے گئے تھے۔ عبداللہ اور برخوردار بھی جب شہر کی طرف جانے کے لئے باہر نکلے تو احمد شاہ ابدالی نے کامنی اور وینا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

سنو میری بچیو! تمہیں فکر مند اور پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے تم اگر شاہ پسند کی بیویاں ہو تو احمد شاہ ابدالی کی بیٹیاں ہو اور احمد شاہ اپنے لواحقین کی حفاظت کرنا خوب جانتا ہے۔ میری بچیو! عبداللہ کے مہم پر جانے پر تم پریشان نہ ہونا تمہارے خیمے کے اردگرد میں نے محافظوں کی تعداد بڑھا دی ہے۔ تم تینوں پرسکون رہو اور اپنے خیمے میں آرام کرو۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی بھی خیمے سے نکل گیا تھا۔



عبداللہ اور برخوردار خان اپنے محافظ دستوں کے ساتھ شاہ عالم دروازے کے سامنے سیتلا مندر کے پاس نمودار ہوئے۔ اپنے سارے مسلح سواروں کو انہوں نے سیتلا مندر کے اطراف میں پھیلا دیا تھا پھر وہ دونوں اپنے چند مسلح جوانوں کے ساتھ شاہ عالم دروازے کی طرف سے سیتلا مندر کے صدر دروازے میں داخل ہوئے۔ مندر کے ایک محافظ کے پاس آ کر عبداللہ اور برخوردار دونوں اپنے گھوڑوں سے اتر گئے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ان کے مسلح ساتھی بھی اپنے گھوڑوں سے اتر گئے تھے۔ پھر عبداللہ اور برخوردار دونوں محافظ کے پاس آئے اور عبداللہ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ ہمیں اس سیتلا مندر کے بڑے پروہت رینا ناتھ سے ملنا ہے۔ کہو وہ اس وقت کہاں ہو گا۔ محافظ عبداللہ برخوردار ان کے مسلح ساتھیوں کو دیکھ کر چونک سا گیا

تھا۔ پھر وہ اپنے اطمینان کی خاطر پوچھنے لگا۔ خیرت تو ہے کیا رینا ناتھ سے کوئی جرم ہوا ہے اس پر عبداللہ اسے ڈھارس دیتے ہوئے کہنے لگا نہیں۔ اس سے کوئی جرم نہیں ہوا۔ ہم ایک اور اہم کام کے سلسلے میں اس سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس پر اس محافظ کو اطمینان ہوا اور وہ عبداللہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔ آپ سب میرے ساتھ آئیں۔ عبداللہ اور برخوردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ محافظ کے ساتھ ہو لئے تھے۔

وہ محافظ ایک کمرے کے دروازے پر رکا۔ پھر دروازے پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد ادھیڑ عمر کے آدمی نے دروازہ کھولا۔ محافظ اسے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مہاراج یہ لوگ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ قبل اس کے دروازہ کھولنے والا بولتا۔ عبداللہ اسے پہلے ہی مخاطب کر کے کہنے لگا۔ اگر میں غلطی پر نہیں تو تم رینا ناتھ ہو۔ اس مندر کے بڑے پروہت۔ اس پر وہ شخص قدر پریشانی اور فکر مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگا۔ آپ کا اندازہ درست ہے۔ میں ہی رینا ناتھ ہوں آپ لوگ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ عبداللہ اسے ڈھارس اور تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا۔

فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے جو کچھ میں تم سے پوچھتا ہوں سچ کہنا اور یہ بھی اپنے دل کے قرطاس پر لکھ لینا کہ اگر تم نے جھوٹ بولنے کی کوشش کی یا کچھ چھپانا چاہا تو ہم تمہارے جسم سے روح تک خونی حدت' تمہاری زندگی کے خون میں خار ہی خار' شرارے ہی شرارے بھری زیست کی تشنگی بکھیر دیں گے۔ دیکھ رینا ناتھ ہم دونوں احمد شاہ ابدالی کے جرنیل ہیں۔ میں شاہ پسند ہوں اور یہ میرے ساتھ برخوردار خان ہیں۔ اگر تم نے ہمارے ساتھ کوئی دھوکا اور فریب کرنے کی کوشش کی تو پھر یاد رکھنا ہم آندھیوں میں اذان دینے والے' اندھیری راتوں میں اپنی کامرانی کا سنکھ پھونکنے والے لوگ ہیں۔ ہم آتشکدوں کو ٹھنڈا کرنے والے اور میکدوں کو گرانے والے لوگ ہیں۔ اگر تم نے ہمارے ساتھ دھوکہ کیا تو یاد رکھنا تمہاری زندگی کے نشے اور خمار میں ہم شعلے ہی شعلے دھواں ہی دھواں بھر دیں گے۔ تمہاری زیست کے امرت میں زہر ہی زہر قضا ہی قضا گھول کر چلے جائیں گے۔ لہٰذا رینا ناتھ سیدھی طرح بتاؤ کہ بھرت پور سے آنے والے دونوں پروہت سندر داس اور نند لعل جنہوں نے تمہارے اس سیتلا مندر میں قیام کر رکھا ہے وہ اس وقت کہاں ہیں۔

پروہت رینا ناتھ جو ابھی تک گردن جھکائے ہوئے گہری سوچوں میں غرق تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے اپنی گردن سیدھی کی۔ باری باری اس نے عبداللہ اور برخوردار کی طرف دیکھا پھر اس نے بڑے میٹھے لہجے' بڑی مٹھاس بھری آواز اور بڑے اطمینان اور متانت میں کہنا شروع کیا۔

میرے معزز مہمانو میں اپنے آپ کو خوش قسمت محسوس کر رہا ہوں کہ اس وقت میں احمد شاہ ابدالی کے جرنیل شاہ پسند اور برخوردار کے سامنے کھڑا ہوں میں تم دونوں سے کچھ چھپاؤں گا نہیں میں یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ جن لوگوں کے متعلق تم پوچھ رہے ہو ان کا دفاع کروں گا۔ میں اس فکر میں غرق ہو گیا تھا کہ کیا سندر داس اور نند لعل جرائم پیشہ لوگ ہیں اور کیا انہوں نے کوئی جرم کر کے سیتلا مندر میں پناہ لی ہے یا یہ کہ وہ کسی ایسے جرم کی ابتداء کرنا چاہتے ہیں جسے روکنے کے لئے تم ان دونوں کے پیچھے پڑ گئے ہو اس پر برخوردار بولا اور رینا ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

رینا ناتھ تمہارے خدشات تمہارے اندازے درست ہیں۔ دیکھ بھرت پور کی ایک راجکماری نام جس کا کامنی تھا اس کی ایک بہن بھی ہے جس کا نام وینا ہے۔ یہ دونوں بھرت پور سے بھاگ کر ہمارے لشکر میں آ گئیں تھیں۔ یہ جوان جو تمہارے سامنے اس وقت کھڑا ہے اس کا نام عبداللہ ہے اور اسے لشکر میں شاہ پسند کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ کامنی کی ایک موقع پر اس نے جان بچائی تھی۔ لہٰذا کامنی اس سے محبت کرنے لگی۔ اس محبت کا نتیجہ یہ نکلا کہ کامنی نے اپنا دھرم بھی تبدیل کر لیا اور شاہ پسند سے شادی بھی کر لی۔ اب کامنی کے بطن سے شاہ پسند کا ایک بیٹا ہے۔ پھر ایسا ہوا کہ بھرت پور کے راجہ سورج مل نے اپنی بھتیجی وینا کی شادی مرہٹوں کے پیشوا کے بھائی رگوناتھ سے کرنا چاہی پر وہ رگھوناتھ کو ناپسند کرتی تھی لہٰذا وہ پناہ کی خاطر بھرت پور سے بھاگ کر اپنی بہن کامنی کے پاس آ گئی اور وینا شاہ پسند اور کامنی

کے ساتھ ہی رہنے لگی۔ اس دوران کامنی کی اجازت سے وینا بھی شاہ پسند سے محبت کرنے لگی آخر کار وینا کی شادی بھی شاہ پسند سے ہو گئی۔ لہٰذا اس وقت کامنی اور وینا دونوں شاہ پسند کی بیویاں ہیں۔

اب یہ سندر داس اور نند لعل بھرت پور کے راجہ سورج مل کے بیٹے جواہر سنگھ کی انگیخت پر اس لئے یہاں آئے ہیں کہ موقع ملے تو وینا اور کامنی دونوں کو ہلاک کر دیا جائے۔ یہ پروہت ان دونوں بہنوں سے اس بات کا بدلہ لینا چاہتے ہیں کہ انہوں نے اپنا دھرم ترک کر کے کیوں اسلام قبول کیا اور کیوں انہوں نے احمد شاہ ابدالی کے جرنیل سے شادی کر لی۔ بس اس جرم میں ہم ان پروہتوں کو پکڑنا چاہتے ہیں اس لئے کہ ان کا ایک ساتھی جس کا نام پرشوتم داس ہے وہ ہمارے لشکر میں داخل ہوا تھا اور اس نے اپنے خنجر سے کامنی اور وینا کو ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی پر وہ بروقت پکڑا گیا۔ اس وقت وہ ہمارے لشکر میں ہے اور اب ہم سندرداس اور نند لعل کو حاصل کرنا چاہتے ہیں کیونکہ یہ تینوں پروہت اکٹھے ہی بھرت پور سے آئے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ پہلے پرشوتم داس کامنی اور وینا کو ہلاک کرنے کوشش کریں اگر وہ کامیاب ہو گیا تو ٹھیک ہے اور وہ ناکام ہو جائے تو سندر داس اور نند لعل ایسا کرنے کی کوشش کریں گے۔ یہ ہے ساری داستان اب تم کہو سندر داس اور نند لعل کہاں ہیں؟

اس پر سیتلا مندر کا پروہت رینا ناتھ بڑی شرافت بڑی فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہنے لگا۔ سنو ! میرے معزز مہمانوں۔ مجرموں کا تعلق خواہ مسلمانوں سے ہو یا ہندو دھرم سے مجرم مجرم ہی ہے۔ ہر مجرم کو ہر صورت میں اس کے جرم کی سزا ملنی چاہیے اگر بھرت پور سے آنے والے یہ تینوں پروہت پرشوتم داس، سندر داس اور نند لعل کامنی اور وینا کے قتل کا ارادہ لے کے آئے ہیں تو انہیں اس ارادے کی سزا ضرور ملنی چاہیے۔ میں ان کا دفاع نہیں کروں گا۔ میں یہ بھی تم لوگوں کے سامنے تسلیم کرتا ہوں کہ سندر داس اور نند لعل نے میرے ہی مندر میں پناہ لے رکھی ہے

اب چونکہ مجھے ان کے عزائم کی خبر ہو گئی ہے لہٰذا میں ان کا دفاع نہیں کروں گا تم میرے ساتھ آؤ میں تمہیں ان سے ملاتا ہوں۔

رینا ناتھ کی یہ گفتگو سن کر عبداللہ کے چہرے پر خوشی پھیل گئی تھی اور وہ رینا ناتھ کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ رینا ناتھ تم واقعی آفاقی خیال رکھنے والے انسان ہو میں تمہاری سچائی، تمہاری فراخدلی کو سلام کرتا ہوں۔ اس کے بعد عبداللہ اور برخوردار اور ان کے مسلح جوان پروہت رینا ناتھ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ رینا ناتھ نے اپنے کمرے کے قریب ہی ایک دروازہ پر دستک دی۔ تھوڑی دیر بعد ایک شخص نے دروازہ کھولا۔ رینا ناتھ نے اسے مخاطب کر کے کہا نند لعل تمہارا دوسرا ساتھی سندر داس کہاں ہے؟ اس پر نند لعل بولا اور کہنے لگا وہ کمرے ہی میں ہے۔ رینا ناتھ غور سے اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگا اسے بھی باہر بلاؤ۔ نند لعل نے سندر داس کو آواز دے کر بلایا۔ دونوں دروازے پر آن کھڑے ہوئے۔ رینا ناتھ پھر بولا اور کہنے لگا۔ دروازہ پر کھڑے ہونے کی ضرورت نہیں ہے کمرے سے باہر آ جاؤ۔ سندر داس اور نند لعل عجیب سے انداز میں رینا ناتھ کی طرف دیکھ رہے تھے ان کی آنکھوں میں اس وقت سوال ہی سوال رقص کر رہے تھے۔ کبھی وہ پریشانی کے عالم میں رینا ناتھ کی طرف دیکھتے اور کبھی ان کی نگاہوں کا مرکز برخوردار خان اور عبداللہ بن جاتے تھے۔ سندرداس اور نند لعل رینا ناتھ کے کہنے پر جب کمرے سے باہر نکلے تو عبداللہ نے انہیں مخاطب کر کے پوچھا۔

سنو سندر داس اور نند لعل کیا تم لوگ بتاؤ گے کہ بھرت پور سے آنے والا تمہارا تیسرا ساتھی پرشوتم داس اس وقت کہاں ہے۔ عبداللہ کے اس انکشاف پر سندر داس اور نند لعل سرسوں کے پھولوں کی طرح پیلے ہو گئے تھے۔ ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑنے لگیں تھیں اور وہ عجیب سے جذبے عجیب سے انداز میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس موقع پر عبداللہ نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی سانپ کی زبان جیسی تلوار کھینچی اور پھر وہ سندر داس اور نند لعل کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو سندر داس اور نندلعل تم دونوں نے اگر لاہور شہر کے سیتلا مندر میں کوئی غلط حرکت کرنے کی کوشش کی تو میں تلوار بلند کر کے ایسی برساؤں گا کہ ایک ہی وار میں تم دونوں کی گردنیں کاٹ کر رکھ دوں گا۔ اس موقع پر برخوردار نے بھی ایک جھٹکے کے ساتھ اپنی تلوار بے نیام کر لی تھی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے ان کے مسلح ساتھی بھی اپنی تلواریں بے نیام کر چکے تھے۔ عبداللہ پھر انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو سندر داس اور نندلعل میں اور میرا یہ ساتھی احمد شاہ ابدالی کے جرنیل ہیں۔ میں شاہ پسند ہوں اور میرے ساتھ یہ برخوردار خان ہے۔ میں ہی بھرت پور کی راجکماری کامنی اور اس کی چچا زاد بہن وینا کا شوہر ہوں۔ ہمیں خبر ہو چکی ہے کہ تم دونوں اور پرشوتم داس بھرت پور سے اس نیت کے ساتھ لاہور شہر کی طرف آئے تھے کہ کوئی مناسب موقع جان کر کامنی اور وینا کو ہلاک کر دیا جائے ہمیں یہ بھی خبر ہو گئی ہے کہ تم تینوں کا تعلق بھرت پور کے راج مندر سے ہے۔ لہٰذا تم ابھی اور اسی وقت ہمارے ساتھ چلو۔ سنو تمہارا تیسرا ساتھی پرشوتم داس کامنی اور وینا پر حملہ آور ہو کر انہیں ہلاک کرنے کے جرم میں پکڑا جا چکا ہے۔ لہٰذا ہم تمہیں بھی پکڑ کر وہیں لے جانا چاہتے ہیں اور پھر تم تینوں کو اکٹھی سزا دی جائے گی۔ سندر داس اور نندلعل جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ عبداللہ نے اپنے مسلح ساتھیوں کو مخصوص اشارہ کیا۔ یہ اشارہ پاتے ہی وہ مسلح جوان آگے بڑھے اور سندر داس اور نندلعل دونوں کے ہاتھ انہوں نے پشت پر باندھ دیئے تھے پھر عبداللہ نے رینا ناتھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہنا شروع کیا۔

رینا ناتھ ہم اس سندر داس اور نندلعل دونوں کو اپنے ساتھ لے جا رہے ہیں ہم تمہارے مشکور و ممنون ہیں کہ تم نے ان مجرموں کو اور سیاہ ارادے رکھنے والے انسانوں کی گرفتاری میں ہمارے ساتھ تعاون کیا۔ میں ایک بار پھر تمہیں سلام کرتا ہوں۔ تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی عبداللہ اور برخوردار خان اپنے

افظ ساتھیوں کے ساتھ سندر داس اور نندلعل کو لے کر مندر سے نکلے پھر وہ اپنے ارے ساتھیوں کو اکٹھا کرنے کے بعد لشکر گاہ کی طرف جا رہے تھے۔



تھوڑی ہی دیر بعد عبداللہ اور برخوردار خان اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر گاہ ں داخل ہوئے جب وہ سندر داس اور نندلعل کو لے کر احمد شاہ ابدالی کے خیمہ میں اخل ہوئے تو خیمے کے اس کمرے میں جس میں احمد شاہ ابدالی عام لوگوں سے ملا کرتا ا۔ احمد شاہ ابدالی کے علاوہ شاہ ولی خان اور جہان خان بھی بیٹھے ہوئے تھے اور ان ے سامنے پرشوتم داس پڑا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ عبداللہ احمد اہ ابدالی کے سامنے آیا پھر وہ سندر داس اور نندلعل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہنے لگا پاشا یہ اس پرشوتم داس کے ساتھی سندر داس اور نندلعل ہیں۔ احمد شاہ ابدالی بڑے غور سے تھوڑی دیر سندر داس اور نندلعل کو دیکھتا رہا پھر اس نے برخوردار کو اطب کر کے کہا۔ برخوردار اس پرشوتم داس کے بھی ہاتھ پاؤں کھول دو برخوردار رکت میں آیا اپنا خنجر نکالا اور جس رسی میں پرشوتم داس کی پشت پر اس کے ہاتھ ندھے ہوئے تھے وہ رسی اس نے کاٹ دی۔ پرشوتم داس آپ سے آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر سندر داس اور نندلعل کے پاس جا کھڑا ہوا تھا۔ احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر تک ن تینوں کو غصیلی نگاہوں سے دیکھتا رہا پھر وہ انہیں مخاطب کر کے کہنے لگا۔

سنو! بھرت پور کے تینوں پروہتو! ہم لوگ تو مشیت کا خراج وصول کرنے والے اور نئی تقدیر رقم کرنے والے لوگ ہیں۔ تم نے کیا سمجھا تھا کہ تم میرے بیٹے شاہ پسند کی زمزمہ خوان زندگی کو مسجدوں کی ویرانی' میکدوں کی بے رونقی اور بے صوت کراہوں جیسا بنا کے رکھ دو گے۔ یاد رکھو ہم نے ایک دنیا دیکھ رکھی ہے کبھی مشرق میں کبھی مغرب میں' کبھی شہر میں' کبھی گاؤں میں' کبھی بستی میں' کبھی جنگل میں ہر جگہ ہم نے اپنے دشمن کو زگیدا اور اسے زیر کیا۔ تم جیسے جمود کا انتشار لوگ خود ہی اپنے ہاتھوں سے اپنی تباہی کا انتظام کرتے ہیں۔

یہاں تک کہتے کہتے احمد شاہ ابدالی تھوڑی دیر خاموش رہا اس لمحہ اس کی حالت گریبان چاک کرتے، قطرے قطرے میں بیکراں طوفان، موج گرداب و تلاطم میں جرات شعلہ طلبی اور کرب تشنہ لبی جیسی ہو کے رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ غصے اور غضبناکی میں برسوں کے سلگتے آلاؤ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ جبکہ اس کے سامنے پرشوتم داس، سندر داس اور نند لعل تینوں قبروں جیسی خاموشی، بوسیدہ کفن کی سی ویرانی اور زنجیروں میں جکڑی بے بسی کی مجبوری لئے کھڑے تھے۔ پھر احمد شاہ ابدالی خون کے دریا اور را ہگذاروں کی عداوت کی طرح ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

سنو! راکھ کے کھیت اور دھول کی کلیاں کھڑی کرنے والو تم کیا سمجھتے تھے کہ تم کامنی اور وینا کو قتل کر کے بھرت پور کے جواہر سنگھ کی خواہشات اور امیدیں پوری کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے۔ اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کامنی اور وینا کو قتل کرنے کا ارادہ رکھنے کی کیسی سخت سزا دی جاتی ہے۔ پھر احمد شاہ ابدالی انتہائی خوفناک انداز میں اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا اور شاہ ولی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا شاہ ولی خان ان تینوں کو تم سب اپنے ساتھ لے کر میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ شاہ ولی خان، جہان خان دونوں اپنی جگہوں سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ برخوردار خان اور عبداللہ بھی ان کے ساتھ ہو گئے تھے۔ ان تینوں پروہتوں کو لے کر وہ سب احمد شاہ ابدالی کے پیچھے پیچھے ہو لئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی عبداللہ کے خیمے کے سامنے آن رکا پھر وہ خیمے کے دروازہ پر آیا اور خیمے کے وسط میں بیٹھی کامنی اور وینا کو مخاطب کر کے کہنے لگا میری دونوں بچیو خیمے سے باہر آؤ میں ایک فیصلہ تمہاری ہی زبان سے کرانا چاہتا ہوں کامنی اور وینا دونوں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ بیرم خان چونکہ سو چکا تھا اس لئے اسے انہوں نے اپنے ساتھ نہ لیا۔ دونوں خیمے کے دروازہ پر آن کھڑی ہوئیں۔احمد شاہ ابدالی نے پھر انہیں مخاطب کر کے کہنا شروع کیا۔ سنو میری بیٹیو میری بچیو ادھر دیکھو تمہارے خیمے کے سامنے اس

وقت تم دونوں کے قتل کا ارادہ رکھنے والے پروہت سندر داس، نند لعل اور پرشوتم داس کھڑے ہیں اگر میں ان تینوں کے قتل کا حکم دوں تو کیا تم دونوں میں سے کسی کو کوئی اعتراض ہے۔ اس پر کامنی اور وینا نے پہلے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ نگاہوں ہی نگاہوں، آنکھوں ہی آنکھوں میں دونوں نے کچھ فیصلہ کیا پھر کامنی بولی اور احمد شاہ ابدالی کو مخاطب کر کے کہنے لگی۔

پاشا اگر آپ ان تینوں کو قتل کرتے ہیں تو میں اور وینا سمجھیں گی کہ آپ نے اپنی بیٹیوں کی پاسبانی، اپنی بیٹیوں کی حفاظت کا حق خوب ادا کیا۔ کامنی کا یہ جواب سن کر احمد شاہ ابدالی کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کی لہریں بکھر گئیں تھیں پھر اس نے شاہ ولی خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ شاہ ولی خان ان تینوں کی گردنیں ماردو۔ شاہ ولی خان یہ حکم سنتے ہی آگے بڑھا اپنی تلوار اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ نکالی اور باری باری ان تینوں کی گردنیں کاٹ کے رکھ دیں تھیں۔ احمد شاہ ابدالی پھر بولا اور شاہ ولی خان کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ شاہ ولی خان لشکر کو کوچ کا حکم دو۔ اس کے ساتھ ہی احمد شاہ ابدالی اپنے خیمہ کی طرف جا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد لشکر لاہور سے قندھار کی طرف کوچ کر رہا تھا۔

اسلم راہی ایم اے
18 اے۔ گلستان رفیع
ملیر 15 کراچی

